اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا تحقیقی جائزہ

قرآن حکیم کی روشنی میں

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد ایاز خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

پی ایچ ڈی (برطانیہ) فل برائٹ سکالر (امریکہ)

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اپریل 2000ء

اس مقالے کی منظوری ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے

مراسلہ نمبر ACAD/Ph.D-Adv/89-1599 مورخہ 21-08-93 کے تحت دی گئی

انتساب

والد محترم

جناب محمد یوسف خان (مرحوم)

کے نام

جو خود بھی زندگی بھر محنت کرتے رہے
اور ہمیں بھی یہی تلقین کی۔
پھر یہی سنہری اصول' جذبہ و لگن' میرے
اس مقالے کی تکمیل کا باعث بنا

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
ہدیہ تشکر	الف
مقدمہ	ج
باب اول	
اناجیل اربعہ کا پس منظر	
"حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کرام کے تبلیغی مشن کا اجمالی خاکہ"	
حضرت ابراہیم علیہ السلام	1
حضرت اسماعیل علیہ السلام	11
حضرت اسحٰق علیہ السلام	19
حضرت لوط علیہ السلام	22
حضرت یعقوب علیہ السلام	31
حضرت یوسف علیہ السلام	35
حضرت شعیب علیہ السلام	46
حضرت موسیٰ علیہ السلام	53
حضرت داؤد علیہ السلام	67
حضرت سلیمان علیہ السلام	77
حضرت ایوب علیہ السلام	91
حضرت یونس علیہ السلام	95
حضرت زکریا علیہ السلام	99
حضرت یحییٰ علیہ السلام	103
باب دوم	
اناجیل اربعہ کا تعارف اور ان کی تدوین کا تحقیقی جائزہ اور قرآن حکیم سے تقابل	
انجیل کے معنی و مفہوم	110
انجیل کی زبان	112
انجیل متی	121

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
126	انجیل مرقس
128	انجیل لوقا
132	انجیل یوحنا
137	تحریف انجیل
144	اناجیل میں اختلاف وتضاد
158	اناجیل میں الحاق اور تحریف
164	اناجیل اور مشکوک اخلاق
172	تحریف اور مسیحی علماء
180	مسیحی کلام میں اجمال
186	اناجیل الہامی نہیں
195	اناجیل کے تراجم
198	انجیل اور قرآن حکیم
200	انجیل اور مسلمان
202	حفاظت وجمع قرآن
229	اعجاز القرآن

باب سوم

اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا اجمالی خاکہ

فصل اول

حیات مسیح کے اہم پہلو

254	ولادت مسیح
259	یسوعؑ کے حالات زندگی
271	حیات وفات رفع مسیح (مصلوبیت)
290	معجزات مسیح

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
فصل دوم	
ایمانیات وعقائد	301
تصور توحید	302
تصور رسالت	304
تصور آخرت	310
عقیدہ تثلیث	314
عقیدہ ابنیت (الوہیت مسیح)	328
عقیدہ کفارہ	339
فصل سوم	
تعلیمات مسیح	
تصور دعا و عبادت	350
اخلاقی تعلیمات	356
معاشرتی تعلیمات	367
معاشی تعلیمات	369
سیاسی تعلیمات	373
دعوت تبلیغ	375
خدا کی بادشاہی	386
اصول طہارت	397
اصول حکمت	400
باب چہارم	
اناجیل اربعہ میں حیات مسیح کے اہم پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں	
ولادت مسیح کا تقابلی جائزہ	405
حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کا تقابلی جائزہ	411

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
رفع ومصلوبیت مسیح کا تقابلی جائزہ	412
معجزات مسیح کا تقابلی جائزہ	441
باب پنجم	
اناجیل اربعہ میں مذکورہ عقائد پر تبصرہ قرآن حکیم کی روشنی میں	
تصور توحید کا تقابلی جائزہ	454
تصور رسالت کا تقابلی جائزہ	505
تصور آخرت کا تقابلی جائزہ	563
عقیدہ تثلیث کا تقابلی جائزہ	609
عقیدہ ابنیت کا تقابلی جائزہ	634
عقیدہ کفارہ کا تقابلی جائزہ	648
باب ششم	
حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں	
دعا وعبادت	678
اخلاقی تعلیمات	753
معاشرتی تعلیمات	831
معاشی تعلیمات	870
سیاسی تعلیمات	945
باب ہفتم	
خلاصہ بحث	987
المصادر والمراجع	1035

ا

ہدیہ تشکر

الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

میں انتہائی عاجزی وانکساری سے رب ذوالجلال کے حضور سجدہ شکر ادا کرتا ہوں جس کے فضل و کرم سے یہ کام مکمل ہو سکا اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے بنی نوع انسان کیلئے مفید بنائے (آمین)

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان 1975ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت سے یہ اعلیٰ تعلیم کی درس و تدریس اور تحقیق کی سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے۔ جنوبی پنجاب کے طلباء بالخصوص اور تمام ملک کے طلباء بالعموم اس سے علمی پیاس بجھا رہے ہیں ۔ معیاری نصاب بروقت اور دیانت دارانہ امتحانات' اعلیٰ نظم و نسق' عمدہ درس و تدریس اور معیاری تحقیق کی وجہ سے یہ جامعہ ملکی جامعات میں ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید ترقی دے اور اس کے ارباب اختیار کو بلند ہمت و حوصلے کی توفیق دے آمین۔

میں انتہائی محترم شفیق اور خوش اخلاق راہنمائے تحقیق جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے میری قدم قدم پر رہنمائی فرمائی اور جن کے خلوص اور حوصلہ افزائی سے میں یہ کام مکمل کر سکا۔ دراصل علمی تحقیق کے لئے ایک مشفق اور مخلص راہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفات ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب میں موجود ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید خوبیوں سے نوازے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اور برکتوں سے مالا مال کرے۔ اس تحقیقی مقالے میں جو خامیاں ہیں وہ میری کوتاہیوں کا نتیجہ ہیں اور جو خوبیاں ہیں وہ میرے قابل احترام راہنمائے تحقیق کی راہنمائی کا ثمر ہیں۔

میں اپنے واجب الاحترام بزرگ استاد جناب پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور کا بے حد ممنون ہوں کہ جن کی ذاتی توجہ اور دلچسپی کی وجہ سے مقالہ ھذا کا عنوان منتخب کر سکا۔ اور جن کے مبلغ علم' وسعت نظری اور بے پناہ معلمانہ تجربہ اور راہنمائی کی بناء پر میں نے اس مقالے کا خاکہ اور خلاصہ تیار کیا۔ غرض مقالے کے ابتدائی مراحل کی تکمیل میں ان کا بھرپور تعاون رہا۔ ان کے بغیر شاید یہ کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکتا۔ ان کی یہ ابتدائی رہنمائی میرے لئے آخر تک مشعل راہ رہی ہے۔ آج کل آپ بیرون ملک دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ سے زیادہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ نبھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس تحقیقی کام میں جن محترم اساتذہ کرام اور احباب نے معاونت اور مدد فرمائی ان میں اس وقت کے ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور حال اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری' پنجاب یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ خان' موجودہ چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی صاحب اور اسی شعبہ کے پروفیسر اصغر علی سلیمی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی گورنمنٹ ملت کالج ملتان کے پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر میرے اپنے شعبہ اور کالج کے پروفیسر

غلام اکبر چانڈیہ صاحب اور میرے بھائی پروفیسر محمد الطاف خان اور گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ڈیرہ غازی خان کے پروفیسر ڈاکٹر ملک محمد اکرم صاحب قابل ذکر ہیں۔ میں ان تمام اساتذہ کرام کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

موضوع کی تیاری اور مواد کے حصول کیلئے میں نے جن لائبریریوں سے استفادہ کیا ان میں سنٹر لائبریری جامعہ پنجاب۔ لائبریری شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب۔ سنٹرل لائبریری بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔ لائبریری بہاولپور یونیورسٹی۔ قائد اعظم لائبریری لاہور۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔ لائبریری بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ لائبریری مسجد نبوی مدینہ منورہ۔ لائبریری گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان۔ پبلک لائبریری قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان۔ پبلک لائبریری سٹی پارک ڈیرہ غازی خان۔ لائبریری گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان زیادہ اہم ہیں۔ میں ان جملہ لائبریریوں کے عملہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خاص طور پر گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان کی لائبریری کے انچارج دوست محمد کھوسہ صاحب اسسٹنٹ محمد عامر رانا صاحب' حافظ غلام اکبر صاحب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے فراہمی کتب میں معاونت فرمائی۔

دوران تحقیق میری والدہ کی دعائیں میرے شامل حال رہیں۔ میرے والد محترم محمد یوسف خان صاحب مرحوم کو اللہ تعالی اپنے جوار رحمت میں جگہ دے خود بھی زندگی بھر محنت کرتے رہے اور ہمیں بھی یہی تلقین کی پھر یہی سنہری اصول اور جذبہ ولگن میرے اس مقالے کی تکمیل کا باعث بنا۔ اس کے ساتھ میری رفیقہ حیات زیتون بیگم کا تعاون بھی اس مقالے میں مدد گار رہا۔ جب میں رات کے پچھلے پہر تحقیقی کام کیلئے اٹھتا تو وہ مجھے میرے کہے بغیر تھکن کے وقت گرم گرم چائے سے میری تواضع کرتی اور مجھے نئے سرے سے کام آگے بڑھانے میں یکسوئی فراہم کرتی۔ اور میری پیاری اکلوتی بیٹی ڈاکٹر بشری ایاز لاڈلے بیٹے محمد نعمان ایاز' محمد عمران ایاز چھوٹے بیٹے محمد فرخ ایاز اور محمد فیصل ایاز نے مقالے کی پروف ریڈنگ میں میرا بہت ساتھ دیا۔ میں ان کیلئے بھی دعا گو ہوں۔ اپنے بہت ہی قابل فخر بھائی ڈاکٹر محمد اقبال خان ڈائریکٹر ہیلتھ ملتان ڈویژن ملتان کا بھی شکریہ ادا کئے بغیر ہدیہ تشکر مکمل نہ ہوگا۔ جنہوں نے میرے ملتان کے بہت سے کام اسطرح کئے کہ میں بار بار ملتان آنے جانے سے بچ گیا۔

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی کے رجسٹرار غلام محمد صاحب' چوہدری عبدالعزیز صاحب' ڈپٹی خازن' رجسٹرار آفس کے در محمد صاحب' زوار حسین شاہ صاحب' محمد اسلم خان صاحب' محمد حسن صاحب کا جو دفتری امور میں میری معاونت کرتے رہے میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد ایاز خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر علوم اسلامیہ

گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان

مقدمہ

بائبل عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے مجموعہ کا نام ہے۔ آج بھی مسیحیوں کے مختلف گروہوں کی بائبلوں میں کتب کی تعداد مختلف ہے مثلاً کیتھولک بائبل بہتر کتب پر اور پروٹسٹنٹ بائبل چھیاسٹھ کتب پر مشتمل ہے۔
عہد نامہ جدید کی ہیت ترکیبی یہ ہے۔

(الف) اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا اور یوحنا)

(ب) رسولوں کے اعمال

(ج) پولوس سے منسوب چودہ خطوط

(د) یعقوب پطرس۔ یوحنا اور یہودا کے آٹھ عام خطوط (مکاشفہ یوحنا ان آٹھ میں شامل ہے) گویا اس طرح عہد نامہ جدید ستائیس کتابوں کا مجموعہ ہے۔ یہ وہی اجزاء ہیں جن کو ۳۸۲ء کی کونسل نے تسلیم کر لیا تھا اور پانچویں صدی کے اختتام (۴۹۲ء۔۴۹۶ء) پر پوپ گلاسیوس (Gelasius) نے اس کی توثیق کر دی تھی۔

عہد نامہ جدید میں اناجیل اربعہ کو ابتداء میں رکھا گیا ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک آج کل بنیادی طور پر انجیل سے مراد وہ چار کتابیں ہیں جو حضرت مسیحؑ کے حالات زندگی معجزات اور تعلیمات کے متعلق مختلف وقفوں میں لکھی گئیں۔ اور متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں لیکن کبھی پورے عہد نامہ جدید کیلئے بھی انجیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے
۔

انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا، ایمریکانا اور مذہب واخلاقیات نے اناجیل اربعہ پر جو مضامین تحریر کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے ان کا زمانہ تالیف ۵۰ء سے ۱۱۰ ہے۔ گو اس میں بھی بہت اختلاف ہے اور بعض محقق تو انہیں بہت بعد کی تحریر بتلاتے ہیں وہ ان مصنفوں کو غیر معروف اور مجہول کہتے ہیں جن کے بارے میں صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں۔ حضرت یسوعؑ اور ان کے حواریوں کی اصل زبان عبرانی یا آرامی تھی۔ اس زبان میں انجیل کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اگر اناجیل اربعہ کو اس کے مصنفوں نے عبرانی یا آرامی زبان میں لکھا تھا تو وہ اصل نسخے اب دستیاب نہیں ہے۔ محض یونانی اناجیل پائی جاتی ہیں ان کی حیثیت ترجموں جیسی ہے یا پھر یہ اناجیل یونانی زبان میں پہلی بار تحریر کی گئیں اس طرح یہ حضرت عیسیٰؑ کے بہت بعد یونانی دور میں مرتب ہوئیں۔ اس طرح یہ اناجیل یا تو ترجمہ ہیں یا حضرت یسوعؑ کے کافی عرصہ بعد تحریر کی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اناجیل نہ تو حضرت عیسیٰؑ نے لکھوائیں اور نہ ان کے حواریوں نے لکھیں بلکہ بہت بعد کے لوگوں نے ان کو تحریر کیا ہے۔ ان اناجیل میں نقل و روایت اور تواتر و تسلسل کی کوئی کمتر صورت بھی موجود نہیں جو کسی آسمانی کتاب کے لئے ضروری ہوتی ہو۔

تاریخی حقائق اور تنقید متن کے تمام اصولوں کو ایک طرف چھوڑ کر اکثر مسیحیوں کا اب بھی یہی عقیدہ ہے کہ تمام کی تمام بائبل الہامی ہے اس میں کوئی کلام غیر خدائی اور غلط نہیں۔ اور فرشتے کی معرفت مصنفین کو لکھوائے

جانے کے باعث یہ تضادات اور اختلافات سے مبرا کلام ہے۔

قرآن حکیم نے سابقہ کتب آسمانی کو احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کے اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

يومنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك

جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں

پھر سورۃ آل عمران میں کہا گیا ہے

نزل عليك الكتب بالحق مصدقاً لما بين يديه وانزل التورتة ولانجيل

اے نبیؐ اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لے کر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی ہیں اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے تورت اور انجیل نازل کر چکا ہے۔

تورات کے ساتھ ساتھ انجیل کی بھی قرآن حکیم نے تعریف اور توصیف کی ہے اور اسے ہدایت اور نور کہا ہے۔

واتينه الانجيل فيه هدًى ونور

اور ہم نے اس (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی

اسی آیت کے ساتھ ساتھ سورۃ مائدہ میں کہا گیا ہے کہ یہ انجیل تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور خداترس لوگوں کیلئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی اور اس وقت کے لوگوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالی نے اس میں نازل کیا ہے۔

قرآن حکیم نے اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ اہل کتاب کلام ربانی میں تحریف کرتے تھے اور کہا کہ انہوں نے اصل عقائد کو بدل ڈالا ہے۔ نیز سورۃ مائدہ میں عقیدہ تثلیث اور ابنیت کی پرزور الفاظوں میں تردید کی اور ان سے باز رہنے کا حکم دیا اس کے ساتھ انبیاء کی صحیح تعلیمات عقیدہ توحید و رسالت اور آخرت کو مدلل طریقے سے پیش کیا۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سابقہ کتب آسمانی میں اب بھی سچے موتی پوشیدہ ہیں ان کو تلاش کرنا بھی ایک گراں قدر خدمت ہے۔ ان کا پتہ انجیل اور قرآن حکیم کے تقابلی مطالعہ سے ہی چلتا ہے اور موجودہ اناجیل مین ان کا اندازہ بقول مولانا سید ابوالاعلی مودودی اس طرح لگایا جاسکتا ہے۔

"ہمارے پاس ان کو پہنچانے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو ممیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا یا لوگوں کو یہ تعلیم دی وہی مقامات اصل انجیل کے اجزء ہیں۔ قرآن انہیں اجزاء کے مجموعے کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے آج بھی کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن حکیم سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا وہ بھی غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد بآسانی حل کیا جاسکتے گا"

ان ہی حقائق کی تلاش کے لئے محقق نے اس موضوع کا انتخاب کیا اور یہ وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے دراصل اسلام اور مسیحیت اس وقت دنیا کے دو بڑے مذاہب ہیں اہل علم کے لئے ان دونوں مذاہب کی کتب اور تعلیمات کا مطالعہ ضروری ہے۔ نیز اس سے حقیقت کی تلاش کے ساتھ ساتھ روحانیت کی تسکین اور دلوں کو اطمینان بھی ملتا ہے۔ اس مادی دور میں روح اپنی تسکین کے سامان کیلئے مضطرب ہے اس لئے اس کو اطمینان کا سامان مہیا کرنا ضروری ہے۔ نیز تحقیق سے انسان میں وسعت نظری پیدا ہوتی ہے یوں تنگ نظری اور تعصب کا شکار نہیں ہوتا۔ اس طرح حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور انسان دین حق کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

علمی لحاظ سے بھی اناجیل اربعہ کا مطالعہ ضروری ہے ان مقدس کتب میں عیسیٰؑ کی سیرت معجزات اور تعلیمات ملتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے تمام پہلو صحیح طور پر اجاگر کئے جائیں تاکہ اہل علم کو معلوم ہو سکے کہ دنیا کے ایک بڑے مذہب مسیحیت کے اصل خدوخال کیا ہیں اس حقیقت تک پہنچنے کیلئے اناجیل اربعہ کا قرآن حکیم کی روشنی میں مطالعہ بہت ضروری ہے۔

حدود بحث

مقالہ کا موضوع "اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا تحقیقی جائزہ قرآن حکیم کی روشنی میں" تھا۔ محقق کا م اناجیل اربعہ کے اہم اہم مضامین بیان کرنا تھا۔ اناجیل سے ان تعلیمات کو تلاش کر کے مضمون بندی محقق کے پیش نظر تھی۔ پھر ان تعلیمات کو قرآن حکیم میں تلاش کرنا مقصود تھا۔ اس کے بعد ان کا تقابلی جائزہ لینا تھا۔ ان ہی باتوں تک محقق نے اپنے مقالے کو محدود رکھا ہے۔

خاکے کے مطابق مقالے کو مندرجہ ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام بڑے بڑے انبیاء کرام کے تبلیغی مشن کا خاکہ پیش کیا گیا ہے اس طرح ان انبیاء عظام کی مساعی جمیلہ ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے تشریف لائے یوں موضوع کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو جاتی ہے اور ان کے تبلیغی کارنامے بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔

ان انبیاء کرام کے نام یہ ہیں

۱۔ حضرت ابراہیمؑ
۲۔ حضرت اسماعیلؑ
۳۔ حضرت اسحٰقؑ
۴۔ حضرت لوطؑ
۵۔ حضرت یعقوبؑ
۶۔ حضرت یوسفؑ

۷۔ حضرت شعیبؑ

۸۔ حضرت موسیٰؑ

۹۔ حضرت داؤدؑ

۱۰۔ حضرت سلیمانؑ

۱۱۔ حضرت ایوبؑ

۱۲۔ حضرت یونسؑ

۱۳۔ حضرت زکریاؑ

دوسرا باب اناجیل اربعہ کے تعارف' تدوین اور قرآن حکیم کی تدوین و حفاظت پر محیط ہے۔اس میں انجیل کے معنی و مفہوم انجیل کی زبان' انجیل کی تعداد' چاروں اناجیل کی تاریخ' تحریف انجیل' اناجیل میں تضاد و اختلاف' اناجیل میں اوہام پرستی' اناجیل اور مشکوک اخلاق' مسیحیت کا غیر مستند اور غیر معتبر دینی ادب تحریف اور مسیحی علماء۔ مسیحی کلام میں اجمال مسیحیت پر ظلم و ستم اور کتب مقدسہ۔ عہد جدید کے قدیم نسخے۔اناجیل کے تراجم۔انجیل اور قرآن حکیم۔انجیل اور مسلمان۔ قرآن حکیم کی حفاظت و تدوین۔اناجیل اور قرآن حکیم کی حفاظت و تدوین۔اناجیل اور قرآن حکیم کا موازنہ۔اعجاز القرآن کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

تیسرا باب "اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا اجمالی خاکہ" کے عنوان پر محیط ہے اس باب کی تین فصلیں ہیں اس میں ولادت مسیح۔حالات زندگی۔حیات وفات مسیح (مصلوبیت) معجزات مسیح۔ایمانیات و عقائد مسیح۔تعلیمات مسیح کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم کا عنوان "حیات مسیح کے اہم پہلو قرآن کی روشنی میں" تحریر کیا گیا ہے۔اس میں ولادت مسیح۔ معجزات مسیح ۔رفع و مصلوبیت ۔ مسیح کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں اناجیل اربعہ میں مذکورہ عقائد پر قرآن حکیم کی روشنی میں تبصرہ کیا گیا ہے اس میں اسلام کا تصور توحید و رسالت اور آخرت کا تفصیلی ذکر اور ان کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔مسیحیت کا تصور تثلیث' تصور ابنیت والوہیت اور عقیدہ کفارہ کی کا قرآن حکیم کی روشنی میں تقابلی جائزہ تحریر کیا گیا ہے۔

باب ششم "حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا مطالعہ قرآن حکیم کی روشنی میں" کے عنوان سے معنون ہے اس باب میں اسلام کے نظام دعا و عبادات۔اخلاقی تعلیمات۔معاشرتی تعلیمات۔معاشی تعلیمات۔سیاسی تعلیمات کی تفصیلات تحریر کی گئی ہیں۔اور ان کا اناجیل سے تقابل کیا گیا ہے۔

باب ہفتم خلاصہ بحث پر حاوی ہے اس میں مقالے کی تمام تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔اس سے تمام مقالے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

یوں اس مقالے سے مسیحیت اور اسلام کی الہامی کتب انجیل اور قرآن حکیم کی چیدہ چیدہ تعلیمات اور مضامین کا خاکہ ابھر آتا ہے۔ اور ان کا تقابلی جائزہ بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے اس طرح دنیا کے دو اہم مذاہب کی تعلیمات مضامین اور ابواب بندی کی شکل میں اس مقالے میں جمع کئے گئے ہیں تاکہ ان الہامی مذاہب کو سمجھنے میں آسانی رہے اور حقیقت کے متلاشی بھی صحیح نتیجے پر پہنچ جائیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو راہ ہدایت پر چلائے آمین

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ خاکسار کی اس کاوش کو بنی نوع انسان کیلئے مفید بنائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔

باب اول

اناجیل اربعہ کا پس منظر

(حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام کے تبلیغی مشن کا اجمالی خاکہ)

اپنے اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے ہم پس منظر کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بڑے بڑے انبیاء کرام کے تبلیغی مشن کا خاکہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اناجیل اربعہ کا تحقیقی جائزہ لینے سے پہلے ان تمام انبیاء عظام کی مساعی جمیلہ سامنے آجائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تشریف لائے اسطرح اس موضوع کو سمجھنے میں آسانی بھی رہے گی اور گذشتہ انبیاء علیہ السلام کا تبلیغی مشن بھی ہمارے سامنے آجائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر اور عظیم پیغمبروں میں سے ہیں۔ قرآن حکیم نے آپؑ کو اُمۃ (1)۔ اور امام الناس (2)۔ کہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حنیف اور مسلم کی صفات (3)۔ سے بھی یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ آلِ ابراہیم کو 'کتاب' 'حکمۃ' اور ملک عظیم سے نوازا (4)۔ قرآن حکیم میں مکی دور کی ایک سورت بھی "ابراہیم" کے نام سے موجود ہے (5)۔

نسب نامہ

عہد نامہ عتیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ اسطرح درج ہے۔

" ابراہیم بن تارح بن ناحور بن ساروع بن أرعو بن فانع بن عابر بن شارخ (شارح) بن ارفخشد بن سام بن نوح" (6)۔

ابراہیم خلیل اللہ کا سلسلہ نسب عرب مورخین خصوصاً الطبری 'ابن حبیب اور المسعودی نے بھی یہی تحریر کیا ہے (7)۔ جو غالبًا انہوں نے بائیبل سے اخذ کیا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیو ہاروی کے نزدیک اس شجرہ نسب کی صحت و عدم صحت کا معاملہ قیاسی اور تخمینی رائے سے زیادہ نہیں ہے' اس لئے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب کے متعلق اس یقین کے باوجود کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ عدنان سے اوپر کے کڑیوں کے متعلق خود ذات اقدس کا یہ فیصلہ ہے کہ "کذب النسابون" یعنی علماء نسب نے ناموں کے تعین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک کا سلسلہ کسطرح اس کذب

بیانی اور وضع سے پاک رہ سکتا ہے۔ دوسرے عہد نامہ قدیم کے اعداد و شمار کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے حضرت نوح علیہ السلام تک آٹھ سو نوے سال ہوتے ہیں اور جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی کل عمر نو سو پچاس سال بیان ہوئی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے ساٹھ سال پائے اور وہ دونوں اس مدت کے اندر معاصر رہے اور یہ بلاشبہ بے سرو پا بات ہے اور قطعاً غلط اور مہمل ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ تورات کے یہ اعداد و شمار محض خود تراشیدہ کہانیوں اور حکایتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قدیم زمانہ میں یہود کے یہاں تاریخ کاباب اسی قسم کی حکایات و روایات پر قائم رہا ہے اور اس میں تاریخی حقائق اور زمانوں کے تضاد واختلاف کا مطلق لحاظ و پاس نہیں رکھا گیا (8)۔

حضرت ابراہیم کے والد کا نام

قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بتایا ہے۔

"واذ قال ابراہیم لابیه ازر اتتخذ اصناماً الهة " (9)۔

اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا تو کیا بتوں کو خدا مانتا ہے ۔تو رات اور مورخین ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تحریر کرتے ہیں (10)۔ اس میں تطبیق اسطرح بھی کی گئی ہے ۔ شائد تارخ نام اور آزر لقب ہو (11)۔ ابن کثیر کا خیال ہے کہ آزر بت کا نام تھا ممکن ہے کہ اس بُت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود ان کا لقب آزر پڑ گیا ہو (12)۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیو ہاروی فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ " آذار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی آزر کہلایا ' تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لئے آزر ہی کے نام سے مشہور ہوگیا ۔ حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا۔ اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن حکیم نے اسی نام سے پکارا (13)۔ عربی توریت میں اس نام کا املا تارح ہے ابن حبیب کہتا ہے تارح و ھو آزر (14)۔اور امام راغب فرماتے ہیں۔ "کان اسم ابیه تارخ معر ب فجعل آزر " (15)۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر اسی کا معرب ہے" تارح اور آزر کے متعلق مفصل بحث تفسیر المنار میں موجود ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے مفسروں مور خوں اور اہل لغت کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ یا تارح اور آزر لقب تھا یا آزر اس کے

بھائی یا باپ یا بت کا نام تھا۔ " الزجاج اور الفراء " سے منقول ہے کہ انسابوں اور مورخو ں میں اختلاف نہیں ہے کہ ابو ابراہیم کا نام تارح ہے لیکن ان اقوال کی اصل جو نبی ﷺ تک پہنچتی ہو یا عرب اولین سے منقول ہو۔ موجود نہیں' محدثین اور مورخین کے اقوال نقل کرنے کے بعد صاحب المنار کہتے ہیں اگر ان دو قولوں کو جمع کیا جاسکتا ہے فبہا ورنہ ہم مورخوں کے قول اور سفر تکوین کو رد کرتے ہیں اس لئے کہ وہ ہمارے نزدیک حجت نہیں کہ ہم اس کے اور ظواہر قرآن کے درمیان تعارض کو حساب میں لیں۔ یاد رہے کہ قرآن حکیم سابقہ چیزوں کا محافظ ہے۔ جس کی وہ تصدیق کرتا ہے اس کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور جس کی وہ تکذیب کرتا ہے اس کی تکذیب (16)۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں کہ دو قولوں کو جمع کرنے کے متعلق اقوال میں ضعیف ترین قول یہ ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام تھا اور عرب چچا کو مجازاً باپ کہتے ہیں ۔مگر یہ مجازی استعمال وہیں صحیح ہوتا ہے جہاں قرینہ موجود ہو جو مراد پر دلالت کرے' آیات میں وہ قرینہ موجود نہیں۔ ضعف میں اس سے قریب وہ قول ہے کہ آزر خلام الصنم تھا' مضاف (خادم) حذف ہوا مضاف الیہ (آزر) کو اس کی جگہ رکھا۔ قوی ترین قول یہ ہے کہ تارح (یعنی متکاسل) لقب ہے اور آزر علم (بمعنی خطا کار یا اعوج یا اعرج) یا بالعکس(یعنی آزر لقب اور تارح علم) یا شائد آزر تحریف تارح ہو (17)۔

یہ کہنا کہ سورۃ الانعام کی ایت ۷۴ میں آزر مطلقاً ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے ۔ صحیح نہیں کیونکہ ایت کی قراء ت کئی طرح کی گئی ہے۔ جس سے لفظ آزر کے معانی اور اعراب بدل جاتے ہیں۔ ان قراء توں میں سے بعض میں یہ متعین طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہیں اور بعض میں احتمال باقی رہتا ہے (18)۔

یہ آزر کے متعلق مختلف اراء کا خلاصہ ہے۔ بہر حال قرآن حکیم میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہی آیا ہے معلوم یہی ہوتا ہے کہ آزر زیادہ معروف نام تھا اسی لئے قرآن حکیم نے اسی نام سے پکارا اور اہل عرب میں یہ نام مانوس بھی ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام عرب میں جانی پہنچانی تھی اسی طرح ان کے والد کا نام بھی یہ لوگ یقیناً جانتے ہونگے اور آزر کانام عربوں میں عام ہوگا۔ مشرکین مکہ نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کو اہل عرب آزر کے نام سے ہی جانتے تھے قرآن حکیم نے اسی لئے اس شخصیت کو یہ نام دیا ۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ شرک

کوکب پرستی اور بت سازی کے خلاف اپنی قوم کے ساتھ بڑی شدت اور زور دار الفاظ میں آپ علیہ السلام نے مناظرہ کیا ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی میں رشد عطا ہوا (19)۔ اور آپ کو قلب سلیم بھی عنایت ہوا تھا (20)۔ کائنات کے مشاہدے سے ابراہیم علیہ السلام کو یقین کامل ہوا (21)۔ احیائے موتی کو دکھا کر آپ کو سکون عطا فرمایا (22)۔

بعثت

اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے آپ کو رشد و ہدایت عطا فرمایا تھا۔ قرآن حکیم آپکی اس بصیرت اور حقیقت اسطرح ذکر فرماتا ہے۔ " ولقد اتینا ابراہیم رشدہ من قبل۔۔۔(23)۔اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اول ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے یاد کرو وہ موقع جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا! کیا ہمارے سامنے اپنے اصلی خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب بھی وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کا پیدا کرنے والا ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے ابتدائی ایام کی یہ پختہ سوچ تھی ۔ جس کی طرف آپ نے قوم کو متوجہ کیا آپ نے کہا یہ بے جان پتھر اور لکڑی کی مورتیں خدا نہیں ہوسکتے یہ نہایت ہی لاچار اور کمزور ہیں یہ نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان ۔ لہٰذا تم اس رب العالمین کی عبادت کرو جس نے اس خوبصورت کائنات کو پیدا کیا ہے۔ آپ کی اس ابتدائی اور نفسیاتی سوچ سے قوم بتوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگئی ۔

والد صاحب کو دعوت توحید

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر کی طرف بھی توجہ دی یہ کفر کا گڑھ بنا ہوا تھا آپ کے والد بت سازی اور بت گری کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس گناہ میں شریک کرتے۔ آپ نے ان کی اصلاح کرنی چاہی۔ بہت ہی احترام سے ان بتوں کی کمزوریاں اور خامیاں بتائیں اور راہ ہدایت کی طرف دعوت دی ۔ اس کا ذکر سورہ مریم اس طرح آتا ہے ۔ "اذقال لابیہ یا بت لم تعبد مالا

یسمع و لا یبصر ولا یغنی عنك شیاہ یا بت انی قد جاء نی من العلم مالم یا تك فاتبعنی ابدك صراطاً سویاہ یا بت لا تعبد الشیطٰن ان الشیطٰن کان للرحمن عیصیا یابت انی اخاف ان یمسك عذاب الرحمن فتکون للشیطن ولیا ہ قال اراغب انت عن الھتی یا براہیم ل،ن لم تنتہ لا رجمنك و ابجر نی ملیا ہ قال سلٰم علیك سا ستغفر لك ربی انہ کان لی حفیا ہ و اعتز لکم و ما تدعون من دون اللہ وادعواربی عسیٰ الا اکون بد عاءِ ربی شقیاہ" (24)۔

اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرد بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی علیہ السلام تھا (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ "اباجان آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ سنتی ہیں' نہ دیکھتی ہیں ' اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔ ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان اپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا بس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہوجا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑ تا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں میں تو اپنے رب کو پکاروں گا ۔ اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا "۔

قوم کو دعوت اور مناظرہ

باپ کو سمجھانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت دین کا سلسلہ آگے بڑھانا چاہا۔ گھر میں پیغام خداوندی پہنچانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم سے مخاطب ہوئے اور انہیں شرک سے باز رکھنے اور توحید کے مسئلے پر سوچنے اور اختیار کرنے کو کہا۔ سورہ شعراء میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ۔

" واتل علیھم نبا ابراہیم اذقال لابیہ وقومہ ماتعبدون۔ قالو ا نعبد اصناماً فنظل لھا عکفین ۔ قال ہل یسمعونکم اذتدعون ۔او ینفعونکم اد یضرون قالو ا بل وجدنا اباء نا کذلك

یفعلون قال افرا یتم ماکنتم تعبدون انتم و اباؤ کم الا قدمون فانہم عدولی الا رب العلمین الذی خلقنی فہو یہدین والذی ہو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھویشفین والذی یمیتنی ثمہ یحیین والذی اطمع ان یغفر لی خطیتی یوم الدین رب ہب لی حکماو الحقنی بالصلحین واجعل لی لسان صدق فی الاخرین واجعلنی من ورثۃ جنہ النعیم واغفر لابی انہ کان من الضالین والا تخزنی یوم یبعثون یوم لاینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم " (25)۔

اور انہیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سناؤ جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ یہ کیا چیز یں ہیں جن کو تم پوجتے ہو انہوں نے جواب دیا کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں اس نے پوچھا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پا یا ہے۔ اس پر ابراہیم(علیہ السلام)نے کہا کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھے باپ دادا بجالا تے رہے میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے ۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے جو مجھے کھلاتا اور پلا تا ہے۔ اور جب بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا ۔اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرما دے گا۔ (اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا اوربعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔ اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔ اور میرے باپ کو معاف کردے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کر۔ جبکہ سب لوگ زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے جبکہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو"۔

بادشاہ کو دعوت توحید اور مناظرہ

اسی دور میں ابراہیم علیہ السلام سے ایک کافر نمرود بن کنعان نے بھی مناظرہ کیا (26)۔ اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا (27)۔ اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ خود کی ان کا رب اور مالک جانتے تھے۔نمرود کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبر انہ

تبلیغ و دعوت کی سرگرمیاں معلوم ہوئیں تو اسے اپنے اقتدار کی فکر ہوئی وہ ڈرا کہ اگر اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کام کرتا رہا تو میری کرسی کی چولیں ہل جائیں گی اور میری حکومت کو زوال آجائے گا۔ تو آخر کار اس نے آپ سے مناظرہ کیا

" الم ترالی الذی حاج ابراہیم فی ربه ان اته اللّٰه الملك اذقال ابراہیم ربی الذی یحیی ویمیت قال انا وحی و امیت ط قال ابراہیم فان اللّٰه یاتی باالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفرط واللّٰه لا یہدی القوم الظلمین" (28)۔

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا۔ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا رب کون ہے۔ اور اس بناء پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے۔ تو اس نے جواب دیا زندگی اور موت تو میرے اختیار میں بھی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے ذرا مغرب سے نکال لا یہ سن کر وہ کافر لاجواب ہو کر رہ گیا۔ مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کا توڑنا اور آگ میں ڈالا جانا

ابراہیم علیہ السلام دلائل اور براہین کے ذریعے قوم کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے ۔مگر ان کے دلوں سے بتوں کی محبت نہ نکل سکی۔ اور وہ توحید کے راز کو نہ سمجھ سکے اب انہوں نے جہاد باللسان کے ساتھ عملی جہاد شروع کیا۔ ایک بار ساری قوم کسی میلے میں جانے کی تیاری کرنے لگی (29)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی وجہ سے ان کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے پیچھے ان کے بت توڑ ڈالے۔ سورہ الصفت میں اس واقعہ کا ذکر آتا ہے۔

" فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم فتولوا عنه مدبرین فراغ الیٰ الہتہم فقال الاتاکلون مالکم لاتنطقون فراغ علیہم ضربام بالیمین فاقبلوا الیه یزفون قال اتعبدون ما تنحتون واللّٰه خلقکم وما تعملون قالو ا ابنوا له ' بنیا ناً فالقوه فی الجحیم فارا دوابه کیداً فجعلنہم الا سفلین " (30)۔

"پھر اس نے تاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا میری طبیعت خراب ہے چنانچہ وہ یوں اسے چھوڑ کر

چلے گئے ان کے پیچھے وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں۔ کیا ہوگیا آپ لوگ بولتے بھی نہیں اس کے بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ اور واپس آگیا وہ لوگ بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو۔ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو"۔

قرآن حکیم نے یہ الفاظ" فتولوا عنه مد برين" وہ لوگ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ظاہر کررہے ہیں کہ قوم کے لوگ کسی عید کے میلے پر جارہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاندان والوں نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا مگر آپ نے طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے جانے سے معذرت کرلی۔ اس واقعہ کے بارے میں سورۃ الانبیاء کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"وتا للّه لاكيدن اصنا مكم بعد ان تولوا مدبرين فجعلهم جذذا الا كبيراً لهم لعلهم اليه يرجعون قالوامن فعل هذا بالهتنا انه لمن الظلمين قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له ابراهيم قالوا فاتوبه على اعين الناس لعلهم يشهدون قالوا ء انت فعلت هذا بالهتنا يا براهيم قال بل فعله كبير هم هذا فسئلو هم ان كانوا ينطقون فر جعوا الى انفسهم فقالوا انكم انتم الظلمون ثم نكسوا على ر، و سهم لقد علمت ماهولاء ينطقون قال افتعبدون من دون اللّه مالا ينفعكم شيا وّ لا يضركم اف لكم ولما تعبدون من دون اللّه افلا تعقلون " (31)۔

"اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔چنانچہ اس نے اس ان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں انہوں نے آکر بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے "ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کردیا بڑا ہی کوئی ظالم تھا۔ وہ بولے ہم نے ایک نوجوان تو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے انہوں نے کہا تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔اس نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر ان کی مت پلٹ گئی اور بولے تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں ۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہوجو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر

ہیں نہ نقصان ' افسوس تم پر اور تمہارے معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کررہے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید کے دلائل سن کر یہ لوگ لاجواب ہوگئے مگر پھر آخر ان میں جاہلوں والی نفرت پیدا ہوئی اور غصہ میں آکر کہنے لگے۔ اس سے زندگی کا حق چھین لو اسے قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو۔

" فماکان جواب قومه الا ان قالوا اقتلوه او حرقوه فانجه الله من النارط ان فی ذلك لایت لقوم یومنون " (32)۔

پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا قتل کرو یا جلا ڈالو اس کو آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں۔

" قالوا حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فعلين قلنا ينار كونی برداً وسلما على ابراهيم واراد'وبه‌كیداً ;فجعلنهم الا خسرين (۸)" (33)۔انہوں نے کہا جلا ڈالو اس کی اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہوجااور سلامتی بن جا ابراہیم پر' وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کردیا۔

یہ قرآن حکیم کے بیان کردہ معجزات میں سے ایک ہے " مخالفین ابراہیم علیہ السلام نے آگ کا بہت بڑا الاؤ تیار کیا جب وہ تیار ہوگیا تو جناب ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا گیا اللہ تعالیٰ نے اس عرصہ کے لئے آگ میں جلانے کی خاصیت ختم کردی اور وہ آتش کدہ اللہ کے حکم سے گلزار بن گیا۔

ہجرت اور تعمیر کعبہ

آگ میں سے نکل آنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے گھرانے کے لوگوں سمیت جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی شامل تھے ترک وطن کرکے عراق سے شام کو چلے گئے۔ دیار غریب میں پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام سرگرداں رہے بالآخر وہ کنعان کے علاقے میں مقیم ہوگئے (34)۔ انہیں اولاد کی تمنا تھی انہوں نے دعا بھی کی" رب ہب لی من الصالحین" (35)۔"اے میرے پروردگار مجھے ایک نیک بیٹا عطا کر چونکہ ان کی بیوی سارہ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے ان کا حاجرہ سے نکاح ہوا (36)۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک "حلیم" بچے (اسماعیل) کی بشارت دی ابراہیم علیہ السلام انہیں کعبہ معظمہ کے

قریب چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے (37)۔ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں۔ فرمانبردار بیٹے نے خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کو اس ازمائش میں بھی پورا اتارا اور آنے والی نسل آپ کی تعریف کرتی آئی (38)۔اس کے بعد اللہ نے انہیں امام للناس بنایا (39)۔ اور انہیں ایک اور بیٹے اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی (40)۔ بائیبل کابیان ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس کی تھی (41)۔ اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت سو برس کی (42)۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں نے مل کر کعبے کو ازسر نو تعمیر کیا۔

" واذ یرفع ابراہیم القواعد الخ ۴۳ "

اور تعمیر بیت اللہ کے بعد مکے کی آبادی کے لیے خوشحالی اور ترقی کے لئے بھی دعا مانگی !

" واذقال ابراہیم رب اجعل ہذا البلدامناً الخ " (44)۔

ان پیغمبرانہ دعاؤں کے طفیل یہ شہر عالم اسلام کا مرکز بن گیا' اور آج بھی یہ مقام مسلمانوں کی دلوں کی دھڑکن ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اولاد سے محروم تھے ۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے فرزند عطا کئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

"الحمد اللّٰہ الذی وہب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق" (45)۔

" سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کئے" اب کے دونوں بیٹوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں ۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں اسماعیل دراصل عبرانی کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ شماع جو عربی کے اسمع کے ہم معنی ہیں سننا' اور ایل' اللہ یعنی خدا کا سن لینا' اس لئے کہ اسمٰعیل کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بی بی حاجرہ کی دعا سن لی۔ اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا (46)۔ آپ اللہ کے پیارے نبی (47)۔ معمار خانہ کعبہ (48)۔ ذبیح اللہ بھی تھے (49)۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت حاجرہ سے ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلی اولاد ہیں ان کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس تھی (50)۔ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت اسحٰق جو حضرت سارہ کے بطن سے تھے وہ آپ سے تیرہ چودہ سال بعد ہوئے اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس تھی (51)۔ حضرت اسمٰعیل ' حضرت ابراہیم کی بڑی دعاؤں کا نتیجہ تھے ۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" قال انی ذاہب ؐ الی ربی سیہدین رب ہب لی من الصلحین فبشر نہ بغلم حلیم " (52)۔ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں (ہجرت کرکے) اپنے رب کے لئے نکلتا ہوں وہی میری رہنمائی کرے ۔ اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو(اس دعا) کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی"۔ سورہ ابراہیم میں آتا ہے۔

"الحمد اللّٰہ الذی وہب لی علی الکبر اسمعیل واسحق" (53)۔

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔

حاجرہ اور اسمٰعیل کا جنگل بیابان میں چھوڑنا

حضرت اسمٰعیل کی پیدائش پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی سارہ نے کہا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو میری آنکھوں سے دور کردے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات بہت بری لگی ۔ لیکن بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارہ جو کہتی ہے وہ ٹھیک ہے اس کی بات مان لے اس میں بہتری ہے"۔

"خدا نے ابراہیم سے کہا غم نہ کر سارہ کی بات مان لے۔ تیری نسل اسحٰق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے (ہاجرہ کے بیٹے اسماعیل) سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس کے کہ وہ تیری نسل ہے

(54)۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو اس بے آب و گیاہ وادی یا بیابان میں چھوڑ آئے جہاں بعد میں مکہ معظمہ آباد ہوا گو خانہ کعبہ کی موجودگی اس سے پہلے بھی ثابت ہے (55)۔ قرآن حکیم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

' ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیمو الصلوۃ فاجعل افئدٍ ۃ من الناس تھوی الیھم و ارزقھم من الثمرات لعللھم یشکرون ربنا انك تعلم ما نخفی و مانعلن و ما یخفیٰ علی اللّٰہ من شی ء فی الارض ولا فی اسماء " (56)۔

"پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لابسایا ہے پروردگار یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ پروردگار تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ نہ زمین میں نہ آسمانوں میں "۔

قرآن مجید میں اس بیابان کو وادی غیر ذی زرع کا نام دیا ہے ۔جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے یہ ٹکڑا مکہ معظمہ ہی ہے اور قرآنی لفظ " عند بیتک المحرم سے اس کی مزید تائید ہو جاتی ہے ۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں یہودی عالم کہتے ہیں کہ بیابان یا فاران کوہ سینا سے مصر کی جانب مغرب میں یا شائد کوہ سینا کے دامن میں واقع تھا۔ کیا انہیں یاد نہیں کہ اسلام نے قبل کافی عرصہ پہلے شمالی اور وسطی عرب کے قبائل اپنا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے جوڑ چکے تھے۔ اور اسی لئے عرب المستعربہ کہلاتے تھے۔ یعنی آباد کار عرب اس کے مقابلہ میں عرب العاربہ تھے(یعنی قدیم بیاباں میں رہنے والے) ۔ جن کا تعلق جنوبی عرب سے ' ان اصلطلاحوں کا تعلق اور ماخذ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لہٰذا بیابان یا فاران کا اشارہ مکہ معظمہ ہی کی طرف ہے۔ جسے اس وقت وادی غیر ذی زرع کہنا مناسب تھا اور عرب کے معنی بھی بیابان یا لق ودق صحرا کے ہیں۔ مکہ جس کا پرانا نام بکہ ہے یہاں بعد میں آباد ہوا۔ اور حجاز بھی اس جگہ کا بعد میں نام پڑا ہے' غرض حجاز مکہ کعبہ یہ سب لفظ دسویں صدی ق م میں پیدا ہوئے ہیں۔ (57)۔

13

ذبیح اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے متعدد بار آزمایا۔ اب ایک اور کڑا امتحان لیا۔ آپ علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ اور نبی کا خواب ''رویا ء صادقہ ''اور وحی الٰہی ہوتا ہے۔ بیٹے کو آکر یہ خواب بتایا۔ فرمانبردار بیٹا باپ کا حکم ماننے کو تیار ہوگیا۔سورہ الصافات میں ارشاد ہوتا ہے۔

'' رب ہب لی من الصلحین فبشرنه بغلامٍ حلیم فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انّی اذبحك فانظر ماذا تری قال یابت افعل ماتومرستجدنی ان شاء الله من الصبرین۔ فلما اسلما و تله للجبین ونادینه ان یا براہیم قد صدقت الرّء یا انا کذلك نجزی المحسنین۔ ان ہذا لہو البلوء المبین ۔ و فدینه بذبح عظیم ۔ وترکنا علیه فی الاخر ین ۔ سلم علی ابراہیم ۔کذلك نجزی المحسنین انه من عباد نا المومنین ۔ و بشرنه باسحق نبیا من الصلحین ۔ و برکنا علیه و علی اسحق '' (59)۔

''ابراہیم نے کہا ! اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی ۔ وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں ۔ اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا ابّا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے ۔ اسے کر ڈالیے ۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کردیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرادیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم تونے خواب سچ کر دکھایا ۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں ۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑالیا ۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی ۔ سلام ہے ابراہیم پر ۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں ۔ یقینا وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی۔ ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اور اسحٰق کو برکت دی'' ۔

قرآن حکیم نے نام لیکر نہیں بتایا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے ۔یا حضرت اسحٰق ؑ ۔ لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ ان سے مراد حضرت اسماعیلؑ ہی تھے۔

ا) مندرجہ بالا آیات میں قربانی والے بیٹے کی صفت غلام حلیم بتائی گئی ۔ اور یہ صفت حضرت اسمٰعیلؑ

پر ہی صادق آتی ہے ۔ کیونکہ قرآن حکیم نے حضرت اسحٰق ؑ کو غلام علیم کہا ہے (60) ۔

۲) قرآن مجید میں حضرت اسحٰق ؑ کی پیدائش کی خوش خبری کے ساتھ کہا گیا ہے کہ ان کے یہاں یعقوب بیٹا پیدا ہوگا فبشرناها باسحق ومن وراء اسحق یعقوب (61)۔

اب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں اسحٰق کو ذبح کرتے دیکھتے تو پھر یعقوب انکے یہاں کیسے پیدا ہوتے ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت یعقوب پیدا ہوگئے تھے تو قرآن نے اس لڑکے کے لئے دوڑنے کی عمر کا ذکر کیا ہے تو یہ عمر بچہ کی آٹھ دس سال ہوتی ہے ۔ تو اس عمر میں کسی کے یہاں اولاد نہیں ہوسکتی ۔

۳) قرآن حکیم نے قربانی کا تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی ۔ ایک نبی صالحین میں سے ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ اسحٰق سے پہلے بیٹے اسمٰعیل تھے وہ دوڑنے کی عمر کو پہنچے ۔ حضرت ابراہیم ان کی قربانی کے امتحان میں کامیاب اترے تو اللہ نے انعام کے طور پر اسحٰق ؑ بیٹے کی خوش خبری دی (62)۔

۴) حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کی یاد میں اس زمانے سے لے کر آج تک دس ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کی جاتی ہے ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سرزمین حجاز میں حضرت اسمٰعیلؑ تشریف لائے ۔ یہاں مستقل قیام کیا اور اس مقام پر اس زمانے سے آج تک ان کی یاد میں یہ اسم جاری ہے ۔ حضرت اسحٰق ؑ کی قوم میں ایسی یادگار نہیں ملتی ۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی فرماتے ہیں کہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت اسماعیل کا فدیہ میں جو مینڈھا ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانے تک محفوظ تھے۔ بعد میں جب حجاج بن یوسف نے حرم میں ابنِ زبیر کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ کو مسمار کردیا تو وہ سینگ بھی ضائع ہوگئے ۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابنِ عباس اور عامر شعبی دونوں اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں یہ سینگ دیکھے ہیں ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قربانی کا یہ واقعہ شام میں نہیں بلکہ مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا ۔ اور حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ پیش آیا تھا ۔ اسی لئے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ میں اس کی یادگار محفوظ رکھی گئی تھی (63)۔

سید سلیمان ندویؒ ارض القرآن جلد دوم میں مختصر مگر جامع اور مولانا حمید الدین الفراہی نے الرای الصحیح فی من هو الذبیح میں تفصیل سے بحث کی ہے ۔ نیز حافظ ابن کثیر نے سورہ الصافات کی

مندرجہ بالا آیات کے ضمن میں اپنی تفسیر میں اس موضوع کو جگہ دی ہے ۔ ان تمام بزرگوں کی یہی رائے ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی ذبیح اللہ ہیں ۔

تعمیر کعبہ

دنیا کی عبادت گاہوں میں شرف اوّلیت خانہ کعبہ کو حاصل ہے ۔ قرآن حکیم نے اسے بیت العتیق(64)، بیت الحرام (65) کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ انبیاء علیہ السلام کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے معمار ہیں ۔ اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے معمار کعبہ کی اس نیک کام میں معاونت کی ۔ قرآن عزیز نے بیت اللہ کی تعمیر کا معاملہ حضرت ابراہیم سے شروع کیا ہے ۔ اور اس سے پہلی حالت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا (66)۔

قرآن حکیم نے اس مقدس مقام کو توحید کا پہلامرکز قرار دیا ۔ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے ذریعے اس کی تعمیر اور اس سعادت کو انجام دیتے ہوئے ان دونوں انبیاء کی دعائیں اور مناسک حج کی تفصیلات دلکش اور ایمان افروز انداز میں ان آیات میں بیان کیں ہیں ۔

اِنّ اوّل بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعلمین . فیہ آیت بینت مقام ابراہیم ومن دخلہ کان امناً ط وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللّٰہ غنی عن العلمین ۔(67)

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے ۔ جو مکہ میں واقع ہے ۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی۔ اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا ۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ۔ ابراہیم کا مقام عبادت ہے ۔ اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہوگیا ۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے ۔ کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے"۔ .N.P دنیا کے توحید پرستوں کی سب سے پہلی عبادت گاہ یہی بیت اللہ ہے ۔ بیت المقدس جیسی قدیم عمارت بھی اس کے بعد تعمیر ہوئی ہے ۔ بائبل میں ہے کہ ملک مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کے چار سو اسی برس بعد اسرائیل پر سلیمان کی بادشاہی کے چوتھے برس ......اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا ۔ اورجو گھر سلیمان بادشاہ نے خداوند کے لیے بنایااس کا طول ساٹھ ہاتھ عرض بیس ہاتھ اور

بلندی تیس ہاتھ تھی (68)۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بائبل کی اس شہادت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے قرآن حکیم کی صداقت کے بارے میں جو اس نے کعبہ کی شرف اوّلیت کے بارے میں کہی ہے تحریر فرماتے ہیں ۔ کہ بیت المقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساڑھے چار سو برس بعد حضرت سلیمانؑ نے اس کو تعمیر کیا ۔ اور حضرت سلیمان ہی کے زمانہ میں وہ قبلہ اہل توحید قرار دیا گیا ۔ برعکس اس کے یہ تمام عرب کی متواتر اور متفق علیہ روایات سے ثابت ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا اور حضرت موسیٰ سے آٹھ نو سو برس پہلے گذرے ہیں ۔ لہذا کعبہ کی اوّلیت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں' ' (69) ۔

سورہ البقرہ میں اللہ کے اس گھر کی مرکزیت فضیلت برکت ابراہیم و اسمٰعیل کی مناجات اقامت صلوٰۃ اور اولاد کا مسلمان ہونا ۔ مناسک حج کی رہنمائی اور نبی آخری الزماں کے مبعوث ہونے کا ذکر نئے اسلوب میں عظمت و شان سے بیان کیا گیا ہے ۔

واذ جعلنا البيت مثابة للناس وامنا واتخذوا من مقام ابرهبم مصلى ۔ وعهدنا الى ابراہيم واسمعيل ان طهر بيتى للطاءِ فين والعكفين والركع السجود ۔ واذ قال ابراہيم رب اجعل هذا بلد امناو وارزق اهله من الثمرات من امن منهم بالله واليوم الاخره قال ومن كفر فامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النار وبئس المصيره واذ يرفع القواعد من البيت واسمعيل ۔ ربنا تقبل منا ۔ انك انت السميع العليم ۔ ربنا وجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك ۔ وارنا مناسكنا وتب علينا ۔ انك انت التواب الرحيم ۔ ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم ايتك ويعلمهم الكتب والحكمة ويزكيهم ۔ انك انت العزيز الحكيم ۔(70)

”اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اورلوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے ۔ اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی تھی ۔ کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو ۔

اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی ۔ ”اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنادے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے“ ۔

جواب میں اس کے رب نے فرمایا ! ”اور جو نہ مانے گا دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں

اسے بھی دوں گا ۔ مگر آخر کار اسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔ اور یاد کرو ابراہیم و اسمٰعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے "اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے ۔ تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اے رب ہم دونوں کا اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا ۔ ہمارے نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو ۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۔ اور اے رب ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول مبعوث ہو جو انہیں تیری آیات سنائے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے "۔

سورہ حج میں اس مرکز توحید کی تجویز اور نشان دہی اور سفرِ حج کے فوائد کا حصول ' قربانی کی فضیلت و برکت اور حج کے بعد طواف زیارت کی طرف توجہ دلائی گئی ۔

واذ بوانا لاابراہیم مکان البیت ان لا تشرك بی شیئا وطهر بیتی للطاءِ فین والقآئمین والرکع السجود۔ واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالاً وعلی کل ضامرٍیاتین من کل فجٍ عمیق ۔ یشهدوا منافع لهم ویذکروا اسم اللّٰه فی ایام معلومت علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها واطعمو البائس الفقیر ۔ ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم ولیطوفوا باالبیت العتیق ۔ ذلك ومن یعظم حرمت اللّٰه فهو خیر له عند ربه ۔(71)

"یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو ۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو ۔ اورلوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو ۔ کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں ۔ تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں ۔ اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں ۔ جو اس نے انہیں بخشے ہیں ۔ خود بھی کھائیں اور تنگ دست کو بھی دیں ۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں ۔ اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں ۔

یہ تھا (تعمیر خانہ کعبہ کا مقصد) اورجو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے "۔

قرآن حکیم اور حضرت اسمٰعیلؑ

قرآن حکیم میں کئی بار آپ کا ذکر ہوا ہے ۔ بعض جگہ پر ان کا ذکر بشارت کے سلسلے میں کیا گیا ہے (72) ۔ بعض مقام پر خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں کیا گیا ہے (73) ۔ مگر سورہ مریم میں ان کا ذکر واضح الفاظ اور اوصاف جمیلہ کے ساتھ کیا گیا ہے ۔

وذکر فی الکتب اسمعیل انه کان صادق الوعد وکان رسولاً نبیا ۔ وکان یامر اهله بالصلوة والزکوة وکان عند ربه مرضیا ۔(74)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو ۔ وہ وعدے کا سچا تھا ۔ اور رسول نبی تھا ۔ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا ۔ اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا ۔

حضرت اسماعیل کی اولاد

قرآن عزیز اور احادیث نبوی ﷺ میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر تفصیل سے نہیں آیا ۔ لیکن بائبل میں آپ کی اولاد کے نام آئے ہیں ۔ آپ کی ایک بیٹی باسمة(75) یا محلاہ (76) نام کی تھی ۔ اور بارہ بیٹے تھے ۔ بنایوط ۔ قیدار ۔ ادبائیل ۔ مبشام ۔ مشماع ۔ دوما ۔ مشا ۔ حدر ۔ تیما ۔ یطور ۔ نفیش ۔ قیدماہ ۔ اور یہ اپنے خاندان کے بارہ رئیس تھے (77) ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے پھلنے پھولنے کے بارے میں حضرت ابراہیم کو بشارت دی تھی ۔ ”اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی ۔ دیکھ اسے برکت دوں گا ۔ اور اسے بہرہ مندہ کروں گا ۔ اور اس کو بہت بڑھا دوں گا ۔ اس سے بارہ (۱۲) سردار پیدا ہوں گے ۔ اور میں بڑی قوم بناؤں گا (78) ۔

آخر یہ دعا پوری ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو خوب پھیلایا ۔ اور انہیں آبرومند کیا ۔ یہاں تک کہ ان کی نسل شمالی عرب میں پھیل گئی اور عرب عاربہ یعنی قدیم اور بیابان میں بسنے والے عربوں کے مقابلے میں عرب مستعربہ یعنی آباد کار عربوں کی اصطلاح وضع ہوئی ۔ حضرت اسماعیل کی اولاد میں قیدار سب سے زیادہ مشہور ہیں ۔ انہوں نے شمالی عرب میں بہت عروج حاصل کیا ۔ اور قیدار ہی سے بواسطہ عدنان ہمارے نبی ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل تک جاتا ہے (79) ۔

اسماعیلؑ کی عمر (۱۳۰) ایک سو تیس برس کی ہوئی ۔ اور اپنی ماں کے پاس میزاب و حجرِ اسود کے

درمیان میں دفن کے گئے(80)۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے علاوہ حضرت اسحٰق ؑ بھی ہیں ۔ یہ جیساکہ حضرت اسماعیلؑ کے باب میں گذرچکا ہے ۔ تیرہ چودہ سال چھوٹے تھے ۔ اسحٰق کا عبرانی تلفظ یصحق ہے ۔ یصحق کا عربی مترادف یضحک ہے(81) ۔ اور یہ ان کی والدہ ماجدہ کا رکھا ہوا نام ہے ۔ اس بناء پر کہ حضرت سارہ نے کہا تھا ۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے ہنسایا اور سب سننے والے میرے ساتھ ہنسیں گے"(82)۔

قرآن مجیدمیں ہے وامراته قائمة فضحكت ۔(83) "یعنی جب حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق ؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو حضرت سارہ جو پاس ہی کھڑی تھیں ۔ ہنسنے لگیں (خوشی سے)" اہل فرنگ کے یہاں اسحٰق ؑ کو اگرچہ ایساک (Issac) کہا جاتا ہے۔ لیکن مستشرقین کا یہ خیال کہ توراۃ میں بھی حضرت اسحٰق ؑ کا یہی نام مذکورہ ہے ۔ صحیح نہیں (84)

بائبل میں ہے کہ حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت سنائی کہ سارہ کے یہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوگی ۔ اس کا نام اسحٰق رکھنا ۔

"اور خدا نے ابراہیم سے کہا کہ تو اپنی بیوی سارائی کو سارائی نہیں بلکہ سارہ کہا کر اور میں اسے برکت دوں گا ۔ کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی۔ اور گروہوں کے بادشاہ اس سے نکلیں گے ۔ تب ابراہیم اپنے منہ کے بل گرا اور ہنس کر دل میں کہا کیا سو برس کے مرد کا بیٹا ہوگا ۔ اور کیا سارہ سے جو نوے برس کی ہے بیٹا پیدا ہوگا ۔ اور ابراہیم نے خدا سے کہا کاش کہ اسماعیلؑ تیرے حضور جیتا رہے ۔ تب خدا نے ابراہیم سے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ سے تیرے لئے ایک بیٹا پیدا ہوگا ۔ تو اس کانام اسحٰق رکھنا (85)۔

قرآن حکیم اور ولادتِ اسحٰق علیہ السلام

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی کو فرشتوں نے اچانک بڑھاپے میں حضرت اسحٰق اور پھر ان کے بیٹے یعقوبؑ کی ولادت کی خوش خبری دی ۔ اس خبر پر ابراہیم اور ان کی بیوی دونوں حیران ہوکر بولے کہ بڑھاپے میں ہمارے اولاد ہوگی ۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ کا یہی حکم ہے ۔ اور وہ صاحب علم اور حکمت والا ہے ۔

ولقد جاء ت رسلنا ابراهیم باالبشری قالوا سلماً قال سلم فما لبث ان جاء بعجل حنیذ ۔ فلما را ایدیھم لا تصل الیه نکرھم واوجس منھم خیفة ط قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط ۔ وامرته قائمه فضحکت فبشرنها باسحق ۔ ومن وراء اسحق ر یعقوب قالت یویلتی ء الدو وانا عجوز وھذا بعلی شیخاً ان ھذا لشی ء عجیب ۔ قالوا اتعجبین من امراللّٰه رحمت اللّٰه وبرکته علیکم اھل البیت انه حمید مجید ۔(86)

اور دیکھو ! ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لیے ہوئے پہنچے ۔ کہا تم پر سلام ہو ۔ ابراہیم نے جواب دیا تم پر بھی سلام ہو ۔ پھر کچھ دیر نہ گذری ۔ کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا (ان کی ضیافت کے لیے) لے آیا ۔ مگرجب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے ۔ تو وہ ان سے مشتبہ ہوگیا ۔ اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا ۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ۔ ابراہیم کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ یہ سن کر ہنس دی ۔ پھر ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوبؑ کی خوش خبری دی۔ وہ بولی ہائے میری کم بختی کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی ۔ جبکہ میں بڑھیا پھونس ہوگئی۔ اور یہ میرے میاں بوڑھے ہوچکے ہیں ۔ بڑی عجیب بات ہے ۔ فرشتوں نے کہا ”اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو ۔ ابراہیم کے گھر والو تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں ۔ اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے ۔ پھر سورہ الذاریات میں فرمایا!

قالوا لا تخف ط وبشروہ بغلم علیم ۔ فاقبلت امراته فی صرة فصکت وجھھا وقالت عجوز عقیم ۔ قالوا کذلك قال ربك انه ھو الحکیم العلیم ۔ (87)

(فرشتے) بولے ڈریے نہیں (ابراہیم) اور اسے ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا ۔ یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی ۔ اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی ۔ بوڑھی بانجھ ' انہوں نے کہا !یہی کچھ فرمایا ہے ۔ تیرے رب نے وہ حکیم ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

سورہ الحجر میں اس معجزانہ ولادت کا قصہ اس طرح بیان ہوا ہے ۔

ونبھئم عن ضیف ابراھیم ۔ اذ دخلوا علیه فقالوا سلماً ۔ قال انا منکم وجلون ۔ قالوا لا توجل انا نبشرك بغلم علیم ۔ قال ابشرتمونی علی ان مسنی الکبر فبم تبشرون ۔ قالوا بشرنك باالحق فلا تکن من القنطین ۔ قال ومن یقنط من رحمة ربه الا الضالون (88)۔

اور انہیں ذرا ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ سناؤ ۔ جب وہ آئے اسکے ہاں اور کہا سلام ہو تم پر تو

اس نے کہا ۔ ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ۔ ڈرو نہیں ہم تمہیں ایک بڑے سیانے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں ۔ ابراہیم نے کہا کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو ۔ ذرا سوچو تو سہی یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ۔ ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں ۔ تم مایوس نہ ہو ۔ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں ۔

سورہ العنکبوت میں اس شہادت کا ذکر موجود ہے ۔

ولما جاء ت رسلنا ابراہیم بالبشری (89)۔

ترجمہ ☆اور جب ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے ۔

سورہ الصفت میں بھی حضرت اسحٰق کی خوش خبری کا ذکر ہے ۔

وبشرنه با اسحق نبیا من الصلحین وبرکنا علیه وعلی اسحق (90)

ترجمہ ☆ اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی ۔ ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اسحاق کی برکت دی ۔

حضرت اسحٰق کے بیٹے حضرت یعقوب تھے۔ حضرت یعقوب کی نسل بنی اسرائیل کہلائی ۔ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا ۔ حضرت اسحٰق سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت اور کتاب کی نعمت کا سلسلہ اسی نسل پر اترتا رہا ۔ سورہ العنکبوت میں اسی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے ۔

ووهبنا له اسحق ویعقوب وجعلنا فی ذریته النبوة والکتب واتینه اجره فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصلحین ۔(91)

اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی ۔ اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا" ۔ N.P حضرت اسحٰق کے حالاتِ زندگی بہت کم معلوم ہیں ۔ اسرائیلی روایات میں بھی زیادہ تر واقعہ ذبح کا ذکر آیا ہے ۔ ان کا انتقال حبرون میں ہوا ۔ بڑی طویل عمر پائی اور حبرون ہی میں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے پہلو میں دفن ہوئے (92)

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالی کے عظیم اور زبردست پیغمبر تھے ۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور آزر کے پوتے تھے ۔آپ کے والد کانام حاران تھا ۔ (93) تو گویا لوط کا نسب نامہ یوں ہوا ۔ لوط بن حاران بن آزر (94) ۔ حضرت لوط جنوبی عراق کے قدیم شہر اُور میں پیدا ہوئے ۔ حضرت ابراہیم کا مولد بھی یہی شہر ہے ۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے بابل اور نینوا سے بھی پہلے آباد تھا ۔ اس کا محلِ وقوع اس جگہ تھا جہاں تل العبید واقع ہے ۔ برطانوی عجائب خانے اور امریکہ کے فلاڈلفیا یونیورسٹی کے عجائب خانے کی ایک مشترکہ اثری مہم نے بیسویں صدی کے اوائل میں تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا ۔ سات آٹھ برس کی محنت کے بعد یہ شہر نمودار ہوا ۔ اس اثری انکشاف سے قرآن مجید اور انبیائے کرام کے متعدد گوشوں اور بابلی تہذیب و ثقافت کے کئی پہلو پر مزید روشنی پڑنے کا امکان ہیں ۔(95)

حضرت لوط علیہ السلام کی نشو ونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی آغوش ِ تربیت کی مرہونِ منت تھی۔ وہ اکثر ان کے ساتھ رہے ۔ جب حضرت ابراہیم نے اور سے حاران کی طرف ہجرت کی تو حضرت لوط بھی ان کے ہمراہ حاران چلے گئے ۔ اور وہیں حضرت ابراہیم کے ساتھ آباد ہوگئے۔ جب وہاں قحط پڑا تو حضرت ابراہیم نے مصر کا رخ کیا ۔ اس وقت بھی حضرت لوط ان کے رفیق سفر تھے(94)۔

آپ ملتِ ابراہیمی کے پہلے مسلم اور السابقون الاولون میں سے ہیں ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

فامن له لوط وقال انی مهاجر الی ربی ۔ (97)

لوط نے ان کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہامیں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں ۔

محلِ وقوع

مصر میں رہائش کے دوران حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم کے مشورے سے سدوم کے مقام کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا (98) ۔ یہ وہ علاقہ ہے ۔ جسے آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے ۔ جو عراق اور فلسطین کے درمیان واقع ہے ۔ بائبل میں جس مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے ۔ وہ یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا ۔ یا اب بحیرہ مردار میں غرق ہوچکا ہے ۔ اسے بحرِ لوط بھی کہا جاتا ہے (99)۔

سدوم کا یہ علاقہ یا وادی سدیم ایسی گل گلزار تھی کہ یہاں دور دور تک باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ اور اس وادی کے حسن و جمال کو دیکھ کر انسان پر وجد طاری ہوتا ۔ دماغ معطر ہوجاتا اور طبعیت عش عش کر اٹھتی تھی۔ یہاں قوم لوط کے بڑے بڑے شہر سدوم' عمورہ ' ادمہ ' ضبوئم اور ضغر واقع تھے (100)۔ بائبل میں ہے اس سے پیشتر خداوند نے سدوم اور عمورہ کو تباہ کیا ۔ خداوند کے باغ (عدن) مصر کے مانند خوب سیراب تھا (101)۔ اس علاقے کی آبادی و خوشحالی کا دور ۲۳۰۰ ق م سے ۱۹۰۰ ق م تک رہا ہے ۔ اور حضرت ابراہیم کے متعلق مورخین کا اندازہ یہ ہے کہ وہ دو ہزار ق م کے قریب گذرے تھے ۔ اس لحاظ سے آثار کی شہادت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ یہ علاقہ حضرت ابراہیم اور ان کے بھتیجے حضرت لوط ہی کے عہد میں برباد ہوا (102)۔

شرق اردن کے موجودہ شہر الکرک کے سامنے مغرب کی جانب اس بحیرے میں جو ایک چھوٹا سا جزیرہ نما "اللسان" پایا جاتا ہے ۔ اس کے نیچے جو حصہ اب بحیرہ مردار میں غرق ہے ۔ یہی وادی سدیم تھی (103)۔ ماہرین آثار قدیمہ کا اندازہ ہے کہ قوم لوط کے بڑے شہر غالبًا شدید زلزلے سے زمین کے اندر دھنس گئے تھے اور ان کے اوپر بحیرہ مردار کا پانی پھیل گیا تھا ۔ اور رومی عہد تک یہاں جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈوبے ہوئے جنگلات صاف نظر آتے تھے ۔ بلکہ یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ پانی میں کچھ عمارات ڈوبی ہوئی ہیں ۔ (104)

1965ء میں آثارِ قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بڑا قبرستان ملا ہے ۔ جس میں 20 ہزار سے زیادہ قبریں ہیں ۔ اس سے اندازہ ہوتا اس کے قرب و جوار میں کوئی بڑا شہر آباد ہوگا ۔ اور یہی شہر اب بحیرے میں غرق ہوچکا ہے ۔ بحیرے کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی کے آثار موجود ہیں ۔ اور زمین میں گندھک 'کول تار ' پٹرول قدرتی گیس کے وسیع ذخائر موجود ہیں ۔ طبقات الارضی مشاہدات سے اندازہ کیا گیا ہے ۔ کہ زلزلے کے شدید جھٹکوں کے ساتھ پٹرول ' گیس اور اسفالٹ زمین سے نکل کر بھڑک اٹھے اور زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہ علاقہ بھک سے اڑ گیا ۔(155)

بائبل کا یہ بھی بیان ہے کہ اس تباہی کی اطلاع پاکر حضرت ابراہیم جب حبرون سے اس وادی کا حال دیکھنے آئے تو زمین سے دھواں اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے بھٹی کا دھواں ہوتا ہے۔ ابراہیم فجر کو سویرے اٹھا اور اس جگہ سے جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا تھا اس نے سدوم اور عمورہ اور اس تمام زمین

کے میدان کی طرف نظر کی اور دیکھا کہ زمین پر دھواں بھٹی کے دھوئیں سے اٹھ رہا ہے"(106) ۔

تورات کے باب تکوین میں ہے ۔ خداوند نے سدوم اور عمورہ پر خداوند کی طرف سے گندھگ اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور سارے قرب و جوار کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگتا ہے نیست کیا (107)۔ اس جگہ پر اب پانی کی بہت گہرائی ہے ۔ اورپانی میں تیل گیس وغیرہ کی ملاوٹ سے یہ گہرائی اس قابل نہیں رہی کہ کوئی جاندار چیز مچھلی مینڈک وغیرہ بھی یہاں زندہ نہیں رہ سکتی ۔ اس لئے اسے بحر مردار یا بحر میت کہا جاتا ہے ۔ یہاں آج کل اہل مغرب کے محکمہ آثار قدیمہ نے ہوٹل بنا کر سیر گاہ بنائی ہوئی ہے ۔ منکرین آخرت نے عبرت کی بجائے اسے تفریح گاہ میں تبدیل کیا ہوا ہے (108)۔

قوم لوط کی اخلاقی پستی

دنیا میں بہت سی قومیں اخلاقی خرابیوں میں مبتلا رہی ہیں ۔ لیکن جس اخلاق سے گری ہوئی حرکت میں یہ قوم گھری ہوئی تھی اس کی مثال قوموں کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ یہ قوم ایک بدترین عمل کی موجد تھی ۔ یعنی وہ جنسی حاجت عورتوں کی بجائے نوخیز لڑکوں سے پورا کرتی تھی ۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کی حالت پر اسطرح روشنی ڈالی ہے ۔

ولوطاً اتینه حکماً وعلماً ونجینه من القریة التی کانت تعمل الخبث انهم کانوا قوم سوء فسقین (109)۔

لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی ۔ جہاں کے لوگ گندے کام کرتے تھے ۔ بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے ۔ ایک اور مقام پر ان کی بے حیائی کا ذکر ان الفاظوں میں کیا گیا ۔

ومن قبل کانوا یعملون السیات (110)۔یہ لوگ پہلے ہی سے بدکاریاں کرتے تھے ۔ اس گندگی اور خباثت پر مزید تشریح کرتے ہوئے ذاتِ باری تعالیٰ نے فرمایا ۔

لوطاً اذ قال لقومه اتاتون الفاحشه ما سبقکم بها من احد من العلمین انکم لتاتون الرجال شهوه من دون النساء بل انتم قوم مسرفون (111)۔

ہم نے لوط (کو بھی بھیجا) جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ارے تم تو ایسا بے حیائی کا کام

کرتے کہ تم سے پہلے اس دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتی ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ۔ قرآن مجید نے وضاحت کی ۔

لتاتون الرجال وتقطعون السبیل ۔ وتاتون فی نادیکم المنکر (112)۔

کیا تم (لذت کے لیے) مردوں کی طرف دوڑتے ہو ۔ اور (مسافروں)کی رہزنی کرتے ہو ۔ اور اپنی مجلسوں میں نازیبا و ناپسندیدہ حرکتیں کرتے ہو ۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اللہ کے فرشتے لڑکوں کی شکل میں اس شہر کو عذاب اور سزا دینے کے لیے آئے تو یہ بدبخت لوگ ان سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے دوڑے دوڑے پیغمبر کے گھر آئے ۔ حضرت لوط نے تمام قوم کو بہت سمجھایا ۔ لیکن وہ ان لڑکوں کو پکڑنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے ۔ آپ علیہ السلام نے یہاں تک کہا!

قال یقوم ھولاءِ بناتی ھن اطھرلکم فاتقوا للّٰہ ولا تخزون فی ضیفی ۔ الیس منکم رجل رشیدہ قالوا لقد علمت مالنا فی بنتك من حق وانك لتعلم مانریدہ قال لو ان لی بکم قوہ او اوی الی رکن شدید (113)۔ بھائیو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں موجود ہیں ۔ یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں ۔ کچھ خدا کا خوف کرو ۔اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو ۔ کیا تم میں کوئی (ایک بھی) بھلا آدمی نہیں ۔ انہوں نے جواب دیا تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے ۔ اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں ۔ لوط نے کہا " کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اسکی پناہ لیتا ۔

ان فرشتوں پر قوم لوط کے دوڑ آنے کا نقشہ قرآن حکیم نے ایک مقام پر یوں کھینچا ہے ۔

وجاء اھل المدینہ یستبشرون ۔ قال ان ھولاءِ ضیفی فلا تفضحون ۔ واتقواللّٰہ ولا تخزون ۔ قالوا اولم ننھك عن العلمین قال ھولاءِ بنتی ان کنتم فعلین ۔ لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون ۔ فاخذ تھم الصیحۃ مشرقین ۔ فجعلنھا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھم حجارۃ من سجیل ۔ ان فی ذلك لایت للمتوسمین ۔ وانھا لبسبیل مقیم ان فی ذلك لایۃ للمومنین (114)۔ اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بیتاب ہوکر لوط کے گھر چڑھ آئے لوط نے کہا ۔ بھائیو! یہ میرے مہمان ہیں ۔ میری فضیحت نہ کرو ۔ اللہ سے ڈرو مجھے رسوا نہ کرو ۔ وہ بولے کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کرچکے ہیں ۔ کہ دنیا

بھر کے ٹھیکے دار نہ ہو ۔ لوط نے عاجز ہوکر کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے ۔ تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں ۔ تری جان کی قسم اے نبی اس وقت ان پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا۔ جس میں وہ آپے سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ آخر کار پو پھٹتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا ۔ اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کرکے رکھ دیا ۔ اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی ۔ اس واقع میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو صاحب فراست ہیں ۔ اور وہ علاقہ یہ واقعہ پیش آیا تھا ۔ گزر گاہ عام پر واقع ہے ۔ اس میں سامان عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جوصاحب ایمان ہیں ۔

حضرت لوطؑ کی تبلیغی کوشش

حضرت لوطؑ نے اس ڈھیٹ بدکار ' بدباطن ' سیاہ اعمال ' دیدہ دلیر قوم کو ہر طرح سے سمجھایا کہ اپنی بری حرکتوں سے باز آجاؤ ۔ اپنے فعل بد سے رک جاؤ۔ پاکیزگی اور طہارت کی زندگی اختیار کرلو ۔ مگر ان مرد نادان اور قوم جاہل پر کسی قسم کا اثر نہ ہوا اور انہوں نے وہی جواب دیا جیسے بدمعاش بد کردار اور ڈھیٹ لوگ اپنی بداعمالیوں پر اصرار کرتے ہوئے کہتے ہیں

ماکان جواب قومه الا ان قالو اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون (115)۔ا

ان کی قوم سے کوئی جواب بن نہ پڑا اس کے سوا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے یہ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ان ہٹ دھرموں کا یہ جواب نقل کیا ۔

قالو ا اولم ننهك عن العلمين (119)۔

" وہ بولے کیا ہم بارہا تمہیں (اے لوط) منع نہیں کرچکے ہیں ۔ کہ دنیا بھر کے ٹھیکے دار نہ بنو ۔"

حضرت لوط برابر انہیں دعوت و تبلیغ کے ذریعے سمجھاتے رہے ۔ اور عذاب سے بھی ڈرتے رہے ۔ آخر غصے میں بولے یہ وعظ و نصیحت چھوڑ دو ۔ زیادہ مولوی نہ بنو ۔ اور جو توپ تیرے پاس سے ہے ۔ وہ چلا دے ہم دیکھتے ہیں کہ تیرے پاس کونسا تیر یا جادو ہے ۔

فما كان جواب قومه الا ان قالوا ائتنا بعذاب الله ان كنت من الصدقين (114)۔

" اس کی قوم کا جواب اس کے سوا ان کے پاس کچھ اور نہ تھا ۔ کہ وہ کہنے لگے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ۔ اگر تو سچا ہے" ۔ اس اخلاقی خرابی کے علاوہ اس قوم میں اور بھی تجارتی اور معاشرتی

خرابیاں تھیں ۔ تلمود میں اس قوم کے کی گراوٹ کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ۔ ان کا خلاصہ بھی سنئے ۔ ایک مرتبہ ایک عیلامی مسافر ان کی بستی میں سے گزر رہا تھا ۔ رات آجانے کی وجہ سے شہر سدوم میں قیام کرنا پڑا ۔ ایک سدومی کے اصرار پر اس کے گھر چلا گیا ۔ صبح ہونے سے پہلے ہی اس کی سواری بمعہ سامان کے چھین کر گھر سے باہر نکال دیا ۔ بستی والوں کو شکایت کرنے لگا ۔ ان لوگوں نے باقی مال بھی لوٹ کر شہر سے دھکے دے کر نکال دیا (118)۔ ایک بار ابراہیم علیہ السلام اور سارہ نے اپنے غلام الیعزر کو حضرت لوط کے اہل و عیال کی خیریت کے لئے سدوم روانہ کیا ۔ جب یہ غلام شہر میں داخل ہوا تو ایک سدومی اجنبی کو مار رہا تھا۔ الیعزر نے اس کو سمجھایا اور منع کیا ۔ سدومی نے الیعزر کا سر پتھر سے پھاڑ دیا ۔ الیعزر عدالت چلا گیا ۔ قاضی نے مقدمہ سن کر کہا الیعزر سدومی کو پتھر مارنے کی مزدوری دے ۔ اس پر مدعی نے ایک پتھر اٹھا کر قاضی کو مارا اور کہا اب میری اجرت تم اس سدومی کو دے دینا ۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا (119)۔

ایک دفعہ ایک بھوکا مسافر اس بستی میں آیا ۔ وہ بھوک پیاس سے نڈھال ہوکر بے ہوش ہونے لگا ۔ حضرت لوط کی بیٹی کا ادھر سے گذر ہوا تو اس نے کھلا پلادیا ۔ اس پر یہ لوگ اکٹھے ہوکر لوط علیہ السلام کے پاس آئے ان کو ان کے خاندان کو لعنت ملامت کی اور دھمکایا کہ آئندہ اگر ایسے کام کئے تو بستی سے نکال دیے جاؤ گے (120)۔

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ اس قوم کے عبرانی ادب میں عجیب عجیب واقعات درج ہیں ۔ جو ان کی اخلاقی و معاشرتی گراوٹ کو ظاہر کرتے ہیں ۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ مسافروں کو نئے نئے طریقوں سے لوٹا کرتے تھے ۔ مسافر کے سامان پر آکر بستی کے لوگ کھڑے ہوجاتے اور تھوڑا تھوڑا اٹھا کر اس کا سارا سامان لے اڑتے ۔ اور وہ بیچارا منہ دیکھتا رہ جاتا(121)۔

اس قسم کے واقعات تلمود میں بہت سے موجود ہیں ۔ غرض یہ ڈاکو رہزن چور قسم کے لوگ تھے ۔ مسافروں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے ۔ یہاں تک کہ اسے بھوکا ماردیتے تھے ۔ پھر اس کے بدن تک کے کپڑے اتار لیتے ہیں ۔ باہر سے آنے والے تاجروں کا سامان دن کی روشنی میں لوٹ لیتے ۔ اگر روتا دھوتا تو اس کا مذاق اڑاتے ۔ اسے بے وقوف بناتے ۔ وہ حیران و پریشان ہوکر بستی سے نکل جاتا ۔ ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے فرمایا!

ائنکم لتاتون الرجال وتقطعون السبیل وتاتون فی نادیکم المنکر (122)۔

تمھارا حال تو یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

عذابِ الٰہی کا نزول

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اخلاقی ' معاشی اور معاشرتی خرابی پر بار بار سمجھایا اور کہا کہ میں تم سے اس نصیحت کے بدلے کوئی تنخواہ بھی نہیں لیتا ۔ تم آدمی بن جاؤ

اذ قال لھم اخوھم لوط الا تتقون ۔ انی لکم رسول امین ۔ فاتقوا اللّٰہ واطیعون ۔ وما اسئلکم علیہ من اجرح ان اجری الا علی رب العلمین (123)۔

جب ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانتدار پیغمبر ہوں ۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر مجھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمے ہے ۔

آخر میں بڑی ڈھٹائی ' غرور و تکبر اور سرکشی سے کہنے لگے کہ جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے ۔ وہ لے آ (127)۔ ہم اپنا کاروبار نہیں چھوڑتے ۔ یہ تو ہماراذوق ' شوق اور رواج ہے۔ تو نرا مولوی ہے ۔ یہ سن کر مجبوراً حضرت لوط نے دعا کی ۔

رب انصرنی علی القوم المفسدین (125)۔

اے میرے رب ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما ۔

آخر اس قوم پر عذاب نازل ہوا ۔ ارشادِ ربانی ہے ۔

انا منزلون علی اھل ھذہ‌القریۃ رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون (126)۔

ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں ۔ اس فسق کی بدولت جو یہ کرتے رہے ہیں ۔ سورہ الشعراء میں اس عذاب کے بارے فرمایا گیا ہے ۔

ثم دمرنا الاخرین وامطرنا علیھم مطرا فساء مطر المنذرین (127)۔ ہم نے اس قوم کے باقی لوگوں کو تباہ کردیا اور ان پر ایک برسات برسائی ۔ بڑی بری بارش تھی ۔ جو ان ڈرائے جائے جانے والوں پر نازل ہوئی"۔ فرشتوں نے اس عذاب کے بارے میں حضرت ابراہیم کو بتایا ۔

لنرسل علیھم حجارۃ من طین ۔ مسومۃ عند ربك للمسرفین (128)۔

تاکہ ان پر پکی ہوئی مٹی کو برسادیں ۔ جو آپ کے ہاں حد سے گذر جانے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں ۔

سورہ القمر میں فرمایا ۔

انا ارسلنا علیھم حاصبا الا ال لوط (129)۔

ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا اس پر بھیج دی ۔ اسی قوم پر عذاب کی کیفیت کے بارے میں سورہ النجم میں بتایا گیا ہے ۔اس بستی کو الٹا دیاگیا ۔اور اوپر سے زیرِ زمین پانی ان پر آکر چھا گیا ۔

فغشھا ماغشی (130)۔

پھر چھا دیا ان پر وہ کچھ جو (تم جانتے ہی ہو کہ) کیا چھا دیا ۔

سورہ الاعراف میں کہا گیا ہے !

وامطرنا علیھم مطراً (131)۔سورہ ہود میں اس عذاب کی وضاحت کی گئی ہے ۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل . منضود مسومۃ عند ربك وما ہی من الظلمین ببعیدہ (132)۔

جب ہمارے فیصلے کا وقت آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کردیا ۔ اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے ۔ جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔ اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں ہے ۔

سورہ الحجر میں بھی اس عذاب پر مزید روشنی ڈال دی گئی ہے ۔

فاخذتھم الصیحۃ مشرقین . فجعلنا عالیھا سافلھا وا مطرنا علیھم حجارۃ من سجیل (133)۔

آخر کار صبح ہوتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کرکے رکھ دیا ۔ اور ان پر پکی ہوئی مٹی سے پتھروں کی بارش برسا دی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جبرائیل ' میکائیل اور اسرافیل فرشتے خوبصورت اور حسین بن کر انسانی شکلوں میں زمین پر آئے ۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے اور ان کو حضرت اسحٰق کی ولادت کی خوش خبری سنائی ۔ پھر یہ سدوم کی طرف روانہ ہوئے ۔ حضرت ابراہیم سے کہا کہ ہم قوم لوط کو عذاب دینے جارہے ہیں ۔ حضرت ابراہیم رحمدل ' حلیم الطبع اور نرم گوشہ کے مالک انسان تھے ۔ انہوں نے

فرشتوں سے بہت بحث کی کہ وہاں تو نیک آدمی بھی ہیں ۔ حضرت لوط علیہ السلام بھی ہیں ۔ تم ان کو تباہ و برباد نہ کرنا ، فرشتوں نے کہا تم فکر نہ کرو ۔ ہم حضرت لوط اور ان کے گھر کے نیک افراد کو بچالیں گے ۔ اللہ کا فرمان اٹل ہے ۔ اب ان پر عذاب آکر رہے گا (134)۔ آخر فرشتے مقررہ جگہ پر پہنچ گئے ۔ اور اس بستی کے بد کردار لوگ ان فرشتوں کو جو خوشنما انسانی شکلوں میں حضرت لوط کے گھر آئے تھے ۔ ان کو پکڑنے دوڑے ۔ پیغمبر علیہ السلام بہت گھبرائے ۔ پہلے اپنی قوم کو بہت سمجھایا ۔ فرشتوں نے آپ کہا آپ فکر نہ کریں ۔ آپ یہ کیجیے کہ راتوں رات یہاں سے تشریف لے جائیں ۔ پھر ہم جانے اور یہ لوگ ۔ صبح کے وقت ایک خوفناک چیخ آئی اور یہ بستی الٹ پلٹ کر رکھ دی گئی ۔ آسمان سے پتھر برسائے گئے ۔ اور اس شہر کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا گیا (135)۔ اور آج اس قوم اور جگہ کا نام تاریخ اور دینی ادب میں باعث عبرت بنا کر چھوڑ دیا گیا ۔ یہ ساری تفصیلات قران حکیم کی مختلف سورتوں میں موجود ہیں (136)۔

حضرت لوط علیہ السلام ایک باہمت اولو العزم انتھک اور ہر قسم کی مصیبتوں کو برداشت ، ظلم و ستم کا مقابلہ کرنے والے اور نہایت ہی صبرو استقامت کے مالک پیغمبر تھے ۔ آپ شکرو صبر کی تصویر اور تسلیم ورضا کے پیکر تھے ۔ آپ بار بار خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا گھر بار اہل و عیال چھوڑتے رہے ۔ او رہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ آپ کی بیوی بھی خدا کی نافرمانی میں ہلاک ہوگئی (137)۔ یہ بھی واقعی آپ علیہ السلام کے لئے بڑا امتحان تھا ۔آپ نے اس صدمے کو بھی برداشت کیا ۔ حضرت کی لوط علیہ السلام کی ایک بیٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی دادی تھی ۔ اور ایک بیٹی حضرت ایوب علیہ السلام کی والدہ تھی (138)۔ یہ اللہ کے نبی کی تبلیغی مساعی کا خلاصہ ہے ۔ کہ کس طرح لوط علیہ السلام نے قوم کی اصلاح کے لئے جدوجہد کی ۔ اس بگڑی ہوئی قوم کو آخر تک سمجھایا ۔ مگر وہ بدکاری کی عادت سےباز نہ آئے ۔ آخر اللہ تعالی کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالی کے مقرب اور برگزیدہ پیغمبر تھے ۔ قرآن حکیم نے انہیں ایک جلیل القدر نبی صبرد استقلال کا پیکر اور یوسف علیہ السلام کے برگزیدہ باپ ہونے کا شرف عطا کیا ہے ۔ ان پر صحیفے بھی نازل ہوئے ۔ ربِ جلیل نے اس جلیل القدر پیغمبر کو اسرائیل کے لقب سے

سرفراز کیا ۔ اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی (139)۔ آپ حضرت اسحٰق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے تھے (145)۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا ۔ ووهبنا له اسحق ويعقوب نافلة (141)۔ ہم ان (ابراہیم) کو اسحٰق عطا کیا اور اس پر مزید یعقوب ابن منظور نے اس جگہ نافلہ کے معنی پوتے کے کئے ہیں(142)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے انبیاء کا ایک وسیع سلسلہ چلا ہے ۔ ان کے بارہ بیٹے تھے ۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے ۔ ان ہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی ۔ اس خاندان کی نبوت کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آتا ہے ۔

ووهبنا له اسحق ويعقوب وجعلنا فى ذريته النبوة والكتب واتينه اجره فى الدنيا وانه فى الاخرة لمن الصلحين (143)۔

"اور ہم نے اسے (ابراہیم کو) اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی ۔ اور اسکی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی ۔ اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا ۔ اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد

حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ لیئہ سے چھ لڑکے تھے ۔

۱) روبن (Reuben) ۔ ۲) شمعون (Simeon) ۔ ۳) لاوی (Levi)۔

۴) یہودا (Judah) ۔ ۵) یساکر (Issachar)۔ اور ۶) زبلون (Zebulun) ۔ (144)

لئیہ کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی چھوٹی بہن راحیل سے نکاح کرلیا (145)۔

اس سے دو لڑکے یوسف

۷) (Joseph) ۔ ۸) بن یامین (Benjamin) تھے ۔

بلہہ باندی سے ۹) دان (Dan) ۱۰) نفتالی(Naphtali) ۔

چوتھی بیوی زلفا لونڈی سے ۱۱) جاد Gad ۱۲) اشیر Asher (146)۔

قرآن حکیم نے ان کی اولاد کے نام سوائے حضرت یوسف علیہ السلام سے اور کا نام نہیں بتایا ۔ البتہ نسل یعقوب کا ذکر ہوا ہے (147)۔ مگر حضرت یعقوب کا نام کلام پاک میں دس جگہ آیا ہے (148)۔ سورہ

یوسف میں جگہ جگہ ضمائر اور اوصاف کے ساتھ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے
۔

حالاتِ زندگی

قرآن حکیم ﷺ ان کے ابتدائی حالاتِ زندگی کا تذکرہ نہیں کیا ۔ اس لئے آیئے تورات اور تاریخ سے رجوع کرتے ہیں ۔

حضرت اسحٰق نے چالیس سال کی عمرمیں ایک آرامی خاتون رفقہ سے شادی کی (149)۔ کافی عرصہ تک اولاد نہ ہوئی ۔ پھر حضرت اسحٰق نے اللہ تعالیٰ سے صاحب اولاد ہونے کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے دو جڑواں بچے دیے ۔ پہلے پیدا ہونے والے بچے کا نام عیصو اور بعد میں (عقب) ہونے والے کا نام یعقوب رکھا ۔ یہی آپ کی وجہ تسمیہ ہے (150)۔

حضرت اسحٰق نے حضرت یعقوب کی نسل کے لیے پیغمبری کی دعا کی اس پر ان کے بھائی عیصو ان کے دشمن ہوگئے ۔ والدہ نے یعقوب کو ماموں لابان کے پاس حاران چلے جانے کو کہا ۔ یعقوب رات کے وقت گھر سے نکل گئے ۔ آپ رات کو سفر کرتے دن کو قیام ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسرائیل کا لقب دیا (151)۔ اس طرح آپ ماموں لابان کے پاس حاران پہنچ گئے ۔ یہاں سات سال بکریاں چرا کر ماموں نے اپنی بڑی بیٹی لیہ سے ان کا نکاح کردیا ۔ پھر اس کے بعد مزید سات سال کی خدمت کے عوض چھوٹی بیٹی راحیل سے آپ علیہ السلام کا نکاح ہوا (152)۔

بیس برس ماموں کے ساتھ رہنے کے بعد حضرت یعقوب اپنے ملک فلسطین واپس لوٹے ۔ ماموں نے ان کو بہت مال و دولت دیا ۔ اب آپ کی اپنے بھائی عیصو سے صلح بھی ہوگئی ۔ عیصو اس وقت حضرت اسماعیل کے داماد بھی بن چکے تھے ۔ واپسی پر آپ نے کنعان میں رہائش اختیار کرلی (153)۔کنعان وہ مقام ہے جہاں حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا اور پھر بعد میں غلام بنا کر فروخت کردیے گئے ۔ اور پھر قدرت ان کو مصر لے گئی۔ اور آخر کار عزیزِ مصر کے منصب پر فائز ہوئے (154)۔ حضرت یوسف سے اپنے بھائیوں کی ملاقات ... مصر میں ہوئی ۔ انہوں نے اپنے بھائیوں اور والدین کو بلایا ۔ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے کا پیغام ملنے سے پہلے ہی خوشبو زندگی محسوس کی اور کہا کہ مجھے آج یوسف کی ہوا آرہی ہے (155)۔ یوسف کے بچھڑنے کے غم میں حضرت یعقوب کی آنکھیں جاتی رہیں ۔

قاصد نے یوسف کی قمیض لاکر یعقوب کی آنکھوں پر ڈال دی۔ تو ان کی خراب آنکھیں روشنی سے منور ہوگئیں (154)۔

جب یہ خاندان حضرت یوسف کے پاس مصر میں پہنچا تو یوسف نے ان کا استقبال کیا۔ اس نے والدین کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور سب گھروالوں کو کہا کہ یہاں آرام و سکون سے رہو (157)۔ حضرت یوسف نے اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال حضرت یعقوب اور پورے خاندان کو فلسطین سے مصر بلالیا۔ اور اس علاقے میں آباد کیا جو میاط اور قاہرہ کے درمیان واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کو جشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے تک یہ لوگ اسی علاقے میں رہے (158)۔

قرآن حکیم اور حضرت یعقوب

قرآن حکیم نے حضرت یعقوب کے بہت سے اوصاف گنوائے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ وہ حد درجہ کے صابر و شاکر تھے۔ جب برادران یوسف نے اپنے بھائی کو کنویں میں ڈال دیا تو یوسف کی قمیض میں جھوٹ موٹ کا خون لگا کر باپ کے پاس آئے اور بھائی کو بھیڑیے کے کھانے کا ڈرامہ رچایا تو یعقوب علیہ السلام نے سارا واقعہ سن کر کہا۔ اچھا میں صبر جمیل سے کام لیتا ہوں اور اس معاملہ میں اللہ سے مدد کا طلب گار ہوں (159)۔

حضرت یعقوب میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت موجود تھی۔ اور اس وجہ سے وہ اپنی اولاد کو مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں عزیزِ مصر یوسف علیہ السلام تھے۔ تو برادران یوسف اپنے بھائی بادشاہ کے پاس غلے کے لئے پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کو پہچان گئے۔ مگر بھائی آپ کو پہچان نہ سکے۔ یوسف نے ان سے خاندان کا حال احوال لیا۔ اور انہوں نے اپنے ایک سوتیلے بھائیکا بھی ذکر کیا۔یوسف اس بھائی سے ملناچاہتا تھا۔ کیونکہ دراصل یہ یوسف کا سگا بھائی تھا۔ جب یہ تمام بھائی باپ کے پاس واپس آئے تو کہا کہ بادشاہ سلامت نے کہا ہے کہ آپ اپنے ساتھ سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لائیں۔ ورنہ آئندہ تمکو غلہ نہیں دیا جائے گا۔ یعقوب علیہ السلام نے مجبوراً بھائیوں کے ساتھ اس بیٹے کو ہمراہ کردیا۔ اور نصیحت کی جو آپ کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہے کہ اے میرے بیٹو! تم سب اکھٹے مصر کے شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا کہ کہیں اجنبی لوگ سمجھ کر شک کی بناء پر جتھہ سمجھ کر وہاں کی حکومت کے اہل کار انہیں پکڑ نہ لیں۔ کہ یہ لوگ اکھٹے ہوکر لوٹ مار کرنے آئے

ہیں ۔ اس لئے حضرت یعقوب نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ تم شہر کے مختلف دروازوں سے جانا ۔ سب اکٹھے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا (160)۔

یعقوب علیہ السلام حد درجہ اللہ پر توکل اور بھروسہ کرتے تھے ۔اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے ۔ جب ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے بعد اس کے بھائی کو بھی عزیز مصر یوسف کے پاس چھوڑ آئے تو باپ کو آکر داستان سنائی ۔ تو غم زدہ باپ نے کہا ٹھیک ہے کہ میں اپنے اس بیٹے پر بھی صبر جمیل کروں گا۔ شاید اللہ مجھے ان سب بیٹوں سے ملاقات کرائے ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۔ اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں (161)۔

وفات اور اولاد کو توحید کی تلقین

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے تمام خاندان کو مصر بلا کر اپنے ساتھ ہی رکھا (163)۔قیامِ مصر ہی کے دوران میں حضرت یعقوب نے وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے (164)۔ وفات کے قریب انہوں نے اپنی اولاد کو بلایا اور یہ نصیحت کی ۔

یبنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ۔ ام کنتم شھدا اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ماتعبدون من م بعدی ۔ قالو نعبد الھك ولہ اباك ابراھبم واسمعیل واسحق الھا واحدا ونحن لہ مسلمون (165)۔

اس نے کہا کہ میرے بچو اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے ۔ لہذا تم مرتے دم تک مسلم ہی رہنا ۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے ۔ جب یعقوب اس دنیاسے رخصت ہورہے تھا ۔ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی بندگی کروگے ۔ ان سب نے جواب دیا ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے ۔ جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم ' اسماعیل اور اسحاق نے خدا مانا ہے ۔ اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔

غرض حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ اور مقرب پیغمبر تھے ۔ جنہیں غالبًا کنعان کے لئے مبعوث کیا گیا اور آپ کی دعوت و تبلیغ کا مرکز بھی یہی حصہ رہا۔ زندگی کے آخری ایام آپ نے مصرمیں گذارے (166) ۔ قرآن حکیم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر صحیفے بھی نازل ہوئے (167)۔ آپ ایک مستقل شریعت پر کاربند تھے ۔ اور وہ شریعت ابراہیمی تھی ۔ اسی کی آپ نے

لوگوں کو دعوت دی ۔ اور اس دعوت کا خلاصہ توحید ہے (168)۔

اسلامی ادب میں آپ ایک غم میں ڈوبے ہوئے باپ ' مصیبتوں میں گھرے ہوئے انسان اور اعلی درجہ کے صابر اور شاکر پیغمبر کثرت سے تمثیلی انداز میں نظر آتے ہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک اولو العزم اور جلیل القدر پیغمبر ایک ذی شان حکمران ' ایک بہترین اور اعلی صلاحیتوں کے مالک منتظم ' ایک حلیم اور حوصلہ مند بھائی ' ایک فرمانبردار بیٹے اور ایک ہر دلعزیز شخصیت تھے

قرآن حکیم میں یوں تو ان کا ذکر بطور پیغمبر سورہ انعام (169) اور سورہ مومن (170) میں بھی آیا ہے ۔ مگر سورہ یوسف میں ان کی سیرت جو مختلف پہلو اجاگر کئے گئے ہیں ۔ وہ بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں ۔ اس سورت میں چوبیس بار آپ کے نام کا ذکر ہوا ہے (171)۔

قرآن حکیم نے آپ کے قصے کو احسن القصص کہا ہے ۔ یہ اس وجہ سے کہ اس واقعہ میں بہت ہی عبرتیں اور نصیحتیں ، حکمتیں اور پند و نصائح بیان ہوئے ہیں ۔ وہ کسی دوسرے واقعہ میں اس طرح یکجا نہیں ملتے ۔ بقول الشعلبی ! قرآن مجید نے اس واقعہ میں انبیاء ' صالحین ' ملائکہ ' شیاطین ' جن و انس ' پرندوں اور بادشاہوں کے کردار ' علماء ' تاجروں ' دانش مندوں ' جاہلوں ' عورتوں اور مردوں کے حالات' عورتوں کے چلتر ' انکی عفت و پاکدامنی ، تعلیم و توحید' علم سیر ' تعبیر رویا' ادب سیاست و حکمرانی ' تدبیر منزل اور دین و دنیا کے اسرار و رموز مصلحتیں اور حکمتیں بیان کرکے اس واقعہ کو احسن القصص بنادیا ہے ۔ اور پھر خاص بات یہ ہے اس قصے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیغمبرانہ شان و عظمت کو برقرار رکھا (172)۔

ایک اور خاص بات اس قرآنی واقعہ کی یہ ہے کہ قرآن حکیم اسے داستان اور قصہ گوئی کے طور پر بیان نہیں کیا ۔ بلکہ اپنا منفرد انداز دعوت و تبلیغ اور عبرت و نصیحت برقرار رکھا ہے ۔ حضرت یوسف ' حضرت یعقوب کے بیٹے ہیں ۔ آپ خود پیغمبر بھی تھے ۔ اور پیغمبر زادہ بھی تھے ۔ نبوت کا چراغ ان کے خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا ۔ (حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم)۔ ان کی والدہ کا

نام راحیل بنت لابن ہے۔ ان کی ولادت تقریباً ۱۹۲۷ء ق۔م اور انتقال ۱۸۱۷ ق۔م میں ہوا۔ (173) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کا نام یوسف اس لیے رکھا تھا کہ ان کی خواہش تھی کہ خدا ایک بیٹا اور دے (174)۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف کے بعد ان کے بھائی بن یامین کو پیدا کیا ۔ ویسے بھی عربی زبان میں یوسف کے معنی زیادتی اور برکت کے ہیں (175)۔

یوسف کا خواب

حضرت یعقوب اپنی اولاد میں سے یوسف سے سب سے زیادہ لاڈ پیار کرتے تھے ۔ یہ سب یوسف کی حسن سیرت اور حسن صورت کی وجہ سے تھا ۔ مگر دیگر تمام بھائی اسی وجہ سے ان سے حسد کرتے تھے ۔ ان ہی دنوں یوسف کو خواب نظر آیا کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند آپ کو سجدہ کررہے ہیں ۔ یوسف نے یہ خواب اپنے شفیق باپ یعقوب علیہ السلام کو سنایا ۔ یعقوب سمجھ گئے کہ خاندان کی نبوت کا تاج اس بیٹے کے سر پر رکھا جارہا ہے ۔ انہوں نے کہا بیٹا اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ بتانا ۔ تیرے سوتیلے بھائی تیرے خلاف ہوجائیں گے (176)۔

بھائیوں کی یوسف کے خلاف سازش

اس خواب کے بعد حضرت یعقوب یوسف سے اور زیادہ محبت کرنے لگے ۔ کہ یہ میرا بیٹا نبی بننے والا ہے ۔ اس پر بھائیوں کی حسد کی آگ اور تیز ہوگئی ۔ انہوں نے یوسف کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا ۔ بھائیوں نے آپس میں اکھٹے ہوکر کہا یوسف اور اس کا بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو زیادہ پیار ا ہے ۔ حالانکہ ہم تعداد و قوت میں زیادہ ہیں ۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بہک گئے ہیں ۔ ایئے یوسف کو قتل کردیں یا اسے کہیں پھینک دیں تاکہ باپ کی ہمدردی و محبت ہماری طرف ہوجائے ۔ پھر یہ کام کرنے کے بعد نیک بن جائیں گے ۔ ان میں سے ایک بھائی بولا یوسف کو قتل نہ کرو ۔بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں ۔ اسے کوئی چلتا قافلہ نکال کر لے جائے گا (177)۔

یہ منصوبہ بنا کر تمام بھائی باپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے ۔ ابا جان آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے ۔ حالانکہ ہم تو اسے بہت چاہتے ہیں ۔ اچھا آپ یوں کریں کل اسے ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیں ۔ یہ کچھ کھاپی بھی لے گا اور اچھل کود بھی لے گا ۔ باپ نے کہا تمہاری بات تو ٹھیک ہے ۔ لیکن مجھے کچھ اندیشہ ہے کہ تم سب کھیل کود میں لگ جاؤ اور اس کا تمہیں

دھیان نہ رہے ۔ اسی بھول میں کوئی بھیڑیا اسے اٹھا کر لے جائے ۔ اس پر یہ تمام بیٹے یک زبان ہوکر بولے ابا جان آپ کیا کہتے ہیں ہم اتنے سارے بھائی ہیں ۔ اور سب مل کر ایک بہت بڑی طاقت ہیں ۔ اگر ہمارے ہوتے اسے بھیڑیا کھاجائے تو پھر ہم کس کام کے ہیں (178)۔

خیر ضد کرکے باپ سے اجازت لی اور یوسف کو اپنے ساتھ لے گئے ۔ آخر وہی کیا جو ان کے دل میں کھوٹ تھا ۔ چھوٹے کمسن بھائی کو اندھے کنوئیں میں دھکا دے دیا ۔ یوسف اس حالت میں پریشان ہوئے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اطمینان دلایا اور کہا کہ ایک وقت آئے گا ۔ جب تم ان بھائیوں کو بتاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا ۔ یہ نادان ہیں انہیں مستقبل کا پتہ نہیں (179)۔ یہ کمینی اور ظالمانہ حرکت کرنے کے بعد شام کو گھر آکر باپ کے پاس رونے دھونے لگے ۔ اور روتے جاتے بتاتے جاتے کہ ابا جان ہم تو دوڑ کے مقابلے میں مصروف تھے ۔ یوسف سامان کے پاس بیٹھا حفاظت کررہا تھا ۔ یکدم بھیڑیا آگیا اور اسے دبوچ کر لے گیا اور دیکھیں اب آپ ہم پر اعتبار بھی نہیں کریں گے اور لو یہ ثبوت کے لئے ہم پیارے بھائی جان یوسف کی خون آلود قمیض بھی لے آئے ہیں ۔ تاکہ آپ کو اعتبار آجائے ۔ اللہ کے نبی اور جہاں دیدہ باپ نے قمیض کی حالت اور جھوٹ موٹ کا خون دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ یہ محض فریب ہے ۔ مگر بڑے صبر و تحمل اور پیغمبرانہ عزم و حوصلے سے کام لیا ۔ اچھا میں صبر کرتا ہوں ۔ خاموش رہتا ہوں ۔ اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس معاملے میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں (180)۔

یوسف اور غلامی

جب بھائی یوسف کو کنویں میں ڈال کر چلے گئے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک قافلے کارخ ادھر پھیر دیا ۔ قافلے والوں نے کنواں دیکھ کر پانی کے لیے ڈول ڈالا ۔ یوسف اس میں بیٹھ کر باہر آگئے ۔ وہ ایک خوبصورت لڑکے کو پاکر بہت خوش ہوئے ۔اور اسے ایک قیمتی مال سمجھ کر چھپالیا ۔ پھر آپ علیہ السلام کو چنددرہم کے عوض بیچ دیا ۔ مصر کے ایک اہم حکمران عزیزِ مصر نے یوسف کو خرید لیا ۔ اس شاہی فرد نے اپنی بیگم سے کہا اس خوبصورت شہزادے کو اچھی طرح رکھنا ۔ شاید یہ ہمارا بیٹا ہی بن جائے ۔ اور ہمارے کام آئے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف کو امورِمملکت اور سیاسی تمدنی تربیت کا ماحول میسر کرادیا ۔ اور آگے چل کر جب یوسف عزیزِ مصر کے منصب پر فائز ہوئے تو جہانبانی اور تہذیب و تمدن کی یہی

تربیت ان کے کام آئی ۔ پھر جب آپ پختگی کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالی نے نبوت کے ذریعے انہیں علم وحکمت کے خزانے سے مالا مال بھی کر دیا (181)۔

عزیز مصر کی بیگم اور حضرت یوسف علیہ السلام

عزیز مصر کی بیوی جسے قرآن مجید نے امراۃ العزیز کہا ہے (182)۔ جو تالمود کے مطابق زلیخا کے نام معروف ہیں (183)۔ یوسف علیہ السلام پر ڈورے ڈالنے لگی۔ ایک دن موقع و محل دیکھ کر گھر کے دروازے بند کر کے یوسفؑ کو اپنے پاس آنے کے لئے کہا ۔ یوسفؑ نے کہا اللہ کی پناہ ' مجھے اللہ نے یہ مقام دیا ہوا ہے ۔ میں تو یہ گناہ نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالی ایسے ظالم گناہ گار کو کبھی کامیاب و کامران بھی نہیں کرتے ۔ آخر وہ عورت یوسف کی طرف بڑھی ۔ لیکن اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے اپنے نبی کو بشری صفات اور انسانی جذبات کے غالب ہونے سے بچالیا (182)۔

ہوا یوں کہ اسی کشمکش میں یوسف اور وہ عورت آگے پیچھے دروازے کی طرف بھاگے ۔ اسے عورت نے پھر بھی پیچھے سے یوسف کی قمیض پکڑ کر کھینچی تاکہ یہ کمرے سے باہر نہ نکل جائے ۔ آپ کی قمیض کا پچھلا حصہ پھٹ گیااور آپؑ دروازے سے باہر نکل آئے ۔ دوڑتی ہوئی عورت بھی باہر آگئی۔ اتفاق سے دروازے پر اس کا خاوند کھڑا ہوا تھا۔ یکدم اسے دیکھتے ہی چالاکی سے بولی اس شخص کی کیا سزا ہوسکتی ہے ۔ جو تیری بیوی کے بارے میں بری نیت کا ارادہ کرے اسے یا تو قید کر دیا جائے ۔ یا سخت عذاب والی سزا دی جائے ۔ یوسف نے کہا یہ بات ٹھیک نہیں ۔ اس نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے ۔کہ خود اس کی نیت خراب تھی۔ میں تو خود جان بچا کر باہر نکل آیا ہوں (185)۔

اس جھگڑے کا فیصلہ خاندان کے ایک سیانے آدمی نے اس طرح کیا کہ ایک بات کی تحقیق کی جائے کہ اگر یوسف کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے ۔ اور اگر اس کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہو تو عورت جھوٹی ہے ۔ اور یوسف سچا ہے۔ تفتیش پر یوسف ہی سچے ثابت ہوئے (186)۔

عزیز مصر کی بیوی کے عشق کا چرچا شہر کی تمام عورتوں میں پھیل گیا ۔ اور وہ کہنے لگیں کہ اس عورت کا دماغ خراب ہے کہ اپنے نوجوان غلام سے عشق کرنے لگی ہے ۔ یہ باتیں سن کر زلیخا نے زنان مصر کی ایک تکیہ دار محفل آراستہ کی اور پھلوں کے ساتھ ایک ایک چھری بھی مہیا کی گئی ۔ پھر کہا

یوسف ذرا ادھر آیئے ۔ ان عورتوں کی نگاہیں جوں ہی یوسف پر پڑی تو سب کچھ بھول گئیں ۔ اور اسی بھول میں چیزیں کاٹنے کی بجائے چھریوں سے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے ۔ اور بے ساختہ بولیں یہ حسین وجمیل صورت انسان نہیں ۔ یہ تو کوئی خوبصورت اور نفیس سا فرشتہ ہے ۔ اس پر زلیخا نے کہا ! دیکھ لیا یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم باتیں بنارہی تھیں ۔ بے شک میں نے اسے پھسلایا تھا ۔ مگر یہ بچ گیا ۔ اور اگر اب بھی آئندہ یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو میں اسے قید میں ڈال دوں گی ۔ اور بہت خراب ہوگا ۔ اس پر یوسف نے اللہ تعالی سے دعا مانگی ۔ اے اللہ اس گناہ سے تو قید بہتر ہے ۔ اے اللہ مجھے اس مصیبت سے بچا ۔ پھر ہوا یوں کہ عزیز مصر نے اپنی بدنامی کے ڈر سے اور اپنی بیوی کے یوسف کے خلاف کان بھرنے پر انہیں قید میں ڈال دیا ۔ حالانکہ اسے پتہ تھا کہ یوسف پاک دامن ہے ۔ اور قصور اس کی بیوی کا ہے (187) ۔

زندان میں دعوت و تبلیغ

یوسف کے ساتھ زندان میں دو اور قیدی بھی داخل ہوئے ۔ تورات کا بیان ہے کہ قید خانہ میں داروغہ زندان نے تمام انتظام آپ کے حوالے کردیا ۔ اور وہ بے فکر ہوگیا تھا ۔ کیونکہ اپ احسن طریقے سے جیل کا انتظام چلاتے تھے (188) ۔ یہ دو قیدی جو یوسف کے قید خانے میں آئے تھے ۔ ان کے متعلق بائبل کہتی ہے کہ ان میں سے ایک شاہی ساقی تھا ۔ اور دوسرا شاہی باورچی کا افسر تھا ۔ ان سے بادشاہ سلامت ناراض ہوگیا (189) ۔ ایک دن ان میں سے ایک نے یوسف سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں ۔ دوسرے نے کہا! میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں ۔ اور پرندے اسے کھارہے ہیں ۔ دونوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر یوسف سے پوچھی ۔ اس لیے کہ جیل میں یوسف ایک نیک اور شریف آدمی کے نام سے پہچانے جاتے تھے (190) ۔

ان قیدیوں کی دلی کیفیت کا یوسف نے اندازہ لگالیا ۔ کہ یہ دکھی اور عقیدت مند ہیں ۔ اور اگر ان کو راہِ راست کی طرف دعوت دی جائے تو اس وقت یہ کچھ سن سکتے ہیں ۔ اس موقعہ پر آپ پہلی بار پیغمبرانہ مشن کے تحت دعوتِ تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ آپؑ نے ان شاہی مقربوں کو دنیا کے جھوٹے خداؤں اور حکمرانوں کو چھوڑ کر حقیقی حکمران واحد ذات باری کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ دیکھو ! اللہ کا یہ کتنابڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے سوا ہم کو کسی کا بندہ نہیں بنایا ۔ مگر لوگ

ہیں کہ اس کا شکر ادا نہیں کرتے ۔ اور دنیاوی شخصیتوں کو گھڑ گھڑ کر اپنا رب بناتے ہیں ۔ اور ایک رب کی بجائے دنیا کے لاتعداد خداؤں کے آگے سجدہ کرتے پھرتے ہیں ۔ حالانکہ دنیا کے یہ ان داتا ' مالک ' مختار ' رب ۔ سب کے سب خالی خولی نام ہی نام ہیں ۔ ان میں کوئی داتا ئی مالکیت ۔ مختاریت اور ربوبیت موجود نہیں ہے ۔ اصل مالک اللہ تعالی ہے وہی کائنات کا خالق اور مدبر ہے ۔ اس نے ان میں سے دنیاوی خداؤں کے لیے کسی کے لیے بھی کوئی سند یا مہر جاری نہیں کی ۔ اور یہی باتیں سابقہ نبوت کا نچوڑ ہیں ۔ اور یہی دین ابراہیمی ہے ۔ اور یہی اللہ پر یقین رکھنے والے اور آخرت کو ماننے والوں کا طریق کار ہے ۔ اور یہی اصل اور سیدھا ضابطہ حیات سے زندگی گذارنے کا ٹھیٹھ اور صحیح راستہ بھی یہی ہے ۔ اور اے میرے زنداں کے ساتھیوں اب اپنے خواب کی تعبیر بھی سن لو ۔ تم میں سے جو خواب میں انگور نچوڑ رہا تھا ۔ وہ بری ہوکر بادشاہ کا ساقی بنے گا۔ اور جس نے روٹی اور پرندے والا خواب دیکھا ہے ۔ اسے سولی پر چڑھایا جائے گا ۔ اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ جو سوال تم نے مجھ سے پوچھا ہے اس کا یہی حکم ' فیصلہ اور تعبیر ہے۔

بری ہونے والے شخص کو یوسف نے کہا کہ وہ بادشاہ سے میری بیگناہی کا ذکر کرے ۔ مگر شیطان نے اسے یہ وعدہ بھلادیا ۔ اور یوسف اس کے بعد کئی سال جیل میں رہے۔ (191)

بادشاہ کا خواب

اب ذرا قدرت خداوندی کی طرف توجہ فرمایئے ۔ کہ اللہ تعالی یوسف علیہ السلام کو ایک عرصہ قید خانہ میں رکھ کر کس طرح دینوی عروج کی طرف لاتے ہیں ۔ اسی زمانے میں ایک روز مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں ۔ ان کو سات پتلی اور دبلی گائیں کھا رہی ہیں ۔ اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور سات خشک ہیں ۔ بادشاہ نے اپنے مشیروں ' وزیروں ' درباریوں اور دانش وروں سے کہا مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔ لیکن کوئی اس مسئلے کو حل نہ کرسکا ۔ اور آخر میں انہوں نے کہا بادشاہ سلامت یہ پریشان خیالی ہے ۔ اس قسم کے خوابوں کی تعبیریں نہیں ہوتیں ۔ آپ مطمئن رہیں ۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ۔ اب شاہی ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے ۔ اور اسے اپنا خواب بھی یاد آیا ۔ کہ جیل میں کسی نے اس کی تعبیر بتائی تھی۔ اور وہ حرف بحرف سچی ثابت ہوئی ۔ساقی نے کہا بادشاہ سلامت مجھے ذرا جیل تک جانے دو ۔ میں اس خواب کا جواب لاتا ہوں ۔ بادشاہ نے اجازت دی وہ

بھاگا۔ قید خانے کی طرف گیا اور یوسف کو بادشاہ کا خواب سنایا ۔ یوسف نے کہا! تم سات سال تک مسلسل کھیتی باڑی کرتے رہو گے ۔ یہ تمہارا خوش حالی کا دور ہوگا ۔ جب فصل کاٹنے کا وقت آئے تو جتنی تمہیں اس سال کی ضرورت ہو بالوں سے غلہ علیحدہ کرلینا۔ باقی بالوں میں محفوظ رہنے دو ۔ خوش حالی کے سات سالوں میں اس طرح غلہ جمع کرلو ۔ اور پھر سات سال قحط کے آئیں گے۔ یہ محفوظ غلہ قحط کے زمانے میں تمہارے کام آجائے گا ۔ پھر قحط کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں بارشیں برسیں گی ۔ ملک میں خوشحالی ہوگی۔ کھیتیاں ہری بھری ہوں گی ۔ سردار شاہی ساقی نے آکر یہ تعبیر بادشاہ سلامت کو بتائی ۔ اب بادشاہ مطمئن ہوا اور یہ تعبیر اس کے دل کو لگی (192)۔

یوسف زندان سے باہر

بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ ۔ جب رہائی کا فرستادہ یوسف کے پاس پہنچا تو آپ نے اس وقت باہر آنے سے انکار کردیا ۔ آپ علیہ السلام نے کہا ! اپنے آقا سے جا کر کہو کہ ان عورتوں کے معاملے کی تحقیق کی جائے ۔ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ۔ پہلے یہ معاملہ صاف ہوجائے کہ انہوں نے کیا کیا چالبازیاں کی تھیں ۔ میرا رب تو ان عورتوں کی مکاریوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس پر بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر کہا کہ صاف صاف بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے ۔ جب کہ تم نے یوسف کو اپنے جال میں پھنسانا چاہا تھا ۔ ان سب عورتوں نے ایک آواز میں کہا ماشا اللہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی ۔ یہاں تک عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ جب بات کھل گئی ہے تو میں بھی بھری محفل میں راز کی بات بتادیتی ہوں ۔ ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی اور یوسف بالکل سچا ہے ۔ (193) ۔ بادشاہ نے کہا اس کو جلد میرے پاس لاؤ میں اسے خاص اپنے کاموں کے لیے مقرر کروں ۔ جب یوسف قید خانے سے باہر آئے ۔ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے (194)۔

یوسف ایوان حکومت و اقتدار میں

بادشاہ نے یوسف سے معاملات پر گفتگو کی تو وہ آپ علیہ السلام کے علم و فضل کا قائل ہوگیا اور کہا کہ آپ بڑی قدرومنزلت والے ہیں ۔ اور آپ دیانتدار اور قابلِ اعتماد ہیں ۔ آپ ہمارے اقتدار میں شریک ہوں اور اس ملک کے درپیش مسائل کا حل تلاش کیجئے ۔ خاص طور پر آنے والے قحط کی منصوبہ

بندی کیجئے ۔ یوسف نے احکامِ الٰہی جاری کرنے عدل و انصاف اور معاشی خوشحالی کے لئے بادشاہ سے ملک کے خزانے مانگے ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ملک کی اصلاح کے لئے نفاذ کے اختیارات اور حکومت کی طاقت یوسف علیہ السلام چاہتے تھے ۔ بادشاہ نے آپ کی بات مان لی ۔ اس طرح یوسف کیلئے مصر میں اقتدار کی راہ ہموار ہوئی ۔ اور یوں اللہ تعالی نے آپ کو زندان سے نکال کر منصبِ حکمرانی پر فائز کردیا(195)۔

سلطنت مصر پر تمکنت کے بعد یوسف نے قحط کے لئے پیش بندی شروع کردی ۔ آپ نے بادشاہ کے خواب کو اپنی بتائی ہوئی تجاویز کے مطابق معاشی منصوبہ بندی شروع کردی ۔ سات سال کی خوش حالی کے بعد سات سال خشک سالی اور قحط شروع ہوگئے ۔ اب یوسف نے محفوظ غلہ کے گوداموں کے منہ کھول دیے ۔ مصر میں غلہ کی فراوانی کی خبر اردگرد کے قحط زدہ ممالک میں بھی جا پہنچی ۔ اس طرح کنعان میں حضرت یعقوب کو بھی ان حالات کا پتہ چلا ۔ انہوں نے بیٹوں سے یوں بیٹھے رہے تو بھوکے مرجاؤ گے ۔ جاؤ مصر میں وہاں سے غلہ خرید لاؤ (194)۔

دربار یوسف میں بھائیوں کی حاضری

یوسف کے بھائی مصر میں آئے ۔ تو یوسف کے دربار میں حاضر ہوئے ۔ یوسف نے دس بھائیوں سے حال احوال لیا تو باتوں سے اندازہ ہوگیا کہ اسکے بھائی ہیں ۔ مگر بھائی یوسف کو پہچان نہ سکے ۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے اپنے ایک سوتیلے بھائی بن یامین کا بھی ذکر کیا ۔ یوسف نے کہا آئندہ جب تم آؤ تو اپنے بھائی بنیامین کو بھی اپنے ساتھ لانا ۔ ورنہ میری طرف سے غلہ کا جو اب ہے ۔ چلتے وقت خاموشی سے ان کی رقم بھی غلے میں رکھ دی گئی ۔ گھر جاکر جب سامان کھولا گیا تو دیکھا کہ مال بھی واپس موجود ہے ۔ تمام بیٹوں نے مل کر باپ سے کہا ابّا جی ! انہوں نے بھائی بنیامین کو بھی لانے کے لیے کہا ہے ۔اس طرح ہمیں خوب غلہ ملے گا اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بھائی کی حفاظت کریں گے ۔ بہت اصرار کے بعد غم زدہ باپ نے بنیامین کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی (197)۔

روانگی کے وقت حضرت یعقوب نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ مصر پہنچ کر شہر میں سب بھائی ایک دروازے سے داخل نہ ہونا ۔ بلکہ متفرق دروازوں سے جانا ۔ کہیں تم پر کوئی اور مصیبت نہ آجائے ۔ اور تمہیں ایک جتھا سمجھ کر کوئی جاسوس وغیرہ کا الزام نہ لگ جائے ۔ آخر کار یہ گیارہ بھائی یوسف کے پاس

پہنچے تو اس نے اپنے سگے بھائی بنیامین کو علیحدگی میں لے جاکر بتادیا کہ میں یوسف ہوں اور بھائی کو تمام ضروری باتوں سے آگاہ کردیا ۔ پھر ایک ترکیب سے بنیامین کو اپنے پاس روک لیا ۔ بھائیوں نے مل کر بہت سے واسطے دیے کہ ہمار ا بوڑھا باپ ہے لیکن یوسف نے ان کی بات نہ مانی ۔ آخر بڑے بھائی نے کہا کہ تم سب جاکر ابا جی کو یہ حالات سناؤ اور میں یہاں مصر میں رہتا ہوں ۔ جب تک مجھے میرے والد صاحب اجازت نہ دیں گے ۔ میں یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گا ۔ یا اللہ تعالی کوئی راہ نہ نکال دے ۔ بھائیوں نے جاکر باپ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ تو بوڑھے غمزدہ باپ کا برا حال ہوگیا ۔ لیکن اللہ کے پیغمبر نے صبر جمیل کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ اللہ مجھے ان سے ملائے ۔ لیکن پھر فطری طورپر غمزدہ ہوگئے ۔ اور اس غم پر یوسف یاد آگیا ۔ کہنے لگے میرے بچو جاکر ذرا یوسف کو تو تلاش کرو ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۔ اس کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں (198)۔

باپ کے اصرار اور غلہ کی قلت نے پھر تیسری بار براوران یوسف کو دربار شاہی میں لا کھڑا کیا ۔ اور کہنے لگے اے ذی وقار اور سردار باقتدار ہم اور ہمارے بال بچے سخت تکلیف میں ہیں ۔ اس بار تو ہماے پاس رقم بھی تھوڑی ہے ۔ ہمارے گذارے لائق بوریاں بھر دے ۔ بس ہم پر رحم کر ۔ یہ بات سن کر یوسف کا دل بھر آیا ۔ ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے خون نے جوش مارا اور کہنے لگے ۔ کیوں جی ! تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اسکے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب تم جہالت کے نشے میں تھے ۔ بھائی چونک کر بولے ۔ ہائے کیا آپ یوسف ہیں؟ اس نے کہا! ہاں میں یوسف ہوں ۔ اور یہ میرا بھائی ہے ۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ۔ جو شخص تقوی اختیار کرے اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے ۔ تو اللہ کے یہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا ۔ ان کے سر شرم کی وجہ سے جھک گئے ۔ اور کہنے لگے ۔ آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت دی اور واقعی ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی ۔ حضرت یوسف نے کمال عفو کا مظاہرہ کیا اور کہا آج میں نے تم کو معاف کردیا ۔ اور اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔ جاؤ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے ابا جی کے منہ پر ڈال دو ۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی ۔ اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ (199)۔

یوسف کا خاندان مصر میں

جب یہ خاندان مصر سے یوسف کی قمیص لیکر کنعان کی طرف چلا تو یعقوب اپنے ساتھ بیٹھے

ہوئے لوگوں سے کہنے لگے ۔ ارے آج تو مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے ۔ اور تم یہ نہ سمجھو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں ۔ یہ لوگ کہنے لگے ۔ اے بابا اللہ کی قسم آپ تو اپنے پرانے چکر اور خبط میں پڑے ہوئے ہیں ۔ آخر خوش خبری والا آیا ۔ اس نے یوسف کی قمیص یعقوب کے منہ پر ڈال دی ۔ پس ان کی آنکھیں نور سے روشن ہوگئیں ۔ یعقوب کہنے لگا میں تم سے کہتا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔ بھائیوں نے باپ سے کہا ۔ آپ ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے دعا کریں ۔ اس نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا ۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے (200)۔

جب اس خاندان کا قافلہ کنعان سے مصر میں یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے والد اور والدہ کو دربار میں اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھا لیا ۔ اور تمام خاندان ان کے آگے سجدے میں جھک گیا ۔ یوسف نے کہا ! اے ابا جان یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا ۔ میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا ۔ اس کا احسان ہے ۔ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا ۔ اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھے ملادیا ۔ حالانکہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا ۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیئت پوری کرتا ہے ۔ اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا ۔ زمین و آسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میراا سرپرست ہے ۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر (201)۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں مملکت مصر میں اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو زیادہ پذیرائی حاصل نہ ہوئی اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو مصریوں نے کہا! اب بھلا ایسا آدمی کہاں پیدا ہوسکتا ہے ۔ اور اب یوسف کے بعد اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا (202)۔

وفات

بائبل کے بیان کے مطابق یوسف نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اوروفات سے پہلے اپنے خاندان والوں سے عہد لیا تھا ۔ جب اللہ تعالی بنی اسرائیل کو آبائی سرزمین فلسطین میں لے جائے تو میری ہڈیاں ساتھ لے جانا ۔ اورمیرے تابوت کو وہیں دفن کرنا ۔ اسی لیے ان کی وفات پر ان کے جسم کو حنوط (ممّی) خوشبو وغیرہ بھر کر مصر میں رکھ دیا گیا (203) ۔ اسی لیے جب تقریباً چار سو سال بعد

حضرت موسیٰ نے مصر سے ہجرت کی تو بنی اسرائیل کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا تابوت ان کے ہمراہ تھا (204)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار نابلس میں بیان کیا جاتا ہے ۔ جو فلسطین کا ایک شہر ہے (205)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا شمار اللہ تعالیٰ کے ممتاز پیغمبروں میں ہوتا ہے ۔ وہ نہ صرف ایک نبی اور داعی حق تھے بلکہ ایک اعلیٰ قسم کے منتظم ' بہترین مصنف اور اچھے حکمران بھی تھے ۔ آپ نے بہت ہی احسن طریقے سے امورِ مملکت سرانجام دیے ۔ یہ آپ کی حسن تدبیر اور خداداد صلاحیتوں کا نتیجہ تھا ۔ کہ ہفت سالہ زمانہ قحط میں مصر اور اسکے قرب و جوار کے علاقے کو غلہ ملتا رہا ۔ یہاں تک کہ کنعان سے قافلے چل کر آتے تھے ۔ اور اناج لے جاتے تھے ۔ غرض مصر آپ کے زمانے میں معاشی طور پر خود کفیل تھا ۔ یہاں زراعت کی فراوانی تھی ۔ اور خوشحالی کا دور دورہ تھا ۔

حضرت شعیب علیہ السلام

آپ شیریں بیاں ' قادرالکلام اور فصیح و بلیغ پیغمبر تھے ۔ مفسرین انہیں خطیب الانبیاء کے لقب سے نوازتے ہیں ۔ آپ کی بعثت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ دعوتِ توحید کے ساتھ ساتھ معاشی اصلاح کے لئے بھی مبعوث ہوئے تھے ۔ جہاں آپ کی قوم شرک و کفر کے مرض میں مبتلا تھی ۔ وہاں تجارتی بددیانتی ' ڈنڈی مارنا ' رہزنی اورلوٹ مار ان کا خاص وطیرہ تھا ۔ غرض آپ اعتقادی اصلاح کے ساتھ معاشی اور تجارتی معاملات کی درستی اور راست بازی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے ۔

قوم مدین

قومِ مدین یاقوم شعیب دراصل اپنے بانی و موسس خاندان مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب ہے ۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے ۔ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگانِ نسل کے نام سے موسوم کرتی تھیں (206) ۔ قدیم زمانہ کے قاعدے کے مطابق جولوگ کسی بڑے آدمی کی نسل سے ہوتے تھے ۔ تو وہ اسی کا خاندان اور قوم کہلانے لگتے تھے۔ جیسے عرب کے اکثر لوگ بنی اسماعیل کہلاتے تھے ۔ اولاد یعقوب کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح مدین کے علاقے کے تمام لوگ جو مدین بن ابراہیم کی نسل سے تھے بنی مدین یا مدیان کہلائے اور ان کے ملک کا نام بھی مدین یا مدیان مشہور ہوگیا (207)۔ مدین نے اپنی بستی یا آبادی اپنے سوتیلے بھائی اسمعیل علیہ السلام کے پہلومیں حجاز میں ہی بسائی تھی ۔ مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا ۔ اور جزیرہ نمائے سینا کے شرقی تک بھی اس کا کچھ حصہ چلا جاتا تھا (208)۔

حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل اور خاندان (مدین) سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کی بعثت کے بعد یہ آبادی قوم شعیب کہلائی (209)۔

مدین اور اصحاب الایکہ

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ علیحدہ علیحدہ قومیں اور قبیلے ہیں ۔ یا یہ دونوں ایک ہی ہیں ۔ جو لوگ انہیں الگ الگ کہتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں قوموں کا حضرت

شعیب سے طرزِ خطاب ' سوال و جواب کا انداز' پھر آخر میں ان پر عذاب کی نوعیت و کیفیت بھی مختلف ہے (210)۔ اس سلسلے میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے ۔ سورہ اعراف میں حضرت شعیب کو مدین والوں کا بھائی کہا گیا ہے (211)۔ اور سورۃ الشعراء میں صرف یہ کہا گیا ہے ۔

اذ قال لھم شعیب (212)۔ جبکہ شعیب نے ان سے کہا ! یہاں ان کو بھائی نہیں کہا جارہا (213)۔ گویا مدین والے حضرت شعیب کی برادری اور قوم تھے ۔ اور ایکہ والے غیر قوم اور ان کی برادری نہیں تھے ۔ ایک اور دلیل یہ ہے کہ مدین تہذیب یافتہ اور شہری قبیلہ تھا ۔ جبکہ اصحاب الایکہ دیہاتی اور بدوی اور بن یا جنگل والا علاقہ تھا ۔ اور قرآن حکیم کی آیت!

انھما البامام مبین (214)۔ یہ دونوں ملکی شاہرہ پر واقع تھے ۔ دونوں سے مراد مدین اور اصحاب الایکہ ہیں نہ کہ مدین اور قوم لوط(215)۔

جو مفسرین دونوں کو ایک قبیلہ اور قوم کہتے ہیں کہ ان کا خیال ہے ان دونوں قبیلوں میں ایک جیسی بیماری اور خرابی تھی ۔ دونوں ایک ہی مرض اور مصیبتوں میں مبتلا تھے ۔ اور حضرت شعیب کی دعوت و تبلیغ بھی دونوں کے لیے یکساں ہے (216)۔ اس کی دلیل بعض یہ بھی دیتے ہیں کہ آب و ہوا نظافت و لطافت نے اس مقام کو اتنا سرسبز اور خوبصورت بنا دیا کہ دور سے نظارا کرنے والا اس مقام کو جنگل یا درختوں کا جھنڈ کہتا تھا ۔ اس وجہ سے مدین کو ایکہ کہا گیا (217)۔ اور ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ یہاں ایک درخت تھا ۔ یہ قوم اس درخت کی پوجا کرتی تھی ۔ اسی نسبت سے مدین کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے (218)۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں ۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ بے شک دو الگ قبیلے ہیں ۔ مگر ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں۔ حضرت ابراہیم کی بیوی یا کنیز قطورا سے دو لڑکوں مدیان اور ددان کے خاندانوں کا پتہ چلتا ہے ۔ تو ایک لڑکے کے نام سے شہر مدین یا مدیان اور دوسرے لڑکے ددان سے اصحاب الایکہ ہیں ۔ تبوک ایکہ کا جدید نام ہے (219)۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی یہی کہتے ہیں کہ بہر حال راجح یہی ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے ۔ جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافیائی کیفیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا (220)۔

دعوت و تبلیغ

معلوم یہی ہوتا ہے کہ دنیاوی اور معاشی طور پر یہ خوشحال ' شاداب اور ترقی یافتہ قوم تھی ۔ کھیتوں کی زرخیزی ' باغوں کی رونقوں اور خوشبوؤں ' پھل پھول کی کثرت ' آب و ہوا کی نظافت و لطافت ' نہروں اور آبشاروں کی روانی اور دولت کی زیادتی نے اس قوم کو عروج پر پہنچایا ہوا تھا ۔ اس لیے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا ہے ۔ اس دنیاوی ترقی کے ساتھ ان میں مذہبی اخلاقی اور انسانی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ۔ ان میں شرک و کفر جھوٹ ' بددیانتی ' ڈنڈی مارنا ' سود ' بٹہ لگانا ' حرام و حلال کی تمیز نہ ہونا ۔ تجارتی بے اصولی ' ظلم و ستم ' فتنہ و فساد عام پایا جاتا تھا ۔ حضرت شعیب نے انہیں سمجھایا کہ توحید کو اپناؤ ' ناپ تول میں ایمانداری اختیار کرو ۔ حقوق العباد کا خیال رکھو ۔ امن عامہ میں خرابی پیدا نہ کرو ۔ فتنہ و فساد اور ظلم و ستم سے باز رہو ۔ آپ نے یہ باتیں فصاحت وبلاغت ' شیریں زباں ' محبت و پیار ' خلوص اور ہمدردی سے سمجھائی ۔

آپ نے کہا اے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس رب کی صاف رہنمائی آگئی ہے ۔ لہذا وزن اور پیمانے پورے کرو ۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو ۔ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو ۔ جبکہ اس کی اصلاح ہوچکی ہے ۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے ۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور درندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھو ۔ نہ لوگوں کو خوف زدہ کرکے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو ۔ اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہوجاؤ ۔ یاد کرو وہ زمانہ جبکہ تم تھوڑے تھے ۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کردیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے ۔ اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں ۔ ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا ۔ تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو ۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔ سورہ ہود میں حضرت شعیب اور اس دقوم کے نظریات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

"مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا ۔ اس نے کہا ! اے میری قوم کے لوگو ! اللہ کی بندگی کرو ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو ۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں ۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا ۔ جس کا عذاب سب کو

گھیرے گا اور اے برادران قوم ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اورلوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو ۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے ۔ اگر تم مومن ہو ۔ اور بہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگراں کار نہیں ہوں ۔ انہوں نے جواب دیا ۔ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں ۔ جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے ۔ یا یہ کہ ہم کواپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو ۔ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے ۔ شعیب علیہ السلام نے کہا بھائیو! تم خودہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی بشارت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا تو (اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریک حال کیسے ہوسکتا ہوں) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ۔ ان کا خود ارتکاب کروں ۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں ۔ جہاں تک بھی میرا بس چلے ۔ اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے ۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ۔ اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۔ اور اے برادران قوم میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ لے آئے کہ آخرکار تم پر بھی وہی عذاب آکر رہے ۔ جو نوح یا ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا ۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے ۔ دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ ۔ بے شک میرا رب رحیم اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے ۔ انہوں نے جواب دیا اے شعیب تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے ۔ تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کرچکے ہوتے ۔ تیرا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو (221)۔

اصحاب الایکہ کی مذہبی اور تمدنی خرابیوں پر حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اس طرح سمجھایا

۔

"اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا ۔ یاد کرو جبکہ شعیب نے ان سے کہا تھا ۔ کیا تم ڈرتے نہیں ؟" میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں ۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں ۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے ۔ پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو ۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس ذات کا خوف کرو ۔ جس نے تمہیں اور گذشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے ۔ انہوں نے کہا "تو محض ایک

سحر زدہ آدمی ہے اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں ۔ اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے ۔ شعیب نے کہا میرا رب جانتا ہے ۔ جو کچھ تم کر رہے ہو ۔ انہوں نے اسے جھٹلا دیا ۔ آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا ۔ اور وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا (222)۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کی ایک تعلیم تو وہی تھی ۔ جو تمام انبیاء کی مشترک اور ہر زمانہ میں رہی ۔ یعنی "توحید" لیکن ایک امتیازی دعوت اور تعلیم ان پیغمبری کی یہ ہے ۔ کہ آپ علیہ السلام نے زمین میں معاشی توازن بگاڑنے سے روکا ۔ مندرجہ بالا آیات میں صرف خرید فروخت اور ناپ تول کی کمی بیشی ہی مراد نہیں ہے ۔ بلکہ سود بٹہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں ۔ جن کے ذریعہ سے تاجر طبقے کا یہ جواب "کیا اس سے بھی کہ ہم اپنے حال میں جو چاہیں کریں ۔ تمھاری نماز روکتی ہے (223)۔ یہ ان کی تاجرانہ بددیانتی کی پوری ترجمانی کرتا ہے ۔ کہ اگر ہم نے لوگوں کو پورا وزن دیا ۔ تو ہم دنیاوی طور پر برباد ہوجائیں ۔ یہ نماز اور عبادت دنیا کے کاروبار سے ہمیں کیوں روکتی ہے ۔ ان کی اس معاشی خرابی کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں کو درہم دینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا اور کہا کہ یہ حرام ہے ۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے مال و دولت اپنی مرضی سے خرچ نہ کریں (224) ۔ محدث جریر طبری تاریخ میں لکھتے ہیں کہ زید بن اسلم نے اس سورہ ہود کی آیت ۸۷ کے ضمن میں لکھا ہے ۔ کہ شعیب علیہ السلام ان کو بٹہ سے منع کرتے تھے ۔ نیز محمد بن کعب قرظی نے سے مروی ہے ۔ کہ مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ قوم شعیب کو بٹہ لینے کے باعث عذاب گیا ۔ پھر مجھے قرآن مجیدمیں یہ آیت ملی ۔ پھر اگر ناپ تول کی کمی کو اگر وسیع معنی میں لیا جائے تو اس میں تمام حقوق العباد کی حق تلفی آجاتی ہے ۔ اس آیت کے تحت زندگی کے تمام معاملات مثلاً معاشی ' سیاسی ' معاشرتی ' تہذیبی ' تمدنی ' عدالتی ' تعلیمی ' غرض ہر پہلو میں انصاف برتنے کا حکم دیا ہے۔ ان میں کسی کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈالنا چاہیئے ۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محض پوجا پاٹ کے اصول اور روحانیت کی تکمیل کے لئے ہی نہیں آتے بلکہ وہ زندگی کے معاملات تجارت ' معیشت ' تمدن و معاشرت ' سیاسیات ' اخلاقیات کی بھی رہنمائی کرتے ہیں ۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہبی اور دینوی (سیکولر) تقسیم کا خیال آج کا پیدا ہوا نہیں ۔

آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال سے قوم شعیب اور اس وقت کی دوسری قومیں بھی یہی رٹ لگاتی تھی ۔ مذہب اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ باطل کا رویہ بھی اس آیت سے پتہ چلتا ہے ۔ کہ وہ اپنے مقابلے میں کسی روشن دلیل کو پسند نہیں کرتا ۔ جب اس سے جواب نہیں بنتا تو وہ غصہ اور دھمکی اور جاہلیت سے جواب دیتا ہے ۔ جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے قوم کو محبت پیار سے دعوت و تبلیغ دی ۔ مگر مخالفین نے کہا ہم تمہیں جلا وطن کردیں گے ۔ سنگسار اور قتل سے بھی گریز نہیں کریں گے ۔

عذاب کی تفصیل

حضرت شعیب علیہ السلام کے نرم گرم وعظ و نصیحت کے بعد بھی یہ قوم اپنے گناہوں سے باز نہ آئی۔ آخر اللہ تعالیٰ کا وہ ضابطہ قانون حرکت میں آیا ۔جو سرکش اور نافرمان لوگوں کے لئے آخری چارہ کار ہوتا ہے ۔ ان کو عذاب الٰہی نے گھیر لیا ۔ ان کو زمین نے زلزلے اور آسماں سے بارانِ رحمت نے گھیر لیا ۔ اللہ تعالیٰ اس عذاب کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کرچکے تھے ۔ آپس میں کہا ”اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کرلی تو برباد ہوجاؤ گے ۔ مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آلیا ۔ اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے ۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے ۔ شعیب کے جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہوکر رہے اور شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گیا ۔ کہ ”اے برادرانِ قوم میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے ۔ اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کردیا ۔ اب میں اس قوم پر کیسے افسوس کروں ۔ جو قبول حق سے انکار کرتی ہے (226)۔ سورہ ہود میں اس عذاب کے بارے میں بتایا گیا ہے ۔ آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے ۔ گویا وہ بھی وہ وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ مدین والے بھی دور پھینک دیے گئے ۔ جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے (227)۔ العنکبوت میں بھی اس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے ۔

”مگر انہوں نے اسے (شعیب علیہ السلام) جھٹلا دیا ۔ آخر کار ایک سخت زلزلے نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے“ (228)۔

اصحاب الایکہ کے عذاب کی نوعیت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے ۔ انہوں (قوم شعیب) نے کہا تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے ۔ اور تو کچھ نہیں ہے ۔ مگر ایک انسان ہم ہی جیسا اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں ۔ اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے ۔ شعیب نے کہا میرا رب جانتا ہے ۔ جو کچھ تم کررہے ہو ۔ انہوں نے اسے جھٹلایا ۔ آخر کار چھتری والے دن (آسمان) کا عذاب ان پر آگیا وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا (229)۔

اس عذاب کی کوئی تفصیل قرآن و حدیث میں نہیں ملتی ۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ کوئی آسمانی آفت تھی ۔ جو باران زحمت اور بارانِ عذاب بن کر ان پر ٹوٹ پڑی ۔ اس عذاب یوم الظلہ کی تفصیل مفسرین نے بیان کی ہیں ۔ مگر ان کے ذرائع مستند معلوم نہیں ہوتے ۔ بہر حال یہ عذاب متشابھات سے معلوم ہوتا ہے ۔

حضرت شعیب کی قبر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حضر موت میں بتائی جاتی ہے ۔ اس مقام پر ہجوم لگا رہتا ہے ۔ اور دہاں کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر ہے ۔ حضرت موت کے شہر شیبون کے مغرب کی طرف ایک مقام شام سے ۔ اس مقام سے وادی ابنِ علی سے گزر کر شمال کی طرف ایک وادی آتی ہے ۔ اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر بتائی جاتی ہے ۔ مگر عبدالوہاب نجار نے اس بارے میں شک کیا ہے (230)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل ایک اعلیٰ مرتبت جلیل القدر اور اولعزم نبی اور رسول ہیں ۔ کلیم اللہ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔ موسیٰ بن عمران بن قاھات (قہات) لادی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (231) ۔ مگر طبری نے اس طرح تحریر کیا ہے ۔ موسی بن (عمران بن یصھر بن قاہت بن لاوی) یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (232)۔ ایک خیال یہ بھی ہے ۔ کہ عمران اور یصاھر آپس میں بھائی بھائی تھے(233)۔

ابن منظور نے لکھا ہے کہ موسیٰ معرب عرلی لفظ ہے ۔ جو یہ مو معنی پانی اور سا معنی درخت کے ہیں یا ما ۔ پانی ' ساج ۔ درخت کے ہیں (234) ۔ عبرانی لفظ موشا سے ماخوذ ہے ۔ یہ مو ۔ پانی اور شا ۔ درخت سے بنا ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت اور پانی کے پاس تشریف لے گئے تھے (233)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دراصل یہ عبرانی لفظ موشی ہے ۔ اس کے معنی نجات دہندہ ہیں ۔ اور یہ حضرت موسیٰ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے ۔ جو بعد میں ان کے کارناموں م کی وجہ سے انہیں عطا کیا گیا (236)۔

ولادتِ موسیٰ علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے خاندان کو لے کر اپنے بیٹے یوسف کے پاس بسنے کے لئے مصر پہنچے تو اس وقت مصر پر سولھواں خاندان حکومت کرتا تھا۔اس کا نام ابابی الاول تھا ۔ اس کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م کے قریب ہے (237)۔یہ بادشاہ ہیکسوس (Hyksos) یعنی چرواہے بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں ۔ ان ہی کو عرب مورخین نے عمالقہ کا نام اور یہ سامی النسل عرب تھے (238)۔حضرت یوسف کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی آبادی مصر میں بڑھنے لگی ۔ اس پر مصری بادشاہ اور قبطی قوم کو تشویش ہوئی کہ کہیں یہ ہم پر غالب نہ آجائیں اسی لئے بنی اسرائیل کی تذلیل شروع ہوئی ۔ یہاں تک کہ ان کی نرینہ اولاد کا قتل بھی شروع ہوگیا (239)۔ اس کی ظلم و ستم کی طرف قرآن حکیم نے بھی اشاروں کیا ہے(240)۔ جدید اثری تحقیق یہ بھی بتائی ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت مصر کے حکمرانوں کے انیسویں خاندان فرعون کہ رعمیس ثانی (Ramases II) کے دور میں ہوئی اور اسی بادشاہ نے آپ کی پرورش کی(241) ۔ رعمیس دوم جب بہت بوڑھا اور معمر ہوگیا تھا ۔ تو اس نے اپنے اقتدار میں اپنے بیٹے مفتاح کو شریک کرلیا تھا ۔یاد رہے مفتاح ہی وہ فرعون ہے ۔ جسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیھما اسلام نے دعوت و تبلیغ دی تھی اور بنی اسرائیل کی غلامی سے رہائی مطالبہ کیا تھا ۔ اور یہی سمندر میں غرق

ہوا تھا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مفتاح نے اپنے باپ کے محل میں پرورش پاتا دیکھا بھی تھا (242)۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے مناظرہ کیا تو اس نے اپنا اور باپ کا یہ احسان یاد دلایا ۔ کیا ہم نے اپنے میاں تیری پرورش نہیں کی اور تو اپنی عمر کے چند سال ہمارے ساتھ تو بسر کرچکا ہے (243)۔

جب حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو فرعون نے یہ حکم کیا ہوا تھا کہ لڑکوں کو قتل کردیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے بچہ کی والدہ کو اشارہ کردیا تھا کہ جو نہی کوئی اندیشہ ہو تو بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا ۔ ہم اس بچے کی حفاظت کریں گے اور تجھے بھی اس سے ملادیں گے ۔ چنانچہ جب موسیٰ کی والدہ کو بچے کے بارے میں فرعون کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا تو اس نے بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں چھوڑ دیا ۔ موسیٰ کی بہن دور دور صندق پر نگاہ رکھ کر احتیاط سے چلتی جاتی تھی ۔ آخر کار یہ صندوق دریا کے کنارے پر جالگا ۔ تو فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھا لیا (244)۔

فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھ کر کہا "یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ اسے قتل نہ کرو ۔ کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو ۔ یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں (245)۔ فرعون نے بیوی کی بات مان لی ۔ اب بچے کو دودھ پلانے کا معاملہ درپیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کے سوا تمام عورتوں کا دودھ بچے پر حرام کردیا تھا ۔ موسیٰ کی بہن تمام حالات سے باخبر تھی ۔ وہ موقع غنیمت جان کر محل میں چلی گئی اور اس نے کہا کہ میں تمہیں خیر خواہ لنا کا پتہ بتاتی ہوں ۔ جو بچوں کی بہت عمدہ تربیت کرتی ہے ۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اپنے بیٹے کی غیبی طور پر دودھ پلانے کا ذریعہ مل گیا ۔ اور وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی (246)۔ اس طرح شاہی محل میں موسیٰ کی پرورش ہوتی رہی ۔

مصر سے ہجرت

موسیٰ علیہ السلام بچپن لڑکپن سے ہوتے ہوئے جوانی میں داخل ہوئے ۔ آپ نہایت ہی قوی الجثہ اور بہادر جوان ہوگئے ۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی قوت کے ساتھ آپ کو علم و حکمت اور خیالات عالیہ سے بھی نوازا (247)۔ انہیں دنوں کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمی شہر میں آپس میں لڑرہے تھے ۔ یہ لوگوں کے آرام کا وقت تھا ۔ اور شہر میں ویرانی تھی ۔ یہ لڑنے والے شخص ایک موسیٰ کی قوم سے تھا ۔ دوسرا فرعونی تھا ۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارا ۔ آپ علیہ السلام اس فرعونی کے ایک گھونسا مارا ۔ اس پر وہ مرگیا ۔ موسیٰ اس غیر ارادی قتل پر بہت پریشان ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی

کہ شیطان نے مجھ سے یہ حرکت کرادی ۔ ان کی اس پشیمانی اور شرمندگی پر اللہ تعالیٰ نے اس قتل پر پردہ ڈال دیا ۔ اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ آئندہ ناحق کسی کی مدد نہیں کروں گا (248)۔دوسرے روز صبح کے وقت پریشان میں چھپتے چھپاتے پھررہے تھے ۔ کہ اچانک دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی آج پھر کسی سے لڑ رہا ہے ۔ اور پھر آپ کو مدد کے لئے پکارا موسیٰ نے پہلے تو اپنے آدمی کو دھمکایا کہ تو کوئی جھگڑالو شخص ہے ۔ روز کسی نہ کسی سے لڑتا ہے ۔ پھر مصری کو علیحدہ کرنے کے لئے ہاتھ آگے ہی کیا تھا ۔کہ وہ اسرائیلی سمجھا مجھے ڈانٹ کے بعد اب مار پڑے گی ۔ فوراً بول اٹھا ۔ اکابرموسیٰ کے قتل کے مشورے ہونے لگے ۔ اسی وقت ایک آدمی نے موسیٰ کو تمام حالات بتائے ۔ آخر وہ خدا سے دعا کرتے ہوئے مصر سے نکل گئے ۔ اور وہ چلتے چلتے مدین پہنچ گئے (249)۔

موسیٰ مدین میں

مدین میں موسیٰ علیہ السلام شہر سے باہر کنویں پرپہنچے ۔ یہ بستی مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھی (250)۔ عربی روایات کے مطابق مدین خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا ۔ آج کل اسے البدع کہتے ہیں ۔ وہاں اب بھی ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے ۔ مقامی باشندے کہتے ہیں۔ کہ ان کے آباؤاجداد یہی بتاتے ہیں کہ میاں مدین واقع تھا (251)۔

غرض مدین کے کنویں پر پہنچ کر موسیٰ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں ۔ اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو لیے کھڑی ہیں ۔ موسی نے ان خواتین سے پوچھا تمہیں کیا پریشانی ہے ۔ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاسکتے ۔ جب تک یہ سب پانی پلا کر نہ چلے جائیں ۔ اور ہمارے والد صاحب ایک بہت ہی بوڑھے آدمی ہیں ۔ یہ بات سن کر موسیٰ نے ان سے جانور لے کر پانی پلاویا ۔ اور پھر ایک سائے میں جا بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا ۔ کے اے اللہ میں تیرے رحم و کرم کا محتاج ہوں ۔ ابھی کچھ دیر نہ ہونے پائی تھی ۔ کہ ان دو عورتوں میں سے ایک عورت شرم وحیا سے چلتی ہوئی ۔ اس کے پاس آئی اور بولی میرے والد صاحب اپ کو بلا رہے ہیں ۔ تاکہ آپ ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے ۔ اس کا اجر آپ کو دیں ۔موسیٰ جب اس کے پاس پہنچا تو اسے اپنا تمام قصہ سنایا ۔ اس نے کہا تم فکر نہ کرو ۔ اب تم ظالموں کی ملکی حدود سے باہر ہو ۔ باپ نے بیٹوں سے مشورہ کے بعد موسیٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں ۔ اپنی دو بیٹیوں میں سے

ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں ۔ بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو ۔ اور اگر دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری مرضی ۔ موسی نے جواب دیا ۔ کہ بس بات پکی ہوگئی۔ جو مدت بھی ان دونوں میں سے پوری کرو ۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے اس قول و قرار پر نگہبان ہے (252)۔

موسیٰ علیہ السلام اور نبوت

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کرلی تو وہ اپنے اہل و عیال کو لیکر چلا تو طور کی جانب اسے ایک آگ نظر آئی اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا ذرا ٹھیریں میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اُٹھا لاؤں جس سے تم تاپ سکوں (253)۔ جب وہاں پہنچا تو آواز آئی اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں جوتیاں اتار دے تو وادی مقدس طویٰ میں ہے مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس ماحول میں ہے پاک ہے اللہ سب جہان والوں کا پروردگار اور اے موسیٰ علیہ السلام یہ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا۔ اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے اور جو تجھے وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سن میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر' قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس اپنی سعی کا بدلہ پائے پس کوئی ایسا شخص جو اُس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھکو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا (254)۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا کرنے کے ساتھ معجزات سے بھی نوازا۔ آپ کو عصا سے اژدھا بن جانا اور ید بیضا کے دو معجزات ملے (255)۔ ان کے علاوہ آپ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کا معاون و مددگار بنا دیا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں روانی فصاحت و بلاغت پیدا کردی گئی اور ان کے دوسرے اندیشوں کا بھی سدِ باب کردیا گیا اس کے بعد کہا گیاکہ فرعون کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاؤ اور اس سے قوم بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کراؤ(256)۔

فرعون کو دعوت و تبلیغ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لیکر دربار فرعون میں خدا کا پیغام لے کر پہنچے اور اس سے کہا اے فرعون میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں ۔ میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں۔ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ اللہ

کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے (257)۔

فرعون اور اس کے مشیروں نے یہ باتیں سن کر اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس کیا پھر فرعون نے کہا تجھے ہمارا احسان یاد نہیں کہ تو نے ہمارے یہاں پرورش پائی ہے' اس کے بعد اپنے قانونی اختیارات یاد دلائے کہ تیرے ہاتھ سے تو ایک قتل بھی ہوا تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ قتل مجھ سے غیر ارادی اور نادانستگی میں ہوا تھا اسی لیے میں یہاں سے چلا گیا تھا اب میرے رب نے مجھے تیرے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور رہا تیرا وہ احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی نوبت اس لیے آئی تھی تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا اور تو نے بچوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہوا تھا (258)۔

فرعون نے پوچھا اچھا اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں سب کا رب ہے (259)۔اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا پھر اسے ضرورت کی ہر وہ چیز عطا کی جس کی اس کی ساخت متقاضی تھی اور انہیں ہدایت اور رہنمائی سے نوازا (260)۔

فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا ارے سنتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ وہ تمہارا سب کا پروردگار ہے اور تمہارے اباؤاجداد کا بھی جو گزر چکے ہیں (261)۔ اس پر فرعون نے ایک اور اہم سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا بنے گا (262)۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ کہکر لاجواب کر دیا کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے ۔ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے ۔ نہ بھولتا ہے (263)۔

یہ تمام دلائل سن کر فرعون پریشان ہوگیا ۔ اب اس نے معقولیت کا راستہ چھوڑ کر جہالت کا طریقہ اختیار کیا ۔ اور موسیٰ اور دوسرے رسولوں کو معاذ اللہ پاگل کہنے لگا (264)۔ اور پھر دنیاوی حکمرانوں کی طرح اپنے اختیار دکھانے لگا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کردوں گا۔ جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں (265)۔ اس پر موسیٰ بول اٹھا کہ میں بھی تجھے اپنے اختیار دکھاؤں جو میرے رب نے مجھے دیے ہیں ۔ فرعون نے کہا اچھا دکھا ۔ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدھا تھا ۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا ۔ فرعون اپنے گردو پیش کے سرداروں سے بولا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے

۔ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے باہر نکال دے ۔ اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو(266)۔ فرعون کے مشیروں اور وزیروں نے کہا ! موسیٰ اور اس کے بھائی کو روک لیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج کر ہر سیانے اور ماہر جادوگر کو بلا لیتے ہیں ۔ چنانچہ ایک مقررہ دن (جشن کا دن) پر جادوگر اکھٹے کر لیے گیے (267)۔ اور لوگوں کو اپنے دین ' حمیت و غیر کا واسطہ دے کر زیادہ سے زیادہ اکٹھا کیا گیا ۔ کہ شاید اگر جادوگروں کا مذہب جیت گیا تو ہم اس پر قائم رہ سکیں گے(268)۔

جادوگروں نے فرعون سے کہا! کہ اگر وہ جیت گئے تو انہیں کیا انعام ملے گا۔ فرعون نے کہا تمہیں قرب شاہی سے نوازا جائے گا (269)۔ پھر انہوں نے موسیٰ سے کہا تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں ۔ موسیٰ نے جواب دیا تم ہی پھینکو ۔ انہوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کردیا اوربڑا ہی زبردست جادو لائے ۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے، ہم ہی غالب رہیں گے (270)۔ یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جادو کے زور سے موسیٰ کی طرف دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں ۔ موسیٰ اپنے دل میں ڈر سا گیا ۔ اللہ نے کہا مت ڈر تو ہی جیتے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ۔ ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ۔ خواہ کسی شان سے وہ آئے (271)۔ اس کے بعد موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جارہا تھا ۔ اسطرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا ۔ جو کچھ انہوں نے بنا کر رکھا تھا۔ وہ باطل ہوکر رہ گیا ۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں الٹے ذلیل ہوگئے (272)۔

جادوگروں کا قبولِ اسلام

جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے کرشمہ کو دیکھ کر اصل بات کی تہ تک پہنچ گئے ۔ اور آپس میں کہنے لگے یہ جادو وغیرہ نہیں ۔ یہ تو خدا کا معجزہ ہے ۔ اور انکا یہ حال ہوگیا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرادیا۔ اور سارے کے سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گرپڑے اوربول اٹھے کہ مان گئے ۔ ہم رب العالمین کو ۔ موسیٰ اور ہارون کے رب کو(273)۔

فرعون بھرے دربار میں یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا اور غصے میں الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا اور آخر اپنے اختیار کی بات کرنے لگا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا کر کھجور کے تنوں پر

تم کو سولی پر چڑھاؤں دوں گا پھر تم کو پتہ چل جائے گا ۔کہ کس کا عذاب زیادہ تکلیف دہ ہے (274)۔جادوگروں نے جواب دیا اسکی کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے ۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کردے گا ۔ کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لاتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے باری تعالی سے دعا کی اے ہمارے رب تو ہمیں صبر واستقامت عطا کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حالت میں کہ ہم مسلمان ہوں (275)۔

آیاتِ تسعۃ

فرعون اس ایمان افروز واقعہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا ۔ بلکہ الٹا بگڑتا گیا۔ آخر اللہ تعالی نے ایک ایک کرکے وقفہ وقفہ بعد اپنے نومعجزات پورے کردیے ۔ فرعون اور اسکی قوم نے یہ تمام نشانیاں دیکھ لیں (276)۔ اس طرح اتمام حجت کردی گئی ۔ تاکہ اس قوم پر جب عذاب بھیجا جائے تو یہ واویلا نہ کریں کہ ہمیں خبر نہ تھی ۔ ان میں سے دومعجزات یدِ بیضا اور عصا کا اژدھا بن جانا تھے ۔ اور باقی سات معجزات یہ دکھائے گئے ۔١) قحط ۔ ٢) نقص ثمرات ۔ ٣) طوفان ۔ ٤) ٹڈی دل ۔ ٥) جوئیں اور سرسری ۔ ٦) مینڈک ۔ ٧) خون(277)۔

اللہ تعالی نے یہ تمام معجزات ان کو ایک ایک کرکے دکھائے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں اور ایمان لے آئیں ۔ مگران کی حالت یہ ہوتی تھی جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے تھے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور جب برا زمانہ آتا تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فال بد ٹھہراتے ۔ اورپھر وہ خدا تعالی کی نشانیوں کا مذاق بھی اڑاتے تھے ۔ ایک سے ایک بڑھ کر ان کو معجزات دکھائے گئے ۔ ان پر سختی بھی کی گئی اور جب وہ سختی دعا کے طفیل دور کردی جاتی تو پھر وہ پہلی والی حرکتیں اور خرابیاں کرنے لگتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی کرتے جب کبھی ان پر مصیبت نازل ہوجاتی تو کہتے اے موسیٰ تجھے اپنے رب کی طرف جو مقام و مرتبہ حاصل ہے ۔ اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کر اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹال دے تو ہم تیری بات مان لیں گے ۔ اوربنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے ۔ مگر جب ہم ان پر سے اپنا عذاب ایک وقت مقررہ تک کے لیے جس کو وہ بہرحال پہنچنے والے تھے ۔ ہٹالیتے تو وہ یکلخت اپنے وعدے سے پھر جاتے (278)۔

حضرت موسیٰ کی بدعا

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کو بہت سمجھایا۔ خدا کا پیغام بھی واضح طور پر پہنچا دیا ۔ اس کے بعد معجزات بھی دکھائے ۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب بھی بھیجے ۔ جس کی تفصیل گذر چکی ہے ۔ مگر یہ ٹس سے مس نہ ہوئے اوراپنی ہٹ دھرمی پر جمے رہے ۔ آخر موسیٰ علیہ اسلام نے کہا ! اے ہمارے رب تونے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور احوال سے نواز رکھا ہے ۔ اے رب کیا یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں ۔ اے رب ان کے مال غارت کردے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ ایمان نہ لائیں ۔ جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی ۔ ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے طریقے کی ہرگز پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے (280)۔

غرقابی فرعون

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے نیک بندوں کو راتوں رات لے کر مصر سے نکل جا اور تمہارا فرعون تعاقب بھی کرے گا اور تم نے سمندر کا راستہ اختیار کرنا ہے ۔ تمہارے لیے سمندر خشک کردیا جائے گا ۔ تاکہ تم اسے پار کرجاؤ اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ اس میں غرق ہوجائے گا (281)۔ اسی لیے موسیٰ نے بنی اسرائیل کو رات کے وقت مصر سے نکالا اور قلزم کے کنارے ڈیرا جمادیا (882)۔ اس پر فرعون نے فوجیں جمع کرنے کے لیے شہروں میں نقیب بھیج دیے اور کہلا بھیجا کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں ۔ اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیاہے (283)۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے ۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا ۔ تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے ۔ موسیٰ نے کہا فکر نہ کرو ۔ میرے ساتھ میرا رب ہے ۔وہ ضرور میری مدد و رہنمائی فرمائے گا (284)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارو ۔ اس پر یکایک سمندر پھٹ گیا ۔ اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہوگیا (285)۔ ان دو ٹکڑوں کے درمیان سمندر میں سے خشک راستہ بن گیا ۔ حضرت موسیٰ کو مزید حکم ہوا کہ کسی تعاقب کے خوف کے بغیر سمندر پار کرجاؤ (286)۔ فرعون اور اس کا لشکر تعاقب میں سمندر پار کرنے کی کوشش میں غرق ہوجائیں گے (287)۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اس طرح سمندر پار

کرتے دیکھا تو اس نے بھی ان کے پیچھے اپنا لشکر سمندر میں اتار دیا ۔ حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھی خیریت سے سمندر پار کرگئے ۔ اور فرعون اپنے لشکر سمیت پانی میں غرق ہوگیا (288)۔ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا "میں نے مان لیا ہے کہ خداوند حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں ہے ۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سرِ اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں ۔) جواب دیا گیا اب ایمان لاتا ہے ۔ حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا۔ اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے ۔ تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے (289)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے۔ جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں ۔ اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے ۔ جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کرر کھا ہے ۔ اس کی جائے وقوع کی ابو زنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے ۔ اور علاقے کے باشندے اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی (290)۔اگر یہ ڈوبنے والا فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے ۔ تواس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے ۔ 1907ء میں سر گرافٹس الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اسکی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی ۔ جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت ہے (291)۔

بنی اسرائیل صحرا سینا میں

مصر سے نکل کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل جزیرہ نما سینا میں داخل ہوئے ۔بنی اسرائیل نے جس مقام پر بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ نہر سویز اور اسماعلیہ کے درمیان کو کوئی مقام تھا (292)۔ راستے میں گزرتے ہوئے انہوں نے ایسی قوم دیکھی جو اپنے بتوں کو پوجا کرر ہی تھی اس پر انہوں نے حضرت موسیٰ سے فرمائش کی ہمارے لئے بھی ایسا خدا بنا دے ۔ موسیٰ نے انہیں جھڑکا اور کہا کہ یہ بربادی اور جھوٹ کا دھندہ ہے ۔ تمہارا معبود تو بس ایک ہی ہے (293)۔ مصر سے نجات پانے کے بعد جب بنی اسرائیل جزیرہ نما سینا میں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ کو اللہ تعالی نے چالیس روز کے لئے کوہِ طور پر طلب فرمایا (294)۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی ہارون

علیہ السلام کو نائب کے طور پر چھوڑا اور خود کوہِ طور پر چلے گئے ۔ وہاں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام بھی ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنا دیدار اور جلوہ دکھانے کی فرمائش بھی کی ۔ اللہ عزوجل نے فرمایا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا ۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ پر نظر ڈال ۔ اگر وہ اپنی جگہ رہ گیا تو مجھے دیکھ سکے گا ۔ جب پہاڑ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ ڈالا تو وہ ریزہ ریزہ ہوکر اڑ گیا ۔ اور موسیٰ بے ہوش ہوگئے ۔ جب ہوش میں آئے تو معاملہ سمجھ میں آگیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی (295)۔ چلہ پورا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو قوم کی ہدایت کے لیے ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کردی اور ساتھ ہی کہا ان ہدایات کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھال لینا اور اپنی قوم کو حکم دینا کہ بہتر طریقے سے اس کی پیروی کریں (296)۔

واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ چلا کہ سامری نے قوم کو گمراہ کردیا اور ان کے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور انہیں کہا کہ یہ تمہارا خدا ہے اس کی پوجا کرو ۔ یوں موسیٰ پیغمبر اور موسیٰ کے خدا کو بنی اسرائیل چھوڑ بیٹھے (297)۔ یہ تمام تماشہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بہت غصے ہوئے ۔ آپ نے شریعت کی تختیاں ایک طرف رکھی اور اپنے بھائی ہارون کو پکڑا کہ تو نے میرے بعد ان کو کیوں نہیں منع کیا ۔ ہارون نے کہا اے میرے بھائی یہ مجھ سے نہ رکتے تھے ۔ بلکہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اب تو مجھ پر ان لوگوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے ۔ میں ان ظالم لوگوں میں شامل تھا ۔ تب موسیٰ مطمئن ہوئے پھر انہوں نے اپنے اور بھائی کے لئے معافی اور ایمان کی دعا کی (298)۔ اس کے بعد سامری کی خبرلی اور کہا کہ تونے یہ کیا کیا ؟ اچھا تو جا۔ اب زندگی پھر تجھے یہی پکارتے رہنا ہے کہ میں اچھوت ہوں ۔ مجھے نہ چھونا اور تیرے لیے باز پرس کا ایک وقت مقرر ہے ۔ جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا ۔ اور ذرا دیکھ تیرے بچھڑے خدا کا میں کیا حشر کرتا ہوں ۔ حضرت موسیٰ نے اس کو جلا کر اورریزہ ریزہ کرکے دریا میں بہا دیا (299)۔ یوں آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا ۔ آپ نے وہ الواح اٹھائیں ۔جن پر شرعی یعنی احکام لکھے ہوئے تھے اوریہ احکامات نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھے (300)۔ان خدائی احکامات نازل ہونے کے بعد قوم بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر موسیٰ سے ایک اور فرمائش کی کہ ہمیں خدا کا جلوہ براہ راست دکھا ۔ اور ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے ۔ جب تک کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں گے (301)۔ حضرت موسیٰ نے ان کو اس معجزے کی طلب پر بہت سمجھایا مگر یہ مانے آخر ستر سرداروں کو لے کر دیدار الٰہی کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور کوہِ طور پر آگئے ۔ ان لوگوں کو ایک

سخت زلزلے نے آپکڑا اور یہ لوگ ہلاک ہوگئے ۔ حضرت موسیٰ نے ان نادان لوگوں کو خدا سے معافی اور رحم کی درخواست کی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کردیا۔ تاکہ یہ اس احسان کے بعد شکر گزار بن جائیں (302)۔

اس کے کچھ عرصہ بعد خدائی احکام کو بھول گئے اور دوبارہ نافرمانی کرنے لگے ۔ اب کی بار اللہ تعالیٰ نے ان پر کوہ طور کے ایک حصے کو ان کے اوپر لاکر کھڑا کردیا اور یہ محسوس کرنے لگے کہ یہ ہم پر گرا اور ہم اس کے نیچے دب کر مرے ۔ اب مجبوراً انہوں نے تورات کے احکامات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا (303)۔

اس لق ودق اور بیاباں صحرا میں بنی اسرائیل نے پانی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے ایک چٹان سے بارہ قبیلوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بارہ چشمے جاری کردیے(304)۔ وہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے ۔ سیاح اسے جاکر دیکھتے ہیں اور چشموں کے شگاف اس میں پائے جاتے ہیں (305)۔ اسی صحرا میں ان کے لیے طعام کا بھی انتظام کیا گیا ۔ من اور سلویٰ ان کو عطا کیا گیا (306)۔ اس طرح یہ لذیذ کھانے انہیں بیٹھے بٹھائے ہی مل جاتے تھے ۔ من دھنیے کے بیج کی طرح سفید شہد کے حلوہ کی طرح میٹھا تھا ۔ اور سلویٰ بٹیر کی طرح جانور تھا ۔ من سے روٹی بناتے اور سلویٰ سے سالن (307)۔ اسی صحرائے سینا میں دھوپ کی تپش سے بچانے کے لیے ایک حصے پر بادل کا سایہ رہتا (308)۔ تاکہ یہ قوم دھوپ سے ہلاک نہ ہوجائے ۔

بیت المقدس کی طرف جہاد کا حکم

بنی اسرائیل کا اصل وطن بیت المقدس ہی تھا ۔ قوم موسیٰ کو مصر سے صحرائے سینا اور پھر اصلی منزل فلسطین اور اردن کے علاقے میں لے جانا مقصود تھا ۔ سینا کا میدان فلسطین کے قریب ہی تھا ۔ حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کو مصر لایا گیا تھا ۔ پھر حضرت موسیٰ کے ذریعے انہیں واپس اسی سرزمین میں لے جانا تھا (309)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعے بنی اسرائیل کو حکم دیا ۔ اس مقدس سرزمین میں داخل ہوجاؤ ۔ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے ۔ پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام پلٹو گے ۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں ۔ ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے ۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار

ہیں ۔ ان ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے ۔ جن کو اللہ تعالی نے اپنی نعمت سے نوازا تھا ۔ انہوں نے کہا ان جباروں کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاو ۔ جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو ۔ اگر تم مومن ہو لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ اے موسیٰ ہم تو وہاں بھی نہ جائیں گے ۔ جب تک وہ وہاں موجود ہیں ۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ۔ اس پر موسیٰ نے کہا اے رب میرے۔ میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یہ میری اپنی ذات یا میرا بھائی ۔ پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کردے۔ اللہ نے جواب دیا ۔ اچھا تو وہ ملک چالیس سال تک ان پر حرام ہے۔ یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے ۔ ان نافرمانوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھاؤ (310)۔

اس طرح اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو جب کہ وہ بیت المقدس کے دروازے پر پہنچ چکے تھے ۔ بیابان صحرا میں پریشان حال اور بھٹکنے کے لیے چھوڑدیا ۔ اور وہ مقدس سرزمین جس کی واپسی کا ان سے وعدہ کیا ان پر چالیس سال کے لئے حرام کردی ۔ زیادہ قوی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی اس نسل کو اس سرزمین سے محروم کردیا ۔ جسے مصر میں غلامی نے ذہنی طور پر مغلوب کردیا تھا۔ دراصل غلامی میں قوموں کا ضمیر اور فطرت تباہ ہوکر رہ جاتا ہے ۔ اس نسل کے بعد نئی نسل پیدا ہوئی ۔ جس میں حریت و آزادی ' غیرت و عزت کا قومی جذبہ پیدا ہوا تو اللہ تعالی نے موعودہ سرزمین واپس کرائی (311)۔

حضرت موسیٰ کی یہ تقریر اس موقع کی ہے ۔ جبکہ مصر سے نکلنے کے تقریبا دوسال بعد آپ اپنی قوم کو لیے ہوئے دشتِ فاران میں خیمہ زن ہوئے ۔ یہ بیابان جزیرہ نما سینا میں عرب کی شمال اور فلسطین کی جنوبی سرحد سے متصل واقع ہے (312)۔ اس واقع کی تفصیلات بائبل کتاب گنتی میں موجود ہیں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے ۔ مصر سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام دشتِ فاران پہنچے ۔ جب ان کی منزل مقصود فلسطین کے قریب ہوگئی تو آپ نے بارہ سرداروں کی ایک جماعت حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجی ۔ انہوں نے اس علاقے کی خوشحالی کے متعلق کہا کہ وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں اور انار' انگور' انجیر کی کثرت ہے ۔ لیکن وہاں کے اندر شہر فصیل دار اوربڑے قوی اور زور آور ہیں ۔ اور ہم ان کے مقابلے میں کمزور ہیں ۔ بلکہ ہم ان کے آگے ٹڈی کی طرح ہیں ۔

لوگ چلا اٹھے اور رات بھر روتے رہے ۔ سارے بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون پر غصے ہوئے

اور کہنے لگے اے کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے یا کاش ہم اسی صحرا ہی میں فنا ہوجاتے ۔ خداوند کیوں ہمیں اس ملک سے لے جاکر تلوار سے قتل کروانا چاہتا ہے ۔ پھر تو ہماری بیویاں اور بال بچے لوٹ کا مال ٹھہریں گے ۔ ان بارہ میں سے صرف دو سردار یوشع اور کالب کھڑے ہوگۓء اور کہنے لگے وہ ملک بہت اچھا ہے ۔ اس کی خوشحالی اور ترقی کا شمار نہیں تم کو کیا ہوگیا ۔ تم کیوں مرے جاتے ہو ۔ تم ڈرو نہ ۔ اور اللہ سے بغاوت نہ کرو ۔ خدا ہمارے ساتھ ہے ۔ اگر وہ ہم سے راضی ہے تو ہم اس کو فتح کرلیں گے ۔ ارے وہ لوگ تو ہماری خوراک ہیں ۔ یہ سنکر بنی اسرائیل کہنے لگے ان دونوں کو سنگ سار کردو ۔ آخر اللہ تعالیٰ ان پر غصہ ہوا اور کہا کہ یہ قوم چالیس برس تک ویرانے میں خراب ہوتی رہے (313)۔ اور جب ان میں بیس برس سے اوپر کے لوگ مرکھپ جائیں گے ۔ اور نئی نسل جوان ہوکر اٹھے گی ۔ تب فلسطین فتح ہوگا ۔ چنانچہ ان کو دشت فاران سے بیت المقدس تک پہنچتے پہنچتے ۳۸ سال لگ گئے ۔ اس دوران میں پرانے لوگ مرگئے ۔ موسیٰ نے اپنے آخری ایام میں یوشع کو اپنا قائم مقام بنایا ۔ مشرق اردن پہنچنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ۔اس کے بعد یوشع بن نون کے عہد خلافت میں بنی اسرائیل نے فلسطین فتح کیا ۔ کیونکہ یوشع نے بنی اسرائیل کو ہمت دلائی اور موسیٰ کا وعدہ یاد دلایا کہ اگر یہ شہر تمہاری قسمت میں لکھا جاچکا ہے ۔ آخر بنی اسرائیل اٹھے اور اس شہر کو فتح کرلیا (314)۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام

قرآن حکیم سورہ الکھف میں حضرت موسی اور ایک ایسے بندے کا قصہ بیان ہوا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا تھا ۔ اس بندے کا نام قرآن حکیم نے تو نہیں بتایا ۔ البتہ حدیث نبوی میں انہیں خضر کہا گیا ہے (315)۔ قرآن حکیم کہتا ہے (ذرا ان کو وہ قصہ سناؤ جو موسیٰ کو پیش آیا تھا) جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ " میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا ۔ جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤ ۔ بس جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو مچھلی کو بھول گئے اور مچھلی نکل کر دریا میں چلی گئی ۔ آگے چل کر موسی نے ناشتے کے لیے مچھلی مانگی ۔ خادم نے کہا ! میں تو یہ بات بھول گیا ۔ مچھلی تو اس چٹان کے پاس جہاں ہم ٹھہرے تھے پھدک کر عجیب طریقے سے دریا میں چلی گئی ۔ موسیٰ نے کہا ارے ہمیں اسی مقام کی تو تلاش تھی ۔ آخر واپس اسی جگہ آئے یہاں اللہ کے اس بندے کو پایا ۔ جسے ایک خاص علم اور رحمت سے اللہ نے نوازا تھا ۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ مجھے اپنے صحبت میں رکھ کر اپنے علم

سے کچھ حصہ عنایت فرمائیں ۔ اس بزرگ نے کہا کہ اگر آپ میرے کاموں میں مداخلت نہ کریں تو آپ میرے ساتھ رہ سکتے ہیں ۔اب دونوں اکھٹے چل دیے ۔ یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوگئے ۔ اس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا ۔ موسیٰ نے اس پر ٹوکا بزرگ نے وعدہ یاد دلایا ۔ آگے چلے تو ایک لڑکا ملا ۔ ان صاحب نے اسے قتل کردیا ۔ موسیٰ سے رہ نہ گیا ۔ پھر پوچھا یہ کیا کیا ۔ اس نے کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ موسیٰ نے کہا! اچھا اگر اس کے بعد آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھنا پھر وہ دونوں آگے چلے گئے ۔ ایک بستی میں آکر کھانا مانگتے ہیں ۔ مگر انہوں نے کھاناکھلانے سے انکار کردیا ۔وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی ۔ اس اللہ کے نیک بندے نے اس دیوار کو سیدھا کردیا ۔ موسیٰ نے کہا !آپ نے ان کی دیوار مفت بغیر اجرت کے سیدھی کردی ۔ اس تیسری بار بولنے پران بزرگ نے حضرت موسیٰ سے کہا بس اب میرا تمہارا ساتھ ختم ۔ اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں کہ اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی ۔ جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں ۔ کیونکہ آگے ایک بادشاہ کا علاقہ تھا ۔ جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا ۔ رہا وہ لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے ہمیں ڈر ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر میں انہیں بدنام کرے گا ۔ اس لیے ہم نے چاہا ۔ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں اس سے بہتر ہو اور جن سے صلح رحمی بھی زیادہ متوقع ہو ۔ اور اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ جو اس شہر میں رہتے ہیں ۔ اس دیوار کے نیچے ان بچوں کے لیے ایک خزانہ مدفون ہے ۔ اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا ۔ اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں ۔ یہ سب کچھ میں نے رب کی رحمت کی بناء پر کیا ہے ۔ میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا (316)۔ مولانا مودودی کہتے ہیں ان کا موں کو ایک انسان کو کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ مولانا کی رائے ہے کہ حضرت خضر انسان نہیں ۔ بلکہ فرشتوں میں سے یااللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے ۔ بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے ۔ متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے ۔ جسے ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے (317)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال

بنی اسرائیل کے عظیم جلیل القدر مقرب بارگاہ کلیم اللہ اور اولعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونی طوفانوں سے ٹکرانے اپنے وطن کو خدا کی راہ میں چھوڑنے ایک عشرہ برس دیارِ غریب میں مسافرت کے بعد وطن واپس آکر بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے اور جزیرہ نما سینا کی صحرائی زندگی گذار کر اگلی نسل کی پرورش اور تربیت کر کے انہیں اس لائق بنانے کے بعد کہ وہ ان کے خلیفہ یوشع بن نون کی سرکردگی میں فلسطین کو ظالم حکمرانوں سے واپس لے لیں ۔ اور وہاں خدائی نظام نافذ کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اعلیٰ ہمت پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو ایک سو بیس برس کی عمر میں اپنے پاس واپس بلالیا (318)۔ ان کی قبر کا آج تک کسی کو پتہ نہیں ۔

سیدنا داؤد علیہ السلام

خلیفہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم کی نو سورتوں اور اسم گرامی سولہ ۱۶ مقامات پر آیا ہے (319)۔ آپ کا نسب نامہ بارہویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا ہے (320)۔ انبیاء کرام میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام کو ہی قرآن حکیم نے خلیفۃ اللہ کے نام سے یاد کیا ہے (321)۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس ہستی کو نبوت اور حکومت دونوں منصبوں سے سرفراز کیا ۔ "اور اللہ نے ان کو حکومت اور حکمت (نبوت) سے نوازا" (322)۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے دنیاوی بہتری فلاح و بہبود کا انتظام بھی کرتے تھے۔ اور اخروی نجات اور رشدو ہدایت کی راہ بھی دکھاتے تھے ۔

حدودِ مملکت

شام عراق فلسطین اورشرق اردن پر مکمل ان کا اقتدار تھا ۔ اور ایلہ (خلیج عقبہ) سے لے کر فرات کے تمام علاقوں اور دمشق تک بلکہ جزیرہ عرب کے بعض حصے بھی ان کے ماتحت تھے (323)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سلطنت کی عظمت و شان کی اس طرح تعریف کی ہے ۔

وشددنا ملكه واتينه الحكمة وفصل الخطاب ۔ (324)

اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کردی تھی ۔ اور اس کو حکمت (نبوت) عطا کی اور فیصلہ کن

بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔

اس آیت کے بارے میں اقوال سلف کا خلاصہ یہ ہے حکمت سے مراد دو چیزیں ایک نبوت اور دوسری عقل و دانش کا وہ مقام جس پر فائز ہوکر کوئی شخص راہِ راست کی بجائے کبھی کج روی اختیار نہیں کرسکتا۔ بعض علماء نے حکمت سے مراد زبورلی ہے۔ اسی طرح فصل الخطاب دو باتوں کی طرف اشارہ ہے

۱) آپ علیہ السلام تقریر و خطابت کے فن میں کمال کا عبور رکھتے تھے۔ وہ جس معاملے پر گفتگو کرتے اس کے تمام بنیادی نکات واضح اور کھول کر رکھ دیتے تھے۔

۲) ان کا حکم اور فیصلہ حق و باطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اصل فیصلہ طلب مسئلے کو ٹھیک ٹھاکہ متعین کرکے اس کا بالکل دو ٹوک جواب دیتے تھے

-(325)

حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات

حضرت داؤد علیہ السلام کی چند امتیازی خصوصیات اور فضائل قرآن حکیم میں بیان ہوئے ہیں۔ اس خاص فضل اور انعام کا ذکر قرآن حکیم نے ان الفاظوں میں کیا ہے۔

ولقد اتینا داود منا فضلاً۔(۳۲۶)

"ہم نے داؤد کو اپنے ہاں سے خاص فضیلت عطا کی تھی"۔ ان انعامات فضائل داؤدی کی تفصیلات قرآن حکیم نے بیان کی ہے۔ آیئے ان کا ایک ایک کر کے جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ حضرت داؤد کے ساتھ جبل وطیور کی حمد وثنا

حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی خوش الحان تھے اردو ادب میں لحن داؤدی ایک محاورہ بن گیا ہے۔ آپ جب زبور کی تلاوت کرتے یا خدا کی حمد وثنا اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوتے تو شیریں زبان، خوش الحان سریلی آواز اور وجد افریں نغموں سے جن انس، چرند وپرند جبل وسماء وجد میں آ جاتے اور آپ کے ساتھ اس محفل میں شریک ہو جاتے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا(ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

"ہم نے پہاڑوں کو داؤدؑ کے لئے مسخر کر رکھا تھا کہ صبح وشام وہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے پرندے سمٹ آتے اور سب کے سب اس کی تسبیح اس کے ساتھ حمدوثنا کرتے تھے"۔(۳۲۷)

"داؤدؑ کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو تسبیح کرتے تھے اس فعل کے کرنے والے ہم ہی تھے"۔(۳۲۸)

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کائنات کی جملہ اشیاء حیوانات نباتات جمادات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں۔

قرآن حکیم میں آتا ہے۔

تسبح له السموت السبع والارض ومن فيهن وان من شيء الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم انه كان حليما غفورا۔(۳۲۹)

آسمان اور زمین خدا کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کائنات کی ہر شے خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم

ان کی تسبیح کا فہم وادراک نہیں رکھتے۔

صنعت فولاد کا ہنر

داؤد علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر ایک یہ احسان کیا کہ ایسی عمدہ اور نفیس فولاد کی زرہ کا فن ایجاد ہوا جو جنگی شدت سے محفوظ رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے انھیں زرہ سازی کا فن عطا کیا جس سے وہ اپنی روزی بھی کماتے تھے اور لوگوں کو جنگی مصائب اور آفات سے بھی بچاتے تھے قرآن حکیم اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

والنا له الحديده ان اعمل سبغت وقدر فى السرد۔(۳۳۰)
اور ہم نے داؤد کے لیے لوہا نرم کر دیا اس ہدایت کے ساتھ کہ زرہیں بنا اور ان کی کڑیاں حلقے ٹھیک انداز پر رکھ

وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحضكم من باسكم۔(۳۳۱)
اور ہم نے داؤد کو تمھارے فائدے کے لئے زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی تھی تاکہ تم کو ایک دوسرے سے لڑائی کے وقت بچاؤ کر سکو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پر جنگی اغراض کے لئے زرہ سازی کا طریقہ سکھایا۔ موجودہ زمانے کی تاریخی واثری تحقیقات سے ان آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور (Iron Age) ۱۲۰۰ ق م اور ۱۰۰۰ ق م کے درمیان شروع ہوا اور یہ حضرت داؤد کا زمانہ ہے۔ اول اول شام اور ایشیائے کوچک کی متی قوم (Hittites) کو جس کے عروج کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م سے ۱۲۰۰ ق م تک رہا ہے۔ لوہے کے پگھلانے اور تیار کرنے کا ایک پیچیدہ طریقہ معلوم ہوا اور وہ اسے راز کی طرح چھپائے رہے نیز یہ سونے چاندی کی طرح قیمتی اور مہنگا طریقہ تھا اسطرح لوہا عام استعمال میں نہ آسکا۔ بعد میں فلستیوں نے یہ طریقہ معلوم کر لیا مگر انھوں نے بھی اسے راز رکھا۔طالوت کی بادشاہی سے پہلے حتیوں اور فلستیوں نے بنی اسرائیل کو مسلسل شکستیں دے کر جس طرح فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا بائیبل کے بیان کے مطابق اس کے وجوہ میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ لوہے کی رتھیں استعمال کرتے تھے اور ان کے پاس آہنی ہتھیار بھی تھے۔(۳۳۲)

۱۰۲۰ ق م میں جب طالوت خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے پیہم شکستیں دے کر ان لوگوں سے فلسطین کا بڑا حصہ واپس لئے لیا اور پھر حضرت داؤد ۱۰۰۴ ق م سے ۹۶۵ ق م نے نہ صرف فلسطین وشرق اردن بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کر دی اس زمانہ میں آہن سازی کا وہ راز جو حتیوں اور فلستیوں کے قبضے میں تھا بے نقاب ہو گیا اور صرف بے نقاب ہی نہ ہوا بلکہ آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جس سے عام استعمال کے لئے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔ فلسطین کے جنوب میں ادوم کا علاقہ خام لوہے کی دولت سے مالامال ہے اور حال ہی میں آثار قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ان میں بکثرت ایسی جگہوں کے اثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ عقبہ اور ایلہ سے متصل حضرت سلیمان کے زمانے کی بندرگاہ عصیون جابر کے آثار قدیمہ میں جو بھٹی ملی ہے اس کے معائینے سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس میں بعض وہ اصول استعمال کیے جاتے تھے جو آج جدید ترین زمانے کے (Blast Furnace) میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب یہ قدرتی بات ہے کہ حضرت داؤدؑ نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس جدید دریافت کو جنگی اغراض کے لئے استعمال کیا ہو گا کیونکہ تھوڑی سی مدت پہلے آس پاس کی دشمن قوموں نے اس لوہے کے ہتھیاروں سے ان کی قوم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔(۳۳۳)

توراۃ اور لوہے کے استعمال کے زمانہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ داؤدؑ سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک تو ترقی کر لی تھی کہ فولاد کو پگھلا کر اس سے سپاٹ ٹکڑے بناتے اور ان کو جوڑ کر زرہ بنایا کرتے تھے لیکن یہ زرہ بہت بھاری ہوتی تھیں جنہیں مضبوط اور بھاری انسان ہی پہن سکتے تھے حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے باریک اور نفیس آہنی کڑیوں کی زرہیں بنانے کا ہنر اور فن عطا کیا ان ہلکی کم وزن اور نفیس زرہ کو ہر انسان پہن کر جنگ میں حصہ لے سکتا تھا۔(۳۳۴)

منطق الطیر

اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ اور ان کے بیٹے سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم بھی عطا کیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ وحی کے ادراک کے ساتھ ساتھ پرندوں سے گفتگو بھی کر لیتے تھے۔ یہ ایک خاص معجزہ تھا جو ان پیغمبروں کو دیا گیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولقد اتینا داود سلیمن علماج وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین ہ

وورث سلیمن داود وقال یا یھا الناس علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شی ء ان ھذا الھو الفضل المبین۔(۳۳۵)

بے شک ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا اور انھوں نے کہا کہ شکر ہے کہ اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی اور داؤد کا وارث سلیمانؑ ہوا اور اس نے کہا اے لوگوں ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے بے شک یہ (اللہ کا) نمایاں فضل ہے۔

عدالت داؤدی

قرآن حکیم نے خاص طور پر حضرت داؤدؑ اسلام کے دو مقدموں کے فیصلوں کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ ان سے حضرت داؤدؑ کے تقوی واحتیاط رجوع الی اللہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور ایک جج کے لئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی رہنمائی وروشنی بھی حاصل ہوتی ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ دو شخص حضرت داؤدؑ کے پاس اپنا جھگڑا فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوئے ایک نے کہا کہ میرے کھیت کو اس شخص کی بکریوں نے داخل ہو کر تباہ وبرباد کر دیا اور میں مفلوک الحال ہو گیا۔ جناب فیصلہ فرمائیں بکریوں والے نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کیا۔ حضرت داؤدؑ نے کھیت کے نقصان کا اندازہ لگا کر فیصلہ کیا کہ تمام بکریاں کھیت والے کے حوالے کر دی جائیں کیونکہ یہ نقصان اسی کے برابر تھا۔ اس وقت حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ ان کے ساتھ بیٹھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ذہن میں ایک بہتر فیصلہ ڈالا۔ وہ حضرت سلیمانؑ کہنے لگے ابا جان اگر اجازت ہو تو میں رائے دوں باپ نے کہا" ضرور" "ضرور" وہ بولے بکریاں کھیت والے کو دی جائے اور کھیت بکریوں والے کو دیا جائے اور جتنے عرصے میں یہ بکریوں والا کھیت کو درست کر کے پہلی حالت میں لے آئے اس عرصے تک یہ بکریاں اس کے پاس رہیں جب کھیت ٹھیک اور پہلی حالت میں اس کی محنت سے آ جائے تو کھیت اور بکریاں اپنے انہیں مالک کو دے دیئے جائیں۔ حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے کے فیصلے کو تسلیم کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سلیمانؑ کے فیصلے کی تائید کی ہے۔(۳۳۶)

عدالت داؤدی کے ایک اور مقدمے کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ اس فیصلے سے آپ کے فصل لخطاب فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت رجوع الی اللہ، عقل وفہم اور اعلی مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ واقعہ دراصل حضرت داؤدؑ کی ایک بڑی ازمائش تھی۔ جس میں آپ کامیاب اترے اور آپ

لغزش سے بچ گئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا اور معذرت چاہی پھر اللہ نے آپ کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں تقرب کا مقام اور بہتر انجام سے نوازا۔(۳۳۷)

اس قصے کی قرآنی تفصیلات یہ ہیں۔

”دو شخص اپنا مقدمہ لیکر دیوار پر سے چڑھ کر حضرت داؤدؑ کے بالا خانے میں گھس آئے۔ جب وہ حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچے تو وہ انھیں دیکھ کر گھبرا گئے ان دونوں آدمیوں نے کہا اے داؤد ہم سے آپ ڈریں نہ ہم دوفریق مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہ راست بتایئے یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا۔ داؤدؑ نے جواب دیا اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں یہ بات کہتے کہتے داؤدؑ سمجھ گیا یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لئے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔(۳۳۸)

اس واقعہ کی تفصیلات اسرائیلات سے ہمارے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں بیان کی ہیں جو غیر ضروری بھی ہیں اور مناسب بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی انداز میں واقعہ کی تفصیلات چھوڑ کر کام کی بات نصیحت وعبرت کے پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ لھذا ہم بھی اسی پر اکتفا کرتے ہیں غرض اس قصے میں حضرت داؤدؑ کو اپنی لغزش کا پتہ چل گیا اور فورا آپ نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا اور اس رہنمائی اللہ کے نبی سجدہ شکر بجالائے۔

عبادت کا ذوق وشوق

حضرت داؤدؑ کو عبادت کا بہت ذوق وشوق تھا۔ زھدوعبادت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں انہماک عطا کیا تھا۔ حضور ﷺ نے آپ کے طریق عبادت کی تعریف کی ہے۔ آپ نصف شب تک ارام کرتے

تھے۔ تہائی رات عبادت میں گذارتے تھے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور چھوڑ دیتے تھے اسی لئے ہادی فطرات نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک پسندیدہ نماز داؤدؑ کی نماز ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ روزہ داؤدؑ کا روزہ ہے۔(۳۳۹)

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے معمولات کو چار دنوں میں اسطرح مقرر کیا ہوا تھا ایک دن خالص عبادت الٰہی کے لئے ایک دن عدالت کے لئے ایک دن ذاتی معاملات کے لئے اور ایک دن بنی اسرائیل دعوت و تبلیغ اور رشدو ہدایت کے لئے مخصوص تھا۔(۳۴۰)

سورہ انبیاء سورہ سبا اور سورہ ص کی وہ آیات جو ہم نے عنوان حضرت داؤدؑ کے ساتھ جبل وطیور کی حمدوثنا" میں تحریر کی ہیں ان میں اس پیغمبر پاک کی زھد وعبادت کے شغف کا پتہ چلتا ہے آپ پرندوں اور پہاڑوں کے ساتھ مل کر تسبیح و تہلیل اور ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اللہ کا یہ نبی عبادت و ریاضت کے ساتھ دنیاوی معاملات اور فرض کی ادائیگی میں بھر پور حصہ لیتا تھا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت سلطنت خلافت شہرت وعظمت حکمت اور عدالت کا ذکر خصوصی طور پر قرآن حکیم میں کیا ہے۔(۳۴۱)

ان کے جری پن اور ہمت کا اندازہ قتل جالوت سے ہو جاتا ہے کہ" داؤدؑ نے جالوت(پہلوان) کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اس کو علم دیا"۔(۳۴۲)

دین و دنیا کے اتنے وسیع اختیارت کے مالک نبی کو اللہ تعالیٰ

ذی الاید(۳٤۳)

کہہ کر پکارا ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ بڑی قوتوں کے مالک تھے مثلاً جسمانی قوت جس کا مظاہرہ جالوت سے جنگ کے موقعہ پر کیا۔ فوجی اور سپاہی طاقت جس سے انھوں نے گردوپیش کی مشرک قوموں کو شکست دے کر ایک مضبوط سلطنت قائم کر دی تھی اخلاقی طاقت جس کی بدولت انھوں نے بادشاہی میں فقیری کی اور ہمشہ اللہ سے ڈرتے اور اس کے حدود کی پابندی کرتے رہے اور عبادت کی طاقت جس کا حال یہ تھا کہ حکومت و فرمابرداری اور جہاد فی سبیل اللہ کی مصروفتوں کے باوجوداس میں ذوق وشوق انہماک رکھتے تھے۔(۳۴۴)

حضرت داؤدؑ کی زندگی سے ہمیں دین اور سیاست کے تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ زمین پر

اللہ کے خلیفہ تھے اس سلسلے کی تمام آیات کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہاں اس آیت کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الزکر ان الارض یرثھا عنادی الصلحون۔(۳٤٥)

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اس آیت کی رو سے خلافت اللہ کے نیک بندوں کا حق ہے۔ اس لئے اسے انھیں چھوڑ نہیں دینا چاہیے بلکہ دنیاوی اقتدار میں شرکت اور حصول کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے تاکہ دین کے ساتھ دنیاوی معاملات کی بھی اصلاح ہو سکے سورہ نور میں اسی پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے۔(۳۴۶)

حضرت عثمانؓ کا دین وسیاست کے تعلق میں بہت مشہور مقولہ ہے۔

ان اللہ لیزع باالسلطان مالا یزع بالقران۔(۳٤٧)

بے شک اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعے مدافعت کا وہ کام لیتا ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ انجام نہیں پاتا۔

زبور

زبور جمع زبر الزبر لکھنا زبور کے معنی لکھی ہوئی چیز وہ کتاب جو جلی خط میں لکھی ہوئی ہو لیکن عرف عام میں زبور کا لفظ اس آسمانی کتاب کے لئے مخصوص ہے جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی۔(۳۴۸)

موجودہ بائبل میں زبور یا مزامیر پانچ دیوانوں کا مجموعہ ہے جس میں ہر طرح کے مذہبی گیت یعنی حمد وشکر کے ترانے مناجات، استغفارہ درج ہیں۔ پروٹسٹنٹ کے نزدیک ان مزامیر کی تعداد ۱۵۰ ہے جبکہ کیتھولک کی رو سے ان کی تعداد میں فرق ہے۔(۳۴۹)

منسوبہ زبور میں حضر ت داؤدؑ کے علاوہ دوسرے عبرانی شعراء کا کلام بھی شامل ہے اس طرح الہامی اور غیرالہامی کلام مل جل گیا ہے۔(۳۵۰)

علاوہ ازیں بعض ایسے مزبور بھی ہیں جو حضرت داؤدؑ سے صدیوں بعد تصنیف کئے گئے ہیں مثلا یہ مزبور اے خدا قومیں تیری مقدس میراث میں گھس آئی ہیں انھوں نے تیری مقدس ہیکل کو ناپاک کیا ہے انھوں نے یروشلم کو کھنڈر بنادیا ہے۔(۳۵۱)

اس مزبور میں بخت نصر کے ہاتھوں ہیکل کی بربادی کا ذکر ہے اور یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے صدیوں بعد پیش آیا تھا۔ قرآن مجید نے زبور صرف حضرت داؤدؑ کے کلام کو کہا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ موجودہ بائیبل میں زبور کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری زبور داؤدؑ نہیں ہے اس میں بکثرت مزامیر دوسرے لوگوں کے بھی بھر دیے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں البتہ جن مزامیر پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ہیں ان کے اندر فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے (۳۵۲)

امام راغب فرماتے ہیں بعض کا قول ہے کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جو صرف عقلی حکمتوں پر مشتمل ہو اور اس میں شرعی احکام نہ ہوں اور کتاب وہ ہے جس میں احکام اور حکمتیں ہوں حضرت داؤد کی زبور میں کوئی حکم شرعی نہ تھا۔ (۳۵۳)

قران حکیم نے بتایا ہے کہ زبور میں یہ تحریر تھا۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الزکران الارض یرثھا عبادی الصلحون (۳۵٤)

اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے

زبور میں نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کی بشارت موجود ہے اس ایت میں ذکر سے مراد انحضرت ﷺ کی بشارت اور ذکر مبارک ہے۔ سیاق کلام میں اسی موعود کے انتظار کا بیان ہے۔(۳۵۵)

قرآن مجید میں

واتینا داود زبوراً۔(۳۵٦)

اور ہم نے ہی داؤدؑ کو زبور دی تھی۔

یہاں جس زبور کا ذکر ہے اس سے مراد داؤدؑ کا صحیفہ ہے زبور ایسے قصائد اور مسجع کلمات کا مجوعہ تھا جس میں خدا کی حمدوثنا اور انسانی عبدیت و عجز کے اعتراف اور پندونصائح اور بصائر وحکم کے مضامین تھے۔(۳۵۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام
خاندان اور ابتدائی حالات

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے ان کے خاندان کے متعلق قرآن حکیم بھی یہ بتاتا ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ کے واسطہ سے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔(۳۵۸)

آپ تقریبا ۹٦۵ ق م میں حضرت داؤدؑ کے بعد تخت نشین ہوئے۔(۳۵۹)

۹۲٦ ق م تک ۴۰ سال حکمران رہے۔ ان کی حدود سلطنت کے متعلق ہمارے ، مفسرین نے بہت مبالغہ کیا ہے کہ وہ دنیا کے عظیم حصے کے حکمران تھے دراصل ان کی ریاست صرف فلسطین شرق اردن پر تھی شام کا کچھ حصہ بھی اس مملکت میں شامل تھا۔(۳٦۰)

قرآن حکیم میں آپ کا ذکر سولہ ۱٦ مقامات سولہ ۱٦ آیات اور سات سورتوں میں آیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ بچپن ہی سے ذہین وفطین تھے۔ ان کے ابتدائی زندگی میں دانش مندانہ فیصلے کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے اور اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی ذہانت وفطانت کی تعریف کی ہے اور فرمایا کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کو ہم نے علم وحکمت سے نوازا تھا۔(۳٦۱)

حضرت داؤدؑ کے بعد حضرت سلیمانؑ کو وراثت میں نبوت ملی۔(۳٦۲)

خصائص سلیمانؑ

حضرت داؤدؑ کی طرح حضرت بسلمانؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے چند خصوصیات سے نوازا ۔ اور یہ امتیازات وخصائص ان کی زندگی کا حصہ ہیں۔

منطق الطیر

حضرت داؤدؑ کی طرح ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم عطا کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص ان انبیاء پر احسان تھا۔(۳٦۳)

یقیناً یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا جو سلیمانؑ کو عطا ہوا تھا۔ پرندے ہد ہد اور حضرت سلیمانؑ کی گفتگو اس کی واضح شہادت ہے۔(۳٦۴) اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ہوا کا مسخر ہونا

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمانؑ کے تابع کر دیا۔ تیز ہوائیں ان کے حکم سے آہستہ اور نرم ہو جاتی

تھیں اسطرح جدھر وہ جانا چاہتے آسانی سے چلے جاتے۔(۳۶۵)

اور اس ہوا کی مدد سے وہ صبح کو ایک ماہ جتنا سفر طے کر لیتے تھے اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت کر لیتے تھے۔(۳۶۶)

ہوا کی یہ تسخیر خاص ان کا خاصہ تھا اور یہ ان ہی کے حکم سے ان ہی کی سرزمین کی طرف چلتی تھی اور یہ برکت اور رحمت اسی زمین کے ٹکڑا کا حصہ تھی۔(۳۶۷)

حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا کو اس طرح تابع امر کر دیا گیا تھا کہ ان کی مملکت سے ایک مہینے کی راہ تک کے مقامات کا سفر آسانی سے کیا جا سکتا تھا جانے میں بھی ہمیشہ ان کی مرضی کے مطابق باد موافق ملتی تھی اور واپسی پر بھی ہے۔(۳۶۸)

اور جدید تاریخی تحقیقات سے اس مضمون پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے دور سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا ایک طرف عصیون جابر سے ان کی تجارتی جہاز بحر احمر میں یمن اور دوسرے جنوبی و مشرقی ممالک کی طرف جاتے تھے اور دوسری طرف بحر روم کی بندرگاہ سے ان کا بیڑہ مغربی ممالک کی طرف جاتا کرتا تھا۔ عصیون جابر میں ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بھٹی ملتی ہے اس کے مقابلے میں کوئی بھٹی مغربی ایشاء اور مشرق وسطیٰ میں ابھی نہیں ملتی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں ادوم کے علاقہ عربہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں پگھلا کر اسے دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے قرآن مجید کی اس آیت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے جو سورہ سبا میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق آئی ہے۔

واسلنا له عين القطر

اور ہم نے اس کے لئے پگھلی ہوئی دھات(تانبے) کا چشمہ بہا دیا۔(۳۶۹)

نیز اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے لئے ایک مہینے کی راہ تک ہوا کی رفتار کو مسخر کرنے کا کیا مطلب ہے اس زمانے میں بحری سفر کا سارا انحصار بادِ موافق ملنے پر تھا اور اللہ تعالیٰ کا حضرت سلیمانؑ پر یہ خاص کرم تھا کہ وہ ہمیشہ ان کے بحری بیڑوں کو ان کی مرضی کے مطابق ملتی تھی تاہم اگر ہوا پر حضرت سلیمانؑ کو حکم چلانے کا بھی کوئی اختیار دیا گیا

ہو جیسا کہ تجری بامرہ۔(۳۷۰)

(اس کے حکم سے چلتی تھی) کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تو یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں وہ اپنی مملکت کا آپ مالک ہے اپنے جس بندے کو جو اختیارات چاہے دے سکتا ہے۔جب وہ خود کسی کو کوئی اختیارات دے تو ہمارا دل دکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔(۳۷۱)

تسخیر جن

انسانوں کے ساتھ ساتھ حضرت سلیمانؑ کے حاکمانہ اقتدار میں جن بھی تابع تھے۔جن ان کے لئے مختلف اور بھاری بھاری کام سرانجام دیتے تھے۔قرآن نے فرمایا

" اور جنوں میں سے ایسے جن ہم نے اس کے لئے مسخر کر دیے تھے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے اور ہمارے حکم سے کوئی ان میں سے انحراف کرتا تو ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے وہ اس کے لئے جیسے وہ چاہتا قصر اور مجسمے اور حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری جمی ہوئی دیگیں بناتے تھے۔(۳۷۲)

پھر جب سلیمانؑ پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز اس گھن کے سوا نہ تھی جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا اسطرح جب سلیمانؑ گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔(۳۷۳)

اور شیاطین سے ہم نے اپنے بہت سو کو اس کا تابع بنا دیا تھا جو اس کے لئے غوطے لگاتے اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے ان سب کے نگراں ہم ہی تھے۔(۳۷۴)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ہستیاں حضرت سلیمانؑ کی خدمت کے لئے مامور تھیں وہ جن تھے اور انہی جنوں کے بارے میں مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جنوں کے غیب کی نفی کی ہے اور اس مقام پر یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ جن وہ مخلوق ہے کہ جس کے بارے میں مشرکین غیب دانی کا تصور رکھتے تھے اور یہ غیب دان دیہاتی گنوار یا پہاڑی لوگ نہیں تھے۔

تعمیر بیت المقدس

حضرت سلیمانؑ کے زمانہ نبوت اور خلافت میں بیت المقدس کی تعمیر نو ہوئی۔(۳۷۵)

مسجد اقصیٰ کی تعمیر جدید کے ساتھ ساتھ چاروں طرف ایک وسیع وعریض شہر میں بسایا گیا۔ انھوں نے عظیم الشان محلات بنائے بڑی بڑی اور بھاری بھاری دیگیں کرچھے پیالے چولھے حوض پتھروں کی چٹانوں کو تراش کر تیار کیے گئے اور یہ بلند وبالا دیگیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتی تھیں اسی طرح وزنی تخت بھی بنائے گئے ہیں۔(۳۷۶)

ان عمارتوں کے وزنی پتھر دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کسطرح پہاڑوں سے تراشے گئے اور اتنی بلندیوں میں کیسے لے جائے گئے ان سب عظیم الشان اور فلک بوس عمارتوں کو دیکھ کر یہی پتہ چلتا ہے کہ واقعی جن ان کے تابع تھے اور وہ اونچی اونچی عمارتیں مجسمے حوض بھاری بھاری دیگیں بناتے تھے۔(۳۷۷)

اور وہ ان کے لئے سمندر میں غوطہ لگاتے قیمتی معدنیات نکال لاتے اور اس قسم کے دوسرے بہت سے کام کرتے تھے۔(۳۷۸)

تانبے پیتل کا کام

قرآن حکیم اور بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں تانبے اور پیتل کا کام اور دھات کا پگھلانے کا فن عروج پر تھا قرآن حکیم میں آیا ہے۔

واسلناله عين القطر۔(۳۷۹)

ہم نے سلیمانؑ کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا۔ اسی طرح بائیبل کہتی ہے کہ ہیکل کے دوستون پیتل سے بنائے گئے ہر ایک ستون کا طول اٹھارہ ہاتھ اور دونوں ستونوں کا محیط بارہ ہاتھ تھا اور پیتل کو ڈھال کر ستونوں کے گنبد بھی اسی پیتل کے بنائے گئے ان گنبدوں کی اونچائی پانچ ہاتھ تھی۔(۳۸۰)

اسی طرح پیتل چوکیاں شیر بیل پہلے گاڑیاں حوض، دیگیں کڑچھے، پیالے، سونے کے برتن، سونے کی میز، خالص سونے کے شمعدان، ہیکل کے کواڑوں قبضے سونے کے تھے۔(۳۸۱)

حضرت سلیمانؑ کو عظیم الشان عمارات پر ہیبت اور شان وشوکت کے قلعوں کی تعمیر کا بہت شوق تھا۔ ایسی تعمیرات کے لئے گارے اور چونے کی بجائے پگھلی ہوئی دھات یعنی تانبے کے چشمے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ پر ظاہر کر دیئے اور یہ تانبے کے چشمے یمن میں تھے۔(۳۸۲)

عصیون جابر میں جو بھٹی ملی ہے اس کے متعلق آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے یہاں خام لوہے اور تانبے کو پگھلا کر دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں یہ استعمال کیا جاتا تھا۔(۳۸۳)

قرآن حکیم کی آیت تانبہ کا چشمہ جاری کرنے سے قدیم مفسرین یہ مراد لیتے تھے کہ زمین سے حضرت سلیمانؑ کے لئے پگھلا ہوا تانبہ پانی کی طرح بہتا تھا لیکن ایک کی تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دور میں تانبے کو پگھلانے اور اس کی صنعت کا کام اتنے وسیع پیانے پر تھا گویا وہاں تانبے کے چشمے بہ رہے تھے۔(۳۸۴)

خدا کی یاد اور گھوڑوں کا قصہ

قرآن حکیم حضرت سلیمانؑ کی سیرت کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس سے ان کی یاد خداوندی اور رجوع الی اللہ کی رغبت کا پتہ چلتا ہے ''اور داؤدؑ کو ہم نے سلیمانؑ (جیسا لائق بیٹا) عطا کیا بہترین بندہ کثرت سے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔(اور ہر کام میں ان کا مطمح نظر حصول رضائے الہی تھا) قابل ذکر ہے وہ موقع جب شام کے وقت اس کے سامنے خوب سدھے ہوئے تیز رو گھوڑے پیش کئے گئے تو اس نے کہا کہ میں نے مال کی محبت کو یاد الہی سے عزیز سمجھا(ترجمہ یوں بھی درست ہے میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے) یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے ترجمہ اسطرح بھی کیا گیا ہے(یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا) تو (اس نے حکم دیا) انھیں میرے پاس واپس لاؤ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔(۳۸۵)

ان آیات کی تفسیر کے متعلق ایک رائے یہ ہے سلیمانؑ گھوڑوں کے معائنے میں اتنے مصروف ہو گئے کہ سورج غروب ہو گیا اور وہ ذکر خداوندی سے غافل ہو گئے اور عصر کی نماز یا کوئی خاص وظیفہ بھول گئے اس پر انھوں نے کفارے کے طور پر گھوڑوں کی قربانی کی(مسح = قطع) اس تفسیر میں اپنی طرف سے کچھ اضافے کرنے پڑتے ہیں جن کا کوئی مستند ماخذ نہیں۔

۱۔ حضرت سلیمانؑ کی عصر کی نماز یا وظیفہ چھوٹ گیا۔

۲۔ سورج غروب ہو گیا۔

۳۔ مسح سے مراد تلوار کا مسح کیا۔

اس کے لئے کوئی واضح قرینہ یہاں موجود نہیں اسطرح اس قصے کے لئے اتنے اضافے کرنے

پڑتے ہیں جو عام عقل تسلیم نہیں کرتی۔

ان آیات کی ایک عام تفسیر یہ ہے جو ایک خالی الذہن آدمی ان کے الفاظ پڑھ کر آسانی سے کر سکتا ہے کہ وہ یہ ہے کہ جب سلیمانؑ اعلی درجہ اور عمدہ نسل کے گھوڑوں کے دستہ کا معائنہ کر رہے تھے تو وہ کہنے لگے کہ میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے پھر آپ نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے پھر آپ نے ان کو واپس بلایا پھر آپ ان پر محبت اور شفقت سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ابن عباس نے کہا ہے۔

جعل یمسح اعراف الخیل وعرقیبها حبا لها

کہ آپ محبت سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے غرض ابن عباس نے مسح کے یہی معنی مراد لئے ہیں۔(۳۸۶)

یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کے الفاظوں کے قریب بھی ہے اور اس کے لئے کوئی ایسا اضافہ بھی نہیں کرنا پڑتا جو نہ قرآن حکیم میں ہو نہ مستند حدیث میں اور نہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں امام رازی اسی دوسری تفسیر کو صحیح قرار دیتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ اس بارے میں بیان ہونے والی حکایات کی صحت کی کوئی اصل نہیں اور روایات احاد دلائل قوی کی متعارض نہیں ہو سکتی۔(۳۸۷)

رجوع الی اللہ کا ایک اور واقعہ

قرآن حکیم نے سیرت سلیمانؑ سے انابت اور رجوع الی اللہ کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات قرآن حکیم میں نہیں ہے اس میں صرف قرآنی قاعدے کے مطابق نصیحت وعبرت کا پہلو پیش کیا گیا ہے اور (دیکھو کہ) سلیمانؑ کو بھی ہم نے ازمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک حسد لا کر ڈال دیا پھر اس نے رجوع کیا اور کہا اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو تو ہی اصل داتا ہے۔(۳۸۸)

اس کی تفسیر میں مفسرین نے کئی واقعات لکھے ہیں جو اسرائیلات سے ماخوذ ہیں اور ایک بیویوں سے ازدواجی تعلقات والا واقعہ بھی ہے جو بخاری شریف میں بیان ہوا ہے۔(۳۸۹)

لیکن اس میں بیویوں کی تعداد ۶۰، ۷۰، ۹۰، ۹۹ اور کسی جگہ ۱۰۰ بتائی گئی ہے۔ اس اختلاف کو بھی چھوڑیئے تب بھی اس حدیث میں یہ بات کہیں نہیں بیان کی گئی کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کی

کرسی پر جس جسد کے ڈالنے کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد یہی حدیث کا بیان کردہ ادھورا بچہ ہے۔ اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ حضور ﷺ نے یہ قصہ اسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا ہو۔

آیت کی تفسیر میں ایک اور واقعہ حضرت سلیمانؑ کے محل میں ان کی بیگم صاحبہ کا شرک اور بت پرستی کا تحریر کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے اس کے متعلق حضرت سلیمانؑ کو پتہ نہ چل سکا اور دیگر فضول باتیں بھی اس میں موجود ہیں۔(۳۹۰)

اس قسم کی روایات کے متعلق ابن کثیر نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے مفسرین نے اس جگہ پر جماعت سلف سے بہت سے اثار وبیان تحریر کئے ہیں یہ تمام کے تمام اسرائیلات سے ماخوذ ہیں اور یہ اکثر باتیں نامناسب ہیں اس جگہ صرف قرآنی الفاظ پر اکتفا کیا جائے۔(۳۹۱)

یعنی ہمیں قصے کی تفصیل میں نہیں جانا چاہیے صرف نصیحت کا وہ پہلو ہی پیش نظر رکھنا چاہیے جو قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمانؑ کا امتحان لیا انھوں نے اللہ تعالیٰ نے فوری رجوع کیا۔ مغفرت طلب کی اور پھر دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسی حکومت عطا کر جس کی دنیا میں مثال نہ ہو اور بے شک اللہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

" واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسا پھر کوئی بادشاہ نہ ہوا۔ اس دعا کی وجہ محققین نے یہ لکھی ہے کہ وفور ملک ومال وانتہائے جاہ وجلال کے ساتھ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنا مشکل ہے لیکن کثرت متاع دنیوی کے ساتھ اقدار انسانیہ کو قائم رکھ کر دکھانے کی مثال دینا میں ضروری تھی۔ انھیں نور باطن سے معلوم ہوا کہ میرے سوا اس کی مثال میرے جانشینوں میں کوئی اور نہیں بن سکتا اس لئے اقتدار وجاہ ان کے لئے مہلک ہو گا چنانچہ آپ نے اپنے لئے انتہائی اقتدار عطا کئے جانے کی دعا کی اور اس کے اندر ثابت قدم رہ کر دوسروں کے لئے مثال قائم کی آپ کے جانشینوں کی مدت گزرنے کے بعد یہ مثال بطور کلمہ باقیہ قائم ہو گئی اس کے بعد اگر اس قسم کی طاقت حاصل بھی ہو تو حضرت سلیمانؑ کو مثال سے وہ صاحب اقتدار سبق حاصل کر سکتا ہے اور اپنے اقتدار کے اندر ایک عادل انسان بن کر رہ سکتا ہے۔(۳۹۲)

وادی نملہ

سلیمانؑ کے واقعات میں پہلے گزر چکا ہے کہ آپ حیوانات کی بولیاں سمجھ لیتے تھے اسی قسم کا ایک واقعہ وادی نملہ میں پیش آیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے داؤدؑ وسلیمانؑ کو علم عطا کیا اور انھوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی اور داؤدؑ کا وارث سلیمانؑ ہوا اور اس نے کہا لوگوں ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں بے شک یہ (اللہ کا) نمایاں فضل ہے۔ سلیمانؑ کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔(ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہا تھا) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو اپنے بلوں میں گھس جاو کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کے لشکر تمھیں کچل ڈالیں اور انھیں خبر بھی نہ ہو سلیمانؑ اس کی بات مسکراتے ہوئے ہنس پڑا اور بولا اے میرے رب مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل صالح کروں جو مجھے پسند آئے اور اپنی رحمت مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۔(۳۹۳)

ان دونوں پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عطا اور بخشش تھی اور انھیں معجزے کے طور پر یہ وصف دیا گیا تھا کہ وہ چیونٹی جیسی چھوٹی سی چیز کی بات بھی سن لیتے تھے اور ان آیات میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کو اتنا بڑا علم عطا ہوا کہ انھوں نے چیونٹیوں کی آواز اور فریاد سن لی تو یہ پیغمبر اس وقت خدا کی شان اور عطا پر خدا کا شکر ادا کرنے لگا اور قابل غور یہ الفاظ ہیں۔

رب اوز عنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلی والدی

اے میرے رب مجھے قابو میں رکھ(مجھے توفیق دے) کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہو جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور آیات بالا میں یہ الفاظ

اوتینا من کل شیء

"اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں"

یہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم ان پیغمبروں کو ایسا نواز کہ اپنی نعمتوں کی ان پر بارش کر دی گویا یا کل کائنات نعمتیں انھیں میسر تھیں اور یہ حیوانات کی بولیاں بھی سن لیتے تھے۔

ملکہ سبا اور سلیمانؑ

دراصل سبا خاندان قحطانی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کا جد اعلی عبد شمس تھا اس کا لقب سبا تھا۔ یہ سبی سے مشتق ہے۔ معنی غلام بنانے کے ہیں عبد شمس بہت بڑا فاتح تھا اس نے کثرت سے لوگوں کو فتح کر کے غلام بنایا اس لئے اس کا لقب سبا ہو گیا ایک رائے یہ بھی ہے کہ سبی سبا کے معنی تجارت کے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت بڑی تاجر قوم تھی اس لئے اس کا لقب سبا مشہور ہو گیا۔(۳۹۴)

بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ سبائی تاجر گرم مسالے اور خوشبو دار اشیاء لوبان وغیرہ شام اور مصر لے جاتے تھے اور سونا اور جوھرات برامد کرتے تھے۔(۳۹۵)

سبا کا علاقہ جنوبی عرب یمن کا شرقی علاقہ تھا پھر مغرب میں حضر موت تک یہ حکومت پھیل گئی۔ سیکڑوں کتبات اسی بات کی نشان دہی کرتے ہیں افریقہ میں اس حکومت کے اثار ملتے ہیں۔حبشہ میں اذنیہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا اس ضلع پر ''مصافیر'' کے لقب سے ایک سبائی گورنر حکومت کرتا تھا اس حکومت کا دارالحکومت مارب تھا۔(۳۹۶)

ملک شام اور فلسطین ومدین کے آس پاس بھی سبا کی نو آبادیاں تھیں انجیل میں اس حکومت کی طرف فلسطین کے جنوب میں بتائی گئی۔(۳۹۷)

ماہرین اثریات کہتے ہیں کہ خاص یمن کے علاقہ میں برامدہ کتبات سے کسی عورت کا حکمران ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ شمالی عرب متصل عراق میں چار قدیم حکمران عورتوں کے نام ضرور ملتے ہیں لھذا زیادہ امکان یہ ہے کہ ملکہ سبا اسی حصہ سے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں پہنچی ہے۔(۳۹۸)

سبا خاندان کی حکومت قحطان کی تیسری پشت سے جو کم ازکم ۲۵۰۰ ق م میں ہوئی اس کا زمانہ شروع ہو کر ۴۸۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ ق م کے قریب ختم ہوتی بتائی گئی ہے۔ حالانکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ کا زمانہ ۹۵۰ ق م قرآنی اشارات اسفار یہود اور انجیل سے ثابت ہوتا ہے۔(۳۹۹)

اسفار یہود میں سبا کی حکومت کا ذکر سب سے پہلے حضرت داؤدؑ کے دور میں نظر آتا ہے۔(۴۰۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے ۱۰۰۰ ق م سے پہلے اس حکومت کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ یمن کی تمام قدیم حکومتوں میں سے سبا کے آثار اور کتبات سینکڑوں کی تعداد میں ملے ہیں۔ جے ہیلووی (J. Ha-

(levy نے ان کی تعداد چھ سو چھیاسی تک بتائی ہے ان کتبات سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اس خاندان کا زوال ۱۱۵ء ق م میں ہوا اس کے بعد حمیری بادشاہ آجاتے ہیں اس خاندان کی ابتدا نویں صدی سے ق م سے پہلے کی ہے۔(۴۰۱)

سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت داؤدؑ کی زبور میں جن کا زمانہ تصنیف دسویں صدی ق م کا حصہ ہے۔ شاہان سبا کا ذکر صاف طور پر موجود ہے اس لئے سبا کا ابتدائی زمانہ عروج ۱۱۰۰ ق م سے کسی حال میں کم نہیں ہو سکتا۔(۴۰۲)

ملکہ سبا جس کا ذکر اسفار یہود انجیل اور قرآن مجید میں موجود ہے سبا کے حکمرانوں کا جو دور ۹۰۰ ق م سے شروع ہوا اور ۵۵۰ ق م میں ختم ہو جاتا ہے انھیں مکارب سبا کا دور کہا جاتا ہے۔ مکارب کے معنی ہیں مذہبی بادشاہ یا کاہن بادشاہ لیکن ہمیں اس دور کے مکمل بادشاہوں کے نام کی فہرست نہیں ملتی اسی لئے ملکہ کے حالات سے اب تک علم الاثار بے خبر رہے ہیں۔ یہ قوم آفتاب پرست تھی۔ سیل عرم سے ان کا دار لحکومت برباد ہو گیا قرآن مجید کی سورہ سبا اور سورۃ النمل میں ان کا ذکر ہے۔(۴۰۳)

حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا قصہ سورہ نمل اس طرح مذکور ہے۔

''سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا : کیا بات ہے کہ میں فلاں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے ؟ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کردوں گا ورنہ اسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہوگی۔'' کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے آکر کہا میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمران ہے اس کو ہر طرح کا سرو سامان بخشا گیا ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے۔'' شیطان نے ان کے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیے اور انہیں شاہراہ سے روک دیا اس وجہ سے وہ یہ سدھا راستہ نہیں پاتے کہ اس خدا کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی شخص عبادت کے لائق نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا ''ابھی ہم دیکھے لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کی طرف ڈال دے۔ پھر الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا رد عمل

ظاہر کرتے ہیں۔" ملکہ بولی "اے اہل دربار میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے وہ سلیمان کی جانب سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔" (خط سنا کر) ملکہ نے کہا "اے سرداران قوم، میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں۔" انہوں نے جواب دیا "ہم طاقت ور اور لڑنے والے لوگ ہیں۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔" ملکہ نے کہا کہ "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔" جب وہ (ملکہ کا سفیر)سلیمانؑ کے ہاں پہنچا تو اس نے کہا "کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے۔ وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک رہے (اے سفیر) واپس جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے۔" سلیمان نے کہا "اے اہل دربار تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے۔ قبل اس کے وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔ جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا "میں اسے حاضر کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں۔" جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا "میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔ جونہی کہ سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا وہ پکار اٹھا "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے ازمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے۔ اس کا شکر اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔ سلیمان نے کہا "انجان طریقے سے اس کا تخت اس کے سامنے رکھ دو، دیکھیں وہ صحیح بات پہنچتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ راست نہیں پاتے۔ ملکہ جب حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی یہ تو گویا وہی ہے۔ ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم نے سراطاعت جھکا دیا (یا ہم مسلم ہو چکے تھے) اس کو (ایمان لانے سے) جس چیز نے روک رکھا تھا وہ ان معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی کیونکہ وہ ایک

کافر قوم سے تھی اس سے کہا گیا محل میں داخل ہو اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اترنے کے لئے اس اپنے پائینچے اٹھا لیے۔ سلیمان نے کہا یہ شیشے کا چکنا فرش ہے اس پر وہ پکار اٹھی اے میرے رب (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی اور اب میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کر لی"۔(۴۰۴)

۱۱۵ ق م میں سبا کی حکومت تقسیم ہو کر رہ گئی۔ حبش پر اکسومی خاندان (اصحاب الفیل) قبضہ کر بیٹھا شامالی عرب میں اسماعیلی عربوں نے خروج کیا۔ یمن میں حمیر قابض ہو گئے ان کا سبا خاندان سے تعلق تھا اور باقی قبائل تمام ملک میں تتربتر ہو گئے۔ شہر مآرب میں آخر کار سیل عرم یعنی وہ تاریخی سیلاب آیا جس نے یمن کی شہر مآرب کے قریب کوہ بلق کے عظیم الشان ڈیم کو توڑ دیا۔ اس آب پاشی کے نظام کے ٹوٹنے سے سارا ملک ویران ہو گیا۔ اس سیلاب کا زمانہ ۴۵۰ء بتایا گیا ہے۔(۴۰۵)

اس تباہی کا ذکر قرآن حکیم کی زبانی سنیے

"سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن میں ایک نشانی موجود تھی۔ دوباغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پرور دگار ہے۔ بخش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گیئے۔ آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دوباغوں کی جگہ دو باغ انہیں دیئے جن میں کڑدے کسلے پھل اور پیلو اور کچھ بیری کے جھاڑ پیدا کر دیئے۔ یہ تھا ان کے کچھ کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور نا شکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔(۴۰۸)

حضرت سلیمان پر سحر کا الزام

تاریخ میں نبی اسرائیل بڑی ہی عجیب و غریب قوم گزری ہے۔انھوں نے اپنی خرابیوں اور خباثتوں کی وجہ سے پیغمبروں کے پاکیزہ دامنوں کی داغدار کر دیا۔حضرت سلیمانؑ پر اس قوم نے جادوگری کا بھی الزام لگایا ہے۔یہ کہتے تھے کہ دربار سلیمانی کی وسعت،جاہ جلال اور شان و شوکت کی ایک وجہ ان کا علم سحر تھا۔اللہ تعالیٰ اس الزام سے سلیمانؑ کو بری قرار دیااور کہا کہ سحر کفر ہے اور اللہ کا یہ پاک پیغمبر اس سے بچا ہوا تھا۔یہ کافرانہ حرکت ان (جن وانس) کے شیاطین نے کی تھی۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذید ازمائش اس طرح کی ہاروت اور ماروت دو فرشتے بابل میں اتارے انھوں نے سحر کے مقابلے میں تورات کا علم نبی اسرائیل کو سکھایا جو ایک مقدس اور پاکیزہ علم تھا ساتھ ہی انھوں نے جادو کے دور رہنے

کو کہا اور اس کے نقصانات سے انھیں آگاہ کیا لیکن بدبخت لوگوں نے اس پاک علم کا بھی غلط استعمال شروع کر دیا اور اس کے ذریعے میاں بیوی میں تفریق اور جدائی ڈلوائے تھے یہ بھی ایک قسم کا ساحرانہ علم تھا اسی لئے حرام اور کفر ہے۔(۴۰۷)

قرآن حکیم فرماتا ہے۔"(اے بنی اسرائیل) ہم نے تمھاری طرف ایسی آیات نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان کی پیروی سے صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ جب انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالائے طاق رکھ دیا۔؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے بھی کفر نہیں کیا۔کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت وماروت پر نازل کی گئی تھی حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تھے کو پہلے صاف طور بتادیتے تھے کہ دیکھ ہم محض ایک ازمائش ہیں تو کفر میں مبتلا نہ ہو۔ پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جن سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ ظاہر تھا کہ اذن الہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود ان کے لئے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی اور انہیں خوب معلوم تھا جو اس چیز کا خریدار بنا اس کے لئے آخر میں کوئی حصہ نہیں۔ کتنی بری متاع تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا کاش انہیں معلوم ہوتا۔(۴۰۸)

حضرت سلیمان کا انتقال

یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں ہر نفس کو موت آنی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم الشان سلطنت کے مالک چرندوپرند جن و انس کے حکمران ہواؤں اور طوفان کے تابع کرنے والے سمندر اور فضاؤں میں چلنے والے کو بھی موت سے واسطہ پڑا۔ واقعی یہ دینا کسی کی نہیں۔ یہاں انسان مسافر ہے۔آخر اس کو

موت آئی ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت سلیمانؑ کی موت کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ قصہ یہ یوں ہوا کہ جن کسی بہت بڑی عمارت یا ہیکل کی تعمیر میں مصروف تھے کہ حضرت سلیمانؑ عصا کے سہارے کھڑے ہوئے کہ پیغام اجل آن پہنچا۔جنوں کو خبر نہ ہوئی اس لئے وہ اپنے کام میں لگے رہے جب یہ پراجیکٹ مکمل ہو گیا تو اس عصا کو دیمک لگ گئی تو جن وانس کے بادشاہ گر پڑے تب ان کی موت کا علم ہوا۔اور جنوں کو پتہ چلا اور کہنے لگے کہ اگر ہم غیب کا علم جانتے تو محنت و مشقت کے کام سے کب سے جان چھوٹ جاتی سورۃ سبا میں آپؑ کی موت کا نقشہ اس کھینچا گیاہے۔

" پھر جب سلیمانؑ پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز اس گھن کے سوا نہ تھی جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا اس طرح جب سلیمانؑ گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔(۴۰۹)

تورات میں حضرت سلیمانؑ کی موت کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"غرض ساری مدت کہ سلیمان نے یروشلم میں سارے اسرائیل پر سلطنت کی چالیس برس کی تھی اور سلیمان اپنے باپ دادوں کے ساتھ سورہا اور اپنے باپ داؤد کے شہر میں دفن کیا گیا اور اس کا بیٹا رجعام اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔(۴۱۰)

مولانا حفظ الرحمان نے تحریر کیا ہے کہ قاضی بیضادی غالبًا تورات سے اخذ کیا ہے۔ کہ حضرت سلیمان کی عمر ابھی تیرہ سال ہی کی تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو وہ تخت نشیں ہوئے اور ترپین سال کی عمر میں انتقال فرمایا(۴۱۱) اس طرح انہوں نے ۴۰ سال حکومت کی۔

حضرت ایوب علیہ السلام

صبر و تحمل، استقلال و استقامت اور مصائب و بلایا میں تسلیم و رضا کا پیکر سیدنا ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نعم العبد اور کثرت سے رجوع اللہ اللہ والا پیغمبر کہہ کر پکارا ہے۔(۴۱۲) قرآن حکیم کی چار سورتوں میں آپ کا ذکر مبارک آیا ہے۔ سورۃ نساء اور سورۃ انعام میں صرف نام آیا ہے۔(۴۱۳) اور سورۃ انبیاء اور ص میں اجمالی تذکرہ موجود ہے۔(۴۱۴)

ان پر مصائب والام کا ایسا کڑا وقت آیا کہ آپ چاروں طرف سے اس میں گھر گئے اس ازمائش و امتحان میں صبر و شکر کی تصویر بنے رہے نہ ہی کوئی چیخ و پکار اور نہ ہی کوئی حرف شکایت زبان پر آیا اور اللہ تعالیٰ سے عبدیت و بندگی کا مسلسل تعلق بر قرار رکھا بلکہ اس موقع پر کچھ اور ہی زیادہ اس ذات باری کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ سب کچھ دیکھ کر رب العالمین نے انہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لیااور پھر انہیں اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیا اس طرح ان کی زندگی مذہبی لوگوں کے لئے ایک مثال بن گئی اور دنیا کے ادب میں صبر ایوب ایک ضرب المثل رائج ہوئی۔

خاندان اور زمانہ

اس بات پر تقریباً سب ہی متفق کہ حضرت ایوب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے۔ ابن عساکر کی رائے ہے کہ حضرت ایوب کی ماں حضرت لوط کی بیٹی تھی۔(۴۱۵) مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق یہی ہے کہ آپ عربی نژاد ہیں وہ لکھتے ہیں کہ محققین تورات میں سے اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے اور عرب میں ظاہر ہوئے۔(۴۱۶) امام بخاری کی بھی غالباً یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے کتاب الانبیاء میں انبیاء کرام کی جو ترتیب قائم کی ہے اس میں حضرت ایوب کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسی علیہ السلام سے قبل کیا ہے۔(۴۱۷)

اس طرح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام عربی تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانے میں بھی اختلاف ہے عرب مورخ ابن عساکر ان کو حضرت ابراہیم اور حضرت لوطؑ کے ہم عصر کہتا ہے وہ کہتا کہ ایوب بنت لوط کے فرزند تھے۔(۴۱۸)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان کا زمانہ حضرت موسیٰ سے پہلے کا ہے وہ ۱۵۰۰ ق م اور ۱۳۰۰ ق م کے درمیان ہے۔(۴۱۹)

مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں کہ محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے۔ عرب میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی حضرت موسیٰؑ نے اسے قدیم عربی میں منتقل کیا۔(۴۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ سے پہلے کے تھے وہ غالباً حضرت ابراہیم یا اسحٰق اور یعقوب کے ہم عصر تھے۔

خیثمہ نے آپ کو سلیمانؑ کے بعد کہا ہے۔(۴۲۱) سید سلیمان ندوی ان کا زمانہ ۱۰۰۰ق م اور ۷۰۰ ق م کے درمیان کہتے ہیں آپ لکھتے ہیں سبا کا عروج ۱۰۰۰ق م ۷۰۰ق م تک ہے اس لئے ان دونوں زمانوں کے دور میں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیے۔(۴۲۲) قرآن حکیم سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں آپ کا ذکر حضرت سلیمان کے فوراً بھی آ جاتا ہے۔ لیکن سورۃ نساء اور سورۃ انعام میں جس ترتیب سے آپ کا نام لایا گیا ہے اس سے زمانہ کے تعین نہیں ہو سکتا غرض قرآن حکیم سے واضح طور پر آپ کی ترتیب زمانی معلوم نہیں ہوتی۔

صبر ایوب اور مثالی زندگی

قرآن مجید نے حضرت ایوب کا ذکر مختصر اور اجمالی انداز میں کیا ہے لیکن ان ایات میں آپ کی مقدس زندگی کو نہایت ہی شان سے پیش کیا ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور صبر و رضا کی تصویر تھے۔ جب آپ ازمائش میں گھر گئے تو نہایت ہی لطیف انداز اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ”مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے“ ان مختصر ترین الفاظ کے بعد نہ کوئی شکوہ شکایت اور نہ کوئی عرض و دعا اور نہ کسی چیز کا مطالبہ اور فرمائش غرض اللہ کے حضور صرف عرض حال کے اور کوئی بات نہ کی۔ پھر قرآن حکیم یہ بھی کہتا ہے ان کی زندگی عبادت گزاروں کے لئے ایک نمونہ ہے۔ سورہ انبیاء میں کہا گیا ہے۔

”یاد کرو جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو تکلیف اسے تھی اس کو دور کر دیا اور صرف اس کے اہل و عیال ہی اس کو نہیں دیے بلکہ اس کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے۔ اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لئے کہ یہ ایک سبق ہو عبادت گزاروں کے لئے۔(۴۲۳)

سورہ ص میں آپ کی زندگی پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

"اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے (ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لئے اور پینے کے لئے ہم نے اسے اس کے اہل و عیال واپس دیئے اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اور عقل و فکر رکھنے والوں کے لئے درس کے طور پر (اور ہم نے اس سے کہا)"تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے مار دے۔ اپنی قسم نہ توڑ ہم نے اسے صابر پایا بہترین بندہ۔ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔(۴۲۴)

ان ایات پاک میں مندرجہ ذیل قابل ذکر امور تفصیل طلب ہیں۔

ایات بالا میں جو یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ایوب نے اپنے رب کو پکارا "شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔" اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے اور میرے اوپر مصائب نازل کردیئے ہیں بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بیماری شدت مال ودولت کے ضیاع اور اعزہ اقرباء کے منہ موڑ لینے سے میں جس تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہوں اس سے بڑھ کر تکلیف میرے لیے یہ ہے کہ شیطان اپنے وسوسوں سے مجھے تنگ کررہا ہے وہ ان حالات میں مجھے اپنے رب سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے مجھے اپنے رب کا ناشکرا بنانا چاہتا ہے اور اس بات کے درپے ہے کہ میں دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ بیٹھوں۔حضرت ایوبؑ کی فریاد کے اس مطلب کی تائید سورہ انبیاء کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے"مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے" یہاں شیطان کا کوئی ذکر نہیں ہے(۴۲۵)

آیات بالا میں حضرت ایوبؑ کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔بعض روایات کی رو سے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ایوبؑ کے بیٹوں کو از سرنوزندہ فرمایا ہے اور اتنے ہی اور بیٹے انھیں بخشے۔مگر قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ اس موقع پر مردے زندہ کیے گئے۔(اگرچہ یہ محال نہیں) اور آیت کے معنی یہ بھی آسکتے ہیں کہ ایوبؑ کی صحت جب خدا کے فضل سے پہلے کی طرح درست ہوگئی تو آپ کے اہل وعیال آپؑ کو آملے جو پہلے بمنزلہ مفقود تھے۔اور مذید انعام اس پر یہ ہوا کہ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے اللہ تعالی نے اس کو اور بھی اولاد عطا کی تھی۔۴۲۶

ابن کثیر نے حضرت حسن اور حضرت قتادہ کا یہ قول اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ مردہ اولاد خدا

تعالی نے زندہ کر دی اور اتنی ہی مزید اولاد عطا کی۔۴۲۷

ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہی لوگ واپس کئے گئے۔۴۲۸

اب رہے قرآن حکیم کے یہ الفاظ "تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس کے مار دے اپنی قسم نہ توڑ" اس آیت میں اس کا ذکر نہیں کہ کس کو مارو۔اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو انہوں نے غضبناک ہو کر قسم کھائی تھی کہ اگر اچھا ہوا تو تم کو سو لکڑی ماردنگا بیوی صادق الایمان تھی اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا اس لئے معاف کی گئی اور قسم پوری کرنے کے لئے سو تنکوں کی جھاڑو سے ان کو ایک بار مارنے کا حکم دیا گیا۔۴۲۹

سفر ایوبؑ میں اس گستاخی اور کلمہ کفر کا ذکر ہے۔۴۳۰ لیکن یہ ہمارے لئے حجت نہیں، ابن کثیر کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی بالوں کی لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھی اس بات پر آپ ناراض ہوگئے اور آپ نے قسم کھائی ۔۴۳۱

غرض اس آیت میں حضرت ایوبؑ کا اپنی بیوی کو مارنے کا ذکر ہے اور انھوں نے اپنی بیوی سے بحالت ناراضی سو ضربیں لگانے کی قسم کھائی اس کو پورا کرنے کا یہ طریقہ بتایا کہ سو شاخیں لیکر مارو۔۴۳۲

حضرت ایوبؑ ایک طویل عرصے تک اس آزمائش میں مبتلا رہے وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ پورے تین سال آپ اس تکلیف میں رہے حسن اور قتادہ فرماتے ہیں سات سال اور کئی ماہ آپ مبتلا رہے۔ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ایوبؑ اٹھارہ برس تک مصائب میں گھرے رہے۔۴۳۳

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونسؑ کے والد کا نام متی ہے۔۴۳۴ تورات میں متی کو امتائی لکھا ہے۔(۴۳۵) اور اسی کتاب میں یونس کو یوناہ(JONAH) لکھا ہے(۴۳۶) آپؑ کو نینویٰ کے لئے مبعوث کیا گیا (۴۳۷)نینویٰ عراق کا مشہور مرکزی شہر اور آشوری حکومت کا پایۂ تخت تھا(۴۳۸)نینویٰ شہر کے وسیع کھنڈرات آج تک دریائے دجلہ کے شرقی کنارے پر موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں اور اسی علاقے میں "یونس نبی" کے نام سے ایک مقام بھی موجود ہے۔اس قوم کے عروج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا دارالسلطنت نینویٰ تقریباً ۴۰ میل کے دَور میں پھیلا ہوا تھا۔آپ اسرائیلی نبی تھے اور ان کا زمانہ ۸۶۰......۸۴۷ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے۔(۴۳۹)

حضرت یونسؑ کے تاریخی لحاظ سے زمانہ کا تعین مشکل ہے اسی لئے اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام بخاریؒ نے انبیاءؑ کی جو ترتیب قائم کی ہے اس میں یونسؑ کا نام حضرت موسیٰؑ و حضرت شعیبؑ اور حضرت داؤدؑ و لقمانؑ کے درمیان تحریر کیا ہے۔(۴۴۰) ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ میں حضرت یونسؑ کا نام اور ان کے حالات حضرت موسیٰؑ سے پہلے درج کئے ہیں۔(۴۴۱) شاہ عبدالقادر انھیں حضرت حزقیل کا ہم عصر بتلاتے ہیں۔(۴۴۲) بہر حال حضرت یونسؑ کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح کے وسط میں متعین کیا جا سکتا ہے۔(۴۴۳)

قرآن حکیم میں حضرت یونسؑ کا ذکر چھ سورتوں میں آیا ہے ان میں سے چار سورتوں میں آپ کا نام مذکور ہے۔(۴۴۴) اور دو سورتوں میں ذوالنون اور صاحب الحوت مچھلی والا کہ کر آپ کی صفت بیان کی گئی ہے۔سورۃ نساء اور انعام میں انبیاء کرام کی فہرست میں آپ کا نام آیا ہے باقی سورتوں میں آپ کے بارے میں مختصر واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

قرآنی آیات۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پاک پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کا جائزہ لینے کے لئے ان سورتوں پر نظر ڈال لی جائے جہاں جہاں اس واقعہ کے مختلف اجزاء بیان ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

"پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کیلئے نفع بخش ثابت ہوا ہو۔یونس کی قوم کے سوا (اس کی کوئی نظیر نہیں) وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو

البتہ ہم نے اس پر دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا تھا اور اس کو ایک مدت تک زندگی بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا تھا"۔(۴۴۵)

" اور مچھلی والے (ذوالنون) کو بھی ہم نے نوازا۔یاد کرو جبکہ وہ بگڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا نہیں ہے کوئی خدا مگر تو،پاک ہے تیری ذات،بے شک میں نے قصور کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی۔ اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچالیا کرتے ہیں۔"(۴۴۶)

"اور یقیناً یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا یاد کرو جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور اس میں مات کھائی آخر کار مچھلی نے اسے نگل کیا اور وہ ملامت زدہ تھا اب اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا ہو روز قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔آخر کار ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا اور اس پر ایک بیلدار درخت اگادیا اس کے بعد ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا وہ ایمان لائے اور ہم نے ایک وقت خاص تک انہیں سامان زندگی سے نفع اٹھانے کا موقع دیا۔"(۴۴۷)

"پس (اے نبی)اپنے رب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو اور مچھلی والے (صاحب الحوت) کی طرح نہ ہو جاؤ۔جب اس نے پکارا تھا اور وہ غم سے بھر ہوا تھا اگر اس کے رب کی مہربانی اس کے شامل حال نہ ہو جاتی تو وہ مذموم ہوکر چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا آخر کار اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمالیا اور اسے صالح بندوں میں شامل کردیا"۔(۴۴۸)

حضرت یونسؑ کا قصہ

قرآن حکیم اور مستند تفاسیر خاص طور پر ابنِ کثیر کی روشنی میں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یونسؑ کو ایک لاکھ سے زائد آبادی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔انہوں نے اپنی قوم کو ایک عرصہ تک شرک و کفر سے منع کیا۔لیکن اس قوم نے آپ کی بات پر توجہ نہ دی ،جب آپ ان کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئے تو ناراض ہوکر شہر سے ہجرت کرگئے ۔دریا کے کنارے پہنچ گئے وہاں ایک بھری کشتی طوفانی لہروں کی زد میں آگئی۔تمام مسافروں نے یہ طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے اور جس کا نام نکل آئے اسے پانی میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی لوگ بچ جائیں۔قرعہ اندازی میں حضرت یونسؑ کا نام

نکلا۔ آپؑ کی پاک بازی کی وجہ سے لوگ پانی میں ڈالنا نہیں چاہتے ۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا لیکن ہر بار آپ کا ہی نام نکلتا تھا اس لئے آپؑ خود لوگوں کے منع کرنے پر بھی پانی میں کود گئے۔پانی میں خدا کی حکم سے ایک مچھلی نگلنے کے لئے تیار کھڑی تھی۔چنانچہ اس بڑی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا لیکن حکم خداوندی کے تحت آپؑ مچھلی کے پیٹ میں صحیح وسالم پہنچ گئے۔اس جگہ پہنچ کر آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنے رب کو ندامت میں اس طرح پکارنے لگے۔

لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين

آخر رحمت باری جوش میں آئی مچھلی کو حکم دیا کہ اس پاک پیغمبر کو اگل دے ۔چنانچہ مچھلی نے انہیں ساحل پر ایک چٹیل میدان میں اگل دیا۔اس وقت آپ بہت نحیف کمزور اور ناتواں تھے آپ کی حفاظت اور پرورش کے لئے ایک بیلدار ورخت کو اگا دیا گیا ۔کہا جاتا ہے کہ یہ کدو کی بیل تھی۔کچھ عرصہ بعد آپؑ توانا اور صحت مند ہوگئے ۔

آپؑ کو حکم ہوا اہ واپس اپنی قوم میں جاؤ جو آپ کی غیر حاضری میں ایمان لا چکی تھی۔ یہ وہ واحد قوم ہے جو عذاب کے آثار دیکھ کر ایمان لے آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کردیا۔(۴۴۹) پھر یونسؑ دوبارہ اپنی قوم میں آگئے اور ان کی رہنمائی کرنے لگے اسطرح ان کی قوم کو دوبارہ زندگی مل گئی اور وہ امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگی"۔(۴۵۰)

اس بات پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ مچھلی نگل کر پھر انسان کیسے دوبارہ زندہ اگل سکتی ہے اب تو یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ ایسی وھیل مچھلیوں کی کئی اقسام ہیں جو انسان کو نگل لینے کے بعد خاص حالات میں اگل کر باہر پھینک دیتی ہیں۔(۴۵۱) مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ انگلستان کے ساحل کے قریب کا واقعہ ہے کہ اگست۱۸۹۱ء میں ایک جہاز (STAR OF THE EAST) پر کچھ مچھیرے وہیل کے شکار کے لئے گہرے سمندر میں گئے وہاں انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی جو بیس فٹ لمبی اور پانچ فٹ چوڑی اور سو ٹن وزنی تھی سخت زخمی کردیا مگر اس سے جنگ کرتے ہوئے جیمز بارٹلے ایک مچھیرے کو اس کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے مچھلی نے نگل لیا دوسرے روز وہی مچھلی اس جہاز کے لوگوں کو مری ہوئی مل گئی انہوں نے بمشکل اسے جہاز پر چڑھایا اور طویل جدوجہد کے بعد جب اس کا پیٹ چاک کیا

کہ بارٹلے اس کے اندر سے زندہ برآمد ہوگیا یہ شخص مچھلی کے پیٹ میں پورے ساٹھ گھنٹے زندہ رہا تھا۔(۴۵۲)

حضرت زکریا علیہ السلام

قرآن حکیم میں آپؑ کا ذکر مبارک چار مقامات پر آیا ہے سورۃ انعام(۴۵۳)میں صرف نام مذکور ہے جبکہ آل عمران(۴۵۴)مریم(۴۵۵)اور انبیاء(۴۵۶) میں آپؑ کے بارے میں کچھ تفصیلات آئی ہیں۔

سلسلہ نسب

قرآن حکیم میں جس نبی زکریاؑ کا نام آیا ہے یہ وہ نہیں ہیں جن کا ذکر تورات کے صحیفہ زکریا میں آیا ہے۔ یہ زکریا بن برخیا ہیں ان کا ظہور ایران کے بادشاہ دارا بن گشتاسپ کے زمانہ میں ہوا(۴۵۷) دارا کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے پانچ سو سال قبل ہے۔وہ کیقباد بن کیخسرو کے انتقال کے بعد ۵۲۱ق م میں تخت نشیں ہوا(۴۵۸)

قرآن عزیز کے زکریاؑ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کے مربی اور حضرت مسیحؑ کے ہم عصر ہیں اور یہ حضرت یحییٰؑ کے والد بزرگوار بھی ہیں۔(۴۵۹)

حضرت زکریاؑ کے والد کے نام میں اختلاف ہے زکریا بن اذن،زکریا بن شبری،زکریا بن لدن اور بعض نے زکریا بن برخیا تحریر کیا ہے(۴۶۰) لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب سلیمانؑ داؤدؑ سے جا ملتا ہے۔

حضرت زکریاؑ اور بی بی مریمؑ کے والد عمران بن ماثان ہم زلف تھے۔(۴۶۲)

حالات زندگی

زکریاؑ کے حالات زندگی تفصیل سے کہیں نہیں ملتے ۔ جتنے قرآن حکیم اور دیگر مستند ذرائع سے مل سکے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ہیکل کے کاہن یا خادم تھے۔بنی اسرائیل میں یہ ایک معزز مقام تھا کاہن کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ہیکل(صخرہ بیت المقدس) کی مقدس رسوم ادا کیا کرتا تھا۔ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن تھا جو اپنے موقع پر یہ خدمت سر انجام دیتے تھے۔انجیل لوقا میں کہا گیا ہے۔

”یہودہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشع تھا اور وہ دونوں خدا کے حضور راست باز اور خداوند کے سارے حکموں وار قانون پر بے عیب چلنے والے تھے۔

قرآن حکیم آپ کو جلیل القدر نبی کہتا ہے اور انھیں انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

زکریااور یحییٰ الیاس ہر ایک ان میں سے نیک تھا۔(۴۶۴)

انبیاء کرام کی عادت اور سنت مبارکہ یہی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہوں ہر نبی نے فخر یہ یہ اعلان کیا ہے۔

وما اسلکم علیه من اجر ان اجری الّا علیٰ رب العٰلمین(٤٦٥)

میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو عالموں کے رب کے پاس ہے۔

زکریاؑ نے اپنی روزی کے لئے بڑھئی کا پیشہ اختیار کیا تھا۔جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

انہٗ کان نجاراً یا کل من عمل یدہ فی النجار ۃ(۴٦٦)

وہ نجار تھے اور اپنی روزی اپنے ہاتھوں سے بڑھئی کا کام کر کے حاصل کرتے تھے۔

حضرت زکریاؑ کے خاندان اور سلیمان بن داوٗدؑ کی نسل سے عمران بن یا شیم تھے۔(۴٦٧) ان کی بیوی حنہ بن فاقوذ تھا۔ یہ صاحب اولاد نہیں تھی۔اس خاتون نے اللہ سے اولاد کی دعا کی اور کہا کہ یہ اولاد تیرے کام کے لئے وقف ہوگی اللہ نے ان کی سن لی ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کی ولادت پر والدہ حیرانی سے کہنے لگی"مالک میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے" خیر اس کا نام مریم رکھ دیا گیا۔جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مریم کے خالو زکریا تھے۔اس بچی کی ہیکل میں پرورش کا قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا(۴٦٨) اس طرح اس بچی کی ہیکل میں پرورش اور تربیت ہونے لگی اس کے لئے ایک حجرہ بھی مخصوص ہوگیا اس محراب یا حجرہ میں زکریاؑ کبھی کبھی جایا کرتے تو وہاں بے موسمی پھل دیکھتے اسی مقام پر یکایک حضرت زکریاؑ نے اولاد کی دعا کی حالانکہ آپ بہت بوڑھے اور بیوی بھی بانجھ تھی ان کی دعا قبول ہوئی اور یحییٰؑ بیٹے کی ولادت کی خوش خبری ان کو سنائی گئی۔(۴٦٩) آیئے قرآن حکیم کی ان آیات کو دیکھتے ہیں جہاں حضرت زکریاؑ کا ذکر آیا ہے۔

قرآن حکیم اور زکریا علیہ السلام

قرآن حکیم میں ان کا تذکرہ تفصیل سے اس طرح آیا ہے۔ (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ"میرے پرور دگار میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی

ہوں ہو تیرے ہی کام کے لئے وقف ہو گا۔ میری پیشکش کو قبول فرما تو سننے والا ہے۔ پھر جب وہ بچی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا "مالک میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرما لیا اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔

زکریا جب کبھی اس کے پاس محراب میں جاتا تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتا۔ پوچھتا مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا۔ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے۔ بے حساب دیتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا پروردگار اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔ تو ہی دعا سننے والا ہے۔ جواب میں فرشتوں نے آواز دی۔ جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ اس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہو گی۔ کمال درجہ کا ضابط ہوگا۔ نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا زکریا نے کہا پروردگار بھلا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے جواب ملا ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ عرض کیا مالک پھر کوئی نشانی میرے لئے مقرر فرمادے۔ کہا نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا کوئی بات چیت نہ کرو گے (یا نہ کر سکو گے) اسی دوران میں اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔(۴۷۰)

"اور (یاد کرو) جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا کہ اے پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو تو ہی ہے۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لئے درست کر دیا۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے"۔(۴۷۱)

"ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی جبکہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے عرض کیا۔ اے پروردگار میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی

برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے پروردگار اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔" (جواب دیا گیا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکے کی شہادت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔

عرض کیا پروردگار بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں جواب ملا ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ایک ذرا سی بات ہے۔ آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔ جبکہ تو کوئی چیز نہ تھا۔

زکریا نے کہا پرور دگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے

فرمایا "تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو مسلسل تین دن لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔ چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی صبح و شام تسبیح کرو۔(۴۷۲)

غرض قرآن حکیم حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر حضرت مریم کی کفالت اور حضرت یحییٰ کی ولادت کے سلسلے میں آیا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کی تفصیل بتاتے ہوئے ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ بعثت مسیح نے تورات کے جو احکام منسوخ کئے تھے ان میں سے ایک بھتیجی سے نکاح حرام تھا بادشاہ وقت ہیرودس نے اس رسم کو جاری رکھنا چاہتا تھا اور خود اپنی بھتیجی سے نکاح کی خواہش رکھتا تھا مگر یحییٰ علیہ السلام شریعت عیسوی پر ایمان رکھتے تھے اس لئے وہ اس وجہ سے بادشاہ کو روکتے تھے بادشاہ نے انھیں عبادت خانے میں ذبح کر دیا ان حالات کو دیکھ کر حضرت زکریا نے ایک باغ میں پناہ لی اور ایک درخت میں چھپ گئے بادشاہ کے سپاہیوں نے آرے سے درخت کو چیر دیا اس طرح آپ نے مقام شہادت پایا۔(۴۷۳)

حضرت یحییٰ علیہ السلام

قرآن حکیم کی ان ہی سورتوں میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر خیر آیا ہے جن میں حضرت زکریا کا تذکرہ ہے۔ حضرت یحییٰ حضرت زکریا کے صاحبزادے تھے۔ آپ اپنے والد کی پیغمبرانہ اور معجزانہ دعاؤں کا ثمر تھے اور والدین کے یہاں ان کی ولادت عمر کے اس حصے میں ہوئی جس میں عام انسان مایوس ہو جاتا ہے اور ان کی بیوی بانجھ تھی ان کا نام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوا اور یہ ایک نیا نام تھا۔(۴۷۴) اور اس نام کی وجہ یہ تھی کہ ان کی حیات ایمان کے ساتھ ہوئی تھی۔(۴۷۵) اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں سلام اس پر جس روز وہ (یحییٰ) پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔(۴۷۶) اس پاک پیغمبر کی یہ چند قرانی خصوصیات قابل ذکر ہیں۔

(۱) حکم : اس کے معنی فہم وعلم، قوت و عزم، دانائی و فراست کے ہیں اس کے مفہوم میں قوت فیصلہ قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح رائے قائم کرنا شامل ہے۔(۴۷۷)

(۲) حنان : اس کے معنی ہیں محبت شفقت، رحمت اور ایسی شفقت و محبت جو ماں میں پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے چین اور بے آرام ہو جاتی ہے۔(۴۷۸)

(۳) سید : معنی حکیم، عالم، فقیہ دین و دنیا کا سردار شریف و پرہیزگار اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ اور سب سے افضل جسے غصہ غضب اور جذبات مغلوب نہ کر سکے۔(۴۷۹)

(۴) حصور : یعنی لذات و شہوات پر قابو پانے والا سے بہت ہی محتاط متقی پرہیز گار جسے ساری عمر براخیال نہ آیا ہو۔ ایسا شخص جو حلال عورتوں سے بھی دور رہا ہو۔(۴۸۰)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات زندگی

حضرت یحییٰؑ کی ولادت پیغمبرانہ دعاؤں کے طفیل معجزانہ طور پر ہوئی۔ ان کے والدہ بانجھ ہو چکی تھی اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور آپؑ کے والد بوڑھے پھوس ہو چکے تھے ان حالات میں یحییٰؑ پیدا ہوئے۔(۴۸۱)

اللہ تعالیٰ نے انھیں بچپن میں ہی تورات کا علم عطا فرمایا۔ ان کے اس فہم وفراست کا ذکر خصوصی طور پر قرآن حکیم نے کیا ہے۔(۴۸۲)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے زمخشری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں (پیدائشی طور پر)

تورات کا فہم عطا کیا تھا۔ آپ اوائل عمر سے ہی خدا تعالیٰ کی عبادت وریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ بچے آپؑ کو اپنے ساتھ کھیلنے کی دعوت دیتے آپ فرماتے ہم کھیل کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔(۴۸۳)

آپؑ اوصاف جمیلہ اور فضائل حمیدہ کے مالک تھے۔ آپ حد درجہ شفیق اور مہربان ہرگناہ اور معصیت سے دور رہنے والے متقی اور پرہیزگار قسم کے شخص تھے۔ والدین کے حدودرجہ فرمانبردار تھے۔ آپ میں سخت گیری کا نام بھی نہیں تھا ان ہی نیک عادات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ان کی اسطرح تعریف کی

سلم علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔(٤٨٤)

اس پر سلام جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ فوت ہو گے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

یہ تین مقامات کڑے ازمائش کے ہیں۔ اگر ان سے انسان امن وسلامتی سے گزر جائے تو وہ کامیاب اور کامران رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک موقعوں پر اس پاک پیغمبر کی حفاظت کی اسی لئے یہ پیدائش موت اور پھر بعثت کے وقت خدا کی امان اور سلامتی میں رہیں گے۔

قرآن حکیم نے حضرت یحییٰؑ کو مصدقا بکلمة من الله۔(٤٨٥)

"اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا کہا ہے"۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے حضرت یحییٰؑ ہیں۔(۴۸۶)

اسی طرح حضرت قتادہ کا قول ہے کہ حضرت یحییٰؑ ٹھیک حضرت عیسیٰؑ کی روش اور آپ کے طریقے پر چلتے تھے۔(۴۸۷)

سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق انھوں ہی نے کی تھی اور یہ حضرت عیسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔(۴۸۸)

آیئے اب اناجیل اربعہ کی روشنی میں آپ کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

لوقا کی انجیل کے مطابق حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ سے چھ ماہ بڑے تھے۔ تقریباً تیس ۳۰ برس کی عمر میں وہ نبوت پر فائز ہوئے۔(۴۸۹)

اور یوحنا کے مطابق شرک اردن میں انھوں نے دعوت کا کام شروع کیا وہ کہتے تھے کہ میں بیابان

میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کروں۔(۴۹۰)

مرقس کا بیان ہے کہ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو بپتسمہ دیتے تھے یعنی توبہ کے بعد غسل کراتے تھے تاکہ روح اور جسم دونوں پاک ہو جائیں۔ یہودیہ اور یروشلم کے بکثرت لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے اور ان کے پاس جا کر بپتسمہ لیتے تھے۔(۴۹۱)

اسی بنا پر ان کا نام یوحنا بپتسمہ دینے والا کہا جاتا تھا۔ عام طور پر بنی اسرائیل ان کی نبوت تسلیم کر چکے تھے۔(۴۹۲)

مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔(۴۹۳)

وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے اور چمڑے کا پٹکا کمرے باندھے رہتے تھے اور ان کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا۔(۴۹۴)

وہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسماں کی بادشاہی قریب آگئی۔(۴۹۵)

یعنی مسیحؑ کی دعوت اور نبوت شروع ہونے والی ہے وہ لوگوں کو روزے اور نماز کی تلقین کرتے تھے۔(۴۹۶)

وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جس کے پاس دو کرتے ہوں اس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے محصول لینے والوں نے پوچھا کہ استاد ہم کیا کریں تو انھوں نے فرمایا "جو تمھارے لئے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا" سپاہیوں نے پوچھا ہمارے لئے کیا ہدایت ہے فرمایا" نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ناحق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو۔(۴۹۷)

بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے علماء فریسی اور صدوقی ان کے پاس بپتسمہ لینے آئے تو ڈانٹ کر فرمایا " اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غصب سے بھاگو......(انھیں یاد دلایا) جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔(۴۹۸)

قرآنی آیات

قرآن حکیم کی مختلف آیات میں حضرت یحییٰؑ کے حالات کا تذکرہ ہے۔

" فرشتوں نے زکریا کو آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ

تمھیں یحییٰؑ کی خوش خبری دیتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا اس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہو گی۔ کمال درجے کا ضابطہ ہو گا نبوت سے سرفراز صالحین میں شمار کیا جائے گا"۔(۴۹۹)

" اے یحییٰؑ کتاب الٰہی کو مضبوط تھام ہم نے بچپن ہی سے اسے حکم سے نواز اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی۔ وہ بڑا پرہیز گار تھا اور اپنے والدین کا حق شناس تھا وہ سرکش اور نافرمان نہ تھا"۔ سلام اس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن کہ وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے۔(۵۰۰)

" اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک فرزند کی اس کا نام یحییٰ ہو گا کہ اس سے پہلے ہم نے کسی کے لئے یہ نام تجویز نہیں کیا"۔(۵۰۱)

" اور اسی طرح زکریاؑ کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو ہی ہے۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے یحییٰؑ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لئے تندرست کر دیا۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔(۵۰۲)

دعوت و تبلیغ

حضرت یحییٰؑ کی دعوت و تبلیغ کا پتہ حدیث نبوی سے ملتا ہے۔ حضرت حارثؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰؑ بن زکریاؑ کی پانچ باتوں کی خاص کر تاکید کی تھی کہ وہ خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں اور نبی اسرائیل کو بھی ان کا حکم کیا کریں لیکن یحییٰؑ کو ان پانچ باتوں کی دعوت تبلیغ میں کچھ دیر ہو گئی تب حضرت عیسیٰؑ نے انھیں فرمایا کہ میرے بھائی اگر مناسب خیال کرو تو میں بنی اسرائیل کو یہ اللہ کے احکامات پہنچا دوں۔ جن کے لئے آپ کسی وجہ سے دیر کر رہے ہیں۔

حضرت یحییٰؑ نے فرمایا بھائی اگر میں آپ کو اجازت دیدوں اور خود تعمیل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں پکڑا نہ جاؤں یا میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں اس لئے میں ہی یہ فرض پہلے سرانجام دیتا ہوں پھر یحییٰؑ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں اکھٹا کیا جب مسجد میں گئے تو خطبہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ میں خود بھی ان پر حکم کروں اور تمھیں بھی عمل کی تلقین کروں۔

ا۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ۔ اس لئے کہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے اپنی قیمت سے خریدا لیکن غلام نے یہ طریقہ اپنایا ہوا ہے کہ جو کچھ کمائی حاصل کرتا ہے وہ مالک کے سوا کسی اور کو جا کر دیدیتا ہے رب ذرا یہ تو بتاؤ بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسی حرکت کرے اس لئے خیال کر کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور وہ تمھیں رزق عنایت کرتا ہے بس تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو سا کا شریک نہ بناؤ۔

۲۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ تم خشوع وخضوع سے نماز ادا کرو اس لئے کہ جب تک تم نماز میں کسی دوسری طرف دھیان نہ دو گے اللہ تعالیٰ تمھاری طرف رضا ورحمت سے متوجہ رہے گا۔

۳۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ رکھنے والے کی مثال اسطرح ہے کہ ایک شخص مشک بھری تھیلی لئے جماعت میں بیٹھا ہوا ہو اور مشک اسے بھی اور جماعت کے لوگوں کو خوشبو سے معطر کرتی رہے گی اور روزہ دار کی منہ کی بو کا خیال نہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں روزہ دار کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے۔

۴۔ چوتھا حکم یہ کہ مال سے زکوۃ وصدقہ دیا کرو اس لئے کہ صدقہ ادا کرنے والے کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کو کسی دشمن نے اچانک پکڑ لیا۔ اور اس کے ہاتھ گردن سے باندھ کر قتل گاہ کی طرف لیکر چلے اور وہ شخص نامیدی کی حالت میں یہ کہے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ مال دے کر اپنی جان بخشوالوں۔ دشمن اس سے مال لیکر اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

۵۔ پانچواں حکم یہ کہ دن رات میں اللہ کو اکثر یاد کیا کرو۔ اس لئے کہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ جو دشمن سے بچ کر بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی سے اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ اور وہ شخص بھاگ کر کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لیکر دشمن سے محفوظ ہو جاتے۔ بے شک دشمن کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔(۵۰۳)

ہمارے علماء نے اسرائیلات کے حوالوں سے حضرت یحییٰؑ کی زندگی کے کچھ حالات تحریر کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اکثر صحرا نشیں اور جنگلوں میں زندگی گذارتے تھے درختوں کے پتے اور ٹڈیوں پر آپ کا گذارہ ہوتا تھا اور ان ہی مقامات پر آپ پر اللہ کا کلام اترتا تھا۔ انھوں نے دریائے یردن

کے نواحی علاقوں میں تبلیغ واشاعت کی خدمات سرانجام دیں اور حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی خبر بھی دیتے تھے۔ لوقا کی انجیل میں ہے۔

اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا پر اترا اور وہ یردن کے سارے گردونواح میں جاکر گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔(۵۰۴)

ابن عساکر نے وہب بن منبہ سے جو روایات تحریر کی ہے ان کا نچوڑ یہ ہے کہ یحییٰؑ خوف خدا کی وجہ سے اکثر روتے رہتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی رخساروں پر لکریں پڑ گئی تھیں۔ ایک بار ان کے والد ماجد حضرت زکریاؑ نے انھیں جنگل میں پالیا تو ان سے کہا کہ بیٹا ہم تمھارے بارے میں متفکر ہیں اور آپ کی انتظار میں ہیں اور تم نے رو دو کر یہ حال کر رکھا ہے۔ حضرت یحییٰؑ نے جواب دیا ابا جان آپ ہی نے تو بتایا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک ایسا لق ودق صحرا ہے جو اللہ کی راہ میں آنسو بہائے بغیر طے نہیں ہو گا اور جنت نہیں ملے گی یہ سنکر حضرت زکریاؑ بھی رونے لگے۔(۵۰۵)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

علماء سیر نے حضرت یحییٰؑ کی وفات کے حالات بڑے عجیب وغریب انداز میں تحریر کئے ہیں ان میں ابن کثیر جیسے عالم بھی شامل ہیں۔ یہ روایات اور درایت دونوں لحاظ سے محل نظر ہیں۔ البتہ مورخ طبری نے اس واقعہ کو جس انداز میں تحریر کیا وہ قابل ذکر ہے۔

حضرت یحییٰؑ کی دعوت وتبلیغ سے لوگ متاثر ہوتے جارہے تھے اور ان کے واعظ میں لوگ جوق درجوق تشریف لاتے ان کے زمانے کا سرزمین کا بادشاہ ہیرو دیس بہت ہی ظالم اور بد کردار شخص تھا وہ حضرت یحییٰؑ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف ہوا کہ کہیں میری یہ بادشاھت ختم نہ ہو جائے اور لوگ یحییٰؑ کو یہ تاج پہنادیں ان ہی حالات میں اس کے سوتیلے بھائی وفات پاگئے وہ اس کی بیوی پر عاشق ہو گیا اور اس سے نکاح کر لیا لیکن اسرائیلی شریعت اور تورات کے احکام اس کی اجازت نہیں دیتے تھے حضرت یحییٰؑ نے اسے بہت سمجھایا اور اسے اس حرکت سے منع کیا۔ ہیرو دیس کی محبوبہ بھی اس پاک پیغمبر کے خلاف ہو گئی وہ اس تاڑ میں تھی کہ کس طرح اس کانٹے کو راہ سے ہٹایا جائے۔

ایک بار ہیرو دیس سالانہ جشن میں شریک تھا اس جشن میں بادشاہ کی محبوبہ کی بیٹی نے خوب رقص کیا اس پر بادشاہ سلامت خوش ہو گئے اور رقاصہ سے کہنے لگے بتاؤ کیا مانگتی ہو۔ اس نے ماں سے

مشورہ کیا ماں نے کہا یحییٰؑ کا سر مانگ لے۔ بیٹی نے یہی فرمائش کر دی۔ ہیرودیس کو یہ سن کر کچھ افسوس ہوا۔ مگر جنسی بھوت بادشاہ پر غالب آ گیا اس نے حکم دیدیا اور حضرت یحییٰؑ کا سر کٹوا کر ایک تھال میں رقاصہ کے سامنے پیش کر دو۔(۵۰۶)

طبری نے یہ تفصیلات غالبًا انجیل سے لی ہیں تقابل کے لئے دیکھے انجیل مرقس۔(۵۰۷)

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء کو ناحق قتل کیا ان کے اس جرم کی تاریخ بہت طویل ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر انھیں اس کرتوت کے بارے میں خبردار کیا ہے۔(۵۰۸)

ابن ابی حاتم نے بسلسلہ سند حضرت ابوعبیدہ بن جراح نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس انبیاء اور ایک سو ستر صالحین کو قتل کیا جوان کو امر بالمعروف کا حکم دیا کرتے تھے۔(۵۰۹) ان کی قبر دمشق کی جامع مسجد میں ہے

حوالہ جات
باب اوّل
(انبیاء کرامؑ)

(۱) القران ۱۶ : ۱۲

(۲) القران ۲ : ۱۲۴

(۳) القران ۳ : ۶۷

(۴) القران ۴ : ۵۴

(۵) القران ۴ : ۱۴

(۶) سفر تکوین ۱۱ : ۱۰۔۲۶

(۷) بحوالہ رینے باسے مقالہ ابراہیم ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۴۵ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء

(۸) سیوہاردی حفظ الرحمٰن ، قصص القران مکتبہ مدینہ، اردو بازار لاہور ۱۹۶۴ء ج ۱ ص ۱۵۵

(۹) القران ۶ : ۷۴

(۱۰) سفر تکوین ۱۱ : ۲۷ و ابن خلدون عبدالرحمٰن
تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ حکیم الدین
۶۷ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۱ء ج ۱ ص ۶۷

(۱۱) ابن جریر ابو جعفر محمد بن جریر طبری " جامع البیان عن تاویل ای القران" دارلفکر بیروت ۱۹۸۶ء ج ۵ ص ۲۴۷

(۱۲) ابن کثیر قدیمی کتب خانہ کراچی سن ندارد ۲ : ۱۵۳

(۱۳) سیوہاردی حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۲ ص ۱۵۳ لاہور سن ندارد

(۱۴) ابن حبیب بحوالہ دریا آبادی عبدالماجد مقالہ' آزر' اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۱۵۵

(۱۵) راغب اصفہانی ابوالقاسم " المفردات نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱۹۶۴ء مادہ آزر

(۱۶) رضا محمد رشید تفسیر المنار قاہرہ ۱۳۴۷ء ج ۷ ص ۵۳۵ تا ۵۳۸

(۱۷) دریا آبادی عبدالماجد مقالہ ازر اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۶

(۱۸) دریا آبادی عبدالماجد مقالہ ازر اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۶
(۱۹) القران ۲۱ : ۵۱
(۲۰) القران ۳۷ : ۸۴
(۲۱) القران ۶ : ۷۵
(۲۲) القران ۲ : ۲۶۰
(۲۳) القران ۲۱ : ۵۲۔۵۶
(۲۴) القرانؐ:۴۲ : ۴۸
(۲۵) القران ۲۶ : ۶۹۔۸۹
(۲۶) احسان الٰہی مقالہ "ابراہیم" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۴۶
(۲۷) سیوہاردی قصص القران ج ۱ ص ۱۸۹
(۲۸) القران ۲ : ۲۵۸
(۲۹) ابن خلدون تاریخ ج ۱ ص ۷۳
(۳۰) القران ۳۷ : ۸۸۔۹۸
(۳۱) القران ۲۱ : ۵۷۔۶۷
(۳۲) القران ۲۹ : ۶۴
(۳۳) القران ۲۱ : ۶۸۔۷۰
(۳۴) احسان الٰہی مقالہ ابراہیم اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۴۶ مزید دیکھئے تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۷۷۔۷۸
(۳۵) القران ۳۷ : ۱۰۰
(۳۶) احسان الٰہی مقالہ ابراہیم اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۴۶ مزید دیکھئے تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۷۷۔۷۸
(۳۷) القران ۱۴ : ۳۷
(۳۸) القران ۳۷ : ۱۰۲۔۱۰۸

(۳۹) القرآن ۲ : ۱۲۴

(۴۰) القرآن ۳۷ : ۱۱۲

(۴۱) تکوین ۱۶ : ۱۶

(۴۲) تکوین ۲۱ : ۵

(۴۳) القرآن : ۲ : ۱۲۷ بعد

(۴۴) القرآن ۱۴ : ۳۵

(۴۵) القرآن ۱۴ : ۳۹

(۴۶) نیازی سید نذیر مقالہ اسماعیل ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۸۲۷

(۴۷) القرآن ۱۹ : ۵۴۔۵۵

(۴۸) القرآن ۲ : ۱۲۷

(۴۹) القرآن ۳۷ : ۱۰۲۔۱۰۸

(۵۰) تکوین ۱۶ : ۱۶

(۵۱) تکوین ۲ : ۵

(۵۲) القرآن۳۷ : ۹۹۔۱۰۱

(۵۳) القرآن ۱۴ : ۳۹

(۵۴) تکوین ۲۱ : ۱۲۔۱۳

(۵۵) ابن خلدون تاریخ ج ۱ ص ۸۱ مزید دیکھئے نیازی سید نذیر مقالہ اسماعیل ج ۲ ص ۶۲۸

(۵۶) القرآن ۱۴ : ۳۷۔۳۸

(۵۷) ندوی سلیمان سید ، ارض القرآن معارف پریس دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۴ء
ج ۲ ص ۸۴۷

(۵۸) ندوی سلیمان سید ، ارض القرآن ج ۲ ص ۸۴۷

(۵۹) القرآن ۳۷ : ۱۰۵۔۱۱۳

(۶۰) القرآن ۵۱ : ۲۸

القرآن ۱۵ : ۵۳

(۶۱) ھود ۱۱ : ۷۱

(۶۲) ابن خلدون تاریخ ج ۱ ص ۸۷۔۸۹

(۶۳) مودودی ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۰۰

ادارہ ترجمان القرآن لاہور۱۹۷۳

(۶۴) القرآن ۵۰ : ۲۷۔۲۶

(۶۵) القرآن ۵۰ : ۹۷

(۶۶) سیوہاروی قصص القرآن ج ۱ ص ۲۴۰

(۶۷) القرآن ۳ : ۹۶۔۹۷

(۶۸) ا۔ ملوک ۶ :۱۔۳

(۶۹) مودودی "تفہیم القرآن" ج ۱ ص ۲۷۴

(۷۰) القرآن ۲ : ۱۲۵۔۱۲۹

(۷۱) القرآن ۲۲ : ۲۶۔۳۰

(۷۲) القرآن ۱۴ : ۳۹

(۷۳) القرآن ۲ : ۱۲۷

(۷۴) القرآن ۱۹ : ۵۴

(۷۵) تکوین ۳۶ : ۳

(۷۶) تکوین ۲۸ : ۹

(۷۷) تکوین ۳۷ : ۲۶

(۷۸) تکوین ۱۷: ۲۲

(۷۹) ندوی سلیمان ، ارض القرآن ص ۹۳

(۸۰) ابن خلدون تاریخ ج ۱ ص ۹۳

(۸۱) نیازی نذیر مقام اسحٰق، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۲۹۵

(۸۲) تکوین ۲۱ : ۷

(۸۳) ھود ۱۱ : ۷۱

(۸۴) بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۵۹۲

(۸۵) تکوین ۱۷ : ۱۵۔۱۹

(۸۶) القران ۱۱ : ۶۸۔۷۳

(۸۷) القران ۵۱ : ۲۸۔۳۰

(۸۸) القران ۱۵ : ۵۱۔۵۴

(۸۹) القران ۲۹ : ۳۱

(۹۰) القران ۳۷ : ۱۱۲۔۱۱۳

(۹۱) القران ۳۹ : ۴۷

(۹۲) نیازی نذیر مقالہ اسحٰق اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۵۹۴

(۹۳) ندوی سلیمان ، ارض القران ج ۱ ص ۱۲۴

(۹۴) بحوالہ ندوی سلیمان ، ارض القران ج ۱ ص ۱۲۴

(۹۵) عبدالقیوم ، مقالہ حضرت لوط اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۸ ص ۱۴۹

(۹۶) عبدالقیوم ، مقالہ حضرت لوط اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۸ ص ۱۴۹

(۹۷) القران ۲۹ : ۲۶

(۹۸) تکوین ۱۳ : ۱۰۔۱۲

(۹۹) تکوین ۱۸ : ۲۰

(۱۰۰) مودودی تفہیم القران ج ۳ ص ۵۳۰

(۱۰۱) پیدائش ۱۳ : ۱۰

(۱۰۲) مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۵۴۰

(۱۰۳) مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۵۴۰

(۱۰۴) مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۵۴۰

(۱۰۵) مودودی تفہیم القرآن ج ۵ ص ۱۴۸

(۱۰۶) تکوین ۱۹ : ۲۷۔۲۸

(۱۰۷) تکوین ۱۹ : ۲۳۔۲۵

(۱۰۸) مفتی محمد شفیع معارف القرآن ، ادارہ المعارف کراچی ۱۹۷۳ء ج ۵ ص ۲۹۶
ادارہ معارف اسلامیہ کراچی ۱۹۸۸ء

(۱۰۹) القرآن ۲۱ : ۷۴

(۱۱۰) القرآن ۱۱ : ۷۸

(۱۱۱) القرآن ۷ : ۸۰۔۸۱

(۱۱۲) القرآن ۲۹ : ۲۹

(۱۱۳) القرآن ۱ : ۷۸۔۸۰

(۱۱۴) القرآن ۱۵ : ۶۷۔۷۶

(۱۱۵) القرآن ۷ : ۸۲

(۱۱۶) القرآن ۱۹ : ۷۵

(۱۱۷) القرآن ۲۹ : ۲۹

(۱۱۸) تلمود بحوالہ مودودی تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۲

(۱۱۹) بحوالہ مودودی تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۲ مزید دیکھئے حفظ الرحمٰن قصص القرآن
ج ۱ ص ۲۵۹

(۱۲۰) بحوالہ مودودی تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۲ مزید دیکھئے حفظ الرحمٰن قصص القرآن
ج ۱ ص ۲۵۹

(۱۲۱) نجار عبدالوہاب بحوالہ سیوہاردی قصص القرآن ج ۱ ص ۲۵۸

(۱۲۲) القرآن ۲۹ : ۲۹

(۱۲۳) القرآن ۲۶ : ۱۶۱۔۱۶۴

(۱۲۴) القرآن ۲۹ : ۲۹

(۱۲۵) القرآن ۲۹ : ۳۰

(۱۲۶) القرآن ۲۹ : ۳۴

(۱۲۷) القرآن ۲۶ : ۱۷۲۔۱۷۳

(۱۲۸) القرآن ۵۱ : ۳۳۔۳۴

(۱۲۹) القرآن ۵۴ : ۳۴

(۱۳۰) القرآن ۵۳ : ۵۴

(۱۳۱) القرآن ۷ : ۸۴

(۱۳۲) القرآن ۱۱ : ۸۲۔۸۳

(۱۳۳) القرآن ۱۵ : ۷۳۔۷۴

(۱۳۴) القرآن ۲۹ : ۳۰۔۳۲

(۱۳۵) القرآن ۱۱ : ۷۷۔۸۱

(۱۳۶) القرآن ۱۱ : ۸۲۔۸۳

القرآن ۱۵ : ۶۵۔۷۶

القرآن ۲۶ : ۱۶۱۔۱۷۵

(۱۳۷) القرآن ۲۹ : ۳۲

(۱۳۸) ابن قتیبہ کتاب المعارف بحوالہ عبدالقیوم مقالہ حضرت لوط اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۸ ص ۱۵۷

(۱۳۹) القرآن ۲ : ۱۳۶

القرآن ۳ : ۸۴

القرآن ۶ : ۸۵

(۱۴۰) تکوین ۱ : ۱۰۔۲۶

(۱۴۱) القرآن ۲۱ : ۷۲

(۱۴۲) ابن منظور لسان العرب بیروت ۱۹۸۸ء ج ۱۵ ص ۳۲۴

(۱۴۳) القران ۲۹ : ۲۷

(۱۴۴) تکوین ۳۵ : ۲۱۔۲۶

(۱۴۵) الکسائی قصص الانبیاء بحوالہ عارف محمود الحسن مقالہ یعقوب ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ
ج ۲۳ ص ۳۰۲

(۱۴۶) تکوین ۳۵ : ۲۱

(۱۴۷) القران ۲ : ۱۳۶
القران ۴ : ۱۶۳

(۱۴۸) حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۱ ص ۲۷۸

(۱۴۹) تکوین ۲۵ : ۱۹۔۲۱

(۱۵۰) تکوین ۲۵ : ۱۹۔۲۴

(۱۵۱) ابن خلدون تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۹۴

(۱۵۲) تکوین باب ۲۹، ۳۰

(۱۵۳) تکوین باب ۳۱۔۳۲

(۱۵۴) عارف محمودالحسن مقالہ یعقوب اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۰۲

(۱۵۵) القران ۱۲ : ۹۳

(۱۵۶) القران ۱۲ : ۹۶

(۱۵۷) القران ۱۲ : ۹۹

(۱۵۸) بحوالہ مودودی ج ۲ ص ۳۸۲

(۱۵۹) القران ۱۲ : ۱۵۔۱۹

(۱۶۰) القران ۱۲ : ۵۹۔۶۷

(۱۶۱) القران ۱۲ : ۸۳۔۸۸

(۱۶۳) القران ۱۲ : ۹۹۔۱۰۰

(۱۶۴) عارف محمودالحسن مقالہ یعقوب اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۰۲

(۱۶۵) القران ۲ : ۱۳۲۔۱۳۳

(۱۶۶) عارف محمود الحسن مقالہ یعقوب اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۰۲

(۱۶۷) القران ۲ : ۱۳۶

القران ۳ : ۸۴

القران ۶ : ۸۵

(۱۶۸) القران ۱۲ : ۳۸

(۱۶۹) القران ۶ : ۸۴

(۱۷۰) القران ۴۰ : ۳۴

(۱۷۱) حفظ الرحمٰن ج ۱ ص ۲۸۱

(۱۷۲) الثعلبی عرائض المجالس ص ۱۴۸، بحوالہ عارف محمود الحسن مقالہ یوسف اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۲۹

(۱۷۳) الثعلبی عرائض المجالس ص ۱۴۸، بحوالہ عارف محمود الحسن مقالہ یوسف اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۲۹

(۱۷۴) تکوین ۳۰ : ۲۴

(۱۷۵) تکوین ۳۰ : ۲۴

(۱۷۶) القران ۱۲ : ۴۔۵

(۱۷۷) القران ۱۲ : ۸۔۱۰

(۱۷۸) القران ۱۲ : ۱۱۔۱۴

(۱۷۹) القران ۱۲ : ۱۵

(۱۸۰) القران ۱۲ : ۱۶۔۱۸

(۱۸۱) القران ۱۲ : ۱۹۔۲۲

(۱۸۲) القران ۱۲ : ۳۰

(۱۸۳) تالمود بحوالہ مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۳۹۰

(۱۸۴) القران ۱۲ : ۲۳_۲۴
(۱۸۵) القران ۱۲ : ۲۵_۲۶
(۱۸۶) القران ۱۲ : ۲۶_۲۸
(۱۸۷) القران ۱۲ : ۳۰_۳۵
(۱۸۸) تکوین ۳۹ : ۲۲_۲۳
(۱۸۹) تکوین ۴۰ : ۱
(۱۹۰) القران ۱۲ : ۳۶
(۱۹۱) القران ۱۲ : ۳۶_۴۲
(۱۹۲) القران ۱۲ : ۴۳_۴۹
(۱۹۳) القران ۱۲ : ۵۰_۵۱
(۱۹۴) القران ۱۲ : ۵۴
(۱۹۵) القران ۱۲ : ۵۴_۵۶
(۱۹۶) پیدائش ۴۱ : ۴۹ و باب ۴۲ : ۱_۲
(۱۹۷) القران ۱۲ : ۵۹_۶۷
(۱۹۸) القران ۱۲ : ۶۸_۸۷
(۱۹۹) القران ۱۲ : ۸۸_۹۳
(۲۰۰) القران ۱۲ : ۹۴_۹۸
(۲۰۱) القران ۱۲ : ۹۹_۱۰۱
(۲۰۲) القران ۴۰ : ۳۴
(۲۰۳) پیدائش ۵ : ۲۲_۲۶
(۲۰۴) خروج ۱۳ : ۱۹
(۲۰۵) عارف محمود الحسن مقالہ یوسف بن یعقوب اردو دائرہ معارف اسلامیہ
ج ۲۳ ص ۳۴۰

(۲۰۶) ندوی سلیمان ، ارض القران ج ۲ ص ۱

(۲۰۷) مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۵۴

(۲۰۸) مودودی تفہیم القران ج ۲ ص ۵۴ دیکھئے ندوی سلیمان ارض القران ج ۲ ص ۱

(۲۰۹) الاعراف ۷ : ۸۵

(۲۱۰) ندوی سلیمان ، ارض القران ج ۲ ص ۲۱

(۲۱۱) القران ۷ : ۸۵

(۲۱۲) القران ۲۶ : ۱۷۷

(۲۱۳) مودودی "تفہیم القران" ج ۳ ص ۵۳۱

(۲۱۴) القران ۱۵ : ۷۹

(۲۱۵) سیوہاردی حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۱ ص ۳۴۵

(۲۱۶) مودودی تفہیم القران ج ۳ ص ۵۳۱

(۲۱۷) سیوہاردی حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۱ ص ۳۴۵

(۲۱۸) سیوہاردی حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۱ ص ۳۴۵

(۲۱۹) ندوی ارض القران ج ۲ ص ۲۲

(۲۲۰) سیوہاردی قصص القران ج ۱ ص ۳۴۵

(۲۲۱) القران ۱۱ : ۸۴_۹۱

(۲۲۲) القران ۲۶ : ۱۷۶_۱۸۹

(۲۲۳) القران ۱۱ : ۸۷

(۲۲۴) بغوی معالم التنزیل بحوالہ ندوی ارض القران ج ۲ ص ۱۴

(۲۲۵) جریر ، جعفر ابن جریر طبری جامع البیان بیروت ۱۹۸۶ء ج ۷ ص ۱۰۰

(۲۲۶) القران ۷ : ۹۱_۹۳

(۲۲۷) القران ۱۱ : ۹۴_۹۵

(۲۲۸) القران ۲۹ : ۳۷

(۲۲۹) القران ۲۶ : ۱۸۵۔۱۸۹

(۲۳۰) نجار عبدالوہاب قصص الانبیاء بحوالہ سیوہاردی قصص القران ج ا ص ۳۵۴

(۲۳۱) ابن خلدون تاریخ ج ا ص ۱۴۶

نیز مزید دیکھئے چاولہ خان محمد مقالہ موسیٰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۱ ص ۷۸۳

(۲۳۲) الطبری تاریخ ج ا ص ۳۸۵

نیز بائیبل خروج باب ۶ : ۱۴۔۱۹

(۲۳۳) جمہرۃ انساب العرب ص ۵۰۴ بحوالہ چاولہ خان محمد حوالہ مذکور

(۲۳۴) ابن منظور لسان العرب ۷ : ۱۰۸

(۲۳۵) الجوالیقی المغرب ص ۳۰۲ ، طبع احمد محمد شاکر تہران ۱۹۶۶ء بحوالہ چاولہ حوالہ مذکور

(۲۳۶) دی جیوش انسائیکلو پیڈیا ۹ : ۵۶ بحوالہ چاولہ

(۲۳۷) آفندی احمد یوسف ، مصری آثارقدیمہ کی رپورٹ بحوالہ سیوہاردی حوالہ مذکور

(۲۳۸) ندوی سلیمان ارض القران ج ا ص ۱۵۱

(۲۳۹) خروج ۱۱: ۸۔۱۶

(۲۴۰) القران ۲۸ : ۴

(۲۴۱) آفندی احمد یوسف بحوالہ حفظ الرحمٰن قصص القران ج ا ص ۳۶۲

(۲۴۲) آفندی احمد یوسف بحوالہ حفظ الرحمٰن قصص القران ج ا ص ۳۶۲

(۲۴۳) القران ۲۶ : ۱۸

(۲۴۴) القران ۲۰ : ۳۷۔۳۹

القران ۲ : ۸۔۲۰

(۲۴۵) القران ۲۸ : ۹

(۲۴۶) القران ۲۰ : ۴۵

القران ۲۸ : ۱۱۔۱۲

(۲۴۷) القران ۲۸ : ۱۴

(۲۴۸) القران ۲۸ : ۱۵۔۱۷

(۲۴۹) القران ۲۸ : ۱۸۔۲۲

(۲۵۰) الطبری تاریخ ۱ : ۲۰۵ اردو ترجمہ محمد ابراہیم نفیس اکیڈمی کراچی

(۲۵۱) مودودی تفہیم القران ج ۳ ص ۶۲۶

(۲۵۲) القران ۲۸ : ۲۳۔۲۸

(۲۵۳) القران ۲۰ : ۹۔۱۰

مزید دیکھئے القران ۲۷ : ۷، القران ۲۸ : ۲۹

(۲۵۴) القران ۲۰ : ۱۱۔۱۶

مزید دیکھئے القصص ۲۸ : ۳۰

القران ۲۷ : ۸۔۹

(۲۵۵) القران ۲۰ : ۱۷۔۲۳

القران ۲۷ : ۱۰۔۱۲

القران ۲۰ : ۳۱۔۳۲

(۲۵۶) القران ۲۶ : ۱۰۔۱۷

(۲۵۷) القران ۴۴ : ۱۸۔۱۹

القران ۷ : ۱۰۴۔۱۰۵

(۲۵۸) القران ۲۶ : ۲۰۔۲۲

(۲۵۹) القران ۲۶ : ۲۴

(۲۶۰) القران ۲۰ : ۵۰

(۲۶۱) القران ۲۶ : ۲۵۔۲۶

(۲۶۲) القران ۲۰ : ۵۱

(۲۶۳) القران ۲۰ : ۵۲

(۲۶۴) القران ۲۶ : ۲۷

(۲۶۵) القران ۲۶ : ۲۹

(۲۶۶) القران ۲۶ : ۳۰۔۳۵

القران ۷ : ۱۰۶۔۱۱۰

(۲۶۷) القران ۲۰ : ۵۹ اسے یوم الزینۃ کہا گیا ہے

(۲۶۸) القران ۲۶ : ۳۶۔۴۰

القران ۲۰ : ۶۰

(۲۶۹) القران ۲۶ : ۴۱۔۴۲

القران ۷ : ۱۱۳۔۱۱۴

(۲۷۰) القران ۷ : ۱۱۵۔۱۱۶

القران ۲۶ : ۴۳۔۴۴

(۲۷۱) القران ۲۰ : ۶۶۔۶۷

(۲۷۲) القران ۷ : ۱۰۸۔۱۱۹

القران ۲۶ : ۴۰۔۴۶

(۲۷۳) القران ۲۶ : ۴۶۔۴۷

القران ۷ : ۱۲۰۔۱۲۲

(۲۷۴) القران ۷ : ۱۲۳۔۱۲۴

(۲۷۵) القران ۲۰ : ۷۲۔۷۳

القران ۷ : ۱۲۴۔۱۲۵

(۲۷۶) القران ۲۶ : ۱۲

(۲۷۷) القران ۷ : ۱۳۰۔۱۳۲

نیز دیکھئے خروج ۷ : ۱۷ تا ۲۵ و بعد

(۲۷۸) القران ۷ : ۱۳۰۔۱۳۵

القران ۴۳ : ۵۱۔۵۳

(۲۷۹) القران ۴۳ : ۵۱۔۵۳

(۲۸۰) القران ۱۰ : ۸۸۔۸۹

(۲۸۱) القران ۲۰ : ۷۷

القران ۴۴ : ۲۳۔۲۴

(۲۸۲) خروج ۱۳ : ۲۰

خروج ۱۴ : ۱۔۲

(۲۸۳) القران ۲۶ : ۵۳۔۵۴

(۲۸۴) القران ۲۶ : ۶۰۔۶۲

(۲۸۵) القران ۲۶ : ۶۳

(۲۸۶) القران ۲۰ : ۷۷

(۲۸۷) القران ۴۴ : ۲۴

(۲۸۸) القران ۷ : ۳۶

القران ۱۰ : ۹۰

القران ۲۰ : ۵۰

(۲۸۹) القران ۱۰ : ۹۰۔۹۲

(۲۹۰) مودودی ، تفہیم القران ج ۲ ص ۳۱۰

(۲۹۱) مودودی ، تفہیم القران ج ۲ ص ۳۱۰

(۲۹۲) مودودی، یہودیت ص ۴۷ اسلامک بک پبلشرز لاہور ۱۹۸۵ء

(۲۹۳) القران ۷ : ۱۳۸۔۱۴۱

(۲۹۴) القران ۲ : ۵۱

القران ۷ : ۱۴۲

(۲۹۵) القران ۷ : ۱۴۲

(۲۹۶) القران ۷ : ۱۴۵

(۲۹۷) القران ۲۰ : ۸۵،۸۷_۸۹

(۲۹۸) القران ۷ : ۱۵۰_۱۵۱

(۲۹۹) القران ۲۰ : ۹۵_۹۷

(۳۰۰) القران ۷ : ۱۵۴

(۳۰۱) القران ۲ : ۵۵

(۳۰۲) القران ۲ : ۵۵_۵۶

القران ۶ : ۱۵۵_۱۵۶

(۳۰۳) القران ۴ : ۱۵۴

القران ۷ : ۱۷۱

(۳۰۴) القران ۲ : ۴۰

القران ۷ : ۱۶۰

(۳۰۵) مودودی ، تفہیم القران ج ۱ ص ۷۹

(۳۰۶) القران ۲ : ۵۷

القران ۷ : ۱۶۰

(۳۰۷) خروج ۱۶ : ۲ واعداد ۱ : ۹۷

(۳۰۸) القران ۷ : ۱۶۰

القران ۲ : ۵۷

(۳۰۹) بائیبل گنتی باب ۱۳ : ۱_۳

(۳۱۰) القران ۵ : ۲۰_۲۹

(۳۱۱) قطب سید، فی ظلال القران ج ۲ ص ۸۷۱ دارالعلم للطباعۃ والنشر جدۃ السعودیہ ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء

(۳۱۲) مودودی ، تفہیم القران ج ۱ ص ۴۵۹

(۳۱۳) تورات گنتی باب ۱۳ ، ۱۴

(۳۱۴) تورات استثنا باب ۳۱ ، ۳۴

(۳۱۵) امام بخاری ، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح کتاب الانبیاء لاہور ۱۹۸۷ء

(۳۱۶) القران ۱۸ : ۶۰۔۸۴

(۳۱۷) مودودی ، تفہیم القران ج ۳ ص ۴۲

(۳۱۸) استثناء ۳۴ : ۱۔۸

(۳۱۹) سیوہاردی ،قصص القران ج ۲ ص ۵۸

(۳۲۰) ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص ۱۰ المکتبۃ القدوسیہ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۴ء ج ۲ ص ۱۰

(۳۲۱) سیوہاردی حوالہ مذکور ص ۲۶

(۳۲۲) القران ۲ : ۲۵۱

(۳۲۳) ابن خلدون تاریخ ج ۱ ص ۲۰۳

(۳۲۴) المؤمن ۸۳ : ۴۰

(۳۲۵) سیوہاردی قصص القران ج ۲ ص ۶۱

(۳۲۶) القران ۳۴ : ۱۰

(۳۲۷) ص ۳۸ : ۱۸۔۱۹

(۳۲۸) القران ۲۱ : ۷۹

(۳۲۹) القران ۱۷ : ۴۴

(۳۳۰) القران ۳۴ : ۱۰۔۱۱

(۳۳۱) القران ۲۱ : ۸۰

(۳۳۲) یشوع ۱۷ : ۱۶

قضاۃ ۱ : ۱۹

باب ۴ : ۲۔۳

(۳۳۳) مودودی، تفہیم القران ج ۳ ص ۱۷۵۔۱۷۶

(۳۳۴) آلوسی ،شہاب الدین آلوسی" روح المعانی فی تفسیر القران العظیم والسبع المثانی،

مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۱۱ ص ۷۱

(۳۳۵) القران ۲۷ : ۱۵۔۱۶

(۳۳۶) القران ۲۱ : ۷۹

(۳۳۷) القران ۳۸ : ۲۴۔۲۵

(۳۳۸) القران ۳۸ : ۲۱۔۲۵

(۳۳۹) بخاری ، صحیح بخاری کتاب الانبیاء

(۳۴۰) آلوسی، روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۶۲

(۳۴۱) القران ۲ : ۲۵۱

القران ۳۸ : ۲۶

القران ۲۱ : ۷۹

القران ۳۸ : ۲۰

(۳۴۲) القران ۲ : ۲۵۱

(۳۴۳) القران ۳۸ : ۱۸

(۳۴۴) مودودی ، تفہیم القران ج ۴ ص ۳۲۳

(۳۴۵) القران ۲۱ : ۱۰۵

(۳۴۶) القران ۲۴ : ۵۵

(۳۴۷) ابن کثیر ، البدایہ والنھایہ لاہور ج ۲ ص ۱۰

(۳۴۸) عبدالقادر،مقالہ زبور اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۴۴۵

(۳۴۹) رانا احسان الحق، یہودیت و مسیحیت مسلم اکادمی علامہ اقبال روڈ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۴۶

(۳۵۰) عبدالقادر حوالہ مذکور

(۳۵۱) زبور ۷۹ : ۱۔۲

(۳۵۲) مودودی، تفہیم القران ج ۱ ص ۴۲۴۔۴۲۵

(۳۵۳) راغب اصفہانی مفردات ص ۲۱۱ ذیل مادہ

(۳۵۴) القران ۲۱ : ۱۰۵

(۳۵۵) عبدالقادر، زبور حوالہ مذکور ص ۴۴۶

(۳۵۶) القران ۴ : ۱۶۳

القران ۱۷ : ۵۵

(۳۵۷) سیوہاردی، قصص القران ج ۲ ص ۶۲

(۳۵۸) القران ۷ : ۸۵

(۳۵۹) ندوی سلیمان ارض القران ج ۱ ص ۲۳۷

(۳۶۰) بائیبل کتاب التواریخ ثانی باب ۹ : ۳۰

مزید دیکھئے مودودی، یہودیت ص ۱۳۹

(۳۶۱) القران ۲۱ : ۷۹

(۳۶۲) القران ۲۷ : ۱۶

(۳۶۳) القران ۲۷ : ۱۵۔۱۶

(۳۶۴) القران ۲۷ : ۲۰۔۴۴

(۳۶۵) القران ۳۸ : ۳۶

(۳۶۶) القران ۳۴ : ۱۲

(۳۶۷) القران ۲۱ : ۸۱

(۳۶۸) القران ۱۰ : ۲۲

(۳۶۹) القران ۳۴ : ۱۲

(۳۷۰) القران ۳۸ : ۳۶

(۳۷۱) مودودی، تفہیم القران ج ۳ ص ۱۷۶

(۳۷۲) القران ۳۴ : ۱۲۔۱۳

(۳۷۳) القران ۳۴ : ۱۴

(۳۷۴) القران ۲۱ : ۸۳

(۳۷۵) ا۔ ملوک ٦ : ۱۔۲

(۳۷٦) ا۔ ملوک باب ٦۔۷

(۳۷۷) سبا ۳۴ : ۱۲۔۱۳

(۳۷۸) القران ۱۲ : ۸۲

(۳۷۹) القران ۳۴ : ۱۲

(۳۸۰) ا۔ ملوک ۷ : ۱۳۔۱۸

(۳۸۱) ا۔ملوک ۷ : ۱۴۔۱۵

(۳۸۲) سیوہاردی، حفظ الرحمٰن "قصص القران" ج ۱ ص ۱۱۱

(۳۸۳) مودودی، تفہیم القران ج ۳ ص ۱۷٦

(۳۸۴) مودودی، تفہیم القران ج ۳ ص ۱۷۹

(۳۸۵) ص ۳۸ : ۳۱۔۳۳

(۳۸٦) ابو جعفر محمد بن جریر طبری " جامع البیان عن تاویل ای القران"
دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۴ء ج ۱۲ ص ۱۵۵

(۳۸۷) الرازی، امام فخرالدین محمد رازی مفاتیح الغیب ایران، سن ندارد ج ۲۵ ص ۱۹۱
قم ایران ۲۵ : ۱۹۱

(۳۸۸) القران ۳۸ : ۳۴۔۳۵

(۳۸۹) امام بخاری، صحیح بخاری کتاب الانبیاء

(۳۹۰) ا۔ ملوک ۱۱ : ۱۔۴۰

(۳۹۱) ابن کثیر، تفسیر قدیمی کتب خانہ کراچی ج ۴ ص ۳٦

(۳۹۲) رازی تفسیر کبیر ج ۲۵ ص ۱۹۴ بعدہ

(۳۹۳) القران ۲۷ : ۱۵۔۱۹

(۳۹۴) ندوی سلیمان ،ارض القران ج ۱ ص ۲۳٦۔۲۳۷

(۳۹۵) زبور ۷۲ : ۱۵، حزقیال ۲۷ : ۲۲

اشعیا ۶۰ : ۶ ، یرمیاہ ۶ : ۲۰

(۳۹۶) ندوی سلیمان ،ارض القران ج ا ص ۲۳۸

(۳۹۷) متی ۱۲ : ۴۲

لوقا ۱۱ : ۳۱

(۳۹۸) سیوہاردی، قصص القران ج ۲ ص ۱۴۰

(۳۹۹) ندوی سلیمان، ارض القران ج ا ص ۲۳۷

(۴۰۰) زبور ۷۲ : ۱۰

(۴۰۱) ندوی سلیمان، ارض القران ج ا ص ۲۳۷

(۴۰۲) ندوی سلیمان، ارض القران ج ا ص ۲۳۷

(۴۰۳) ندوی سلیمان، ارض القران ج ا ص ۲۴۶

(۴۰۴) القران ۲۷ : ۲۰۔۲۴

(۴۰۵) ندوی سلیمان، ارض القران ج ا ص ۲۷۲۔۲۷۳

(۴۰۶) القران ۳۴ : ۱۵۔۱۷

(۴۰۷) سیوہاردی حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۲ ص ۱۶۳

(۴۰۸) القران ۲ : ۹۹۔۱۰۲

(۴۰۹) القران ۳۴ : ۱۴

(۴۱۰) ا۔ ملوک ۱۱ : ۴۲۔۴۳

۲۔ اخبار ۹ : ۳۰۔۳۱

(۴۱۱) سیوہاردی، قصص القران ج ۲ ص ۱۷۰

(۴۱۲) القران ۳۸ : ۹۹۔۴۴

(۴۱۳) القران ۴ : ۱۶۳

القران ۶ : ۸۴

(۴۱۴) القران ۲۱ : ۸۳۔۸۴

القرآن ۳۸ : ۴۱-۴۴

(۴۱۵) آلوسی، روح المعانی ج ۱۲ ص ۲۰۵

(۴۱۶) آزاد ابوالکلام ،ترجمان القرآن مشتاق پبلشرز لاہور ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۴۸۶

(۴۱۷) بخاری، صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۳

(۴۱۸) آلوسی حوالہ مذکور

(۴۱۹) سیوہاروی قصص القرآن ج ۲ ص ۱۸۲

(۴۲۰) آزاد ابوالکلام حوالہ مذکور

(۴۲۱) آلوسی روح المعانی حوالہ مذکور

(۴۲۲) ندوی سلیمان، ارض القرآن ج ۲ ص ۳۶

(۴۲۳) القرآن ۲۱ : ۸۳-۸۴

(۴۲۴) القرآن ۳۸ : ۴۱-۴۴

(۴۲۵) مودودی، تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۴۰

(۴۲۶) قطب محمد "فی ظلال القرآن" ج ۵ ص ۲۲ بعد

(۴۲۷) ابن کثیر تفسیر ج ۴ ص ۴۰

(۴۲۸) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۱۹۵

(۴۲۹) ندوی سلیمان ارض القرآن ج ۲ ص ۳۹

(۴۳۰) سفر اعمال ۲ : ۹

(۴۳۱) ابن کثیر تفسیر ج ۴ ص ۴۰

(۴۳۲) قطب محمد فی ظلال القرآن ج ۵ ص ۲۲-۳۰

(۴۳۳) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۱۹۴-۱۹۵

(۴۳۴) بخاری ، صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۴۴۶

نیز ابن کثیر البدایہ والنھایہ ج ۱۱ ص ۲۳۶

(۴۳۵) یونس باب ۱ : ۱

(۴۳۶) یونس باب ۱ : ۱

(۴۳۷) یونس باب ۱ : ۱

(۴۳۸) عبدالقیوم مقالہ حضرت یونس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۴۹

(۴۳۹) مودودی، تفہیم القران ج ۲ ص ۳۱۲

(۴۴۰) بخاری، صحیح بخاری کتاب الانبیاء

(۴۴۱) ابن کثیر ،البدایہ والنھایہ ج ۱ ص ۲۳۶

(۴۴۲) عبدالقادر موضح القران تاج کمپنی لاہور ۱۹۸۶ء تفسیر سورہ الانبیاء ایت ۸۷

(۴۴۳) عبدالقیوم حوالہ مذکور ص ۳۴۹

(۴۴۴) القران ۴ : ۱۶۳

القران ۶ : ۸۶

القران ۱۰ : ۹۸

القران ۳۷ : ۱۳۹

(۴۴۵) القران ۱۰ : ۹۸

(۴۴۶) القران ۲۱ : ۸۷_۸۸

(۴۴۷) القران ۳۷ : ۱۳۹_۱۴۸

(۴۴۸) القران ۶۸ : ۴۸_۵۰

(۴۴۹) ابن کثیر تفسیر ج ۲ ص ۴۴۳

(۴۵۰) ابن کثیر تفسیر ج ۴ ص ۲۰_۲۲

(۴۵۱) عبدالقیوم مقالہ حضرت یونس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۳ ص ۳۵۲

(۴۵۲) مودودی تفہیم القران ج ۴ ص ۳۰۸

(۴۵۳) القران ۶ : ۸۵

(۴۵۴) القران ۳ : ۳۷_۴۱

(۴۵۵) القران ۱۹ : ۲_۱۱

(۴۵۶) القران ۲۱ : ۸۹_۹۰

(۴۵۷) زکریاہ ۱۰ : ۱

(۴۵۸) سیوہاردی قصص القران ج ۲ ص ۲۵۱

(۴۵۹) القران ۳ : ۳۷_۴۱

(۴۶۰) ابن کثیر البدایہ و النھایہ ج ۲ ص ۴۷

(۴۶۱) ابن کثیر البدایہ والنھایہ ج ۲ ص ۴۷

(۴۶۲) طبری تاریخ ج ۱ ص ۵۸۵

(۴۶۳) لوقا ۱ : ۵_۶

(۴۶۴) الانعام ۶ : ۸۵

(۴۶۵) الشعراء ۲۶ : ۱۰۹

(۴۶۶) بحوالہ ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۱۱۴

(۴۶۷) محمد بن اسحٰق بحوالہ ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۵۸

(۴۶۸) القران ۳ : ۳۵_۳۷ ، ۴۴

(۴۶۹) القران ۳ : ۳۷_۴۰

(۴۷۰) القران ۳ : ۳۰_۴۱

(۴۷۱) القران ۲۱ : ۸۰

(۴۷۲) القران ۱۹ : ۲_۱۱

(۴۷۳) ابن الاثیر الکامل قاہرہ ۱۳۴۸ھ ۱ : ۱۶۹_۱۷۴

(۴۷۴) مریم ۱۹ : ۲_۱۱

ال عمران ۳ : ۳۸_۴۱

(۴۷۵) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۵۸

(۴۷۶) مریم ۱۹ : ۱۵

(۴۷۷) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۱۱۶

(۴۷۸) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۱۱۶

(۴۷۹) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۳۶۱

(۴۸۰) ابن کثیر تفسیر ج ۳ ص ۳۶۱

(۴۸۱) القرآن ۱۹ : ۸

(۴۸۲) القرآن ۱۹ : ۱۲۔۱۳

(۴۸۳) ابن کثیر، تفسیر ج ۳ ص ۱۱۷

(۴۸۴) القرآن ۱۹ : ۱۷

(۴۸۵) القرآن ۳ : ۳۹

(۴۸۶) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۶۱

(۴۸۷) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۶۱

(۴۸۸) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۶۱

(۴۸۹) لوقا باب ۱، ۳

لوقا ۴ : ۲۶

(۴۹۰) یوحنا ۱ : ۲۳ ، لوقا ۳ : ۳

متی ۳ : ۵۔۶

(۴۹۱) مرقس ۱ : ۴۔۵

(۴۹۲) متی ۲۱ : ۲۶

(۴۹۳) متی ۱۱ : ۱۱

(۴۹۴) متی ۳ : ۴

(۴۹۵) متی ۳ : ۲

(۴۹۶) متی ۹ : ۱۴ ، لوقا ۵ : ۳۳

(۴۹۷) لوقا ۴ : ۱۰۔۱۴

(۴۹۸) متی ۳ : ۷۔۱۰

(۴۹۹) القران ۳ : ۳۱

(۵۰۰) القران ۱۹ : ۱۲_۱۶

(۵۰۱) القران ۱۹ : ۷

(۵۰۲) القران ۲۱ : ۸۹_۹۰

(۵۰۳) ابن کثیر الہدایہ والنھایہ ج ۲ ص ۵۲

(۵۰۴) لوقا ۳ : ۳

(۵۰۵) ابن کثیر حوالہ مذکور

(۵۰۶) طبری تاریخ ج ۲ ص ۴۵

(۵۰۷) مرقس ۶ : ۱۴_۲۹

(۵۰۸) القران ۲ : ۶۱

القران ۳ : ۲۰_۲۱

(۵۰۹) ابن کثیر، تفسیر ج ۱ ص ۲۳۵

باب سوم

فصل اول۔ حیات مسیح کے اہم پہلو

ولادت مسیح بروئے اناجیل اربعہ

جناب مسیح کی پیدائش کے واقعات تحریر کرنے سے پہلے جناب یوحنا (حضرت یحییٰؑ) کی ولادت کے حالات بیان کرنا پس منظر کے طور پر ضروری سمجھے جاتے ہیں کیونکہ دونوں کی ولادت ایک لحاظ سے معجزانہ طور پر ہوئی ہے۔ حضرت مسیح کی ولادت عام انسانی قاعدے سے ہٹ کر بغیر مرد کے ہوئی تو جناب یوحنا بانجھ خاتون سے اس وقت پیدا ہوئے جبکہ ان کے والدین بڑھاپے کی اس عمر میں داخل ہو چکے تھے جس میں ولادت ناممکن ہوتی ہے آپ جناب مسیح سے چھ ماہ پہلے ہوئے۔ (1)

ولادت یوحنّا

اناجیل اربعہ میں اس کا ذکر صرف مقدس لوقا میں تفصیل سے ملتا ہے۔ وہ اس طرح ہے "شاہ یہودیہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابی یاہ کے فریق میں سے (ہارون کے خاندان سے) زکریا نامی ایک کاہن (Priest) تھا اور اس کی بیوی ہارون کی بیٹیوں میں سے تھی اور اس کا نام الیصابات تھا اور وہ دونوں خدا کے نزدیک راست باز تھے پر خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے اور ان کے ہاں کوئی بچہ نہ تھا کیونکہ الیصابات بانجھ تھیں اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔

اور ایسا ہوا کہ جب وہ خدا کے حضور میں اپنی فریق کی باری پر فرائض کہانت ادا کرتا تھا تو کہانت کے دستور پر اس کا قرعہ نکلا کہ خداوند کی ہیکل میں جا کر لوبان جلائے اور لوگوں کی ساری جماعت لوبان جلاتے وقت باہر دعا کر رہی تھی۔

تب اس کو خداوند کا ایک فرشتہ لوبان کی قربان گاہ کے داھنی طرف کھڑا ہوا دکھائی دیا اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اس پر دہشت چھا گئی مگر فرشتے نے اس سے کہا کہ اے زکریا نہ ڈر کیونکہ تیری دعا سنی گئی ہے اور تیری بیوی الیصابات کے تیرے لئے بیٹا ہوگا تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی اور خرمی ہوگی۔ اور بہتیرے اس کی پیدائش کے سبب سے شادمان ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بڑا ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور نشہ پئیے گا اور اپنے ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا اور بنی اسرائیل میں سے اکثروں کو خداوند ان کے خدا کی طرف رجوع کرائے گا اور وہ اس کے آگے آگے الیاس کی سی روح اور قوت میں چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور سرکشوں کو راست بازوں کی دانائی کی طرف اور خداوند کیلئے ایک مستعد قوم تیار کرے گا اور زکریا نے فرشتے سے کہا میں اس کو کیونکر جانوں میں تو بوڑھا ہوں اور میری بیوی کی بھی بڑی عمر ہے فرشتے نے جواب میں اس سے کہا میں جبرائیلؑ ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تجھ سے کلام کروں اور ان باتوں کی خوشخبری تجھے دوں اور دیکھ جس وقت تک یہ باتیں واقع نہ ہوں تو گونگا ہوگا اور بول نہ سکے گا اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔

اور لوگ زکریا کی راہ دیکھتے تھے اور ہیکل میں اس کے دیر کرنے سے تعجب کرتے تھے جب وہ باہر آیا تو وہ ان سے بول نہ سکا اور وہ سمجھ گئے کہ اس نے ہیکل میں کوئی رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے تو کرتا تھا پر گونگا ہی رہا اور جب اس کی خدمت کے دن پورے ہو گئے تو وہ اپنے گھر چلا گیا اور ان دنوں کے بعد اس کی بیوی الیصابات حاملہ ہوئی اور وہ پانچ مہینے تک یوں کہہ کر چھپتی رہی کہ یوں خداوند نے میرے لئے کیا ہے جب ان دنوں میں آدمیوں کے سامنے میری رسوائی دور کرنے کیلئے نظر کی۔(2)

ان ہی تفصیلات کے درمیان بی بی مریم کا ذکر بھی آجاتا ہے کہ جب فرشتہ جبرائیل انہیں حمل کی اطلاع دیتا ہے اس پر وہ چونک پڑتی ہے کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس پر فرشتہ انہیں تسلی دیتا ہے کہ یہ سب خدا کی قدرت سے ہوگا اور جناب یوحناؑ کی پیدائش معجزانہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے " دیکھ تیری رشتہ دار الیصابات کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونے والا ہے اور یہ اس کا جو بانجھ کہلاتی تھی۔ چھٹا مہینہ ہے کیونکہ خدا کی کوئی بات ہرگز بے قدرت نہ ہوگی۔

"اور انہی دنوں میں مریم اٹھ کر جلدی سے کوہستان میں یہودہ کے ایک شہر کو گئی اور زکریا کے گھر میں داخل ہو کر الیصابات کو سلام کیا اور جونہی الیصابات نے مریم کا سلام سنا تو بچہ اس کے بطن میں اچھل پڑا اور الیصابات روح القدس سے بھر گئی اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگی کہ تو عورتوں میں مبارک ہے اور تیرے بطن کا پھل مبارک ہے اور میرے لئے یہ بات کیسے ہوئی کہ میرے خداوند کی ماں میرے پاس آئی کیونکہ دیکھ جونہی تیرے سلام کی آواز میرے کان میں پہنچی تو بچہ میرے بطن میں خوشی سے اچھل پڑا" (3)

اب الیصابات کے وضع حمل کا وقت آن پہنچا اور اس کے بیٹا ہوا اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سن کر خداوند سے اس پر بڑی رحمت کی اس کے ساتھ خوشی منائی اور وہاں آٹھویں دن بچہ کا ختنہ کرنے آئے اور اس کے باپ کے نام پر اس کا نام زکریا رکھنے لگے مگر اس کی ماں بول اٹھی اور کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا ہے انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے گھرانے میں کسی کا یہ نام نہیں تب انہوں نے اس کے باپ کو اشارہ کیا کہ تو اس کا کیا نام رکھنا چاہتا ہے اس نے تختی منگوا کر لکھا کہ یوحنا اس کا نام ہے اور سب نے تعجب کیا اور اسی دم اس کا منہ اور اس کی زبان کھل گئی اور وہ بولنے اور خدا کی تعریف کرنے لگا تب ان کے آس پاس کے سارے رہنے والوں پر ڈر چھا گیا اور یہودیہ کے تمام کوہستان میں ان سب باتوں کا چرچا پھیل گیا اور سب سننے والوں نے ان کو اپنے دل میں رکھ کر کہا کہ یہ بچہ کیسا ہونے والا ہے ؟ کیونکہ یقیناً خداوند کا ہاتھ اس پر تھا اور اس کا باپ زکریا روح القدس سے معمور ہوا۔(4)

جناب یوحنا کی پیدائش کا ذکر جناب مسیحؑ کے پس منظر میں بیان ہوا ہے اور لوگوں کو بتایا جارہا ہے کہ اگر بڑھاپے کہ آخری حصہ میں زکریا اور ان کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہو سکتا ہے تو مریم کے ہاں بھی عام انسانی قاعدے کے ہٹ کر بغیر مرد کے حضرت مسیحؑ کی ولادت بھی ہو سکتی ہے۔

ولادت مسیحؑ

اناجیل متی اور لوقا میں مسیحؑ کی ولادت کا ذکر موجود ہے۔ لیکن مرقس اور یوحنا کی اناجیل اس بارے میں خاموش ہیں۔ متی اور لوقا کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کو فرشتہ نے حمل کی اطلاع دی اور کہا کہ تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام یسوع رکھنا۔ مریم گھبرا گئی اور کہا کہ میں نے آج تک کسی مرد کو بھی نہیں دیکھا فرشتہ نے کہا کہ آپ کو روح القدس کے ذریعے حمل ہوگا آپ کے نسبتی خاوند کا نام یوسف تھا مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور بی بی مریم روح القدس کے ذریعے حمل ہونے کے وقت تک کنواری تھیں متی کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں

"اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کیساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی تب اس کا شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے رسوا کرنا نہیں چاہتا تھا ارادہ کیا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے وہ ان باتوں کی سوچ میں ہی تھا کہ دیکھو خداوند کے فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی بیوی مریم کو اپنے پاس لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو اس کے اندر پیدا کیا گیا ہے وہ روح القدس سے ہے اور اس سے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنی امت کو ان کے گناہوں سے بچائے گا یہ سب کچھ ہوا تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ دیکھو کنواری حاملہ ہو گی اور اس سے بیٹا ہوگا اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے (خدا ہمارے ساتھ ہے) تب یوسف نے نیند سے اٹھ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتے نے اس سے فرمایا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے پاس لے آیا اور اس کو نہ جانا جب تک کہ وہ بیٹا نہ جنی اور اس نے اس کا نام یسوع رکھا۔ (5)

لوقا میں یسوع کی ولادت کی تفصیلات اس طرح بیان ہوئی ہیں

"(اور جب حضرت زکریا کی بیوی کو) چھٹے مہینے (کا حمل ہو گیا تو) جبرائیلؑ فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں بھیجا جس کا نام ناصرت تھا داؤد کے گھرانے کی ایک کنواری کے پاس جس کی منگنی یوسف نامی ایک مرد سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام اے پر فضل خداوند تیرے ساتھ ہے تو عورتوں میں مبارک ہے اور وہ اس کے کلام سے گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے اور فرشتے نے اس سے کہا اے مریم نہ ڈر کیونکہ تو نے خدا کے نزدیک فضل پایا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہو گی اور تیرے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھے گی وہ بڑا ہوگا اور حق تعالی کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اس کو دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے میں ہمیشہ تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔ تب مریم نے فرشتے سے کہا یہ کس طرح ہوگا جبکہ میں مرد سے ناواقف ہوں اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور حق تعالی کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ قدوس مولود خدا کا بیٹا کہلائے گا اور دیکھ تیری رشتہ دار الیصابات کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونے والا ہے اور یہ اس کا جو بانجھ کہلاتی تھی چھٹا مہینہ ہے کیونکہ خدا کی کوئی بات ہرگز بے قدرت نہ ہو گی اور مریم نے کہا دیکھ میں

خداوند کی بندی ہوں میرے لئے تیرے قول کے موافق ہو تب فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔(6)

"اور ان دنوں میں یوں ہوا کہ اوغسطس قیصر کی طرف سے فرمان نکلا کہ ساری آبادی کے لوگوں کے نام لکھے جائیں تب سب لوگ اپنے اپنے شہر کو نام لکھوانے گئے اور یوسف بھی جلیل کے شہر ناصرت سے یہودیہ میں داؤد کے شہر کو گیا جو بیت لحم کہلاتا ہے اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا تاکہ اپنی منکوحہ مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے اور جب وہ وہاں تھے تو اس کے وضع حمل کا وقت آن پہنچا اور اس کا پہلوٹا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اسے کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کیلئے سرائے میں جگہ نہ تھی" (7)

یسوع کی جائے پیدائش

یسوع کی جائے پیدائش یہودیہ کی بیت الحم میں بتائی گئی ہے یہ یروشلم کے جنوب مغرب میں پانچ میل پر ایک قصبہ ہے جو حبرون اور مصر کی شاہراہ پر یہودیہ کے کوہستان سطح سمندر سے ۲۲۵۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ یرمیا (نبی) کے زمانے میں بیت الحم کے نزدیک ایک سرائے تھی جو مصر جانے کا مقام تھا یسوع کی پیدائش بیت لحم کے نزدیک غار میں ہوئی یہاں ایک شاندار چرچ تعمیر کر دیا گیا۔ (۳۳۰ ہجری چھٹی صدی عیسوی میں) موجودہ بیت لحم کی آبادی دس ہزار ہے اس کے ڈھلوان پر انگور، زیتون، انجیر بہت پیدا ہوتا ہے۔(8)

مقدس متی میں ہے کہ "اور جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے وقت یہودہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو مشرق کے کئی مجوسیوں (نجومی) نے یروشلم میں آکر کہا کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے کیونکہ ہم نے اس کا مشرق میں ستارہ دیکھا اور اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔ جب ہیرودیس بادشاہ نے یہ سنا تب وہ اور اس کے تمام لوگ گھبرا گئے تب اس نے سب سردار کاہنوں اور قوم کے فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہونا چاہئے انہوں نے اس سے کہا کہ یہودہ کے بیت لحم میں(9)"

چرواہوں کا سجدہ

اسی علاقہ میں چرواہے تھے جو رات کو میدان میں رہتے اور اپنے گلے کی نگہبانی کرتے تھے اور دیکھو خداوند کا ایک فرشتہ ان کے پاس آکھڑا ہوا اور خداوند کی تجلی ان کے چوگرد چمکی اور وہ نہایت ڈر گئے تب فرشتے نے ان سے کہا ڈرمت کیونکہ دیکھو میں تمہیں بڑی خوشی کی بشارت دیتا ہوں جو ساری امت کیلئے ہوگی کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا وہ مسیح خداوند ہے اور اس کا نشان تمہارے لئے یہ ہوگا کہ تم ایک ننھے بچے کو کپڑے میں لپٹا اور چرنی میں پڑا ہوا پاؤ گے اور یکا یک اس فرشتے کیساتھ آسمانی لشکر ایک جماعت خدا کی تعریف کرتی اور یہ کہتی ظاہر ہوئی کہ عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر نیک ارادے کے آدمیوں کیلئے امن اور جب فرشتے ان کے پاس سے آسمان پر چلے گئے تو چرواہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم بیت لحم کو جائیں اور اس بات کو دیکھیں جو ہوئی ہے اور جس کی خداوند نے ہمیں خبر دی ہے بس وہ جلدی سے گئے

اور مریم اور یوسف کو اور اس ننھے بچے کو چرنی میں پڑا پایا اور دیکھ کر وہ بات بتائی جو اس بچے کے حق میں ان سے کہی گئی تھی اور سب سننے والوں نے ان باتوں پر تعجب کیا جو چرواہوں نے ان سے کہیں پر مریم ان سب باتوں کو حفظ کر کے ان پر اپنے دل میں غور کرتی رہی اور چرواہے ان سب باتوں کیلئے خدا کی تمجید اور حمد کرتے ہوئے لوٹ گئے جو انہوں نے ویسی ہی سنی اور دیکھی جیسا ان سے کہا گیا تھا۔(10)

یسوعؑ کا نام

پیدائش کے آٹھویں دن یسوع کا نام فرشتے کی ہدایت کے مطابق یسوع رکھا گیا۔ لوقا کی انجیل میں ہے جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کی ختنہ کا وقت قریب آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتے نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔ (11)

مسیحؑ کی تصدیق

مسیحؑ کی تصدیق ولادت کے بعد شمعون نامی خدا پرست بزرگ نے اس طرح کی "جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تا کہ خداوند کے آگے حاضر کریں (جیسا کہ خداوند کی شریعت میں لکھا ہے کہ ہر ایک پہلوٹھا خداوند کیلئے مقدس ٹھہرے گا) اور خداوند کی شریعت کے اس قول کے مطابق قربانی کریں کہ قمریوں کا ایک جوڑا یا کبوتر کے دو بچے لاؤ اور دیکھو یروشلم میں شمعون نامی ایک آدمی تھا وہ آدمی راست باز اور خدا ترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا۔ اور روح القدس اس پر تھا اور اس کو روح القدس سے آگاہی ہوئی تھی جب تک تو خداوند مسیح کو دیکھ نہ لے موت کو نہ دیکھے گا وہ روح کی ہدایت سے ہیکل میں آیا اور جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے تا کہ اس کیلئے شریعت کے دستور پر عمل کریں تو اس نے اسے اپنی گود میں لیا اور خدا کی حمد کر کے کہا کہ اے مالک اب تو اپنے خادم کو اپنے قول کے موافق رخصت کرتا ہے کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے جو تو نے سب امتوں کی روبرو تیار کی ہے تا کہ غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور اور تیری امت اسرائیل کا جلال ہے اور اس کا باپ اور اس کی ماں ان باتوں پر جو اس کے حق میں کہی جاتی تھیں تعجب کرتے تھے اور شمعون نے ان کیلئے دعا خیر کی اور اس کی ماں مریم سے کہا دیکھو یہ اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اٹھنے کیلئے اور ایسا نشان ہونے کیلئے مقرر ہوا ہے کہ جس کی مخالف کی جائے گی بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھد جائے گی تا کہ بہت لوگوں کے دلوں کے خیال کھل جائیں اور آشر کے قبیلہ سے حناہ نام فنوایل کی بیٹی ایک نبیہ تھی اور بہت عمر رسیدہ تھی اور اس نے اپنے کنوارے پن کے بعد سات برس شوہر کے ساتھ گزارے تھے وہ ۸۴ برس سے بیوہ تھی اور ہیکل سے جدا نہ ہوتی تھی بلکہ رات دن روزوں اور دعاؤں کیساتھ عبادت کیا کرتی تھی اور وہ اسی گھڑی وہاں آکر خدا کا شکر ادا کرنے لگی اور ان سب سے جو یروشلم کے رہائی کے منتظر تھے اسکی بابت باتیں کرنے لگی اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے جلیل میں اپنے شہر ناصرت کو پھر گئے (12)

مصر کی ہجرت

ہیرودیس بادشاہ وقت کو نجومیوں نے بتایا کہ مسیح پیدا ہو گیا اس لئے اس بچے کو قتل کے در پے ہو گیا کہ کہیں یہ اس کی بادشاہی ختم نہ کر دے اسی لئے "ایک فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور وہاں رہ جب تک تجھے میں نہ کہوں کیونکہ ایسا ہو گا کہ ہیرودیس بچے کو ڈھونڈے گا تا کہ اسے ہلاک کرے تب وہ اٹھ کر رات ہی کو بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔ ہیرودیس کے مرنے تک وہی رہا تا کہ خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا۔(13)

بچوں کا قتل

ہیرودیس نے کاہنوں اور مجوسیوں (دانشوروں) کو یوسف کی تلاش میں بھیجا انہوں نے یوسف کی تلاش کرنے کے بعد اس کی اطلاع بادشاہ کو نہ دی بلکہ اسے چکر دیئے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اس پر ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ مذاق کیا تو اس پر بہت غصہ ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی تمام سرحدوں کے اندر ان تمام لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو دو برس یا اس سے چھوٹے تھے اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے دریافت کیا تھا۔(14)

ناصرت کی واپسی

ہیرودیس کے مرنے پر یوسف اور مریم اور یسوع کو اپنے شہر ناصرت لے آئے یہ شہر یروشلم سے ستر میل شمال کی طرف ہے(15) یسوع مسیح کی زندگی کی ۳۰ سال اسی مقام پر گزرے ہیں ناصرت کو واپسی کا ذکر مقدس متی میں اس طرح آیا ہے۔

"جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے ایک فرشتے نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اسرائیل کے ملک میں جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے ہیں تب وہ اٹھا بچے اور اس کی ماں کو لے اسرائیل کے ملک میں آیا مگر جب سنا کہ کیلاؤس اپنے باپ کے ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں آگاہی پا کر جلیل کے علاقے کو روانہ ہو گیا اور ناصرت نامی ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔(16)

یوحنا کی شہادت مسیح

جناب یوحنا حضرت مسیح کے بارے میں پیش گوئی فرماتے تھے اور وہ ایک آنے والے کے بارے میں خوش خبری سناتے تھے یوحنا نے کہا "میں تو تمہیں توبہ کیلئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے قوی تر ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے بھی لائق نہیں ہوں وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں اور وہ

اپنے کھلیان کو خوب صاف کریگااور اپنے گہیوں کو' کھتے میں جمع کرے گا پر بھوسے کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھتی نہیں۔

"یہودیوں نے یوحنا کے پاس کاہن بھیجے کے تو کیا مسیح ہے یا الیاس ؟اس نے انکار کیا پھر اس سے پوچھا تو اصطباغ کیوں دیتا ہے اس نے کہا میں پانی سے اصطباغ دیتا ہوں میرے بعد آنے والا ہے۔۔۔یوحنا نے شہادت دے کر کہا کہ میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اترتے دیکھا یوحنا نے شہادت دی کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔" (17)

"یوحنا اس کی بابت شہادت دیتا ہے اور پکار کر کہتا ہے یہ وہی تھا جس کے حق میں میں نے کہا کہ جو میرے بعد آتا ہے اور مجھ سے مقدم ٹھہرا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا اس کی معموری میں سے ہم سب نے پایا یعنی فضل پر فضل"(18)

یوحنا کی آمد کی تصدیق

جناب مسیح سے پہلے حضرت یوحنا کی آمد کی خبر اس طرح اناجیل میں بیان ہوئی ہے

"یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغامبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیرے آگے تیری راہ تیار کرے گا "(19)

یسوع کے حالات زندگی بروئے اناجیل اربعہ

ہیکل کے استادوں سے بارہ برس کی عمر میں سوال جواب

"اس کے والدین ہر سال عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہو گیا تو وہ عید کے دستور کے مطابق یروشلم کو گئے اور جب ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا مگر اس کے ماں باپ کو خبر نہ تھی بلکہ وہ یہ سمجھ کر کہ وہ قافلے میں ہے ایک منزل آگے نکل گئے اور اسے اپنے رشتے داروں اور جاننے والوں میں ڈھونڈنے لگے اور نہ پا کر اس کی تلاش میں یروشلم کو واپس گئے اور انہوں نے تین روز کے بعد اسے ہیکل میں استادوں کے درمیان بیٹھا ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے پایا۔ اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے متعجب تھے اور وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کی ماں نے اس سے کہا بیٹا تو نے ہم سے ایسا کیوں کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے کیا تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ وہ ضرور اپنے باپ کے گھر میں ہوگا۔ مگر جو بات اس نے ان سے کہی وہ اس کو نہ سمجھے۔ تب وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرت میں آیا اور ان کے تابع رہا اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں خدا اور آدمیوں کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔"(20)

آزمائش مسیحؑ

شیطان نے مختلف طریقے سے یسوع کو آزمایا آپ کی استقامت قائم رہی اور اس موقع پر بھی توحید کا درس دیا۔ اس آزمائش کا ذکر متی اور لوقا نے قدرے تفصیل سے کیا ہے جبکہ مرقس میں سرسری طور پر بیان ہوا ہے "یسوع روح القدس سے معمور ہو کر اردن سے لوٹا اور وہ روح کی ہدایت سے بیابان کو گیا۔ چالیس دن تک اور شیطان سے آزمایا جاتا رہا اور ان دنوں میں اس نے کچھ نہ کھایا اور جب پورے ہو گئے تو اسے بھوک لگی۔ تب شیطان نے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اس پتھر کو کہہ کہ روٹی بن جائے یسوع نے اسے جواب دیا لکھا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ خدا کے ہر حکم سے زندہ رہے گا۔

اور شیطان نے اسے ایک اونچے پہاڑ پر لے جا کر دنیا کی ساری مملکتیں پل بھر میں دکھائیں اور شیطان نے اس سے کہا کہ میں یہ سارا اختیار ان کی شان و شوکت تجھے دوں گا کیونکہ یہ مجھ کو سونپے گئے ہیں اور جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں پس اگر تو میرے آگے سجدہ کرے تو سب تیرا ہوگا۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا لکھا ہے

تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر
اور صرف اسی کی عبادت کر

پھر وہ اسے یروشلم میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے آپ کو یہاں سے

نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ اس نے اپنے فرشتوں کو تیری بابت حکم کیا کہ تیری حفاظت کریں۔ اور وہ تجھ کو ہاتھوں پر اٹھالیں گے ایسا نہ ہو کہ تیری پاؤں کو کسی پتھر سے چوٹ لگے اور یسوع نے جواب دیا میں اس سے کہا۔ کہا گیا ہے کہ تو خدا وند اپنے خدا کو مت آزما۔ اور شیطان جب طرح طرح کی آزمائشیں ختم کرچکا تو مقررہ وقت تک اس سے الگ رہا۔(21)

اعلانیہ زندگی کا آغاز

یوحنا کی گرفتاری کے بعد یسوع جلیل آیا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا وقت پورا ہوا اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ۔

اور جلیل کی جھیل کے کنارے کنارے جاتے ہوئے اس نے شمعون (پطرس) اور اور شمعون کے بھائی اندریاس کو جھیل میں جال ڈالتے دیکھا کیونکہ وہ ماہی گیر تھے اور یسوع نے ان سے کہا میرے پیچھے ہو لو۔ تو میں تمہیں آدم گیر بناؤں گا اور وہ وہیں اپنے جالوں کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے اور وہاں سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر اس نے یعقوب بن زبدی اور اس کے بھائی یوحنا کو بھی کشتی پر دیکھا جو جالوں کی مرمت کرتے تھے اس نے فوراً انہیں بلایا اور وہ اپنے باپ زبدی کو کشتی پر مزدوروں کے ساتھ چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔(22)

اصطباغ مسیح ؑ

یسوع جلیل سے اردن کے کنارے یوحنا کے پاس آیا تا کہ اس سے بپتسمہ پائے لیکن یوحنا نے اسے منع کر کے کہا کہ میں تجھ سے بپتسمہ پانے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا اب ہونے دے کیونکہ ہمیں مناسب ہے کہ یونہی ساری راستی پوری کریں تب اس نے ہونے دیا اور یسوع بپتسمہ پا کر فی الفور پانی سے نکل کر اوپر آیا اور دیکھو اس کیلئے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور دیکھو آسمان سے ایک آواز یہ کہتی ہوئی آئی کہ یہ میرا بیٹا ہے المحبوب جس سے میں خوش ہوں۔(23)

یوحنا اصطباغی کا قید خانہ سے یسوع سے رابطہ

ہیرودیس رئیس ربع نے اپنے بھائی کی بیوی ہیرودیاس کو ناجائز طور پر رکھا ہوا تھا یوحنا نے اسے سمجھایا اور ملامت کی اس پر بادشاہ نے اسے قید کر دیا(24)

"اب یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا بیان سن کر اپنے شاگردوں کی معرفت اسے پچھوا بھیجا کہ کیا جو آنے والا ہے تو ہی ہے یا ہم کسی اور کی راہ دیکھیں یسوع نے جواب میں ان سے کہا جو کچھ تم سنتے ہو اور دیکھتے ہو جا کر یوحنا سے بیان کرو اندھے دیکھتے اور لنگڑے چلتے ہیں اور کوڑھی پاک صاف کئے جاتے' بہرے سنتے ہیں۔ مردے زندہ کئے جاتے ہیں اور مسکینوں کو خوشخبری دی جاتی ہے اور مبارک ہے جو میرے سبب سے ٹھوکر نہ کھائے" (25)

قتل یوحنّا

"اس وقت رئیس ربع ہیرودیس نے یسوع کی شہرت سنی اور اپنے خادموں سے کہا کہ یہ یوحنا اصطباغی ہے وہ مردوں میں جی اٹھا ہے۔ اس لئے اس سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائے فیلبوس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے یوحنا گرفتار کر کے باندھا اور قید خانے میں ڈال دیا تھا اس لئے کہ یوحنّا نے اس سے کہا تھا کہ تجھے اس کا رکھنا روا نہیں اور وہ اسے مار ڈالنا چاہتا تھا مگر عوام سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے لیکن جب ہیرودیس کی سالگرہ ہوئی تو ہیرودیاس کی بیٹی ان کے سامنے ناچی اور ہیرودیس کو خوش کیا چنانچہ اس نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ جو کچھ تو مانگے گی میں تجھے دوں گا۔ تب وہ اپنی ماں کے سکھانے سے بولی کہ یوحنا اصطباغی کا سر تھال میں یہیں مجھے دے۔ تب بادشاہ دلگیر ہوا مگر قسموں اور ہم نوالوں کے سبب سے اس نے حکم دیا کہ دے دیا جائے اور آدمی بھیج کر قید خانے میں یوحنا کا سر کٹوا بھیجا اور اس کا سر تھال میں لایا گیا اور لڑکی کو دیا گیا اور وہ اپنی ماں کے پاس لے گئی۔ تب اس کے شاگردوں نے آکر لاش اٹھائی اور اسے دفن کیا اور جا کر یسوع کو خبر دی" (26)

بڑھئی کا پیشہ

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے سیدنا مسیح بڑھئی کا کام کرتے تھے "اور پھر روانہ ہو کر وہ اپنے وطن میں آیا اور اس کے شاگرد کے پیچھے ہو لئے جب سبت کا دن آیا تو وہ عبادت خانے میں تعلیم دینے لگا اور سننے والوں میں سے اکثر حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ اسے یہ سب کچھ کہاں سے ملا اور یہ کیسی حکمت ہے جو اسے بخشی گئی۔ اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں کیا یہ وہ بڑھئی نہیں۔ ابن مریم اور یعقوب اور یوسف اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی اور کیا اس کی بہنیں ہمارے یہاں نہیں اور انہیں اس کے سبب سے ٹھوکر لگی اس پر یسوع نے ان سے کہا نبی کہیں بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر میں۔ (27)

شاگردوں کا تقرر

یسوع نے اپنے مشن کی تکمیل کیلئے شاگردوں کا تقرر کیا تا کہ اس کے پیغمبرانہ کام کو آگے بڑھایا جا سکے۔ یسوع سب شہروں اور گاؤں میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور ہر بیماری اور کمزوری دور کرتا رہا۔ اور جب اس نے ہجوم کو دیکھا تو اسے اس پر ترس آیا کیونکہ وہ ان بھیڑوں کی مانند جن کا چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پراگندہ تھا تب اس نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ فصل تو بہت ہے مگر مزدور تھوڑے ہیں اس لئے تم فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیج دے۔

پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر انہیں ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کریں اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔

پہلا نام شمعون جو پطرس کہلاتا ہے اور اس کا بھائی اندریاس۔ یعقوب بن زبدی اور اس کا بھائی یوحنا۔ فیلبوس اور برتلمائی۔ توما اور متی محصیل۔ یعقوب بن حلفائی اور تدائی۔ شمعون قانوی اور یہودہ اسخر یوطی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا(28)

لوقا میں کہا گیا ہے اس کے بعد خداوند نے ستر اور مقرر کئے اور انہیں دو دو کر کے ہر شہر اور گاؤں کو اپنے آگے بھیجا جہاں وہ خود جانے کو تھا اور وہ ان سے کہتا تھا کہ فصل تو بہت ہے پر مزدور تھوڑے ہیں اس لئے فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیج دے جاؤ اور دیکھو میں تمہیں بروں اور بھیڑیوں کے درمیان بھیجتا ہوں۔ آپ کے یہ ستر پیرو کار گاؤں گاؤں پھرنے لگے وہ یہ منادی کرتے جاتے کہ مسیح بہت جلد ان کے پاس تشریف لائیں گے جہاں کہیں بھی انہوں نے حالات ساز گار دیکھے آپ کی آمد کا اعلان کیا اور ان کے بیماروں کو شفا دی اور بد روحوں کو نکالا(29)

گلیل اور کفر نحوم میں تبلیغی خدمات

یوحنا اصطباغی کے قید کرنے کے بعد یسوع مسیح نے اپنی تعلیمات کی اشاعت شروع کر دی۔

گلیل پرانے عہد نامہ کے زمانے میں وہ علاقہ ہے جو فلسطین کے شمال میں اور یردن دریا کے مغرب میں واقع تھا۔ یہ اشکار۔ زبولون۔ نفتالی اور آشر کے قبیلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر پرانے عہد نامہ میں ہے۔(30)

خداوند مسیح کے زمانے میں رومیوں نے فلسطین کو چار صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ گلیل ان سب سے ایک تھا اس پر ہیرودیس انتپاس ۴ق م سے ۳۹ عیسوی تک حاکم رہا لوقا ۳:۱ میں اس کا ذکر ہے وہاں یونانی لفظ TETRARCH تترارخ کا ترجمہ پروٹسٹ ترجمہ میں صرف حاکم اور کیتھولک ترجمہ میں رئیس ربع ہے۔

یہ ایک زرخیز علاقہ تھا علاوہ ازیں یہ مصر اور سوریہ کی اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اسی وجہ سے یہاں مختلف قوموں کے لوگ آباد تھے جناب مسیح کی خدمت کا بیشتر حصہ اسی علاقے میں گزرا(31)

اسی لئے انہیں گلیلی (جلیلی) بھی کہا گیا۔(32) اسی علاقے میں انہوں نے اپنے شاگرد چنے۔(33)

یسوع کو اپنے شہر ناصرت میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے کفر نحوم کو اپنا مرکز بنا لیا غالبًا ایک سال سے زیادہ عرصہ تک کفر نجوم اور گلیل کے دیگر حصوں میں لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ کفر نحوم گلیل کی جھیل کے شمال مغربی ساحل پر ایک شہر تھا مسیح یسوع کے زمانے میں یہ کافی بڑا شہر تھا یہاں محصول کی چوکی تھی(36) اور بادشاہ ہیرودیس انتپاس کا ایک اعلیٰ افسر رہتا تھا جس نے یہودیوں کیلئے ایک عبادت خانہ بھی بنوا دیا تھا۔(37)

یسوع نے یہاں بڑے بڑے معجزے بھی دکھائے(38) اس شہر کے لوگوں نے مسیح کی بات نہ سنی اسی لئے مسیح نے کہا تھا کہ یہ شہر تباہ ہو جائے گا۔(39) اسی لئے یہ شہر صفحہ ہستی سے مکمل طور پر مٹ گیا اور اب محض قیاس پر اس کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ایک تل حم ہے جو یردن کے منبع کے جنوب مغرب ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے دوسرا ان خان منیاہ ہے جو تل حم کے جنوب مغرب میں ہے آجکل تل حم کو زیادہ قرین قیاس سمجھا جاتا ہے۔(40)

جناب یسوع کی کفر نحوم کے عبادت خانے کی سرگرمیوں کی تفصیلات اس طرح سے ہیں "وہ کفر نحوم میں داخل

ہوئے اور وہ فوراً سبت کے دن عبادت خانے میں جا کر تعلیم دینے لگا اور لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے کیونکہ وہ ان کی فقہیوں کی مانند نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا اور ان کے عبادت خانے میں ایک ایسا شخص تھا جس میں ناپاک روح تھی جس نے چلا کر کہا اے یسوع ناصری تجھے ہم سے کیا کام۔ کیا تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے قدوس خدا۔ یسوع نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ چپ رہ اور اس میں سے نکل جا تب ناپاک روح اسے مروڑ کر اور بڑی آواز سے چلا کر اس میں سے نکل گئی اور وہ سب حیران ہو کر آپس میں یہ کہتے ہوئے بحث کرنے لگے کہ یہ کیا ہے ایک نئی تعلیم با اختیار۔ وہ ناپاک روحوں کو بھی حکم دیتا ہے اور وہ اس کی مانتی ہیں فوراً اس کی شہرت جلیل کے سارے علاقے میں پھیل گئی۔ (41)

اس طرح یسوع بڑی دلیری اور جرات سے لوگوں کو خدائی تعلیم دیتے اور انہیں قائل کرنے کیلئے معجزات دکھاتے۔ اس پر لوگ حیرت کا اظہار کرتے اور گلیل کے لوگوں میں نہایت ہر دلعزیز ہو گئے۔ (42) یسوع مسیح کی یہ ہر دلعزیزی اس وقت عروج کو پہنچی جب انہوں نے معجزانہ طور پر پانچ ہزار کو کھانا کھلایا (43)

تب ان لوگوں نے یہ کرشمہ جو یسوع نے دکھایا دیکھ کر کہا کہ در حقیقت وہ نبی جو دنیا میں آنے والا تھا یہی ہے بس یسوع یہ جانتے ہوئے کہ وہ چاہتے ہیں کہ آئیں اور مجھے زبردستی پکڑ کا بادشاہ بنائیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا (44)

بارہ شاگردوں کی تعلیم وتربیت

یسوع کے معجزات دیکھ کر لوگ اسے بادشاہ بنانے کی تیاری کرنے لگے آپ انکار کر کے پہاڑ پر چلے گئے۔ (45) اس پر بہت سے لوگ اور شاگرد ناراض ہوئے اور انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ (46) تو یہاں سے وہ صور صیدون قیصریہ فیلپی کے علاقوں میں چلے گئے (47)

لیکن یہاں سے پھر دوبارہ یسوع گلیل کی جھیل کے پاس آئے اور اپنے معجزے دکھائے بیماروں کو شفا دی تکلیف میں مبتلاء اشخاص کا علاج کیا اب ایک بار اور بڑی تعداد معجزانہ کھانا کھلایا۔ (48) پھر آپ اپنے شاگردوں کو الگ لے گئے انہیں تعلیم دی اور ان سے اپنی رسالت کا اقرار کرایا اور خوش خبری دی کہ اگر خدا کے لئے کام کیا تو آسمان ک بادشاہی کی کنجیاں ان کے پیروں میں ہونگی۔ (49) انہیں یہ بھی سمجھایا جو کوئی ابن انسان کے خلاف کوئی بات کہے اس کو معاف کیا جائے گا مگر جو روح القدس کے حق میں کفر ہے اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ (50) آپ نے اپنے شاگردوں کو حوصلہ اور ہمت دلایا اور کہا کہ اپنا کام کئے جاؤ اور ڈرو مت کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ (51) یسوع نے بارہ شاگردوں کو یہ بھی کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔۔ مفت تم نے پایا مفت ہی تم دینا۔ نہ سونا نہ چاندی نہ تانبا اپنے کمر بند میں رکھنا۔ (52)

طوفان کا تھما دینا

یسوع مسیح نے کفر نحوم میں کچھ معجزات دکھائے اس کے بعد وہ کشتی پر چڑھے اس کے اپنے شاگرد اس کے ساتھ ہوئے اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ سوتا تھا۔ تب انہوں نے اس کے پاس آکر اسے جگایا اور کہا اے خداوند بچا ہم ہلاک ہوتے ہیں اور اس نے ان سے کہا اے کم اعتقاد و تم کیوں ڈرتے ہو۔ تب اس نے اٹھ کر ہواؤں اور جھیل کو ڈانٹا تو بڑا امن ہو گیا اور لوگ تعجب کر کے کہنے لگے کہ کس طرح کا آدمی ہے کہ ہوائیں اور جھیل بھی اس کی بات مانتے ہیں۔(53)

تبدیل صورت

یسوع مسیح کی شہرت اس وقت عروج کو پہنچی جب ان کی اس کے تین شاگردوں کے سامنے صورت تبدیل ہوئی "یسوع پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ساتھ لے کر انہیں ایک اونچے پہاڑ پر الگ لے گیا اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا اور اس کی پوشاک نور کی مانند سفید ہو گئی اور دیکھو موسیٰ اور الیاس اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے انہیں دکھائی دیئے۔ تب پطرس نے یسوع سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے خداوند ہمارا یہاں رہنا اچھا ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں یہاں تین ڈیرے بناؤں ایک تیرے لئے ایک موسیٰ کیلئے اور ایک الیاس کیلئے وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کر لیا اور دیکھو اس بادل میں سے ایک آواز آئی کہ یہ میرا بیٹا المحبوب جس سے میں خوش ہوں اس کی سنو شاگرد یہ سن کر منہ کے بل گرے اور نہایت ڈر گئے۔ تب یسوع نے پاس آکر انہیں چھوا اور کہا کہ اٹھو اور مت ڈرو جب انہوں نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو یسوع کے سوا اور کسی کو نہ دیکھا جب وہ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو یسوع نے انہیں حکم دیا اور کہا کہ جب تک ابن انسان مردوں میں نہ جی اٹھے اس رویا کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔(54) غرض گلیل (جلیل) کے شہر کفر نحوم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تبلیغی زندگی کا آغاز کیا اور گلیل کے اردگرد مختلف شہروں میں خدائی حکومت کے عن قریب قیام لوگوں کو اپنی اصلاح نیز اللہ سے وابستگی کا درس دیتے آپؑ ظاہری رسم و رواج کو ایک طرف رکھ کر خلوص اور سچے مذہبی اصول بتاتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی خبر سن کر لوگ ان کی شخصیت کے گرد جمع ہونے لگے۔ ہجوم اور بھیڑ کی شکل میں عوام ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

یہود رہنماؤں فقیہوں اور فریسیوں کی مخالفت

جوں جوں مسیح نے اپنے کاموں میں تیزی دکھائی یہود رہنما اور فریسی ان کے مخالف ہوتے گئے آپؑ ان کو سمجھاتے خدائی تعلیم سے آگاہ فرماتے لیکن وہ آپؑ کے دشمن ہوتے چلے گئے "تب علماء شرع میں سے کسی نے مخاطب ہو کر اس نے کہا اے استاد ان باتوں کے کہنے سے تو ہمیں بھی بے عزت کرتا ہے لیکن اس نے کہا اے علماء شرع تم پر بھی افسوس کے تم ایسے بوجھ جو اٹھائے نہیں جاتے آدمیوں پر لادتے ہو اور آپ ایک انگلی بھی ان بوجھوں کو نہیں لگاتے۔ تم پر افسوس کہ تم

نبیوں کی قبروں کو بناتے ہو اور تمہارے باپ دادا نے ان کو قتل کیا سچ مچ تم گواہی دیتے ہو اور اپنے باپ دادا کے کاموں کی تائید کرتے ہو کیونکہ انہوں نے انھیں قتل کیا اور تم قبریں بناتے ہو اس لئے خدا کی حکمت نے کہا میں نبیوں اور رسولوں کو ان کے پاس بھیجوں اوہ ان میں سے بعض کو قتل کریں گے اور ستائیں گے تاکہ سب نبیوں کے خون کی جو بناء عالم سے بہایا گیا اس پشت سے جواب دہی کی جائے۔ ہابیل کے خون سے لے کر زکریاہ کے خون تک جو قربان گاہ اور ہیکل کے درمیان ہوا۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی پشت سے جواب دہی کی جائے گی۔ اے علماء شرع تم پر افسوس تم نے معرفت کی کنجی چھین لی تم نہ آپ داخل ہوئے اور داخل ہونے والوں کو بھی روکا اور جب وہ وہاں سے نکلا تو فقیہہ اور فریسی اسے بے طرح چمٹے اور دق کرنے لگے اور اس کی گھات میں رہے تاکہ اس کے منہ کی بات پکڑیں"

فریسیوں کی مخالفت کی انتہا کے بارے میں یوحنا لکھتا ہے۔"سردار کاہنوں اور فریسیوں نے عدالت عالیہ کی مجلس کرکے کہا کہ ہم کرتے کیا ہیں یہ آدمی بہت کرشمے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور اہل رومآ کر ہمارے وطن اور قوم کو ختم کر دیں گے اور ان میں ایک قیافا نامی جو اس سال کا کاہن اعظم تھا ان سے کہا کہ تم کچھ نہیں جانتے اور نہ خیال کرتے ہو کہ تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک آدمی قوم کے بدلے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو جائے اس نے یہ اپنی طرف سے نہ کہا لیکن س سبب سے کہ اس سال کا کاہن اعظم تھا اس نے نبوت کی کہ یسوع قوم کی خاطر مرنے کو ہے اور نہ صرف اس قوم کی خاطر بلکہ س لئے بھی کہ وہ خدا پراگندہ فرزندوں کو جمع کرکے ایک کردے بس اس روز سے انھوں نے ٹھان لیا کہ اسے قتل کریں گے اس لئے آئندہ یسوع نے یہودیوں میں ظاہر ابھرنا چھوڑ دیا بلکہ اس علاقے سب جو بیاباں کے نزدیک ہے عفرائن نامی ایک شہر میں چلا گیا اور شاگردوں کے ساتھ وہاں رہنے لگا اور یہودیوں کی عید فصح نزدیک تھی اور بہتیرے فصح سے پہلے دیہات سے یروشلم کو گئے تاکہ اپنے آپ کو پاک کریں اور انہوں نے یسوع کی تلاش کی اور ہیکل میں کھڑے ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ تم کیا خیال کرتے ہو کیا وہ عید میں نہیں آئے گا اور سردار کاہنوں اور فریسیوں نے حکم دے رکھا تھا کہ جس کسی کو معلوم ہو وہ کہاں ہے وہ اطلاع دیں تاکہ اسے گرفتار کرلیں"۔ (55)

یروشلم میں آخری ایام

اناجیل متفقہ حضرت عیسیٰ کی تبلیغی زندگی کا مرکز گلیل کے علاقے کو ہی بتاتے ہیں ان اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ نے یروشلم کا سفر اپنی حیات ارضی کے آخری ایام میں کیا۔ یہاں مختلف واقعات کے بعد یہودیوں نے تہوار یوم فصح کے دن ان کی گرفتاری اور پھر مصلوب ہونے کا واقع پیش کیا لیکن انجیل یوحنا کی انفرادی واختلافی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی تبلیغی زندگی کے دوران یروشلم کے کئی سفر کئے اور وہاں ایسے کئی واقعات پیش آئے جو پہلی تینوں اناجیل میں مذکور نہیں۔ بہر حال چاروں اناجیل کیلئے حضرت عیسیٰ کا یروشلم کا آخری سفر خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور س کے واقعات کو نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔(56)

یسوع مسیح بن کر آخری ایام میں یروشلم میں داخل ہوئے "جب وہ یروشلم کے نزدیک کوہ زیتون پر بیت فگے اور بیت عنیا کے پاس آئے تو اس نے اپنے شاگردوں میں سے دو کو بھیجا اور ان سے کہا جو گاؤں تمہارے سامنے ہے اس میں جاؤ اور اس میں داخل ہوتے ہی تم ایک گدھی کا بچہ بندھا ہوا پاؤ گے جس پر کوئی آدمی اب تک سوار نہیں ہوا اسے کھول کر لے آؤ اور اگر تم سے کوئی کہے کہ تم یہ کیا کررہے ہو تو کہ یہ خداوند کو درکار ہے اور وہ فوراً اسے یہاں واپس کریگا۔

وہ گئے اور بچے کو دروازے کے نزدیک باہر چوک میں بندھا ہوا پایا اور اسے کھولنے لگے اور پاس کھڑا ہونے والوں میں سے بعض نے کہا کہ یہ تم کیا کرتے ہو کہ بچہ کھولتے ہو۔ انہوں نے یسوع کے کہنے کے مطابق ان سے کہہ دیا اور انہوں نے ان کو لے جانے دیا وہ بچے کو یسوع کے پاس لائے اور اپنے کپڑے اس پر ڈال دیئے اور وہ اس پر سوار ہوا اور بہتروں نے اپنے کپڑے راہ میں بچھائے اور اوروں نے کھیتوں میں ڈالیاں کاٹ کر راہ میں پھیلائیں اور وہ جو آگے گے جاتے اور پیچھے پیچھے چلے آتے تھے وہ پکار پکار کر کہتے تھے۔ ہوشعنا مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے مبارک ہے ہمارے باپ داؤد کی بادشاہی جو آتی ہے عالم بالا پر۔

اور وہ یروشلم میں ہیکل میں آیا اور سب چیزوں پر نظر دوڑا کر ان بارہ کے ساتھ بیت عنیا کو گیا کیونکہ شام کا وقت ہوگیا تھا۔"
(57)

ہیکل میں تجارت کی ممانعت

یروشلم میں اعلانیہ داخلے کے بعد آپؑ نے ہیکل سے صرافوں اور کبوتر فروشوں کو نکال دیا تاکہ اس گھر کو صرف دعا کیلئے مخصوص رکھا جائے "اور یسوع نے ہیکل میں داخل ہو کر ان سب کو جو ہیکل میں خرید و فروخت کررہے تھے نکال دیا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور ان سے کہا یہ لکھا ہے کہ میرا گھر دعا کا گھر کہلائے گا مگر تم اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بناتے ہو اور اندھے اور لنگڑے ہیکل میں اس کے پاس آئے اور اس نے ان کو شفا بخشی اور جب سردار کاہنوں فقیہوں نے ان تعجب انگیز کاموں کو جو اس نے کئے اور لڑکوں کو ہیکل میں پکارے اور داؤد کے بیٹے کو ہوشعنا کہتے دیکھا تو خفا ہوئے اور اس سے کہا تو سنتا ہے کہ یہ کیا کہتے ہیں یسوع نے ان سے کہا ہاں کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ

بچوں اور شیر خواروں کے منہ سے
تو نے کامل حمد کروائی

اور وہ انہیں چھوڑ کر شہر کے باہر بیت عنیا میں گیا اور وہیں رہا" (58)

مخالفین کی ریاکاری بے نقاب

آخری دنوں میں ہیکل کے صحن میں یسوع نے اپنے دشمنوں کی ریاکاری کو بے نقاب کردیا تب یسوع نے ہجوم اور اپنے شاگردوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں بس جو کچھ وہ تم سے کہیں وہ سب عمل میں

لاؤاور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرنا کیونکہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں وہ ایسے بھاری بوجھ جو اٹھائے نہیں جاتے باندھتے اور لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں لیکن آپ انہیں اپنی انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کے واسطے کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے تعویز چوڑے اور اپنے پھندے بڑے بناتے ہیں وہ ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں کورنشات (سلام) اور آدمیوں سے ربّی (عالم) کہلانا پسند کرتے ہیں مگر تم ربّی نہ کہلاؤ کیونکہ تمہارا مرشد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے اور نہ تم مرشد کہلاؤ کیونکہ تمہارا مرشد ایک ہی ہے یعنی المسیح جو تم میں بڑا ہے وہ تمہارا خادم ہو اور جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو کوئی اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔ لیکن تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کیونکہ تم آسمان کی بادشاہی لوگوں کیلئے بند کرتے ہو نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ اندر جانے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو جو بیواؤں کے گھروں کو نگلتے ہو اور دکھاوے کے لئے نمازوں کو طول دیتے ہو تم اس لئے زیادہ سزا پاؤ گے تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کیونکہ تم تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو تاکہ کسی کو اپنا مرید بناؤ اور جب وہ بن چکا تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بناتے ہو" (59)

یہودیہ اور یروشلم کے باشندوں اور ہیکل کے بارے میں پیشن گوئی

آپؑ نے اپنے آخری ایام میں یہ بھی پیشن گوئی کہ کہ یہودیہ اور یروشلم اور ہیکل کے ساتھ کیا ہوگا "اور جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو گے تو جان لو کہ اس کی ویرانی نزدیک آپہنچی ہے تب وہ جو یہودیہ میں ہو پہاڑوں پر بھاگ جائیں اور وہ جو اس کے اندر ہوں باہر نکل جائیں اور وہ جو مشکلات میں ہوں اس کے اندر نہ جائیں کیونکہ وہ دن انتقام کے ہیں جن میں جو کچھ لکھا ہے پورا ہوگا ان پر افسوس جو ان دنوں میں حاملہ یا دودھ پلاتی ہوں کیونکہ ملک میں بڑی تنگی اور اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کی دھار سے گر جائیں گے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے اور جب تک غیر قوموں کی معیاد نہ گزرے یروشلم غیر قوموں سے پامال ہوتا رہے گا" (60)

مسیحیوں کے لئے مشکلات کا دور

آپؑ نے اپنے پیروکاروں کو آنے والی دور کی مشکلات اور خطرات سے بھی آگاہ کیا "جب برائیوں اور فسادوں کی خبر سنو تو گھبرا نہ جانا کیونکہ ان کا پہلے واقع ہونا ضرور ہے مگر اس وقت فوراً انجام نہ ہوگا پھر اس نے ان سے کہا قوم پر قوم اور بادشاہی پر بادشاہی چڑھائی کرے گی اور بڑے بڑے زلزلے آئیں گے اور جا بجا وبائیں اور کال پڑیں گے اور دہشت ناک باتیں اور آسمان سے عظیم نشان ظاہر ہوں گے۔

لیکن ان سب باتوں سے پہلے وہ میرے نام کے سبب سے تم پر ہاتھ ڈالیں گے اور ستائیں گے اور عبادت خانوں اور قید

خانوں میں لے جائیں گے اور بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے پیش کریں گے اور یہ تم پر شہادت کے لئے آئیں گے۔ پس اپنے دل میں ٹھان رکھو کہ ہم پہلے سے فکر نہ کریں کہ کیا جواب دیں گے اس لئے میں تمہیں ایسا کلام اور حکمت دوں گا کہ تمہارا کوئی مخالف سامنا کرنے اور خلاف کہنے کا مقدور نہ رکھے گا اور ماں باپ اور بھائی اور رشتہ دار اور دوست بھی تم کو گرفتار کرائیں گے اور تم میں سے بعض قتل کئے جائیں گے اور میرے نام کے سبب سے سب لوگ تم سے کینہ رکھیں گے لیکن تمہارے سر کا ایک بال بھی بیکانہ ہوگا اپنے صبر سے تم اپنی جانوں کو بچائے رکھو۔(61)

شاگردوں سے حسن سلوک

آخری دنوں میں یسوع نے شاگردوں کے ساتھ نہایت فروتنی اور نرمی کا سلوک کیا اور عید فصیح سے پہلے جب یسوع نے جان لیا کہ میرا وہ وقت آپہنچا ہے کہ دنیا سے رخصت ہو کر باپ کے پاس جاؤں تو اپنے لوگوں سے جو دنیا میں تھے جیسی محبت رکھتا تھا آخر تک محبت رکھتا رہا اور جب ابلیس شمعون کے بیٹے یہوداہ اسکریوتی (اسخریوتی) کے دل میں ڈال چکا تھا کہ اسے پکڑوائے تو شام کا کھانا کھاتے وقت۔ یسوع نے یہ جان کر کہ باپ نے سب چیزیں میرے ہاتھ میں کر دی ہیں اور میں خدا کے پاس سے آیا اور خدا ہی کے پاس جاتا ہوں۔ دستر خوان سے اٹھ کر کپڑے اتارے اور رومال لے کر اپنی کمر میں باندھا اس کے بعد برتن میں پانی ڈال کر شاگردوں کے پاؤں دھوئے اور جو رومال کمر میں بندھا تھا اس سے پونچھنے لگے پھر وہ شمعون پطرس تک پہنچا اس نے اس سے کہا کہ اے خداوند کیا تو میرے پاؤں دھوتا ہے یسوع نے جواب میں اس سے کہا کہ جو میں کرتا ہوں تو اب تو نہیں جانتا مگر بعد میں سمجھے گا پطرس نے اس سے کہا کہ میرے پاؤں ابد تک کبھی دھونے نہیں پائے گا یسوع نے اسے جواب دیا کہ اگر میں تجھے نہ دھوؤں تو تو میرے ساتھ شریک نہیں شمعون پطرس نے اس سے کہا اے خداوند صرف میرے پاؤں ہی نہیں بلکہ میرا ہاتھ اور میرا سر بھی دھو دے یسوع نے اس سے کہا جو نہا چکا تھا اس کو پاؤں کے سوا اور کچھ دھونے کی حاجت نہیں بلکہ وہ اپنے پکڑوانے والے کو جانتا تھا اس لئے اس نے کہا کہ تم سب پاک نہیں بس جب وہ ان کے پاؤں دھو چکا اور کپڑے پہن کہ پھر بیٹھ گیا تو ان سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم مجھے استاد اور خداوند کہتے ہو اور خوب کہتے ہو کیونکہ میں ہوں پس جب میں نے خداوند اور استاد نے تمہارے پاؤں دھوئے تو تم پر عمل فرض ہے کہ ایک دوسرے کے پاؤں دھویا کرو کیونکہ میں نے تم کو ایک نمونہ دکھایا ہے جیسا میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی کیا کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوتا اور نہ بھیجا ہوا اپنے بھیجنے والے سے بڑا تم ان تمام باتوں کو جانتے ہوں تو مبارک ہو بشرطیکہ تم ان پر عمل کرو۔(62)

شاگرد یہوداہ کی غداری

"جب شام ہوئی تو وہ ان کے بارہ کے ساتھ آیا اور جب وہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا تب وہ غمگین ہونے لگے اور باری باری اس سے کہنے لگے کیا میں

ہوں ؟اس نے ان سے کہا ان بارہ میں سے ایک ہے جو میرے طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے ابن انسان تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے مگر اس آدمی پر افسوس جو ابن انسان کو پکڑواتا ہے اس لئی بہتر یہ ہو تا کہ آدمی پیدا ہی نہ ہو تا تب اس کے پکڑوانے والا یہوداہ بول اٹھا اور کہا اے ربی کیا میں ہوں اس نے اس سے کہا خود ہی کہہ دیا۔ اور جب وہ کھانا کھارہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور انہیں دی اور کہا لو یہ میرا بدن ہے اور پیالہ لیکر شکر کیا اور انہیں دیا اور ان سب نے اس میں سے پیا اور اس نے ان سے کہا یہ نئے عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتروں کیلیئے بہایا جاتا ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تاک کے شیرے میں پھر کبھی نہ پیوں گا اس دن تک میں اسے خدا کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں۔" (63)

عشائے ربانی

یسوع نے اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھایا اور اس طرح عشائے ربانی کو جاری کیا کھانا کھاتے ہوئے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے اپنی رخصتی کی باتیں کی "اور عید فطر کے پہلے دن شاگردوں نے یسوع کے پاس آکر کہا تو کیا چاہتا ہے کہ ہم تیرے لئے فصح کھانے کی تیاری کریں اس نے کہا شہر میں فلاں شخص کے پاس جاکر اسے کہو کہ استاد فرماتا ہے میرا وقت نزدیک ہے میرے اپنے شاگردوں کیساتھ تیرے ہاں فصح کروں گا اور جیسا یسوع نے شاگردوں کو حکم دیا تھا انہوں نے ویسا ہی کیا اور فصح تیار کیا جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا اور جب وہ کھانا کھارہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا اور وہ بہت دلگیر ہوئے اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں اس نے جواب میں کہا جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا۔ ابن انسان تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلے سے ابن انسان پکڑوایا جاتا ہے اگر وہ آدمی پیدا نہ ہو تا تو اس کے لئے اچھا ہو تا تب اس کے پکڑوانے والا یہوداہ بول اٹھا اور کہا اے ربی میں ہوں اس نے اس سے کہا تو نے خود ہی کہہ دیا۔

جب وہ کھانا کھارہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دی اور توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور انہیں دے کر کہا تم سب اس سے پیو کیونکہ نئے عہد کا یہ میرا خون ہے جو بتہیروں کی خاطر گناہوں کی معافی کے لئے بہایا جاتا ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ تاک کے اس شیرہ کو پھر نہ پیونگا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں۔ اور وہ گیت گا کر کوہ زیتون کو گئے (64)

پیروکاروں کیلیئے دعا

آپ نے اپنے متبعین کیلیئے دعا بھی کی کہ اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے "اے قدوس باپ اپنے اس نام کے وسیلے سے جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کر تاکہ یہ ہماری مانند ایک ہوں جب تک میں ان کیساتھ رہا میں نے تیرے اس نام کے وسیلے سے جو تو نے مجھے بخشا ان کی حفاظت کی میں نے ان کی نگہبانی کی اور فرزند ہلاکت کے سوا ان میں سے ایک بھی ہلاک نہیں ہوا تا کہ نوشتہ پورا ہوا اور اب میں تیرے پاس آتا ہوں اور میں دنیا ہو کر یہ باتیں کہتا ہوں تا کہ میری خوشی انہی میں

کامل ہو جائے میں نے تیرا کلام انہیں دیا ہے اور دنیا نے ان سے کینہ رکھا ہے اس لئے کہ جیسے میں دنیا کا نہیں ہوں وہ بھی دنیا کے نہیں میں یہ عرض نہیں کرتا کہ تو انہیں دنیا میں سے اٹھالے مگر یہ کہ تو انہیں بدی سے بچا جیسے کہ میں دنیا کا نہیں ہوں وہ بھی دنیا کے نہیں سچائی کے وسیلے سے ان کو مقدس کر تیرا کلام سچائی ہی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے دنیا میں بھیجا میں نے بھی انہیں دنیا میں بھیجا ہے اور ان کی خاطر میں اپنے آپ کو مقدس کرتا رہوں تاکہ وہ بھی سچائی کے وسیلے سے مقدس کئے جائیں(65)

یہ یسوع مسیح کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات ہیں جنہیں اناجیل اربعہ کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔

حیات وفات مسیح (مصلوبیت)

بروئے انجیل

یسوع کے قریب الوقوع وفات سے متعلق ارشادات

یسوع نے اپنی رحلت کے متعلق فرمایا "اب میری جان گھبراتی ہے بس میں کیا کہوں ؟اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچالیکن میں اسی سبب سے تو اس گھڑی کو پہنچا ہوں اے باپ !اپنے نام کو جلال دے"

پس آسمان سے آواز آئی کہ میں نے اس کو جلال دیا ہے اور پھر بھی دوں گا۔

جو لوگ کھڑے سن رہے تھے انہوں نے کہا کہ بادل گرجا اوروں نے کہا کہ فرشتہ اس سے ہم کلام ہوا ہے۔

یسوع نے جواب میں کہا کہ یہ آواز میرے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے آئی ہے اب دنیا کی عدالت کی جاتی ہے اب دنیا کا سردار نکال دیا جائے گا اور میں اگر زمین سے اونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچوں گا اس نے اس بات سے اشارہ کیا کہ میں کس موت سے مرنے کو ہوں" (66)

"یسوع نے کہا اور تھوڑی دیر تک نور تمہارے درمیان ہے جب تک نور تمہارے ساتھ ہے چلے چلو ایسا نہ ہو کہ تاریکی تمہیں آپکڑے اور جو تاریکی میں چلتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کدھر جاتا ہے جب تک نور تمہارے ساتھ ہے نور پر ایمان لاؤ تاکہ نور کے فرزند بنو" (67)

آمد ثانی کے متعلق ارشادات

مستقبل قریب میں حضور المسیح نے اس زمین پر دوبارہ تشریف لانے کے متعلق اپنے حواریوں کو کوہ زیتون کے مقام پر فرمایا ۔ "جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے اور بھیڑوں کو اپنے دائیں اور بکریوں کو اپنے بائیں کھڑا کرے گا اس وقت بادشاہ اپنے دائیں طرف والوں سے کہے گا آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو جو بادشاہی بنائے عالم سے تمہارے لئے تیار کی گئی ہے اسے میراث میں لو" (68)

انجیل متی کے درج بالا بیان کی روشنی میں مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام عالم کو قاضی محشر حضور یسوع مسیح کے جلالی تخت عدالت کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا لاکھوں فرشتے آپ کی تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں گے اس وقت آپ اقوام عالم کو دو گروہوں میں تقسیم کریں گے ایک کا حصہ ہمیشہ کی زندگی اور دوسرے کا دائمی لعنت اور تباہی ہوگا(69)

یسوع نے حواریوں کو آئندہ چند دنوں میں وقوع میں آنے والے حقائق کی طرف متوجہ کیا چنانچہ "یسوع جب یہ تمام باتیں ختم کر چکا تو تو ایسا ہوا کہ اس نے اپنے شاگردوں سے کہا تم جانتے ہو کہ دو دن کے بعد عید فسح ہوگی اور ابن آدم مصلوب

ہونے کو پکڑ دلایا جائے گا" (70)

مشورہ قتل

ایک طرف تو یروشلم اور ہیکل میں عوام عید فسح کی زور شور سے تیاریاں کر رہے تھے دوسری طرف سردار کاہنوں بزرگوں اور فقیہوں میں حضور مسیح کو گرفتار کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔
اس وقت سردار کاہن اور قوم کے بزرگ کائفاسردار کاہن کے دیوان خانے میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ یسوع کو فریب سے پکڑ کر قتل کریں مگر کہتے تھے کہ عید میں نہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں بلوا ہو جائے(71)

بیت عنیاہ میں ضیافت

سردار کاہنوں بزرگوں اور فقیہوں نے یسوع کے خلاف گرفتاری کا منصوبہ بنایا مگر آپ کے ساتھی آپ کی شان میں ایک شام ضیافت کا اہتمام کیا آپ اپنے حواریوں کے ساتھ شمعون کوڑھی کے گھر میں تشریف فرماتھے جب کھانا تناول فرمارہے تھے تو ایک عورت سنگ مرمر کے عطر دان میں قیمتی عطر لے کر آئی اور آپ کے سر مبارک پر ڈال دیا اور کہنے لگی کس لئے یہ برباد کیا گیا کیونکہ یہ بڑے درہم پر بکتا اور غریبوں کو دیا جاتا یسوع نے یہ جانتے ہوئے ان سے کہا اس عورت کو کیوں دق کرتے ہو اس نے تو تیرے ساتھ نیک کام کیا ہے کیونکہ غریب تو ہمیشہ تمہارے پاس ہیں لیکن میں تمہارے پاس ہمیشہ نہیں ہوں کیونکہ اس نے میرے بدن پر یہ عطر ڈالنے سے یہ میرے دفن کیلئے کیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں جہاں کہیں اس انجیل کی منادی ہو گی یہ بھی جو اس نے کیا اس کی یادگاری کیلئے کہا جائے گا۔(72)
مسیحیوں کے نزدیک یوحنا حضور مسیح کا حواری ہے وہ اسے چشم دید گواہ کا مقام دیتے ہیں۔اس واقعہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہوداہ اسخریوطی نے جو اسے پکڑوانے کو کہا تھا کہا کہ یہ عطر تین سو دینار میں بیچ کر محتاجوں کو کیوں نہ دیا گیا اس نے یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ اسے محتاجوں کا فکر تھا بلکہ اس لئے کہ وہ چور تھا اور چونکہ تھیلی اس کے پاس رہتی تھی جو کچھ اس میں پڑتا تھا وہ نکال لیتا تھا۔(73)

یہودہ اسخریوطی کی غداری

یہوداہ اسخریوطی ایک لالچی اور چور قسم کا انسان تھا اسی لالچ میں وہ حضور مسیح کو پکڑوانے کے درپے ہو گیا "اور شیطان یہودہ میں سمایا جو اسخریوطی کہلاتا اور ان بارہ میں شمار کیا جاتا تھا اس نے جاکر سردار کاہنوں اور سپاہیوں کے سرداروں سے مشوورہ کیا کہ اس کو کس طرح ان کے حوالہ کرے وہ خوش ہوئے اور اسے روپے دینے کا اقرار کیا اس نے مان لیا اور موقع ڈھونڈنے لگا اسے بغیر ہنگامہ ان کے حوالے کر دے"(74)

چاندی کے تیس سکوں میں یہ کم بخت حضور مسیح کو گرفتار کرانے پر تیار ہو گیا۔انجیل متی میں آتا ہے

"تب ان بارہ میں سے ایک جس کا نام یہوداہ اسخریوطی تھا سردار کاہنوں کے پاس گیا اور کہا کہ اگر میں اسے تمہارے

حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے اور انہوں نے اس کو تیس مثقال تول کر دیئے اور وہ اس وقت سے اس کے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔(75)

عید فصح کی ضیافت (آخری کھانا)

ہر یہودی گھر میں فصح کی قربانی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ ہر خاندان برہ یا بکرا ذبح کر کے شام کے وقت اسے کڑوے ساگ پات اور بے خمیری روٹی کیساتھ کھانے والا تھا اسلئے گھروں میں بڑا ہنگامہ برپا تھا حضور یسوع مسیح شور سے بچ کر کسی پرامن جگہ پر اپنے حواریوں کیساتھ عید منانا چاہتے تھے۔ یہوداہ اسخریوطی بھی ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا جب کہ عوام آپ سے دور ہوں اور یوں کسی ہنگامہ یا بلوہ کا خدشہ نہ رہے حضور المسیح یہوداہ کے قبیح خیالات اور منصوبے سے بخوبی آگاہ تھے لیکن حواری اس سنگین صورت حال سے بے خبر تھے انہیں یہوداہ کی سازش پر شک تک نہ گزرا۔(76) عید فطیر (عید فصح) کے پہلے دن شاگردوں نے یسوع کے پاس آکر کہا تو کیا چاہتا ہے کہ ہم تیرے لئے فصح کھانے کی تیاری کریں ۔(77)

اگر آپ صحیح صحیح پتہ اور مقام بتا دیتے تو یہوداہ جو سایہ کی طرح آپ کیساتھ تھا وہ فوراً جا کر مخالفین کو مخبری کر دیتا لہذا آپ نے اپنے دو ذمہ دار حواریوں کو ضیافت کے فرائض سپرد کیئے اس کی تفصیل انجیل لوقا میں اس طرح بیان ہوئی ہے "اور عید فطیر آئی جس میں فصح ذبح کرنا واجب تھا یسوع نے پطرس اور یوحنا کو یہ کہہ کر بھیجا کہ جا کر ہمارے کھانے کیلئے فصح تیار کرو انہوں نے اس سے کہا تو کہاں چاہتا ہے کہ ہم تیار کریں اس نے ان سے کہا دیکھو شہر میں داخل ہوتے ہی تمہیں ایک آدمی پانی کا گھڑا اٹھائے ہوئے ملے گا جس گھر میں وہ جائے اس کے پیچھے چلے جانا اور گھر کے مالک سے کہنا کہ استاد تجھ سے کہتا ہے کہ وہ نعمت خانہ کہاں ہے جس میں میں اپنے شاگردوں کیساتھ فصح کھاؤں وہ تمہیں ایک بڑا بالاخانہ آراستہ کیا ہوا دکھائے گا وہیں تیار کرو انہوں نے جا کر جیسا اس نے ان سے کہا تھا ویسا ہی پایا اور فصح تیار کیا۔(78)

سیرت المسیح ابن مریم کا مصنف لکھتا ہے کہ حضور المسیح اور آپ کے باقی حواریوں کو اس جگہ تک پہنچنے میں جہاں پطرس اور یوحنا نے ضیافت کا اہتمام کیا تھا مشکل سے ایک گھنٹہ لگا۔ امت یہود کے سال بھر کے تمام تہواروں میں یہ سب سے اہم تہوار تھا فصح کھانے کی اس شام سے ان کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں اس شام آگ پر بھنا ہوا برہ اور بے خمیری روٹی کھائی جاتی تھی تقریباً ڈیڑھ ہزار پیشتر جب قوم یہود مصر کے بت پرست بادشاہ فرعون کے غلام تھے تو خدا تعالی نے انہیں خلاصی دلانے کیلئے اپنے خاص خادم حضرت موسیٰ کو بھیجا۔ فرعون نے اپنے غلاموں کو ملک چھوڑنے کی اجازت دینے کو تیار نہ تھا۔ آخری دن حضرت موسیٰ نے اسے متنبہ فرمایا کہ اگر تو نے میری امت کو جانے نہ دیا تو یاد رکھ اسی رات تیری عملداری کے ہر خاندان کا پہلوٹھا مر جائے گا" حضرت موسیٰ کو خدا تعالی کی طرف سے آگاہی ہوئی کہ ہر یہودی گھر کی چوکھٹ پر قربانی کے برے کا خون لگایا جائے۔ پھر اس برہ کو آگ پر بھون کر بے خمیری روٹی کیساتھ گھر کے اندر کھائیں اور جب رات کو موت کا فرشتہ نکل کر ملک گشت کرے گا کہ خدا تعالی کے فرمان کے مطابق پہلوٹھوں کو ہلاک کرے تو یہ خون اس بات کا نشان ہو گا

کہ یہاں سزا کی تعمیل ہو چکی ہے وہ تمام افراد جو گھر کے اندر موجود ہوں گی اس خون کے نشان کے باعث بچ جائیں۔
یہ عظیم واقعہ امت یہود کے لئے مخلصی (آزادی) کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا جس سے ان کی تاریخ میں ایک نئے زمانہ کا آغاز ہوا۔ اس تاریخ مخلصی (آزادی) کی یاد میں حضور یسوع مسیحؑ اس بالاخانہ میں اپنے حواریوں کے ساتھ ضیافت میں شریک ہو کر بھنا ہوا برہ اور بے خمیری روٹی تناول فرما رہے تھے کھانے کیلئے اپنے آسمانی باپ کا شکر ادا کرنے کے بعد اپنے حواریوں سے یوں مخاطب ہوئے(79)
"اور جب وقت ہو گیا تو وہ رسولوں سمیت کھانا کھانے بیٹھا اور اس نے ان سے کہا مجھے بڑی خواہش تھی کہ دکھ سہنے سے پہلے یہ فسح تمہارے ساتھ کھاؤں کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسے کبھی نہ کھاؤں گا جب تک وہ خدا کی بادشاہی میں پورا نہ ہو۔ اور پیالہ لے کر شکر کیا اور کہا کہ اس کو لے کر آپس میں بانٹ لو کیونکہ میں تم سے کہتا کہ اب سے انگور کا رس کبھی نہ پیوں گا ۔جب تک خدا کی بادشاہی نہ آئے پھر روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر انہیں دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے میری یادگاری کے واسطے یہی کیا کرو اور اسی طرح کھانے کے بعد یہ کہہ کر پیالہ بھی دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے۔(80)
سیرت المسیح ابن مریم میں اس کی وضاحت میں لکھا گیا ہے "فدیہ کار عالم حضور المسیح نے اپنی جان دے کر خالق و مخلوق کے درمیان ایک نیا عہد قائم کیا اس عہد کے تحت جو بھی حضور المسیح پر خلوص دل سے ایمان لے آئے وہ خدا کے غضب سے محفوظ رہے گا جیسے کہ امت یہود کے پہلوٹھے دروازے پر خون کے نشان کے باعث ملک الموت کے آہنی پنجے سے سلامت بچے۔ حضرت یوحنا اصطباغی کو آگاہی ہوئی تھی کہ آنے والے مسیح موعود آپ ہی کی ذات شریف ہے اور کہ انبیائے سلف کی پیش گوئیوں کی آپ ہی کی ذات بابرکات سے تکمیل ہوگی جب حضرت یوحنا اصطباغی نے آپ کو دریائے یردن کے مشرقی کنارے تشریف فرما دیکھا تو انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرمایا" (81)
دیکھو یہ خدا کا برہ (نیک بندہ) ہے جو دنیا کا گناہ اٹھالے جاتا ہے یہ وہی ہے کہ جس کے حق میں میں نے کہا تھا کہ ایک آدمی میرے بعد آتا ہے جو مجھ سے مقدم ٹھہرا ہے کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا۔ (82)
مسیحیوں نے عشائے ربانی کو عید فسح کی جگہ دی کیونکہ ان کے خیال میں اس کا یہی مقصد تھا۔ عشائے ربانی کی تاریخی اہمیت اس واقعہ سے ابھرتی ہے کہ مسیح نے اپنے پکڑوائے جانے سے پیشتر رات کو فسح کھاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو اسے منانے کا حکم دیا۔(83)
کیتھولک کلیسا کے نزدیک اس پاک رسم کی ادائیگی کے ہر موقع پر روٹی اور انگور کا شیرہ حقیقتاً مسیح کا بدن اور خون بن جاتا ہے اور یوں عشائے ربانی انسان کے گناہوں کی حقیقی قربانی بن جاتی ہے چونکہ روٹی اور شیرہ مسیح کے حقیقی بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں اس لئے وہ عشائے ربانی میں شریک ہونیوالوں کیلئے حقیقی فضل اور اجر کا باعث بنتے ہیں۔
عشائے ربانی کے عناصر علامتی ہیں روٹی مسیح کے بدن کی علامت یا نشان ہے روٹی پر زندگی کا انحصار ہے بس روٹی توڑنا اس

بات کی علامت ہے کہ ہماری نجات کی خاطر مسیح کی جان ٹوٹی اور انگور کا شیرہ جو مسیح کے خون کی علامت ہے یہ پیش کرتا ہے کہ غضب الٰہی کے باعث مسیح کی زندگی کو روندا اور نچوڑا گیا یہ دونوں مل کر مسیح کی زندگی کی قربانی کی تشریح کرتے ہیں لیکن اس کی سب سے بڑی اہمیت اس میں ہے کہ یہ یادگار ضیافت ہے۔(84)

حضور المسیح کی کفارہ بخش موت ہی فسح کی اصل تکمیل ہے اس دن کے بعد آپ کے پیروکار فسح کے کھانے کو عام طور پر عشائے ربانی کے نام سے پکارتے ہیں بہت سے مسیحی عشائے ربانی پر ہر ہفتہ کے پہلے دن یعنی اتوار کو مناتے ہیں بعض ہر روز اور دیگر خاص خاص مواقع پر ہی۔ مسیحیوں کے نزدیک یہ ان کے گناہوں کی خاطر حضور المسیح کی وفات کی اہم ترین یادگار ہے۔ یہ آپ کی اس تلقین کی تعمیل ہے کہ "میری یادگاری کیلئے یہی کیا کرو" (85)

یہوداہ اسخریوطی کی سازش

یسوع مسیح حواریوں کے ساتھ کھانے پر تشریف فرما تھے تو جناب نے فرمایا

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا"

یہ سن کر وہ بڑے دلگیر ہوئے اور باری باری کہنے لگے

"کیا میں ہوں ؟"

آپ نے بتایا

"وہ بارہ میں سے ایک ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلے سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کیلئے اچھا ہوتا(86)

انجیل یوحنا میں اس کی مزید تفصیل بھی درج ہے "ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند وہ کون ہے یسوع نے جواب دیا جسے میں نوالا ڈبو کر دوں گا وہی ہے پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسخریوطی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا اور اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا پس یسوعؑ نے اس سے کہا جو کچھ تو کرتا ہے جلد کر لے مگر جو کھانا کھانے بیٹھے تھے ان میں سے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ اس نے یہ اس سے کس لئے کہا ہے چونکہ یہوداہ کے پاس تھیلی رہتی تھی اس لئے بعض نے سمجھا کہ یسوعؑ اس سے کہتا ہے کہ جو کچھ ہمیں عید کیلئے درکار ہے خرید لے یا کہ محتاجوں کو کچھ دے پس وہ نوالہ لے کر فی الفور باہر چلا گیا اور رات کا وقت تھا۔(87)

جو سوال حضرت یوحنا نے آنحضور کے سینہ کی طرف جھکے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا تھا کہ اے خداوند وہ کون ہے ؟ اسے کوئی بھی نہ سن سکا تھا یہوداہ کو یہ گمان تھا کہ اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں لہذا اس نے بھی دیگر حواریوں کی طرح پوچھا اے ربی کیا میں ہوں ؟(88)

لیکن جب حضور المسیح نے نوالہ ڈبو کر یہوداہ کو دے دیا تو نشاندہی کی جا چکی تھی اس پر کلمۃ اللہ نے یہوداہ کو مخاطب کر کے

فرمایا جو کچھ تو کرتا ہی جلد کر لے۔ حضرت یوحنا اور پطرس کے علاوہ باقی حواریوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسے کسی کام کیلئے بھیجا گیا ہے یہوداہ وہاں سے اٹھ کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا تا کہ اپنے مذموم فعل کو انجام دے۔(89)

پطرس کو بزدلی سے تنبیہ

"شمعون پطرس نے اس سے کہا اے خداوند تو کہاں جاتا ہے یسوع نے جواب دیا کہ جہاں میں جاتا ہوں اب تو تو میرے پیچھے آ نہیں سکتا مگر بعد میں میرے پیچھے آئے گا"

"پطرس نے اس سے کہا اے خداوند میں تیرے پیچھے اب کیوں نہیں آسکتا میں تو تیرے لئے اپنی جان بھی دوں گا" (90)

یسوع مسیحؑ نے پطرس سے فرمایا شمعون شمعون! دیکھ شیطان نے تم لوگوں کو مانگ لیا تا کہ گیہوں کی طرح پھٹکے۔ لیکن میں نے تیرے لئے دعا کی کی تیرا ایمان نہ جاتا رہے اور جب تو رجوع کرے تو اپنے بھائیوں کی طرح مضبوط کرنا۔(91)

"پطرس نے اس سے کہا اگر چہ سب تیرے سبب ٹھوکر کھائیں لیکن میں نہ کھاؤنگا یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں آج اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا۔ پطرس نے اس سے کہا اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار ہر گز نہ کروں اور سب شاگردوں نے بھی اسطرح کہا" (92)

گستمنی باغ میں اذیت و جان کنی

کوہ زیتون پر ایک خوبصورت باغ گستمنی (جستمنی) کے نام سے مشہور تھا اس مقام پر یسوع مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا

"یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جا کر دعا کروں"

اس پر آپ

"پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تاہم نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو پھر شاگردوں کے پاس آکر ان کو سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے؟ جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو اور پھر آکر انہیں سوتے پایا کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری تھیں اور انہیں چھوڑ کر پھر گیا اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی۔ تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا اب سوتے رہو اور آرام کرو دیکھو وہ گھڑی آ پہنچی کہ ابن انسان گنہگاروں کے حوالے کیا جائے گا(93)

یسوع کی گرفتاری

ایک ہجوم آپ کی گرفتاری کیلیئے کاہنوں اور فریسیوں نے اکٹھا کیا اور یسوع کو گرفتار کرنے کیلیئے روانہ کر دیا آپ نے سوتے حواریوں کو اٹھایا اور فرمایا اٹھو چلیں دیکھو میرا پکڑنے والا نزدیک آپہنچا ہے۔(94)

"وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ اسخریوطی آپہنچا جو ان بارہ میں سے ایک تھا اور سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف کا ایک بڑا ہجوم تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے اس کے ساتھ تھا اور پکڑوانے والے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کو میں چوموں وہی ہے اسے پکڑ لینا اور حفاظت سے لے جانا وہ آکر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا ربی سلام اور اس کو مکرر اچوما۔ یسوع نے اس سے کہا اے میاں تو کہاں تک پہنچا اس پر انہوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالے اور اسے پکڑ لیا اور دیکھو یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے غلام پر چلا کر اس کا کان اڑا دیا تب یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو اس کی جگہ میں رکھ کیونکہ وہ سب تلوار کھینچتے ہیں تلوار ہی سے ہلاک ہوں گے کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں اپنے باپ کی منت نہیں کر سکتا اور وہ فرشتوں کی بارہ فوجوں سے زیادہ اسی دم مجھے دے گا مگر نوشتے کہ یونہی ہونا ضروری ہے کیسے پورے ہوں گے۔

اسی گھڑی یسوع نے ہجوم سے کہا کہ تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو میں ہر روز ہیکل میں بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہ پکڑا۔ لیکن یہ سب اس لئے ہوا تاکہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔(95)

آخر کار کاہنوں کے سپاہی قریب آگئے تو یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور ان سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے اسے جواب دیا یسوع ناصری کو یسوع نے ان سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہی ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے پس اس نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو انہوں نے کہا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہی ہوں۔ پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو یہ اس نے اس لئے کہا اس کا وہ قول پورا ہو کہ جنہیں تو نے مجھے دیا میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہ کھویا پس شمعون پطرس نے تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا داہنا کان اڑا دیا اس نوکر کا نام ملخس تھا(96)

یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کی بارہ تمن (فوج یعنی چھ ہزار سپاہی) سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دے گا۔ مگر وہ نوشتے کو یونہی ہونا ضروری ہے کیونکہ پورے ہوں گے۔(97)

"پھر یسوع سردار کاہنوں اور ہیکل کے سرداروں اور بزرگوں سے جو اس پر چڑھ آئے تھے کہا کیا تم مجھے ڈاکو جان کر تلواریں اور لاٹھیاں لے کر نکلے جب میں ہر روز ہیکل میں تمہارے ساتھ تھا تو تم مجھ پر ہاتھ نہ ڈالا لیکن یہ تمہاری گھڑی اور تاریکی کا

اختیار ہے" (98)

"اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے مگر ایک جوان ننگے بدن پر چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا" (99)

غیر قانونی مقدمہ

"تب سپاہیوں اور صوبہ دار اور یہودیوں کے پیادوں نے مل کر یسوع کو پکڑا اور اسے باندھا اور پہلے اسے حنان کے پاس لے گئے کیونکہ وہ اس برس کے کاہن اعظم قیافا کا سُسر تھا یہ وہی قیافا تھا جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ قوم کے بدلے ایک آدمی کا مرنا بہتر ہے۔

مگر شمعون پطرس اور ایک اور شاگرد بھی یسوع کے پیچھے ہوئے اور اس شاگرد اور کاہن اعظم میں جان پہچان تھی اور وہ یسوع کے ساتھ کاہن اعظم کے صحن میں گیا لیکن پطرس باہر دروازہ پر کھڑا رہا تب وہ دوسرا شاگرد جو کاہن اعظم سے جان پہچان رکھتا تھا باہر نکلا اور دربان عورت سے کہہ کر پطرس کو اندر لے گیا تب اس دربان لونڈی نے پطرس سے کہا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے نہیں اس نے کہا میں نہیں ہوں (100)

حضور المسیح کو گرفتار کر کے سب سے پہلے کاہن حنان کے پاس پیش کیا گیا وہ قیافا سردار کاہن کا سسر تھا یہ بااثر آدمی تھا "مورخین کے خیال کے مطابق اس کی ہیکل کی تجارت پر اجارہ داری تھی جس باعث اس کا خاندان بہت امیر بن گیا تھا " (101)

کاہن قیافا کے سامنے حاضری

یسوع کے پکڑنے والے اسے قیافا کاہن اعظم کے پاس لے گئے جہاں فقیہہ اور بزرگ جمع تھے (102)

سردار کاہن اور اس کے ہمنوا یسوع کے خلاف غلط مقدمہ چلانے کیلئے جھوٹے گواہ تلاش کر نے لگے تا کہ آپ کو سزا دی جا سکے۔

انجیل مقدس میں آیا ہے

کاہن اعظم اور سب اہل عدالت عالیہ یسوع پر جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے تا کہ اس قتل کرائیں مگر نہ پائی حالانکہ بہت سے جھوٹے گواہ حاضر ہوئے (103)

کاہن اعظم کی مسیح سے وضاحت طلبی

سردار کاہن نے یسوع سے اس کے شاگردوں اور اس کی تعلیم کی بابت پوچھا یسوع نے اسے جواب دیا کہ میں نے دنیا سے اعلانیہ باتیں کی ہیں میں نے ہمیشہ عبادت خانوں اور ہیکل میں جہاں سب یہودی جمع ہوتے ہیں تعلیم دی اور پوشیدہ کچھ نہیں کہا۔ تو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے سننے والوں سے پوچھ میں نے ان سے کیا کہا دیکھ ان کو معلوم ہے کہ میں کیا کیا کہا ہے۔

جب اس نے یہ کہا تو پیادوں میں سے ایک شخص نے جو پاس کھڑا تھا یسوع کے طمانچہ مار کر کہا تو سردار کاہن کو ایسا جواب دیتا ہے یسوع نے اسے جواب دیا کہ اگر میں نے اسے برا کہا تو اس برائی پر گواہی دے اور اگر اچھا کہا تو مجھے مارتا کیوں ہے (104)۔

کفر کا الزام

"کافی تگ و دو کے بعد دو جھوٹے گواہ مل گئے انہوں نے کہا" اس نے کہاں ہے کہ میں خدا کے ہیکل کو ڈھا سکتا ہوں اور تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں"

تب کاہن اعظم نے اس سے کہا کیا تو کچھ جواب نہیں دیتا یہ کیا ہے جس کی تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں مگر یسوع خاموش رہا۔(105)

گواہیاں متفق نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا آخر کار صدر کاہن نے حضرت یسوع سے پوچھا چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ کاہن اعظم نے اس سکوت کو اسطرح توڑا

"میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو المسیح ہے خدا کا بیٹا ہے تو ہم کو بتا دے۔(106)

یسوع نے اس سے کہا تو نے خود ہی کہہ دیا ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے تم ابن انسان کو القادر کے دائیں بیٹھا اور آسمان بادلوں پر آتا دیکھو گے اس پر کاہن اعظم نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے اور اب ہمیں گواہوں کی کیا ضرورت ہے دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔ تب انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اس کے گھونسے مارے اور دوسروں نے طمانچے مار کر کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا۔(107)

رومی گورنر پیلاطس کے سامنے پیشی

"جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے قتل کریں اور اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطس حاکم کے حوالے کیا۔(108)

یسوع پر سیاسی قسم کا الزام لگایا گیا مگر رومی حکومت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے یہودی خود قتل کی سزا نہیں دے سکتے تھے۔ اس لئے انہیں رومی گورنر سے اجازت لینا ضروری تھا اسی لئے آپ کو رومی گورنر پیلاطس کے سامنے پیش کیا گیا۔

"تب وہ سب کے سب اٹھ کر اسے پیلاطس کے پاس لے گئے اور اس پر یہ کہہ کر الزام لگانا شروع کیا کہ ہم نے تحقیق کی کہ یہ ہماری قوم کو بہکاتا اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتا ہے۔ تب پیلاطس نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے اس نے اس کے جواب میں کہا تو خود کہتا ہے تب پیلاطس نے سردار کاہنوں اور عوام سے کہا کہ میں اس شخص میں کچھ قصور نہیں پاتا مگر انہوں نے اور بھی زور دے کر کہا یہ تمام یہودیہ میں بلکہ جلیل سے لے

کر یہاں تک رعیت کو سکھا سکھا کر ابھارتا ہے۔ پیلاطس نے یہ سن کر پوچھا کیا یہ آدمی جلیلی ہے جب اسے معلوم ہوا کہ ہیرو دیس کے عملداری کا ہے تو اسے ہیرودیس کے پاس بھیجا کیونکہ وہ ان دنوں پریروشلم میں تھا۔

ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا کیونکہ اس بات کے سبب سے جو اس نے س کی بابت سنی تھی اسے مدت سے شوق تھا کہ اسے دیکھے اور اسے امید بھی تھی کہ اس سے کوئی نشان سرزد ہوتا دیکھے اور اس سے بہتری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور سردار کاہن اور فقیہہ کھڑے بڑی شد و مد سے اس پر الزام لگاتے رہے تب ہیرودیس نے مع اپنی فوج کے اسے ذلیل کیا اور ٹھٹھے میں اڑایا اور چمکیلی پوشاک پہنا کر اس کو پیلاطس کے پاس واپس بھیجا اور اسی دن ہیرودیس اور پیلاطس آپس میں دوست ہوگئے کیونکہ پہلے ان میں دشمنی تھی۔(109)

پیلاطس نے لوگوں کو ہجوم کے سامنے مظلوم زمانہ کی اسطرح برات جتائی

"اور پیلاطس نے سردار کاہنوں اور لشکری سرداروں اور عوام کو جمع کر کے ان سے کہا کہ تم اس شخص کو میری پاس یہ کہتے ہوئے لائے کہ یہ لوگوں کو بھکاتا ہے دیکھو میں نے تمہارے سامنے تحقیقات کی مگر ان الزاموں میں سے جو تم اس پر لگاتے ہو ان کی نسبت نہ میں نے اس شخص سب کچھ پایا اور نہ ہیرودیس نے کیونکہ اس نے اسے ہمارے پاس واپس بھیجا ہے اور دیکھو اس سے کوئی ایسا فعل نہیں ہوا ہے جس سے قتل کے لائق ٹھہر تا بس میں اسے پٹوا کر چھوڑ دوں گا" (110)

انجیل متی میں عید فصح کی موقعہ پر ایک رسم کا ذکر ملتا ہے

"حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا تم کیسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں ؟ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے ؟ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اس کو حسد سے پکڑوایا ہے اور جب وہ تخت عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ اٹھایا ہے۔(111)

کاہنوں اور سرداروں نے لوگوں کو اکسایا کہ برابا کی رہائی اور مسیح کے قتل پر زور دیں

"یہ کسی بغاوت کے باعث جو شہر میں ہوئی تھی اور خون کرنے کے سبب سے قید میں ڈالا گیا تھا" (112)

گورنر پیلاطس نے ان سے پوچھا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں ؟ سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے۔ حاکم نے کہا کیوں اس نے کیا بدی کی ہے مگر وہ اور بھی چلائے کہ اسے صلیب دی جائے(113)

جب پیلاطس نے دیکھا کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ ہنگامہ زیادہ ہوتا جارہا ہے تو پانی لے کر عوام کے سامنے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوں تم جانو سب لوگ یوں اٹھے اور کہا اس کا خون ہم اور ہماری اولاد پر اسس پر اس نے برابا کو ان کیلئے چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالے کیا تا کہ مصلوب کیا جائے۔(114)

کانٹوں کا تاج

کوڑے کی سزا کے بعد پھانسی کی سزا دی جاتی تھی اس لئے آپؑ کو پھانسی دینے کی تیاری شروع کر دی گئی کوڑے مارنے کے بعد "سپاہی اس کو قلعے کے صحن میں لے گئے اور سارے دستے کو اکٹھا کیا اور انہوں نے اسے ارغوانی پوشاک پہنائی اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے سلام کرنے لگے اور اسے یہودیوں کے بادشاہ سلام اور وہ اس کے سر پر سرکنڈا مارتے اور اس پر تھوکتے اور گھٹنے ٹیک کر اسے سجدہ کرتے رہے اور جب اس سے ٹھٹھا کر چکے تو ارغوانی پوشاک اس پر اتاری اور اس کے کپڑے اس کو پہنا کر اسے صلیب دینے کو باہر لے گئے (115) اور اس کے طمانچے بھی مارے" (116)

پیلاطس کی مسیح سے ہمدردی

پیلاطس نے مسیح کو بچانے کی ایک اور آخری کوشش کی

"پیلاطس نے پھر باہر جا کر لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں اسے تمہارے پاس باہر لے آتا ہوں تا کہ تم جانو کہ میں اس کا جرم نہیں پاتا یسوع کانٹوں کا تاج رکھے اور ارغوانی پوشاک پہنے باہر آیا اور پیلاطس نے ان سے کہا دیکھو یہ آدمی جب سردار کاہن اور پیادوں نے اسے دیکھا تو چلا کر کہا مصلوب کر۔ مصلوب۔ پیلاطس نے ان سے کہا کہ تم ہی اسے لیجاؤ اور مصلوب کرو کیونکہ میں اس کا جرم نہیں پاتا۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ ہم اہل شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا بنایا جب پیلاطس نے یہ بات سنی تو اور بھی ڈرا۔ اور پھر قلعہ میں جا کر یسوع سے کہا تو کہاں کا ہے مگر یسوع نے سے جواب نہ دیا۔ پس پیلاطس نے اس سے کہا تو مجھ سے بولتا نہیں کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے تجھ کو چھوڑنے کا اختیار بھی اور مصلوب کرنے کا بھی اختیار ہے۔ یسوع نے اسے جواب دیا کہ اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا۔ اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے اس پر پیلاطس اسے چھوڑ دینے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر یہودیوں نے چلا کر کہا اگر تو اس کو چھوڑ دیتا ہے قیصر کا خیر خواہ نہیں جو کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بناتا ہے۔ وہ قیصر کا مخالف ہے پیلاطس یہ باتیں سن کر یسوع کو باہر لایا اور اس جگہ جو چبوترہ اور عبرانی میں گبتا کہلاتی ہے تخت عدالت پر بیٹھا یہ فسح کی تیاری کا دن اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا۔ پھر اس نے یہودیوں سے کہا دیکھو یہ ہے تمہارا بادشاہ۔ پس وہ چلائے کہ لیجا لیجا اسے مصلوب کر۔ پیلاطس نے ان سے کہا کیا میں تمہارے بادشاہ کو مصلوب کروں؟ سردار کاہنوں نے جواب دیا قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں اس پر اس نے اس کو ان کے حوالے کیا کہ مصلوب کیا جائے (117)

پیلاطس ایک کمزور دل کا شخص تھا یہ یسوع کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر یہودیوں کے پراپیگنڈے اور شور سے ڈر گیا اور آخر کار ان کے آگے جھک گیا۔

تصلیب مسیح

اس زمانے میں دستور تھا کہ مجرم قتل گاہ تک اپنی صلیب اٹھا کر لے جاتا پس وہ یسوع کو لے گئے اور وہ اپنی صلیب آپ

اٹھائے ہوئے اس مقام تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتا تھا جسے عبرانی جلجتا (گلگتا) کہتے ہیں۔(118)
حضور المسیح کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اپنی صلیب کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔رومی سپاہی اور ایک شخص کو پکڑ کر صلیب اٹھوائی
"جب وہ باہر آئے تو انہوں نے شمعون نامی ایک قیروانی آدمی کو پاکر اسے بیگار میں پکڑا اس کی صلیب اٹھائے۔(119)
غم زدہ ہجوم بے بس اور بے کس عورتیں روتی جاتی تھیں اور پیچھے پیچھے چلی جارہی تھیں "اور لوگوں کا ایک بڑا ہجوم اور عورتیں جو اس کے واسطے چھاتی پیٹتی اور رورہی تھیں اور اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔یسوع نے ان کی طرف مڑ کر کہا اے یروشلم کی بیٹیو مجھ پر نہ روبلکہ اپنے آپ پر رو اور اپنے بچوں پر۔کیونکہ دیکھو وہ دن آئیں گے جن میں کہیں گے۔ مبارک ہیں بانجھیں اور وہ رحم جو بار ور نہ ہوئے اور وہ چھاتیاں جنھوں نے دودھ نہ پلایا تب وہ پہاڑوں سے کہنا شروع کریں گے کہ ہم پر گر پڑو اور ٹیلوں سے کہ ہمیں چھپاؤ کیونکہ جب ہرے درخت کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے تو سوکھے کے ساتھ کیا نہ کیا جائے گا۔
اور دو اور جو بدکار تھے اس کے ساتھ لے جائے جارہے تھے تاکہ قتل کئے جائیں اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جسے کھوپڑی کہتے ہیں تو وہاں اسے صلیب دی اور ان بدکاروں کو بھی ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں (صلیب دی گئی)(120)
بعض مہربانوں نے آپ کو دوا ملی ہوئی دی تاکہ درد کم ہو مگر آپ نے نہ لی "انہوں نے پت ملی ہوئی مے اسے پینے کو دی اور اس نے چکھ کر پینا نہ چاہی" (121)
"جب سپاہی یسوع کو مصلوب کر چکے تو اس کے کپڑے لے کر چار حصے کئے ہر سپاہی کیلئے ایک حصہ اور اس کا کرتہ بھی لیا یہ کرتہ بن سلا سراسر بنا ہوا تھا۔اس لئے انہوں نے آپس میں کہا کہ اس پھاڑیں نہیں بلکہ اس کا قرعہ ڈالیں تاکہ معلوم ہو کہ کس کا نکلتا ہے یہ اس لئے ہوا کہ وہ نوشتہ پورا ہو جو کہتا ہے کہ انہوں نے میری کپڑے بانٹ لئے اور میری پوشاک پر قرعہ ڈالا(122)"
کاہن اور بے وقوف تماشہ دیکھنے والے لوگ آپ کا اس طرح سے مذاق اڑانے لگے
"جو پاس سے گزرتے تھے وہ سر ہلا ہلا کر اس پر کفر بکتے تھے اور کہتے تھے واہ تو جو خدا کی ہیکل کو ڈھاتا اور تین دن میں پھر بناتا ہے اپنے آپ کو بچا اور صلیب پر سے اتر آ۔اور اسی طرح سردار کاہن بھی مع فقیہوں کے آپس میں یوں کہہ کر ٹھٹھا کرتے تھے کہ اس نے اوروں کو بچایا اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔اسرائیل کا بادشاہ المسیح رب صلیب پر سے اتر آئے تاکہ ہمیں دیکھیں اور ایمان لائیں اور بھی جو اس کے ساتھ جو صلیب پر کھنچے گئے تھے اسے ملامت کرتے تھے۔(123)

دوڈاکوؤں کی اختلافی رائے

آپ کے دائیں بائیں دوڈاکو بھی مصلوب ہوئے تھے وہ آپ کے بارے میں اسطرح اختلافی رائے دینے لگے
"اور ایک ان بدکاروں میں سے جو صلیب پر لٹکائے گئے تھے اسے طعنہ دے کر بولا کیا تو المسیح نہیں تو پھر اپنے آپ کو اور ہم کو بھی بچا لیکن دوسرے نے جھڑک کر جواب میں کہا کیا تو اب بھی خدا سے نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے

اور ہماری سزا تو واجبی ہے کیونکہ ہم اپنے کاموں کا خمیازہ اٹھا رہے ہیں مگر اس نے تو کوئی بدی نہیں کی۔ اور اس نے کہا اے یسوع جب تک تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا اور یسوع نے اس سے کہا کہ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے فردوس میں ہو گا۔ (124)

وفات مسیحؑ

آپ کی وفات کی تفاصیل انجیل میں اسطرح بیان ہوئی ہے

"اور دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی

اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا

جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ (الیاس) کو پکارتا ہے اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسفنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں ۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی اور دیکھو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں جا کر بہتروں کو دکھائی دیئے جب صوبہ دار نے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے زلزلہ اور سارا ماجرا دیکھا تو نہایت ڈر گئے اور کہنے لگے بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا اور وہاں بہت سی عورتیں بھی تھیں جو دور سے دیکھ رہی تھیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھیں ان میں سے مریم مجدلی (مگدلینی) تھی یعقوب اور یوسف کی ماں مریم اور زبدی (سلومی) کے بیٹوں کی ماں۔ (125)

کچھ واقعات انجیل یوحنا میں اس طرح ملتے ہیں

"اس کے بعد یسوع نے یہ جانتے ہوئے کہ اب سب باتیں تمام ہو چکی ہیں تاکہ نوشتہ پورا ہو کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا۔ انہوں نے ایک اسفنج سرکے میں بھگو کر زوفا کی لکڑی پر رکھا اور اس کے منہ سے لگایا پس یسوع نے جب سرکہ پیا تو کہا تمام ہوا اور اس نے سر کو جھکا کر جان دے دی۔" (126)

پس چونکہ تیاری کا دن (سبت سے پہلے کا دن) تھا۔ یہودیوں نے پیلاطس سے عرض کی کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں لاشیں اتار لی جائیں تاکہ سبت کو صلیب پر نہ رہیں کیونکہ سبت کا دن خاص دن تھا اس لئے سپاہیوں نے آکر پہلے کی ٹانگیں توڑیں پھر دوسرے کی جو اس کیساتھ مصلوب ہوا تھا لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور خون اور پانی بہ نکلا اور جس نے یہ دیکھا اس نے گواہی دی ہے اور اس کی گواہی سچی ہے اور وہ جانتا ہے سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں

تا کہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی ایک ہڈی بھی توڑی نہ جائے گی پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے کہ وہ اس پر نظر کریں گے جسے انہوں نے چھیدا ہے۔(127)

مسیح کی تدفین مبارک

"دیکھو یوسف نامی ایک شخص جو مشیر تھا اور مرد نیک وراست وہ ان کی رائے و عمل میں شریک نہ ہوا"(128)

دراصل آریتہ شہر کے شخص حضرت یوسف یہودیوں کی عدالت عالیہ کے شہر اور رکن تھے۔(129) حضرت مسیح کے موت کے فیصلے کے خلاف تھے اور پیلاطس بھی یوسف کیساتھ ہی رائے رکھتا۔ ان دونوں نے آپ کی تدفین کی ذمہ داری لی۔

پس وہ (یوسف) آکر اس کی لاش لے گیا اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عور ملا ہوا لایا۔ بس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے اور جس جگہ وہ مصلوب ہوا وہاں ایک باغ تھا اور اس میں ایک نئی قبر تھی جب میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔(13)

"یوسف نے پیلاطس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی اور اسے اتار کر کتانی چادر میں کفنایا اور ایک قبر میں رکھا جو چٹان میں کھدی ہوئی تھی جہاں کبھی کوئی رکھا نہ گیا تھا وہ تہیہ کا دن تھا اور سبت شروع ہونے کو تھا" (131)

"اور وہ عورتیں جو اس کے ساتھ جلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے چلیں اور اس قبر کر دیکھا اور یہ بھی کہ اس کی لاش کس طریقے سے رکھی گئی ہے اور لوٹ کر انہوں نے خوشبودار چیزیں اور عطر تیار کیا۔ اور انہوں نے حکم کے مطابق سبت کے دن آرام کیا۔(132)

"چٹان اس قبر کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا اور مریم مجدلی اور یوسف کی ماں مریم دیکھ رہی تھی کہ اسے کہاں رکھتے ہیں (133)"

یوحنا نے چٹان کی بجائے باغ میں قبر بتائی ہے "وہاں جس جگہ کہ اسے صلیب دی گئی تھی ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی رکھا نہ گیا تھا پس چونکہ یہ قبر نزدیک تھی انہوں نے یہودیوں کے تیاری کے سبب سے یسوع کو وہیں رکھ دیا(134)

جمعہ کی شام سبت کا آغاز ہوتا تھا سورج غروب کے بعد جمعہ کے دن ہی سبت کے دن کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے عام رسومات کے بغیر جناب مسیح کو جلدی جلدی دفن کر دیا گیا اور سوچا یہ تھا کہ اتوار کو صبح جنازے کی رسومات ادا کریں گے۔

قبر کی نگرانی

دوسرے روز جو تیاری کے بعد کا دن تھا سردار کاہنوں اور فریسیوں ں ے پیلاطس کے پاس جمع ہو کر کہا اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ اس دغاباز نے اپنے جیتے جی کہا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا پس حکم دے کی تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد آکر اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بھی بدتر ہوگا۔ پیلاطس نے ان سے کہا تمہارے پاس پہرے والے ہیں جاؤ جس طرح مناسب سمجھو اس کی نگرانی کروانہوں نے جا کر س پتھر پر مہر کر دی اور پہرہ بٹھا کر قبر کی نگہبانی کی (135)

مسیح کا قبر سے جی اٹھنا

اناجیل اربعہ میں ایک حیران کن واقعہ یہ ہے "جب سب گزر گیا تو مریم مجدلی اور یعقوب کی ماں مریم اور سلوم نے خوشبو دار چیزیں خریدیں تا کہ جا کر اس پر ملیں اور وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے سورج نکلتے ہی قبر پر آئیں اور آپس میں کہتی تھیں کہ ہماری لئے اس پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون اٹھائے گا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو اس پتھر کو لڑھکایا ہوا دیکھا اور بہت ہی بڑا تھا۔ اور قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک نوجوان کو سفید لباس پہنے دائیں طرف بیٹھا دیکھا تو نہایت حیران ہو گئیں مگر اس نے ان سے کہا حیران نہ ہو تم یسوع ناصری المصلوب کو ڈھونڈتی ہو وہ جی اٹھا ہے۔ یہاں نہیں ہے دیکھو یہ وہ جگہ ہے جس میں انہوں نے اسے رکھا تھا پس تم جاؤ اور اس کے شاگردوں سے اور پطرس سے کہو کہ وہ تم سے پہلے جلیل کو جاتا ہے اور جیسا اس نے تم سے کہا تھا تم اسے وہاں دیکھو گے وہ نکل کر قبر سے بھاگیں کیونکہ لرزش اور دہشت ان پر چھا گئی تھی اور انہوں نے کسی سے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ ڈرتی تھیں۔ (136)

یوحنا نے اس واقعہ کو اس انداز سے لکھا ہے اور اس میں کچھ نئی باتیں بھی ملتی ہیں

"ہفتہ کے پہلے دن مریم مجدلی ایسے تڑکے کہ ہنوز اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا دیکھا تب وہ شمعون پطرس اور اس دوسرے شاگرد کے پاس دوڑی آئی جسے یسوع پیار کرتا تھا اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اسے کہاں رکھا ہے تب پطرس اور دوسرے شاگرد نکلے اور قبر کی طرف گئے چنانچہ وہ دونوں اکٹھے دوڑے مگر دوسرا شاگرد پطرس سے بڑھ گیا اور قبر پر پہلے پہنچا اس نے جھک کر کتانی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے مگر وہ اند ر نہ گیا۔ تب شمعون پطرس بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا اور قبر کے اندر گیا اور کتانی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے اور وہ رومال جو اس کے سر پر تھا اس کی کتانی کپڑوں کیساتھ نہیں مگر جدا لپٹا ہوا ایک جگہ پڑا تھا تب دوسرا شاگرد بھی جو پہلے قبر پر آیا تھا اندر گیا اور دیکھ کر یقین کیا کیونکہ وہ ہنوز نوشتہ کو نہ جانتے تھے کہ مردوں میں سے اس کا جی اٹھنا ضرور ہے تب وہ شاگرد اپنے گھر واپس چلے گئے۔ (137)

نگھبانوں اور کاہنوں کا منصوبہ

جب وہ راہ میں تھیں تو دیکھو پہرے والوں میں سے بعض شہر میں آکر جو کچھ ہوا تھا سردار کاہنوں سے بیان کیا تب انہوں نے بزرگوں کیساتھ اکٹھے ہو کر مشورہ کیا اور ان سپاہیوں کو بہت سے مثقال دیئے اور کہا تم یہ کہو کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اس کے شاگرد آکر اسے چرا کر لے گئے اور اگر یہ حاکم کے کان تک پہنچے تو ہم اسے سمجھا کر تمہیں خطرے سے بچا لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مثقال لے کر جیسے سکھائے گئے تھے ویسا ہی کیا اور یہ بات آج کے دن تک یہودیوں میں مشہور ہے۔(138)

یسوع مسیح کی پیروکاروں سے ملاقات

مریم مجدلی سے ملاقات

پطرس اور یوحنا کی روانگی کے بعد مریم مجدلی قبر پر کھڑی رہی انہوں نے یسوع کو دیکھا۔

"مریم قبر پر کھڑی باہر روتی رہی اور روتی ہوئی جھکی اور قبر پر نظر کی اور جہاں یسوع کی لاش رکھی گئی تھی اس نے دو فرشتوں کو سفید پوشاک پہنے ایک سرہانے اور ایک پائینتی بیٹھے دیکھا جنہوں نے اس سے کہا بی بی تو روتی کیوں ہے اس نے ان سے کہا اس لئے کہ وہ میرے خداوند کو اٹھا کر لے گئے ہیں اور میں نہیں جانتی انہوں نے اسے کہاں رکھا ہے یہ کہ کر وہ مڑی اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے۔ یسوع نے ان سے کہا بی بی تو کیوں روتی ہے کس کو ڈھونڈتی ہے اس نے باغبان سمجھ کر اس سے کہا میاں اگر تو نے اس کو یہاں سے اٹھایا تو مجھے بتا دے کہ اسے کہاں رکھا تاکہ میں اسے لے جاؤں۔ یسوع نے اس سے کہا اس نے اس کی طرف پھر کر عبرانی زبان میں کہا ربونی (یعنی اے استاد) یسوع نے اس سے کہا مجھ سے نہ چھٹنا کیونکہ میں ہنوز اپنے باپ کے پاس اوپر نہیں گیا مگر میرے بھائیوں کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ کے پاس اوپر نہیں گیا مگر میرے بھائیوں کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے پاس یعنی اپنے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں مریم مجدلی نے آکر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے خداوند کو دیکھا ہے اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کہی ہیں(139)

کلیپاس اور اس کے ساتھی سے ملاقات

حضرت کلیپاس اور ان کے ایک ساتھی ایک سفر پر رواں دواں تھے۔

"اور دیکھو اسی دن ان میں سے دو آدمی عمواس نامی ایک گاؤں کی طرف جا رہے تھے جو یروشلم سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہے۔ اور ان سب باتوں کی بابت جو واقع ہوئی تھیں آپس میں بات چیت کرتے جا رہے تھے اور ایسا ہوا کہ جب وہ بات چیت اور پوچھ پاچھ کر رہے تھے تو یسوع نے آپ نزدیک آکر ان کے ساتھ ہو لیا لیکن ان کی آنکھیں بند ہو گئیں تھیں تاکہ

اس کو نہ پہچانیں۔ اس نے ان سے کہا یہ کیا باتیں ہیں جو تم راہ میں آپس میں کرتے جاتے ہو وہ غمگین سے کھڑے ہو گئے اور ان میں سے کلیپاس (کلوؤپانا) نامی نے جواب میں اس سے کہا کیا یروشلم میں تو ہی ایک مسافر ہے اور فقط تو ان باتوں سے ناواقف ہے جو ان دنوں اس میں واقع ہوئی ہیں ؟

اس نے ان سے کہا کونسی باتیں ؟ انہوں نے اس سے کہا کہ یسوع ناصری کی بابت جو نبی مرد تھا اور خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں صاحب قدرت تھا جسے سردار کاہنوں اور ہمارے سرداروں نے قتل کے لئے حوالے کیا اور مصلوب کیا مگر ہمیں تو امید تھی کہ یہی اسرائیل مخلصی دے گا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان واقعات کو آج تیسرا دن ہوا ہے اور ہم میں سے چند عورتوں نے ہم کو حیران کر دیا وہ تڑکے اس کی قبر پر گئیں اور اس کی لاش نہ پا کر آئیں اور بولیں کہ ہم نے رویا میں فرشتوں کو بھی دیکھا انہوں نے کہا وہ زندہ ہے اور بعض نے ہمارے ساتھیوں میں سے قبر پر جا کر جیسا کہ ان عورتوں نے کہا تھا ویسا ہی پایا۔ مگر اس کو نہ دیکھا

تب اس نے ان سے کہا اے نافہمو اور نبیوں کی سب باتوں کے ماننے میں اور ست اعتقاد و کیا ضرور نہ تھا کہ المسیح یہ دکھ اٹھائے اور اسی طرح اپنے جلال میں داخل ہو۔ اور تورات موسیٰ اور سب صحائف انبیاء سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں ان کو سمجھا دیں اتنے میں وہ اس گاؤں کے نزدیک پہنچ گئے جہاں وہ جاتے تھے اور اس کے اطوار سے ایسا معلوم ہوا گویا وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے تب انہوں نے یہ کہہ کر اسے یہ اصرار روکا ہمارے ساتھ رہ کیونکہ شام ہونے لگی ہے اور دن بہت ڈھل گیا ہے پس وہ اندر گیا تاکہ ان کے ساتھ رہے اور ایسا ہوا کہ جب ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تو اس نے روٹی لے کر برکت چاہی اور توڑ کر ان کو دینے لگا اس پر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اس کو پہچان لیا اور وہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا اور انہوں نے آپس میں کہا جب راہ میں وہ ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے نوشتوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہمارا دل پر جوش نہ ہو گیا تھا ؟ اور اسی گھڑی اٹھ کر وہ یروشلم کو واپس گئے اور ان گیارہ اور ان کے ساتھیوں کو اکٹھا پایا اور وہ کہہ رہے تھے کہ خداوند سچ مچ جی اٹھا ہے اور شمعون کو دکھائی دیا ہے تب انہوں نے سب کچھ بیان کیا کہ وہ راہ میں کیا کیا ہوا اور کیونکہ انہوں نے اسے روٹی توڑنے کے وقت پہچانا۔ (140)

توما شاگرد سے ملاقات

یسوع مسیح کے بارہ شاگردوں میں ایک توما تھا جسے توام کے نام سے پکارتے تھے (141)

جب مسیح اپنے جی اٹھنے کے بعد شاگردوں کو دکھائی دیئے تو توما ان کے ساتھ نہیں تھا اور جب یہ اس کو بتایا گیا تو اس نے شک کیا اور کہا جب تک میں خود معائنہ نہ کر لوں یقین نہ کروں گا۔

"مگر ان بارہ میں سے ایک شخص یعنی توما جسے توام کہتے ہیں ہیں یسوع کے آنے کے وقت ان کے ساتھ نہ تھا پس باقی شاگرد اس سے کہنے لگے کہ ہم نے خداوند کو دیکھا ہے مگر اس نے ان سے کہا جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخوں میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہ کروں گا۔

آٹھ روز کے بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے اور توما ان کے ساتھ تھا اور دروازے بند تھے یسوع نے آکر اور بیچ میں کھڑے ہو کر کہا تمہاری سلامتی ہو پھر اس نے توما سے کہا اپنی انگلی پاس لا کر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ۔ توما نے جواب میں اس سے کہا اے میرے خداوند اے میرے خداوند یسوع نے اس سے کہا تو تو مجھے دیکھ کر ایمان لایا ہے مبارک وہ ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لائیں(142)

گیارہ شاگردوں سے ملاقات

"آخر وہ ان گیارہ کو دکھائی دیا جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے" (143)

"اور وہ گیارہ شاگرد جلیل کے اس پہاڑ پر گئے جو یسوع نے ان کیلئے مقرر کیا تھا اور اسے دیکھ کر سجدہ کیا لیکن بعض نے شک کیا اور یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کی اور کہا کہ آسمان میں اور زمین پر سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے ان کو بپتسمہ دو اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں(144)

سات حواریوں کو کھانا کھلایا

ایک بار سات حواری جمع تھے کہ مسیح ایک دن جلیل کی جھیل پر ظاہر ہوئے

"ان باتوں کے بعد یسوع پھر اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں پر ظاہر کیا اور اس طرح ظاہر کیا شمعون پطرس اور توما جو توام کہلاتا ہے اور نتن ایل جو قانائے گلیل کا تھا اور زبدی کے بیٹے اور اس کے شاگردوں میں سے دو اور شخص جمع تھے شمعون پطرس نے ان سے کہا میں مچھلی کے شکار کو جاتا ہوں۔ انہوں نے اس سے کہا ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں وہ نکل کر کشتی پر سوار ہوئے مگر اس رات کچھ نہ پکڑا اور صبح ہوتے ہی یسوع کنارے پر آکھڑا ہوا مگر شاگردوں نے نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے پس یسوع نے ان سے کہا بچو! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس نے ان سے کہا کشتی کی داہنی طرف جال ڈالو تو پکڑو گے۔ پس انہوں نے ڈالا اور مچھلیوں کی کثرت سے پھر کھینچ نہ سکے اس لئے اس شاگرد نے جس سے یسوع محبت رکھتا تھا(145) پطرس سے کہا کہ یہ تو خداوند ہے۔ پس شمعون پطرس نے یہ سن کر خداوند کے کرتہ کمر سے باندھا کیونکہ ننگا تھا اور جھیل میں کود پڑا اور باقی شاگرد چھوٹی کشتی پر سوار مچھلیوں کا جال کھینچتے ہوئے آئے کیونکہ وہ کنارے سے کچھ دور نہ تھے بلکہ تخمیناً دو سو ہاتھ کا فاصلہ تھا جس وقت کنارے پر اترے تو انہوں نے کوئلوں کی آگ اور اس پر مچھلی رکھی ہوئی اور روٹی دیکھی۔ یسوع نے ان سے کہا جو مچھلیاں تم نے ابھی پکڑی ہیں ان میں سے کچھ لاؤ ۔ شمعون پطرس نے چڑھ کر ۱۵۳ بڑی مچھلیوں سے بھرا جال کنارے پر کھینچا مگر باوجود مچھلیوں کی کثرت کے جال نہ پھٹا۔ یسوع نے ان سے کہا آؤ کھانا کھالو اور شاگردوں میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ اس سے پوچھتا کہ تو کون ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خداوند ہی ہے یسوع آیا اور روٹی لیکر انہیں دی۔ اسی طرح مچھلی بھی دی یسوع مردوں میں سے جی اٹھنے کے

بعد یہ تیسری بار شاگردوں پر ظاہر ہوا۔(146)

صعود مسیحؑ

ان مختلف لوگوں سے ملنے کے بعد یسوع کا رفع ہوا

"اور خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا کے دائیں بیٹھ گیا تب انہوں نے روانہ ہو کہ ہر طرف منادی کی اور خداوند ان کے ساتھ کام کرتا رہا اور کلام کو ان نشانوں سے ثابت کرتا رہا جو ساتھ ساتھ ہوتے تھے (147) مسیح کو جمعہ کے دن صلیب پر چڑھایا گیا شام کو شاگردوں نے حاکم کی اجازت سے میت وصول کی اور کفن دے کر غار میں بھاری پتھر سے بند کر دیا(اس وقت دفن کرنے کا یروشلم میں یہی طریقہ تھا)

اناجیل کے مطابق جب تیسرے دن اتوار کو حضرت عیسیٰؑ کی چند شاگرد خواتین قبر کی زیارت کو گئیں تو انہوں نے غار پر سے پتھر ہٹا ہوا پایا اور اس کے اندر میت موجود نہ تھی ان خواتین کو حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ اٹھنے کی خوشخبری سنائی گئی اور ان میں سے مریم مگدلینی اور ایک خاتون کو عیسیٰؑ نظر آئے کے رو نہیں اور تسلی دی۔ آپ دو شاگردوں سے ملے اس کے بعد گیارہ حواریوں سے ملاقات کی یوحنا کی انجیل کےمطابق وہ اپنے شاگردوں سے ایک سے زیادہ بار ملے س طرح اپنے جی اٹھنے کے روز تک اس دنیا میں رہ کر جناب مسیح آسمان پر اٹھا لئے گئے جہاں مسیحیوں کے اعتقاد کے مطابق وہ خدا کے داھنی طرف بیٹھے ہیں اور قیامت کے قریب اپنے پورے جلال کیساتھ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (148)

معجزات مسیح

اناجیل اربعہ میں معجزات مسیح کاذکر بہت ہی تفصیل سے ملتا ہے۔ان کتابوں کے درمیانی ابواب تو اسی موضوع پر مشتمل ہیں جب اناجیل کا قاری ان ابواب پر پہنچتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اناجیل صرف معجزوں کی کتب ہیں اور یہ معجزہ نامہ نظر آنے لگتی ہے۔ سیدنا مسیح کے معجزات کی نوعیت مختلف ہے۔ آپ نے مردوں کو زندہ کیا۔ اندھوں کو بینا کیا۔ کوڑھ کے مریضوں کا علاج کیا۔ لنگڑے 'لولے 'گونگے اور اپاہج مفلوج آپ کے ہاتھوں ٹھیک ہوئے۔ آپ نے انسانوں سے بدروحوں کو نکالا۔ کھانے میں برکت دی۔ چند آدمیوں کا کھانا ہزاروں نے کھایا۔

نئے عہد نامہ میں لفظ نشان (یونانی Semeion) تقریباً ۴۴ مرتبہ آیا ہے اس کا ترجمہ اناجیل اور اعمال کی کتاب میں معجزے کیا گیا ہے سوائے لوقا ۲: ۱۲' ۴' ۳' ۲۱' ۱۱ یوحنا ۲: ۱۸ جہاں اس کا ترجمہ نشان ہے۔(149)

ایک خاص قابل ذکر بات معجزوں کے بارے میں یہ ہے بعض مقامات پر سیدنا مسیح یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ معجزات میں خدا کی مرضی کے مطابق سرانجام دیتا ہوں جیسے یوحنا میں ہے میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے آپ کچھ نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو باپ کو کرتے دیکھتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہی بیٹا بھی اسی طرح کرتا ہے(150)

لیکن اناجیل کے اکثر مقامات پر یہ بات نہیں پائی جاتی یسوع سے براہ راست معجزات ظہور ہونے لگتے ہیں۔اناجیل اربعہ کی روشنی میں معجزات کا جائزہ ذیل کے الفاظوں میں لیا جاتا ہے۔

یائیر کی بیٹی کو زندہ کرنا

عبادت خانے کے سرداروں میں سے ایک کا نام یائیر تھا۔اس کی اکلوتی بیٹی مرچکی تھی۔اس نے آپؑ کی منت کی یسوعؑ نے اسے زندہ کیا" جب وہ یہ باتیں ان سے کہہ ہی رہا تھا دیکھو ایک سردار نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائے گی اور یسوع اٹھ کر اپنے شاگردوں کیساتھ اس کے پیچھے چلا اور دیکھا ایک عورت نے جس کو بارہ برس سے خون جاری تھا اس کے پیچھے آکر اس کی پوشاک کا دامن چھوا کیونکہ وہ اپنے جی میں کہتی تھی اگر میں صرف اس کی پوشاک ہی چھولوں گی تو اچھی ہو جاؤں گی تب یسوع نے پیچھے پھر کر اسے دیکھا اور کہا بیٹی خاطر جمع رکھ تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا پس وہ عورت اسی گھڑی اچھی ہو گئی۔

اور جب یسوع سردار کے گھر پہنچا اور بانسلی بجانے والوں اور بھیڑ کو دھوم مچاتے دیکھا تو کہا ہٹ جاؤ کیونکہ لڑکی مری نہیں ہے بلکہ سوتی ہے تو وہ اس پر ہنسنے لگے اور جب بھیڑ نکال دی گئی تو اس نے اندر جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی اٹھی اور اس کی شہرت اس تمام علاقے میں پھیل گئی۔" (151)

نوجوان کا جلانا

ایک عورت کا اکلوتا بیٹا تھا وہ فوت ہو گیا اس کا جنازہ لے جایا جارہا تھا وہ اس کی ماں رورہی تھی یسوع اس پر ترس کھا کر لڑکے کو

زندہ کیا۔

"اس کے بعد وہ ایک شہر کو گیا جو نائین کہلاتا ہے اور اس کے شاگرد اور بڑا ہجوم اس کے ساتھ تھا جب وہ اس شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا ایک مردہ باہر لے جایا جارہا تھا جو اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہت لوگ اس کے ساتھ تھے اس کو دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اس سے کہا نہ رو اور پاس آکر جنازہ کو چھوا اور اٹھانے والے ٹھہر گئے۔ تب اس نے کہا اے نوجوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ اور وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اسے اس کی ماں کو سونپ دیا (152)"

لعزر کا زندہ کرنا

یسوع نے ایک ایسے مردہ کو بھی زندگی عطا کی جس کو غار میں دفنا دیا گیا اور چار دن گزرنے کے بعد اس میں بدبو پیدا ہو گئی تھی۔

"مریم اور اس کی بہن مارتھا کے گاؤں بیت عنیا کا لعزر نامی ایک مریض تھا (یہ وہی مریم تھی جس نے یسوع کو عطر ملا تھا اور اپنے بالوں سے اس کے پاؤں پونچھے تھے لعزر اس کا بھائی تھا) وہ فوت ہو گیا۔ غار میں پتھر رکھ کر دفن کر دیا گیا۔ یسوع اس کی بہن کو لے کر اس غار کی طرف گیا۔ چار دن بعد غار سے پتھر اٹھایا گیا اس سے بو آرہی تھی۔ یسوع مسیح نے وہاں آکر لوگوں کی موجودگی میں بلند آواز سے پکار کر کہا اے لعزر نکل آ۔ مردہ کفن سے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا۔ یسوع نے ان سے کہا اسے کھول دو اور جانے دو اس پر بعض یہود تو ایمان لے آئے اور بعض نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔"(153)

قریب المرگ کو شفا

ایک قریب المرگ کو بھی شفا بخشی "بادشاہ کا ایک ملازم تھا۔ جس کا بیٹا کفرنحوم میں بیمار تھا۔ وہ یہ سن کر کہ یسوع یہودیہ سے گلیل میں آگیا ہے اس کے پاس گیا اور اس سے درخواست کرنے لگا کہ چل کر میرے بیٹے کو شفا بخش کیونکہ وہ مرنے کو تھا یسوع نے اس سے کہا جب تک تم نشان کرامتیں نہ دیکھو ہرگز ایمان نہ لاؤ گے۔ بادشاہ کے ملازم نے اس سے کہا اے خداوند میرے بچے کے مرنے سے پہلے چل یسوع نے اس سے کہا جا تیرا بیٹا جیتا ہے اس شخص نے اس بات کا یقین کیا جو یسوع نے اس سے کہی اور چلا گیا وہ راستہ ہی میں تھا کہ اس کے نوکر اسے ملے اور کہنے لگے کہ تیرا بیٹا جیتا ہے اس نے ان سے پوچھا کہ اسے کس وقت سے آرام ہونے لگا تھا انہوں نے کہا کہ کل ساتویں گھنٹے میں اس کی تپ اتر گئی تھی پس باپ جان گیا کہ وہی وقت تھا جب یسوع نے اس سے کہا تھا تیرا بیٹا جیتا ہے اور وہ خود اس کا سارا گھرانہ ایمان لے آیا"(154)

نابیناؤں کے بینا کرنے کا معجزہ

سیدنا مسیح نے کئی نابیناؤں کو روشنی دی۔ بیت صیدا اور یریحو کے مقام پر ان معجزوں کا ظہور ہوا ان دو جگہوں کا خصوصی

طور پرانا جیل میں ذکر آیا ہے ان کے علاوہ بھی آپ نے کئی نابیناؤں کو بینا کیا۔

بیت صیدا (عبرانی = ماہی گیری کا گھر) تبریاس جھیل کے شمال مشرق میں ایک گاؤں گنیسرت تبریاس کی جھیل کو گلیل کی جھیل بھی کہا جاتا ہے یہ شمالی فلسطین میں ساڑھے ۱۲ میل لمبی اور ۴۔۷ میل چوڑی تھی (قاموس ص ۸۳)

یریحو۔یسوع کے زمانہ کا ایک اہم شہر تھا اس کی کھدائی سے فلسطین کی تہذیب کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

(قاموس ص ۱۱۲۰)

یریحو کے نابینا

یسوع کے زمانہ میں فلسطین میں یریحو نامی شہر تھا جب آپ اس شہر سے نکل رہے تھے انہیں پتہ چلا کہ یسوع اس راستے سے گزر رہا تھا تو انہوں نے پکارا کہ ہمیں آنکھیں دیدو لوگوں نے انہیں اس طرح پکارنے پر اندھوں کو ڈانٹ پلائی یسوع اس طرح متوجہ ہوئے ان کی بابت سنی اور انہیں ٹھیک کر دیا ان کی آنکھوں میں روشنی لوٹ آئی۔"جب وہ یریحو سے نکل رہے تھے تو ایک بڑا ہجوم اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے یہ سن کر یسوع جا رہا ہے چلا کر کہا اے خداوند داؤد کے بیٹے ہم پر رحم کر اور لوگوں نے انہیں جھڑکا کہ چپ رہیں لیکن وہ اور بھی چلا کر بولے اے خداوند داؤد کے بیٹے ہم پر رحم کر اور یسوع کھڑا ہو گیا اور انہیں بلا کر کہا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں۔انہوں نے اس سے کہا اے خداوند یہ کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں یسوع نے ترس کھا کر ان کی آنکھوں کو چھوا اور وہ فوراً بینا ہو گئے اور اس کے پیچھے ہو لئے"(155)

لوقا اور مرقس میں یریحو کے صرف ایک اندھے کا ذکر ہے جبکہ مرقس میں اس کا نام بھی بتایا گیا ہے مرقس لکھتا ہے پھر وہ یریحو آئے اور جب وہ اپنے شاگردوں اور بڑے ہجوم سمیت یریحو سے نکلتا ہے تو تیمائی کا بیٹا برتیمائی اندھا بھکاری راہ کے کنارے بیٹھا تھا اور اور یہ سن کر وہ یسوع ناصری ہے چلانے اور کہنے لگا اے داؤد کے بیٹے یسوع مجھ پر رحم کر(156)

بیت صیدا کا نابینا

جلیل کی جھیل کے شمال مشرق میں بیت صدا کا گاؤں تھا جب آپ اس مقام پر آئے تو لوگ ایک اندھے کو پکڑ کر لائے اور یسوع کی خوشامد کرنے لگے کہ اس کا خیال کر آپ نے اپنے لعاب مبارک کے ذریعے اسے روشنی عطا کی اور وہ ہر چیز کو صاف دیکھنے لگا"وہ بیت صیدا میں آئے اور لوگ ایک اندھے کو اس کے پاس لائے اور اس کی منت کی کہ اسے چھوئے وہ اس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاؤں سے باہر لے گیا اور اس کی آنکھوں میں تھوک کر اپنے ہاتھ اس پر رکھ کر اسے پوچھا کیا تو کچھ دیکھتا ہے اور جب دیکھنے لگا تو کہا میں آدمیوں کو دیکھتا ہوں گویا درختوں کو لیکن چلتے ہیں۔تب اس نے پھر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اور وہ پورا دیکھنے لگا پھر اس نے اسے یوں کہہ کر اس کے گھر کی طرف روانہ کیا کہ اپنے گھر جا اور جب تو گاؤں میں داخل ہو تو کسی سے مت کہنا"(158)

دو نابیناؤں کا بینا کرنا

متی میں یریحو کے نابیناؤں کے علاوہ دو نابیناؤں کا بھی ذکر ہے جب یسوع یائیر کی مردہ بیٹی کو زندہ کر کے روانہ ہوا تو دو اندھے اس کے پیچھے پکارتے ہوئے آئے کہ اے داؤد کے بیٹے ہم پر رحم کر۔ اور جب وہ گھر میں پہنچا وہ اندھے اس کے پاس آئے۔ یسوع نے ان سے کہا کہ تم یقین کرتے ہو کہ میں یہ کر سکتا ہوں وہ بولے ہاں اے خداوند تب اس نے ان کی آنکھیں چھو کر کہا کہ تمہارے ایمان کے موافق تمہارے لئے ہو اور ان کی آنکھیں کھل گئیں اور یسوع نے انہیں تاکید کر کے کہا خبردار کوئی اس کی بات کو نہ جانے مگر انہوں نے باہر جا کر اس تمام علاقے میں اس کی شہرت پھیلا دی۔ (158)

یوحنا ایک طویل قصہ درج کیا جو باب نمبر ۹ تمام پر مشتمل ہے کہ یسوع نے ایک پیدائشی اندھے کی آنکھیں عطا کیں یہودی اسے جگہ جگہ لئے پھرتے اور تحقیق کرتے کہ کیا اسی یسوع ہی نے ٹھیک کیا ہے کیونکہ انہیں یقین نہ آتا کہ دنیا میں پیدائشی اندھے بھی آنکھیں کھول لیتے ہیں۔

شفا نابینا بروایت یوحنا

اس نے گزرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو پیدائشی اندھا تھا اور اس کے شاگردوں نے اس سے پوچھا ربی کس نے گناہ کیا تھا اس نے اس کے ماں باپ نے کہ یہ اندھا پیدا ہوا یسوع نے جواب دیا نہ تو اس نے گناہ کیا تھا اور نہ اس کے ماں باپ نے لیکن یہ اس لئے ہوا کہ خدا کے کام اس میں ظاہر ہوں واجب ہے کہ میں جب تک دن ہے اس کے کام کروں جس نے مجھے بھیجا ہے وہ رات آنے والی ہے جس میں کوئی شخص کام نہیں کر سکتا جب تک میں دنیا میں ہوں دنیا کا نور ہوں یہ کہہ کر اس نے زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی گوندھی اور مٹی اس اندھے کی آنکھوں پر لگائی اور اس سے کہا جا سلوام کے تالاب میں دھو بس وہ گیا اور دھویا اور بینا ہو کر لوٹا۔ (159)

کوڑھی، لنگڑے، مفلوج اور گونگوں کا علاج

یسوع جہاں جاتے لوگ ان کو پکڑ لیتے اور اپنے اپنے مرض کو لیکر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ ہمارا علاج کر و اسی طرح ایک کوڑھی نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے اس بیماری سے نجات دلائی" جب وہ پہاڑ سے اترا تو بڑا بھاری ہجوم اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھو ایک کوڑھی نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے تو اس نے اسے ہاتھ بڑھا کر چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تو پاک صاف ہو جا فوراً اس کا کوڑھ جاتا رہا تب یسوع نے اس سے کہا خبردار کسی سے نہ کہنا لیکن جا کر اپنے کاہن کو دکھا اور جو نذر موسی نے مقرر کی ہے اسے گزران تا کہ ان کیلئے گواہی ہو۔" (160)

دس کوڑھی

سامریہ اور جلیل کے درمیان ایک گاؤں میں جناب یسوع کو دس کوڑھی نظر آئے انہوں نے آپؐ سے نظر کرم کی چاہت

کی آپؐ نے ان کی بیماری دور کر دی"اور ایسا ہوا کہ جب وہ یروشلم کو جاتا تھا تو سامریہ اور جلیل کے درمیان سے ہو کر جارہا تھا اور جب وہ ایک گاؤں میں داخل ہونے لگا تو دس مفلوج آدمی ملے وہ کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو گئے اور آواز بلند کر کے بولے اے یسوعؑ اے استاد ہم پر رحم کر اس نے دیکھ کر ان سے کہا کہ جاؤں اپنے آپ کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے"(161)

شفائے مفلوج

یسوع مسیحؑ کفر نحوم میں تھے سلسلہ تعلیم جاری تھا فریسی اور علماء شرع حلقے میں بیٹھے تھے یہ لوگ جلیل یہودیہ اور یروشلم سے آئے ہوئے تھے قدرت کا عطیہ شفاء ان کے پاس تھا" دیکھو لوگ ایک مفلوج کو چارپائی پر پڑا ہوا اس کے پاس لائے یسوع نے ان کا ایمان دیکھ کر مفلوج سے کہا بیٹا خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے اور دیکھو بعض فقیہہ اپنے دل میں کہنے لگے یہ کفر بکتا ہے۔ یسوع نے ان کے خیال جانتے ہوے کہا تم اپنے دلوں میں بدگمانی کیوں کرتے ہو کیا یہ کہنا آسان ہے کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہ اٹھ اور چل پھر لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن انسان کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے تب اس نے مفلوج سے کہا اٹھ اپنی چارپائی اٹھا اور اپنے گھر چلا جا وہ اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا تب ہجوم یہ دیکھ کر ڈر گیا اور خدا کی تمجید کرنے لگا جس نے ایسا اختیار آدمیوں کا بخشا۔"(162)

مرقس نے یہ واقعہ کفر نحوم کا بتایا ہے

صوبہ دار کا مفلوج غلام

ایک صوبہ دار کا غلام سخت بیمار تھا بقول لوقا وہ قریب المرگ تھا(لوقا ۷: ۲)اس نے کئی بزرگ یسوع کے پاس سفارش کیلئے بھیجے تاکہ وہ صحت یاب ہو جائے "اور جب وہ کفر نحوم میں داخل ہوا تو ایک صوبہ دار اس کے پاس آیا اور اس کی منت کر کے کہا اے خداوند میرا غلام گھر میں فالج سے بیمار پڑا ہے اور نہایت تکلیف میں ہے یسوع نے اس سے کہا میں آؤں گا اور اسے اچھا کروں گا تو صوبہ دار نے جواب میں کہا اے خداوند میں اس لائق نہیں تو میری چھت کے نیچے آئے بلکہ بات ہی کہہ دے کہ میرا غلام اچھا ہو جائے گا کیونکہ میں بھی آدمی ہوں جو دوسرے کے اختیار میں ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں اور میں ایک سے کہتا ہوں جا تو وہ جاتا ہے اور دوسرے سے آ تو وہ آتا ہے اور اپنے غلام سے کہ یہ کر تو وہ کرتا ہے یسوع نے سن کر تعجب کیا اور ان سے جو اس کے پیچھے ہوتے تھے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے اتنا بڑا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے مشرق اور مغرب سے آئیں گے اور ابراہیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے مگر بادشاہی کے فرزند باہر کے اندھیرے میں ڈوب جائیں گے۔ وہاں رونا اور دانتوں کا بجنا ہو گا۔ تب یسوع نے صوبہ دار سے کہا جا جیسا تیرا ایمان ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اسی گھڑی غلام اچھا ہو گیا (163)"۔

گونگے کی شفا

یسوع نے دو نابیناؤں کو بینا کیا انہوں نے آپ کو گھر میں ہی پکڑ لیا اس کے بعد گھر سے باہر نکلے ہی تھے لوگ ایک گونگے کو لے آئے اور جس وقت وہ گھر سے باہر نکلے دیکھو لوگ ایک آسیب زدہ گونگے کو اس کے پاس لائے اور جب بد روح نکالی گئی تو گونگا بولا اور لوگوں نے تعجب کر کے کہا کے اسرائیل میں ایسا کبھی دیکھا نہیں گیا مگر پھر فریسیوں نے کہا یہ بد روحوں کے سردار کی مدد سے بد روحوں کو نکالتا ہے"(164)

اندھا گونگا شفایاب ہو گیا

آپؐ نے ایک اندھے گونگے کو بولنے اور دیکھنے کے قابل کر دیا اور یہ دیکھ کر سارا ہجوم حیران رہ گیا"اس کے پاس ایک اندھا اور گونگا آسیب زدہ لایا گیا اور اس نے اسے شفا بخشی۔ چنانچہ وہ گونگا بولنے اور دیکھنے لگا اور سارا ہجوم حیران ہو کر کہنے لگا کہ کیا شاہد یہ داؤد کا بیٹا ہے پر فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بد روحوں کے سردار بعل زبول کی مدد کے بغیر بد روحوں کو نہیں نکالتا لیکن اس نے ان خیالات کو جانتے ہوئے ان سے کہا ہر وہ بادشاہی جس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے ویران ہو جاتی ہے اور ہر وہ شہر یا گھر جس میں پھوٹ پڑ جائے تو قائم نہیں رہتا۔ اور اگر شیطان ہی شیطان کو نکالے تو وہ آپ ہی اپنا مخالف ہوا پھر اس کی بادشاہی کیونکر قائم رہے گی۔ اور اگر میں بعل زبول کی مدد سے بد روحوں کو نکالتا ہوں تو تمارے بیٹے کس کی مدد سے نکالتے ہیں اس لئے وہی تمہارے منصف ہونگے لیکن اگر میں خدا کی روح سے بد روحوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہی تمہارے پاس آ پہنچی۔"(165)

بزاتا کا لنگڑا

آپ نے ایک ایسے لنگڑے کو تندرست کیا جو اڑتیں سال سے تالاب کے کنارے اپنی باری کے انتظار میں پڑا تھا کیونکہ جب اس تالاب میں اچانک حرکت پیدا ہوتی تو ایک آدمی جو پہلے داخل ہوتا وہ ٹھیک ہو جاتا مگر یہ بیچارہ کمزوری کی وجہ سے محروم رہ جاتا۔ انجیل یوحنا میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے۔

"یسوع یروشلم کو گیا اور یروشلم میں بھیڑ دروازے کے پاس حوض ہے جو عبرانی میں نبراتا (بیت حسدا) کہلاتا ہے جس کے پانچ برآمدے ہیں ان میں بہت سے ناتواں پڑے تھے اندھے لنگڑے اور پژمردے جو پانی کے ہلنے کے منتظر تھے (کیونکہ خداوند کا ایک فرشتہ وقتاً فوقتاً حوض میں اتر کر پانی کو ہلاتا تھا اور جو کوئی پانی کے ہلنے کے بعد حوض میں پہلے اترتا خواہ کیسا ہی مریض ہو شفا پا جاتا)اور دہاں ایک شخص تھا جو اڑتیں برس سے بیمار تھا۔ یسوع نے جب اسے پڑے دیکھا اور جانا کہ وہ بہت مدت سے اس حالت میں ہے تو اس سے کہا کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے۔ اس بیمار نے اسے جواب دیا کہ اے خداوند میرے پاس کوئی آدمی نہیں کہ جب یہ پانی ہلے تو مجھے حوض میں اتار دے اور جب تک میں خود آپ پہنچوں دوسرا مجھ سے پہلے اتر پڑتا ہے یسوع نے اس سے کہا اٹھ اور اپنا کھٹولا اٹھا کر لا چلا جا فی الفور وہ تندرست ہو گیا اور اپنا کھٹولا اٹھا کر چلا گیا

۔وہ دن سبت کا دن تھا"(166)

شفا مستسقی(جلندر)

سبت کے دن یسوع ایک فریسی سردار کی دعوت پر تشریف لے گئے آپ نے فریسی علماء کی موجودگی میں جلندر کے مریض کو شفا بخشی اور کہا کہ مجبور کیلئے سبت کے دن ایسا کام کرنا جائز ہے" پھر ایسا ہوا کہ وہ سبت کے دن فریسیوں کے سرداروں میں سے کسی کے گھر کھانا کھانے کو گیا اور وہ اس کی تاک میں رہے اور دیکھو ایک شخص اس کے سامنے تھا جسے جلندر تھا یسوع نے شرع کے عالموں اور فریسیوں سے کہا کہ سبت کے دن شفاء بخشنا روا ہے یا نہیں وہ چپ رہ گئے اس نے ہاتھ لگا کر شفاء بخشی اور رخصت کیا اور ان سے کہا تم میں ایسا کون ہے جس کا گدھا یا بیل کنویں میں گر پڑے اور سبت کے دن اس کو فوراً نہ نکال لے اور ان باتوں کا جواب نہ دے سکے۔"(167)

مرگی کے مریض کو شفاء

جب وہ ہجوم کے پاس پہنچے تو ایک آدمی اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر کہا اے خداوند میرے بیٹے پر رحم کر اس کو مرگی آتی ہے اور وہ بہت دکھ اٹھاتا ہے کیونکہ وہ اکثر آگ میں گر پڑتا ہے اور اکثر پانی میں اور میں اسے تیرے شاگردوں کے پاس لایا تھا مگر وہ اسے شفاء نہ دے سکے۔ یسوع نے جواب میں کہا اے بے اعتقاد اور گمراہ پشت میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا اور کب تک تمہاری برداشت کروں گا اسے یہاں میری پاس لاؤ۔

تب یسوع نے اسے دھمکایا اور بدروح اس سے نکل گئی اور لڑکے نے اسی گھڑی شفا پائی۔(168)

مرقس میں اس بیماری کی تفصیل اس طرح لکھی ہے "اے استاد میں اپنے بیٹے کو جس میں گونگی روح ہے تیرے پاس لایا تھا وہ جہاں اس پر قابو پاتی ہے اسے پٹک دیتی ہے اور وہ کف بھر لاتا ہے اور دانت پیستا اور سوکھتا جاتا ہے اور میں نے تیرے شاگردوں سے کہا تھا کہ وہ اسے نکال دیں"(169)

بیماروں کو شفا

وہ پار جا کر جناسرت (کنیسرت) کے علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے سے پہچان کر س کے سارے گردونواح میں خبر بھیجی اور سب بیماروں کو اس کے پاس لائے اور وہ اس کی منت کرنے لگے کہ اس کی پوشاک کا کنارہ ہی چھو لیں اور جنہوں نے چھوا وہ اچھے ہو گئے(170) اور جلیل کی جھیل کے نزدیک آیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر وہیں بیٹھ گیا اور بڑے بڑے ہجوم اس کے پاس آتے جن کے پاس لنگڑے 'ٹنڈے 'اندھے 'گونگے اور بہت سے اور تھے اور انہوں نے انہیں اس کے پاؤں پر ڈال دیا اور اس نے انہیں شفا بخشی یہاں تک کہ ہجوم نے تعجب کیا جب دیکھا گونگے بولتے 'ٹنڈے تندرست ہوتے' لنگڑے چلتے اور اندھے دیکھتے ہیں اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کی تمجید کی(171)

پطرس کے یہاں شفا

یسوع نے پطرس کے گھر میں آکر دیکھا کہ اس کی ساس تپ سے پڑی ہے اور اس نے اس کا ہاتھ چھوا اور تپ اس پر سے اتر گئی اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی خدمت کرنے لگی جب شام ہوئی تو بہترے آسیب زدوں کو اس کے پاس لائے اور اس نے بات ہی سے بدرروحوں کو نکال دیا اور سب کو جو بیمار تھے اچھا کیا۔(172)

کبڑی عورت کو شفا

سبت کے دن وہ کسی عبادت خانے میں تعلیم دیتا تھا اور دیکھو ایک عورت تھی جس کو اٹھارہ برس سے کسی بدروح کے باعث کمزوری تھی وہ کبڑی ہوگئی تھی اور کسی طرح سیدھی نہ ہوسکتی تھی یسوع نے اسے دیکھ کر پاس بلایا اور اس سے کہا اے عورت تو اپنی کمزوری سے چھوٹ گئی اور اس نے اسپر ہاتھ رکھے اسی دم وہ سیدھی ہوگئی اور خدا کی تمجید کرنے لگی۔ عبادت خانہ کا سردار اس لئے کہ یسوع نے سبت کے دن شفا بخشی خفا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا چھ دن ہیں جن میں کام کرنا چاہئے پس ان میں آکر شفاء پاؤ نہ کہ سبت کے دن تب خداوند نے اس کا جواب دیا اور کہا اے ریاکارو کیا ہر ایک تم میں سے سبت کو اپنے بیل یا گدھے کو تھان سے نہیں کھولتا اور پانی پلانے نہیں لے جاتا پس کیا واجب نہ تھا کہ یہ جو ابراہیم کی بیٹی ہے جس کو شیطان نے ۱۸ برس سے باندھ رکھا تھا سبت کے اس دن اس بند سے چھڑائی جاتی ہے اور جب وہ یہ باتیں کہتا تھا اس کے سخت مخالف شرمندہ ہوتے اور سارا ہجوم ان شاندار کاموں سے جو اس سے ہوتے تھے خوش ہوئے(173)

بدروحوں اور آسیب کا خاتمہ

جب وہ (جھیل) پار ہو کر جر جاسیوں (گڈریوں) کے ملک میں پہنچا (جو جلیل کے مقابل ہے۔ تو دو آسیب زدہ (لوقا میں ایک کا ذکر ہے) قبروں سے نکل کر اسے ملے وہ ایسے تند مزاج تھے کہ کوئی اس راستے سے گزر نہیں سکتا تھا اور دیکھو انہوں نے چلا کر کہا اے خدا کے بیٹے ہمیں تجھ سے کیا واسطہ ہے کیا تو یہاں اس لئے آیا کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب دے اور ان سے کافی دور سوروں کا ایک بڑا غول چر تا تھا سو بدروحوں نے اس کی منت کر کے کہا اگر ہم کو یہاں سے نکالتا ہے تو ہمیں ان سوروں کے غول میں بھیج دے تب اس نے ان سے کہا جاؤ تو وہ نکل کر سوروں میں چلی گئیں اور دیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھیل میں کود کر پانی میں ڈوب مرا۔ تب چرانے والے بھاگے اور شہر میں جا کر سب ماجرا بیان کیا جن میں بدروحیں تھیں اور دیکھو سارا شہر یسوع نے سے ملنے کو نکلا اور اسے دیکھتے ہی منت کی کہ ہمارے علاقے سے باہر چلا جا(174)

روحانی اور جسمانی امراض کا علاج

سیدنا مسیحؑ جلیل کے علاقے میں تبلیغ کے لئے چکر لگاتے تو وہاں جو روحانی اور جسمانی مریض ان کے پاس آتا آپ اس کو ٹھیک کر دیتے تھے۔ متی میں ہے

"اور یسوع تمام جلیل میں پھرتا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر ایک 'بیماری اور کمزوری دور کرتا رہا اور اس کی شہرت تمام سوریا میں پھیل گئی اور لوگ سب بیماروں کو جو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں میں گرفتار تھے اور آسیب زدوں اور مرگی والوں اور مفلوجوں کو اس کے پاس لائے اور اس نے انہیں اچھا کیا(175)

مرقس میں ہے کہ یسوعؑ نے کنعانی عورت کی بیٹی سے بدروح کو نکالا(176)

اور پھر آپ صور کے علاقے سے نکل کر صیدون کی راہ سے جلیل کی جھیل کی طرف جاتے ہوئے دیکاپولس کے علاقے کے وسط میں آئے یہاں آپ نے ایک بہرے 'ہکلے کے کان اور زبان کھول دی اور وہ صاف بولنے لگا۔(177)

چند دیگر معجزے

ان معجزات کے علاوہ یسوعؑ سے چند اور معجزات بھی سرزد ہوئے جن کا ذکر اناجیل اربعہ میں ہے وہ پانچ روٹیوں اور دو مچھلیاں کا تقریباً پانچ ہزار آدمیوں کا کھانا معجزانہ ماہی گیری تسکین طوفان 'یسوع کا پانی پر چلنا اور پانی کا مے بنانا ہے۔

کھانے میں برکت

(قتل یوحنا کی خبر سن کر) یسوعؑ وہاں سے کشتی پر الگ کسی ویران جگہ کو روانہ ہوا اور جب ہجوم نے سنا تو شہروں سے پیدل اس کے پیچھے گیا اور اس نے اتر کر ایک بڑا ہجوم دیکھا اور اسے ان پر ترس آیا اور اس نے انکے بیماروں کو شفا بخشی اور جب شام ہوئی تو شاگردوں نے اس کے پاس آکر کہا کہ جگہ ویران ہے اور اب وقت گزر چکا ہے ہجوم کو رخصت کر تاکہ گاؤں میں جا کر اپنے لئے کھانا مول لیں پر یسوع نے ان سے کہا ان کا جانا ضروری نہیں تم ہی انہیں کھانے کو دو مگر انہوں نے اس سے کہا یہاں ہمارے پاس پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے سوا اور کچھ نہیں تو اس نے کہا انہیں یہاں میرے پاس لے آؤ اور اس نے ہجوم کو گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا پھر اس نے وہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں لیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر برکت دی اور توڑ کر روٹیاں شاگردوں کو دیں اور شاگردوں نے ہجوم کو اور وہ سب کھا کر سیر ہو گئے اور انہوں نے ٹکڑوں سے بھری ہوئی بارہ ٹوکریاں اٹھائیں اور عورتوں اور بچوں کے علاوہ تقریباً پانچ ہزار مرد تھے(178)

متی کے اگلے باب میں یہ معجزہ ذرا فرق سے بیان ہوا ہے کہ ہجوم تین دن تک یسوعؑ کے ساتھ رہا اس پر یسوع نے سات روٹیاں اور تھوڑی سی مچھلیاں تقریباً چار ہزار مرد کو کھلائے

روٹی مچھلی اور ہجوم کی تعداد کے فرق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں معجزے الگ الگ وقوع پذیر ہوئے کیونکہ باب نمبر ۱۴ یعنی پہلا معجزہ ویران جگہ کا ہے اور باب ۱۵ کا معجزہ جلیل کی جھیل کے نزدیک بتایا گیا ہے پہلے میں پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں اور تقریباً پانچ ہزار مرد کھانے والے بتائے گئے ہیں دوسرے میں سات روٹیاں اور تھوڑی سی چھوٹی مچھلیاں چار ہزار مرد کھانے والے بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح متی کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ معجزے ہیں

ورنہ وہ ان کو دو ابواب میں علیحدہ مقام پر درج نہ کرتے (179)

معجزانہ ماہی گیری

جب وہ جناسرت کی جھیل کے کنارے کھڑا تھا اور ہجوم خدا کا کلام سننے کیلئے اس پر گرے پڑتے تھے تو ایسا ہوا کہ اس نے جھیل کے کنارے دو کشتیاں لگی دیکھیں لیکن ماہی گیر ان پر سے اتر کر جال دھو رہے تھے اس نے ان میں اس کشتی پر چڑھ کر جو شمعون کی تھی اس سے درخواست کی کے کنارے سے ذرا ہٹالے چل اور وہ بیٹھ کر ہجوم کو کشتی پر سے تعلیم دینے لگا اور جب کلام کر چکا تو شمعون سے کہا کہ گہرے میں لے چل اور تم شکار کیلئے اپنا جال ڈالو شمعون نے جواب میں کہا کہ اے استاد ہم نے ساری رات محنت کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا لیکن تیرے کہنے سے جال ڈالوں گا اور جب انہوں نے یہ کیا تو مچھلیوں کا بڑ اغول گھیر لیا اور ان کے جال پھٹنے لگے تب انہوں نے اپنے شرکاء کو جو دوسری کشتی پر تھے اشارہ کیا کہ آؤ ہماری مدد کرو وہ آئے اور دونوں کشتیاں ایسی بھر دیں کہ ڈوبنے لگیں شمعون پطرس نے یہ دیکھ کر یسوع کے پاؤں پر گر کر کہا اے خداوند میرے پاس سے چلا جا اس لئے کہ میں گنہگار آدمی ہوں کیونکہ اس ماہی گیری کے سبب جو انہوں نے کی تھی وہ اور اس کے سب ساتھی نہایت حیران ہوئے اور ویسے ہی زبدی کے بیٹے یعقوب اور یوحنا بھی جو شمعون کے شریک تھے تب یسوع نے شمعون سے کہا مت ڈر اس وقت سے تو آدمی گیری کرے گا وہ کشتیوں کو کنارے پر لے آئے سب کچھ چھوڑ کر اس کے پیچھے ہوئے (180)

یسوعؑ کا پانی پر چلنا

یسوع کا ایک معجزہ اناجیل میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آپؑ جھیل کے گہرے پانی میں چلے اور شاگردوں کے پاس کشی میں اسطرح پہنچ گئے جیسے کوئی عام پیدل چل کر جاتا ہے۔ متی میں ہے اور اس نے فوراً شاگردوں کو مجبور کیا کہ کشتی میں سوار ہو کر اس سے پہلے پار چلے جائیں۔ جب تک وہ لوگوں کو رخصت کرے اور لوگوں کو رخصت کر کے تنہا دعا کرنے کیلئے پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب شام ہوئی تو وہاں اکیلا تھا مگر کشتی اس وقت جھیل کے بیچ میں تھی اور لہروں سے ڈگمگا رہی تھی کیونکہ ہوا مخالف تھی اور وہ رات کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ شاگرد اسے جھیل پر چلتا دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ بھوت ہی اور ڈر کر چلا اٹھے یسوع نے فوراً ان سے کہا خاطر جمع رکھو میں ہوں ڈرو مت۔ پطرس نے اس سے جواب میں کہا اے خداوند اگر تو ہے تو مجھے حکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں اس نے کہا آ اور پطرس کشتی سے اتر کر یسوعؑ کے پاس جانے کیلئے پانی پر چلنے لگا مگر جب ہوا دیکھی تو ڈر گیا اور جب ڈوبنے لگا تو چلا کر کہا اے خداوند مجھے بچا۔ یسوع نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا اے کم اعتقاد تو نے کیوں شک کیا اور جب وہ کشتی پر ساتھ آئے تو ہوا تھم گئی اور جو کشتی پر تھے انہوں نے سجدہ کر کے کہا کہ یقیناً تو خدا کا بیٹا ہے۔ (181)

یہ ان معجزات کا خلاصہ ہے جو یسوعؑ مسیح کے اناجیل اربعہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ممکن ہے دوسرے احکامات کی طرح ان میں

بھی تحریف و تبدل ہوا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ جناب یسوعؑ سے معجزات صادر ہوئے یہاں تک کہ آپ نے مردوں کو بھی زندہ کیا۔

فصل دوم

ایمانیات اور عقائد مسیح

یسوعؑ کے کلام میں میں ایمان اور عقیدے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے یہ وہ جذبہ ہے جس سے بڑے بڑے معجزے صادر ہوئے اس سے پانی کے طوفان تھم جاتے ہیں درخت اور پہاڑ سمندر میں خودبخود اکھڑ کر گر جاتے ہیں۔اس چراغ سے تمام بدن روشن ہو جاتا ہے اس کی کمی سے درخت سوکھ جاتے ہیں اور معجزوں کا ظہور رک جاتا ہے۔

ایک بار شاگردوں نے یسوعؑ سے پوچھا کہ فلاں شخص سے ہم بدروح نہیں نکال سکے اور اس کا مرگی کا علاج نہیں کر سکے اس کی کیا وجہ ہے ؟

یسوعؑ نے ان سے کہا اپنی کم اعتقادی کے سبب کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی اعتقاد ہوگا تو تم اس پہاڑ سے کہو گے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ممکن نہ ہوگی (182)۔

ایک بار مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو ایمان کی اہمیت اسطرح سمجھائی

صبح کو شہر (فلسطین) کو واپس جارہا تھا تو اسے بھوک لگی اور انجیر کا ایک درخت راہ کے کنارے دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پایا تو اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے اور اس دم انجیر کا درخت سوکھ گیا اور شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا انجیر کا درخت کیونکر ایک دم سوکھ گیا یسوعؑ نے جواب میں ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان رکھو اور شک نہ کرو تو نہ صرف یہی کر سکو گے جو انجیر کے درخت کیساتھ ہوا بلکہ اور پہاڑ کو بھی کہو گے اکھڑ جا اور سمندر میں جا پڑ تو یہ ہو جائے گا اور جو کچھ تم ایمان کیساتھ دعا مانگو گے وہ سب تمہیں ملے گا (183)

ایمان وہ دولت ہے جس کی وجہ سے گناہ گار شخص بھی خدا کی بارگاہ میں مقبولیت اور شرف کا مقام پالیتا ہے۔

یسوعؑ نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ محصل اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتی ہیں کیونکہ یوحنا راستی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم نے اس کا یقین نہ کیا مگر محصلوں اور کسبیوں نے اس کا یقین کیا اور تم یہ دیکھ کر بعد میں بھی نہ پچھتائے کہ تم اس کا یقین کر لیتے۔(184)

ایک موقعہ پر شاگردوں نے کہا کہ اے مسیحؑ ہمارے ایمان میں اضافہ کر۔ تو آپؑ نے کہا اگر تم رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان رکھتے ہو اور تم اس شہتوت سے کہتے ہو کہ جڑ سے اکھڑ کر سمندر میں جا لگ تو تمہاری مانتا۔(185) خدا پر ایمان اور اس کے کلام کو سننے کی بہت فضیلت ہے یسوعؑ فرماتے ہیں جو میرا کلام سنتا ہے اور اس پر جس نے مجھے بھیجا ہے ایمان لاتا ہے وہ ہمیشہ کی زندگی رکھتا ہے۔(186)

یسوعؑ کے بہت سے معجزوں سے بھی ایمان کی روشنی جھلکتی ہے جب لوگ آکر آپؑ سے معجزہ طلب کرتے تو آپ کہہ دیتے

کہ جا جیسا تیرا ایمان ویسا ہی تیرے ساتھ ہو۔اس کے ایمان کے تحت وہ معجزہ رونما ہو جاتا تھا۔ صوبہ دار کے غلام کیلئے آپؑ نے یہی الفاظ کہے جا جیسا تیرا ایمان ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اسی گھڑی غلام اچھا ہو گیا(187) ایک عورت بارہ برس سے خون کی بیماری میں مبتلا تھی اس نے عقیدت سے یسوعؑ کو چھوا وہ ٹھیک ہو گئی اسے بھی یسوعؑ نے یہی کہا بیٹی تیرے ایمان نے تجھے خلاصی دی(188)

ریحو کے نابینا روشنی پا گئے اس پر یسوعؑ نے ان سے کہا جا تیرے ایمان نے تجھے بچایا ہے اور فوراً اس نے بینائی پائی(189) ایمان کی کرنیں نور کی طرح چمکتی ہیں اس شمع کی بنیاد یہی ہے اس لئے اسے ہمیشہ روشن رکھنا چاہئے اور اس کی سلامتی کا خیال رکھنا چاہئے اس کی اہمیت اس طرح بتائی گئی ہے۔

بدن کا چراغ آنکھ ہے اگر تیری آنکھ درست ہے تو سارا بدن روشن ہو گا لیکن اگر تیری آنکھ تاریک ہو تو تیرا سارا بدن اندھیرا ہو گا اس لئے اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریک ہو تو کیسی بڑی تاریکی ہو گی(190)

عقائد اور ایمان کی اصل یہ تین تصورات ہیں

☆ تصور توحید

☆ تصور رسالت

☆ تصور آخرت

باقی تصورات ان ہی کے تابع ہیں اناجیل اربعہ میں ان تینوں عقائد میں سے تصور رسالت پر کافی مواد ملتا ہے مگر توحید اور آخرت کے بارے میں بہت ہی کم تعلیمات نظر آتی ہیں۔

تصور توحید

الہامی مذاہب میں تصور توحید بنیادی حیثیت کا حامل ہے تمام انبیاء اسی عقیدے کو زندہ رکھنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ جب بھی اس میں بگاڑ پیدا ہوا تو اللہ تعالی نے فوراً اس کی اصلاح کیلئے نبی بھیجے حضرت عیسیٰؑ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

موجودہ اناجیل میں ابنیت اور الوہیت مسیحؑ پر بہت زور ہے لیکن کہیں کہیں واضح طور پر ہمیں توحید کی تعلیم بھی نظر آتی ہے یہی وہ سچے موتی ہیں جن سے اس کتاب کے الہامی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

یسوعؑ کا اقرار توحید

شیطان نے یسوعؑ کو آزمایا اور طرح طرح کے لالچ دیئے لیکن آپؑ ثابت قدم رہے اور ایک ہی خدا سے رجوع کیا پھر شیطان اسے ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب مملکتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا اگر تو گر کے مجھے

سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دوں گا تب یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے
توخداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔(191) یسوع نے اسے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا (192)

حکم اول توحید

یسوع سے پوچھا کہ سب سے پہلا اور اہم حکم کونسا ہے تو آپ نے یہی توحید فرمایا۔ اور فقیہوں میں سے ایک نے آپؑ کا مباحثہ سنا اور جان کر اس نے انہیں خوب جواب دیا تو پاس آکر اس سے پوچھا کہ سب سے پہلا حکم کونسا ہے یسوع نے جواب دیا کہ پہلا یہ ہے سن اے اسرائیل کے خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے پس تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے پیار کر (193)

خدا ایک ہی

ایک بار یسوع نے یہودیوں کی خرابیاں گنواتے ہوئے کہا کہ ان کے قول وفعل میں تضاد ہے لوگوں پر شریعت کے بھاری بھاری بوجھ ڈالتے ہیں لیکن آپ تنکوں سے بھی گھبراتے ہیں۔ اسی موقعہ پر توحید کی طرف متوجہ کیا اور کہا تمہارا مرشد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے اور نہ تم مرشد کہلاؤ کیونکہ تمہارا مرشد ایک ہی ہے یعنی المسیح۔(194)

ایک مالک کی عبادت

کوئی انسان ایک وقت میں دو ہستیوں سے محبت نہیں رکھ سکتا اسی طرح دو خداؤں پر یقین نہیں رکھا جا سکتا اگر ایک سے محبت رکھتا ہے تو دوسرے کا خیال نکل جاتا ہے۔ اس لئے لائق اور قابل تعظیم صرف ایک ہی ذات ہوتی ہے اس کا اظہار سیدنا مسیحؑ کے الفاظ میں اسطرح ہوتا ہے

"کوئی آدمی دو مالکوں کی غلامی نہیں کر سکتا اس لئے کہ ایک سے کینہ رکھے گا
اور دوسرے سے محبت ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو حقیر جانے گا تم
خدا اور دولت دونوں کی غلامی نہیں کر سکتے۔ (195)

خدا کی پہچان

یسوعؑ نے دائمی زندگی کا راز یہی بتایا کہ لوگ ان کی نبوت اور ایک خدا کی معرفت قائل ہو جائیں۔
اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ اکیلے سچے خدا کو اور تیرے بھیجے ہوئے یسوع مسیح کی جانیں (196)

تصور رسالت

اناجیل اربعہ میں یسوع کے منصب رسالت پر کافی روشنی ملتی ہے آپؑ کی ولادت بغیر باپ کے روح القدس کے ذریعے معجزانہ طور پر ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں آپؑ نے ہیکل کے استادوں سے سوال جواب کئے آپؑ ان کی بات سنتے اور ان سے مناظرہ کرتے تھے۔ لوگ اس بچے کی باتیں سن کر حیران ہو رہے تھے۔ آپؑ نے اپنی مدد کیلئے اپنے بارہ شاگردوں کا تقرر کیا اور انہیں روحانی اختیارات بھی تفویض کئے۔ یسوع کو اپنے شہر ناصرت میں کوئی خاص پذیرائی نہیں ملی اسی لئے آپ نے کفر نحوم اور گلیل کے حصوں کو تبلیغی مرکز بنالیا۔ سیدنا مسیح کے عقیدہ رسالت کو ذیل کے الفاظوں میں پیش کیا جاتا ہے

اطاعت رسول اطاعت الٰہی

پیغمبر اللہ کے نمائندے ہوتے ہیں ان کی پیروی اللہ کی ہوتی ہے یہی بات سیدنا مسیح نے کہی۔

انجیل یوحنا میں ہے یسوع نے بلند آواز سے کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ اس پر ایمان لاتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔(197) یسوع نے اقرار رسالت کو ایمان کی علامت اور انکار رسالت کو کفر کی نشانی قرار دیا جو کوئی آدمیوں کے آگے میرا اقرار کرے گا میں بھی اپنے باپ کے آگے جو آسمان پر ہے اس کا اقرار کروں گا۔ جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا انکار کرے گا میں بھی اپنے باپ کے آگے جو آسمان پر ہے اس کا انکار کروں گا۔(198)

نبی کی آمد پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور نافرمانی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یسوعؑ فرماتے ہیں اگر میں نہ آتا اور ان سے کلام نہ کرتا تو گناہ گار نہ ٹھہرتے لیکن اب ان کے پاس ان کے گناہ کا کچھ عذر نہیں۔(199) نبی سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اگر تم مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکم مانو(200)

یسوعؑ نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ جو تمہاری اطاعت کرے گا وہ میری اطاعت کرے گا اور جو میری طاعت کرے گا وہ خدا کی اطاعت کرے گا۔

"جو تمہیں قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ اسے قبول کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے جو کوئی نبی کے نام سے نبی کو قبول کرتا ہی وہ نبی کا اجر پائے گا اور جو کوئی راست باز کے نام سے راست باز کو قبول کرتا ہے وہ راست باز کا اجر پائے گا۔ اور شاگرد کے نام سے ان چھوٹوں میں سے کسی کو صرف ایک پیالہ ٹھنڈا پانی ہی پلائے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر ہرگز نہ کھوئے گا(201)

نبی کی خدائی تعلیم

اللہ تعالی نے اپنے احکامات انبیاء کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے یسوع مسیح بھی خدا کے سچے رسول ہیں۔ اس وقت کے حالات کے مطابق شریعت کے احکام ان پر نازل ہوئے۔ یہود ان کی الہامی باتیں سن کر حیران ہوتے تھے۔

یسوع ہیکل میں آکر تعلیم دینے لگے۔ تب یہودیوں نے تعجب کر کے کہا کہ اسے علم بغیر پڑھے کہاں سے حاصل ہوا پس

یسوع نے جواب میں کہا میری تعلیم میری نہیں بلکہ اس کی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔اگر اس کی مرضی پر چلنا چاہے تو جان لے گا کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے۔(202)

سب سے محبوب نبی کی ذات

دنیا کی تمام ہستیوں میں سب سے افضل نبی کی ذات ہوتی ہے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ نبی ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہونا چاہئے۔ یسوع نے اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا جو کوئی باپ یا ماں کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی بیٹے اور بیٹی کو میرے سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے میرے پیچھے نہ آئے وہ میرے لائق نہیں جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا لیکن جو میری خاطر اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا(203)

خدا کی پہچان نبی کے ذریعہ

سیدنا مسیح نے اپنی رسالت کی ذمہ داری کو پوری طرح نبھایا اور پیغام الٰہی کو لوگوں تک پہنچایا تاکہ خدا کا نام سب پر روشن ہو جائے آپؑ نے فرمایا

"اے عادل باپ دنیا نے تجھے نہیں جانا مگر میں نے تجھے جانا ہے
اور انہوں نے بھی جانا ہے کہ تو نے مجھے بھیجا ہے اور میں نے تیرا
نام ان پر ظاہر کیا ہے اور ظاہر کرونگا تاکہ وہ پیار جس سے تو نے
مجھے پیار کیا ہے ان میں ہو اور میں ان میں ہوں"(204)

نمونہ تقلید

انبیاء مجسم ہدایت اور امام و پیشوا ہوتے ہیں وہ اس لئے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے راہنمائی حاصل کریں اور اپنے آپ کو جہالت و گمراہی سے دور رکھیں۔ متی یسوعؑ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے

جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقل مند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور سیلاب آیا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائے مگر وہ نہ گرا کیونکہ ااس کی بنیاد چٹان پر رکھی گئی ہے لیکن جو کوئی میری باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا اور مینہ برسا اور سیلاب آیا اور آندھیاں چلیں اور گھر کا صدمہ پہنچایا اور گر پڑا اور اس کا گرنا ہولناک ہوا205)یسوعؑ اپنی پیروی پر اسطرح بھی زور دیتے ہیں

جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا(206)

نبی وطن میں عزت نہیں پاتا

یہ عام دستور ہے کہ لوگ اپنے فرد کو معمولی فرد سمجھتے ہیں گھر کے آدمی کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی یہی مثال نبی کی ہوتی ہے یسوع نے کہا

نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا(207)
مرقس نے یسوع کے اس فرمان کو یوں تحریر کیا ہے نبی کہیں
بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے
گھر میں(208)

جھوٹے نبیوں سے خبردار

کئی لوگ پیغمبروں کی عزت اور مقام دیکھ کر نبوت کا جھوٹا دعوی کر دیتے ہیں ان لوگوں کے اعمال سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غلط قسم کے آدمی ہیں یسوع نے ان لوگوں سے پہلے ہی ہوشیار کر دیا تھا

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں
مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں تم انہیں کے پھلوں سے پہچان لوگے کیا
خاردجھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔اسی طرح ہر ایک
اچھا درخت اچھا پھل لاتا اور ردی درخت برا پھل لاتا ہے۔اچھا درخت برا پھل
نہیں لاسکتا اور ردی درخت اچھا پھل نہیں لاسکتا جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا
وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے پس ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے"

(209)

"بہت سے جھوٹے نبی برپا ہوں گے اور بہتروں کو گمراہ کریں گے اور بے دینی
کے بڑھ جانے سے بہتروں کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی(210)
جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی برپا ہوں گے اور نشان اور عجائبات پیش کریں گے اگر
ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں تم خبردار رہو دیکھو میں تم سے
سب کچھ پہلے ہی کہہ دیا ہے۔(211)

بنی اسرائیل کے نبی

اللہ تعالی نے ہر قوم اور خطے میں نبی بھیجے۔یسوع بھی صرف بنی اسرائیل کیلئے معبوث کئے گئے تھے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"(212)

ایک یہودی کی شہادت

یہود اکثر انبیاء کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں ان کے دامن انبیاء علیھم السلام کے خون سے بھی داغدار ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ایسے بھی ہو گزرے ہیں کہ جنہوں نے حقائق کو تسلیم کر لیا۔ ایک فریسی کا ذکر انجیل یوحنا میں آیا ہے۔

فریسیوں میں سے ایک شخص نیقو دیمس نامی یہودیوں کا ایک سردار تھا وہ رات کے وقت اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ربی ہم جانتے ہیں تو خدا کی طرف سے استاد ہو کر آیا ہے کیونکہ جو نشان تو دکھاتا ہے کوئی دکھا نہیں سکتا جب تک خدا اس کے ساتھ نہ ہو۔(213)

یسوع کی نبوت پر اپنی گواہی

یسوع نے اپنی نبوت کے بارے میں خود گواہی دی کیونکہ انہیں اللہ تعالی نے بھیجا تھا وہاں تک رسائی عام انسان کی نہیں ہو سکتی۔ لیکن پیغمبر اس حقیقت کو جانتا ہے اور اللہ تعالی ان کی راہنمائی کرتے ہیں اور انہیں حقائق بتاتے ہیں بلکہ دکھاتے ہیں۔ "یسوع نے پھر ان سے بات کر کے کہا کہ دنیا کا نور میں ہوں جو میری پیروی کرے گا وہ تاریکی میں نہیں چلے گا پس فریسیوں نے اس سے کہا کہ تو اپنے بارے میں آپ ہی گواہی دیتا ہے تیری گواہی قابل اعتبار نہیں یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ اگرچہ میں اپنے بارے میں آپ ہی گواہی دیتا ہوں تو بھی میری گواہی قابل اعتبار ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جاتا ہوں۔ تم جسد کے مطابق فیصلہ کرتے ہو میں کسی کا فیصلہ نہیں کرتا اور اگر میں فیصلہ کروں بھی تو میرا فیصلہ درست ہے کیونکہ میں اکیلا نہیں بلکہ میں ہوں اور باپ بھی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ تمہاری شریعت میں یہ لکھا ہے کہ دو آدمیوں کی گواہی قابل اعتبار ہے ایک تو میں خود اپنے بارے میں گواہی دیتا ہوں اور ایک باپ جس نے مجھے بھیجا ہے میری گواہی دیتا ہے۔(214)

نبی کی ذات باعث رحمت

نبی امت کیلئے رحمت کا طالب ہوتا ہے اور وہ ان کیلئے دعاگو رہتا ہے ان کا وجود مبارک بھی عذاب سے بچاتا ہے۔ یسوع نے اپنے آخری ایام میں بھی امت پر عذاب نہ آنے دیا۔

"اور جب اس کے صعود کے دن قریب تھے تو اس نے پختہ ارادہ کیا کہ یروشلم کا رخ کرے اور اپنے آگے قاصد بھیجے اور وہ جا کر سامریوں کے ایک گاؤں میں داخل ہوئے تاکہ اس کیلئے تیار کریں لیکن انہوں نے اس کو قبول نہ کیا کیونکہ اس کا رخ یروشلم جانے کا تھا۔ اس کے شاگرد یعقوب اور یوحنا نے یہ دیکھ کر کہا کہ اے خداوند کیا تو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ اترے اور انہیں بھسم کرے تب اس نے مڑ کر انہیں جھڑکا اور کہا تم نہیں جانتے کہ تم کس روح کے ہو ابن انسان انسانوں کی جان ہلاک کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا ہے تب وہ دوسرے قصبہ کو چلے گئے۔"(215)

ایک بار امت کی حفاظت کی دعا کی "اے قدوس باپ اپنے نام کے وسیلے سے جو تو نے مجھے بخشا ہے
ان کی حفاظت کر تاکہ یہ ہماری مانند ایک ہوں جب تک میں ان کے ساتھ رہا میں نے تیرے اس
نام کے وسیلے سے جو تو نے مجھے بخشا ہے ان کی حفاظت کی۔ میں نے ان کی نگہبانی کی۔"(216)

سابقہ شریعتوں کی تکمیل

ہر رسول زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق شریعت کے احکام ساتھ لیکر آتا تھا نیز سابقہ شریعت میں جو کمی ہوتی ہے وہ پوری ہو جاتی تھی۔ یسوع بھی اسی مشن کی تکمیل کیلئے آئے۔

یہ خیال مت کرو کہ میں تورات یا صحائف انبیاء کو منسوخ کرنے آیا ہوں
منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں۔(217)

نبی کی ذات معجزہ

لوگ یسوعؑ سے طرح طرح کا معجزہ طلب کرتے آپؑ نے ان سے کہا کہ نبی خود معجزہ ہوتا ہے وہ تمہیں اللہ کے احکام بتاتا ہے اس کے وجود سے عذاب نہیں آتے اس کی پیروی باعث برکت ہے تم اس سے معجزے طلب نہ کرو۔

جب بھیڑ جمع ہو جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانے کے لوگ برے ہیں
وہ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اسے
نہ دیا جائے گا کیونکہ جیسا یونس اہل نینوا کیلئے نشان ٹھہرا اسی طرح ابن
انسان بھی اسی زمانہ کے لوگوں کیلئے ٹھہرے گا۔(218)

نبوت پر اظہار تشکر

یسوعؑ نے اس بات پر اللہ کا شکر یہ ادا کیا کہ اس نے وحی والہام کی باتیں ان کی امت پر نازل کی۔
اس وقت یسوعؑ کہنے لگا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے ان باتوں کو داناؤں اور عقل مندوں سے چھپایا اور بچوں پر ظاہر کیا۔ ہاں اے باپ کیونکہ تجھے ایسا ہی پسند آیا(219)

نبوت کی راہ میں مشکلات

دین کی اشاعت بہت مشکل ہے یہ قربانیوں کا نام ہے انسان اس کیلئے گھر بار سب کچھ چھوڑ دیتا ہے ایک بار یسوع مسیح اس کام کیلئے نکلے ہوئے تھے کہ راستے میں انہوں نے کہا۔

جب وہ راہ میں چلے جاتے تھے کسی نے اس سے کہا اے خداوند جہاں کہیں تو جاتا ہے میں تیرے پیچھے چلوں گا
یسوعؑ نے اس سے کہا لومڑیوں کے لئے ماندیں ہیں اور پرندوں کیلئے گھونسلے مگر ابن انسان کیلئے اتنی جگہ بھی نہیں جہاں سر

رکھے (220)

عورتوں کو تعلیم

آپ مردوں کے ساتھ ساتھ موقع ملنے پر عورتوں کو بھی دینی تعلیم سے سرفراز فرماتے تھے "اور جب وہ جارہے تھے تو وہ ایک گاؤں میں داخل ہوا اور مارتھا نامی ایک عورت نے اسے اپنے گھر میں اتارا اور مریم نامی اس کی ایک بہن تھی اور وہ بھی خداوند کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر اس کا کلام سنتی تھی مگر مارتھا طرح طرح کی خدمت کرنے کے تردد میں تھی وہ ٹھہر کر کہنے لگی اے خداوند تو خیال نہیں کرتا کہ میری بہن تیری خدمت کرنے کو مجھے اکیلا چھوڑ دیا پس اس سے کہہ کہ میری مدد کرے۔ پر خداوند نے جواب میں اس سے کہا۔ مارتھا اے مارتھا تو بہت سی باتوں کے فکر و تردد میں ہے مگر ایک ہی بات درکار ہے پس مریم نے اچھا حصہ چن لیا جو اس سے چھینا نہ جائے گا (221)

دنیا کے سردار کی پیشن گوئی

حضرت مسیحؑ نے اپنے بعد آنے والے کے متعلق بتایا اور اپنے متعلق کہا کہ میں جانے والا ہوں اور اب دنیا کا امام و پیشوا آئے گا۔ یوحنا کی انجیل میں پیشن گوئی اس طرح درج ہے۔

اب میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور اس کا مجھ میں کچھ نہیں (222)

"لیکن وہ مددگار (.........) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ کہ میں نے تم سے کہا ہے تمہیں یاد دلائے گا۔" (223)

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح الحق آئے گا تو وہ ساری سچائی کیلئے تمہاری ہدایت کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ مجھ سے پاکر تمہیں خبر دے گا (224)

یسوع کی ایک اور تمثیل میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ نبوت بنی اسرائیل کی ناقدری کی وجہ سے ان سے چھین لی جائے گی اور اس کے اہل لوگوں کو عطا کر دی جائے گی اور تاریخ بتاتی ہے یسوع مسیح کے بعد نبوت بنو اسماعیل میں آگئی اور حضرت محمد ﷺ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔

"ایک اور تمثیل سنو ایک مالک مکان تھا جس نے تاکستان لگایا اور اس کے چوگرد احاطہ گھیرا اور اس میں کولھو گاڑا اور برج بنایا اور اسے اجارہ داروں کو اجارہ پر دے کر کسی اور ملک چلا گیا اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو اجارہ داروں کے پاس بھیجا کہ اس کا پھل لیں مگر اجارہ داروں نے اس کے نوکروں کو کسی کو پکڑ کر پیٹا اور کسی کو مار ڈالا اور کسی کو سنگسار کیا پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے انہوں نے ان کیساتھ بھی وہی کیا آخر اس نے

اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ سوچ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کی تو عزت کریں گے لیکن اجارہ داروں نے بیٹا دیکھ کر آپس میں کہا کہ وارث یہی ہے آؤ اسے قتل کریں اور اس کی میراث لے لیں اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان اجارہ داروں کے ساتھ کیا کرے گا انہوں نے اس سے کہا وہ ان بروں کو بری طرح سے ہلاک کر دے گا اور تاکستان کا اجارہ اور اجارہ داروں کو دے دیگا اور جو اسی موسم پر پھل ادا کریں گے یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ

جو پتھر معماروں نے رد کیا
وہی کونے کا سرا ہو گیا ہے
یہ خداوند کی طرف سے ہوا ہے

اور ہماری نگاہوں میں تعجب انگیز ہے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو دے دی جائے گی جو اس کے پھل ادا کرے اور جو اس پتھر پر گرے گا اسے پیس ڈالے گا اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ وہ ہمارے ہی حق میں کہتا ہے اور انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر عوام سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی مانتے تھے۔(225)

تصور آخرت

اناجیل اربعہ میں عقیدہ آخرت کی جھلکیاں سی نظر آتی ہیں لیکن یہ نظریہ یہاں تفصیل سے نہیں ملتا بلکہ سید سلیمان ندوی تو فرماتے ہیں توراۃ وانجیل میں برزخ اور قیامت کی تفصیل نیز یہ کے مرنے کے بعد اور قیامت کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت و کیفیت میں رہے گی۔ مذکور نہیں لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجلک اور ابہام نہیں بلکہ اس نے اس کی پوری تفصیل بتائی(226)

اناجیل میں اس عقیدہ کے بارے میں جو روشنی نظر آتی ہے اس کا خاکہ حسب ذیل ہے

بعثت بعد الموت

مسیحؑ کے ماننے والے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ قیامت میں مردے جی اٹھیں گے۔ مقدس یوحنا میں ہے یسوع نے اس سے کہا تیرا بھائی جی اٹھے گا۔ مارتھا نے اس سے کہا میں جانتی ہوں کہ وہ یوم آخرت کو قیامت میں جی اٹھے گا۔(227) اسی دن صدوقی جو قیامت کے منکر ہیں اس کے پاس آئے اور مردوں کی قیامت بابت خدا نے جو تمہیں فرمایا تھا کیا تم نے وہ نہیں پڑھا۔ وہ مردوں کا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہے۔(228)

اس سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ وقت آتا ہے جتنے قبروں میں ہیں اس کے آواز سن کر نکلے گے جنہوں نے نیکی کی ہے زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے مردوں میں سے اس کا جی اٹھنا ضرور ہے(229)

قرب قیامت

قیامت کے برپا ہونے کے کچھ آثار انجیل میں بیان ہوئے ہیں "ان دنوں اس مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور آسمان کے ستارے گریں گے اور جو قوتیں آسمان میں ہیں وہ ہلائی جائیں گی اور تب لوگ ابن انسان کو بادلوں پر بڑی قدرت اور جلال کیساتھ تو آتا دیکھیں گے۔" (230)

"اور جیسا نوحؑ کے دنوں میں ہوا تھا سی طرح ابن انسان کی دنوں میں بھی ہو گا کہ لوگ کھاتے پیتے بیاہ کرتے اور بیاہے جاتے ہیں اس دن تک کہ نوحؑ کشتی میں داخل ہوا اور طوفان نے آکر سب کو ہلاک کیا یا کہ جیسا کہ لوطؑ کے دنوں میں ہوا تھا یہ لوگ کھاتے پیتے اور خرید و فروخت کرتے اور درخت لگاتے اور مکان بناتے تھے۔ مگر جس دن لوطؑ سدوم سے نکلا تو آگ اور گندھک آسمان سے برسی اور سب کو ہلاک کر دیا ابن انسان کو ظہور کے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ (231)

روز قیامت کا نقشہ

انجیل متی میں روز قیامت کا نقشہ ان الفاظوں میں تحریر کیا گیا ہے۔

"اور جب ابن انسان اپنے جلال میں آئے گا اور تمام فرشتے اس کے ہمراہ ہوں گے تب وہ اپنے تخت جلالی پر بیٹھے گا اور تمام قومیں اس کے حضور جمع کی جائیں گی۔ اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جس طرح چوپان بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے اور بھیڑوں کو اپنے دائیں اور بکریوں کو اپنے بائیں کھڑا کرے گا"

تب بادشاہ ان سے جو اس کے دائیں ہوں گی کہے گا او میرے باپ کے مبارک لوگو جو بادشاہی بنائے عالم تمہارے لئے تیار کی گئی ہے اسے میراث میں لو کیونکہ میں بھوکا تھا اور تم نے مجھے کھانے کو دیا۔ میں پیاسا تھا اور تم نے مجھے پینے کو دیا میں پردیسی تھا اور تم نے میری خاطر داری کی میں ننگا تھا اور تم نے مجھے پہنایا۔ بیمار تھا اور تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا اور تم میرے پاس آئے۔ تب راست باز اس کے جواب میں کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا اور پینے کو دیا اور کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور خاطر داری کی یا ننگا دیکھا اور پہنایا یا ہم تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کر تیرے پاس آئے۔ بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ایسا کیا تو میرے ساتھ ہی کیا۔

تب وہ ان سے بھی جو اس کے بائیں ہوں گے کہے گا اے ملعونو میرے سامنے سے اس دائمی آگ میں چلے جاؤ جو شیطان اور اس فرشتوں کیلئے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا پیاسا تھا اور تم نے مجھے پینے کو نہ دیا۔ پردیسی تھا تم نے میری خاطر داری نہ کی۔ ننگا تھا اور تم نے مجھے نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ تب وہ بھی جواب میں کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ تب وہ ان کے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ چونکہ تم نے ان چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی

نہ کیااور یہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی میں۔(232)

عالم برزخ

مقدس لوقا میں ایک قصہ بیان ہوا ہے جس سے عالم برزخ کی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے اس سے یہ بھی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ گناہ گار آدمی کی مرنے کے بعد یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح میرے قریبی عزیز برائیوں سے باز آجائیں تاکہ وہ اس عذاب سے بچ جائیں جس میں یہ خود مبتلا ہوا ہے۔لور وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی مردہ زندہ ہو کر ان کو یہ حقیقت حال بتادے لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی کتابیں راہنمائی کیلئے موجود ہیں مگر یہ لوگ اتنے ڈھیٹ ہیں کہ مردے بھی جی اٹھیں تب بھی یہ نہ مانے گے وہ قصہ یہ ہے۔

"ایک دولت مند آدمی تھا جو ارغوانی اور مہین کپڑے پہنتا اور ہر روز عیش و عشرت کرتا تھا۔اور لعزر نامی ناسوروں سے بھرا ہوا ایک بھکاری اس کے کے دروازے پر پڑا ہوا تھا اسے آرزو تھی کہ میں ان ٹکڑوں سے پیٹ بھروں جو اس دولت مند کی میز پر سے گرتے ہیں بلکہ کتے بھی آکر اس ے ناسور چاٹتے تھے اور ایسا ہوا کہ وہ بھکاری مر گیا اور فرشتوں نے جا کر اسے ابراہیمؑ کی گود میں پہنچادیا اور وہ دولت مند بھی مرا اور دفنایا گیا اور جب اس نے عالم اسفل کے عذاب میں مبتلا ہو کر اپنی آنکھیں اٹھائیں تو دور سے ابراہیمؑ کو دیکھا اور لعزر کو اس کی گود میں اور اس نے پکار کر کہا کہ اے باپ ابراہیمؑ مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج تاکہ وہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس آگ میں تڑپتا ہوں۔پر ابراہیمؑ نے کہا اے بیٹا یاد کر تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں حاصل کر چکا اور اسی طرح لعزر بری چیزیں پس اب وہ تسلی پاتا ہے پر تو تڑپتا ہے اور ان سب باتوں کے علاوہ ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے ایسا کہ جو یہاں سے تمہارے پاس جانا چاہیں نہ جاسکیں اور نہ وہاں سے یہاں آسکیں۔تب اس نے کہا پس اے باپ میں تیری منت کرتا ہوں تو اس کو میرے باپ کے گھر بھیج۔کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں وہ ان کو آگاہ کرے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس جائے عذاب میں آپڑیں مگر ابراہیمؑ نے کہا ان کے پاس تورات موسیٰ اور صحائف انبیا تو ہیں وہ ان کی سنیں اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیمؑ لیکن اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس آئے تو وہ توبہ کریں گے مگر اس نے اس سے کہا کہ جب وہ تورات موسیٰ اور صحائف انبیا کی نہیں سنتے تو اگر مردوں میں سے کوئی جی اٹھے تو اس کی بھی نہ مانیں گے۔(233)

آسمانی بادشاہت اور آخرت

سید قطب لکھتے ہیں عیسائیت میں خداوند کی بادشاہت ۔ حیات ابدی انعام کیلئے اور دوزخ "آگ" اور "ظلمت" کے الفاظ عذاب کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاں فیصلے کا دن ایسا دن ہے جس میں ابن آدم یعنی مسیحؑ فرشتوں کی معیت میں آئے گا لیکن ہم وثوق سے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ کب آئے گا؟ آیا قیامت کے دن یا اس روز جس روز کو وہ دفن کے تین دن بعد دوبارہ اٹھے گا جیسا کہ اناجیل میں مذکور ہے۔(234)

انجیل متی میں آسمانی بادشاہت کے متعلق بتایا ہے

"ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا تب وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں جو موت کا مزہ اس وقت تک نہیں چکھیں گے جب تک کہ ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتا نہ دیکھ لیں۔(235)

"تب یسوعؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کسی دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزر جانا اس بات کی نسبت آسان ہے کہ ایک دولت مند بادشاہت میں داخل ہو"(236)

انجیل کے اسی باب میں ہے

"جب ابن آدم اپنے تخت جلال پر بیٹھے گا تم بھی بارہ تختوں پر بیٹھ کر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں پر حکومت کرو گے اور ہر وہ شخص جس نے میرے نام کی خاطر گھر یا بھائی بہنوں یا ماں باپ یا بیوی بچوں یا زرخیز زمینوں کو چھوڑا ہو گا وہ سو گنا پائے گا اور ابدی زندگی کا وارث ہو گا(237)"

پھر اسی انجیل میں ایک مقام پر آیا ہے

"میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر بیہودہ بات جو لوگ منہ سے نکالتے ہیں قیامت کے دن انہیں اس کا حساب دینا پڑے گا"
(238)

انجیل میں یہ قول بھی ہے

"اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ تم پطرس (پتھر) ہو میں اس چٹان پر اپنا کلیسا تعمیر کروں گا۔ اور جہنم کے دروازوں کا اس پر کوئی بس نہ چلے گا اور میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا۔(239)

اسی طرح انجیل متی میں ایک اور مقام پر ہے

"میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس اب پھر نہ پیوں گا اس دن تک کہ جس دن تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں تازہ نہ پیوں(240)

آتش دوزخ

انجیل میں آتش دوزخ اور اس کی سزا کا ذکر بھی آیا ہے اگر تجھے اپنے ہاتھ اور پاؤں کی وجہ سے ٹھوکر لگے تو ان کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے اس لئے کہ لنگڑا یا ٹنڈا ہو کر زندگی میں داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوں اور تو ہمیشہ کی آگ میں ڈالا دیا جائے اور اگر تیری آنکھ ٹھوکر کا سبب بنے تو اسے نکال ڈال اور اپنے لئے اسے پھینک دے کیونکہ یک چشم ہو کر زندہ رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیری دونوں آنکھیں ہوں اور تو آگ کی جہنم میں ڈالا دیا جائے۔(241)

قیامت کے بارے میں متی سے زیادہ وضاحتیں ملتی ہیں

"اس سے بہتر ہے کہ تو آگ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے جو کبھی نہیں بجھتی جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور اور آگ نہیں بجھتی۔(242)

یہ ان عقائد کا خلاصہ ہے جو اناجیل اربعہ میں بیان ہوئے اس کے بعد موجودہ مسیحیت کے عقائد کو بیان کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

عقیدہ تثلیث

تثلیث موجودہ مسیحت کا ایک اہم عقیدہ ہے۔ مسیحی ایمان میں اسے مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ تفصیلات میں جانے سے پہلے اس عقیدے کی تعریف اور معنی و مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ اس کی ایک تعریف اس طرح کی جاتی ہے

"ایک جوہر میں تین شخصیتیں(243)"

ایک جوہر میں تین شخصیتیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدت میں باپ 'بیٹا اور روح القدس تینوں میں سے ہر ایک مکمل خدا ہے اور ساتھ ہی وہ ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔(244)

انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا میں تثلیث کی **تعریف** یوں درج ہے

Trinity, the christian doctrine that asserts that god is one in substance but three in person" Father son and the Holy Spirit"(245)

تثلیث مسیحت کا عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا جوہر (اصل) میں ایک ہے لیکن اقانیم میں تین ہیں باپ 'بیٹا اور روح القدس۔ یہ تعریف تو نئے ایڈیشن میں درج ہے مگر اب ہم انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا کے پرانے ایڈیشن میں تثلیث کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

The christian doctrine of the Trinity can be best expressed in the word" The Father is god, the son is god, and the Holy Ghost is Is god, and yet

they are not three god but one god. (246)

مسیحی عقیدہ تثلیث کو بہترین الفاظوں میں اسطرح بیان کیا جاسکتا ہے "باپ خدا ہے۔بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ تین خدا نہیں بلکہ خدا ایک ہے۔

خود مسیحی عقیدہ کی تثلیث کی تعریف ان الفاظوں میں کرتے ہیں

"باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے جلال برابر۔ عظمت ازلی۔ اور روح القدس ازلی تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق اور ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود ۔یونہی باپ قادر مطلق۔بیٹا قادر مطلق اور روح قدس قادر مطلق تو یہی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے ویسا باپ خدا، ویسا بیٹا خدا اور روح القدس خدا۔بس یہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے(247)

عبدالحق حقانی تقابل ادیان کے معروف عالم ہیں وہ تثلیث کو ان الفاظوں میں تحریر کرتے ہیں "روح القدس یعنی جبرائیل ایک اقنوم باپ یعنی خدا ایک اقنوم ابن یعنی بیٹا حصرت عیسیٰ ایک اقنوم ہر ایک اقنوم خدا پھر تینوں ملکر ایک خدا نہ تین (248)

حشمت اللہ اس عقیدے کی تعریف اسطرح کرتے ہیں "واجب تعالی واحد اور اس کی ذات واحد میں اقانیم ثلاثہ اب ابن و روح القدس ہیں جن کی ماہیت ایک اور قدرت و جلال میں برابر ہیں۔(249)

پادری عبدالحق لکھتے ہیں

ہم الوہیم اقدس (عبرانی میں خدا کا نام) کو من حیث الذات واحد مانتے ہیں اور من حیث الاقانیم ثالوث یعنی اقانیم ثلاثہ ذات میں ،متحد اور حیثیات میں متکثر ہیں۔(250)

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے الفاظ تثلیث کے بارے میں اسطرح ہیں

"تثلیث عیسائیوں کا ایک عقیدہ جس کے تحت روح القدس جبرائیل۔خدا اور حضرت عیسیٰ یہ تینوں خدا ہیں لیکن انہیں نہ ایک خدا کہا جاتا ہے اور نہ تین خدا یہ ایک میں تین ہیں اور تین میں ایک ہیں (251)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے وضاحت سے اس نظریئے کو پیش کیا ہے آپ فرماتے ہیں "یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے ا۔باپ ۲۔بیٹا اور ۳۔روح القدس اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے وہ تین اقانیم کون ہیں جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کے تعین میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ "خدا" باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے پھر ان تین

اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے اور خدائے مجموع (Trinity) سے اُس کا کیا رشتہ ہے اس سوال کے جواب میں ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا۔ ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں مگر مجموعہ خدا سے کمتر ہیں ان پر لفظ خدا کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔(252)

اسی چیز کو کچھ اور تفصیل سے ایک معروف عیسائی عالم سینٹ آگسٹائن St. Augustine تحریر کرتے ہیں

"عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنھیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریئے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدائی وحدت تیار کرتے ہیں جو اپنی ماہئیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے اگر چہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے اس لئے بھی جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کیساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کا حصہ دار ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلثی وحدت میں کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی اسے نپیطیس پیلاطس نے پھانسی دی اسے دفن کیا گیا اور پھر تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کیساتھ نہیں صرف بیٹے کیساتھ پیش آئے تھے اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیحؑ پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔ بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا علی ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کیساتھ پہاڑ پر کھڑے تھے اس وقت تثلثیی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے" بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کیلئے بولے گئے تھے اگر چہ جس طرح باپ بیٹا اور روح القدس ناقابل تقسیم ہیں اسی طرح ناقابل تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں یہی میرا عقیدہ اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے۔(253)

عقیدہ تثلیث کی ایک اور وضاحت یہ ہے کہ خدا اپنی اصلی ذات میں واحد ہے مگر اس اصلی ذات کے تین اقانیم ہیں جو باپ بیٹے اور روح القدس کہلاتے ہیں۔ یہ تین اقانیم انسانی شخصیتوں کی طرح تین مختلف اور علیحدہ شخصیتیں نہیں ہیں کیونکہ ان کی اصلی ذات ایک ہی ہے اس کے برعکس تین شکلیں یا صورتیں ہیں جن میں الٰہی ذات موجود ہے یا وجود رکھتی ہے مگر ان تین اقانیم میں آپس مین رشتہ اور تعلق پایا جاتا ہے۔ باپ بیٹے سے باتیں کرتا ہے اور روح القدس کو بھیجتا ہے۔ تثلیث کا اصل بھید یہی ہے کہ یہ تین اناقیم اپنی اصلی ذات کے لحاظ سے اک ہیں تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باپ پہلا ہے بیٹا دوسرا ہے اور روح القدس تیسرا ہے یہ تین اقانیم چند خاصیتوں سے موصوف ہے یعنی باپ بیٹے کو ازلی طور پر تولید کرتا ہے بیٹا باپ سے مولود ہے اور روح القدس باپ اور بیٹے دونوں سے صادر ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ تعلیم

مسیحیوں کے نزدیک ایمان کے سب سے بڑے بھیدوں میں سے ایک ہے اور انسانی تصورات سے بعید ہے۔ اسے انسانی عقل ذریعے سمجھا نہیں جا سکتا)(254)

ان تمام تعریفوں سے عقیدہ تثلیث کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ خدا تین اقانیم یا شخصیتوں سے مل کر بنتا ہے خدا کی ذات جسے باپ کہا جاتا ہے خدا کی صفت کلام جس کا نام بیٹا ہے اور خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہتے ہیں ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔

اب ہم اس عقیدے کے تین اہم اقانیم باپ بیٹا اور روح القدس کو الگ الگ قدرے تفصیل سے پیش کرتے ہیں

باپ

مسیحیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے یہ ذات بیٹے کے وجود کیلئے اصل کا مقام رکھتی ہے۔ معروف عیسائی عالم سینٹ تھامس ایکوناس کی وضاحت کے مطابق باپ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کیلئے اصل ہے جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے ورنہ جب سے باپ موجود ہی اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔(255)

خدا کی ذات کو باپ کا نام اس لئے دیا گیا ہے

"اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہوتا ہے جس طرح اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔"(256)

بیٹا

بیٹے سے مسیحیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (Word of god) مراد ہے لیکن یہ انسانوں جیسی صفت کلام نہیں ہے ایکوناس انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان اسطرح فرق بیان کرتا ہے "انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتا لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے اسی لئے اس کو حقیقتاً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہی اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔(257)

عیسائیوں کے خیال کے مطابق خدا کو معلومات اسی صفت کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں اور اسی صفت کے ذریعہ سے تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ اور یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور دائمی ہے خدا کی یہی صفت یسوع مسیح بن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی جس کی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔(258)

تثلیث کے دوسرے اقنوم کو بیٹا یا خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے اسے بیٹا اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ ازلی طور پر یعنی باپ سے مولود ہے

اور اس کی پیدائش معجزانہ طور پر روح القدس کی قدرت سے ہوئی چونکہ وہ عہدہ دارانہ طور پر خدا کا بیٹا ہے اس لئے یہ لقب استعمال کیا گیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ خدا کا چنا ہوا مسیح ہے۔بیٹے کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ وہ ازلی ہی سے باپ سے مولود ہے اس تولید سے باپ بیٹے کی اصلی ذات کو پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ازل ہی سے موجود ہے بلکہ وہ اس محاورہ سے ہم اس حقیقت کو پیش کرتے ہیں کہ باپ بیٹے کے شخصی وجود کی ازلی علت ہے۔بیٹے کی تولید ایک ایسا فعل نہیں جو کسی وقت پورا کیا گیا تھا بلکہ وہ باپ کا ایک لازمی کام (فعل) ہے اس کا وقت کیساتھ کچھ تعلق نہیں یہ ہمیشہ جاری رہتا ہے تو بھی ہمیشہ مکمل ہے۔(259)

روح القدس

روح القدس سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اسی صفت کے ذریعے خدا کی ذات باپ اپنی صفت علم بیٹے سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ (بیٹے) کی طرح قدیم اور جاودانی ہے اسی وجہ سے ایک مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔(260)

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو بپتسمہ دیا جارہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جس میں حلول کرکے حضرت مسیحؑ پر نازل ہوئی تھی(261)

روح القدس کے خاص کام یہ ہے کہ وہ خدا کے کام کو تخلیق کے کام اور مخلصی کے کام میں بھی ان کے انجام تک پہنچائے۔ قدرت کی تخلیق میں وہ زندگی کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح وہ تخلیق کے کام کو اس کے انجام تک پہنچادیتا ہے وہ انسان کو تحریک دیتا ہے اور اس کو خاص کام کرنے کے قابل بناتا ہے۔ مخلصی کے کام میں وہ مسیح کو تیار کرتا ہے تاکہ وہ اپنا مخلصی کا کام کرے۔کلیسا اس کے ذریعے سے قائم ہوئی اور ترقی پاتی ہے وہ کلیسا کی تعلیم دیتا اور راہنمائی کرتا ہے(262)

ارتقاء

نئے عہد نامہ میں نہ ہی لفظ تثلیث آیا اور نہ ہی صریح طور پر اس کا ذکر ہوا ہے گو باپ بیٹا اور روح القدس کے الفاظ پائے جاتے ہیں(263)

ان ہی الفاظ کی توجیہات اور تعبیرات کرکے عقیدہ تثلیث کی عمارت کو کھڑا کیا گیا ہے لیکن اناجیل اربعہ اور ابتدائی مسیحی ادب میں اس کا ذکر واضح طور پر نہیں ملتا در اصل نیقیہ کی کونسل نے ۳۲۵ میں باپ اور بیٹے کو ایک جوہر ٹھہرلیا اور تھوڑا بہت ذکر روح القدس کا بھی کیا گیا لیکن یہاں مریم کے متعلق خاموشی ہے چوتھی صدی ۴۳۰ء میں سکندریہ کے بطریق اعظم سائیرل نے حضرت مریم کو بھی تثلیث کا لازمی جزو قرار دیا۔پس چوتھی صدر میں عقیدہ تثلیث کو یہ شکل دیدی گئی جو آج پائی جاتی ہے۔اس موضوع پر مزید تفصیلات آگے عنوان کلیسا کی کونسلیں اور اجتماعات کے تحت دیکھئے(264)

تثلیث فی التوحید

اس بات پر مسیحیوں کا اصرار ہے کہ وہ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث فی التوحید کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث فی التوحید ہے۔(265)

مسیحی کہتے ہیں کہ خدا اپنی اصلی ذات میں واحد ہے مگر اس اصلی ذات کے تین اقانیم ہیں جو باپ بیٹے اور روح القدس کہلاتے ہیں یہ تین اقانیم انسانی شخصیتوں کی طرح تین مختلف علیحدہ شخصیتیں نہیں کیونکہ ان کی اصلی ذات ایک ہی ہے اس کے برعکس تین شکلیں یا صورتیں ہیں جن میں الٰہی ذات موجود ہے یا وجود رکھتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تین اقانیم ایسے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے مخصوص تعلقات رکھتے ہیں باپ بیٹے سے باتیں کرتا ہے اور روح القدس کو بھیجتا ہے۔ تثلیث کا اصل بھید اس بات میں پایا جاتا ہے کہ یہ تین اقانیم اپنی اصلی ذات کے لحاظ سے ایک ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ الٰہی ذات ان تین اقانیم میں تقسیم ہو گئی ہے۔(266)

تثلیث فی التوحید کی ایک تعریف اس طرح کی جاتی ہے

"خدا واحد ہے اس کی ذات میں تین اقانیم کی کثرت ہے جو جوہر 'قدرت 'ازلیت میں برابر اور ذات و صفات میں متحد مگر فعل میں ممتاز اور علیحدہ ہیں۔(267)

اس کی مزید وضاحت بھی کی گئی ہے کہ خدا کا واحد ایک ہونا تعداد کے لحاظ سے نہیں اس کی یہ وحدت اس کی ذات میں ان معنوں میں ہے کہ وہ اپنی ذات میں بے نظیر بے مثل اور لاشریک ہے۔

تاہم اس ذات واحدہ میں کثرت ہے یہ کثرت اقانیم ثلاثہ کی ہے۔ ذات خدا میں یہ کثرت ازلی 'ابدی 'نا قابل تقسیم اور دائمی ہے(268)

وحدت میں کثرت کی عضوی مثال

پیٹرے نے وحدت کثرت کی ایک عضو ی اور جسم کی مثال بیان کی ہے وہ لکھتا ہے "ہم لفظ ایک جسمانی اعضا کی وحدت کو ظاہر کرنے کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ پولس کے قول کے مطابق (ا۔کرنتھیون ۱۲: ۱۲-۲۷) سب سے عمدہ عضوی وحدت جسم میں پائی جاتی ہے۔ ہمارا جسم بہت سے اعضاء سے مل کر بنا ہے مثلاً آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں اور سر وغیرہ لیکن اتنے اعضاء سے ملک بننے کے باوجود بھی جسم اکائی ہے اور اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے۔ درخت بھی بہت سے اعضاء ہوتے ہیں مثلاً جڑیں تنا شاخیں پھل پھول وغیرہ۔ یہ سب مل کر ایک درخت ہوتا ہے۔ پرانا عہد نامہ بھی یہ بیان کرتا ہے کہ خدا کی وحدانیت بھی کچھ انسانی جسم کی طرح ہے(269)

نئے عہد نامے میں اشارات

تثلیث فی التوحید کے لفظ نئے عہد نامے میں نہیں ملتے لیکن پیٹرے کہتا ہے کہ تاہم اس سلسلے میں ہمیں دو باتوں کو یاد رکھنا

چاہئے۔

(الف) خدا کے ایک ہونے کے خیال میں یہ امکان پایا جاتا تھا کہ اس میں کثرت ہے

(ب) اور کہ یہ کثرت در حقیقت تین تک محدود ہے

نئے عہد نامہ میں بہت سے حوالے ملتے ہیں جن میں باپ بیٹے اور روح القدس کا اس طور سے ایک ساتھ ذکر ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ خدا ایک بھی ہے اور تین بھی۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں(270)

ا۔ پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کا نام سے بپتسمہ دو۔(271)

۲۔ خداوند یسوع کے بپتسمہ کے وقت ان پر پاک روح نازل ہوا اور باپ کی آواز آئی "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں" (272)

۳۔ خداوند یسوع مسیحؑ کا فضل اور خدا کی محبت اور روح القدس کی شراکت تم سب کیساتھ ہوتی رہی ہے۔(273)

۴۔ نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر روح ایک ہی ہے اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خداوند ایک ہی ہے اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا کرتا ہے۔(274)

۵۔ ایک ہی بدن ہے اور ایک ہی روح۔۔۔۔۔ ایک ہی خداوند ہے۔۔۔۔ اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے(275)

پولس رسول کے خطوط میں تیس (۳۰) ایسے حوالوں کا ذکر ملتا ہے جہاں ان تین الٰہی شخصیتوں کا ایک ساتھ ذکر ہے ۔

ا۔ تھسلینکیوں ۵:۱۸-۱۹ ۲۔ تھسلینکیوں ۲:۱۳-۱۴

ا۔ کرنتھیوں ۲:۱۰‘۱۲‘۱۲‘۶:۱۱‘۱۵‘۱۹‘۲۰‘۱۲:۳

۲۔ کرنتھیوں ۱:۲۱‘۲۲‘۳:۳‘

رومیوں ۵:۱-۱۱"۸:۸‘۱۱‘۱۴-۱۷‘۱۴‘۱۷‘۱۸‘۱۵‘۱۵‘۱۶‘۳۰

گلیتوں ۳:۱۱-۱۴‘ کلیسوں ۱:۶-۸

افیسوں ۱:۱۳‘۱۴‘۲:۱۸-۲۲‘۳:۱۴-۱۷‘۵:۱۸-۲۰

طِطس ۳:۴-۶

مکاشفہ ۱:۴-۵

مسیحیوں کے نزدیک نئے عہد نامے کے درج بالا تمام حوالوں میں تثلیث فی التوحید کے اشارات ملتے ہیں گو وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نا تو لفظ تثلیث نئے عہد نامے میں موجود ہے اور نہ ہی کوئی واضح حکم اس سلسلے میں پایا جاتا ہے

تثلیث یا ثالوثی خدا کے متعلق چار اہم باتیں

ثالوثی خدا کے متعلق درج ذیل چار باتیں بھی بڑی اہم ہیں۔ ان سے مسئلہ تثلیث فی التوحید کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ عقیدہ کھل کر سامنے آتا ہے۔

ا۔باپ بیٹااور پاک روح ایک وحدت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ باپ بیٹااور روح القدس تینوں مل کر آدمیوں کے کفارہ اور نجات کا کام کرتے ہیں اور ان تینوں میں اختلاف کا ذرا سا بھی شبہ پیدا نہیں ہوتا اسطرح یہ تینوں ایک وحدت ہیں۔(276)

۲۔باپ بیٹااور روح القدس تینوں الگ الگ ہستی ہیں۔بے شک باپ بیٹااور روح القدس تینوں ایک ٹیم کی صورت میں انسان کی نجات کیلئے کام کرتے ہیں اور ان میں وحدت بھی ہے مگر کلام مقدس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وحدت میں تین الگ الگ شخصیتیں ہیں ان میں سے ایک باپ ہے دوسرا بیٹااور تیسرا روح القدس نیز باپ بیٹے اور پاک روح کو بھیجتا ہے۔(277)

باپ مسیح کو مردوں میں زندہ کرتا ہے(278)

باپ پاک روح کو نازل کرتا ہے(279)

بیٹاباپ سے دعا کرتا ہے(280)

اور کہتا ہے "اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا(281)

بیٹاپاک روح کی قدرت میں کام کرتا ہے(282)

غرض اگر ہم مسیح کے کلام اور زندگی کو اناجیل میں پڑھیں تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کی وحدت میں تین الگ الگ شخصیتیں ہیں جو ایک ہی وقت میں ایک ساتھ موجود رہتی ہیں(282)

۳۔باپ اور بیٹا روح القدس ہر ایک مکمل خدا ہے: خدا کی ذات میں بیٹاباپ سے چھوٹا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی پاک روح ان دونوں سے چھوٹا ہو سکتا ہے۔باپ بیٹااور پاک روح ان میں سے ہر ایک مکمل خدا ہے اسی وجہ سے کلیسا نے یسوع مسیح کے "کلام" جیسے خطاب کو ترک کر دیا ہے۔کیونکہ اس میں بیٹے کا باپ سے چھوٹے ہونے کا امکان پایا جاتا ہے کیونکہ خیال یا کلام' کلام کرنے والے سے کم تر ہوا کرتا ہے دراصل چوتھی صدی میں اریس(Arius)(سکندریہ کا مسیحی عالم تھا جو مسیح کو مخلوق کہتا تھا وہ باپ کے جوہر سے پیدا نہیں ہوا اور پیدا ہونے سے پہلے مسیح موجود نہ تھا) نے کہا کہ بیٹا یا کلام باپ سے کم تر ہے خواہ وہ الوہیت میں شامل کیوں نہ ہو مگر اتھا سیس(Athanasius) نے کلیسیائے جامع کی طرف سے اس بات پر زور دیا کہ بیٹا مکمل خدا ہے یوں باپ بیٹااور روح القدس ہر ایک خدا ہے۔(284)

۴۔باپ بیٹے اور روح القدس کی وحدت کا بنیادی اصول باہمی محبت ہے: اس نظریہ کا نچوڑ یہ ہے کہ باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے اور اس نے محبت کی وجہ سے اسے دنیا میں بھیجا۔بیٹا بھی باپ سے محبت رکھتا ہے اور محبت کی وجہ سے صلیبی موت گوارا کرتا ہے اور یہ روح القدس ہے جو اسے صلیب پر قربان ہونے میں مدد دیتا ہے اگر ہم ان تمام سرگرمیوں میں سے انسانی پہلو کو نکال دیں تو ہم لازماً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ خدا کی ذات میں باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور بیٹا باپ کو اور پاک روح اس باہمی پیار کو تحریک دیتا ہے۔(285)

اتھا سیس کا عقیدہ

تثلیث کے بارے میں ایک اہم عقیدہ اتھا سیس کا ہے یہ عقیدہ جنوبی فرانس میں وجود میں آیا اس کی مکمل صورت ۸۷۵ء

سے پہلے نہیں ملتی۔ قاموس الکتاب میں تحریر ہے کہ اگرچہ مقدس اثناسیس (Athanasius) نے یہ نہیں لکھا تھا لیکن یہ اس سے اس لئے منسوب ہے کہ اثناسیس اریوسی عقیدہ کا جانی دشمن تھا۔ اریوسی عقیدہ کی رو سے مسیح ایک مخلوق ہے۔ اثناسی عقیدہ میں ایک لفظ کیتھولک میں بھی پایا جاتا ہے تو اس میں کیتھولک سے مراد رومن کیتھولک نہیں بلکہ تمام عالمگیر کلیسیا ہے (286)

اس عقیدہ کے متن حسب ذیل ہے

۱۔ جو کوئی نجات چاہے اسے سب باتوں سے زیادہ ضروری ہے کہ کیتھولک ایمان پر قائم رہے

۲۔ اس ایمان کو اگر کوئی بے کم وکالت اور خالص نہ رکھے تو وہ بے شک ابدی ہلاکت میں پڑے گا

۳۔ اور کیتھولک ایمان یہ ہے کہ ہم واحد خدا کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کریں

۴۔ نہ اقانیم کو مخلوط کریں نہ جوہر کو تقسیم

۵۔ کیونکہ اقنومیت باپ کی اور ہے بیٹے کی اور روح القدس کی اور

۶۔ لیکن باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے جلال برابر عظمت یکساں ازلی

۷۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا۔ ویسا ہی روح القدس ہے

۸۔ باپ غیر مخلوق 'بیٹا غیر مخلوق 'روح القدس غیر مخلوق

۹۔ باپ غیر محدود 'بیٹا غیر محدود اور روح القدس غیر محدود

۱۰۔ باپ ازلی 'بیٹا ازلی اور روح القدس ازلی

۱۱۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ہی ازلی ہے

۱۲۔ اسی طرح نہ تین غیر محدود نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک ہی غیر مخلوق اور ایک ہی غیر محدود ہے

۱۳۔ اسی طرح باپ قادر مطلق 'بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق ہے

۱۴۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک ہی قادر مطلق ہے۔

۱۵۔ ویسا ہی باپ خدا 'بیٹا خدا اور روح القدس خدا ہے

۱۶۔ تاہم تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے

۱۷۔ اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح القدس خداوند ہے

۱۸۔ پھر بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک ہی خداوند ہے

۱۹۔ کیونکہ جس طرح مسیحی اصول کے سبب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہر اقنوم جداگانہ خدا اور خداوند ہے

۲۰۔ اسی طرح کیتھولک دین کے بموجب یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں

۲۱۔ باپ نہ کسی مصنوع ہے نہ مخلوق نہ مولود

۲۲۔ بیٹا صرف باپ ہی سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق بلکہ مولود

۲۳۔ روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود بلکہ صادر ہے

۲۴۔ پس تین باپ نہیں بلکہ ایک ہی باپ ہے تین بیٹے نہیں بلکہ ایک ہی بیٹا تین روح القدس نہیں بلکہ ایک ہی روح القدس ہے

۲۵۔ اور اس ثالوث میں کوئی ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے

۲۶۔ بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں

۲۷۔ الغرض ہر امر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے واحد کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے

۲۸۔ پس جو کوئی نجات چاہے ثالوث کو یوں ہی مانے

۲۹۔ علاوہ اس کے ابدی نجات کیلئے ضروری ہئے کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے تجسم پر بھی صحیح ایمان رکھے

۳۰۔ کیونکہ صحیح ایمان یہ ہے کہ ہم اعتقاد رکھیں اور اقرار بھی کریں کہ ہمارا خداوند یسوع مسیح جو خدا کا بیٹا ہے خدا بھی ہے اور انسان بھی۔

۳۱۔ وہ خدا ہے باپ کے جوہر سے سب عالموں سے پیشتر مولود اور انسان ہے جو اپنی ماں کے جوہر سے اس عالم میں پیدا ہوا

۳۲۔ وہ کامل خدا ہے اور کامل انسان ہے نفس ناطقہ اور انسانی جسم سے موجود

۳۳۔ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر

۳۴۔ وہ اگرچہ خدا اور انسان ہے تاہم دو نہیں بلکہ ایک ہی مسیح ہے

۳۵۔ ایک ہی ہے اس طور پر نہیں کہ الوہیت کو جسمانیت سے بدل ڈالا بلکہ اس طور پر کہ انسانیت کو الوہیت میں لے لیا

۳۶۔ وہ مطلقاً ایک ہے جوہروں کے اختلاط سے نہیں بلکہ اقنوم کی یکتائی سے

۳۷۔ کیونکہ جس طرح نفس ناطقہ اور جسم مل کر ایک انسان ہوتا ہے اسی طرح خدا اور انسان مل ایک مسیح ہے

۳۸۔ اس نے ہماری نجات کیلئے دکھ اٹھایا عالم ارواح میں اتر گیا مردوں میں سے جی اٹھا

۳۹۔ آسمان پر چڑھ گیا اور خدا قادر مطلق باپ کے داہنے بیٹھا ہے وہاں سے وہ زندوں اور مردوں کی عدالت کرنے کے لئے آنے والا ہے

۴۰۔ اس کی آمد پر سب آدمی اپنے بدن کے ساتھ جی اٹھیں گے اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دیں گے

۴۱۔ تب جنہوں نے نیکی کی ہے وہ ابدی زندگی میں اور جنہوں نے بدی کی ہے وہ ابدی آگ میں داخل ہوں گے

۴۲۔ کیتھولک ایمان یہی ہے اس پر اگر سچے دل اعتقاد نہ رکھے تو وہ نجات کو حاصل نہ کر سکے گا

جلال باپ اور بیٹے اور روح القدس کا ہو

جیسا کہ ابتدا میں تھا اس وقت اور ابد تک رہے گا(287)

تثلیث کے بارے میں یہ عقیدہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس عقیدے میں تثلیث پر مکمل روشنی ملتی ہے اور یہ تینوں خداؤں کے بارے میں تمام تفصیل بیان کرتا ہے یہ عقیدہ باپ بیٹے اور روح القدس کا مقام ان کے مختلف پہلو اور اختیارات وحیثیت کے متعلق مکمل معلومات فراہم کرتا ہے۔ غرض اس عقیدے سے تثلیث اور مسیحیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

کلیسا کی کونسلیں اور اجتماعات

عقیدہ تثلیث دراصل کلیسا کی کونسلوں کے ذریعہ ہی معرض وجود میں آیا ہے اس کی واضح اور صاف تعلیمات نہ ہی مسیح اور نہ اناجیل میں ملتی ہیں۔ یہ نظریہ مسیحیت کی کونسلوں کا پیداوار تھا اور ان کے انعقاد کا مقصد یہی تھا۔ ان کے اجتماعات کے ذریعے آہستہ آہستہ اقانیم ثلاثہ کا نظریہ ایجاد ہوا۔

یہ کونسلیں پہلی صدی عیسوی سے ۱۸۶۹ء تک تعداد کے لحاظ سے ۲۰ تک منعقد ہوئیں ان میں درج ذیل چار تثلیث کے بارے میں اہم ہیں(288)

۱۔ اجتماع نیقیہ(Nicea) (اول)منعقدہ ۳۲۵ء

۲۔ اجتماع قسطنطنیہ(Constantinople) (اول)منعقدہ ۳۸۱ء

۳۔ اجتماع افسس منعقدہ ۴۳۱ء

۴۔ اجتماع خلقیدونیہ(Chalcedon)منعقدہ ۴۵۱ء

اب ان چاروں کونسلوں کی تفصیلات اور ان میں عقیدہ تثلیث کے ارتقاء کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں

۱۔ اجتماع نیقیہ (اول)منعقدہ ۳۲۵ء

یہ پہلی کونسل ہے جس نے مسیحی زندگی پر بہت گہرے اثرات ڈالے اس کے ذریعے عقیدہ تثلیث کی ابتدا ہوتی ہے اور حضرت مسیح کے بارے میں بات رسالت آگے بڑھنے لگی اور مصر کا کلیسا اسکندریہ الوہیت مسیح کا قائل تھا لیکن اریوس مصری ہے کلیسا کی مخالفت کی اور اپنے عقیدہ کی وضاحت کی کہ مسیح خدا کے بیٹے نہیں۔ ابن البطریق نے اریوس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ باپ صرف خدا ہے اور بیٹا اس کی مخلوق اور باپ اس وقت موجود تھا جب کہ بیٹا موجود نہیں تھا(289) اس جھگڑے کو طے کرنے کیلئے شہنشاہ قسطنطین نے ۳۲۵ء میں مختلف مسیحی فرقوں کے علماء کی کونسل بلائی اس کونسل میں کافی بحث ومباحثہ ہوا یسوع کی ذات مرکز گفتگو رہی اکثر علماء ان کو رسول اور انسان کہتے تھے مگر بادشاہ نے اقلیت کی رائے کا ساتھ دیا مسیحی کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا اور انہیں خدائی درجے پر فائز کر دیا گیا مسیحیت کے اس نظریے کو بنیاد بنایا

گیایوں الوہیت مسیحی کی ابتداء ہوئی(290)

۲۔ اجتماع قسطنطنیہ (اول)منعقدہ ۳۸۱ء

۳۲۵ء نیقیہ کی کونسل نے مسیح کوالوہیت کوابنیت کا مقام دے دیالیکن روح القدس اور الوہیت کا رشتہ طے نہ کیااس بارے میں ان کے دو نظریات تھے

۱۔ روح القدس مخلوق ہے یہ اریوس اور اوساپیوس موجدین کا خیال تھا

۲۔ دوسرے بطریق سکندریہ کے پیروکار تھے یہ خدا ماننے والے بت پرست تھے انہوں نے بادشاہ کو اس بات پر تیار کیا کہ ایک کونسل بلائی جائے جس میں روح القدس کوالوہیت کے مقام پر فائز کیا جائے اسی مقصد کیلئے قسطنطنیہ میں ۱۱۵ اسقف جمع ہوئے انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ روح القدس خدا کی روح اور اس کی زندگی ہے اور اس کا تعلق خدا سے ہے اور اس کے عقیدے کے مخالف لعنت کے مستحق ہیں اس طرح یہ تثلیث مکمل ہوگئی باپ بیٹا اور روح القدس

تین شخص تین شکلیں تین خواص اور ایک تین، تین ایک کی حیثیت رکھتے ہیں ایک ہی وجود تین شکلوں سے ظاہر ہے جو ایک معبود ایک وجود اور ایک طبعیت ہے۔(291)

۳۔ اجتماع افسس منعقدہ ۴۳۱ء

قسطنطنیہ کی پہلی کونسل نے ۳۸۱ء میں خدا باپ خدا روح القدس اور خدا بیٹا قرار پایا لیکن یہ پیچید نظریہ وضاحت سے پیش نہ کیا جا سکا اور نہ ہی ابھی تک اقانیم ثلاثہ میں رابطہ اور رشتہ بتایا گیا اور نہ ہی ان کی نوعیت طے ہو سکی

ان سوالوں کا جواب دینے کیلئے نسطور فرقہ میدان میں آیا قسطنطنیہ کے بطریق نسطور نے کہا کہ یہاں ایک اقنوم اور ایک فطرت ہے الوہیت کا اقنوم باب سے نکلا اور الوہیت کی نسبت باپ سے ہے اور انسان کی طبعیت مریم سے پیدا ہوئی ہے اس طرح مریم انسان کی ماں ہے خدا کی ماں نہیں مسیح اور خدا میں باپ بیٹے کا تعلق محبت والا ہے یعنی ان میں خدائی تعلق نہیں بلکہ باپ بیٹے جیسی محبت کا رشتہ ہے اور مسیح خدا نہیں لیکن وہ خدا کی عطا کردہ نشانیوں اور بزرگی کی وجہ سے مبارک ہیں۔ غرض نسطور کے خیال میں یسوع خود خدا نہیں تھے بلکہ وہ ایک برکت سے بھرے ہوئے انسان یا اللہ کی طرف سے الہام شدہ تھے۔ مسیح نہ اللہ ہے نہ ابن اللہ بلکہ وہ عطیہ خداوندی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نسطور مسیح کو ابن اللہ کہتا ہے اور نہ ہی وہ مسیح کی الوہیت کا قائل ہے۔(92)

افسس کی کونسل کی رائے

اسقف رومیہ اور بطریق اسکندریہ اس وقت کے مسیحیوں کے بہت بڑے پیشوا تھے ان کی پیشوائی میں بت پرست مسیحی اور اساقفہ جمع ہوئے انہوں نے نسطور کی اقانیم تشریح اور مسیحی کی بشریت کو تسلیم نہیں کیا انہوں نے افسس کے شہر میں کونسل بلانے کے انتظامات کئے جہاں نسطور کی بدعت پر غور و فکر کرنے کو کہا چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس کے شہر میں یہ

کونسل منعقد ہوئی اس میں نسطور ڈر کی وجہ سے نہ آئے کہ کہیں انہیں ان کے عقائد کی وجہ سے لعن طعن نہ کیا جائے اساقفہ اسکندریہ بھی نسطور کے ساتھ رہے اس لئے وہ بھی اس کونسل میں تشریف نہ لائے البتہ بطریق اسکندریہ اساقفہ رومیہ اور اساقفہ بیت المقدس حاضر تھے اس کونسل میں طے ہوا کہ کنواری مریم خداوند کی ماں ہیں اور کہا گیا کہ کنواری مریم نے ہمارے معبود یسوع مسیح کو پیدا کیا تھا جو اپنی فطرت کے لحاظ سے باپ کیساتھ ہے۔ اور ناسوت اور فطرت کے تعلق سے لوگوں کیساتھ ہے مسیح کی دو طبعیتیں تسلیم کی گئیں ایک لاہوتی اور دوسری ناسوتی اور بشری۔

اس طرح نسطور کے عقیدہ بشریت مسیح کو ختم کردیا گیا ان کے خلاف مسیح کو الہ کا مقام دے دیا گیا فرقہ نسطور پر لعنت کی گئی انہیں مصر سے جلاوطن کردیا گیا غرض سابقہ کونسلوں کے نظریوں میں اب یہ اضافہ کیا گیا بیٹا خدا ہے اور اس کی دو طبعیتیں ہیں ایک لاہوتی اورالہی دوسری بشری و ناسوتی(293)

خلقیدونیہ (Chalcedon) کی کونسل ۴۵۱ء

اب تک مسیح کی دو فطرتیں لاہوتی اور ناسوتی طے ہوگئیں تھیں لیکن اختلافی رائے رکھنے والے مسیحیوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور وہ اپنے خیالات کو پھیلاتے ہوئے موصل و فرات تک جا پہنچے بطریق اسکندریہ نے بھی طبعیت مسیح کی الگ تفسیر کی اور کہا کہ یہ دو طبعیتیں ہوتی ہے ایک لاہوتی اور دوسری ناسوتی وہ مسیح کی ذات میں متحد اور متصل ہوگئی ہیں اس وجہ سے بطریق اسکندریہ نے افسس کی دوسری کونسل بلائی اور یہاں اپنے نظریہ کو پیش کیا کیتھولک نے اس کی شدید مخالفت کی اور اسے چوروں کی کونسل کہہ کر پکارا انیز بطریق قسطنطنیہ نے بھی شدید احتجاج کیا اور وہ باہر نکل گیا غرض یہ کونسل احتجاج اور شور افراتفری ہو ہا کے نعروں میں ختم ہوگئی مسیحی معاشرہ انتشار کا شکار ہونے لگا فطری اور ذھنی اختلاف وسیع ہوگئے اس پر روما کی ملکہ اور اس کے شوہر نے خلقیدونیہ ۴۵۱ء میں کونسل کا اجلاس بلایا(294)

ملکہ کی نگرانی میں ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ کی کونسل منعقد ہوئی یہاں بہت جھگڑے ہوئے شور وشغب ہوا کئی اختلاف سامنے آئے اس کونسل میں یہ قرار دادیں پیش ہوئیں۔ مسیح میں ایک نہیں بلکہ دو طبعتیں ہیں الوہت ایک الگ طبعیت ہے اور ناسوت ایک الگ طبعیت ہے جو مسیح کی ذات میں متحد ہوگئی ہیں ان کے ذریعہ مسیح کا خدا اور انسانوں سے واسطہ ہے ابن البطریق لکھتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ کنواری مریم نے خدا یعنی مسیح کو پیدا کیا جو اپنی الوہی فطرت میں باپ کیساتھ ہے اور طبعیت انسانی میں انسانوں کیساتھ ہے انہوں نے اس کا اقرار کیا کہ مسیحی میں دو طبیعتیں ہیں ایک اقنوم اور ایک ذات ہے۔(295)

اس کونسل میں مسیح کی دو طبعیتوں کی رائے اسکندریہ کی بطریق دیسکورس کے مقابلے میں اختیار کی گئی جو یہ کہتا تھا کہ مسیح کی ایک ہی فطرت یا طبعیت ہے اور مسیح میں ایک ہی لاہوت اور ناسوت جمع ہوگئیں تھیں اس کونسل میں نسطور اور دیسکورس اور ان کے ہمنوائوں پر لعنت بھیجی گئی۔ دیسکورس کو فلسطین جلاوطن کیا گیا(296)

کونسل کے بعد کے حالات

اس کونسل میں نہایت ہی غیر مہذب رویہ اختیار کیا گیا یہاں گالی گلوچ' دھینگا مشتی ہاتھاپائی تک نوبت آگئی۔ مذہبی لوگوں کے شایان شان ماحول اس کونسل میں موجود نہ تھا۔ اس کونسل میں ہر فریق اپنی بات پر اڑا رہا اپنی بات کو صحیح کہتا رہا۔ دوسرے کی کوئی بات ہی نہیں سنتا۔ ضد اور ہٹ دھرمی پر یہ اجتماع ختم ہوا۔ ایک اور فرقہ اس کونسل کے بعد پیدا ہوا وہ یعقوب برا ذعی کا تھا وہ مصری کلیسا کے اعتقاد کہ مسیح کی فطرت ایک ہے کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا تھا یہ نظریہ بھی خلقیدونیہ کی کونسل کے خلاف تھا یہ چھٹی صدی کا قصہ ہے اس دوران ۶۱۰ء میں اسلام کی روشنی ظاہر ہوئی۔

یہ ہے وہ تاریخ جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نظریہ تثلیث کس طرح پروان چڑھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صرف انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے نیز مسیحی دنیا کے اختلاف کی وجہ اس کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اسلام کے آنے کے بعد بھی یہ کونسلیں ہوتی رہیں اس سلسلے میں نیقیہ کی دوسری کونسل ۷۸۷ء قابل ذکر ہے اس میں مسیح اور دوسری مقدس ہستیوں کی تصویروں کو کلیسا گھر وغیرہ میں لگانے کی اجازت دی گئی تاکہ یسوع ان کی والدہ اور دوسری مقدس شخصیتوں کی تصویریں دیکھ کر لوگ اس طرف توجہ فرمائیں۔ بعد کی کونسلیں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے اختلاف کی وجہ سے بھی منعقد ہوئیں۔ ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۳ء تک ایک طویل کونسل پروٹسٹنٹ فرقہ کی تردید میں منعقد ہوئی۔ ۱۸۶۹ء میں کونسل روما نے پوپ کو معصوم قرار دیا۔(297)

عقیدہ ابنیت (الوہیت مسیح)

مسیحیت کا ایک اہم عقیدہ ابنیت ہے۔ پرانے عہد نامہ میں یہ اصطلاح ان کیلئے استعمال ہوتی ہے جن کا خدا سے خاص رشتہ ہے۔ بعض حوالوں میں اس سے فرشتے مراد ہیں۔(298)

خدا کے سب بیٹے خوشی سے للکارتے تھے (299)

متی میں بنی اسرائیل کو بیٹا پکارا گیا ہے(300)

خداوند مسیح نے یہ نام بہت مرتبہ استعمال نہیں بلکہ اس پر ایک اور نام کہ جو خاص اہمیت رکھتا ہے ترجیح دی یعنی ابن آدم کے لقب کو۔ لیکن انہوں نے بارہا خدا کو باپ کہہ کر پکارا اور جب لوگوں نے اصرار کر کے پوچھا کہ کیا وہ خدا کے بیٹے ہیں تو اپنے اس حق کو پر زور تحفظ کیا۔(301)

مسیح کا خدا کو باپ پکارنا اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ خدا سے ایک رشتہ اور تعلق رکھتے تھے یہ بات ان حوالوں سے واضح ہو جاتی ہے وہ اپنی دعا میں خدا سے مخاطب ہوتے ہیں۔(302)

لیکن شاگردوں پر اس اہم اصطلاح کا پورا مفہوم خداوند مسیح کے جی اٹھنے پر ہی صاف عیاں ہوا پولس رسول نے مسیح پر ایمان لانے کے بعد اعلان کیا کہ مسیح واقعی خدا کے بیٹے ہیں۔(303)

ایماندار رفتہ رفتہ جاننے لگے کہ بیٹے کا باپ سے ایک ازلی اور ابدی تعلق ہے یہ تعلق خداوند مسیح کے بپتسمہ کے وقت جب آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا بیٹا ہے(304)

خاص طور پر ظاہر ہوا۔ یوحنا کی انجیل کے پہلے باب میں ازلی کلمہ کا ذکر ہے جن کے وسیلے سے سب چیزیں پیدا ہوئیں۔ یہی کلمہ خدا کا بیٹا ہے جو خدا کی گود میں ہے(305)

پاک کلام میں مختلف اشخاص گواہی دیتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں(306)

باپ کی گواہی

دیکھو ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کر لیا اور دیکھو اس بادل میں سے ایک آواز آئی کہ یہ میرا بیٹا ہے المحبوب جس سے میں خوش ہوں اس کی سنو(307)

یسوع کی گواہی

میں خدا کا بیٹا ہوں(308)

جبرائیل فرشتے کی گواہی

بی بی مریم کو جبرائیل فرشتے نے حضرت مسیح کی ولادت کی خبر دی تب مریم نے فرشتے سے کہا یہ کس طرح ہوگا جبکہ میں مرد سے ناواقف ہوں اور فرشتے نے جواب میں اس سے کہا روح القدس تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ قدوس

مولود کا بیٹا کہلائے گا۔(309)

یوحنا کی گواہی

اور یسوع نے اپنے شاگردوں کے سامنے اور بہت سے کرشمے دکھائے جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے لیکن یہ اس لئے لکھے گئے ہیں کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی المسیح ابن خدا ہے۔(310)

صوبیدار کی گواہی

تب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی اور ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور جو صوبیدار اس کے سامنے کھڑا تھا جب اس نے اسے یوں جان دیتے دیکھا تو کہا یہ آدمی درحقیقت خدا کا بیٹا ہے۔(311)

اناجیل میں یسوع کے بارے میں ابن کا لفظ بار بار آیا ہے اور انہیں اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے۔ یوحنا اس کے بارے میں تفصیل لکھتا ہے "خدا نے دنیا کو ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے کیونکہ خدا نے بیٹے کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا پر فتویٰ دے بلکہ اس لئے کہ دنیا اس کے وسیلے سے نجات پائے جو اس پر ایمان لاتا ہے اس پر فتویٰ نہ دیا جائے گا لیکن جو اس پر ایمان نہیں لایا اس پر فتویٰ ہو چکا کیونکہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے کے نام پر ایمان نہ لایا تھا۔(312)

یسوع نے مسیح کو ابن اللہ اور الوہیت کا درجہ دیا گیا ہے "آج کل پوری عیسائی دنیا تفصیلی اختلاف کے باوجود اسے مانتی ہے اس عقیدہ کی بنیاد چند امور پر رکھی گئی ہے۔

اول حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونا

دوم حضرت عیسیٰؑ کے معجزات حلول اور تجسم کا عقیدہ

سوم تیسرے دن حضرت عیسیٰؑ کا قبر سے دوبارہ جی اٹھنا اور آسمان پر چلے جانا

عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو لازماً ان کا باپ خود خدا ہی ہے اس لئے نعوذباللہ مسیح خدا کے بیٹے ہوتے ہوئے نیز اکلوتے بیٹے ہوئے خود بھی الہ اور خدا ٹھہرے بس اس تصور کا ظاہری نتیجہ الوہیت مسیح نکلا۔

تجسم

موجودہ مسیحیت کا بنیادی تصور ہے کہ یسوع مسیح خدا کا جسمانی مظہر تھا اور انسان بن کر انسانوں میں زندگی بسر کرتا رہا اس کو تجسم کہا جاتا ہے یعنی خدا کا انسانی جسم اختیار کرنا اسی طرح حلول کا معنی گھس جانا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ اپنی خدائی صفات ترک کئے بغیر انسان کے وجود میں ظاہر ہوتا ہے اس قسم کا عقیدہ ہندوؤں کا بھی ہے وہ رام چندر جی کرشن جی اور مہاتما بدھ کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ان کے عقیدہ کے مطابق وشنو دیوتا ان تینوں کی شکل میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا۔ جسم تو رام کرشن اور بدھ کا تھا مگر فی الحقیقت ان کے اندر وشنو بھگوان تھا۔ چوتھی انجیل یوحنا میں پہلی دفعہ حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کا رنگ دیا

گیا ہے اس کی ابتدائی آیات میں کلام کا ازلی وابدی ہونا خدا کے ساتھ ہونا خود خدا ہونا پھر کلام کا مجسم ہونا اور خدا کے اوتار مسیح کا انسانوں میں رہنا مذکور ہے۔

آیئے تجسم عیسیٰ کے بارے میں مسیحی خیالات کی طرف رجوع کرتے ہیں

"کیتھولک علماء لفظ تجسم کی بجائے تجسد کو ترجیح دیتے ہیں۔ تجسم کے لغوی معنی ہیں جسم اختیار کرنا یا جسم میں ظاہر ہونا لیکن جب یہ اصلاح مسیح علم الٰہی میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے ذات الٰہی کے دوسرے اقنوم میں جسم اختیار کیا مسیح جسم نہیں بنے بلکہ انہوں نے جسم اختیار کیا یہ تعلیم تمام بائبل میں پائی جاتی ہے لیکن اس سے واضح صورت میں یوحنا ۱:۱۲ جیسے حوالوں میں بیان کیا گیا ہے 'اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا"

(313)

یہی مقالہ نگار آگے چل کر اس کا مفہوم اس طرح واضح کرتا ہے

"تجسم سے جو فارمولا ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی طور سے خدا اپنی خدائی سے دست بردار ہوئے بغیر انسان بنا (314)

یوحنا رسول بھی اپنی انجیل کے افتتاحیہ میں یہی کچھ کہتا ہے کہ کلام جو ابتداء میں تخلیق عالم سے پیشتر نہ صرف خدا کے ساتھ بلکہ خدا تھا۔(315)

"مجسم ہوا" (316)

اس عقیدہ کی ابتداء کی وجہ

"اگر اس عقیدے کو عہد عتیق کے توحید پرستی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کفر نظر آتا ہے اور کٹر یہودی یہی نظریہ رکھتے تھے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا خالق خدا خود اپنی مخلوق بن گیا جو پہلی نظر میں ہی متضاد معلوم ہوتا ہے پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یوحنا رسول کو یہ عجیب بیان لکھنے کی تحریک کیسے ہوئی؟ ابتدائی کلیسا کا یہ ایمان کہ ناصرت کے یسوع مجسم خدا ہیں کہاں سے ابھرا کچھ لوگوں کا یہ مفروضہ تھا کہ یہ عقیدہ مسیح خداوند کے قول و فعل سے نہیں ابھرا بلکہ بعد میں بنا ہے چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ اس کی ابتداء یہودیوں کی کسی ازل سے موجود فوق البشر ہستی سے متعلق خیال آرائیوں میں یا بت پرستوں کے ایک نجات دہندہ کے بارے میں دیومالائی قصوں میں جو کہ یونانی اسراری مذہب اور غناسطی بدعتی فرقے کا خاصہ تھا تلاش کریں لیکن یہ کوشش ناکام رہی اس کی وجہ تو یہ تھی کہ یہودی اور غیر اقوام کے خیالات اور نئے عہد نامے کہ علم المسیح میں جو سطحی مطابقت نظر آتی ہے اس کی نسبت وہ فرق جو ان میں پایا جاتا ہے اس کی جڑیں کہیں زیادہ گہری تھیں دوسری وجہ یہ تھی کہ تاریخی یسوع کے فرمودات میں بلاشبہ اپنی الوہیت کا دعوی پایا جاتا ہے اور یہ دعوی ابتدائی فلسطینی کلیسا کے ایمان اور پرستش کا جزو اعظم اور بنیاد تھی جیسا کہ اعمال کی کتاب کے پہلے ابواب سے ظاہر ہے لہذا اس کی صرف ایک ہی تشریح ہے جس کی وجہ سے ان کے شاگردان کے صعود آسمانی سے پیشتر ہی ان کی الوہیت کے قائل ہو گئے اور وہ ہے یسوع مسیح کی شخصی زندگی 'ان کی خدمت' موت اور قیامت اور بلاشبہ یہی وہ حقیقت ہے جسے چوتھی انجیل

بیان کرتی ہے خاص طور پر یوحنا ۲۰: ۲۸ بعد میں اس سے اتفاق کرتے ہوئے اعمال کی کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدائی مسیح یسوع مسیح سے بطور خداوند دعا کرتے تھے۔(317)

پنتکست کے بعد وہ لوگوں کو ان کے نام میں بپتسمہ دیتے تھے۔(318)

وہ ان کے نام یعنی ان پر ایمان رکھتے تھے(319) اور وہ منادی کراتے تھے کہ وہ توبہ کی توفیق اور گناہوں کی معافی دیتے ہیں۔(320)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ شروع میں مسیح کی الوہیت کو صاف الفاظ میں بیان نہیں کیا گیا تو بھی ابتدائی مسیحی اس بات پر ایمان رکھتے تھے اور ان سے دعا کرتے تھے اگرچہ تجسم کی اصطلاح بعد میں اخذ کی گئی تو بھی کلیسا اپنی ابتداء ہی سے اس پر ایمان رکھتی تھی۔(321)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اناجیل اور اس کے فوراً بعد دینی لٹریچر میں الوہیت مسیح کا صاف واضح حکم نہیں ملتا لیکن اس ادب کے اشارات اس طرف ملتے ہیں کہ یہ تصور وہاں موجود تھا اور بعد میں اس عقیدے کی ایک مکمل عمارت تعمیر قائم کر دی گئی۔ اس سے مسیحیت کے ارتقائی نظریات کا پتہ چلتا ہے۔

تصور ابنیت

یہی مقالہ نگار مسیح کے خدا بیٹے کے متعلق لکھتا ہے کہ "مسیح کو بیٹا ہونے کا احساس شائد پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جو وہ قریب ۱۲ سال کے تھے۔(322)

ان کے بپتسمہ کے وقت پاک روح اس کی تصدیق کرتا ہے کہ تو میرا بیٹا ہے۔(323)

جب ان کے مقدمے کے وقت ان سے حلفاً پوچھا جاتا ہے کہ تو خدا کا بیٹا ہے تو وہ اثبات میں جواب دیتا ہیں کہ ہاں میں ہوں۔ (324)

جب بھی خداوند یسوع نے اپنے متعلق کہا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خدا کے ساتھ لاثانی نزدیکی تعلق ہے۔ اناجیل متوافقہ میں اس ضمن میں قدرے کم حوالے ملتے ہیں۔ لیکن یوحنا کی انجیل میں اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یوحنا کے مطابق یسوع خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں ان کا باپ کے ساتھ کامل یگانگت اور کامل شراکت میں لاتبدیل تعلق ہے بطور بیٹا وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے ہیں انہیں باپ نے اس دنیا میں بھیجا اور انہیں پورا کرنے کیلئے ایک کام سونپا وہ اپنے باپ کے نام میں آئے اور چونکہ ان کے اعمال اور اقوال باپ کے حکم کے ماتحت تھے اس لئے اس زمین پر ان کی زندگی سے خدا مکمل اظہار ہوتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ باپ مجھ سے بڑا ہے تو اس سے مسیح کی الوہیت پر زد نہیں پڑتی کیونکہ بیٹا ہوتے ہوئے یہ ان کی فطرت ہی ہے کہ ہر وقت خوشی سے بیٹے کا مزاج دکھائیں۔ باپ نے بیٹے کے سپرد دو کام کئے ہیں یعنی زندگی دینا اور عدالت کرنا تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ سب لوگوں سے کہتا ہے کہ توما کی طرح مسیح کو ویسے ہی مخاطب کریں جیسے کہ خدا باپ کو یعنی اے میرے خداوند اے میرے خدا

دند نئے عہد نامہ میں مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے جن سے ان کی الوہیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں صرف چند حوالے جو زیادہ اہم ہیں پیش کئے جاتے ہیں۔

یوحنا رسول خدا کے بیٹے یسوع مسیح کو خدا کا ازلی کلمہ بیان کرتا ہے۔(325)

پولس رسول انہیں مجسم ہونے کے بعد اور ان کے تجسم سے پیشتر دونوں صورتوں میں اندیکھے خدا کی صورت کہتا ہے۔ (326)

عبرانیوں ۱:۱-۱۸ میں انہیں خدا کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش کہا گیا ہے۔

جب کلام مجسم ہوا تو نہ تو انہوں نے الوہیت کو ترک کیا اور نہ وہ کم ہوئی اور نہ ہی وہ اپنے تجسم سے پیشتر کے سے کاموں سے دست بردار ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں اور وہ سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے اور جب وہ زمین پر تھے تو یقیناً یہ کام جاری ہے جب وہ اس دنیا میں مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو اپنے ظاہری جاہ و جلال سے خالی کیا یوں وہ غریب بن گئے ۔ (327)

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تجسم کی وجہ سے ان کی الوہیت و قدرت ختم ہوئی مجسم مسیح کے بارے میں پولس رسول رقم طراز ہے " الوہیت کی ساری معموری اس میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔(328)

پس خدا کے بیٹے کا تجسم ان کی الوہیت کو متاثر نہیں کرتا بلکہ انسانیت کو پہن لیتا ہے جس طرح بعد ازاں پاک روح انسانوں میں سکونت کرنے کیلئے آیا بیٹا ویسے جسم میں سکونت کرنے کیلئے نہیں آیا اس کے برعکس بیٹے نے شخصی طور پر مکمل انسانی زندگی بسر کرنی شروع کر دی انہوں نے انسانی جسم اور نفس کی خوبیوں کا اپنایا یعنی وہ انسان کے جسمانی اور نفسی تجربوں میں شامل ہوئے یوں یسوع مسیح انسان میں اور ان کی یہ انسانیت ابدی ہے اگرچہ رب وہ آسمان پر ہیں تو بھی اس ایک شخص میں الٰہی اور انسانی دونوں فطرتیں قائم ہیں جو ہمیشہ یونہی رہیں گی۔(329)

تجسم کی ضرورت

انسان اپنی بگڑی ہوئی فطرت یا طبعیت کے باعث اس قابل نہیں کہ وہ اپنے اعمال یا کسی اور طریقے سے حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکے اس لئے ضروری ہے کہ خدا خود ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھائے لیکن خدا اپنی قدوسیت کے باعث گناہ گار انسان سے اس وقت میں ملاپ نہیں کر سکتا جب تک کہ درمیان سے گناہ ہٹ نہیں جاتا اب گناہ کو ہٹانے کیلئے ضروری تھا کہ خدا انسان کو اس کے گناہ کی سزا دیتا جس سے انسان کی ہلاکت یقینی ہوتی یا پھر وہ خود گناہ کے تقاضوں کے مدنظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا انتظام کرے کہ ایک طرف تو گناہ کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملے اور دوسری طرف انسان بچ بھی جائے اور یہ انتظام صرف فدیہ دینے ہی سے ممکن تھا یعنی خدا خود انسان کا فدیہ ادا کرتا اور اس نے یہی کچھ کیا۔ چونکہ گناہ انسان سے سرزد ہوا اس لئے اس کا فدیہ بھی صرف انسان ہی دے سکتا تھا۔ لیکن اس دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جو گناہ سے پاک ہو۔ ایک گناہ گار انسان دوسرے گناہ گار انسان کے گناہ کا فدیہ نہیں دے سکتا۔ یہاں امکان تجسم پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا انسان

آئے جو گناہ سے منزہ ہو اور خدا نے اسی کا انتظام کیا پس وقت پورا ہو گیا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہوا اور شریعت کے ماتحت پیدا ہوا تا کہ شریعت کا ماتحتوں کو مول لے کر چھڑا لے۔

خدا نے اپنے بیٹے کو اس لئے جسم میں بھیجا تا کہ ایک کامل انسان گناہ گار انسان کا فدیہ دے "اس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کیلئے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا تا کہ شریعت کا تقاضا ہم میں پورا ہو۔ یسوع مسیح کامل انسان اور کامل خدا ہیں۔ انہوں نے بطور انسان ایک انسان کا کفارہ دیا تا کہ گناہ گار انسان خدا کے حضور راستباز ٹھہر سکے اسی کو اس نے ہمارے واسطے گناہ ٹھہرایا تا کہ ہم اس میں ہو کر خدا کے راستباز ہو جائیں۔(330)

نظریہ کا ارتقاء

مسیح کے ابتدائی پیروکاروں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ حضرت یسوعؑ خدا کے بیٹے ہیں وہ آپ کو آنے والی آسمانی بادشاہت کا روحانی فرمانروا تسلیم کرتے تھے اور اس امر کے متوقع تھے کہ آپ کے ظہور ثانی کے بعد دنیا کی حال بدل جائے گی اور انسان عالم گیر اخوت اور عدل وانصاف کے عہد میں داخل ہو گا کیونکہ آپؑ دینوی طاقتوں کے جور و ستم کا خاتمہ فرمائیں گے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا پیروکاروں مسیح کی امیدیں مایوسی میں بدلتی گئیں اور عیسائیوں کا عام میلان فکر اس طرف راجع ہوتا گیا کہ یسوعؑ نے اپنی موت سے انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر کے اس کی روحانی نجات کا راستہ ہموار کر دیا ہے اس طرح مسیح کا یہ تصور قوی ہوتا گیا کہ وہ انسانیت کے نجات دہندہ تھے اور ان کو ماننے کیساتھ انسان گناہ کی آلائشوں سے پاک ہو کر آسمانی بادشاہت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اس کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم میں خدا اور انسان کے باہمی تعلق کے بارے میں الٰہی صفت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا۔ وہ خدا کی ابویت تھی یعنی انسان کے مقابل میں خدا کی وہی حیثیت ہے جو بیٹوں کے مقابلوں میں باپ کی ہوتی ہے۔ اور جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اسی طرح خدا بھی انسان کی تکالیف و مصائب میں اس طرح اس کا ہمدرد اور دم ساز ہے اس تعلیم میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ انسان جسمانی حیثیت سے خدا کی اولاد ہے بلکہ اس کا مقصود صرف یہ تھا کہ انسان اپنے آپ کو خدا سے قریب سمجھے۔ اور یہ یقین کرے کہ نیکی اور اخلاق عالیہ کی راہ میں اس کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان میں وہ خدا سے مدد اور نصرت کی توقع کر سکتا ہے۔

یہودیوں میں عام طور پر خدا کا جو تصور مروج تھا اس کے تحت خدا کو انسان سے بالکل غیر اور ماوراء قرار دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس تصور کو بدلنے کیلئے اور خدا اور انسان کے باہمی تعلق کو زیادہ گہرا کرنے کی غرض سے خدا کیلئے آسمانی باپ کی اصطلاح استعمال کی تھی لیکن مسیح کی غیر معمولی شخصیت کا اثر نجات دہندہ اور مسیح کے آنے کا انتظار اور پھر مسیح کے ساتھ یہودیوں نے جو ظالمانہ برتاؤ کیا اس کا رد عمل۔ ان سب عناصر کی آمیزش سے یہ خیال قوی ہوتا گیا کہ مسیح عام انسانوں کی بہ نسبت خدا کسے کوئی خاص مقبولیت رکھتے تھے۔ جب تک عیسائیت فلسطین میں محدود تھی اس وقت تک مسیح اور خدا کے مخصوص تعلق کی نسبت کوئی ایسا تصور پیدا ہونا مشکل تھا جو یہودیوں کے عام اعتقادات کے خلاف ہو اس لئے مسیح

کو برگزیدہ اور محبوب خدا سمجھنے کے باوجود آپ کے عیسائی یہودی پیرو لبن اللہ کے عقیدے کی طرف مائل نہ ہو سکے لیکن جب عیسائیت کی تبلیغ ان علاقوں میں شروع ہوئی جہاں مت پرستانہ اور مشرکانہ عقیدوں کا زور تھا یا یونانی مذہبی تصورات کا غلبہ تھا تو آسمانی باپ کا تصور بدلنا شروع ہوا اور مسیح کی مظلومانہ موت کا تصور سے مل جل کر یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ مسیح کا خدا سے وہ تعلق نہ تھا جو دوسرے انسانوں کا ہوتا ہے۔ بلکہ آپ واقعتہً خدا کے بیٹے تھے جس کو خدا نے اپنے بندوں کی نجات کیلئے دنیا میں پیدا کیا تھا۔ یونانی اور رومی تہذیب کے لوگوں میں اس قسم کے خیالات عام تھے اور کئی مذہبی فرقے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے دیوتا برگزیدہ انسانوں کے جسم میں حلول کر سکتے ہیں اس لئے ایسی ذھنی فضا میں اس خیال کی اشاعت دشوار نہ تھی کہ مسیح نے جو آسمانی باپ کا جو تخیل پیش کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اور مسیح کی صورت میں خود خدا کا مجسم ہو کر نجات انسانی کیلئے دنیا میں آیا۔

جیسا کہ بیان ہوا اس خیال کو یونانی افکار اور یہودی مذہبی تصورات سے مزید تقویت ملی۔ یہودیوں میں ایک وراءالوراء خدا کا تصور موجود تھا جس کا کائنات اور انسانی تمناؤں سے کوئی تعلق نہ تھا انسان کا کام صرف یہ تھا کہ وہ صرف اس خدا کے احکام کی پیروی کرتا رہے۔ عیسائیت کے ظہور سے کچھ عرصہ قبل بعض مفکرین کائنات اور پھر انسان نے خدا کی اس بے تعلقی کا حل تلاش کرنے میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسا واسطہ دریافت ہو جائے جو خدا اور انسان کے تعلق کا کام دے سکے۔ اس قسم کے درمیانی واسطے کا تصور ایک یہودی مفکر فائلو (Philo) نے بھی پیش کیا جو اس زمانے میں اسکندریہ میں یہودیوں کی کتب مقدسہ کی فلسفیانہ تاویل میں مصروف تھا۔ فائلو رواقی مکتبہ فکر کے کلمہ (Logos) کو خدا اور انسان کے درمیان رابطہ قرار دیا ابتداء میں کلمہ خدا کی صفت تھی لیکن فائلو نے اسے ایک مستقل ہستی بنا ڈالا۔ اس کا خیال تھا کہ کائنات کو خدا نے براہ راست پیدا نہیں کیا بلکہ پہلے کلمہ کی تخلیق کی اور پھر اس کے ذریعہ سے کائنات کو وجود میں لایا گویا کلمہ کلمہ خدائے ثانی کا قائم مقام تھا۔

یونانیوں نے خدا کے بارے میں جو تصور قائم رکھا تھا وہ بھی خدا کا ماورائی تصور تھا۔ یونانیوں کا خدا اپنی جگہ اتنا مکمل اور بے عیب تھا کہ اسے ناقص اور پر عیوب دنیا کیساتھ دلچسپی لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس تصور نے انسان اور خدا میں کمال درجے کا بعد اور دوری پیدا کر دی تھی انسانی فطرت ہے کہ وہ کسی ایسے خدا کا تصور سے کوئی راحت واطمینان محسوس نہیں کرتی جسے اس کی تمناؤں اور آرزوؤں سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اس لئے یونانی افکار کے زیر اثر عوام کو بھی کسی ایسے خدا کی ضرورت تھی جو ان کے دکھ درد اور رنج و راحت میں شریک ہو سکے۔ یہودیوں کے ہاں خدا کا جو تصور موجود تھا وہ اگرچہ یونانیوں کی اس خواہش کے قریب تر تھا۔ لیکن یہودیوں نے اپنے خدا کو صرف اپنے لئے ہی مخصوص کر لیا تھا۔ عیسائیت نے جس خدا کا تصور پیش کیا اس میں یہودی تصور کے اجزاء شامل تھے پھر وہ انسانوں سے قریب تر بھی تھا اس کے ساتھ ہی مسیح کو جب انسانیت کا نجات دہندہ اور خدا کا بیٹا قرار دیا گیا تو خدا اور انسان کے درمیان وہ واسطہ حاصل ہو گیا۔ جس کی کمی یونانی اور رومی محسوس کر رہے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس عقیدے کو وجود میں آنے سے قبل یونانیوں اور رومیوں نے

اپنے بادشاہوں کو الوہیت کا مقام دے کر اپنی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی تھی جب عیسائیت یونانی اور رومی دنیا میں اپنا پیغام لے کر پہنچی تو مسیح کے تصور میں ادنی سی تبدیلی نے الوہیت مسیح اور عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کے عقیدے کی شکل اختیار کر لی اور یونانیوں و رومیوں کی علمی و تہذیبی برتری نے رفتہ رفتہ حضرت عیسیٰ کے ان پیروؤں کے عقیدے کو ناپید کر دیا جو آپ کو صرف مسیح اور آسمانی بادشاہت کا فرمانروا سمجھتے تھے۔((331)

تنقیدی جائزہ

بائبل کے ان تمام اقوال کو لفظی معنی یا مفہوم میں لینا مناسب نہ ہوگا یہ دراصل تمثیلی اور اشارتی زبان ہے جس کے کئی معنی اور وضاحتیں ہو سکتی ہیں۔بائبل میں بہت سے انبیاء اور اہل حق کو خداوند کا بیٹا کہا گیا ہے ملاحظہ ہو

"اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے" (332)

"تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو" (333)

"خدا اپنے مقدس مکان میں یتیموں کا باپ اور بیوائوں کا دادرس ہے" (334)

"وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کیلئے قائم کر دوں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا" (335)

"دیکھ تجھ سے ایک بیٹا ہوگا وہ مرد صالح ہوگا اور میں اسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا کیونکہ **سلیمان** اس کا نام ہوگا اور میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا وہی میرے نام کیلئے ایک گھر بنائے گا وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہوں گا" (336)

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (337)

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دعا کرو کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو" (338)

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے" (339)

"اور وہ آدمؑ کا اور وہ خدا کا بیٹا تھا" (340)

"اس لئے کہ جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں" (341)

"اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے" (342)

درج بالا حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں خدا کا بیٹا پیار محبت کے لئے آیا ہے نہ کہ اصل بیٹے کیلئے اسی طرح یہ لفظ حضرت عیسیٰ کیلئے خدا کے محبوب پیغمبر ہونے کی وجہ سے استعمال ہوا ہے خود حضرت عیسیٰ نے یہ لفظ خدا کے محبوب اور پسندیدہ لوگوں کے لئے کہا تھا۔

"لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دعا کرو تا کہ تم اپنے باپ کے جو

آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو" (343)

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے " (344)

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ خدا کے بیٹے کے لفظ کو اصلی معنی میں نہیں لینا چاہئے اور نہ بائبل میں یہ لفظ لفظی اور لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اب ذرا الوہیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقوں کا یہ عقیدہ ہے یسوع مسیح ازل سے خدا تھے وہ انسانی شکل میں تشریف لائے اور کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

لیکن جناب یسوع مسیح نے اس عقیدے کا انکار کیا ان کے فرمودات سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اپ نے اس کی پر زور تردید کی تھی ان کے اقوال دیکھئے۔

"تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے ؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (345)

خدا تعالی کے متعلق جناب یسوع مسیح نے فرمایا

"اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا' حصرت عیسیٰ ایک انسان تھے اور خدا کے رسول تھے۔ خدا اور ان میں خالق اور مخلوق کا تعلق تھا۔ انجیل مقدس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان کو پھانسی پر چڑھایا گیا تو وہ پکارے الوہی الوہی لما شبقتنی (رومن) الاھی الاھی لماشبقتنی (پروٹسٹنٹ) " (346)

اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا اب ذرا سوچئے کہ خدا ایسے الفاظ کہہ سکتا ہے یہ تو ایک انسان کے الفاظ ہی ہو سکتے ہیں جو وہ خدا کیلئے ادا کرتا ہے۔

پس یسوع مسیح نے اپنے آپ کو ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا اس کے سوا اپنے متعلق کوئی دعوی نہیں کیا۔ باقی سب مبالغہ ہے آپ کو انسانوں کی ہدایت کیلئے نبوت کیساتھ کتاب بھی دی گئی۔ آپ کے اقوال اس کی تائید کرتے ہیں۔

"یسوع نے ان سے کہا اگر تم ابرہام کے فرزند ہوتے تو ابرہام کیلئے کام کرتے لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق بات بتائی جو خدا سے سنی ابرہام نے تو یہ نہیں کیا تھا " (347)

"اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پس نہیں بھیجا گیا" (348)

"جو کوئی میرے نام پر ایسے بچوں میں سے ایک کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے" (349)

"اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں" (350)

"جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے اور بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے" (351)

"میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہابلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔" (352)

اب آیئے الوہی صفات و خصوصیات اور جناب یسوع کی خصوصیات اور انسانی افعال کا موازنہ اور مقابلہ کرتے ہیں۔

1۔ دعا التجا انسان کی ضرورت اور فطری تقاضہ ہے اللہ کو اس کی حاجت نہیں وہ غنی ہے اور بے پرواذات ہے۔

حضرت یسوع مسیح کی دعائیں ملاحظہ ہو

☆ مگر وہ جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا (353)

☆ وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا (354)

☆ اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جا کر دعا کروں (355)

2۔ خدا کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قادر مطلق ہے جیسا کہ انجیل میں ہے

"اور میں تمہارا باپ ہوں گا اور تم میرے بیٹے بیٹیاں ہوں گے یہ خداوند قادر مطلق کا قول ہے " (356)

جناب یسوع مسیح میں قادر مطلق کی صفت نہیں تھی۔ انجیل کے درج ذیل حوالوں سے آپؑ کی الوہیت اور قادر مطلق ہونے کا انکار ثابت ہوتا ہے

"میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جب سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت درست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں" (357)

"اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا صرف تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اچھا کر دیا" (358)

"ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اسے دیکھنے کا مشتاق تھا اس لئے کہ اس کا حال سنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا اور وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا" (359)

3۔ خدا تعالیٰ علیم و خبیر ہے اسے ذرہ ذرہ کا علم ہے کائنات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں وہ دلوں کے بھید تک جانتا ہے "فقط تو ہی سب بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے" (360)

لیکن عیسیٰؑ میں ایسی کوئی صفات نہیں پائی جاتی تھیں۔ انجیل سے یہی پتہ چلتا ہے

"میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں تجھے دوں گا اور جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا" (361)

"اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا اسے بھوک لگی اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس گیا اور پتوں کے سوا کچھ نہ پا کر اس سے کہا کہ آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے گا اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا" (362)

"اس کے پیچھے آکر اس کی پوشاک کا کونہ چھوا اور اسی دم اس کا خون بہنا بند ہو گیا اس پر یسوع نے کہا اے کون ہے جس نے

مجھے چھوا جب سب انکار کرنے لگے تو پطرس اور اس کے ساتھیوں نے کہا اے صاحب لوگ تجھے دباتے اور تجھ پر گر پڑتے ہیں" (363)

"اس نے پھر کر پطرس سے کہاں اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے" (364)

اناجیل کے درج بالا حوالوں سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ درست نہیں۔ حضرت عیسیٰ ایک انسان تھے اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے وہ خدائی درجے پر فائز نہیں تھے اور نہ ہی ان میں خدائی صفات تھیں وہ انسانی صفات کے مالک تھے وہ دعا اور التجا کرتے تھے۔ خدا سے مدد مانگتے تھے وہ خدا کی طرح علیم و خبیر نہ تھے خدا ازلی و ابدی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ حضرت عیسیٰ کو انسان کی طرح موت آئی اور اناجیل کی عبارت سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کو موت آئی غرض خدا خدا ہے اور جناب یسوع مسیح خدا نہ تھے بلکہ انسان اور ایک پیغمبر تھے۔

عقیدہ کفارہ

اردو لفظ کفارہ عربی لفظ کفر سے مشتق ہے۔بنیادی طور پر اس کا مطلب ڈھانکنا تھا۔ موجودہ اصطلاح کی رو سے کفارہ کا مطلب ہے وہ جو گناہ کو ڈھانک کر اس کو جس کے بر خلاف گناہ کیا گیا رضامند اور مطمئن کر دیتا ہے۔(365)

انگریزی کے جو الفاظ اس سلسلے میں استعمال ہوئے حسب ذیل ہیں

Atonement-1

اس سے مراد ہے عوضانہ دے کر مطمئن کرنا کفارہ دینے سے مراد نقصان بھرنا ہے اور اس کا نتیجہ گناہ کے باعث متاثرہ شخص یا اشخاص کے ساتھ صلح یا ان کے ساتھ بذریعہ فدیہ یا تلافی از سر نو ایک ہو جانا ہے۔

Propitiation یا Expiation-1

ان الفاظ کا مطلب تقریباً وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے تاہم ان سے مراد قربانی دے کر غضب کو ٹھنڈا کرنا اور غضبناک شخص کو راضی کرنا ہے۔ مسیح پر ایمان لانے والوں کیلئے اس کا مطلب ہے کہ مسیح کی صلیب ہماری کفارہ گاہ ہے یہاں پر کامل قربانی دی گئی۔ یہاں خون بہایا گیا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے موثر ہے۔اس پر ایمان لانے سے میں بھروسہ کر سکتا ہوں کہ میرے گناہ مکمل طور پر ہمیشہ کے لئے مٹا دیئے گئے معاف ہوئے اور دور پھینک دیئے گئے کیونکہ مسیح یسوع نے کامل کفارہ دیا ہے۔(366)

کفارہ کی تشریح انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اسطرح کرتا ہے

Atonement, a recurring theme in the history of religion and theology, the process by which a person removes obstacles to reconciliation with God Rituals of expiation and satisfaction appear in most religion, whether primitive or developed, as the means by which the religious persons re establishes or strengthens his relation to the Holy, Atonement is often attached to sacrifice both of which often connect ritual cleanness with moral purity and religions acceptability. (367)

مولانا تقی عثمانی کہتے ہیں کہ عیسائی علم وعقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے سے ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت قریب ہو جاتا ہے اس عقیدہ کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا دوسرے یہ کہ انسان کی صفت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی

کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔ (368)

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہ گار ہے آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثت ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اس کا یہ رحم اس کے عدل کے خلاف ہے خدا رحیم ہے اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے پھر وہ عادل بھی ہے عدل کا یہ تقاضا ہے کہ سزا ضرور دی جائے اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ بندوں کو نجات دلانے کیلئے ایک صورت یہ نکالی کہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر سے لے کر جان کی قربانی دے اور سارے لوگوں کیلئے نجات کا ذریعہ بنے۔

کفارہ کی عمارت کا دوسرا حصہ ستون یہ ہے کہ مسیح نے گناہ گار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے کر صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔

صلیب پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آدم نے گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے اور مسیحؑ اسی لئے بن باپ پیدا کئے گئے تھے تاکہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔

مسیحیوں کا اس بارے میں یہ بھی استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا۔ خدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خدا کا رحم نجات کا متقاضی ہے ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوعؑ کو دنیا میں بھیج کر خدا کے رحم سے مستفید کیا اور خود اپنی جان صلیب پر دے کر عدل کے تقاضے کو پورا کیا اور بنی آدم کیلئے بخشش کا موجب ٹھہرا۔ (369)

کفارے کی تفسیر رابرٹ ایچ کلیپیر نے بھی ہے اس کی وضاحت کا خلاصہ ذیل کے الفاظوں میں ہے خدا تعالیٰ سب کا نجات دہندہ ہے اس نے اپنی ذات کا اظہار یسوع مسیح کے ذریعہ کیا "اس نے اپنے بیٹے ہی کو دریغ نہ کیا بلکہ ہم سب کی خاطر اسے حوالہ کیا۔ (370)

انسان ایک گناہ گار مخلوق ہے کفارہ دراصل انسان کی نجات کا ذریعہ ہے یہ خدا اور انسان کے درمیان ایک تعلق ہے جیسے صلیب کے ذریعہ قبول کیا جاتا ہے کفارہ کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ انسان توبہ کر کے ایمان لائے۔

گناہ انسان اور خدا میں دوری پیدا کرتا ہے یہ دوری اور جدائی انسان میں احساس جرم پیدا کرتی ہے اور اسے سزا کا ڈر لگنے لگتا ہے انسان گناہ کے سبب خدا سے دور اور علیحدہ ہو گیا اب وہ خدا کے قریب نہیں جا سکتا اس لئے خدا خود انسان کے پاس آتا ہے گناہ کے سبب انسان خدا سے جدا ہوا ہے اس کا علاج خدا نے کفارہ میں کیا۔ بائبل خدا کے بے شمار احسانات انسانی تاریخ پر گنواتی ہے۔ قوم اسرائیل کی مصریوں کی غلامی سے آزاد کر دیا۔ خدا کی مہربانیاں سیوع مسیح میں اپنے عروج کو پہنچی اس نے اپنے تجسم زمینی زندگی موت اور قیامت سے تمام نوع انسان کے لئے نجات کا راستہ کھول دیا ہے "خدا کی مسیح میں راہ نجات

مہیا کرنے والی مخلصی بخش سرگرمیاں اس وقت ہی ہماری نجات کا باعث بنتی ہیں جب یہ ہم میں ایمان پیدا کریں تب ہی ہماری خدا کے ساتھ صلح ہو جاتی ہے پھر خدا کے ساتھ میں خود قبولیت کی بنیاد بن جاتا ہے کیونکہ اب انسان یہ جانتے ہوئے کہ خدا نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اپنے آپ کو قبول کر سکتا ہے۔ مزید بر آں خدا کے ساتھ میل اپنے ہم جنس انسان کے ساتھ میل کی بنیاد بھی ہے۔ مسیح میں کفارہ کی روشنی ایک ایماندار اپنے پڑوسی کو بھائی سمجھتا ہے کیونکہ مسیح اس کیلئے بھی ہوا۔ مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کفارہ خدا کا مخلصی بخش کام ہے یہ تاریخ میں پایہ تکمیل تک پہنچا اور اس کا مرکز اس کا بیٹا یسوع مسیح ہے۔ اس کا اثر توبہ اور ایمان کی شرائط پر منحصر ہے جب سے اس طرح قبول کیا جاتا ہے تو خدا سے اپنے آپ سے اور اپنے ہم جنس انسان سے میل ہو جاتا ہے۔(371)

اب کفارہ کے مختلف پہلوؤں کو ذیل کے الفاظوں میں تحریر کیا جاتا ہے۔

ا۔ کفارہ اور خدا

کفارہ کا سر چشمہ خدا کی محبت یا اس کا فضل ہے یہ خدا کے فضل سے تھا کہ یسوع ہر آدمی کیلئے موت کا مزہ چکھے۔ یسوع کی موت خدا کی محبت کا سب سے بڑا اظہار ہے خدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گنہگار تھے تو مسیح ہماری خاطر مویا۔(372)

انسان کے بدلے یسوع مسیح کی موت خدا کی محبت کا انکشاف ہے کیونکہ یہ خدا کی بخشش ہے اس نے اپنے بیٹے ہی کو دریغ نہ کیا بلکہ ہم سب کی خاطر اسے حوالہ کر دیا۔(373)

خدا نے یسوع کو وسیلہ سے کفارہ دیا۔(374)

یوحنا رسول کی نوشتوں کے مطابق خدا کی محبت کا اظہار نہ صرف مسیح کی موت میں ہوتا ہے بلکہ اس کے تجسم میں بھی کیونکہ اس کے تجسم کے بغیر اس کی موت ناممکن ہوتی۔(375)

۲۔ کفارہ کا مقصد

نئے عہد نامہ میں کفارہ کا مقصد کی وضاحت یوں کی گئی ہے یہ اس لئے دیا گیا کہ ہمارے گناہوں کا موثر علاج ہو جائے ہمیں گناہ کی سزا اس کی طاقت اور اس کی موجودگی سے مخلصی مل جائے ہمارا خدا کے ساتھ میں ملاپ ہو جائے اور ہمیں زندگی اور راستی کے ایک نئے اصول کے دینے کے باعث ہماری اخلاقی اور روحانی زندگی نئی بن جائے کفارہ انسان کے گناہوں کے پیش نظر دیا گیا انسان کے گناہ کا صرف کفارہ ہی واحد علاج ہے مسیح کی موت گناہوں کا کفارہ ہے۔(376)

مسیح نے ہمارے گناہوں کے لئے اپنے آپ کو دے دیا۔(377)

وہ ہمارے قصوروں کیلئے حوالہ کر دیا گیا۔(378)

اس لئے مسیح نے بھی یعنی راست باز نے ناراستوں کے لئے گناہوں کے باعث ایک بار دکھ اٹھایا۔ (379)

مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے موا۔(380)

ان جیسے بیانات کے پورے مطلب کی تہ تک پہنچنا مشکل ہے ان کا مطب یہ ہو سکتا ہے کہ

۱۔ ہمارے گناہ اس کی موت کا سبب تھے۔

۲۔ اس نے ہمارے گناہوں کی ذمہ داری قبول کی یا ہمارے گناہوں کے بدلے اپنے آپ کو خدا کی عدالت کے سپرد کر دیا۔

۳۔ وہ اس کیلئے موا تا کہ ہمیں ہمارے گناہوں سے مخلصی بخشے۔

گناہ کی نسبت سے مخلصی کا مطلب معافی

چھٹکارا گناہوں کا مٹانا' گناہ اٹھا کر لے جانا گناہوں کو دھونا گناہوں سے پاک کرنا اور گناہوں کا کفارہ دینا ہے۔ شیطانی طاقتیں جو ہمیں گناہ کیلئے اکساتی رہتی ہیں ان کے پیش نظر مخلصی بدی کی طاقتوں پر فتح اور ان کی غلامی اور پنجے سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ جب کفارے کو شریعت کی نسبت سے بیان کیا جائے تو اس کا مطلب ایسے نظام سے چھٹکارا پانا ہے جس میں شرعی تقاضوں کے مطابق نجات نیک اعمال پر منحصر ہے اور جب اسے موت کی نسبت سے بیان کیا جائے تو اس کا مطلب موت کے ڈر سے رہائی ہے۔

نیا عہد نامہ اکثر کفارہ کا مقصد خدا کیساتھ میں ملاپ کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس لئے کہ مسیح نے بھی یعنی راستباز نے ناراستوں کے لئے گناہوں کے باعث ایک بار دکھ اٹھایا تا کہ ہم کو خدا کے پاس پہنچائے۔ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا۔ میل ملاپ کا مطلب خدا کے ساتھ میل ہے۔

کفارہ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اخلاقی اور روحانی زندگی کو نیا بنایا جائے مسیح اپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ گئے تا کہ ہم گناہوں کے اعتبار سے مر کر راستبازی کے اعتبار سے جئیں۔ اس کی قربانی میں یہ قدرت ہے کہ وہ ہمیں مردہ کاموں سے پاک کرے تا کہ ہم زندہ خدا کی عبادت کریں۔ مسیح نے اپنے آپ کو ہمارے واسطے دے دیا تا کہ فدیہ ہو کر ہمیں ہر طرح کی بے دینی سے چھڑا لے اور پاک کر کے اپنی خاص ملکیت کیلئے ایک ایسی امت بنائے جو نیک کاموں میں سرگرم ہو۔(381)

کفارہ اور عوضانہ

دوسروں کیلئے مسیح کی موت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح دوسروں کے بدلے میں اور ان کے مفاد کیلئے فوت ہوئے مسیح میرے لئے آپ کیلئے ہمارے لئے سب کیلئے بھیڑوں کیلئے اپنے دوستوں کیلئے بہتروں کیلئے ہر ایک کیلئے اور سب کے واسطے موا۔ دوسروں کے بدلے کفارہ میں سب ہی شامل ہیں۔(382)

کفارہ اور قربانی

نئے عہد نامے میں قربانی کا ذکر کثرت سے ہے اس میں مسیح کی موت کی نسبت مسیح کے خون کا ذکر تین گنا زیادہ ہے یسوع نے آخری فسح کے موقع پر جو الفاظ کہے ان میں قربانی کے متعلق چار اصطلاحات ملتی ہیں۔

ا۔خون ۲۔عہد ۳۔انڈیل دے ۴۔بدن (383)

پولس نے مسیح کی موت کے قربانی کے پہلو کی عمدہ ترین تشریح ان الفاظ میں کی کہ اسے خدا نے اس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو۔((384)

اس عبارت میں کفارہ اور خون کا ایک ساتھ بیان قربانی کی اہمیت کو جتلاتا ہے۔یوحنا نے کفارہ کے بارے میں وضاحت سے بتایا ہے "محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کیلئے اپنے بیٹے کو بھیجا۔(385)

جدید دور میں ہکس اور ٹیلر(Hick and Taylor) نے قربانی کی نئی تشریح کی ہے اور قربانی میں کفارہ کے خیال کو رد کر دیا اس لئے ممکن ہے کہ ان کے تصور کو کفارہ کا ایک نیا نظریہ سمجھا جائے۔ہکس کے نزدیک قربانی کا خون موت کو نہیں بلکہ زندگی کو ظاہر کرتا ہے۔قربانی کا بنیادی تصور ہے زندگی۔اس کی بحالی اور شراکت" مسیح نے ہمارے پہلے پھلوں کے طور پر انسانی زندگی کو اپنی مکمل تابعداری کے وسیلہ سے مخصوص کیا اس نے ہماری انسانی فطرت جسے اس نے اپنا لیا تھا نذر کی اور یہ قبول کرلی گئی"۔ہکس عشاربانی کی تشریح ان الفاظوں میں کرتا ہے "یہ زمین پر ہمارے لئے اس ایک قربانی کا اس کی تمام وسعتوں کے ساتھ ایک اہم جزو ہے مزید یہ کہ یوخارست (عشائے ربانی) کا بدن اور خون جلالی مسیح کا بدن اور خون ہے نہ کہ مسیح مصلوب کا۔ونسٹ ٹیلر اس بارے میں کہتا ہے کہ مسیح نے اپنی موت کی تشریح یوں کی کہ مکمل تابعداری کی قربانی ہے جسے ابن آدم کو خداوند کا خادم ہونے کی حیثیت سے ضروری دینا ہوگا۔اس نے مسیح کی موت کو عومی نمائندہ اور قربانی کہا ہے۔غرض ٹیلر کا خلاصہ یہ ہے کہ یسوع نے تابعداری کی مکمل قربانی دی اگر اسے ایمان سے قبول کیا جائے تو یہ گناہ گار کیلئے خدا تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔(486)

کفارہ میں نمائندگی

مسیح نے گنارہ گار انسان کی نمائندگی کی اور ان کی نجات کیلئے یسوع کی موت اور جی اٹھنے میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔نمائندگی کا خیال یسوع مسیح کے ان الفاظ میں بھی پایا جاتا ہے کہ ابن آدم اس لئے آیا ہے کہ اپنی جان بہتروں کے بدلے فدیہ میں دے۔ (387)

اور یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتروں کیلئے بہایا جاتا ہے۔(388)

نسل انسانی کے دو نمائندے ہیں ایک آدم دوسرے مسیح۔پولوس مسیح کو نئی انسانیت کا مبداء کہتا ہے مسیح وہ آدم

ثانی ہے جس نے آدمیوں کیلئے وہ تمام کچھ حاصل کیا جو پہلے آدم میں کھویا جا چکا تھا" غرض جیسا ایک قصور کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سب آدمیوں کی سزا کا حکم تھا ویسا ہی راست بازی کے ایک کام کے وسیلہ سے سب آدمیوں کو وہ نعمت ملی جس سے راست باز ٹھہر کر زندگی پائیں کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہریں گے" (389)

مفکرین کے کفارے کی تائید میں دلائل

اب کفارے کے بارے میں چند معروف مفکرین کے دلائل کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آنسیلم کا نظریہ ہرجانہ

آنسیلم ۱۰۳۳ء تا ۱۱۰۹ء میں گزرا تھا وہ تحریر کرتا ہے کہ مسیح کی موت نے کس طرح انسان کے گناہ کا ہرجانہ ادا کیا وہ کہتا ہے کہ بیٹے نے باپ کی مرضی کے مطابق رضاکارانہ طور پر موت سہہ کر بہت زیادہ ثواب کمایا۔ یہ ثواب اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ خدا اسے اس کا اجر دے لیکن چونکہ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب بیٹے کا ہے اور بیٹے کو کسی شئے کی ضرورت نہیں اس لئے یہ اجر بیٹے کو براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا اس طرح یہ اجر ان لوگوں کو نجات کی صورت میں ادا کیا گیا جن کی خاطر بیٹا انسان بنا تھا۔ بیٹے کی تجسم اور موت میں خدا کا رحم اور اس کا عدل ظاہر کیا گیا ہے۔(390)

مارٹن لوتھر۔ سزا اور فتح

مارٹن لوتھر (۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء) کے کفارے کے بارے میں نظریات کا خلاصہ ان الفاظوں میں پیش کیا جاتا ہے لوتھر کے کفارہ کی تعلیم عوضی سزا بھی ہے اور بدی کی طاقتوں پر فتح بھی۔

وہ کہتا ہے کہ انسان کو اس وقت تک کوئی تسلی مدد یا اطمینان نہیں ملا جب تک کہ خدا کا یہ اکلوتا اور ابدی بیٹا اپنی بے قیاس نیکی کی بنا پر انسان کی پست حالی پر رحم کھا کر اس کی مدد کیلئے آسمان سے نیچے اتر نہ آیا۔ اس طرح یسوع مسیح نے ظالم کو نکال کر باہر کیا اور خود اس کی جگہ لے لی۔ وہ زندگی راستبازی نجات اور تمام نیکی کا خداوند ہے اس نے ہم ابدی ہلاکت کے وارثوں کو جہنم کے منہ سے نکال لیا۔ مخلصی بخشی اور آزاد کرایا۔ ایک دفعہ پھر وہ ہمیں باپ کے فضل اور نظر کرم کا اہل بنا دیتا ہے۔

آبائے کلیسا نے اکثر گناہ موت اور شیطان کی بدی کی طاقتوں کے متعلق بیان کیا۔ لوتھر اس فہرست میں شریعت اور خدا کے غضب کا اضافہ کر دیتا ہے ان تمام طاقتوں پر مسیح نے فیصلہ کن فتح حاصل کی ہے۔ لہذا جب تم مسیح کو پہن لیتے ہو تو گناہ موت خدا کا غضب جہنم شیطان اور تمام بدی (مسیح میں) ختم ہو جات ہے۔

لوتھر مسیح کی الوہیت پر بڑا زور دیتا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ فتح خدا کی طرف سے ہے نہ کہ انسان کی طرف سے کوئی مخلوق بھی ماسوا حقیقی خدا گناہ موت اور لعنت پر غالب نہیں آسکتی۔ لہذا یہ ضروری تھا کہ ان طاقتور طاقتوں کے مقابلہ میں ان سے بڑی

قوت کو لایا جائے اور یہ قوت صرف اسی کی اپنی تھی۔

لیکن لوتھر نے صرف فتح مند مسیح کے نظریہ کو ہی پیش نہیں کیا۔ اس نے اس بات پر بھی بڑا زور دیا ہے کہ مسیح ہمارا عوضی ہے جس نے ہمارے گناہ سہے' ہمارے لئے گناہ بنا اور جو سزا ہمیں ملنی چاہیئے تھی اس نے خود اٹھالی اس نے ہمیں گناہ موت شیطان شریعت کی لعنت اور خدا کے غضب سے بھی رہائی دلائی۔

عوضی سزا کے نظریہ کو بیان کرتے وقت لوتھر یہ بتاتا ہے کہ مسیح نے خدا کے غضب کی پوری شدت کو برداشت کیا اور ہمارا فدیہ بن کر خدا کے ساتھ ہمارا میل کرادیا۔ (391)

کیلون (Calvin) اور کفارہ (قربانی اور عوضی سزا)

جان کیلون (۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء) نے اپنی کتاب انسٹی ٹیوٹس میں کفارہ کی وضاحت کی ہے وہ لکھتا ہے

"نجات کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ تمام نسل انسانی آدمؑ کے گناہ کے باعث گناہ اور بد اخلاقی میں مبتلا ہے چونکہ گناہ کے باعث انسان کا خدا کے ساتھ رشتہ کٹ چکا ہے۔ اس لئے خدا کے ساتھ میل ملاپ کا اب صرف وہی ایک راستہ ہے جو خدا نے اپنے بیٹے کو بطور درمیانی بھیج کر مہیا کیا ہے تجسم کا مقصد یہ تھا کہ خدا فدیہ دے اور گنہگار انسان کیلئے راہ نجات تیار کرے۔ یہ کہنا کہ اگر انسان گناہ نہ بھی کرتا تو بھی تجسم وقوع میں آتا نامناسب اور کلام کے خلاف ہے درمیانی کا کام یہ تھا کہ وہ ہمیں الٰہی قبولیت کے قابل بنادے تاکہ ہم ابلیس کے فرزند کی بجائے خدا کے فرزند اور جہنم کے وارث کی بجائے آسمان کی بادشاہی کے وارث بن جائیں۔

درمیانی کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ حقیقی انسان اور حقیقی خدا ہو۔ چونکہ اس کا کام موت کا لقمہ بنانا اور گناہ پر غالب آنا تھا اس لئے مخلصی دلانے والا ضرور ہی منبع حیات اور راستی ہو دوسرے لفظوں میں وہ خود خدا ہو۔ "چنانچہ خدا نے اپنی بے حد رحمت میں ہمیں بچانے کا ارادہ کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کی صورت میں خود ہمارا مخلصی دلانے والا بن گیا چونکہ انسان نے آدمؑ کی شخصیت میں خدا کی نافرمانی کی تھی اور گناہ میں گر گیا تھا اس لئے ہمارا خداوند اس نافرمانی کے اثر پر غالب آنے کے لئے"

"انسان بن کر آیا اس نے بنی آدم کی ذات اختیار کی اور اس کا نام اپنا لیا تاکہ دوسرا آدم ہوتے ہوئے اس کی جگہ باپ کی فرمانبرداری کرے اپنے بدن کو ہرجانہ کو طور پر پیش کرے اور ہماری سزا کو اسی بدن میں خود اٹھالے۔"

خدا نہ تو دکھ اٹھا سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے اور نہ انسان ہی موت پر غالب آسکتا ہے لیکن الوہیت اور انسانیت کا حامل ہونے سے اس درمیانی نے گناہوں کے فدیہ کے طور پر موت برداشت کی اور اس پر غالب آکر ہمارے لئے فتح حاصل کی۔ (392)

کیلون مسیح کی موت کو عوضی سزا اور گناہ کی قربانی دونوں سمجھتا ہے جو خدا نے ہمارے لئے دی تھی وہ کہتا ہے کہ ہماری بریت اس بات میں ہے کہ جس جرم نے ہمیں قابل تعزیر بنادیا تھا وہ خدا کے بیٹے کی سر پر لاد دیا گیا اور مسیح نے اپنے آپ کو خدا کے حضور فدیہ کی صورت میں پیش کیا کیلون کے مطابق ہمارے گناہ کے جرم اور سزا کو مسیح کے ذمہ لگادیا گیا اس طرح

یہ اب ہماری ذمہ داری نہ رہا۔ کیلون عوضی سزا اور قربانی کے وسیلہ فدیہ دونوں کو منسلک کر دیتا ہے خدا کا بیٹا گو وہ پاک ہے اس نے ہمارے بدکاری کی رسوائی اور شرم کو خود اپنا لیا اور ہمیں اس کے بدلے میں اپنی پاکیزگی سے ملبس کر دیا۔(393)

سوسینیس کا نظریہ(Socinus Theory)

ایک اور انفرادی رائے فاؤسطسن سوینیس (Faustus Socinus)(۱۵۳۹ء تا ۱۶۰۴ء) نے قائم کی وہ کہتا ہے کہ عام رائے تو کفارہ کے بارے میں یہ ہے کہ یسوع مسیح ہمارا نجات دہندہ اس لئے کہ اس نے الٰہی عدل کے تقاضا کو پورا کیا۔ اور ہمارا جو کہ موت کے سزاوار تھے اس نے ہمارا پورا پورا معاوضہ یا ہرجانہ ادا کیا۔ لیکن سوسینیس کہتا ہے کہ مسیح ہمارا نجات دہندہ اس لئے ہے کیونکہ اس نے ہمیں ابدی نجات کا راستہ بتایا اور اس کی تصدیق اپنی شخصیت یعنی اپنی زندگی کے نمونہ اور اپنے جی اٹھنے سے کی۔ وہ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں انہیں ابدی زندگی دے گا مسیح نے ہمارے گناہوں کا ہرجانہ الٰہی عدل کو ادا نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی کہ وہ یہ ہرجانہ ادا کرے۔

سوینیس کے چند دلائل یہ ہیں خدا کی فطرت گناہ کی سزا کا تقاضا نہیں کرتی اور نہ تو عدل اور نہ رحم ہی کا اس میں دخل ہے یہ صرف خدا کی مرضی پر منحصر ہے اور وہ گناہ معاف کرنے یا سزا دینے میں آزاد ہے اگر خدا گناہ کی سزا دیتا ہے یا ہرجانہ طلب کرتا ہے تو وہ معاف نہیں کرتا ہے۔ دونوں بیک وقت نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کسی معصوم کو سزا دینا اور قصوروار کو چھوڑ دینا انصاف نہیں۔ اگر خدا گناہ کی سزا ضرور ہی دینا چاہتا ہے تو پھر اسے مجرم کو سزا دینی چاہئے تھی نہ کہ معصوم کو۔ اور یہ خیال کرنا بے وقوفی ہے کہ انسان کے گناہ مسیح کے ذمے لگائے جائیں یا اس کی راستبازی کو گناہ گاروں میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ نئے عہد نامہ کے چند حوالے بظاہر مسیح کی موت گناہ کا معاوضہ بتاتے ہیں۔ مگر ان کو استعارۃً سمجھنا چاہئے۔ یہ مفکر کہتا ہے کہ مسیح نے صرف ان معنوں میں ہمارے گناہ اٹھائے کہ اس نے ہمیں انہیں چھوڑنے کیلئے اکسایا اور اس طرح وہ انہیں دور لے گیا۔

سوینیس مسیح کو خدا مجسم خیال نہیں کرتا اور وہ مسیح کی الوہیت بھی تسلیم نہیں کرتا۔

سوینیس مسیح کو نجات دہندہ بیان کرتا ہے لیکن اس کے اس نظریہ کے مطابق حاصل کرنا انسان کی کوشش ہی کہلائے گی او ر یہ کسی دوسرے سے قدرت سے نہیں ہوگی۔ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ آدم کے گناہ کے سبب سب انسان گناہ گار نہیں بن سکتے اس طرح یہ گناہ کی سنگینی کو کم کرنے کا باعث بنتی ہے اور انسانی قوت ارادی کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔ (394)

گروتسیوس کا نظریہ(Grotius Theory)

گروتسیوس(۱۵۸۳ء تا ۱۶۴۵ء) کی کتاب

Defence of the catholic Faith on the satisfaction of chirst against Faustus

Socinus ہے۔ دراصل یہ کتاب کیلون کے نظریات پر سوسینی اعتراضات کے بعد ایک جواب کی صورت ہے۔ یہ ہالینڈ کا رہنے والا تھا اور کیتھولک تعلیم کا حامی ہے وہ کہتا ہے۔

"خدا بھلا ہونے کی بدولت ہمیں اپنی مخصوص برکات دینا چاہتا تھا لیکن ہمارے گناہ جو سزا کے مستحق تھے رکاوٹ بن گئے لہذا خدا نے ارادہ کیا کہ مسیح جو انسان سی محبت رکھنے کے باعث اس بات کے لئے رضامند تھا کہ دکھ اٹھائے 'ذلت آمیز موت ہے اور گناہوں کی سزا اٹھائے تاکہ اسی عدل کا تقاضہ پورا ہو اور ہم ایمان کی بدولت ابدی موت کی سزا سے بچ جائیں۔ (395)

یہ مصنف کفارہ کے بارے میں عوضی سزا کا قائل نظر آتا ہے کیونکہ جب یہ ہمارا خدا سے میل کرانے مسیح کا خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے ہمارے گناہ اٹھانے اور الہی عدل کا تقاضا پورا کرنے کی بات کرتا ہے تو وہ عوضی سزا کے نظریہ کی اصطلاحات کو ہی اپناتا ہے۔ دراصل گروتسیوس نے ایک نئے نظریے کی بنیاد رکھی ہے جو کیلون اور سوسینی کے درمیان میں ایک نظریہ ہے گروتسیوس کی رائے یہ ہے کہ خدا کو ایک عادل حاکم سمجھنا چاہئے جو ہمیشہ اپنی رعایا کے فائدے کیلئے کام کرتا ہے ایک اچھا حکمران اپنی رعایا کو ان کے گناہ کی سزا بھی دیتا ہے اسطرح کرنے سے گناہ میں کمی ہوتی ہے اسی طرح خدا نے ہمارے گناہ معاف کرتے وقت کیا تاکہ گناہ پر اس کا غصہ ظاہر ہو جائے چنانچہ مسیح کی موت گناہ پر خدا کا غضب ظاہر کرنے کیلئے تھی تاکہ خدا ہمیں گناہ سے روکے۔

اس نظریئے کا اغلب پہلو یہ ہے کہ اس میں کہا گیا ہے خدا جو پاک محبت ہے ہمیں اس طریقے سے معاف کرتا ہے کہ اس کی معافی میں ہمیں گناہ برا اور قابل نفرت معلوم ہونے لگتا ہے۔(396)

کفارے کے بارے میں مختلف پہلو اور مفکرین کے تفصیلی نظریات بیان کرنے کے بعد انسائیکلوبریٹنکا کے الفاظوں کو تحریر کیا جاتا ہے اس میں ان تمام نظریات کو مجتمع کر دیا گیا ہے۔

Various theories of the meaning of the Atonement of chirst have arisen: satifaction for the sins of the world; redemption from the devil or from the wrath of god; a saving example of true, suffering love; the prime illustration of divine mercy; a divine victory over the forces of evil. In christian orthodoxy ther is no remission of sin without "the sheeding of blood" (397)

کفارے کے اثرات

مسیحی دنیا پر اس عقیدے کے گہرے اثرات مرتب ہوئی۔ جدید دور میں عالم مسیحیت کی اخلاقی حالت کا نقشہ تو سب کے سامنے ہے مگر تاریخ کے آئینہ میں بھی اس عقیدے کا جائزہ لیں تو درج ذیل حالات سامنے آتے ہیں۔

عیسائیت میں کفارے کے عقیدہ کا بانی پولوس یا سینٹ پال قرار دیا جاتا ہے عہد نامہ جدید سے پولوس کے خطوط میں یہ

عبارت نہایت واضح ہے "تمہیں ایمان کے ذریعے نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب ہے۔(398)

چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے۔(399)

پوپ کے بارے میں یہ طے کر دیا گیا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے حکم کو بلا حیل و حجت تسلیم کر لینا چاہئے۔ پوپ خدا کا نائب تھا اور مسیح کا قائمقام وہ گناہ گاروں کے گناہ معاف کرا سکتا تھا اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ باقاعدہ معافی ناموں کی صورت اختیار کر لی۔ اس کی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوئی۔ اور پوپ اربند دوم نے یہ حکمنامہ جاری کیا کہ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج سکتے ہیں جو اس طرح کرتے تھے انہیں اس کے عوض معافی نامہ دیا جاتا تھا جو ان کی نجات کا ضامن تھا۔

سولھویں صدی عیسوی میں پوپ نے سینٹ پیٹر کے نام گرجا بنوانے اور اپنے محل کی رونق بڑھانے کا خیال کیا تو اس نے معافی ناموں(Indulgences) کی صورت اختیار کر لی۔ اسکی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوئی ان کو باقاعدہ فروخت کیا اس نے یہ اعلان عام کیا جو اپنے گناہوں کو معاف کرانا چاہیں تو وہ اپنے گناہوں کی مقدار کے برابر قیمت والا معافی نامہ خرید لیں ۔ ہر گناہ کی بخشش کی قیمت مقرر تھی کہا جاتا تھا کہ خدا کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا اور اس خزانے کی کنجی پوپ کے ہاتھ میں ہے اس لئے وہ جسے چاہے مغفرت اور بخشش سے مالامال کر دے۔ معافی نامہ کی عبارت یہ تھی۔

"تم پر خداوند یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے مقدس جذبہ رحمت سے گناہوں سے آزاد کر دے میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی تمہیں آزاد کرتا ہوں سب سے پہلے میں تمہیں کلیسا کی تمام ملامتوں سے آزاد کرتا ہوں خواہ وہ کسی شکل میں ہوں پھر تمہارے ہر ایک گناہ حدود شکنی اور زیادتی سے خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہوں اور میں وہ سزا تم سے اٹھا لیتا ہوں جو تمہیں گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ باپ اور بیٹے اور روح القدس کی نام پر"

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس معافی نامے کی صرف ایک قیمت متعین نہیں تھی بلکہ مختلف گناہوں کی قیمتیں تھیں۔ ملاحظہ فرمائیے

- ☆ قتل ۷ شلنگ ۶ پنس
- ☆ زنا کی بھیانک صورت میں ۷ شلنگ ۶ پنس
- ☆ عفیفہ کے ساتھ زنا ۹ شلنگ
- ☆ چوری ۹ شلنگ
- ☆ اسقاط حمل ۳ شلنگ ۶ اونس

اگر کوئی چاہتا توان معافی ناموں کو مردوں کے گناہوں کی معافی کیلئے بھی بطور کفارہ خرید سکتا تھا۔ جو لوگ ان معافی ناموں کو بیچا کرتے تھے وہ اس قسم کی آوازیں اکثروبیشتر لگایا کرتے تھے۔ "آؤ بڑھو جنت کے دروازے کھل رہے ہیں اگر تم اب داخل نہ ہوگے تو کب داخل ہوگے تم بارہ پنس کی عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو کیا تم ایسے ناخلف ہو ہو کہ اپنے باپ کیلئے اتنی سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے۔ اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں ایک کوٹ ہے وہی اتار دو تاکہ اس متاع گراں بہا کو خرید سکو" (400)

ان معافی ناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ دلبر حسن خان نقشبندی تحریر کرتے ہیں۔

"سبحان اللہ کتنی سستی جنت تھی۔ عیسائی دنیا میں اس قدر جرائم اور بداخلاقی و بے حیائی کا طوفان اس معافی نامے اور ایجنٹوں کی صداؤں پر عمل پیرا ہونے والوں میں نہیں ہوگا تو اور کہاں ہوگا کفارہ اور ستاویز مغفرت نے عیسائی دنیا کو آخرت کی تمام فکر سے نجات دے دی" (401)

فصل سوم

تعلیمات مسیح

تصور دعا و عبادات

عبادت کی مخصوص شکل تو اناجیل اربعہ میں نظر نہیں آتی البتہ دعا کی تفصیلات روزے کا ذکر سبت کے دن جائز کام کرنے کی اجازت ہیکل میں تجارت کی ممانعت اور صرف اللہ کی عبادت کے احکامات ضرور ملتے ہیں

دعا

اناجیل میں دعا کے انداز میں عاجزی وانکساری اور امید مسلسل' خدا سے لگاؤ' جانفشانی' بیداری نظر آتی ہے نیز کہا گیا ہے کہ دعا میں ریاکاری بھی نہیں ہونی چاہئے۔ دعا کی تفصیلات اسطرح ہیں۔

آداب دعا

دعا خدا کی تعریف سے شروع ہونی چاہئے اور اس کی ذات پر یقین اور اطمینان ہو دعا کا طریقہ اس طرح بتایا گیا ہے "جب تم دعا کرتے ہو تو غیر قوموں کے لوگوں کی مانند بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری زیادہ گوئی سے ہماری سنی جائے گی پس ان کی مانند نہ ہونا کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تمہیں کیا درکار ہے۔ پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہمارے روزینہ کی روٹی آج ہمیں دے اور جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشتے ہیں تو ہمارے قرض ہمیں بخش اور ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے۔ کیونکہ اگر تم آدمیوں کو ان کے قصور بخشو گے تو تمہارا آسمانی باپ تمہیں بھی بخشے گا لیکن اگر تم آدمیوں کو نہ بخشو گے تو تمہارا باپ تمہارے قصور نہ بخشے گا" (402)

لوقا میں دعا کا طریقہ اس طرح درج ہے

"اس کے شاگردوں میں سے کسی نے اس سے کہا اے خداوند ہم کو دعا کرنا سکھا جیسا کہ یوحنا نے بھی اپنے شاگردوں کو سکھایا اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے باپ تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہی آئے ہمارے روزینے کی روٹی روزمرہ ہمیں دیا کر اور ہمارے گناہ ہمیں بخش۔ کیونکہ ہم بھی اپنے ہر ایک قرضدار کو بخشتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے مانگو تو تمہیں دیا جائے گا 'ڈھونڈو تو پاؤ گے 'کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھولا جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک جو مانگتا ہے اسے دیا جاتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کیلئے کھولا جائے گا تم میں کونسا باپ ایسا ہے کہ جب بیٹا روٹی مانگے تو اسے پتھر دے یا مچھلی مانگے تو مچھلی کے بدلے اسے سانپ دے یا انڈہ مانگے تو اسے بچھو دے" (403)

دعامیں عاجزی وانکساری

یسوع دعامیں عاجزی وانکساری اور فرد تنی کا حکم دیتے ہیں اور غرور وتکبر سے روکتے ہیں محصول لینے والے اور فریسی کی تمثیل میں یہی سبق ہے۔ پھر اس نے بعضوں کے حق میں جو اپنے پر بھر وسا رکھتے تھے کہ ہم راست باز ہیں اور دوسروں کو ناچیز جانتے تھے یہ تمثیل کہی کہ دو شخص ہیکل میں دعا کرنے گئے ایک فریسی دوسرا محصل فریسی کھڑا ہو کر اپنے جی میں یوں دعا کرنے لگا کہ اے خدامیں تیرا شکر کرتا ہوں کہ میں باقی آدمیوں کی طرح جو لٹیرے ظالم 'زناکار ہیں یا اس محصل کی مانند نہیں ہوں میں ہفتہ میں دوبار روزہ رکھتا اور اپنی ساری آمدنی پر دہ یکی دیتا ہوں مگر اس محصل نے دور کھڑے ہو کر اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھائے بلکہ چھاتی پیٹ پیٹ کر کہتا تھا کہ اے خدا مجھ گناہ گار پر رحم کر میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ شخص دوسرے کی نسبت راست باز ٹھہر کر اپنے گھر گیا کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔(404)

دعامیں امید

دعا امید و یقین 'اصرار اور لگاتار کرنی چاہیئے خدا تعالی اسے پوری کرتے ہیں۔ انجیل میں ایک بے انصاف قاضی کی مثال بیان کی گئی ہے اس میں ان ہی باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

پھر اس نے اس غرض سے کہ ہر وقت دعا کرتے رہنا اور ہمت نہ ہارنا ضروری ہے ان کو ایک تمثیل سنائی اور کہا کہ کسی شہر میں ایک قاضی تھا جو نہ خدا سے ڈرتا اور نہ آدمی کی کچھ پرواکرتا تھا اور اسی شہر میں ایک بیوہ تھی جو اس کے پاس آتی اور اس سے یہ کہا کرتی تھی کہ میرے مدعی کے مقابل میرا انصاف کر۔ اس نے مدت تک نہ چاہا لیکن پیچھے اپنے جی میں کہا کہ ہر چند میں نہ خدا سے ڈرتا ہوں اور نہ آدمی کی کچھ پرواکرتا ہوں تو بھی اس کے یہ بیوہ مجھے ستاتی ہے۔ میں اس کا انصاف کروں گا ایسا نہ ہو کہ یہ بار بار آکر مجھے دق کرے اور خداوند نے کہا کہ سنو بے انصاف قاضی کیا کہتا ہے پس کیا خدا اپنے برگزیدوں کا انصاف نہ کرے گا جو رات دن اس سے فریاد کرتے ہیں یا ان کے واسطے دیر کرے۔ میں تم سے کہتا ہوں وہ جلد ان کا انصاف کرے گا۔(405)

دعامیں جانفشانی اور بیداری

دعامیں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے مسیح دعامیں جانفشانی کا حکم دیتے ہیں دعا کرنے والے کو بیدار اور خبردار ہونا چاہیئے۔ جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔(406)

پس تم خبردار اور جاگتے رہو اور دعا کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ وقت کب ہوگا۔(407)

دعامیں اتفاق

دعامیں اتفاق کی بھی تاکید کی گئی ہے اس سے برکت ہوتی ہے سیدنا یسوع مسیح فرماتے ہیں
پھر میں تم سے کہتا ہوں اگر تم میں سے دو شخص زمین پر اتفاق کریں تو وہ جو کچھ مانگیں گے وہ میرے باپ سے جو آسمان پر ہے حاصل کریں گے۔ کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر فراہم ہوں وہاں میں ان کے درمیان ہوں۔(408)

پوشیدہ عبادت ودعا

عبادت اور دعامیں ریاکاری نہیں ہونی چاہے یہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے اس لئے اس کی ادائیگی خاموش اور خفیہ انداز میں ہونی چاہئے۔ ریاکاری سے اجر ضائع ہو جاتا ہے۔
"اور جب تم دعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ ہونا کیونکہ وہ عبادت خانوں مین اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دعا کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے لیکن جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے پوشیدگی میں دعا کر اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔(409)
خبردار اپنی راستی کے کام لوگوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ کی طرف جو آسمان پر ہے تمہیں اجر نہ ملے گا۔(410)
"تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو جو بیوائوں کے گھروں کو نگلتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو تم اس لئے زیادہ سزا پاؤ گے"۔(411)
"تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیوں اے ریاکارو کیونکہ تم پیالے اور رکابی کو باہر سے تو صاف کرتے ہو مگر اندر لوٹ اور بد پرہیزی بھری ہے۔ اے نابینا فریسی پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ باہر سے بھی صاف ہو جائے تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کیونکہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر سے خوبصورت دکھائی دیتی ہیں پر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سی بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔ (412)

روزہ

یسوع کے روزہ رکھنے کا ذکر ان کی آزمائش میں بیان ہوا ہے
تب یسوع روح سے بیابان میں لایا گیا تاکہ شیطان اسے آزمائے اور چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا۔(413)
اس روزے کی مزید تفصیل اناجیل سے نہیں ملتی عقل یہی کہتی ہے کہ یہ روزہ ایسا ہوگا کہ شام کو کھل جاتا ہوگا پھر رات بھر روزہ رکھ لیتے ہوں ے اور صبح سے پہلے سحری کھا لیتے ہوں گے۔ مسلسل چالیس دن رات روزہ عام عادت انسانی کے خلاف ہے۔

یسوعؑ نے روزہ میں ریاکاری کی ممانعت کی ہے انہوں نے کہا کہ روزہ انسان کو دکھانے کیلئے نہیں بلکہ خدا کے لئے رکھا جائے۔

اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ انہیں روزہ دار جانیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے لیکن جب تو روزہ رکھے سر پر تیل لگا کر اور منہ دھو۔ تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔(414)

جب یسوع سے پوچھا گیا کہ ان کے شاگرد روزہ کیوں نہیں رکھتے جبکہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد اور فریسی روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا براتی جب تک دلہا ان کے ساتھ ہے روزہ رکھتے ہیں لیکن وہ وقت آئے گا جب وہ روزہ رکھیں گے۔(415)

اس سے معلوم ہوتا ہے مسیحؑ کے ماننے والے ان کی زندگی میں روزے نہیں رکھتے تھے اور ان کا یہ فرمان کہ وہ دن آئیں گے کہ دولھا ان سے جدا کیا جائے گا تب وہ روزہ رکھیں گے۔(416)

کہ آپؑ نے اپنے بعد مسیحیوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گو یسوع کی ایک تمثیل سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فریسی ہفتے میں دوبار روزہ رکھتا تھا۔(417)

لیکن یہ محض ایک تمثیل ہے جس میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ شخص کون تھا؟ کب گذرا؟ اور ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ یسوعؑ نے محض سمجھانے کے لئے یہ فرضی شخص کی مثال بیان کی ہو اس کا متن ملاحظہ ہو۔

پھر اس نے بعضوں کے حق میں جو اپنے پر بھروسا رکھتے تھے کہ ہم راستباز ہیں اور دوسروں کو ناچیز جانتے تھے یہ تمثیل کہی کہ دو شخص ہیکل میں دعا کرنے گئے ایک فریسی دوسرا محصل فریسی کھڑا ہو کر اپنے جی میں یوں دعا کرنے لگا کہ اے خدا میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ میں باقی آدمیوں کی طرح جو لٹیرے ظالم' زناکار ہیں یا اس محصل کی مانند نہیں ہوں میں ہفتہ میں دوبار روزہ رکھتا اور اپنی ساری آمدنی پر دہ یکی دیتا ہوں مگر اس محصل نے دور کھڑے ہو کر اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھائے بلکہ چھاتی پیٹ پیٹ کر کہتا تھا کہ اے خدا مجھ گناہ گار پر رحم کر میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ شخص دوسرے کی نسبت راستباز ٹھہر کر اپنے گھر گیا کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔(418)

سبت کے دن جائز کام کرنے کی اجازت

سبت کا دن یہود کے یہاں عبادت کیلئے مخصوص تھا۔ یسوعؑ نے اس دن جائز اور نیک کام کرنے کی اجازت دی اس پر یہود اعتراض کرنے لگے یسوع کے بھوکے شاگرد تھے وہ کھیتوں سے بالیں توڑ کر کھانے لگے اس پر فریسی اعتراض کرنے لگے اس پر یسوع نے کہا کیا داؤد نے اور اس کے ساتھیوں نے بھوک میں خدا کے گھر نذر کی روٹیاں نہیں کھائی تھیں۔ اس کے بعد یسوع عبادت خانے میں گیا اور کہا سبت کے دن نیکی کرنا جائز ہے پھر ایک شخص کے سوکھے ہاتھ کو ٹھیک کر دیا۔

(419)

"پھر دوسرے پہلے سبت کو یوں ہوا کہ وہ کھیتوں میں سے جارہا تھااور اس کے شاگرد بالیں توڑ کر اور ہاتھوں سے مل کر کھانے لگ تب فریسیوں میں سے بعض ان سے کہنے لگے تم کیوں وہ کام کرتے ہو جس کا سبت کو کرنا روا نہیں یسوع نے ان کی جواب میں کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤدؑ اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا وہ کیونکر خدا کے گھر گیا اور نذر کی روٹیاں لے کر جن کا کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں کھائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں پھر اس نے ان سے کہا کہ ابن انسان سبت کا بھی مالک ہے"(420)

یسوعؑ نے سبت کے دن بزاتا حوض کے پاس اڑتیس سالہ لنگڑے مریض کو ٹھیک کیا۔(421)

اور وہ عبادت خانے میں پھر داخل ہوا اور وہاں ایک آدمی تھا جس کا ہاتھ سوکھا تھا اور وہ اس کی تاک میں رہے کہ اگر وہ اسے سبت کے دن شفا بخشے تو اس پر الزام لگائیں اور اس نے اس آدمی سے جس کا ہاتھ سوکھا ہوا تھا کہا بیچ میں کھڑا ہو اور اس نے ان سے کہا کہ سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے یا بدی کرنا۔ جان بچانا یا ہلاک کرنا مگر وہ چپ رہ گئے اور اس نے ان پر غصے سے نظر دوڑا کر ان کی سنگدلی کے سبب غمگین ہو کر اس آدمی سے کہا اپنا ہاتھ بڑھا اس نے بڑھا دیا اس اس کا ہاتھ بحال ہو گیا تب فریسی باہر جا کر فی الفور ہیرودیوں کے ساتھ اس کے خلاف مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اسے ہلاک کریں۔(422)

ہیکل خالص عبادت کیلئے مخصوص

ہیکل دنیاوی کاموں کا مرکز بن گیا تھا یہاں خرید و فروخت بازار کی طرح ہوتی جانور کبوتر بکتے تھے اور منڈی کا سا سماں ہوتا یسوعؑ نے ان سب کو باہر نکال کھڑا کیا۔

اور یہودیوں کی فسح نزدیک تھا اور یسوعؑ یروشلم کو گیا اور اس نے ہیکل میں بیلوں اور بھیڑوں اور کبوتر بیچنے والوں کو دیکھا اور صرافوں کو بھی جو وہاں بیٹھے تھے تب اس نے رسیوں کا کوڑا بنا کر سب کو بھیڑوں اور بیلوں سمیت ہیکل سے باہر نکال دیا اور صرافوں کو نقدی بکھیر دی اور تختے الٹ دئے اور کبوتر فروشوں سے کہا ان چیزوں کو یہاں لے جاؤ میرے باپ کے گھر کو بیوپار کا گھر مت بناؤ۔(423)

نبی اور انسان کی عبادت میں فرق

انجیل یوحنا میں یسوع اور سامریہ کی ایک عورت کا مکالمہ درج ہے۔ جو پانی بھرنے آئی تھی یسوع نے اسے پانی کے بہانے حق کی دعوت دی اس پر اس عورت نے کہا اے آقا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے ہمارے باپ دادا نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنی چاہئے یروشلم میں ہے یسوعؑ نے اس سے کہا بی بی میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر اور نہ یروشلم میں باپ کی پرستش کرو گے۔(424)

اور پھر ایک نبی اور انسان کی عبادت کا فرق اس طرح سمجھایا

تم اس کی جسے نہیں جانتے پرستش کرتے ہو ہم اس کی جسے جانتے ہیں پرستش کرتے ہیں۔(425)

خالص اللہ کی عبادت

عبادت صرف ایک ذات کا حق ہے انسان کو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے کوئی شخص ایک وقت مین دو ہستیون کو خوش نہیں کر سکتا۔

کوئی آدمی دو مالکوں کی غلامی نہیں کر سکتا اس لئے کہ یا ایک سے کینہ رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا دوسرے کو حقیر جانے گا تم خدا اور دولت دونوں کی غلامی نہیں کر سکتے۔(426)

نہ ہر ایک مجھے خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہی میں داخل ہوگا۔

مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہی اس دن بتہرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزات نہیں کئے تب میں ان سے صاف کہوں گا کہ میری تم سے کبھی واقفیت نہ تھی اے بدکار میرے سامنے سے چلے جاؤ۔(427)

"میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا" (428)

اناجیل اربعہ سے ہمیں ابتدائی مسیحی عبادت کی شکل نہیں ملتی اس کے متعلق معلومات مبہم اور غیر واضح ہیں یہاں تک کہ ہفتہ وار عبادت کا دن اور مسیح کے جی اٹھنے (ایسٹر) کے متعلق بھی کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن مسیحیوں کا خیال ہے کہ ابتدا میں عبادت گھروں میں ہوتی تھی اس کا اکثر حصہ حمد تمجید کے گیتوں پر مشتمل تھا پھر دعا پاک کلام کی تلاوت اور اس کی تشریح ہوتی تھی عشائی ربانی بھی عبادت کا عام حصہ تھے۔(429)

اخلاقی تعلیمات

مسیحیت کو اخلاقی ضابطہ حیات کہیں تو مناسب ہوگا اناجیل اربعہ میں اخلاقی تعلیمات جگہ جگہ موجود ہیں ان کتابوں کا کوئی صفحہ ہوگا جو ان سے خالی ہو ہمیں یہ تعلیمات تواضع خاکساری فروتنی عاجزی بردباری' شفقت پیار ومحبت' رحمدلی کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ جناب مسیحؑ کی یہ تعلیمات اناجیل کا زیور ہیں۔ آپؑ کے کریمانہ اخلاقی احکامات کا جائزہ ذیل کے صفحات میں لیا جاتا ہے۔

عفوودرگزر

انسانی تربیت کے لئے عفو درگزر کی تعلیم سب سے اہم ہے اسی کی وجہ سے انسانی شخصیت کی جلا ملتی ہے اور یہی وہ گوہر نایاب ہے جسے اپناتے ہوئی انسانی طبعیت بہت بوجھ اور گرانی محسوس کرتی ہے انجیل میں اس خوبی کو اپنانے پر زور دیا ہی اسے خدائی بخشش کا ذریعہ بتایا ہے۔

"اگر تم آدمیوں کو ان کے قصور بخشو گے تو تمہارا آسمانی باپ تمہیں بھی بخشے گا لیکن اگر تم آدمیوں کو نہ بخشو گے تو تمہارا باپ تمہارے قصور نہ بخشے گا" (430)

مسیحیت میں عفوودرگزر کی انتہا اس حکم میں ملتی ہے

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی عدالت میں تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چغہ بھی اسے لینے دے اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (431)

پطرس نے پاس آکر اس سے کہا اے خداوند کتنی دفعہ میرا بھائی گناہ کرے اور میں اسے معاف کروں کیا سات دفعہ تک؟ یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ سات دفعہ تک بلکہ سات دفعہ کے ستر بار تک۔(432)

دشمن سے پیار

یسوعؑ نے دشمنوں سے پیار اور ستانے والوں کیلئے دعا کا حکم دیا تم سن چکے ہو کہ کہا گیا ہے کہ اپنے ہمسائے کو پیار کر اور اپنے دشمن سے کینہ رکھ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دعا مانگو جو تمہیں ستائیں اور بدنام کریں ان کیلئے دعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر طلوع کرتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے کیونکہ اگر تم انہی کو پیار کرو جو تمہیں پیار کرتے ہیں تو تمہارے لئے کیا اجر ہے کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے اگر تم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو تو تم کیا فیاضی کرتے ہو کیا غیر قوموں کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے اس واسطے تم کامل ہو جیسا کہ تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔(433)

توبہ کی تعلیم

حضرت مسیحؑ نے توبہ کی تلقین کی اس سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس میں امید اور حوصلے کی کرن پیدا ہوتی ہے اصلاح انسانی کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

متی میں آیا ہے کہ جب آپؑ نے تبلیغ کی ابتداء کی تو آپؑ کی پہلی تعلیم توبہ کی تھی جب یسوع پر روشنی چمکی اسی وقت اس نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔(434)

یسوع نے کہا جب تم دعا کرو تو کہو ہمارے گنا معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں پڑنے نہ دے۔(435)

"اگر تم توبہ نہ کرو تو سب ہلاک ہو گے" "اگر تیرا بھائی گناہ کرے اسے ملامت کر اگر توبہ کرے تو اسے معاف کر اور اگر وہ ایک دن میں سات بار تیرا گناہ کرے اور سات مرتبہ تیرے پاس آکر کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں تو اسے معاف کر"(436)

"تم میں سے ایسا کون آدمی ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان مین سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں نہ چھوڑے اور جب تک اسے نہ پائے اسے کھوئی ہوئی کو ڈھونڈتا نہ پھرے اور جب پائے تو خوش ہو کر اسے اپنے کندھے پر اٹھالیتا ہے اور گھر آکر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کر ان سے یوں کہتا ہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کے محتاج نہیں ایک تائب گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہو گی" (437)

احساس ندامت سے انسان بلند مقام پاتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں

"پھر اس نے بعضوں کے حق میں جو اپنے پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ ہم راستباز ہیں اور دوسروں کو ناچیز جانتے تھے یہ تمثیل کہی کہ دو شخص ہیکل میں دعا کرنے گئے ایک فریسی دوسرا محصل فریسی کھڑا ہو کر اپنے جی میں یوں دعا کرنے لگا کہ اے خدا میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ میں باقی آدمیوں کی طرح جو لٹیرے ظالم' زناکار ہیں یا اس محصل کی مانند نہیں ہوں میں ہفتہ میں دوبار روزہ رکھتا اور اپنی ساری آمدنی پر دہ یکی دیتا ہوں مگر اس محصل نے دور کھڑے ہو کر اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھائے بلکہ چھاتی پیٹ پیٹ کر کہتا تھا کہ اے خدا مجھ گناہ گار پر رحم کر میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ شخص دوسرے کی نسبت راستباز ٹھہر کر اپنے گھر گیا کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔(438)

بڑے بڑے گناہ گاروں کے پچھتانے اور ایمان لانے سے خدا کی بادشاہی میں داخلے کا سبب بن جاتے ہیں

تمہارا کیا خیال ہے ایک آدمی کے دو بیٹے تھے اس نے پہلے سے جا کر کہا بیٹا جا آج تاکستان میں کام کر اس نے جواب دے کر کہا میں نہیں جاؤں گا مگر پیچھے پچھتا کر گیا اور دوسرے کے پاس جا کر اس نے اسی طرح کہا اس نے جواب میں کہا سر و چشم جناب مگر گیا نہیں۔ ان دونوں میں سے کون اپنے باپ کی مرضی بجا لایا۔ انہوں نے کہا پہلا یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا

ہوں کہ محصل اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتی ہیں۔ کیونکہ یوحنا راستی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم نے اس کا یقین نہ کیا مگر محصلوں اور کسبیوں نے اس کا یقین کیا اور تم یہ دیکھ کر بعد میں بھی نہ پچھتائے کہ تم اس کا یقین کر لیتے۔(439)

توکل

توکل بھی مذاہب کی ایک اہم تعلیم ہے اس سے پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔

کل کے دن کیلئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنی فکر آپ ہی کرے گا۔ آج کا دکھ آج ہی کیلئے بس ہے۔(440)

"اس نے اپنے شاگردوں سے کہا اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کے واسطے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور نہ بدن کیلئے کہ کیا پہنیں گے کیونکہ جان خوراک سے زیادہ قدر رکھتی ہے اور بدن پوشاک سے۔ کوؤں کو دیکھو کہ وہ نہ بوتے نہ کاٹتے ہیں اور نہ ان کا کھتا ہوتا ہے نہ کوٹھی تو بھی خدا انہیں کھلاتا ہے تم تو پرندوں سے کتنی زیادہ قدر رکھتے ہو تم میں سے کون ہے جو فکر کر کے اپنے قد کو ایک ہاتھ بڑھا سکے۔ پس تم چھوٹی سے چھوٹی بات نہیں کر سکتے تو کس کیلئے باقی چیزوں کا فکر کرتے ہو۔ سوسنوں کو دیکھو کہ کیسی بڑھتی ہیں وہ نہ محنت کرتی ہیں نہ کاتتی ہیں میں تم سی کہتا ہوں کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت میں ان میں سے ایک کی مانند آراستہ نہ تھا جب خدا گھاس کو جو آج میدان میں ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتی ہے ایسا آراستہ کرتا ہے تو اے کم اعتقادو کتنا زیادہ تم کو آراستہ نہ کرے گا اور تم اس تلاش میں نہ رہو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پئیں گے اور متذبذب نہ ہو کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں دنیا کی قومیں محتاج رہتی ہیں مگر تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم ان کے محتاج ہو بلکہ پہلے خدا کی بادشاہی کی تلاش کرو اور یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔(441)

نہ سونا نہ چاندی نہ تانبا اپنے کمر بند میں رکھنا راستہ کیلئے نہ جھولی لینا نہ دو کرتے نہ جوتے اور نہ لاٹھی لینا کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے۔(442)

زنا کی ممانعت

زنا ہر دور میں اخلاقی مذہبی اور معاشرتی جرم رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل سے انسانی تمدن کی جڑ کٹ جاتی ہے اور معاشرے میں انتشار برپا ہو جاتا ہے اسی لئے جناب مسیح نے فرمایا زنا مت کر۔(443)

ایک بار آپؑ نے یہاں تک فرمایا تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا مت کر لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں ہی اس سے کیساتھ زنا کر چکا۔(444)

حضرت عیسیٰؑ جب اپنے پیغام کو پھیلا رہے تھے تو مخالف سازش کے تحت ایک زانیہ کو آپؑ کے پاس لائے کہ اس کے بارے میں حکم فرمایئے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ آپ رجم کے علاوہ کوئی دوسری سزا دیں گے تو شور کریں گے کہ انہوں نے شریعت کو بدل ڈالا اگر رحم کی سزا دی تو آپ رومی حکومت سے ٹکرا جائیں گے اور لوگوں سے بھی یہی کہیں گے کہ مانو پیغمبر کی بات

موت کا مزہ چکھو مگر آپؑ نے ان سے فرمایا تم میں جو پاک دامن ہو وہ اسے ایک پتھر مارے اس پر سارے بھاگ گئے یوں ان کے علماء کی اخلاقی حالت بھی منظر عام پر آگئی اور ان کی چال بھی ناکام ہو گئی۔ جب وہ عورت اکیلی رہ گئی آپؑ نے اسے نصیحت فرمائی اور توبہ کروا کر روانہ کیا کیونکہ نہ آپ قاضی تھے اور نہ ہی اس عورت کے خلاف کوئی گواہ گذرے تھے اور نہ ہی اس وقت شرعی قوانین کے نفاذ کیلئے کوئی اسلامی حکومت قائم تھی۔(445)

تواضع وخاکساری

عاجزی وانکساری تواضع وخاکساری مسیحیت کی خاص تعلیم ہے۔ حضرت مسیحؑ اس پر بہت زور دیتے تھے۔

"جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے اور جو کوئی اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا اسے بڑا کیا جائے گا"(446)

"جو تم میں بڑا ہے وہ تمہارا خادم ہوگا" (447)

"اگر کوئی اول ہونا چاہے تو سب میں آخر ہو اور سب کا خادم ہو۔ جو کوئی اپنے آپ کو اس بچے کی مانند چھوٹا بنائے وہی آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا ہے"(448)

جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو کوئی اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔(449)

عیب لگانے کی ممانعت

الزام دھرنے عیب جوئی کرنے نشانہ ملامت بنانے سے آپس میں تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے اسی لئے ان سے روک دیا گیا ہے۔

"عیب نہ لگاؤ تا کہ تم پر عیب نہ لگایا جائے کیونکہ جس طرح تم عیب لگاتے ہو اسی طرح تم پر بھی عیب لگایا جائے گا اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے بھی ناپا جائے گا۔"(450)

پہاڑی وعظ اور اخلاقی تعلیمات

ایک بار یسوع ایک ہجوم کو دیکھ کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے ان کے شاگرد ان کے پاس آئے آپؑ نے یہاں خطبہ دیا جس میں درج ذیل اخلاقی تعلیمات پائی جاتی ہیں۔

حلم

مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

غم زدوں کی فضیلت

مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے

حق کے متلاشی

مبارک ہیں وہ جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے

رحمدلی

مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں کیوں کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

صلح کرنا

مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائے گے۔

مصائب جھیلنا

مبارک ہیں وہ جو راستی کے سبب ستائے گئے کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے۔

طعن و تشنیع برداشت کرنا

مبارک ہو تم جب میرے سبب سے لوگ تمہیں لعن طعن کریں اور ستائیں اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں خوش ہو اور خوشی کرو کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لئے انہوں نے نبیوں کو جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا۔ (451)

لوقا میں ایک اخلاقی خطبہ درج ہے جو آپؑ نے اپنے بارہ شاگردوں اور لوگوں کے ایک بڑے ہجوم کو دیا اس میں آپؑ نے فرمایا "مبارک ہو تم جو غریب ہو کیونکہ خدا کی بادشاہی تمہاری ہے مبارک ہو تم جو اب بھوکے ہو کیونکہ سیر کئے جاؤ گے مبارک ہو تم جو اب روتے ہو کیونکہ ہنسو گے مبارک ہو جب ابن انسان کی خاطر لوگ تم سے کینہ رکھیں اور تمہیں خارج کر دیں اور ملامت کریں اور تمہارا نام برا جان کر کاٹ ڈالیں اس دن خوش ہو اور شادمانی کرو کیونکہ ان کے باپ دادا انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے مگر افسوس تم پر جو دولت مند ہو کیونکہ تم اپنی تسلی پا چکے۔ افسوس تم پر جو اب سیر ہو کیونکہ تم بھوکے ہو گے۔ افسوس تم پر جو اب ہنستے ہو کیونکہ تم ماتم کرو گے اور روؤ گے" (452)

مخالفین سے پیار

میں تم سامعین سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اپنے کینہ وروں کا بھلا کرو اپنے طاعنوں کے لئے برکت چاہو اپنے مفتریوں کیلئے دعا کرو۔ (453)

برائی کے بدلے بھلائی

جو تیرے گال پر ایک طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو کوئی تیرا چغہ چھین لے اسے کرتہ لینے سے بھی

منع نہ کر جو کوئی تجھ سے کچھ مانگے اسے دے اور اس سے جو تیرا مال لے پھر مت مانگ اور جیسا تم چاہتے کہ لوگ تم سے کریں تم بھی ان سے ویسا ہی کرو اور اگر تم بھی اپنے پیار کرنے والوں سے پیار کرو تو تمہارا کیا احسان ہے کیونکہ گناہ گار بھی اپنے پیار کرنے والوں کو پیار کرتے ہیں اور اگر تم ان کا بھلا کرو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے کیونکہ گناہ گار بھی یہی کرتے ہیں۔ اور اگر تم ان کو بھی قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید ہے تو تمہارا کیا احسان کیونکہ گنہگار بھی گنہگاروں کو قرض دیتے ہیں تاکہ ان سے پورا وصول کریں۔(454)

نیکی بلا اجر کرو

اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور بھلا کرو اور وصول ہونے کی امید نہ رکھ کر قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم حق تعالیٰ کے فرزند ہو گے۔ کیونکہ وہ ناشکروں اور شریروں پر بھی مہربان ہے اس لئے تم رحیم ہو جیسا تمہارا باپ رحیم ہے۔(455)

پیار محبت کا حکم

نرم دلی، نرم خوئی، دردمندی، پیار و محبت یسوع نے اپنے شاگردوں کو اپنانے پر بہت زور دیا کیونکہ یہی وہ خوبی ہے جس سے انسانی اخلاق دوبالا ہوتا ہے۔

"ایک دوسرے کو پیار کرو جیسا میں نے تم کو پیار کیا تم بھی ایسا ہی ایک دوسرے کو پیار کرو اگر تم ایک دوسرے کو پیار کرو گے تو اس سے سب جانیں گے تم میرے شاگرد ہو۔(456)

غصہ کی ممانعت

غیظ و غضب کی حالت میں انسان ایسے ظالمانہ کام کر جاتا ہے کہ ساری عمر پچھتاتا رہتا ہے اسی لئے اس سے روکا گیا ہے میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو عدالت میں سزا کے لائق ہوگا۔(457)

گالی کی سزا

گالی کی سزا بھی متی میں اسطرح بیان کی گئی ہے

"جو کوئی اپنے بھائی کو راقہ (گالی) کہے وہ عدالت عالیہ میں سزا کے لائق ہوگا" (458)

دوسروں کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر

دوسروں کی بجائے اپنے گناہوں پر نگاہ ڈالو دوسروں کے حالات و معاملات کی ٹوہ میں نہ رہو بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرو "اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے تو کیوں دیکھتا ہے اور اس شہتیر کا خیال نہیں کرتا جو تیری آنکھ میں ہے یا کیونکر تو اپنے بھائی سے کہہ سکتا ہے کہ ٹھہر میں اس تنکے کو جو تیری آنکھ میں ہے نکال دوں اور دیکھ خود تیری آنکھ میں شہتیر ہے۔ اے ریا کار پہلے شہتیر کو اپنی آنکھ سے نکال تب اس تنکے کو اپنے بھائی کی آنکھ سے اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا" (459)

گناہ کے اسباب کا خاتمہ

یسوعؑ کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ جو چیز گناہ کا سبب بنے اسے ختم کر دینا چاہئے جہاں سے برائی کی ابتدا ہوتی ہے آپؑ اسے اکھاڑ کر پھینک دینے کا حکم دیتے تھے۔"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا تو زنا مت کر لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل ہی میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داھنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال ڈال اور اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے اعضاء میں سے ایک کا جاتے رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے اگر تیرا داہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھنک دے کیونکہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتے رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا جہنم میں ڈالا جائے۔(460)

ریا کی مخالفت

ریاکاری سے روک دیا گیا ہے کیونکہ اس سے نیکی برباد ہو جاتی ہے اور انسان کو اجر نہیں ملتا

"جب سب لوگ سن رہے تھے اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ فقیہوں سے خبردار رہو جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنے کے شوقین ہیں اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی پسند کرتے ہیں۔ بیواؤں کے گھروں کو نگلتے ہیں اور دکھاوے کیلئے نمازوں کو طول دیتے ہیں ان کو زیادہ سزا ملے گی۔(461)

وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کے واسطے کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے تعویز چوڑے اور اپنے پھندے بڑے بناتے ہیں۔ (462)

خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے۔

پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا جیسا کے ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ انکی بڑائی کریں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ ضرور دے گا" (463)

"تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسوا اے ریاکارو کیونکہ تم پیالے اور کابی کو باہر سے تو صاف کرتے ہو مگر اندر لوٹ اور بد پرہیزی بھری ہے اے نابینا فریسی پہلے پیالے اور کابی کو اندر سے صاف کر تاکہ باہر سے بھی صاف ہو جائیں" (464)

قسم کی ممانعت

یسوعؑ نے اپنی تعلیمات میں قسم کھانے سے روک دیا ہے

"پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تم جھوٹی قسم نہ کھا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کیلئے پوری کر لیکن میں تم سے یہ کہتا

ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانانہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے نہ زمین کی کیونکہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے اور نہ یروشلم کی کیونکہ وہ شاہ عظیم کا شہر ہے اور نہ اپنے سر کی قسم کھا کیونکہ تو ایک بال سفید یا سیاہ نہیں کر سکتا مگر تمہارا کلام ہاں ہاں ہی ہوتا ہے تمہاری نہیں نہیں کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے سو بدی ہے (465)

اتفاق میں برکت

اتفاق واتحاد باعث نعمت ہے اس سے اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے شامل حال ہوتا ہے "میں تم سے کہتا ہوں اگر تم میں سے دو شخص زمین پر اتفاق کریں تو وہ کچھ مانگیں گے وہ میرے باپ سے جو آسمان پر ہے حاصل کریں گے کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں ان کے درمیان ہوں۔(466)

اخلاقی اصول

ایک شخص نے یسوع سے ابدی زندگی کے اصول پوچھے آپؑ نے یہ اخلاقی اصول بتائے

"زنا مت کر' خون مت کر' چوری مت کر' جھوٹی گواہی نہ دے' فریب نہ دے' اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر"

(467)

دیانت داری

دیانت داری زندگی کا ایک اہم اصول ہے انسانی زندگی کے تمام شعبے اس سے متوازن رہتے ہیں انسان کی ابتدائی تربیت چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس اصول کی اپنا کر ہوتی ہے اور پھر آئندہ زندگی میں یہ اس کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔یسوعؑ دیانت داری کے باری میں فرماتے ہیں

جو تھوڑے سے تھوڑے میں دیانت دار ہے وہ بہت میں بھی دیانت دار ہے اور جو تھوڑے میں بد دیانت ہے وہ بہت میں بھی بد دیانت ہے۔پس جب تم ناراست دولت میں دیانتدار نہ ٹھہرے تو حقیقی دولت کون تمہارے سپرد کریگا اور اگر تم بیگانہ مال میں دیانتدار نہ ٹھہرے جو تمہارا اپنا اسے کون تمہیں دیگا۔(468)

ایثار و قربانی

مذہب میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب اس کے شیدائی کو جائداد مال اور اپنے عزیز یہاں تک بال بچے اور والدین بھی خدا اور اس کے رسول کیلئے چھوڑنے پڑتے ہیں ان کی فضیلت کے بارے میں یسوعؑ نے فرمایا

"جس نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بیوی یا بال بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑا وہ سو گنا پائیگا اور ابدی زندگی حاصل کرے گا لیکن بہت اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول۔(469)

دل کی بات منہ پر

ہر آدمی اپنی ظرف کے مطابق بات کرتا ہے اچھا شخص اچھا ذہن رکھتا ہے اور وہ اسی کا اظہار کرتا ہے برا آدمی بری سوچ رکھتا ہے اور اسی بات کو منہ پر لے آتا ہے یسوع فرماتے ہیں

"اے رفعی کی اولاد تم برے ہو کر کیونکر اچھی بات کہہ سکتے ہو کیونکہ جس سے دل لبریز ہے وہی منہ پر آتا ہے اچھا آدمی اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں نکالتا ہے" (470)

کلام کی جوابدہی

گفتگو کے اثرات اخروی زندگی پر پڑتے ہیں اس لئے سوچ سمجھ کربات کرنی چاہئے آخرت میں اس کی جوابدہی ہوگی کامیابی اور ناکامی کی ایک وجہ گفتگو بھی ہوگی

میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر ایک بے فائدہ بات جو آدمی کہیں گے وہ عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے کیونکہ اپنی باتوں ہی سے راستباز ٹھہرایا جائے گا۔(471)

عدل وانصاف

اللہ تعالیٰ کو انصاف پسند ہے اور جو نیک بندے اس سے ہر وقت دعا مانگتے رہتے ہیں ان کیلئے وہ انصاف میں ہرگز دیر نہیں کرتا یسوع نے یہ بات تمثیل میں اسطرح بیان کی

پھر اس نے اس غرض سے کہ ہر وقت دعا کرتے رہنا اور ہمت نہ ہارنا ان کیلئے ایک تمثیل سنائی اور کہا کہ کسی شہر میں ایک قاضی تھا جو نہ خدا سے ڈرتا اور نہ آدمی کی کچھ پرواکرتا تھا اور اسی شہر میں ایک بیوہ تھی جو اس کے پاس آتی اور اس سے یہ کہا کرتی تھی کہ میرے مدعی کے مقابل میرا انصاف کر اس نے مدت تک نہ چاہا لیکن پیچھے اپنے جی میں کہا کہ ہرچند میں نہ خدا سے ڈرتا ہوں اور نہ آدمی کی کچھ پرواکرتا ہوں تو بھی اس لئے بیوہ مجھے ستاتی ہے میں اس کا انصاف کروں گا ایسا نہ ہو کہ یہ بار بار آکر مجھے دق کرے اور خداوند نے کہا کہ سنو یہ بے انصاف قاضی کیا کہتا ہے پس کیا خدا اپنے برگزیدوں کا انصاف نہ کرے گا جو رات دن اس سے فریاد کرتے ہیں یا ان کے واسطے دیر کرے گا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ جلد ان کا انصاف کرے گا۔(472)

خدا سے ڈرو

انسانوں سے ڈرنا نہیں چاہئے بلکہ اصل خوف خدا کا ہے انسان زیادہ سے زیادہ بدن کو قتل کرسکتا ہے مگر روح کا کچھ نہیں کرسکتا اور خدا تعالیٰ روح اور بدن دونوں کو برباد کرسکتا ہے۔

"ان سے مت ڈرو جو بدن کو قتل کرتے ہیں پر روح کو قتل نہیں کرسکتے بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں

ہلاک کر سکتا ہے" (473)

"تم عزیزوں سے میں کہتا ہوں کہ ان سے ڈرو جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور اس کے بعد کچھ اور کر نہیں سکتے لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس سے ڈرو اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو۔(474)

نیکی

نیکی اور بدی کی مثال یسوعؑ نے اس طرح دی "کوئی اچھا درخت نہیں جو ردی پھل لائے اور نہ کوئی ردی درخت اچھا پھل لائے پس ہر ایک درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لئے کہ لوگ خاردار جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے اور نہ جھڑ بیری سے انگور۔ اچھا آدمی اپنے دل کے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں نکالتا ہے کیونکہ جس سے دل لبریز ہے وہی منہ پر آتا ہے۔(475)

آسمانی خزانے میں نیکی جمع کرنے کی تاکید کی گئی ہے "اپنے لئے آسمان پر خزانہ جمع کرو جہاں نہ کیڑا نہ زنگ خراب کرتا ہے اور نہ چور نقب لگا کر چراتے ہیں کیونکہ جہاں تیرا خزانہ ہے وہیں تیرا دل بھی ہوگا" (476)

عالم با عمل

قول اور فعل کا تضاد بہت بڑی برائی ہے اور یہ برائی اس وقت کے فریسیوں میں موجود تھی یسوعؑ نے اس کی مذمت کی "یسوعؑ نے ہجوم اور اپنے شاگردوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تم سے کہیں وہ سب عمل میں لاؤ اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں م(477)

"وہ ایسے بھاری بوجھ جو اٹھائے نہیں جاتے باندھتے تھے اور لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں لیکن آپ انہیں انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے" (478)

ایک بار یسوعؑ نے خدا کا کلام سننے اور اس پر عمل کرنے پر اس طرح زور دیا "مبارک ہیں وہ جو خدا کا کام کلام سنتے اور عمل میں لاتے ہیں۔(479)

یسوعؑ نے عمل اور بے عمل انسان کے فرق کو ایک تمثیل میں بیان کیا ہے پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور سیلاب آیا اندھیاں چلیں اور اس گھر سے ٹکرائے مگر وہ نہ گرا کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر رکھی گئی تھی لیکن جو کوئی میری باتین سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت میں بنایا اور مینہ برسا اور سیلاب آیا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچایا اور گر پڑا اور اس کا گرنا ہولناک ہوا۔ (480)

مذہبی رشتہ

یسوع نے دنیادی رشتہ کی بجائے مذہبی رشتہ پر زور دیا ہے

"جب وہ ہجوم سے باتیں کر رہا تھا تو دیکھو اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اس سے بات کرنا چاہتے تھے تب کسی نے اس سے کہا کہ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں لیکن اس نے جواب میں خبر دینے والے سے کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی ؟ اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا کہ دیکھو میری ماں اور میرے بھائی ؟ کیونکہ جو کوئی میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے میرا بھائی اور بہن اور ماں وہی ہے" (485)

معاشرتی تعلیمات

ہر مذہب نے اپنے معاشرتی اصول بیان کئے ہیں ان سے اس معاشرہ کی عکاسی ہوتی ہے یہ اصول اپنے اپنے معاشرے کے استحکام کا باعث ہوتے ہیں۔ اناجیل اربعہ میں بھی اس نوع کے احکام کا پتہ چلتا ہے جو مسیحی معاشرے کی تصویر ہے ذیل کے صفحات میں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ماں باپ کا احترام

خدا نے کہا ہے کہ تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر اور جو کوئی باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور مار اجائے گا(482)

بچوں پر شفقت

یسوعؑ بچوں سے پیار کرتے اور ان پر دست شفقت فرماتے

"پھر لوگ چھوٹے بچوں کو اس کے پاس لائے تاکہ انہیں چھوئے مگر شاگردوں نے انہیں جھڑ کا یسوع یہ دیکھ کر خوش ہوا اور ان سے کہا چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو انہیں منع نہ کرو کیونکہ خدا کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی خدا کی بادشاہی کو چھوٹے بچے کی طرح قبول نہ کرے وہ اس میں ہرگز داخل نہ ہوگا پھر اس نے انہیں اپنی گود میں لے لیا اور ان پر ہاتھ رکھ کر انہیں برکت دی" (483)

طلاق کی ممانعت

اناجیل میں طلاق کی بالکل گنجائش نہیں ہے زنا کے مترادف قرار دیا گیا ہے

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور وجہ سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے" (484)

پس جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے(485)

اس کے بعد یسوع نے ان حالات میں شادی کی ممانعت کی شاگردوں نے اس سے کہا کہ اگر مرد کا بیوی کیساتھ ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنا اچھا نہیں اس نے ان سے کہا کہ یہ بات سب کی سمجھ میں نہیں آتی مگر ان کو جن کو دیا گیا ہے بعض خوجے ہیں جنہیں آدمیوں نے خوجے بنائے ہیں اور بعض خوجے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کیلئے اپنے آپ کو خوجے بنائے ہیں جو سمجھ سکے وہ سمجھ لے۔(486)

"پس جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے" (487)

ہمسائے سے پیار

تو اپنے ہمسائے کو اپنی مانند پیار کر(488)

دوسروں سے حسن سلوک کا حکم

آپس میں حسن سلوک کا مظاہر کرنا چاہئے "جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ تورات اور صحائف انبیاء کا خلاصہ یہی ہے۔(489)

"اگر تو قربان گاہ کے پاس اپنی نذر لے جائے اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو اپنی نذر قربان گاہ کے سامنے چھوڑ کر سامنے چلا جا پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آ کے اپنی نذر گزار" (490)

تفرقہ کی تباہی

"ہر وہ بادشاہی جس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے ویران ہو جاتی ہے اور ہر وہ شہر یا گھر جس میں پھوٹ پڑ جائے قائم نہیں رہتا"(491)

آداب مجلس

جب اس نے دیکھا کہ مہمان صدر جگہ کس طرح پسند کرتے ہیں تو ان سے ایک تمثیل کہی کہ جب کوئی تجھے شادی میں بلائے تو صدر جگہ پر نہ بیٹھ کہ شائد اس نے کسی کو تجھ سے بھی زیادہ عزت دار کو بلایا اور جس نے تجھے اور اسے دونوں کو بلایا ہے آکر تجھ سے کہے کہ یہ جگہ اس کو دے اور تجھ کو شرمندہ ہو کر سب سے نیچے بیٹھنا پڑے بلکہ جب تو بلایا ہے تو سب سے نیچی جگہ پر بیٹھ تاکہ جب وہ جس نے تجھے بلایا ہے آئے اور تجھ سے کہے کہ اے دوست آگے بڑھ کر جا بیٹھ تب تیری سب ہمنوائوں کے سامنے تیری عزت ہو گی کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو کوئی اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔(492)

معاشی تعلیمات

اناجیل اربعہ میں معیشت کے اصول بھی موجود ہیں۔ یسوع کی ان تعلیمات سے ان کی مذہبی اور دنیاوی ہم آہنگی اور تعلق کا پتہ چلتا ہے دراصل ایک پیغمبر صرف اخلاقی اصلاح ہی نہیں کرتا بلکہ اس کے پیش نظر وہ تمام پہلو ہوتے ہیں جن سے ایک معاشرے کی بہتری ہو سکے معیشت زندگی کا اہم شعبہ ہے اسی لئے یہ یسوع مسیح کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو سکا۔ آپ کی معاشی تعلیمات کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ہے۔

محنت میں عظمت

یسوع کی تعلیمات میں محنت پر زور دیا گیا ہے اور کامیابی کا انحصار بھی اسی پر بتایا گیا ہے۔

"مانگو تو تمہیں دیا جائے گا ڈھونڈو تو تم پاؤ گے کھٹکھٹاؤ گے تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا یا تم میں سے کون شخص ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے بس جبکہ تم جو برے ہو اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو کتنا زیادہ تمہارا باپ جو آسمان پر ہے انہیں جو اس سے مانگتے ہیں اچھی چیزیں نہ دے گا" (493)

یسوع نے ایک بار محنت کی اہمیت اسطرح بیان فرمائی

"کاٹنے والا مزدوری پاتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کیلئے پھل جمع کرتا ہے تاکہ جو بوتا ہے اور جو کاٹتا ہے دونوں ایک ساتھ خوشی کریں" (494)

ایک تمثیل میں محنت کی تاکید کی گئی "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک گیہوں کا دانہ زمین گر کر مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے جو اپنی جان کو پیار کرتا ہے وہ اسے کھو دیتا ہے مگر جو اس دنیا میں اپنی جان سے کینہ رکھتا ہے وہ اسے ہمیشہ کی زندگی کیلئے محفوظ رکھے گا(495)

خیرات کا حکم

ایک شخص نے یسوع سے نیکی کے اصول پوچھے آپ نے زنا قتل چوری، جھوٹی گواہی اور فریب سے بچنا بتایا۔ اس نے کہا اے استاد ان سب میں سے اپنے لڑکپن سے عمل کرتا آیا ہوں تب یسوع نے اس پر نگاہ کر کے اسے عزیز جانا اور اس سے کہا ایک بات کی تجھ میں کمی ہے جا اور اپنا سب کچھ بیچ ڈال اور غریبوں کو عطا کر تو تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔(496)

ایک بار پوشیدہ خیرات کا حکم دیا "پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا جیسے ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے مگر جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔(497)

کنز کی ممانعت

اپنے واسطے زمین پر خزانہ جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگا کر چراتے ہیں(598)
تم خدا اور دولت دونوں کی غلامی نہیں کر سکتے(499)

خدا رازق ہے

میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی ہم کیا پہنیں گے کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے زیادہ بہتر نہیں ؟ آسمان کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے اور نہ کاٹتے نہ کھیتوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کی پرورش کرتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے(500)

حکومت اور خدا کی راہ میں خرچ

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ یسوعؑ نے حکومت کی ادائیگی کا بھی حکم دیا" تب فریسیوں نے جا کر آپس میں مشورہ کیا کہ اسے کیونکر باتوں میں پھنسائیں اور انہوں نے اپنے شاگردوں اور ہیرودیوں کیساتھ اس کے پاس بھیجا تاکہ اس سے کہیں اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا کیونکہ تو آدمیوں کا منہ نہیں دیکھتا پس ہم کو بتا تو کیا خیال کرتا ہے کہ قیصر کو خراج دینا روا ہے یا نہیں۔ یسوعؑ نے ان کی شرارت جانتے ہوئے کہا اے ریاکارو مجھے کیوں آزماتے ہو۔ خراج کا سکہ مجھے دکھاؤ وہ ایک دینار اس کے پاس لائے تب اس نے کہا یہ صورت اور تحریر کس کی ہے انہوں نے کہا قیصر کی تب اس نے ان سے کہا جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو(501)

ذاتی اور خدا کی راہ میں خرچ کا فرق

یسوعؑ نے ایک بار فرمایا" سارے لالچ سے کنارہ کرو کیونکہ کسی کی زندگی اس کے مال کی فراوانی پر منحصر نہیں اور اس نے ان سے ایک تمثیل کہی کہ کسی دولت مند کی زمین میں بہت فصل ہوئی اور وہ اپنے دل میں سوچ کر کہنے لگا کہ میں کیا کروں میرے ہاں اتنی جگہ نہیں جہاں اپنی پیداوار جمع کروں اور اس نے کہا میں یہ کروں گا کہ میں اپنی کوٹھیاں ڈھاؤنگا اور بڑی بناؤں گا اور وہاں اپنا تمام اناج اور مال جمع کرونگا اور اپنی جان سے کہوں گا کہ اے جان تیرے پاس بہت سامال بہت برسوں کیلئے جمع ہے۔ چین کر کھا پی عیش کر مگر خدا نے اس سے کہا اے نادان اسی رات تیری جان تجھ سے طلب کر لی جائے گی پس جو تو نے تیار کیا ہے وہ کس کا ہوگا۔ ایسا ہی وہ جو اپنے لئے خزانے جمع کرتا ہے اور خدا کے نزدیک دولت مند نہیں_(502)

دولت مند کی محرومی

یسوعؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا دشوار ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند آسمان کی بادشاہی میں داخل

ہو۔(503)

"اگر تو کامل ہے ہونا چاہتا ہے اپنا سب کچھ بیچ میں ڈال اور غریبوں کی دے تو تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا" (504)

رزق کی دعا

یسوع نے رزق کی دعا اس طرح بتائی "جب تم دعا کرو تو کہو ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر(505)

تلاش حق سے رزق میں فراوانی

اے کم اعتقادو کیا تم کو بہت زیادہ نہ پہنائے گا اس لئے فکر مند ہو کہ یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو بلکہ پہلے تم اس کی بادشاہی اور راستی کو ڈھونڈو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی(506)

کاروبار اور تجارت کا حکم

یسوع نے لوگوں کو ایک تمثیل سنائی جس سے تجارت اور کاروبار کی برکت کا اظہار ہوتا ہے

"ایک امیر آدمی دور ملک جانے لگا تا کہ اپنے لئے بادشاہی حاصل کرے پھر آئے اس نے نوکروں کو بلا کر دس دس اشرفیاں دیں اور ان سے کہا کہ میرے واپس آنے تک لین دین کرو جب یہ واپس آیا تو پہلے سے پوچھا کہ تو نے اس رقم کا کیا کیا اس غلام نے کہا آپ کی دس اشرفیوں سے اور دس اشرفیاں پیدا کیں۔ امیر نے خوش ہو کر اسے دس شہروں کی حکمرانی عطا کی۔ دوسرے نے حاضر ہو کر کہا تیری رقم سے میں نے پانچ اشرفیاں پیدا کیں اس نے اس سے کہا کہ تو بھی پانچ شہروں کا سردار ہو ایک اور نے حاضر ہو کر کہا کہ اس نے دس اشرفیوں کو رومال میں باندھ کر رکھ دیں تا کہ محفوظ رہیں اس نے وہ رقم لے کر اسے دے دیں جس نے دس کا فائدہ کیا تھا" (507)

ہیکل میں تجارت کی ممانعت

یسوع نے مقدس مقامات ہیکل کے اندر تجارت کرنے سے سختی سے روکا

"یسوع نے ہیکل میں داخل ہو کر ان سب کو جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے نکال دیا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور ان سے کہا یہ لکھا ہے کہ میرا گھر دعا کا گھر کہلائے گا مگر تم اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بناتے ہو(508)

بیوہ کا چندہ اور اس کا درجہ

یسوع خزانے کے سامنے بیٹھ کر دیکھ رہا تھا کہ لوگ خزانے میں پیسے کسطرح ڈالتے ہیں اور بہترے دولت مندوں نے بہت کچھ ڈالا اور ایک کنگال بیوہ نے آکر دو پیسے اس میں ڈالے تب اس نے اپنے شاگردوں کو پاس بلا کر ان سے کہا میں تم سے

سچ کہتا ہوں کہ جو خزانے میں ڈالتے ہیں ان سب سے زیادہ اس کنگال بیوہ نے ڈالا مگر اس نے اپنی غریبی سے اپنا سب کچھ یعنی اپنی ساری پونجی ڈال دی ہے(509)

یسوع مسیح کی یہ وہ معاشی تعلیمات ہیں جو اناجیل اربعہ میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ سادہ اور مختصر سے معاشی اصول ہیں شاید اس زمانے میں پیچیدہ معاشی مسائل نہ ہوں۔ یا زمانے کے ہاتھوں یہ تعلیمات بھی تحریف کا شکار ہو گئی ہوں۔ اور اس طرح یہ بھی مٹ گئیں۔

سیاسی تعلیمات

اناجیل میں مفصل اور واضح طور پر سیاسی تعلیمات موجود نہیں ہیں البتہ کہیں کہیں چیدہ چیدہ مقامات پر اس کے بارے میں اشارات میں پیغام ضرور ملتا ہے۔ موجود اناجیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح کی بعثت کا مقصد کوئی ریاست قائم کرنا نہیں تھا بلکہ لوگوں کی اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کرنا ان کے پیش نظر تھا اسی لئے ان کتب میں اخلاقی تعلیمات اور معجزات کا زور ہے لیکن پیغمبر کی زندگی تمام شعبہ حیات پر حاوی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تمام زندگی کے پہلوؤں کی اصلاح کرانا چاہتے ہیں۔ سیاسی پہلو بھی زندگی کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے پیغمبر ان کے بارے میں بھی راہنمائی کرتے ہیں سیدنا مسیح کی زندگی سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں رہا۔ گو آج یہ حصہ مفصل طور پر اناجیل میں نہیں شاید زمانہ کے قطع وبرید سے یہ محفوظ نہ رہا یا کلیسا اور ریاست کی جنگ نے اسے بھلا دیا ہو۔ آیئے موجودہ اناجیل کی سیاسی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں

حلیم لوگ زمین کے وارث

زمین کا اقتدار اور سلطنت صاحب خصوصیت لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ہر کوئی اس کا اہل نہیں ہوتا یہی بات انجیل میں کہی گئی ہے مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (510)

حکومت اور خلوص

حکمرانوں میں خلوص ہونا چاہئے انہیں اللہ کی رضا کیلئے کام کرنا چاہئے ان کا اولین مقصد خدائی ضابطوں اور اصولوں کا نفاذ ہے اور طاغوتی طاقتوں سے بیزاری ہے وفاداری صرف ذات باری تعالیٰ سے ہونی چاہئے اسی لئے کہا گیا

"کوئی آدمی دو مالکوں کی غلامی نہیں کرسکتا اس لئے کہ ایک سے کینہ رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو حقیر جانے گا" (511)

اچھے اور برے حکمران کی مثال

اچھے حکمران باعث برکت ہوتے ہیں ملک میں امن وامان نیکی کے فروغ کا باعث بنتے ہیں جبکہ برے حکمران ملک میں تباہی خرابی اور فساد برپا کرتے ہیں۔ یہی مثال جھوٹے نبیوں کی ہوتی ہیں ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ انبیاء کرام بھی دراصل حکمران ہی ہوتے ہیں انجیل میں کہا گیا ہے

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں تم انہیں ان پھلوں سے پہچان لوگے کیا خاردار جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل ہوتا ہے اور ردی درخت برا پھل لاتا ہے اچھا درخت برا پھل نہیں لاسکتا نہ ردی درخت اچھا پھل لاسکتا ہے جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے" (512)

اچھا آدمی اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانے سے بری چیزیں نکالتا ہے۔(513)

اتفاق واتحاد کی برکت

ملت وقوم کا اتفاق ،واتحاد بڑی نعمت ہے اس کے بغیر قومیں برباد ہوتی ہیں اور گھر ویران ہوتے ہیں جناب مسیح کا فرمان ہے ہر وہ بادشاہی جس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے ویران ہو جاتی ہے اور ہر وہ شہر یا گھر جس میں پھوٹ پڑ جائے قائم نہیں رہتا۔ (514)

حکومت اور دانائی

حکومت میں دانائی اور عقل مندی سے کام لینا پڑتا ہے مخالفین تکالیف دینے کیلئے کانٹے بوتے ہیں کھیل خراب کرتے ہیں۔ فصلوں کو برباد کرتے ہیں مگر صاحب اقتدار عقل مندی اور دانائی سے اپنا کام کرتے جاتے ہیں اور تمام مخالفتوں کو صاف کرتے رہتے ہیں۔

"اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے اچھا بیج اپنے کھیت میں بویا لیکن جب لوگ سو گئے تو اس کا دشمن آیا اور گندم میں زوان بو کر چلا گیا جس وقت پتے لگے اور بالیں نکلیں تب زوان بھی ظاہر ہوا تو گھر کے مالک نے آکر غلاموں سے کہا کسی دشمن نے یہ کیا ہے تب غلاموں نے اس سے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ ہم جا کر اسے جمع کریں مگر اس نے کہا نہیں ایسا نہ ہو کہ جب تم زوان کو جمع کرو تو اس کے ساتھ گندم بھی اکھاڑ لو۔ کٹائی کے دن تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو کہ میں کٹائی کے وقت کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا پہلے زوان جمع کرو اور جلانے کے واسطے اس کے گٹھے باندھ کر مگر گندم میرے کھتے میں جمع کر دو(515)

حکمرانوں کی بدکاری کے نقصانات

حکمرانوں کی بدکاری قومی المیہ ہے اس کے نتائج ونقصانات بہت گہرے اور دور رس ہوتے ہیں اہل اقتدار کے اس مرض سے انبیاء اور صالحین قتل ہوتے ہیں اور قوم نیک لوگوں سے محروم ہو جاتی ہے جس کی ایک مثال انجیل سے ملتی ہے

"ہیرودیس نے اپنے بھائی فیلبوس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے یوحنا کو گرفتار کر کے باندھا اور قید خانے میں ڈال دیا تھا اس لئے کہ یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ تجھے اس کا رکھنا روا نہیں اور وہ اسے مار ڈالنا تو چاہتا تھا مگر وہ عوام سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے لیکن جب ہیرودیس کی سالگرہ ہوئی تو ہیرودیاس کی بیٹی ان کے سامنے ناچی اور ہیرودیس کو خوش کیا چنانچہ اس نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ جو کچھ تم مانگو گی میں تجھے دوں گا تب وہ اپنی ماں کے سکھانے سے بولی کہ یوحنا اصطباغی کا سر تھال میں یہیں مجھے دے تب بادشاہ دلگیر ہوا مگر قسموں اور ہم نوالوں کے سبب نے اس نے حکم دیا کہ دے دیا جائے اور آدمی بھیج کر قید خانے میں یوحنا کا سر کٹوا بھیجا اور اس کا سر تھال میں لایا گیا اور لڑکی کو دیا گیا اور وہ اپنی ماں کے پاس لے گئی تب اس کے شاگردوں نے آکر اس کی لاش اٹھائی اور اسے دفن کیا اور جا کر یسوع کو خبر دی"(516)

دعوت تبلیغ

مسیحیت ایک تبلیغی مذہب ہے اس کی اشاعت و تبلیغ کے اصول اناجیل اربعہ میں تفصیل سے مل جاتے ہیں ذیل کی سطروں میں اس مذہب کے مبلغانہ کردار کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

یسوع کی دعوت عام

یسوع نے بڑی جانفشانی سے اپنی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا

"اور وہ۔۔۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھر کر تعلیم دیتا تھا اور کسی نے اس سے کہا اے خداوند کیا نجات پانے والے تھوڑے ہیں اس نے ان سے کہا کہ جانفشانی کرو" (522)

ایک بار مسیح نے فرمایا

"میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا ہے میں نے وہ کام انجام دیا جو تو نے مجھے کرنے کو دیا تھا" (523)

"میں نے تیرے نام کو ان آدمیوں پر ظاہر کیا ہے جو تو نے دنیا میں مجھے دیئے ہیں وہ تیرے تھے اور تو نے مجھے انہیں دیا اور انہوں نے تیرے کلام پر عمل کیا ہے اب وہ جان گئے ہیں جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے وہ سب تجھ ہی سے ہے کیونکہ جو باتیں تو نے مجھے دی ہیں وہ میں ان کو دی ہیں اور انہوں نے قبول کر لی ہیں" (524)

یسوع کی بات میں اثر

دل سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے اور یہ وصف پیغمبر میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

"وہ ہر روز ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور سردار کاہن اور فقیہہ اور قوم کے سردار اس کوشش میں تھے کہ اس کو ہلاک کریں لیکن ایسا کرنے کا موقع نہ پاتے تھے کیونکہ سب لوگ اس کی باتیں سن کر محو ہو جاتے تھے" (525)

بے عملی کی مذمت

اس وقت کی فریسیوں میں بے عملی عام پائی جاتی تھی۔ یسوع نے اس کی مذمت کی

"یسوع نے ہجوم اور اپنے شاگردوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تم سے کہیں وہ سب عمل میں لاؤ اور مانو لیکن ان کے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں" (526)

"وہ ایسے بھاری بوجھ جو اٹھائے نہیں جاتے باندھتے اور لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں لیکن آپ انہیں انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے" (527)

یسوع نے خدا کا کلام سننے اور اس پر عمل کرنے پر اسطرح زور دیا مبارک ہیں وہ جو خدا کا کلام سنتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ (528)

حکمران اور نرمی

حکمرانوں کو رحمدل اور عوام کیلئے آسانی وسہولت پیدا کرنا چاہئے اچھا حکمران مقروض کے قرضے معاف کرتا ہے یا انہیں خوشحالی ہونے تک قرض کے ادا کرنے کی مدت فراہم کرتا ہے سخت گیر اور ظالم لوگ پسند نہیں کئے جاتے انجیل میں ایک مثال دی گئی ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ملک کے مقروض پر ترس کھا کر اس کا قرضہ معاف کر دیا جب یہ دربار سے قرض معاف کرا کر باہر نکلا تو اسی شخص نے اپنے مقروض پر ظلم و تشدد شروع کر دیئے اور اسے قید میں ڈال دیا بادشاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے مقروض کو بلوایا اور کہا میں نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا اور تو نے ظلم کیا اچھا میں بھی تیرے ساتھ یہی رویہ اختیار کرتا ہوں۔(517)

حاکم خادم ہوتا ہے

قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے حاکموں کو اپنی قوم کی خدمت کرنی چاہئے غیر حکمران لوگوں کو غلام سمجھتے ہیں اور عوام ان کی اپنی قوم کی نہیں ہوتی اس لئے وہ عوام پر ظلم و تشدد کرتے ہیں جبکہ اپنے قوم کی عزت اور خدمت کرتے ہیں یہی فرمان انجیل میں ہے اور یسوع نے کہا تم جانتے ہو کہ غیر قوموں کے سرداران پر حکم چلاتے ہیں اور سرداران پر اختیار جتاتے ہیں لیکن تم میں ایسا نہ ہوگا بلکہ جو تم میں بڑا ہونا چاہئے وہ تمہارا خادم ہوگا اور جو تم میں اول ہونا چاہئے وہ تمہارا غلام ہوگا چنانچہ ابن انسان اس لئے نہیں آیا خدمت کرائے بلکہ اس لئے خدمت کرے اور اپنی جان بہتروں کے بدلے فدیہ میں دے۔ (518)

سرکاری اور مذہبی ٹیکس دور کرو

مذہبی صدقات اور خیرات کیساتھ ساتھ حکومت کے معتدل اور صحیح ٹیکس بھی ادا کرنے چاہئے۔انجیل میں ہے

"تب فریسیوں نے جا کر آپس میں مشورہ کیا کہ اسے کیونکر باتوں میں پھنسائے اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہیرودیس کے ساتھ اس کے پاس بھیجا تاکہ اس سے کہے اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ تو آدمیوں کا منہ نہیں دیکھتا پس ہم کو بتا تو کیا خیال کرتا ہے قیصر کو خراج دینا روا ہے یا نہیں یسوع نے ان کی شرارت جانتے ہوئے کہا اے ریاکار مجھے کیوں آزماتے ہو خراج کا سکہ مجھے دکھاؤ وہ ایک دینار اس کے پاس لائے تب اس نے ان سے کہا یہ صورت اور تحریر کس کی ہے انہوں نے کہا قیصر کی تب اس نے ان سے کہا جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو انہوں نے یہ سن کر تعجب کیا اور اسے چھوڑ کر چلے گئے " (519)

دفاعی قوت میں اضافہ

ہر انسان جماعت ملک اور قوم کو اپنا دفاع کرنا چاہئے اور اس کے لئے اپنی حتی المقدور استطاعت کو بروکار لانا ہوگا ورنہ زور آور

کمزور سے زندگی کا حق چھین لیتا ہے اور اس کا تمام مال واسباب سب لوٹ لیتا ہے۔ سیدنا مسیحؑ فرماتے ہیں
"جب کوئی مسلح زور آور اپنی حویلی کی حفاظت کرے تو اس کا حال محفوظ رہتا ہے لیکن اگر کوئی اس سے بھی زور آور کر اس پر غالب آئے تو اس کے سب ہتھیار جن پر اس کا بھروسہ تھا چھین لیتا ہے اور اس کا مال لوٹ کر بانٹ دیتا ہے۔(520)

دیانت داری اور انصاف

حاکم کو دیانت دار اور انصاف پسند ہونا چاہئے اگر کوئی بددیانتی اور ناانصافی کرتا ہے تب بھی لوگ اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتے برا بھلا کہتے ہیں مگر پھر بھی انصاف کرنے والا امن وسکون اور اطمینان کی زندگی گزارتا ہے اس کی وضاحت حضرت مسیح کی یہ تمثیل کرتی ہے

کسی شہر میں ایک قاضی تھا جو نا خدا سے ڈرتا اور نہ آدمی کی کچھ پرواہ کرتا تھا اسی شہر میں ایک بیوہ تھی جو اس کے پاس آتی اور اس سے یہ کہا کرتی تھی کہ میری مدعی کے مقابل میرا انصاف کر اس نے مدت تک نا چاہا لیکن پیچھے اپنے جی میں کہا کہ ہر چند میں نا خدا سے ڈرتا اور نہ آدمی کی کچھ پرواہ کرتا ہوں تو بھی اس لئے کہ یہ بیوہ مجھے ستاتی ہے میں اس کا انصاف کروں گا ایسا نہ ہو کہ یہ بار بار آکر مجھے دق کرے اور خداوند نے کہا کہ سنو یہ بے انصاف قاضی کیا کہتا ہے(521)

عرض امانت دیانت، خلوص ومحبت، اتفاق واتحاد، دانائی وعقل مندی، پاکیزگی واخلاق، نرمی وسہولت، خادم وخدمت، عدل وانصاف اناجیل میں حکومت کے اہم اصول ہیں

باعمل اور بے عمل کی مثال یسوعؑ نے اسطرح بیان کی "تم کیوں مجھے خداوند کہتے ہو اور میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں وہ کس کی مانند ہے وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے ہوئے گہرا کھود کر چٹان پر بنیاد رکھی جب رو آئی تو دھار اس گھر سے ٹکرائی مگر اسے ہلا نہ سکی کیونکہ وہ اچھا بنا ہوا تھا لیکن جس نے سنا اور عمل نہ کیا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر کی بے بنیاد بنایا اور دھار اس سے ٹکرائی تب وہ فوراً گر پڑا اور اس گھر کی بربادی ہولناک ہوئی" (529)

تبلیغی مصائب

مذہب کی اشاعت ایک کٹھن کام ہے اس راہ میں بڑے مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ یسوع نے اپنے پیروکاروں کو اسطرح تیار رہنے کا حکم دیا

"دیکھو میں تمہیں بھیڑوں کی مانند بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں پس تم سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بے آزار بنو مگر آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کریں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تمہیں کوڑے ماریں گے اور تم میری خاطر حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے تاکہ ان کے اور غیر قوموں کے لئے گواہی ہو لیکن جب وہ تمہیں پکڑوائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح کہیں یا کیا کہیں کیونکہ جو کچھ تمہیں کہنا ہوگا سو اسی گھڑی تمہیں بتایا جائے گا کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح تم سے بولنے والا ہوگا۔ بھائی کو بھائی اور بچے کو باپ قتل کیلئے حوالے کرے گا اور بچے ماں باپ کی مخالفت میں اٹھیں گے اور انہیں مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث لوگ تم سے کینہ رکھیں گے مگر جو آخر تک ثابت قدم رہے گا وہی نجات پائے گا۔(530)

بنی اسرائیل کی دعوت

یسوع کی تبلیغ صرف اپنی قوم تک محدود تھی آپ نے بارہ اپنے شاگردوں کو فرمایا

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا" (531)

یسوع نے اپنی دعوت کے بارے میں فرمایا

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (532)

علیحدگی میں نصیحت

یسوع انسانی نفسیات کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے انہوں نے کہا "اگر تیرا بھائی گناہ کرے تو تو جا اور علیحدگی میں سمجھا اگر وہ تیری سنے تو تو نے اپنے بھائی کو پا لیا" (533)

مسیحیت کی اشاعت

یسوع نے مسیحیت کی اشاعت کا حکم دیا اور اسے ایک تمثیل میں سمجھایا

"اس نے ان سے کہا کیا چراغ اس لئے لایا جاتا ہے کہ پیمانے یا پلنگ کے نیچے رکھا جائے کیا اس لئے نہیں کہ چراغدان پر رکھا جائے کیونکہ کوئی بات پوشیدہ نہیں جو ظاہر نہ کی جائے اور نہ ہی پوشیدہ کی گئی ہو مگر اس لئے کہ ظاہر ہو جائے جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے"

(534)

تبلیغ میں معاون خواتین

لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کی معاون خواتین بھی تھیں جو دعوت دین میں ان کے ساتھ تھیں

"وہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں جا کر وعظ کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوش خبری دیتا تھا اور وہ بارہ اس کے ساتھ تھے اور کئی عورتیں بھی جو بدروحوں اور بیماریوں سے شفایاب ہوئی تھیں یعنی مریم جو مجدلی کہلاتی ہے جس سے سات بدروحیں نکلی تھیں اور حنہ ہیرودیس کے دیوان کوزی کی بیوی اور سوسناہ اور بہتری اور بھی جو اپنے مال سے ان کی خدمت کرتی تھیں" (535)

علماء و مبلغ کا مقام

علماء اور مبلغ کا بلند مقام ہے انہیں عالم باعمل ہونا چاہئے اور ان کی سیرت اور علم کی روشنی سے دنیا کو منور ہونا چاہئے۔ یسوع علماء سے فرماتے ہیں "تم زمین کا نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا پھر وہ کسی کام کا نہیں۔ سوائے اس کے کے باہر پھینکا جائے اور لوگوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے۔

تم دنیا کا نور ہو جو شہر پہاڑ پر بسا ہو وہ چھپ نہیں سکتا اور لوگ چراغ روشن کر کے پیمانے کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تاکہ ان سب کو جو گھر میں ہیں روشنی پہنچائے اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں" (536)

یسوعؑ کا عورت کو دعوت دین

یسوع مردوں کیساتھ ساتھ عورتوں کو بھی دین کے احکام بتاتے تھے انجیل یوحنا میں یسوع کا ایک سامری عورت سے طویل مکالمہ درج ہے۔ اس میں یسوع نے پہلے ایک عورت سے پینے کیلئے پانی مانگا پھر اس کو دعوت دی اور عبادت کے اصول بتائے اتنے میں اس کے شاگرد آگئے اور متعجب ہوئے کہ وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ (537)

اعلانیہ تبلیغ

پیغام مسیحیت کو عام کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس کا پتہ سب کو چل جائے
"جو کچھ میں تمہیں اندھیرے میں کہتا ہوں اجالے میں کہو اور جو کچھ تم کان میں سنتے ہو کوٹھوں پر اس کی منادی کرو۔(538)

طریق تبلیغ

یسوع تبلیغ کا طریقہ اس طرح بتاتے ہیں
"اگر تیرا بھائی گناہ کرے تو جا اور اسے علیحدگی میں سمجھا اگر وہ تیری سنے تو تو نے اپنے بھائی کو پا لیا اور اگر وہ نہ سنے تو ایک یا دو شخص اپنے ساتھ لے تاکہ ہر ایک بات دو یا تین گواہوں کے منہ سے ثابت ہو جائے اگر وہ ان کی بھی نہ سنے تو کلیسا سے کہہ اور اگر کلیسا کی بھی نہ سنے تو اس کو مشرک اور محصل کے برابر جان" (539)
ایک مبلغ کے پیش نظر نیک و بد سب کی اصلاح ہوتی ہے اسے وسیع القلب ہونا چاہئے آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ بات یسوع میں کس حد تک پائی جاتی ہے۔
"اور وہ یریحو میں داخل ہو کر جا رہا تھا اور دیکھو زکائی نامی ایک مرد جو سردار محصل اور دولت مند تھا اور اسے خواہش تھی کہ یسوع کو دیکھے کہ کونسا ہے مگر ہجوم کے سبب نہ دیکھ سکا کیونکہ کوتاہ قد تھا۔ تب آگے دوڑ کر ایک گولر کے پیڑ پر چڑھ گیا تاکہ اسے دیکھے کیونکہ وہ اسی راہ سے جانے کو تھا جب یسوع اس جگہ پہنچا تو اوپر نگاہ کر کے اس سے کہا اے زکائی جلد اتر آ کیونکہ آج مجھے تیرے گھر میں رہنا ضرور ہے تب وہ جلد اتر کر خوشی سے اس کو اپنے گھر لے گیا لوگ یہ دیکھ کر سب یوں کہہ کر اعتراض کرنے لگے کہ وہ ایک گناہ گار کے ہاں جا اترا ہے مگر زکائی نے کھڑے ہو کر خداوند سے کہا دیکھ اے خداوند میں آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اگر کسی کا مال ناحق لیا ہے تو اس کا چوگنا دیتا ہوں تب یسوع نے اس سے کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئی اس لئے کہ یہ بھی ابراہیم کا بیٹا ہے کیونکہ ابن انسان اس لئے آیا ہے کہ کھوئے ہوئے کو ڈھونڈے اور بچائے"
(540)

گناہ گاروں کی اصلاح کی فکر

ایک پیغمبر کو نیک و بد سب کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے یسوع کو اس میں کتنی لگن تھی ذرا دیکھئے
"تب سب محصل گناہ گار اس کے پاس آئے تاکہ اس کی سنیں اور فریسی اور فقیہہ یوں کہتے ہوئے اعتراض کرتے تھے کہ یہ گناہ گاروں سے ملتا ہے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے تب اس نے ان سے یہ تمثیل کہی کہ تم میں ایسا کون ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیاباں میں نہ چھوڑے اور جب تک اسے نہ پائے اس کھوئی کو ڈھونڈتا نہ پھرے اور جب پائے تو خوش ہو کر اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیتا ہے اور گھر آ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلا کر ان سے یوں کہتا ہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اسطرح

ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کے محتاج نہیں ایک تائب گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہو گی۔(541)

"یا پھر کون ایسی عورت ہے جس کے پاس دس درہم ہوں اور ایک درہم کھو جائے تو چراغ جلا کر گھر میں جھاڑو نہ دے اور جب تک نہ پائے کوشش سے ڈھونڈتی نہ رہے اور جب پائے تو سہیلیوں اور پڑوسیوں کو یوں کہہ کر نہ بلائے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کہ میں نے اپنا کھویا ہوا درہم پایا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک تائب گناہ گار کے باعث خدا کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے۔(542)

تبلیغ کو دنیا پر ترجیح

تبلیغ دنیاوی کاموں پر کتنی فوقیت رکھتی ہے اس کا اندازہ یسوع کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے "اس نے کسی اور سے کہا کہ میرے پیچھے ہو لے اس نے کہا اے خداوند مجھے رخصت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں یسوع نے اس سے کہا مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے مگر تو جا اور خدا کی بادشاہی کی بشارت دے۔"(543)

"ایک اور نے کہا کہ اے خداوند میں تیرے پیچھے ہو لوں گا مگر مجھے اجازت دے کہ پہلے گھر والوں سے رخصت ہو آؤں یسوع نے اس سے کہا کہ جو کوئی اپنا ہاتھ ہل پر رکھ کر پیچھے دیکھتا ہے وہ خدا کی بادشاہی کے لائق نہیں" (544)

بھولوں بھٹکوں کی راہنمائی

"ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے تم کیا سمجھتے ہو اگر کسی آدمی کی سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک بھٹک جائے تو کیا وہ ننانوے کو چھوڑ کر اور پہاڑوں پر جا کر اس بھٹکی ہوئی کو نہ ڈھونڈے گا اور اگر ایسا ہو کہ اسے پائے تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ ان ننانوے کی نسبت جو بھٹکی نہیں اس بھیڑ کی زیادہ خوشی کرے گا اسی طرح تمہارا آسمانی باپ یہ نہیں چاہتا کہ ان چھوٹوں میں سے ایک بھی ہلاک ہو" (545)

"پھر اس (یسوع) نے کہا کسی شخص کے دو بیٹے تھے ان میں سے چھوٹے نے باپ سے کہا اے باپ مال کا وہ حصہ جو مجھے آتا ہے مجھے دے اس نے مال انہیں بانٹ دیا اور بہت دن نہ گزرے کہ چھوٹا بیٹا سب مال جمع کر کے دور دراز ملک روانہ ہوا۔ اور وہاں اس نے اپنا سارا مال اوباشی میں اڑا دیا اور جب سب خرچ کر چکا تو اس ملک میں سخت کال پڑا اور وہ محتاج ہونے لگا۔ تب اس ملک کے ایک باشندے کے ہاں جا پڑا اس نے اسے اپنے کھیتوں میں سور چرانے بھیجا اور وہ چاہتا تھا کہ ان چھلکوں سے جو سور کھاتے تھے اپنا پیٹ بھرے مگر کوئی اسے نہ دیتا تھا۔

تب اس نے ہوش میں آکر کہا کہ میرے باپ کے کتنے مزدوروں کو بہت روٹی ملتی ہے اور میں یہاں بھوکا مرتا ہوں۔ میں اٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ اے باپ میں نے آسمان کا اور تیری نظر میں گناہ کیا ہے اب اس لائق نہیں رہا کہ میں تیرا بیٹا کہلاؤں مجھے اپنے مزدوروں میں ایک کی مانند بنا اور اٹھ کر وہ اپنے باپ کے پاس چلا اور ابھی وہ دور ہی تھا کہ اس کو دیکھ کر اس کے باپ کو ترس آیا اور دوڑ کر اس کو گلے لگا لیا اور مکرر اُچوما۔ بیٹے نے اس سے کہا اے باپ میں نے

آسمان کا اور تیری نظر میں گناہ کیا ہے اور اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں مگر باپ نے اپنے غلاموں سے کہا جلدی سے اچھی اچھی پوشاک نکال کر لاؤ اور اسے پہناؤ اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جوتی پہناؤ اور پلے ہوئے بچھڑے کو لاکر ذبح کرو کہ ہم کھائیں اور خوشی منائیں کیونکہ میرا بیٹا مردہ تھا اب زندہ ہو گیا ہے کھو گیا تھا اب ملا ہے پس وہ خوشی کرنے لگے اور اس کا بڑا بیٹا کھیت میں تھا جب وہ گھر کے نزدیک آیا تو راگ اور ناچ کی آواز سنی تب ایک غلام کو بلا کر پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے اس سے کہا تیرا بھائی آیا ہے اور تیرے باپ نے پلا ہوا بچھڑا ذبح کیا ہے اس لئے اسے صحیح سلامت پایا اس نے خفا ہو کر نہ چاہا کہ اندر جائے مگر اس کا باپ باہر آکر اسے منانے لگا اس نے جواب میں اپنے باپ سے کہا دیکھ اتنے برسوں سے میں تیری خدمت کرتا رہا اور کبھی تیرے حکم کیخلاف نہ چلا مگر تو نے کبھی ایک بکری کا بچہ بھی مجھے نہ دیا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ خوشی مناؤں مگر جب تیرا یہ بیٹا آیا جس نے اپنا مال کسبیوں میں اڑا دیا تو تو نے اس کیلئے پلا ہوا بچھڑا ذبح کیا۔ اس نے اس سے کہا اے بیٹا تو ہمیشہ میرے پاس ہے اور جو کچھ میرا ہے وہ تیرا ہی ہے لیکن خوشی منانا اور شادمان ہونا واجب تھا کیونکہ تیرا بھائی مردہ تھا اب زندہ ہو گیا ہے کھو گیا تھا اب ملا ہے" (546)

تبلیغی اثرات اور انسانی درجے

وہ ان سے بہت سی باتیں تمثیلوں میں کہنے لگا کہ دیکھو بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگا لیکن جب سورج نکلا تو وہ جل گیا اور جڑ نہ رکھنے کے سبب سے سوکھ گیا اور کچھ خاردار جھاڑیوں میں گرا اور خاردار جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا اور کچھ اچھی زمین پر گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا۔

بس تم بونے والے کی تمثیل کا بیان سنو جب کوئی بادشاہی کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو شریر آتا اور جو کچھ اس کے دل میں بویا گیا تھا لے جاتا ہے یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا۔ جو پتھریلی زمین میں بویا گیا وہ ہے جو کلام سنتا اور فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے لیکن کلام اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا بلکہ عارضی ہے اور جب کلام کے سبب مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو وہ فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے اور جو خاردار جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام سنتا اور دنیا کا فکر اور دولت کا فریب کلام کو دبا دیتے ہیں اور بے پھل رہ جاتا ہے لیکن جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے کئی سو گنا پھل دیتا ہے کوئی ساٹھ گنا کوئی تیس گنا۔ (547)

برائی کے مقابلے کیلئے منصوبہ بندی

اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے اچھا بیج اپنے کھیت میں بویا لیکن جب لوگ سو گئے تو اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں زوان (کڑوے دانے) بو کر چلا گیا جس وقت پتے لگے اور بالیں نکلیں تب زوان بھی ظاہر ہوا تو گھر کے مالک کے غلام نے آکر اسے کہا اے صاحب کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھا بیج نہ

بویا تھا پھر زوان کہاں سے آگیا اس نے ان سے کہا کسی دشمن نے یہ کیا ہے تب غلاموں نے اس سے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ ہم جا کر اسے جمع کریں مگر اس نے کہا نہیں ایسا نہ ہو کہ جب تم زوان کو جمع کرو تو اسکے ساتھ گیہوں بھی اکھاڑ لو کٹائی کے دن تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو۔ اور میں کٹائی کے دن کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے زوان جمع کرلو اور جلانے کیلئے اس کے گٹھے باندھ لو مگر گندم میرے کھتے میں جمع کرلو۔(548)

بے ثمر درخت پر محنت

انجیل لوقا میں ایک مثال سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایسا شخص جس پر نیکی کا اثر نہ ہوتا ہو اس پر آخری لمحے تک محنت کرنی چاہیئے شائد اس پر یہ کوشش کارگر ثابت ہو۔

"اس نے ایک تمثیل کہی کہ کسی نے اپنے تاکستان میں ایک انجیر کا درخت لگایا تھا وہ اس میں پھل ڈھونڈنے آیا اور نہ پایا اس پر باغبان سے کہا کہ دیکھ تین برس میں اس نجیر کے درخت میں پھل ڈھونڈنے آتا ہوں اور نہیں پاتا اسے کاٹ ڈال یہ زمین کو بھی کیوں روکے رہے اس نے جواب میں اس سے کہا اے خداوند اس سال تو اور بھی اسے رہنے دے تاکہ میں اس کے گرد تھالا کھودوں اور کھاد ڈالوں اگر آگے کو پھلا تو خیر۔ اس کے بعد کاٹ ڈالنا" (549)

مشن سے لگن

انبیاء کو دن رات اپنے کام کی فکر ہوتی ہے وہ ہر گھڑی اس کے متعلق سوچتے ہیں ایک مقام پر یسوع کے شاگرد کھانے کا کہنے لگے اس پر یسوع نے کہا میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی بجا لاؤں اور اس کا کام پورا کرو۔(550)

غریبوں اور چھوٹوں کی قدر و منزلت

ایک مبلغ امیر غریب سب کی اصلاح کا خواہش مند ہوتا ہے وہ خلوص کا متلاشی ہوتا ہے تاکہ اس کی دعوت پھیل جائے۔ اور یہ امیر کی نسبت غریب میں زیادہ پایا جاتا ہے اسی لئے یسوع نے فرمایا "خبردار ان چھوٹوں میں سے کسی کو ناچیز نہ جانو" (551)

یسوع نے عام دعوت اور ضیافت پر بھی ان ہی لوگوں کو بلانے کا حکم دیا

"جب تو ضیافت کرے تو غریبوں ،لنجوں، لنگڑوں اور اندھوں کو بلا اور تو مبارک ہوگا کیونکہ ان کے پاس کچھ نہیں کہ تجھے بدلہ دیں مگر تجھے راست بازوں کی قیامت میں بدلہ دیا جائیگا" (552)

تبلیغ بلا معاوضہ

دعوت دین بے لوث اور بے غرض ہونی چاہیئے یہ کسی لالچ اور کسی معاوضہ کے مدنظر رکھ کر ادا نہیں کی جاتی ہے۔ یسوع کا فرمان ہے "مفت تم نے پایا مفت ہی دینا" (553)

تبلیغ میں ہجرت

یسوع نے اپنے مبلغوں کو تبلیغی آزمائشوں سے خبردار کیااور راہ حق میں جو مصائب آئیں انہیں ہنسی خوشی برداشت کرنے کو کہااور اللہ تعالی کی مدد کا سہارادیا۔ ثابت قدمی کو اپنانے کی تاکید کی ساتھ ہی یہ بھی بتایا"جب لوگ تمہیں کسی شہر میں ستائیں توکسی اور میں بھاگ جاؤ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا" (554)

یہود علماء اور فریسیوں کا کردار

اناجیل اربعہ میں یہود علماء اور فریسیوں کے کردار پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے یہ علماء سوء ابن الوقت قسم کے لوگ تھے۔ لالچ اور حرص ان کی طبیعت میں رچ اور بس گیا تھا۔ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور اخروی نتائج سے غافل ہو گئے تھے۔ ریاکاری ان کا شیوا تھا۔ غریبوں 'یتیموں' بیواؤں کی جائیدادیں ہڑپ کر جاتے تھے ظلم کی انتہا یہ تھی کہ انبیاء تک کو قتل کر ڈالتے اور ان نیک ہستیوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔

ا۔ قتل انبیاء

یسوع نے فرمایااے اعلماء شرع تم پر افسوس کہ تم نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور تمہارے باپ دادا نے ان کو قتل کیا پس تم گواہی دیتے ہو اور اپنے باپ دادا کے کاموں کی تائید کرتے ہو کیونکہ انہوں نے تو ان کو قتل کیا اور تم قبریں بناتے ہو اسی لئے خدا کی حکمت نے کہا کہ میں نبیوں اور رسولوں کو ان کے پاس بھیجوں گا وہ ان میں سے بعض کو قتل کریں گے اور ستائیں گے تاکہ سب نبیوں کے خون جو بناء عالم سے بہایا گیا اس پشت سے جواب دہی کی جائے۔ ہابیل کے خون سے لے کر اس زکریا کے خون تک جو قربان گاہ اور ہیکل کے درمیان ہلاک ہوا۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی پشت سے جواب دہی کی جائے گی۔(555)

۲۔ بے عملی

یہود کے علماء بے عملی کا شکار تھے ان کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق تھا وہ بظاہر بڑے دیندار نظر آتے تھے مگر اندرونی طور پر کورے تھے اسی لئے یسوع نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو۔ اے ریاکارو کیونکہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر سے خوبصورت دکھائی دیتی ہیں اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست بازی دکھائی دیتے ہو مگر باطن اور بے دینی سے بھرے ہو۔(556)

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کیونکہ تم پیالے اور رکابی کو باہر سے صاف کرتے ہو مگر اندر لوٹ اور بد پرہیزگاری سے بھرے ہیں اے نابینا فریسی پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ باہر سے بھی صاف ہو جائیں۔

۳۔غلط توجیہات اور تاویل

ان میں ایک بیماری اور مرض یہ تھا کہ یہ لوگ مذہب اور اس کی اصطلاحات کی غلط توجیہات اور تاویل کرتے تھے بنیادی باتوں کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور ان ہی کو مذہب کی اصل قرار دے رہے تھے اسی کی مذمت میں کہا گیا ہے

"تم پر افسوس اے اندھے راہنماؤ جو کہتے ہو کہ اگر کوئی ہیکل کی قسم کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر ہیکل کے سونے کی قسم کھائے تو پابند ہوگا(یعنی اسے قسم پوری کرنی ہوگی)اے نادانو اور اندھو کونسا بڑا ہے سونا یا ہیکل جو سونے کو پاک کرتی ہے پھر اگر کوئی قربانگاہ کی قسم کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر نذر کی جو اس پر چڑھی ہو قسم کھائے تو پابند ہوگا اے اندھو کونسی بڑی ہے نذر یا قربانگاہ جو نذر کو پاک کرتی ہے پس جو قربانگاہ کی قسم کھاتا ہے وہ اس کی اور ان سب چیزوں کی جو اس پر ہیں قسم کھاتا ہے اور جو ہیکل کی قسم کھاتا ہے اس کی اور اس کے رہنے والے کی بھی قسم کھاتا ہے اور جو آسمان کی قسم کھاتا ہے وہ خدا کے تخت کی اور اس پر بیٹھنے والے کی بھی قسم کھاتا ہے" (558)

"تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے اے نابینا راہنماؤ مچھر چھانتے ہو اور اونٹ نگل جاتے ہو" (559)

۴۔عوام کیلئے تنگی اپنے لئے آسانی

علماء شرع میں سے کسی نے مخاطب ہو کر اس سے کہا کہ اے استاد ان باتوں کے کہنے سے تو ہمیں بھی بے عزت کرتا ہے لیکن اس نے کہا اے علماء شرع تم پر افسوس کہ تم ایسے بوجھ جو اٹھائے نہیں جاتے آدمیوں پر لادتے ہو اور آپ ایک انگلی بھی ان بوجھوں کو نہیں لگاتے۔ (560)

۵۔بیوائوں کی جائداد کا ہضم کرنا

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اور ریاکارو جو بیوائوں کے گھروں کو نگلتے ہو۔ (561)

۶۔نمازوں کو طول دینا

یہود کے علماء نماز بھی ریاکاری کی ادا کرتے تھے لوگوں کو دکھانے کیلئے اس عبادت میں طوالت اختیار کرتے تھے اسی لئے یسوع نے کہا ایسے شخص سزا کے مستحق ہے۔ (562)

۷۔ عوام کی غلط راہنمائی اور تربیت

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اور ریاکارو کیونکہ تم تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو تا کہ کسی کو اپنا مرید بناؤ اور جب وہ بن چکا تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بناتے ہو۔ (563)

۸۔ کتمان ایات کی ممانعت

خدائی احکام عام کرنے کیلئے ہیں چھپانے کیلئے نہیں مذہب کی اشاعت کا حکم اسطرح دیا گیا

"کوئی آدمی چراغ جلا کر اسے برتن سے نہیں چھپاتا نہ پلنگ کے نیچے رکھتا ہے بلکہ چراغدان پر رکھتا ہے تاکہ جو اندر آئیں ان کو روشنی دکھائی دے کیونکہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں جو ظاہر نہ کی جائے گی اور نہ چھپائی گئی ہے جو جانی نہ جائے گی اور ظہور میں نہ آئے گی" (564)

۹۔ غلط تعلیمات سے خبردار

یسوع نے فریسیوں اور صدوقیوں کی بے دینی سے ہوشیار رہنے کو کہا ان کی تعلیم سے گمراہی پھیل رہی تھی اور عوام خرابیوں میں مبتلا ہو گئے تھے اسی لئے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ (565)

خدا کی بادشاہی

خدا کل کائنات کا بادشاہ ہے وہی سب سلطنتوں کا مالک ہے یہودیوں کا ایمان تھا کہ زمین کا کل اختیار خدا اپنے چنے ہوئے لوگوں کو دے دیگا۔ نئے عہد نامہ میں خدا کی بادشاہی کا ذکر اناجیل متفقہ اور دوسری کتابوں خاص کر پولس کے خطوط اور مکاشفہ کی کتاب میں آتا ہے۔ (566)

خدا کی بادشاہی یا آسمان کی بادشاہی کا پہلا اور بنیادی مطلب کسی بادشاہ کا مرتبہ اختیار اور حکومت انجیل شریف میں اس سے زمینی سلطنت نہیں بلکہ روحانی بادشاہی مراد ہے جو لوگ دل سے خدا تعالی کی مرضی کو قبول کر کے اس کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں وہ اس کی روحانی بادشاہی کے شہری بن جاتے ہیں خدا کی بادشاہی یا آسمان کی بادشاہی کے شہری وہ لوگ ہیں جو اپنے گناہوں سے تائب ہو کر خدا کے مقرر کردہ روحانی بادشاہ حضور المسیح کے تابع فرمان ہو گئے (567)

اس کا مطلب اعلی حکومت یعنی خدا کا شاہی اختیار ہے یہ خاص طور پر مسیح کی خدمت سے ظاہر ہوتا ہے خدا کی شاہی حکومت نوع انسان میں موجود ہوتی ہے اس لئے نجات ان کو پیش کی گئی جو اپنے گناہوں کی توبہ کرتے اور یسوع مسیح پر ایمان لاتے ہیں اس لئے خداوند یسوع نے اس کی منادی خدا کی خوشخبری کے طور پر کی۔(568)

خدا کی بادشاہی کی اصطلاح میں تمام الہی برکات پنہاں ہیں خداوند یسوع نے اسے ایسا اعلی خزانہ بتایا جس کے مقابلے میں تمام

دیگر خزانے ہیچ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ وہ ان کی خاطر دکھ اٹھائیں اور اس بادشاہی کے رکن ہونے کی وجہ سے اگر جان بھی دینی پڑے تو تیار رہیں۔ (569)

متی رسول کی انجیل میں آسمان کی بادشاہی کا ذکر ہے چونکہ متی رسول اپنی انجیل یہودیوں کیلئے لکھ رہا تھا اس لئے احتراماً وہ خدا کے نام بجائے آسمان کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بادشاہی مسیح کا منادی کا مضمون بھی تھا۔ (570)

اور کئی تمثیلیں اسی کے متعلق ہیں (571)

یہ بادشاہی خداوند مسیح کی ذات اور ان کے اعمال کے طفیل معرض وجود میں آتی ہے وہ شخص جو خداوند مسیح کو اپنا خداوند قبول کرتا اور ان کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ بادشاہی میں شامل ہوتا ہے۔ (572)

ایک اور لحاظ سے یہ بادشاہی تا حال مستقبل میں ہے "اس نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بیوی یا بھائیوں یا والدین یا اولاد کو خدا کی بادشاہی کی خاطر نہ چھوڑ دیا ہو جو اس زمانے میں بہت زیادہ نہ پائے اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی (پائے گا)۔ (573)

تمثیلات اور خدا کی بادشاہی

یسوع مسیح کی متعدد تمثیلات خدا کی بادشاہی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں ان میں اس کی نوعیت 'آمد' قدر و قیمت' ترقی' تقاضوں اور دائرہ کار وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ مختلف مفسروں نے خدا کی بادشاہی کی بابت ان تمثیلوں کی تشریح اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے تابع ہو کر کی ہے مثلاً وہ ماہرین الٰہیات جو یسوع مسیح کی دعوت اور تعلیمات کو مستقبل قریب میں روز محشر کے اچانک اور غیر متوقع ظہور سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یسوع کے نزدیک خدا کی بادشاہی کی آمد ایک مافوق الفطرت واقعہ تھا جو مستقبل قریب میں اچانک اور غیر متوقع طور پر ظہور میں آئیگا۔ وہ بادشاہی سے متعلقہ تمثیلوں کی تشریح اسی نقطہ نظر سے کرتے ہیں وہ ان تمثیلوں سے بھی اپنے مطلوبہ معنی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں بظاہر رفتہ رفتہ بڑھنے یا ترقی کرنے کا تصور پایا جاتا ہے مثلاً وہ خمیر کے آہستہ آہستہ سرایت کرنے کی حقیقت کو نظر انداز کر کے اس کے اچانک پھیل جانے میں اس تمثیل کے مقصد کو ڈھونڈتے ہیں اس کے برعکس وہ علماء جو یسوع مسیح کی حیات و تعلیمات میں خدا کی بادشاہی کا ظہور اور تکمیل کے نظریہ کے حامی ہیں ان کے نزدیک بادشاہی کی تمثیلیں لامحالہ بادشاہی کے مختلف پہلوؤں کی تکمیل کی تصور پیش کرتی ہیں۔ فصل جو گذرے عہد میں بوئی گئی تھی اب پک کر تیار ہو چکی ہے۔ رائی کا دانہ جو عرصہ پہلے بویا گیا تھا اب ایک تناآور درخت بن گیا ہے۔ جس کی شاخوں میں پرندے بسیرا کرتے ہیں یہ بات با آسانی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ دونوں قسم کی انتہا پسندانہ تشریحات زیر نظر مواد کے معانی و مطالب کے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کرتی ہیں کیونکہ دونوں ہی ایک بڑی کمی یہ ہے کہ مواد کو ہر طرح کی پیچیدگیوں سے پاک فرض کر لیا گیا ہے اگر ہم بادشاہی کی تمثیلوں کے سطحی معانی پر ہی اکتفا کرنا چاہیے تو ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ جب یسوع خدا کی بادشاہت یا بادشاہی کو اپنے اقوال و افعال میں حاضر و موجود بتاتے تھے تو ساتھ ہی وہ ایک ایسے دور کا ذکر

بھی کرتے تھے جس کی مدت الوقت سے وہ لاعلم تھے۔اسی دور میں یہ بادشاہی کے ان کے پیروکاروں کی جماعت میں جوان کی عالمگیر کلیسا کے شرکا ہیں ظہور پذیر ہوئی اور انہوں نے یہ پیشن گوئی بھی کی کہ ان کی آمد ثانی سے قبل یہ بادشاہی اپنے کمال کو نہیں پہنچے گی۔دعوت کے ابتدائی مراحل میں عوام الناس کی قلیل دلچسپی لیکن انجام کار زرخیز نتائج کی متضاد توقعات کا اظہار بیج بونے والا پوشیدگی میں اگنے والا بیج اور رائی کا دانہ کی تمثیلوں میں ملتا ہے جن کا تذکرہ مرقس نے یسوع کی دعوت انجیل کے اس مرحلہ میں کیا ہے

جب وہ اپنی دعوت کا دائرہ ان لوگوں تک محدود کرلیتا جنہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا ہے اور وہ اب تمثیلوں کے ذریعے ایسے اشاروں کنایوں میں کلام کرتا ہے جن کے مطالب و معانی سے صرف وہی آشنا ہوتے ہیں جن کو خدا کی بادشاہی کا بھید گیا ہے۔اس بھید کی حقیقت بیج بونے والے کی تمثیل میں کھولی گئی ہے۔کیا تم یہ تمثیل نہیں سمجھے؟ پھر سب تمثیلوں کو کیونکر سمجھو گے یہ بادشاہت کی دعوت کے جواب میں عوام الناس کے طرح بہ طرح رد عمل کا بھید ہے۔مسیح کی بعثت اور آمد ثانی کی درمیانی مدت میں ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں سے جس طرز عمل کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کا ذکر متعدد تمثیلوں میں ملتا ہے۔بعض کو تو بادشاہی کی تمثیلوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔لیکن باقیوں کو کسی خاص ضمن میں شمار کرنا مشکل ہے۔شاگردوں کو چاہئے کہ وہ مسلسل دعا کرتے رہیں دوسروں کو معاف کریں پڑوسیو کی خدمت کریں۔لالچ کے قریب نہ پھٹکیں۔بیدار اور ہوشیار رہیں۔دیانتدار مختار بنیں اور یہ یاد رکھیں کہ ان کی آخرت کا دارومدار ان کے موجودہ رویے پر ہے۔(574)

آیئے اناجیل کے حوالوں سے اس تصور کا جائزہ لیں

خدا کی بادشاہی انسانوں کے درمیان

"جب فریسیوں نے اس سے پوچھا کہ خدا کی بادشاہی کب آئے گی تو اس نے جواب میں ان سے کہا کہ خدا کی بادشاہی نمود کے ساتھ نہیں آتے اور نہ کہا جائے گا کہ دیکھو یہاں ہے یا وہاں کیونکہ خدا کی بادشاہی تمہارے درمیان ہے" (575)

اس سے معلوم ہوتا کہ یہ ایک ایسا تصور ہے جو کسی ٹھاٹھ باٹ یا برات کی شکل میں ظاہر نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی کوئی ایسی ہئیت ہوگی کہ دیکھا جاسکے اور بتایا جاسکے کہ دیکھو یہ خدا کی بادشاہی موجود ہے بلکہ یہ انسانوں کے درمیان موجود ہے جب لوگ اس کے لئے محنت کریں گے اور طلب کی خواہش رکھیں گے تو وہ ان ہی کے درمیان سے ابھر آئے گی۔

دولت مند کا داخلہ نہیں

یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا دشوار ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہو۔(576)

آسمان کی بادشاہی کے مثالیں (مخفی خزانہ۔ موتی اور مہاجال)

آسمان کی بادشاہی اس خزانے کی مانند ہے جو کھیت میں چھپا ہوا ہے جسے کوئی آدمی پاکر چھپا دیتا ہے اور خوشی کے مارے جاکر اپنا سب کچھ بیچتااور اس کھیت کو مول لے لیتا ہے پھر آسمان کی بادشاہی اس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں ہے جب وہ ایک بیش قیمت موتی پاتا ہے تو جاکر اپنے سب کچھ بیچتااور اسے مول لیتا ہے۔ پھر آسمان کی بادشاہی اس مہاجال کی مانند ہے جو جھیل میں ڈالا جاتااور ہر طرح مچھلیاں سمیٹ لیتا ہے جب وہ بھر گیا تو اسے کھینچ کر لاتے ہیں اور کنارے پر بیٹھ کر اچھی اچھی برتنوں میں جمع کر لیتے اور جو کام کی نہ ہوں پھینک دیتے ہیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا فرشتے نکلیں گے اور راست بازوں کے درمیان بدکاروں کو جدا کریں گے اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا دانتوں کا بجنا ہوگا۔ کیا تم سب یہ سمجھ گئے ہو ؟انہوں نے اس سے کہاہاں تب اس نے ان سے کہااس لئے ہر ایک فقیہہ جو آسمان کی بادشاہی کی تعلیم پاچکا۔ گھر کے اس مالک کی مانند ہے جو اپنے خزانے سے نئی اور پرانی چیزیں نکالتا ہے۔(577)

اس عبارت میں آسمان کی بادشاہت کو عمدہ' خوبصورت اور قیمتی چیزوں سے تشبیہی دی گئی ہے تاکہ لوگ اس کی طرف آئیں اور اس کے لئے جدو جہد کریں اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے اس کا عالم ایک بہت بڑا مجتہد ہوتا ہے وہ نئی پرانی اچھی بری باتوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیتوں کا مالک ہو جاتا ہے۔

رائی کے پودے کی مثال

خدا کی بادشاہی کے مثال رائی کے دانے کی مانند ہے جس کو ایک آدمی نے لے کر اپنے باغ میں بویا وہ اگا اور بڑا پودا ہو گیا اور آسمان کے پرندوں نے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کیا۔(578)

"اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو اٹھے اور بیج اگے اور وہ جانے بھی نہ کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ زمین خود بخود پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی پھر بال میں پورے دانے اور جب پھل پک جاتا ہے تو وہ فوراًدرانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا" (579)

خمیر سے تشبیہہ

پھر اس نے کہا میں خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہہ دوں ؟وہ خمیر کی مانند ہے جیسے ایک عورت نے لے کر تین پیمانہ آٹے میں ملایا حتیٰ کہ سب خمیر ہو گیا۔ (580)

آسمانی بادشاہت کیلئے ہوشیاری اور بیداری

یسوع نے ایک مثال سنائی

"آسمان کی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوں گی جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں ان میں پانچ بے عقل

اور پانچ عقل مند تھیں۔ جو بے عقل تھیں انہوں نے مشعلیں لے لیں۔ پر تیل اپنے ساتھ نہ لیا مگر عقل مندوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپیوں میں تیل بھی لے لیا۔ جب دولہا نے دیر لگائی سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دولہا آتا ہے اس کے استقبال کو نکلو اس پر وہ سب کنواریاں اٹھ کر اپنی مشعلیں درست کرنے لگیں۔ اور بے عقلوں نے عقل مندوں سے کہا اپنے تیل میں سے ہمیں بھی دو کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ عقل مندوں نے جواب میں کہا شائد ہمارے تمہارے دونوں کیلئے کافی نہ ہوں تو بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جاؤ اور خرید لو۔ جب وہ خریدنے گئیں تو دولہا آپہنچا اور وہ جو تیار تھیں اس کے ساتھ چلی گئیں اور دروازہ بند ہو گیا۔ پھر دوسری کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند اے خداوند ہمارے لئے دروازہ کھول دے پر اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تم کو نہیں جانتا اس لئے جاگتے رہو کیونکہ تم نہ اس دن کو جانتے ہو نہ اس گھڑی کو۔"(581)

آسمان کی بادشاہت کی ایک اور مثال

آسمانی کی بادشاہی اس بادشاہ کی مانند ہے جس نے اپنے بیٹے کی شادی کی اور اپنے نوکروں کو بھیجا کے بلائے ہوؤں کو شادی میں بلائیں مگر انہوں نے نہ آنا چاہا پھر اس نے اور نوکروں کو یہ کہہ کر بھیجا کہ بلائے ہوؤں کو کہو کہ دیکھو میں نے ضیافت تیار کر لی ہے میرے بیل اور موٹے موٹے جانور ذبح ہو چکے ہیں سب کچھ تیار ہے شادی میں آؤ مگر وہ بے پروائی کر کے چل دیئے کوئی اپنے کھیت کو کوئی اپنی سوداگری کو اور باقیوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر بے عزت کیا اور مار ڈالا۔ بادشاہ غضبناک ہوا اور اس نے اپنا لشکر بھیج کر ان خونیوں کو ہلاک کر دیا اور ان کا شہر جلا دیا۔ تب اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ شادی کی ضیافت تو تیار ہے مگر بلائے ہوئے لائق نہ تھے پس راستوں کے ناکوں پر جاؤ جتنے تمہیں ملیں کیا برے کیا بھلے سب کو جمع کر لاؤ اور شادی کی محفل مہمانوں سے بھر گئی اور جب بادشاہ مہمانوں کو دیکھنے کو اندر آیا تو اس نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو شادی کے لباس میں نہ تھا اور اس نے اس سے کہا یہاں تو شادی کا لباس پہنے بغیر کیوں آیا وہ چپ رہا اس پر بادشاہ نے خادموں سے کہا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر باہر اندھیرے میں ڈال دو وہاں رونا اور دانت پیسنا ہو گا کیونکہ بلائے ہوئے بہت ہیں مگر برگزیدہ تھوڑے۔(582)

اس مثال کے آخری جملے سے یہ سبق ملتا ہے کہ راست بازی کا لباس ضروری ہے ورنہ وہ سزا پاتا ہے جیسا کہ بادشاہ نے اس شخص کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اندھیرے میں ڈال دیا جو بغیر لباس کے شادی کی تقریب میں آگیا۔

آسمان کی بادشاہت اور قرض کی معافی

آسمان کی بادشاہی اس شخص کی مانند ہے جس نے اپنے خادموں سے حساب لینا چاہا تو جب حساب لینے لگا تو اس کے سامنے دس ہزار قنطار کا قرضدار حاضر کیا گیا اور چونکہ اس کے پاس ادا کرنے کو کچھ نہ تھا اس لئے اس کے آقا نے حکم دیا کہ یہ اور اس کی بیوی اور بال بچے اور سب کچھ جو اس کا ہے بیچا جائے اور قرض وصول کیا جائے مگر اس خادم نے گر کر اس کی منت کی

اور کہا میرے بارے میں صبر کر اور میں تجھے سب ادا کر دوں گا اس خادم کے آقا نے ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا اور قرض بخش دیا۔

مگر جب وہ خادم باہر نکلا تو اس کے ہم خدمتوں میں سے ایک ملا جس پر اس کے سو دینار آتے تھے اس نے اس کو پکڑ کر اس کا گلہ گھونٹا اور کہا اپنا قرض ادا کر دے تب اس کے ہم خدمت نے گر کر اس کی منت کی اور کہا میرے بارے میں صبر کر تو میں تجھے سب ادا کر دوں گا مگر اس نے نہ مانا بلکہ جا کر اسے قید خانے میں ڈال دیا جب تک کہ قرض ادا نہ کرے۔

اس کے ہم خدمت کیسا تھ جو کچھ ہوا تھا وہ سب دیکھ کر بہت غمگین ہوئے اور آکر اپنے آقا سے تمام واردات بیان کی تب اس کے آقا نے اسے بلوایا اور اس سے کہا اے شریر خادم میں نے سارا قرض تجھے بخش دیا کیونکہ تو نے میری منت کی تو کیا لازم نہ تھا کہ جیسا میں نے تجھ پر رحم کیا تو بھی اپنے ہم خدمت پر رحم کرتا اور اس کے آقا نے غصے ہو کر اس کو جلادوں کے حوالے کیا جب تک قرض ادا نہ کر دے۔

میرا آسمانی باپ بھی تمہارے ساتھ اسی طرح کرے گا اگر تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کو دل سے معاف نہ کرے۔(583)

یوحنا کا اعلان

یوحنا اصطباغی آیا اور یہودیہ کے بیابان میں منادی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ (584)

یسوع کا اعلان

یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیوکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔(585)

مظلوموں کیلئے آسمانی بادشاہت

مبارک ہیں وہ جو راستی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیوکہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے۔ (586)

علم و عمل اور آسمان کی بادشاہی

پس جو کوئی ان چھوٹے سے سے چھوٹے (شرعی) حکموں میں سے ایک کو منسوخ کرے اور ایسا ہی لوگوں کو سکھائے وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو عمل کرے اور سکھائیگا وہی آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ (587)

شرعی احکام کو چھوڑنا ان سے گریز کرنا اور لوگوں کو ان سے دور رکھنا ناپسندیدہ عمل ہے لیکن ان احکامات پر عمل کرنا خدا کی بادشاہی ایک بلند مقام عطا کرتا ہے یسوع فرماتے ہیں نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان بادشاہی میں داخل ہوگا

مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔(588)

عاجزی وانکساری اور آسمان کی بادشاہت

شاگردوں نے یسوع کے پاس آکر پوچھا آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا کون ہے۔ اور یسوع نے ایک بچہ پاس بلا کر ان کے درمیان میں کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تم نہ پھرو اور چھوٹے بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔ پس جو کوئی اپنے آپ کو اس بچے کی مانند چھوٹا بنائے وہی آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا ہے۔(589)

آسمانی بادشاہی میں عدل واحسان

آسمانی کی بادشاہی اس مالک کی مانند ہے جو تڑکے نکلا تاکہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے اور اس نے مزدور سے ایک دینار روزانہ ٹھہرا کر ان کو اپنے تاکستان میں بھیجا پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ جو واجب ہے تم کو دوں گا پس وہ چلے گئے پھر اس نے دو پہر اور تیسرے پہر نکل کر ایسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے؟ انہوں نے اس سے کہا اس لئے کے کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا اس نے ان سے کہا تم بھی تاکستان چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دیدے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو ان کو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمیں زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ہی دینا ملا۔ جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دیکر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینا نہ ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھالے اور چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے اسی طرح آخر اول ہو جائیں اور اول آخر۔(590)

فریسیوں کا آسمان کی بادشاہی میں داخلے سے روکنا

تم پر افسوس اے فقیہو اور فریسیو اے ریاکارو کیونکہ تم آسمان کی بادشاہی لوگوں کیلئے بند کرتے ہو نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ اندر جانے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ (591)

خدا کی بادشاہی معصوموں کیلئے

لوگ چھوٹے بچوں کو اس کے پاس لائے تاکہ وہ انہیں چھوئے مگر شاگردوں نے انہیں جھڑکا یسوع یہ دیکھ کر نہ خوش ہوا اور

ان سے کہا چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو۔ انہیں منع نہ کرو کیونکہ خدا کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں جو کوئی خدا کی بادشاہی کو چھوٹے بچے کی طرح قبول نہ کرے وہ اس میں ہرگز داخل نہ ہوگا پھر اس نے انہیں اپنی گود میں لیا اور ان پر ہاتھ رکھ کر انہیں برکت دی۔(592)

خدا کی بادشاہی کے بھیدوں کی سمجھ

جب بڑی بھیڑ جمع ہوئی اور ہر شہر کے لوگ اس کے پاس چلے آتے تھے اس نے تمثیل میں کہا ایک بونے والا اپنا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ راہ کے کنارے گرا اور روندا گیا اور ہوا کے پرندوں نے اسے چگ لیا اور کچھ چٹان پر گرا اور اگ کر سوکھ گیا اس لئے اس کو تری نہ پہنچی اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے ساتھ ساتھ بڑھ کر اسے دبا لیا اور کچھ اچھی زمین میں گرا اور اگ کر سو گنا پھل لایا یہ کہہ کر اس نے پکارا جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے

اس کے شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ یہ تمثیل کیا ہے اس نے کہا تم کو خدا کی بادشاہی کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر اوروں کو تمثیلوں میں سنایا جاتا ہے تاکہ دیکھتے ہوئے نہ دیکھیں اور سنتے ہوئے نہ سمجھیں۔

وہ تمثیل یہ ہے کہ بیج خدا کا کلام ہے۔ راہ کے کنارے وہ ہیں جنہوں نے سنا پھر ابلیس آکر کلام کو ان کے دل سے چھین لے جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ ایمان لاکر نجات پائیں اور چٹان والے وہ ہیں جو سنکر کلام کو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں لیکن جڑ نہیں رکھتے مگر عرصہ تک ایمان رکھ کر آزمائش کے وقت پھر جاتے ہیں اور جو جھاڑیوں میں پڑا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سنا لیکن ہوتے ہوتے اس زندگی کے فکروں اور دولت اور عیش وعشرت میں پھنس جاتے ہیں اور انکا پھل پکتا نہیں مگر اچھی زمین کے وہ ہیں جو کلام سن کر عمدہ اور نیک دل میں سنبھالے رہتے ہیں اور صبر سے پھل لاتے ہیں۔(593)

یسوع مسیح خدا کے بھیدوں کو لوگوں کو سمجھاتے تھے وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان پر اپنے راز ظاہر کرتا اور آپ اپنے لوگوں کو انہیں سمجھاتے ہیں جیسا اس تمثیل میں بیان کیا گیا ہے۔

شاگردوں کا اعلان اور خدا کی بادشاہی کا مفہوم

اس نے ان بارہ کو بلا کر انہیں سب بدروحوں پر اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے قدرت اور اختیار بخشا اور انہیں بھیجا تاکہ خدا کی بادشاہی کی منادی کریں اور بیماروں کو شفا دیں اور اس نے ان سے کہا کہ وہ راہ کیلئے کچھ نہ لیں نہ لاٹھی نہ تھیلی نہ روٹی نہ نقدی اور دو دو کرتے بھی تمہارے پاس نہ ہوں اور جس کسی گھر میں داخل ہوں وہیں رہو اور وہیں سے روانہ ہونا اور جہاں لوگ تمہیں قبول نہ کریں اس شہر سے باہر جاکر اپنے پاؤں کے گرد جھاڑ دو تاکہ ان پر گواہی ہو اور وہ روانہ ہو کر گاؤں گاؤں جا کر ہر جگہ خوشخبری سناتے اور شفاء دیتے پھرتے۔(694)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی بادشاہی سے مراد وہ معاشرہ ہے جو یسوع مسیح کے دیئے گئے اصولوں پر قائم کیا جائے یا اس سے مراد یسوع کی نبوت کی آمد ہے اور اس کی نشانی وہ معجزات ہیں جو جناب مسیح اور ان کے شاگردوں کو عطا کئے

گئے تھے۔لوقاباب10 میں مزید بہتر شاگردوں کے ذریعے یہ اعلان درج ہے یسوع نے انہیں دو دو کر کے ہر شہر اور گاؤں میں بھیجا اور ان سے کہا کہ جا کر وہاں کے بیماروں کو شفا دو اور لوگوں کو بتاؤ کہ خدا کی بادشاہی تمہارے نزدیک آ پہنچی ہے۔ (695)

خدا کی بادشاہی کیلئے دعا

وہ ایک جگہ دعا کر رہا تھا جب کہہ چکا تو اس نے شاگردوں میں سے کسی نے اس سے کہا اے خداوند ہم کو دعا کرنا سکھا جیسا کے یوحنا نے بھی اپنے شاگردوں کو سکھایا اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو

اے باپ تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہی آئے۔(596)

خدا کی بادشاہی کو دیکھنا

فریسیوں میں سے ایک شخص نیقو دیمس نامی یہودیوں کا ایک سردار تھا وہ رات کے وقت اس کے پاس آیا اور کہا ربی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے استاد ہو کر آیا ہے کیونکہ جو نشان تو دکھاتا ہے اور کوئی دکھا نہیں سکتا۔جب تک خدا اس کے ساتھ نہ ہو یسوع نے جواب میں اس سے کہا

میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوئی از سر نو پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی دیکھ نہیں سکتا نیقو دیمس نے اس سے کہا آدمی جب بوڑھا ہو گیا تو کیونکر پیدا ہو سکتا ہی کیا دوبارہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں داخل ہو کر پیدا ہو سکتا ہے یسوع نے جواب دیا کہ میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوئی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا جو جسد سے پیدا ہوا وہ جسد ہے اور جو روح سے پیدا ہوا وہ روح ہے۔ تعجب نہ کر کہ میں نے تجھ سے کہا کہ تمہیں از سر نو پیدا ہونا ضروری ہے۔ ہوا جدھر چاہتی ہے چلتی ہے اور تو اس کی آواز سنتا ہے مگر نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتی ہے اور کہاں جاتی ہے ہر وہ جو روح سے پیدا ہوا ایسا ہی ہے نیقو دیمس نے جواب میں اس سے کہا کہ یہ باتیں کیونکر ہو سکتی ہیں ؟ یسوع نے جواب دیا اور اس سے کہا تو بنی اسرائیل کا استاد ہے اور یہ باتیں نہیں جانتا؟

(یسوع نے کہا) میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں اور جسے ہم نے دیکھا ہے اس کی گواہی دیتے ہیں اور تم ہماری گواہی قبول نہیں کرتے جب میں نے تم سے زمین کی باتیں کہیں اور تم نے یقین نہیں کیا پھر اگر میں تم سے آسمان کی باتیں کہوں تو کیونکر یقین کرو گے۔کوئی آسمان پر نہیں چڑھا سوائے اس کے جو آسمان سے اترا ہے یعنی ابن انسان جو آسمان میں ہے اور جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں بلند کیا اسی طرح ضرور ہے کہ ابن انسان بھی بلند کیا جائے تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔(597)

یہاں یہ الفاظ قابل غور ہیں "جب تک از سر نو پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی دیکھ نہیں سکتا"

دوبارہ پیدا ہونے سے مراد اپنی اصلاح، **تربیت**، تزکیہ ہو سکتے ہیں اور اپنی دنیاوی آلائشوں کو ختم کر کے نیکی کی طرف لگ

جاتا ہے۔پانی اور روح سے پیدا ہونا وہ طریقہ طہارت ہے جسے بپتسمہ کا نام دیا جاتا ہی اس سے انسان اپنے گناہ دھولیتا ہے اس طرح وہ از سر نو پیدا ہوتا ہے اس کی تائید اسی یوحنا باب ۳ آیت ۲۲۔۳۰ سے ہوتی ہے جہاں یسوع اور یوحنا کے بپتسمہ کا ذکر ہے۔

خدا کی بادشاہی تلاش کرو

اس نے اپنے شاگردوں سے کہا اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کے واسطے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور نہ بدن کیلئے کہ کیا پہنیں گے کیونکہ جان خوراک سے زیادہ قدر رکھتی ہے اور بدن پوشاک سے کووں کو دیکھو کہ وہ نہ بوتے نہ کاٹتے ہیں اور نہ ان کا کھتا ہوتا ہے نہ کوئی کوٹھی تو بھی خدا انہیں کھلاتا ہے تم تو پرندوں سے کتنی زیادہ قدر رکھتے ہو۔ تم میں سے کون ہے جو فکر کر کے اپنے قد کو ایک ہاتھ بڑھا سکے پس جب تم چھوٹی سے چھوٹی بات نہیں کر سکتے تو کس لئے باقی چیزوں کا فکر کرتے ہو سوسنوں کو دیکھو کہ کیسی بڑھتی ہیں وہ نہ محنت کرتی نہ کاتتی ہیں میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت میں ان میں سے ایک کی مانند آراستہ نہ تھا جب خدا گھاس کو جو آج میدان میں ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتی ہے ایسا آراستہ کرتا ہے تو اے کم اعتقادو کتنا زیادہ تم کو آراستہ نہ کریگا؟ اور تم اس تلاش میں نہ رہو کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے اور متذبذب نہ ہو کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں دنیا کی قومیں رہتی ہیں مگر تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم ان کے محتاج ہو بلکہ پہلے خدا کی بادشاہی کی تلاش کرو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔(598)

یہاں خدا کی بادشاہی خدا کی رضا اور خوشنودی کا نام ہے۔ دراصل یہ وہ بلند مقام ہے جو انسان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ یہ ایک عظیم کامیابی اور کامرانی ہے جس کیلئے انسان ساری عمر جدوجہد کرتا رہتا ہے جس کا حصول ہی زندگی کی منزل ہے اور یہ کن لوگوں کو ملتی ہے۔ یسوع کی زبانی سنئے

اے چھوٹے گلے نہ ڈر کیونکہ تمہارے باپ کو پسند آیا کہ بادشاہی تمہیں دے اپنا مال واسباب بیچ ڈالو اور خیرات دو اپنے لئے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایک نا ممکن لازوال خزانہ جہاں چور نزدیک نہیں جاتا اور کیڑا خراب نہیں کرتا کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔ (599)

ایمان والوں کا داخلہ

یسوع نے ایک تمثیل میں سمجھایا کہ خدا کی بادشاہی میں ایمان والے داخل ہوں گے۔ گناہ گار شخص جب ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہی تو وہ خدا کی بارگاہ میں مقبولیت اور شرف کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔

"تمہارا کیا خیال ہے ایک آدمی کے دو بیٹے تھے اس نے پہلے کے پاس جا کر کہا بیٹا جا آج تاکستان میں جا کر کام کر۔ اس نے جواب دے کر کہا میں نہیں جاؤں گا مگر پیچھے پچھتا کر گیا۔ اور دوسرے کے پاس جا کر اس نے اسی طرح کہا اس نے جواب دیا بسر و چشم جناب مگر گیا نہیں۔ ان دونوں میں سے کون اپنے باپ کی مرضی بجالایا انہوں نے کہا پہلا یسوع نے ان سے کہا میں

تم سے سچ کہتا ہوں کہ محصل اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتی ہیں کیونکہ یوحنا راستی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم نے اس کا یقین نہ کیا مگر محصلوں اور کسبیوں نے اس کا یقین کیا اور تم یہ دیکھ کر بعد میں بھی نہ پچھتائے کہ تم اس کا یقین کر لیتے" (600)

بد دیانتوں سے خدا کی بادشاہی کا چھن جانا

یسوع کی ایک اور تمثیل سے ظاہر ہوتا ہے خدا کی بادشاہی ایک بہت بڑا دنیاوی منصب ہے جو گناہ گاروں اور بد دیانت لوگوں سے چھین لیا جاتا ہے نیک اور اہل لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے اس وقت فریسیوں میں اخلاقی خرابیاں عام تھیں اس لئے اس منصب اور نبوت کا حق ان سے چھن جانا تھا اور اس کا رخ اس کے اہل لوگوں کی طرف مڑ جانے کی پیشن گوئی کی گئی۔ یہاں یسوع کی زبانی اعلان کرلیا جارہا ہے کہ خدا کی بادشاہی اور نبوت بنی اسرائیل کی ناقدری کی وجہ سے سے ان سے ختم ہونے والی ہے اور اسی امت میں نبی آخری الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوں گے۔

"ایک اور تمثیل سنو ایک مالک مکان تھا جس نے تاکستان لگایا اور اس کے چوگرد احاطہ گھیرا اور اس میں کولھو گاڑا اور برج بنایا اور اسے اجارہ داروں کو اجارہ پرے کر کسی اور ملک کو چلا گیا اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو اجارہ داروں کے پاس بھیجا کہ اس کا پھل لیں مگر اجارہ داروں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر پیٹا اور کسی کو مار ڈالا اور کسی کو سنگسار کر دیا پھر اس نے اپنے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے بہت زیادہ تھے انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ سوچ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کی تو عزت کریں گے لیکن اجارہ داروں نے بیٹے کو دیکھ کر آپس میں کہا وارث یہی ہے آؤ اسے قتل کر دیں اور اس کی میراث لے لیں اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا پس جب تاکستان کا مالک آئیگا تو ان اجارہ داروں کیساتھ کیا کرے گا انہوں نے اس سے کہا وہ ان بروں کو بری طرح سے ہلاک کر دے گا اور تاکستان کا اجارہ اور اجارہ داروں کو دے دیگا جو اسے موسم پر پھل ادا کریں گے یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جو پتھر معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا ہے اور ہماری نگاہوں میں تعجب انگیز ہے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو دی جائے گی جو اس کے پھل ادا کرے اور جو اس پتھر پر گرے گا اسے پیس ڈالے گا اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئی کہ وہ ہمارے ہی حق میں کہتا ہے اور انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر عوام سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی مانتے تھے۔(601)

اصول طہارت

پاکیزگی پارسائی ابتدا سے ہے خدا تک رسائی کیلئے ضروری ہے کہ انسان رسمی اور اخلاقی طور پر پاک ہو۔ خدا نے یہ بات بنی اسرائیل پر ظاہر کر دی تھی کہ وہ ایک پاک خدا ہے اور اپنے لوگوں میں کوئی ناپاکی دیکھنا نہیں چاہتا۔(602)
لیکن پاکیزگی جسمانی صفائی سے زیادہ اہم تھی پاک ہونے سے یہ مراد تھی کہ انسان اپنے اندر سے وہ سب چیزیں نکال دے جو اس کی خدا کی پرستش میں رکاوٹ بنتی ہیں کسی شخص کی پاکیزگی کا انحصار اس بات پر تھا کہ کیا اس نے ان سب رسمی اور مذہبی ہدایات پر عمل کیا ہے جو پاک کلام میں پاکیزگی کیلئے دی گئی ہیں۔(603)
یسوع مسیح اپنی تعلیم میں رسمی پاکیزگی کی بجائے اخلاقی پاکیزگی پر زور دیا۔(604)
انہوں نے سب سے زیادہ ہدف تنقید ان شخصیتوں کو بنایا جو ظاہری اور رسمی طہارت کو اخلاقی اور روحانی پاکیزگی پر ترجیح دیتے تھے مسیح کے نزدیک اہم چیز رسمی ناپاکی نہیں بلکہ اخلاقی ناپاکی تھی نئے عہد نامہ کے مختلف حوالوں کے مطالعہ ہمارے سامنے یہودیوں کے پاکیزگی کے دستوروں کی ایک واضح تصویر ابھرتی ہے مثلاً مرقس ۷ : ۳ ہاتھ دھونے کے متعلق کافی معلومات ملتی ہیں طہارت کا سب سے عام عمل کھانے پر برکت مانگنے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا تھا اور دوران طعام بھی مختلف قسم کے کھانوں سے پہلے ہاتھ دھونا ہوتا تھا اس کے علاوہ بزرگوں کے روایت کے مطابق ہاتھوں کو ایک خاص طریقہ سے دھویا جاتا تھا۔ مذکورہ آیت (مرقس ۷ : ۳) میں اس طریقے کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔ یاد رہے کہ یوحنا ۲ : ۶ کے چھ مٹکے جن میں دو دو تین تین من پانی کی گنجائش تھی وہ طہارت کیلئے استعمال ہوتے تھے شادی میں اتنے لوگوں کے بار بار ہاتھ دھونے کے لئے یہ مقدار زیادہ نہ تھی جس وقت یسوع مسیح نے ان مٹکوں کو بھرنے کو کہا تب کافی پانی استعمال ہو چکا ہوگا۔
یہودیوں اور یوحنا کے شاگردوں کے درمیان طہارت کی بابت بحث اس بات کی گواہی ہے کہ یہ ایک بحث طلب معاملہ تھا۔ (605)
مرقس (606) میں غسل اور برتنوں کو دھونے کا بیان ہے پروٹسٹ ترجمہ میں بازار سے واپسی پر غسل کرنے کے دستور کا ذکر ہے کیتھولک ترجمہ یہاں ایک اور پہلو پر روشنی ڈالتا ہے "اور بازار کی چیزیں نہیں کھاتے جب تک ان پر پانی نہ چھڑکیں" عید فسح کے سلسلہ میں طہارت کی ہدایات بڑی کڑی تھیں ان کی طرف یوحنا میں اشارہ ملتا ہے (607)
کوڑھی کو شفا پانے پر اپنے تئیں کاہن کو دکھانا ہوتا تھا اور اپنے پاک صاف ہو جانے پر موسیٰ کی مقرر کردہ نذر گزارنی ہوتی تھی۔(608)
اب ذرا یسوع کی تعلیم طہارت پر نظر ڈالتے ہیں۔

یسوع مسیح کی تعلیم طہارت

مسیح نے اپنی تعلیم فقیہہ اور فریسیوں کی تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے دی متی ۲۳ : ۲۵ مابعد میں انہوں نے رسمی احکام کو اس

لئے رد کیا کیونکہ یہ محض ظاہری تھی۔ فریسیوں کی تعلیم اس غلط مفروضہ پر مبنی تھی کہ ناپاکی باہر سے انسان میں داخل ہو کر اسے ناپاک کرتی ہے۔ (609)

جب کہ یہ حقیقت اس کے الٹ ہے جو چیزیں آدمی میں سے نکلتی ہیں وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔(610)

کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے برے خیال نکلتے ہیں۔ حرام کاروبار چوریاں خونریزیاں زناکاریاں لالچ وغیرہ (611)۔

مسیح نے فریسیوں کے ہاتھ دھونے پر زور کو دل کی صفائی میں تبدیل کیا جیسا کہ چھٹی مبارکبادی میں درج ہے

"مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔(612)

یسوع مسیح نے اپنی زندگی سے طہارت کے اصلی اصولوں کو عملی جامہ پہنایا انہوں نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرایا۔ (613)

انہوں نے محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔(614)

انہوں نے اس سے نفرت نہیں کی بلکہ ان کو شفا دی۔(615)

انہوں نے سامریوں سے کنارہ کشی نہیں کی۔(616)

بلکہ غیر قوم لوگوں سے بھی ملنا جلنا بند نہیں کیا۔ (617)

لیکن اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ انہوں نے توریت کی طہارت کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ (618)

بلکہ رسمی شرع کی صحیح تشریح کر کے فریسیوں کے غلط نظریہ کو سیدھا کر کے پاؤں پر کھڑا کر دیا اور دل اور کردار کی پاکیزگی پر زور دیا انہوں نے ان اصولوں کی نشاندہی کی جو ان کے پس منظر میں ہیں۔

اناجیل اربعہ کے اصول طہارت کا تفصیلی جائزہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ہے

پاک اشیاء کی حرمت

پاک چیزوں کو ناپاک اور پلید اشیاء سے دور رکھا جائے یسوع نے فرمایا "پاک چیز کتوں کو مت دو"(619)

عطر کو پسند کرنا

یسوع بیت عنیا میں شمعون کوڑھی کے گھر میں تھے تو ایک عورت سنگ مرمر کے عطر دان میں قیمتی عطر لے کر اس کے پاس آئی جب وہ کھانا کھانے بیٹھا تو اس کے سر پر ڈالا۔ شاگرد اس عورت پر ناراض ہوئے کہ اتنا قیمتی عطر یوں ہی بہا دیا اس پر یسوع نے کہا اس عورت کو کچھ نہ کہو اس نے نیک کام کیا ہے اور اس کا نام انجیل میں چلتا رہے گا(620)

یسوع عطر کو پسند کرتے تھے آپ نے اس عورت کی تعریف کی جس نے آپ پر عطر انڈیلا تھا یہ آپ کی پاکیزگی کی علامت ہے اسطرح آپ نے خوشبو اور پاکیزہ اشیاء کے استعمال کو پسند کیا ہے۔

پاک اور ناپاکی کا اصول

ایک بار یسوع نے ہجوم سے کہا کہ جو چیز منہ میں جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ جو منہ سے نکلتی وہی انسان کو ناپاک کرتی ہے اس پر پطرس نے کہا یہ تمثیل ہمیں سمجھا دے تو یسوع نے کہا جو کچھ منہ میں جاتا ہے وہ پیٹ میں پڑتا اور جائے ضرور میں پھینکا جاتا ہے لیکن جو باتیں منہ سے نکلتی ہیں وہ منہ سے نکلتی ہیں اور وہی انسان کو ناپاک کرتی ہیں کیونکہ برے ارادے منہ سے نکلتے ہیں یعنی خونریزیاں۔ زناکاریاں۔ حرام کاریاں۔ چوریاں۔ جھوٹی گواہیاں۔ کفر گوئیاں یہی باتیں ہیں جو انسان کو ناپاک کرتی ہیں مگر بغیر ہاتھ دھوئے کھانا انسان کو ناپاک نہیں کرتا۔(621)

دراصل یہاں یسوع اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں جو فریسیوں نے کئے کہ آپ کے شاگرد روٹی کھاتے ہیں وقت ہاتھ نہیں دھوتے تو آپ نے فرمایا اصل پاکیزگی اور صفائی دل اور ارادوں کی ہے یہ رسمی ہاتھوں کو دھونا اس دنیاوی زندگی میں ہے اصل میں تمہیں اپنے خیالات اور نیتوں کو ٹھیک رکھنا چاہئے۔ اسی سے برائیاں اور اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور انسان کے تمام اعمال کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ قتل۔ زنا۔ چوری اعتقاد کی خرابیاں سب دل کی خرابی اور ذہن کی خرابیوں سے سرزد ہوتی ہیں تم ان کی اصلاح کرو اگر تم نے اپنا معاشرہ ان خرابیوں سے پاک کر لیا تو ہاتھ بھی دھلنے لگے گے تم محض ہاتھ دھونے پر زور دیتے ہو اور ذہنی خرابیوں کی پرورش نہیں کرتے۔

ختنہ یوحنا

لوقا میں یوحنا کے ختنہ کا ذکر ہے

"اب الیصابات (والدہ یوحنا) کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا اور اس کے بیٹا ہوا اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سن کر خداوند نے اس پر بڑی رحمت کی اس کے ساتھ خوشی منائی اور وہ آٹھویں دن بچے کا ختنہ کرنے آئے اور اس کے باپ نے نام پر اس کا نام زکریاہ رکھنے لگے مگر اس کی ماں بول اٹھی اور کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا ہے۔(622)

غسل بڑی طہارت ہے

عید فصح سے پہلے یسوع کو اندازہ ہو گیا کہ میری رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے تو یسوع نے شاگردوں کے پاؤں دھوئے ان شاگردوں میں ایک شاگرد شمعون پطرس بھی تھا۔ یسوع نے اس کے پاس پاؤں دھوئے تو وہ بچنے لگا۔ یسوع کی تاکید پر اس نے پاؤں دھلوائے اس کے بعد پر پطرس کہنے لگا میرے صرف پاؤں ہی نہیں بلکہ ہاتھ اور سر بھی دھو۔ یسوع نے کہا جو نہا چکا ہو اسے دھونے کی ضرورت نہیں بلکہ سراسر پاک ہے۔(623)

نہانا ایک بڑا طہارت ہے ہاتھ پاؤں غسل میں دھل جایا کرتے ہیں۔ اگر آدمی نہا لے تو جسم کے دیگر اعضاء اسی میں ساتھ آ جاتے ہیں اسی لئے اعضاء کے دھونے سے غسل ایک بڑا فعل ہے جب آدمی نہا لیتا ہے تو ہاتھ پاؤں کو دھونے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ اس کے ساتھ ہی دھل جاتے ہیں۔ یہاں یسوع کے فرمان سے غسل کی اہمیت کا پتہ بھی چلتا ہے اور اس

واقعہ میں ضمنی طور پر نہانے کی ترغیب دلائی گئی ہے یسوع نے اشارتاً غسل کو اپنانے کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ بھی ایک پاکیزگی اور طہارت کا طریقہ ہے۔

باطنی صفائی

یسوع کی تعلیمات میں باطنی صفائی پر زور دیا گیا ہی جبکہ فریسی ظاہری صفائی کے قائل تھے

"اور جب وہ بات کر رہا تھا تو کسی فریسی نے اس کی دعوت کی کہ میرے ہاں چاشت کرنا پس وہ اندر جا کر کھانا کھانے بیٹھا فریسی نے یہ دیکھ کر تعجب کیا کہ اس نے چاشت سے پہلو وضو نہیں کیا اس پر خداوند نے اس سے کہا تم فریسی پیالے اور رکابی کو باہر سے صاف کرتے ہو مگر تمہارا اندر لوٹ اور برائی سے بھرا ہے۔ اے نادانو جس نے باہر کو بنایا کیا اس نے اندر کو نہیں بنایا پس جو اندر ہے اسے خیرات کرو اور دیکھو تمہارے لئے سب کچھ پاک ہو گا۔(624)

اصول حکمت

یسوع کے کچھ اصول حکمت بھی اناجیل میں موجود ہیں ان میں عقل مندی اور دانائی کی باتیں پائی جاتی ہیں ان پر عمل کرنے سے کامیاب زندگی بسر کی جاسکتی ہے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے

۱۔ اندھا اندھے کو راستہ نہیں دکھا سکتا

اگر اندھا اندھے کی راہنمائی کرے تو گڑھے میں گریں گے۔(625)

۲۔ حیثیت کے مطابق مقام

پاک چیز کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں پامال کریں اور پلٹ کر تمہیں پھاڑیں۔ (626)

۳۔ غلطی کی وجہ معلوم کرو

اس نے اپنے شاگردوں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ ٹھوکریں نہ لگیں لیکن اس پر افسوس ہے جس کے باعث لگیں اس لئے کہ بہتر ہوتا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں ڈالا جاتا اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا یہ بہ نسبت اس کے وہ ان چھوٹوں میں ایک کے لئے ٹھوکر کا باعث ہے۔(627)

۴۔ نیک لوگوں کی مہمانی

یسوع نے فرمایا"جس شہر یا گاؤں میں داخل ہو دریافت کرنا کہ وہاں کون لائق ہے اور جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو ان ہی کے پاس رہنا۔"(628)

۵۔ احترام شاگرد

یسوع نے فرمایا" شاگرا اپنے استاد سے بڑا نہیں ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد کی مانند ہو گا۔"(629)

۶۔ چوکنے اور بیدار رہو

جناب مسیح ہوشیار اور بیدار رہنے کا حکم دیا

"کمر بستہ رہو اور اپنے چراغ روشن رکھو۔ اگر گھر کا مالک جانتا کہ چور کس گھڑی آئے گا تو وہ جاگتا رہتا اور اپنے گھر میں نقب لگنے نہ دیتا پس تم بھی تیار رہو۔ "(630)

۷۔ ناقابل اصلاح کے ساتھ سلوک

یسوع نے شاگردوں کو ہدایت دی" جو کوئی تمہیں قبول نہ کرے اور تمہاری بات نہ سنے تو اس گھر یا اس شہر سے نکلتے ہی اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ لو " (631)

۸۔ نبی کی اپنی گھر اور وطن میں عزت نہیں

نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔(632)

۹۔ غلامی ایک آقا کی

یسوع کا فرمان ہے "کوئی آدمی دو مالکوں کی غلامی نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ ایک سے کینہ رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو حقیر جانے گا تم خدا اور دولت دونوں کی غلامی نہیں کر سکتے"(633)

۱۰۔ پریشان نہ ہو

یسوع نے فرمایا

"کل کے دن کیلئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنی فکر آپ ہی کرے گا۔ آج کا دکھ آج ہی کیلئے بہت ہے"(634)

۱۱۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

جس پیمانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے بھی ناپا جائے گا۔(635)

۱۲۔ عادت نہیں بدل سکتی

"اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور ردی درخت برا پھل لاتا ہے اچھا درخت برا پھل نہیں لا سکتا نہ ردی درخت اچھا پھل لا سکتا ہے۔"(636)

یہ وہ اصول حکمت ہیں جو انا جیل میں پائے جاتے ہیں ان پر عمل کر کے معاشرے میں عزت واحترام پیدا کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خیر اللہ "قاموس الکتاب" مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۹۴ء ص ۱۱۶۲

۲۔ یوحنا اصطباغی اپ یسوع کے پیش رو تھے آپ کے والد عبادت خانے کے کاہن اور خدمت گزار تھے۔
حضرت زکریا کو یوحنا کی پیدائش کے متعلق پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی ہے اور ان کے ہاں بیٹا ہو گا۔ یوحنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے جنوبی یہودیہ کے کوہستانی علاقے میں پیدا ہوئے آپ پانی سے لوگوں کو بپتسمہ دیتے تھے اسی لئے آپ کو یوحنا اصطباغی کہا جاتا ہے انجیل یوحنا میں کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح نے بھی آپ سے بپتسمہ لیا (یوحنا ۱:۲۹) آپ کی موت ہیرودیس بادشاہ کی کی وجہ سے ہوئی اس نے ہیرودیاس نامی عورت اور غیر منکوحہ رکھی ہوئی تھی اپ نے اسے اس فعل سے روکا۔ اس نے آپ کو قتل کرا دیا۔

ہیرودیس:۔ یہودیوں کا بادشاہ تھا۔ یہ یہودیہ کا فوجی سردار تھا۔ ہیرودیس نے بڑی محنت سے اس علاقے میں امن وامان قائم کیا اور قیصر کی پالیسی کو فروغ دیا۔ ہیرودیس کی شکی طبیعت بیت لحم کے معصوم بچوں کے قتل (متی باب ۲) سے ظاہر ہے۔ ہیرودیس نے اپنی سلطنت اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کی۔ جلیل کا علاقہ اپنے بیٹے۔ انتپاس ہیرودیس کے نام کر دیا ۔اسی شخص نے یوحنا اصطباغی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ ہیرودیس کا نامور بیٹا کہلاتا ہے۔ (خیر اللہ قاموس ص ۱۰۹۰)

ہیرودیاس:۔ ہیرودیس اعظم کی بدکار پوتی اس کی شادی اس کے ماموں فلپس سے ہوئی۔ فلپس کے بھائی ہیرودیس انتپاس نے اسے خوبصورتی کی وجہ سے اپنے پاس رکھ لیا۔ یوحنا نے بادشاہ کے اس فعل پر ملامت کی اسی وجہ سے یوحنا اصطباغی کو قتل کرایا گیا۔ (قاموس ص ۱۰۸۹)

۲۔ لوقا ۱ : ۵ ۔ ۲۵

۳۔ متی ۱۱ : ۳۶ ۔ ۴۴

۴۔ لوقا ۱ : ۵۷

۵۔ متی ۱ : ۱۸ ۔ ۲۵

۶۔ لوقا ۱ : ۲۶ ۔ ۲۸

۷۔ خیر اللہ قاموس الکتاب ص۱۶۶

۸۔ ایضاً

قیصر۔ یہ رومی حاکم کا لقب ہے۔ مسیح کی پیدائش سے پہلے قیصر اوغطس نامی حکمران تھا۔ تیرئیس قیصر ۱۴ سے ۳۷ تک کا حاکم تھا (لوقا ۳:۱)

قیصر کلودئیس ۴۱۔ ۵۴ عیسوی تک تھا (اعمال ۱۱:۲۸)

قیصر نیرو کا نام نئے عہد نامے میں نہیں آیا (قاموس الکتاب ص۷۶۱)

۹۔ متی ۲ : ۱ ۔ ۵

۱۰۔ لوقا ۲ : ۸ ۔ ۲۵

۱۱۔ لوقا ۲ : ۲۱

۱۲۔ لوقا ۱۲ : ۲۲ ۔ ۳۹

۱۳۔ متی ۲ : ۱۳ ۔ ۱۵

۱۴۔ متی ۲ : ۱۶ ۔ ۱۷

۱۵۔ خیر اللہ "قاموس الکتاب" ص ۹۹۴

۱۶۔ متی ۲ : ۱۹ ۔ ۲۳

۱۷۔ مرقس ۱ : ۴ ۔ ۸

متی ۳ : ۱۱ ۔ ۱۲

لوقا ۳ : ۱۵ ۔ ۲۵

یوحنا ۱ : ۱۹ ۔ ۳۴

۱۸۔ یوحنا ۱ : ۱۵ ۔ ۱۶

۱۹۔ لوقا ۷ : ۲۷

متی ۱۱ : ۱۰

۲۰۔ لوقا ۲ : ۴۱ ۔ ۵۲

عید فصح (فسح)۔ ان واقعات کی رسم یادگار جو یہودیوں کے مصر سے نکلتے وقت پیش آئے تھے چونکہ اس دن خمیری روٹی کھائی جاتی تھی اس لئے اسے عید فطیر بھی کہتے ہیں۔ یہودیوں کی طرح مسیحی حضرات بھی اسے مذکورہ واقعہ کی یادگار سمجھتے تھے۔ ان دن یہود برہ بھیڑ یا بکری کی قربانی بھی دیتے تھے۔ اب مسیحیوں نے عشائے ربانی کو عید فصح کی جگہ دیدی ہے کیونکہ ان کے خیال میں اس کا یہی مقصد تھا (خیر اللہ قاموس الکتاب ص ۷۰۲)

۲۱۔ لوقا ۴ : ۱ ۔ ۱۳

متی ۴ : ۱ ۔ ۱۱

مرقس ۱ : ۱۲ ۔ ۱۳

۲۲۔ مرقس ۱ : ۱۴ ۔ ۲۵

متی ۴ و ۱۲ ۔ ۲۲

جلیل (گلیل)۔ پرانے عہد نامہ کے زمانہ میں وہ علاقہ جو فلسطین کے شمال میں دریا یردن کے مغرب میں واقع تھا یہ اشکار ۔ زبولون۔ نفتالی اور آشر کے قبیلوں میں تقسیم کیا گیا تھا اس کا ذکر پرانے عہد نامہ ان حوالوں میں ہے۔

یسوع ۲۰:۷۔ سلاطین ۹:۱۱۔ یسعیاہ ۹۔۱ تواریخ ۶:۷۶

یسوع مسیح کے زمانے میں رومیوں نے فلسطین کو چار صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ جلیل یا گلیل ان میں سے ایک تھا۔ اس پر ہیرودیس انتپاس ۴ق م سے ۳۹ عیسوی تک حاکم رہا۔

یہ ایک زرخیز علاقہ تھا۔ علاوہ ازیں مصر اور سوریہ کی اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ اسی وجہ سے یہاں مختلف قوموں کے لوگ آباد تھے۔ مسیح کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی جگہ گزرا اسی لئے انہیں جلیلی بھی کہا جاتا ہے۔

جلیل میں میٹھے پانی کی ایک جھیل بھی تھی جو دریا یردن کے ساتھ تھی (قاموس الکتاب ص ۸۳۶)

۲۳۔	متی	۳	:	۱۳	۔	۱۷		
	لوقا	۳	:	۲۱	۔	۲۲		
	مرقس	۱	:	۹	۔	۱۰		
۲۴	لوقا	۳	:	۱۹۔	۲۰			
۲۵	متی	۱۱	:	۲	۔	۶		
	لوقا	۷	:	۱۸	۔	۲۲		
۲۶۔	متی	۱۴	:	۱	۔	۱۲		
	مرقس	۶	:	۱۴	۔	۲۹		
۲۷۔	مرقس	۶	:	۱	۔	۴		
	متی	۱۳	:	۵۳	۔	۵۸		
۲۸۔	مرقس	۹	:	۳۵	۔	۳۸		
	مرقس	۳	:	۷	۔	۲۱		
	یوحنا	۱	:	۳۵	۔	۵۱		
۲۹	لوقا	۱۰	:	۱	۔	۳		
۳۰۔	یشوع	۲۰	:	۷	۱۲	:	۲۸	
	سلاطین	۹	:	۱۱				
	تواریخ	۶	:	۷۶				
		۹۵	:	۱				
۳۱۔	خیر اللہ قاموس الکتاب	ص	۸۳۶					
۳۲۔	متی	۲۶	:	۶۹				

۳۳۔ متی ۱۴ : ۱۳ ۔ ۲۳

۳۴۔ لوقا ۴ : ۱۴

۳۵۔ خیراللہ قاموس ص۱۱۴۱

۳۶۔ مرقس ۲ :۱۴

۳۷۔ متی ۸ : ۵ ۔ ۱۳

۳۸۔ متی ۸ : ۵ ۔ ۱۳

مرقس ۲ : ۱ ۔ ۱۳

۳۹۔ متی ۱۱ : ۲۳ ۔ ۲۴

لوقا ۱۰ : ۱۵

۴۰۔ خیراللہ قاموس ص۷۹۶

۴۱۔ مرقس ۱ : ۲۱ ۔ ۲۸

لوقا ۴ : ۳۱ ۔ ۴۱

۴۲۔ لوقا ۴ : ۴۰ ۔ ۴۳

۴۳۔ متی ۱۴ : ۱۳ ۔ ۲۳

۴۴۔ یوحنا ۶ : ۱۵

۴۵۔ یوحنا ۶ : ۱۵

۴۶۔ یوحنا ۶ : ۲۶ ۔ ۲۷

۴۷۔ متی ۱۵ : ۲۱

۴۸۔ متی ۱۵ : ۲۹ ۔ ۳۹

۴۹۔ متی ۱۶ : ۱۳ ۔ ۱۹

۵۰۔ لوقا ۱۲ : ۱۰

۵۱۔ لوقا ۱۲ : ۳۲

۵۲۔ متی ۱۰ : ۵ ۔ ۱۰

۵۳۔ متی ۸ : ۲۳ ۔ ۲۷

مرقس ۴ : ۳۵

۵۴۔ متی ۱۷ : ۱ ۔ ۹

مرقس ۹ : ۱ - ۸

۵۵۔ یوحنا ۱۱ : ۴۷ - ۵۷

لوقا ۱۱ : ۴۵ - ۵۴

۵۶۔ فاروقی عمادالحسن "دنیا کے بڑے مذاہب" اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۸۷

۵۷۔ مرقس ۱۱ : ۱ - ۱۱

لوقا ۱۹ : ۲۸ - ۴۰

بیت عنیاہ۔ عبرانی زبان میں اس کے معنی کچی کھجوروں یا انجیروں کی جگہ کے ہیں۔ اس کا مکمل محل وقوع معلوم نہیں مگر یہ دریائے یردن کے مشرقی کنارے پر تھا اس مقام پر یوحنا بپتسمہ دیا کرتے تھے (قاموس ۱۶۵)

بیت فجے (گلے)۔ عبرانی میں اس کے معنی کچے انجیروں کی جگہ۔ یروشلم کے مشرق اور یریحو کے راستے کوہ زیتون پر ایک گاؤں تھا یہ بیت عنیاہ کے قریب تھا (قاموس ۱۶۵)

ہوشعنا۔ عبرانی لفظ معنی ہمیں نجات دے یہ دعا ہے جو عہد نامہ عتیق زبور ۱۱۸: ۲۵ میں آئی ہے م

۵۸۔ متی ۲۱ : ۱۲ - ۱۷

مرقس ۱۱ : ۱۵ - ۱۹

لوقا ۱۹ : ۴۵ - ۴۸

۵۹۔ لوقا ۲۳ : ۱ - ۱۵

لوقا ۱۹ : ۴۵ - ۴۸

۶۰۔ لوقا ۲۱ : ۲۰ - ۲۴

متی ۲۴ : ۱۵ - ۲۶

مرقس ۱۳ : ۱۴ - ۳۳

۶۱۔ مرقس ۲۴ : ۳ - ۱۴

لوقا ۲۰ : ۹ - ۱۹

مرقس ۱۲ : ۶ - ۱۳

۶۲۔ یوحنا ۱۳ : ۱ - ۱۷

۶۳۔ متی ۲۶ : ۲۵ - ۲۹

مرقس ۱۴ : ۱۵ - ۲۵

لوقا ۲۲ : ۱۴ - ۲۳

یوحنا ۱۳ : ۳۱ ۔ ۳۵

۶۴۔ متی ۲۶ : ۱۷ ۔ ۲۹

مرقس ۱۴ : ۱۲ ۔ ۲۵

لوقا ۲۲ : ۷ ۔ ۲۳

۶۵۔ یوحنا ۱۷ : ۱۳ ۔ ۱۹

۶۶۔ یوحنا ۱۲ : ۲۷ ۔ ۳۳

۶۷۔ یوحنا ۱۲ : ۳۷

۶۸۔ ۲۵ : ۳۱ ۔ ۳۴

۶۹۔ مصنف ایک شاگرد سیرت المسیح مترجم وکلف اے سنگھ مینار کتب فیروز روڈ لاہور ۱۹۹۱ص۲۳۰

۷۰۔ متی ۲۶ : ۱ ۔ ۳

۷۱۔ متی ۲۶ : ۳ ۔ ۵

۷۲۔ متی ۲۶ : ۶ ۔ ۱۳

۷۳۔ یوحنا ۱۲ : ۴ ۔ ۶

۷۴۔ لوقا ۲۲ : ۲ ۔ ۶

۷۵۔ متی ۲۶ : ۱۴ ۔ ۱۶

مرقس ۱۴ : ۱۰ ۔ ۱۱

لوقا ۲۲ : ۳ ۔ ۵

۷۶۔ ایک شاگرد سیرت المسیح مترجم وکلف اے سنگھ ص ۲۳۴۔۲۳۵

۷۷۔ متی ۲۶ : ۱۷

۷۸۔ متی ۲۶ : ۱۷ ۔ ۲۹

مرقس ۳ : ۱۲ ۔ ۱۶

۷۹۔ ایک شاگرد سیرت المسیح مترجم وکلف ص۲۳۶

۸۰۔ متی ۲۶ : ۲۶ ۔ ۲۹

مرقس ۱۴ : ۲۲ ۔ ۲۵

لوقا ۲۲ : ۱۴ ۔ ۲۰

۸۱۔ ایک شاگرد سیرت المسیح ص ۲۳۷

۱۰۲۔	متی	۲۶ : ۵۷	
۱۰۳۔	متی	۲۶ : ۵۹	
۱۰۴۔	یوحنا	۱۸ : ۱۹	۔ ۲۳
۱۰۵۔	متی	۲۶ : ۶۱	۔ ۶۳
۱۰۶۔	متی	۲۶ : ۶۲	۔ ۶۴
۱۰۷۔	متی	۲۶ : ۶۵	۔ ۶۸
	لوقا	۲۰ : ۶۳	۔ ۷۱
۱۰۸۔	متی	۲۷ : ۱	۔ ۲
۱۰۹۔	متی	۲۷ : ۱۱	۔ ۱۲
	لوقا	۲۳ : ۱	۔ ۱۲
	مرقس	۱۵ : ۱	۔ ۳
	یوحنا	۱۸ : ۳۳	۔ ۳۵

پیلاطس۔ یہ ۲۵ عیسوی تک یہودیہ کا گورنر تھا۔ قیصر نے ۲۵ء میں اسے یہودیہ کا پانچواں حاکم مقرر کیا تھا۔

۱۱۰۔	لوقا	۲۳ : ۱۲	۔ ۱۴
	یوحنا	۱۸ : ۳۸	
۱۱۱۔	متی	۲۷ : ۱۵	۔ ۱۹
۱۱۲۔	لوقا	۲۳ : ۱۹	
۱۱۳۔	متی	۲۷ : ۲۲	۔ ۲۳
۱۱۴۔	متی	۲۷ : ۲۴	۔ ۲۸
۱۱۵۔	متی	۲۷ : ۲۴	۔ ۲۸
	یوحنا	۱۹ : ۱	۔ ۳
۱۱۶۔	یوحنا	۱۹ : ۳	
۱۱۷۔	یوحنا	۱۹ : ۴	۔ ۱۶
۱۱۸۔	یوحنا	۱۹ : ۱۷	
۱۱۹۔	متی	۲۷ : ۳۲	
	لوقا	۱۳ : ۳۶	

۱۲۰۔	لوقا	۲۳	:	۲۷	- ۳۳
۱۲۱۔	متی	۲۷	:	۳۴	
	مرقس	۱۰	:	۲۳	
۱۲۲۔	یوحنا	۱۹	:	۱۹	- ۲۴
	متی	۲۷	:	۳۵	
۱۲۳۔	متی	۲۷	:	۳۹	- ۴۴
	مرقس	۱۵	:	۲۹	- ۳۱
۱۲۴۔	لوقا	۲۳	:	۳۵	- ۴۳
۱۲۵۔	متی	۲۵	:	۴۵	- ۵۶
	مرقس	۱۵	:	۳۳	- ۴۱
۱۲۶۔	یوحنا	۱۹	:	۲۵	- ۳۰
	لوقا	۲۳	:	۴۴	- ۴۹
۱۲۷۔	یوحنا	۱۹	:	۳۱	- ۳۷
۱۲۸۔	لوقا	۲۳	:	۱۵	
۱۲۹۔	یوحنا	۱۹	:	۳۱	
۱۳۰۔	یوحنا	۱۹	:	۳۸	- ۴۳

نیکدیمس۔ایک معزز فریسی یہودیوں کا سردار۔وہ رات کے وقت یسوع مسیح سے ملنے گیا(یوحنا ۱۴:۲) اس نے یسوع کو ربی یعنی اسے استاد کہہ کر مخاطب کیا وہ یسوع کی عزت کر تا تھا۔اس نے یسوع کے مقدمے پر دبے الفاظوں میں احتجاج بھی کیا۔یسوع کی موت پر میت پر ملنے کیلئے خوشبودار مصالحے لایا(قاموس ص ۱۰۵۶)

۱۳۱۔	لوقا	۲۳	:	۵۲	- ۵۳
۱۳۲۔	لوقا	۲۳	:	۵۴	- ۵۶
۱۳۳۔	مرقس	۱۵	:	۲۶	- ۴۷
	متی	۲۷	:	۶۱	- ۶۲
۱۳۴۔	یوحنا	۱۹	:	۴۱	- ۴۲
۱۳۵۔	متی	۲۷	:	۶۲	- ۶۶
۱۳۶۔	متی	۱۶	:	۱	- ۱۰

مرقس ۱۶ : ۱ ۔ ۸

لوقا ۲۴ : ۱ ۔ ۱۳

۱۳۷۔ یوحنا ۲۰ : ۱ ۔ ۱۰

۱۳۸۔ یوحنا ۲۸ : ۱۱ ۔ ۱۵

۱۳۸۔ متی ۲۸ : ۱۱ ۔ ۱۵

۱۳۹۔ یوحنا ۲۰ : ۱۱ ۔ ۱۸

مریم۔ مریم نامی کئی خواتین کاذکر نئے عہدنامے میں آیا ہے۔

۱۔ ایک یسوع مسیح کی والدہ مریم ہیں۔

۲۔ دوسری مریم بیت عنیاہ کی تھی یہ لعزر کی بہن تھی۔اس خاتون نے یسوع مسیح کے سر اور پاؤں پر قیمتی عطر ملا (یوحنا۱۲: ۱۳)

۳۔ ایک اور مریم کلوپاس کی بیوی تھی وہ مسیح کے صلیب کے وقت ان کے ساتھ کھڑی تھی۔(مرقس ۱۵: ۴۷)
ان کی میت پر خوشبو ملنے قبر پر گئی(مرقس ۱۶: ۱)
مسیح کو قبر میں نہ پاکر خوف سے بھاگی(مرقس ۱۶: ۸)

۴۔ مریم مجدلی(مگدلینی) مجدلہ یا مگدلہ۔

جلیل کی جھیل کے جنوب مغربی کنارہ پر تھا۔یہ اس جگہ کی تھی مسیح نے اس میں سے سات بد روحیں نکالیں اس لئے وہ آپؑ کی عقیدت مند ہو گئی(لوقا ۸ : ۲)
مسیح کے جی اٹھنے کا اس کو سب سے پہلے معلوم ہوا(متی ۲۸: ۱۔۸) وہ مسیح کے جنازے کے ساتھ رہی(متی ۲۷: ۶۵)
مزید دیکھئے قاموس ص ۹۰۶

۱۴۰ لوقا ۲۴ : ۱۳ ۔ ۳۵

کلیپاس ان دو آدمیوں میں سے ایک جو یروشلم کے اماؤس کو جا رہے تھے۔ خداوند یسوع ان کے ساتھ ہوئے لیکن انہوں نے انہیں راستہ میں نہ پہچانا۔ گھر میں روٹی توڑتے وقت یسوع کو پہچان لیا۔(لوقا ۲۷: ۱۸) مزید دیکھئے قاموس ص ۸۰۳

۱۴۱۔ متی ۱۰ : ۳

یوحنا ۱۱ : ۱۶

۱۴۲۔ یوحنا ۲۰ : ۲۴ ۔ ۲۹

۱۴۳۔ مرقس ۱۶ : ۴۱

۱۴۴۔ متی ۲۸ : ۱۶ ۔ ۲۰

مرقس ۱۶ : ۱۵ - ۱۸

۱۴۵۔ یوحنا ۲۱ : ۱ - ۷

۱۴۶۔ یوحنا ۲۱ : ۸ - ۱۴

۱۴۷۔ مرقس ۱۶ : ۱۹ - ۲۰

لوقا ۲۴ : ۵۰ - ۵۲

۱۴۸۔ مرقس ۱۶ : ۱۹ - ۲۵

یوحنا ۲۱ : ۱ - ۱۴

۱۴۹۔ خیر اللہ قاموس الکتاب ص ۱۱۹۳

۱۵۰۔ یوحنا ۵ : ۱۹

۱۵۱۔ متی ۹ : ۱۸ - ۲۶

مرقس ۵ : ۲۱ - ۴۳

لوقا ۸ : ۴۰ - ۵۶

۱۵۲۔ لوقا ۷ : ۱۱ - ۱۵

۱۵۳۔ یوحنا ۱۱ : ۱ - ۵۷

۱۵۴۔ یوحنا ۱۴ : ۲۴ - ۵۴

۱۵۵۔ متی ۲۰ : ۲۹ - ۳۴

۱۵۶۔ مرقس ۱۰ : ۴۴ - ۵۲

لوقا ۱۸ : ۳۵ - ۴۳

۱۵۷۔ مرقس ۸ : ۲۲ - ۲۴

۱۵۸۔ متی ۹ : ۲۷ - ۳۱

۱۵۹۔ یوحنا ۹ : ۱ - ۷

سلوام۔ قدیم یروشلم شہر کے جنوب شرقی کونے میں اب بھی ایک حوض ہے۔

۱۶۰۔ متی ۸ : ۱ - ۴

مرقس ۱ : ۴۰ - ۴۵

۱۶۱۔ لوقا ۱۷ : ۱۱ - ۱۴

۱۶۲۔	متی	۹	:	۱	۔	۸
	مرقس	۲	:	۱	۔	۱۲
	لوقا	۵	:	۱۷	۔	۲۶
۱۶۳۔	متی	۸	:	۵	۔	۱۳
	لوقا	۷	:	۱	۔	۱۰
۱۶۴۔	متی	۹	:	۳۲	۔	۳۴
۱۶۵۔	متی	۱۲	:	۲۲	۔	۲۸
	لوقا	۱۱	:	۱۴	۔	۲۰
۱۶۶۔	یوحنا	۵	:	۱	۔	۹
۱۶۷۔	لوقا	۱۴	:	۱	۔	۶
۱۶۸۔	متی	۱۷	:	۱۴	۔	۱۸
۱۶۹۔	مرقس	۹	:	۱۳	۔	۲۸
	لوقا	۹	:	۳۷	۔	۴۳
۱۷۰۔	مرقس	۹	:	۱۶	۔	۱۷
۱۷۱۔	متی	۱۵	:	۲۹	۔	۳۱
۱۷۲۔	متی	۸	:	۱۴	۔	۱۶
	مرقس	۱	:	۲۹	۔	۳۴
	لوقا	۴	:	۳۸	۔	۴۱
۱۷۳۔	لوقا	۱۳	:	۱۰	۔	۱۷
۱۷۴۔	متی	۸	:	۲۸	۔	۳۴
	لوقا	۸	:	۲۴	۔	۳۹
۱۷۵۔	متی	۴	:	۲۳	۔	۲۷
۱۷۶۔	مرقس	۱	:	۲۴	۔	۳۰
۱۷۷۔	مرقس	۷	:	۳۰	۔	۳
۱۷۸۔	متی	۱۴	:	۱۳	۔	۲۱
	لوقا	۹	:	۱۰	۔	۱۷

مرقس ۴ : ۳۰ ۔ ۴۷

یوحنا ۶ : ۱ ۔ ۱۵

۱۷۹۔ متی ۱۵ : ۳۲ ۔ ۳۹

۱۸۰۔ مرقس ۸ : ۱ ۔ ۱۰

لوقا ۵ : ۱ ۔ ۱۱

۱۸۱۔ متی ۱۴ : ۲۲ ۔ ۳۳

مرقس ۶ : ۴۵ ۔ ۵۲

یوحنا ۶ : ۱۶ ۔ ۲۱

۱۸۲۔ متی ۱۶ : ۱۹ ۔ ۲۱

۱۸۳۔ متی ۲۱ : ۱۸ ۔ ۲۲

مرقس ۱ : ۱۲ ۔ ۱۵

۱۸۴۔ متی ۲۱ : ۲۸ ۔ ۳۲

۱۸۵۔ لوقا ۱۷ : ۵ ۔ ۶

۱۸۶۔ یوحنا ۵ : ۲۴

۱۸۷۔ متی ۸ : ۱۳

۱۸۸۔ مرقس ۵ : ۲۵ ۔ ۳۷

۱۸۹۔ مرقس ۱۰ : ۵۲

۱۹۰۔ متی ۶ : ۲۲ ۔ ۲۳

۱۹۱۔ متی ۴ : ۸ ۔ ۱۰

لوقا ۵ : ۸

۱۹۲۔ لوقا ۱۸ : ۱۹

۱۹۳۔ مرقس ۱۲ : ۲۸ ۔ ۳۱

متی ۲۲ : ۳۴ ۔ ۳۸

۱۹۴۔ متی ۲۳ : ۸ ۔ ۱۱

۱۹۵۔ متی ۶ : ۲۴

۱۹۶۔ یوحنا ۱۷ : ۳

۱۹۷۔	یوحنا	۱۲	:	۴۴		
۱۹۸۔	متی	۱۰	:	۳۳	۔	۳۲
	لوقا	۱۲	:	۸	۔	۹
۱۹۹۔	یوحنا	۱۵	:	۲۲		
۲۰۰۔	یوحنا	۱۴	:	۱۵		
۲۰۱۔	متی	۱۰	:	۴۰	۔	۴۲
۲۰۲۔	یوحنا	۷	:	۱۴	۔	۱۷
۲۰۳۔	متی	۱۰	:	۳۷	۔	۳۹
	لوقا	۱۴	:	۲۵		
	مرقس	۸	:	۳۲	۔	۳۸
۲۰۴۔	یوحنا	۱۷	:	۲۵	۔	۲۶
۲۰۵۔	متی	۷	:	۲۴	۔	۲۹
۲۰۶۔	یوحنا	۶	:	۳۵		
۲۰۷۔	متی	۱۳	:	۵۷		
۲۰۸۔	مرقس	۵	:	۴	۔	۵
	یوحنا	۴	:	۴۳		
۲۰۹۔	متی	۷	:	۱۵	۔	۲۰
۲۱۰۔	متی	۲۴	:	۱۱	۔	۱۲
۲۱۱۔	مرقس	۱۳	:	۲۲	۔	۲۳
۲۱۲۔	متی	۱۵	:	۲۵		
۲۱۳۔	یوحنا	۳	:	۱	۔	۳
۲۱۴۔	یوحنا	۸	:	۱۲	۔	۱۸
۲۱۵۔	لوقا	۱۹	:	۵۱	۔	۵۶
۲۱۶۔	یوحنا	۱۷	:	۱۱	۔	۱۳
۲۱۷۔	متی	۵	:	۱۷		
۲۱۸۔	لوقا	۲۹	:	۳۰		

۲۱۹۔ متی ۱۱ : ۲۵ ۔ ۲۶
لوقا ۱۰ : ۲۱

۲۲۰۔ لوقا ۹ : ۵۷ ۔ ۵۸
متی ۸ : ۱۸ ۔ ۲۱

۲۲۱۔ لوقا ۱۰ : ۳۸ ۔ ۴۲

۲۲۲۔ یوحنا ۱۷ : ۳۰

۲۲۳۔ یوحنا ۱۴ : ۶۰

۲۲۴۔ یوحنا ۱۶ : ۱۲ ۔ ۱۴

۲۲۵۔ متی ۲۱ : ۳۳ ۔ ۴۶

۲۲۶۔ ندوی سلیمان سید سیرت النبیؐ ج ۵ ص ۵۹۸

۲۲۷۔ یوحنا ۱۱ : ۲۳ ۔ ۲۷

۲۲۸۔ متی ۲۲ : ۳۱ ۔ ۳۲
لوقا ۲۷ : ۳۸
مرقس ۱۲ : ۱۸ ۔ ۲۵ ۔ ۲۷

۲۲۹۔ یوحنا ۵ : ۲۸ ۔ ۲۹
یوحنا ۲۰ : ۹

۲۳۰۔ مرقس ۱۳ : ۲۴ ۔ ۲۶
لوقا ۲۰ : ۲۵ ۔ ۲۷

۲۳۱۔ لوقا ۱۷ : ۲۵ ۔ ۳۰

۲۳۲۔ متی ۲۵ : ۳۱ ۔ ۴۶

۲۳۳۔ لوقا ۱۶ : ۱۹ ۔ ۳۱

۲۳۴۔ قطب سید "مشاهد القیامة فی القرآن" اردو ترجمہ محمد نصر اللہ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور طبع دھم ۱۹۷۵ء ص ۵۹

۲۳۵۔ متی ۱۶ : ۲۷ ۔ ۲۸

۲۳۶۔ متی ۱۹ : ۲۳ ۔ ۲۴

۲۳۷۔ متی ۱۹ : ۲۸ ۔ ۲۹

۲۳۸۔ متی ۱۲ : ۳۶

۲۳۹۔ متی ۱۶ : ۱۸ ـ ۱۹

۲۴۰۔ متی ۲۶ : ۲۹

۲۴۱۔ متی ۱۸ : ۹۸

۲۴۲۔ مرقس ۱۹ : ۴۳ ـ ۴۴

۲۴۳۔ پیٹر میں "تثلیث فی التوحید" وکلف اے سنگھ اردو ٹیکسٹ بک کمپنی گوجرانوالہ ۱۹۹۲ء ص ۹۰

۲۴۵۔ Ency. Brit ."Trinity" 15th Edition 11/928 (1986)

۲۴۶۔ C.J.H. "Trinity" Ency. Brit. 14th Edition (1946) 22:479

۲۴۷۔ عبدالماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی۔ تاج کمپنی لاہور ص ۲۳۳

۲۴۸۔ حقانی محمد عبدالحق تفسیر "فتح المنان" نور محمد کارخانہ تجارت کراچی سن ندارد ج ۱ ص ۱۱۸

۲۴۹۔ حشمت اللہ "دیباچہ اثبات تثلیث فی التوحید"۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۸۴ء ص ۲

۲۵۰۔ عبدالحق پادری "اثبات تثلیث فی التوحید پنجاب" ریلجس بک سوسائٹی لاہور ۱۹۸۴ ص ۱۷

۲۵۱۔ قاسم محمد وسید "اسلامی انسائیکلوپیڈیا" شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی سن ندارد ص ۲۷۴

۲۵۲۔ کیرانوی رحمت اللہ "اظہار الحق" ج ۱ ص ۳۸۰ ـ ۳۸۱

۲۵۳۔ آگسٹائن سینٹ "On the Trinily" بحوالہ کیرانوی "اظہار الحق" ج ۱ ص ۳۸۵

۲۵۴۔ لوئیس برک ہاف "مسیحی علم الٰہی کی تعلیم" مترجم ڈاکٹر براؤن جے ڈی مسیحی اشاعت خانہ
لاہور ۱۹۹۱ ص ۱۲۸

۲۵۵۔ S.T Thomas Aquinas "Basic writing of st. thomas
Aquinas Ediited by A.C pegis
بحوالہ کیرانوی اظہار الحق ج ۱ ص ۳۹۰

۲۵۶۔ Ency. of Religion and Ethics 3:585 بحوالہ اظہار الحق ج ۱ ص ۳۹۱

۲۵۷۔ "Aquinas the Sunna theologeca" بحوالہ اردو ترجمہ اظہار الحق مترجم اکبر علی
ج ۱ ص ۴۷

۲۵۸۔ بحوالہ اکبر علی بائبل سے قرآن تک ج ۱ ص ۴۷

۲۵۹۔ لوئیس برک ہاف "مسیحی علم الٰہی کی تعلیم" اردو ترجمہ وکلف سنگھ ص ۱۳۲

۲۶۰۔ Augustine "The city of god" بحوالہ اظہار الحق ج ۱ ص ۴۸

۲۶۱۔ متی ۳ : ۱۶

۲۶۲۔ لوئیس برک ہاف حوالہ مذکورہ ص۱۳۶

۲۶۳۔ متی ۱ : ۱۶ ۔ ۱۷

۲۶۴۔ C.J.S Article Trinily Ency Brit 1946 22:480

۲۶۵۔ خیر اللہ "قاموس" ص۲۳۳

۲۶۶۔ لوئیس برک ہاف حوالہ مذکور ص۱۲۸

۲۶۷۔ خیر اللہ قاموس ص۲۳۴

۲۶۸۔ ایضاً

۲۶۹۔ پیٹرے "تثلیث فی التوحید" مترجم وکلف سنگھ اردو ٹیکسٹ بک کمیٹی گوجرانوالہ ص۱۶

۲۷۰۔ ایضاً ص۳۷

۲۷۱۔ متی ۲۸ : ۱۹

۲۷۲۔ متی ۳ : ۱۶ ۔ ۱۷

۲۷۳۔ ۲۔ کرنتھیوں ۱۳ : ۱۴

۲۷۴۔ ا۔ کرنتھیوں ۱۲ : ۴ ۔ ۲

۲۷۵۔ افیسوں ۴ : ۴ ۔ ۲

۲۷۶۔ پیٹرے تثلیث فی التوحید ص۳۷

۲۷۷۔ گلتیوں ۴ : ۴ ۔ ۲

۲۷۸۔ اعمال ۲ : ۳۲

۲۷۹۔ ططیس ۳ : ۶

۲۸۰۔ مرقس ۱۴ : ۲۶

۲۸۱۔ متی ۲۷ : ۲۶

۲۸۲۔ مرقس ۱۵ : ۳۴

۲۸۳۔ پیٹرے تثلیث فی التوحید ص۸۴

۲۸۴۔ ایضاً ص ۸۶

۲۸۵۔ ایضاً ص۸۷

۲۸۶۔ خیر اللہ قاموس ص ۶۵۲

۲۸۷۔ یہ متن چرچ اف پاکستان کی دعائے عام کی کتاب میں موجود ہے جو خیر اللہ صاحب نے قاموس الکتاب صفحہ ۶۵۲ پر درج کیا ہے ۔ مزید دیکھئے پیٹرے تثلیث فی التوحید ص۹۱۔۹۴

۲۸۸۔ یوسف جلبی "مسیحیت" ص۱۱۵

۲۸۹۔ یوسف جلبی "مسیحیت" ص۱۱۶

۲۹۰۔ A.C MEG Article "Church History" Ency Brit
Edition 1946 Volume 5 Page 673-677

۲۹۱۔ یوسف جلبی "مسیحیت" ص ۱۲۰۔۱۲۲

۱۹۲۔ ایضاً ص ۱۲۴

۲۹۳۔ ایضاً ص ۱۲۵

۲۹۴۔ ایضاً ص ۱۲۶

۲۹۵۔ ابن البطریق تاریخ بحوالہ یوسف جلبی مسیحیت ص ۱۲۷

۲۹۶۔ بحوالہ ایضاً ص ۱۲۸

۲۹۷۔ ایضاً ص ۱۲۳۔۱۴۰

۲۹۸۔	ایوب	۳۸	:	۷		
۲۹۹۔	ہوسیع	۱۱	:	۱		
۳۰۰۔	متی	۲	:	۱۵		
۳۰۱۔	یوحنا	۱۰	:	۳۴	۔	۳۶
۳۰۲۔	متی	۱۰	:	۲۵	۔	۲۷
۳۰۳۔	اعمال	۹	:	۲۰		
۳۰۴۔	متی	۳	:	۱۷		
۳۰۵۔	یوحنا	۱	:	۱۸		

۳۰۶۔ خیر اللہ قاموس الکتاب ص۳۶۰

۳۰۷۔	متی	۱۷	:	۵		
۳۰۸۔	یوحنا	۱۰	:	۳۶		
۳۰۹۔	لوقا	۱۱	:	۳۴	۔	۳۶
۳۰۱۔	یوحنا	۲۰	:	۳۰	۔	۳۱

۳۱۱۔ مرقس ۱۵ : ۳۷ ۔ ۳۹

۳۱۲۔ یوحنا ۳ : ۱۴ ۔ ۱۶

۳۱۳۔ خیراللہ قاموس ص ۲۳۴۔۲۳۵

۳۱۴۔ ایضاً

۳۱۵۔ یوحنا ۱ : ۱ ۔ ۳

۳۱۶۔ یوحنا ۱ : ۴

۳۱۷۔ اعمال ۷ : ۵۹

۳۱۸۔ اعمال ۲ : ۳۸

۳۱۹۔ اعمال ۳ : ۱۴

۳۲۰۔ اعمال ۵ : ۳۱

۳۲۱۔ خیراللہ قاموس ص ۲۳۵

۳۲۲۔ لوقا ۲ : ۴۹

۳۲۳۔ مرقس ۱ : ۱۱

۳۲۴۔ مرقس ۱۴ : ۶۲

۳۲۵۔ لوقا ۲۲ : ۷

۳۲۶۔ کرنتھیوں ۴ : ۴

۳۲۷۔ کرنتھیوں ۸ : ۹

۳۲۸۔ گلیتوں ۲ : ۹

۳۲۹۔ خیراللہ "قاموس الکتاب" ص ۲۳۶۔۲۳۷

۳۳۰۔ ایضاً ص ۲۳۱

۳۳۱۔ صدیقی محمد مظہر الدین "اسلام اور مذاہب عالم" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۲۱۔۱۲۴

۳۳۲۔ خروج باب ۴، ۲۲

۳۳۳۔ استثنا ۱۴ : ۱

۳۳۴۔ زبور ۲۸ : ۵

۳۳۵۔ سموئیل ۲ باب ۷ : ۱۳ ۔ ۲۳

۳۳۶۔ تواریخ باب ۲۲ : ۹ ۔ ۱۵

۳۳۷۔ متی ۵ : ۹

۳۳۸۔ متی ۵ : ۴۴ ۔ ۴۵

۳۳۹۔ متی ۲۳ : ۹

۳۴۰۔ لوقا ۳ : ۳۸

۳۴۱۔ رومیوں ۸ : ۳۴

۳۴۲۔ یوحنا ۱۷ : ۵۳

۳۴۳۔ متی ۵ : ۲۴ ۔ ۴۵

۳۴۴۔ متی ۵ : ۹

۳۴۵۔ مرقس ۱۰ : ۱۸

۳۴۶۔ مرقس ۱۰ : ۳۴

۳۴۷۔ یوحنا ۸ : ۳۹ ۔ ۴۰

۳۴۸۔ مرقس ۱۵ : ۲۴

۳۴۹۔ مرقس ۹ : ۳۷

۳۵۰۔ یوحنا ۱۵ : ۱۰

۳۵۱۔ متی ۱۰ : ۴۰

۳۵۲۔ یوحنا ۲۱ : ۴۹

۳۵۳۔ لوقا ۵ : ۱۶

۳۵۴۔ لوقا ۲۲ : ۴۴

۳۵۵۔ متی ۲۸ : ۳۸

۳۵۶۔ کرنتھیوں ۶ : ۱۸

۳۵۷۔ یوحنا ۵ : ۳۰

۳۵۸۔ مرقس ۶ : ۵

۳۵۹۔ لوقا ۲۳ : ۸ ۔ ۹

۳۶۰۔ ا۔سلاطین ۸ : ۳۹

۳۶۱۔ متی ۱۶ : ۱۹

۳۶۲۔ متی ۲۱ : ۱۸ ۔ ۱۹

۳۶۳۔ لوقا ۸ : ۴۴ ۔ ۴۵

۳۶۴۔ متی ۱۶ : ۲۴

۳۶۵۔ خیر اللہ قاموس ص ۷۹۰

۳۶۶۔ ایضاً ۱۹۱

۳۶۷۔ Ency. Brit. Article "ATONEMENT" (1986) 1:680

۳۶۸۔ تقی عثمانی مقدمہ بائبل سے قرآن تک ج ۱ ص ۷۲

۳۶۹۔ ایضاً ص ۷۹

۳۷۰۔ رومیوں ۸ : ۳۲

۳۷۱۔ کلپیر رابرٹ ایچ "تفسیر الکفارہ" مترجم وکلف اے سنگھ مسیحی اشاعت خانہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۔۷

۳۷۲۔ رومیوں ۵ : ۸

۳۷۳۔ رومیوں ۸ : ۳۲

۳۷۴۔ رومیوں ۳ : ۳۵

۳۷۵۔ یوحنا ۴ : ۹ ۔ ۱۰

۳۷۶۔ یوحنا ۳ : ۱۶

۳۷۷۔ گلیتوں ۱ : ۴

۳۷۸۔ رومیوں ۴ : ۲۵

۳۷۹۔ پطرس ۳ : ۱

۳۸۰۔ کرنتھیوں ۱۵ : ۳

۳۸۱۔ کلپیر رابرٹ "تفسیر الکفارہ" ص ۵۵۔۶۰

۳۸۲۔ ایضاً ص ۶۱

۳۸۳۔ مرقس ۱۴ : ۲۲

۳۸۴۔ رومیوں ۳ : ۳۵

۳۸۵۔ یوحنا ۴ : ۱۰

۳۸۶۔ کلپیر رابرٹ "تفسیر الکفارہ" ص ۱۱۸۔۱۲۰

۳۸۷۔ مرقس ۱۴ : ۲۴

۳۸۸۔ مرقس ۱۴ : ۲۴

۳۸۹۔ رومیوں ۵ : ۱۸ ۔ ۱۹

۳۹۰۔ کلپیر رابرٹ "تفسیر الکفارہ" ص ۸۰

۳۹۱۔ ایضاً ص ۸۸ : ۹۳

۳۹۲۔ ایضاً ص ۹۴

۳۹۳۔ ایضاً ۹۵ : ۹۷

۳۹۴۔ ایضاً ص ۱۰۲ : ۱۰۴

۳۹۵۔ بحوالہ ایضاً ص ۱۰۵

۳۹۶۔ ایضاً ص

۳۹۷۔ L.W.G Article "Atonement" Ency. Brit. 2:653 (1946)

۳۹۸۔ افیسوں ۲ : ۸ ۔ ۹

۳۹۹۔ رومیوں ۳ : ۲۸

۴۰۰۔ Bucks Theological Dictionary

بحوالہ دلبر حسین "اسلام اور مذاہب عالم" یونائیٹڈ پبلشر کراچی سن ندارد ص ۹۵۔۹۸

۴۰۱۔ بحوالہ ایضاً ۱۴۹

۴۰۲۔ متی ۶ : ۷ ۔ ۱۵

۴۰۳۔ لوقا ۱۱ : ۱ ۔ ۴

۴۰۴۔ لوقا ۱۸ : ۹ ۔ ۱۴

۴۰۵۔ لوقا ۱۸ : ۱ ۔ ۸

۴۰۶۔ متی ۲۶ : ۴۱

۴۰۷۔ مرقس ۱۳ : ۳۳

۴۰۸۔ متی ۱۸ : ۱۹ ۔ ۲۰

۴۰۹۔ متی ۶ : ۵ ۔ ۶

۴۱۰۔ متی ۶ : ۱

۴۱۱۔ متی ۲۳ : ۱۴

	لوقا	۲۰	:	۴۷		
۴۱۲۔	مرقس	۱۲	:	۴۰		
۴۱۳۔	لوقا	۱۱	:	۳۹	۔	۴۱
۴۱۴۔	متی	۶	:	۱۶	۔	۱۸
۴۱۵۔	متی	۹	:	۱۴	۔	۱۷
۴۱۶۔	لوقا	۵	:	۳۳	۔	۳۹
۴۱۷۔	متی	۹	:	۱۵	۔	۱۶
	لوقا	۱۸	:	۱۲		
۴۱۸۔	لوقا	۱۸	:	۹	۔	۴۱
۴۱۹۔	متی	۱۲	:	۱	۔	۱۲
۴۲۰۔	لوقا	۶	:	۱	۔	۵
۴۲۱۔	یوحنا	۵	:	۱	۔	۹
۴۲۲۔	مرقس	۳	:	۱	۔	۶
۴۲۳۔	یوحنا	۲	:	۱۳	۔	۱۶
	لوقا	۱۹	:	۴۵	۔	۴۸
	متی	۲۱	:	۱۲	۔	۵۱
۴۲۴۔	مرقس	۱۱	:	۱۵	۔	۱۹
۴۲۵۔	یوحنا	۴	:	۲۱		
۴۲۶۔	متی	۶	:	۲۴		
۴۲۷۔	متی	۷	:	۲۱	۔	۲۳
۴۲۸۔	متی	۱۲	:	۱	۔	۳
۴۲۹۔	خیر اللہ قاموس الکتب ص ۶۲۴					
۴۳۰۔	متی	۱۴	:	۱۵		
۴۳۱۔	متی	۵	:	۳۸	۔	۴۱
۴۳۲۔	متی	۱۸	:	۲۱	۔	۲۲
۴۳۳۔	متی	۵	:	۴۳	۔	۴۸

۴۳۴۔ متی ۴ : ۱۷

۴۳۵۔ لوقا ۱۱ : ۴

۴۳۶۔ لوقا ۱۷ : ۴

۴۳۷۔ لوقا ۱۵ : ۴ ۔ ۷

۴۳۸۔ لوقا ۱۸ : ۹ ۔ ۱۷

۴۳۹۔ متی ۲۱ : ۲۸ ۔ ۳۲

۴۴۰۔ متی ۶ : ۳۴

۴۴۱۔ لوقا ۱۲ : ۲۲ ۔ ۳۱

متی ۶ : ۲۵ ۔ ۲۶

۴۴۲۔ متی ۱۰ : ۹ ۔ ۱۰

لوقا ۹ : ۳

۴۴۳۔ لوقا ۱۸ : ۲۰

۴۴۴۔ متی ۵ : ۲۷ ۔ ۲۸

۴۴۵۔ یوحنا ۸ : ۱ ۔ ۱۱

۴۴۶۔ متی ۲۳ : ۱۲

۴۴۷۔ متی ۲۳ : ۱۱

۴۴۸۔ متی ۱۸ : ۴

۴۴۹۔ لوقا ۱۴ : ۱۱

۴۵۰۔ متی ۷ : ۱ ۔ ۳

۴۵۱۔ متی ۵ : ۴ ۔ ۱۲

۴۵۲۔ لوقا ۶ : ۲۱ ۔ ۲۶

۴۵۳۔ لوقا ۶ : ۲۷ ۔ ۲۹

۴۵۴۔ لوقا ۶ : ۲۹ ۔ ۳۴

۴۵۵۔ لوقا ۶ : ۳۵ ۔ ۳۶

۴۵۶۔ یوحنا ۱۳ : ۳۴ ۔ ۳۵

۴۵۷۔ متی ۵ : ۲۲

۴۵۸۔	متی	۵	: ۲۲	
۴۵۹۔	متی	۷	: ۳	۔ ۵
۴۶۰۔	متی	۵	: ۲۷	۔ ۳۰
۴۶۱۔	مرقس	۹	: ۴۲	۔ ۴۶
۴۶۲۔	متی	۲۳	: ۴	۔ ۷
۴۶۳۔	متی	۶	: ۱	۔ ۴
۴۶۴۔	متی	۲۳	: ۲۴	۔ ۲۵
۴۶۵۔	لوقا	۱۱	: ۳۹	
۴۶۶۔	متی	۱۸	: ۱۹	۔ ۲۰
۴۶۷۔	مرقس	۱۰	: ۱۷	۔ ۲۰
۴۶۸۔	لوقا	۱۴	: ۱۰	۔ ۱۲
۴۶۹۔	متی	۱۹	: ۲۹	۔ ۳۰
۴۷۰۔	متی	۱۲	: ۳۴	: ۳۵
	لوقا	۶	: ۴۵	
۴۷۱۔	متی	۱۲	: ۳۶	۔ ۳۷
۴۷۲۔	لوقا	۱۸	: ۱	۔ ۸
۴۷۳۔	متی	۱۰	: ۲۸	
۴۷۴۔	لوقا	۱۲	: ۴	۔ ۵
۴۷۵۔	لوقا	۴	: ۴۳	۔ ۴۵
	متی	۱۲	: ۳۴	۔ ۳۵
۴۷۶۔	متی	۶	: ۲۰	۔ ۲۱
۴۷۷۔	متی	۲۳	: ۳	
۴۷۸۔	متی	۲۳	: ۴	
۴۷۹۔	لوقا	۱۱	: ۲۸	
۴۸۰۔	متی	۷	: ۲۴	۔ ۲۸
۴۸۱۔	متی	۱۲	: ۴۶	۔ ۵۰

	مرقس	۳	:	۳۱	۔	۳۵
۴۸۲۔	متی	۱۵	:	۴		
۴۸۳۔	مرقس	۱۳	:	۱۲		
	متی	۱۹	:	۱۳	۔	۱۵
۴۸۴۔	متی	۱۹	:	۹		
	مرقس	۱۰	:	۱۰	۔	۱۲
	لوقا	۱۶	:	۱۸		
۴۸۵۔	متی	۱۹	:	۱۰		
۴۸۶۔	متی	۱۰	:	۱۱	۔	۱۲
۴۸۷۔	متی	۱۹	:	۶		
۴۸۸۔	مرقس	۱۰	:	۹		
۴۸۹۔	متی	۲۲	:	۳۸	۔	۳۹
۴۹۰۔	متی	۵	:	۲۴		
۴۹۱۔	متی	۱۲	:	۲۵		
	مرقس	۳	:	۲۴	۔	۲۵
۴۹۲۔	متی	۱۴	:	۷	۔	۱۱
۴۹۳۔	متی	۶	:	۷	۔	۱۱
	لوقا	۱۱	:	۹	۔	۱۲
۴۹۴۔	یوحنا	۴	:	۳۶		
۴۹۵۔	یوحنا	۱۲	:	۲۴	۔	۲۵
۴۹۶۔	مرقس	۱۰	:	۱۷	۔	۲۱
۴۹۷۔	متی	۶	:	۲	۔	۴
۴۹۸۔	متی	۶	:	۱۹		
۴۹۹۔	متی	۶	:	۲۴		
۵۰۰۔	متی	۶	:	۲۵	۔	۲۶
۵۰۱۔	متی	۲۲	:	۱۵		

	مرقس	۱۲	:	۱۳	۔	۱۷
۵۰۲۔	لوقا	۱۲	:	۱۵	۔	۲۱
۵۰۳۔	متی	۹۱	:	۲۳	۔	۲۷
۵۰۴۔	متی	۱۹	:	۲۱		
۵۰۵۔	لوقا	۱۱	:	۳		
۵۰۶۔	متی	۶	:	۳۱	۔	۳۳
۵۰۷۔	لوقا	۱۹	:	۱۱		
	متی	۲۵	:	۱۴	۔	۳۰
۵۰۸۔	متی	۲۱	:	۲۱	۔	۱۳
	مرقس	۱۱	:	۱۵	۔	۱۶
	لوقا	۱۹	:	۴۵	۔	۴۶
۵۰۹۔	یوحنا	۲	:	۱۳	۔	۱۷
۵۱۰۔	متی	۵	:	۴		
۵۱۱۔	متی	۶	:	۲۴		
۵۱۲۔	متی	۷	:	۱۵	۔	۱۹
۵۱۳۔	متی	۱۲	:	۳۵		
	لوقا	۶	:	۴۵		
۵۱۴۔	متی	۱۲	:	۲۵		
	مرقس	۳	:	۲۵		
	لوقا	۱۱	:	۱۸		
۵۱۵۔	متی	۱۳	:	۲۴	۔	۳۰
۵۱۶۔	متی	۱۴	:	۳	۔	۱۲
	مرقس	۶	:	۱۷	۔	۱۹
۵۱۷۔	متی	۱۸	:	۲۳	۔	۳۵
۵۱۸۔	متی	۲۰	:	۲۵	۔	۲۸
	مرقس	۱۰	:	۴۳	۔	۴۵

۵۱۹۔ متی ۲۲ : ۱۵ ۔ ۲۲
مرقس ۱۲ : ۱۲ ۔ ۱۷
۵۲۰۔ لوقا ۲۰ : ۲۲ ۔ ۲۶
لوقا ۱۱ : ۲۱ ۔ ۲۲
۵۲۱۔ لوقا ۱۸ : ۲ ۔ ۶۰
۵۲۲۔ لوقا ۱۳ : ۲۲ ۔ ۲۳
۵۲۳۔ یوحنا ۱۷ : ۴
۵۲۴۔ یوحنا ۱۷ : ۶ ۔ ۸
۵۲۵۔ لوقا ۱۹ : ۴۷ ۔ ۴۸
۵۲۶۔ متی ۲۳ : ۳
۵۲۷۔ متی ۲۳ : ۴
۵۲۸۔ لوقا ۱۱ : ۲۸
۵۲۹۔ لوقا ۶ : ۴۶ ۔ ۴۸
۵۳۰۔ متی ۱۰ : ۱۴ ۔ ۲۲
مرقس ۱۳ : ۹ ۔ ۱۳
۵۳۱۔ متی ۱۰ : ۵ ۔ ۶
۵۳۲۔ متی ۱۵ : ۲۶
۵۳۳۔ متی ۱۸ : ۵
۵۳۴۔ متی ۴ : ۲۱ ۔ ۲۳
۵۳۵۔ لوقا ۸ : ۱ ۔ ۳
۵۳۶۔ متی ۵ : ۱۳ ۔ ۱۴
۵۳۷۔ یوحنا ۴ : ۲۷
۵۳۸۔ متی ۱۰ : ۲۷ ۔ ۲۸
لوقا ۱۹ : ۳
۵۳۹۔ متی ۱۸ : ۱۵ ۔ ۱۷
۵۴۰۔ لوقا ۱۹ : ۱ ۔ ۱۰

۵۴۱۔	لوقا	۱۵	:	۱	۔	۷
۵۴۲۔	لوقا	۱۵	:	۸	۔	۱۰
۵۴۳۔	لوقا	۹	:	۵۹	۔	۶۰
۵۴۴۔	لوقا	۹	:	۶۱	۔	۶۲
۵۴۵۔	متی	۱۸	:	۱۱	۔	۱۴
۵۴۶۔	لوقا	۱۵	:	۱۱	۔	۳۲
۵۴۷۔	متی	۱۳	:	۳	۔	۸
	لوقا	۸	:	۴	۔	۱۵
۵۴۸۔	متی	۱۳	:	۲۴	۔	۳۰
۵۴۹۔	لوقا	۱۳	:	۴	۔	۹
۵۵۰۔	یوحنا	۴	:	۳۴		
۵۵۱۔	متی	۱۸	:	۱۰		
۵۵۲۔	لوقا	۱۴	:	۱۳	۔	۱۷
۵۵۳۔	متی	۱۰	:	۸	۔	۹
۵۵۴۔	متی	۱۰	:	۲۳		
۵۵۵۔	لوقا	۱۱	:	۴۷	۔	۵۱
۵۵۶۔	متی	۲۳	:	۲۷	۔	۲۸
۵۵۷۔	متی	۲۳	:	۲۵	۔	۲۶
۵۵۸۔	متی	۲۳	:	۱۴	۔	۲۲
۵۵۹۔	متی	۲۳	:	۲۳	۔	۲۴
۵۶۰۔	لوقا	۱۱	:	۴۵	۔	۴۶
۵۶۱۔	متی	۲۳	:	۱۴		
۵۶۲۔	متی	۲۳	:	۱۴		
۶۳۔	متی	۲۳	:	۱۵		
۵۶۴۔	لوقا	۱۸	:	۱۶	۔	۱۷
	مرقس	۴	:	۲۱	۔	۲۳

۵۶۵۔ متی ۱۴ : ۱۲

۵۶۶۔ خیراللہ قاموس ص ۳۶۰

۵۶۷۔ وکلف اے سنگھ سیرت المسیح ص ۲۹۵

۵۶۸۔ مرقس ۱ : ۱۴ ۔ ۱۵

متی ۴ : ۱۷ ۔ ۲۳

۵۶۹۔ مرقس ۸ : ۳۴ ۔ ۳۸

لوقا ۹ : ۲۳ ۔ ۲۶

۵۷۰۔ مرقس ۱ : ۱۵

۵۷۱۔ متی ۱۳ : ۱۱

۵۷۲۔ خیراللہ قاموس ص ۳۶۱

۵۷۳۔ لوقا ۱۸ : ۲۹ ۔ ۳۰

۵۷۴۔ خیراللہ قاموس ص ۲۵۹

۵۷۵۔ لوقا ۱۷ : ۲۰ ۔ ۲۱

۵۷۶۔ متی ۱۹ : ۲۳ ۔ ۲۴

۵۷۷۔ متی ۱۳ : ۲۴ ۔ ۵۰

۵۷۸۔ لوقا ۱۳ : ۱۹ ۔ ۹

۵۷۹۔ مرقس ۴ : ۲۶ ۔ ۲۹

۵۸۰۔ لوقا ۱۳ : ۲۰ ۔ ۲۱

۵۸۱۔ متی ۲۵ : ۱ ۔ ۱۳

۵۸۲۔ متی ۲۲ : ۱ ۔ ۱۷

۵۸۳۔ متی ۱۸ : ۲۳ ۔ ۳۵

۵۸۴۔ متی ۳ : ۱ ۔ ۲

۵۸۵۔ متی ۴ : ۱۷

مرقس ۱ : ۱۴ ۔ ۱۵

۵۸۶۔ متی ۵ : ۱۰

۶۸۷۔ متی ۵ : ۱۹

۵۸۸۔ متی ۷ : ۲۱

۵۸۹۔ متی ۱۸ : ۱ ۔۵

۵۹۰۔ متی ۲۰ : ۱ ۔ ۱۴

۵۹۱۔ متی ۲۳ : ۱۲

۵۹۲۔ مرقس ۱۰ : ۳۱ ۔ ۱۶

لوقا ۱۸ : ۱۵ ۔ ۱۶

۵۹۳۔ لوقا ۸ : ۴ ۔ ۱۵

۵۹۴۔ لوقا ۹ : ۱ ۔ ۴

۵۹۵۔ لوقا ۱۰ : ۱۰

۵۹۶۔ لوقا ۱۱ : ۱ ۔ ۲

۵۹۷۔ یوحنا ۳ : ۱ ۔ ۱۵

۵۹۸۔ لوقا ۱۲ : ۲۲ ۔ ۳۱

۵۹۹۔ لوقا ۱۲ : ۳۲ ۔ ۳۷

۶۰۰۔ متی ۲۱ : ۲۸ ۔ ۳۲

۶۰۱۔ متی ۲۱ : ۳۳ ۔ ۴۴

۶۰۲۔ احبار ۱۹ : ۲

استثنا ۲۳ : ۱۲ ۔ ۱۴

۶۰۳۔ خیر اللہ قاموس ص ۴۱۴

۶۰۴۔ مرقس ۷ : ۱ ۔ ۲۳

۶۰۵۔ یوحنا ۳ : ۲۵

۶۰۶۔ مرقس ۷ : ۴

۶۰۷۔ یوحنا ۱۱ : ۵۵

۶۰۸۔ مرقس ۱ : ۴۴

۶۰۹۔ متی ۱۵ : ۱۱

مرقس ۷ : ۱۵

۶۱۰۔ مرقس ۷ : ۱۵

۶۱۱۔	مرقس	۷ : ۲۱ ۔ ۲۳
۶۱۲۔	متی	۵ : ۸
۶۱۳۔	مرقس	۷ : ۱۹
۶۱۴۔	مرقس	۲ : ۱۳ ۔ ۱۷
۶۱۵۔	لوقا	۱۷ : ۱۰ ۔ ۱۹
۱۵۶۔	لوقا	۱۷ : ۱۴
	یوحنا	۴ : ۹
۶۱۷۔	متی	۸ : ۵ ۔ ۱۳
	متی	۱۵ : ۲۱ ۔ ۲۸
۶۱۸۔	لوقا	۱۷ : ۱۴ ۔ ۱۷
۶۱۹۔	متی	۷ : ۶
۶۲۰۔	متی	۲۶ : ۶ ۔ ۱۳
	مرقس	۱۴ : ۳ ۔ ۹
	یوحنا	۱۲ : ۱ ۔ ۸
۶۲۱۔	متی	۱۵ : ۱۰ ۔ ۲۰
	مرقس	۷ : ۱ ۔ ۲۲
۶۲۲۔	لوقا	۱ : ۵۷ ۔ ۶۰
۶۲۳۔	یوحنا	۱۲ : ۱ ۔ ۱۱
۶۲۴۔	لوقا	۱۱ : ۳۷ ۔ ۴۱
۶۲۵۔	متی	۱۰ : ۱۴
	لوقا	۴ : ۳۹
۶۲۶۔	متی	۷ : ۷۴
۶۲۷۔	لوقا	۱۷ : ۱ ۔ ۳
۶۲۸۔	متی	۱۰ : ۱۱
	لوقا	۹ : ۴
۶۲۹۔	لوقا	۴ : ۳۹

	متی	۱۰	:	۲۴		
۶۳۰۔	لوقا	۱۲	:	۳۵		
۶۳۱۔	متی	۱۰	:	۱۴		
	لوقا	۱۰	:	۱۰	۔	۱۱
۶۳۲۔	متی	۱۳	:	۵۷		
۶۳۳۔	متی	۴	:	۲۴		
۶۳۴۔	متی	۶	:	۳۳	۔	۳۴
۶۳۵۔	متی	۷	:	۲		
۶۳۶۔	متی	۷	:	۱۷	۔	۱۸

اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا تحقیقی جائزہ "قرآن حکیم کی روشنی میں"

خلاصہ مقالہ

مسیحیوں کے نزدیک اناجیل سے مراد وہ معروف چار کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات معجزات اور تعلیمات کے بارے متی مرقس لوقا اور یوحنا نے تحریر کی تھیں۔ لیکن بعض دفعہ تمام عہد نامہ جدید کو بھی انجیل کا نام دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی میں بحثیت نبی ارشاد فرمائے اور ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں کہ وہ مقدس کلمات آپؑ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں۔

حضرت عیسیٰ نسل اور مذہب کے لحاظ سے اسرائیلی تھے اور ان کی مادری و مذہبی زبان عبرانی (آرامی) تھی اس لئے اصل انجیل عبرانی زبان میں تھی۔ اور آج وہ موجود نہیں۔ ہمیں ابتدائی صرف یونانی زبان کی اناجیل ملتی ہیں ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ تراجم کی سی ہو سکتی ہے۔ حضرت مسیح نے عبرانی زبان میں اپنی کوئی انجیل نہیں چھوڑی یہ مروجہ اناجیل اربعہ تو متی مرقس لوقا اور یوحنا کی تحریریں ہیں اور اس میں آپ کے مصلوب' دوبارہ ظہور' لوگوں سے ملاقات اور اور رفع کے حالات بھی موجود ہیں۔ ان کے متن پر سخت تنقید ہوئی ہے۔ اس میں اصلاح اور درستی دوسرے معنی میں تحریف ہوتی رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا کا مقالہ نگار مضمون بائبل کے تحت لکھتا ہے۔

"عہد نامہ جدید کے اصل متن سوائے چند افراد کے اب دستیاب نہیں۔ قدیم ترین نسخے مفقود ہو چکے ہیں چوتھی صدی عیسوی میں جب رومی حکومت نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تو ان دینی نوشتوں کی نقلیں شائع کی گئیں۔ چوتھی صدی کے مخطوطوں میں دو مخطوطے محفوظ رہ گئے۔ پورا عہد نامہ جدید اس زمانے میں بھی کم رائج تھا چاروں انجیلوں کے مجموعے کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مسیحی علماء نے متن انجیل سے متعلق بڑی بیش بہا تحقیقات کی ہیں۔ متن انجیل کی تنقید کا مقصد قدیم ترین نسخوں کی طرف رجوع کر کے متن کو درست کرنا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پریس کی ایجاد کے وقت تک نسخوں میں کافی اختلاف پائے جاتے تھے پولوس کے خطوط میں کتابت کی بہت سی غلطیاں تھیں جو غیر ارادی کہی جا سکتی ہیں مگر انجیل کے متن میں بعض تبدیلیاں ارادی طور پر بھی کی گئیں ایک بہت طویل مضمون انجیل یوحنا کے باب ۷ آیت ۵۲ اور باب ۸ سے ۱۲ تک شامل کیا گیا پھر متی کی انجیل باب ۲۰ آیت ۲۸ (جو ۶۱ الفاظ پر مشتمل ہے) بھی شامل کی گئی۔ متی باب ۱۶ آیت ۲ اور ۳ (اکتیس الفاظ) انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۴۳۔ ۴۴ (۲۶ الفاظ) اور اسی طرح بہت سے حصے بعد میں شامل ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق کوئی تسلی بخش وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب نیا مواد حاصل ہوا تو لوگوں نے پرانی کتابوں میں بلا تامل اسے شامل کر لیا۔ اب ان اقتباسات کے بعد میں شامل کئے جانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ محض کاتب کی غلطی سے نہیں ہوا بلکہ اصل کو بہتر بنانے اور اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے کیا

گیا۔ تاریخ کلیسا سے ثابت ہوتا ہے کہ تبدیلیاں سن عیسوی کے ابتداء ہی میں ہو گئی تھیں۔ معمولی تبدیلیاں بعد میں ہوتی رہیں۔ اور کچھ غلطیاں کاتبوں کے ذریعہ سے آئیں۔ تحقیق کا نتیجہ یہی دکھائی دیتا ہے کہ اکثر تبدیلیاں دوسری صدی عیسوی تک ہو چکی تھیں۔"(1)

یہ دنیا کے مستند انسائیکلو پیڈیا کی اناجیل کے بارے میں رائے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کتابوں میں ترمیم و تحریف ہوتی رہی ہے۔

انجیل کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے مرتبین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس نے جناب یسوع کو خود دیکھا ہو یا اپنے کانوں سے ان کے ارشادات سنے ہوں۔ جدید ناقدین بائبل نے یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق صحائف اناجیل جن ناموں سے منسوب ہے۔ انہوں نے سرے سے انہیں مرتب ہی نہیں کیا نیز ان تمام صحائف کہ مرتب ہونے کے ایک صدی بعد تک ان میں کسی کو بھی سند و اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہیں ہوا۔ اور ان کو نقل کرنیوالے پوری آزادی کیساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ان اقوال اور الہامی کلام میں ترمیم و تبدیلی کرتے رہے۔(2)

غرض اناجیل کی تدوین سائنسی اور علمی بنیاد پر نہیں ہوئی۔ اس کے راوی مجہول ہیں اور ان کی سند کا کوئی سلسلہ نہیں اصل متن بھی موجود نہیں۔ محض یونانی زبان میں ان کے ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ ان اناجیل کو نہ حضرت عیسیٰؑ نے لکھا اور نہ ان کو دیکھا۔ ان کے مضامین میں تضاد اور اختلاف ہے۔ پادری فرنچ نے تو یہاں تک اقرار کیا ہے کہ ان میں چھوٹی چھوٹی تیس ہزار غلطیاں ہیں(3)

چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحوں سے زیادہ نہیں۔ اور اس میں بھی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں تو اس سے بھی ان کے علمی مقام اور مستند ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انجیل کے مقابلہ میں قرآن حکیم کی حفاظت و تدوین نہایت ہی احتیاط اور علمی انداز میں ہوئی اسے نزول کے وقت سے ہی حفظ بھی کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی کتابت بھی ہوئی۔ حضور ﷺ خود سید الحفاظ تھے۔ اور بہت سے صحابہؓ کو پورا قرآن مجید زبانی یاد تھا۔ بئر معونہ میں ستر قاری شہید ہوئے۔ اور اسی قدر حفاظ قرآن صحابہؓ جنگ یمامہ میں شہادت کے مقام پر فائز ہوئے۔(4) امام جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں حفاظ صحابہؓ کی فہرست دی ہے(5) زمانہ رسالت میں قران حکیم کو حفظ کے علاوہ تحریر بھی کیا گیا اس کام کیلئے باقاعدہ کاتب وحی مقرر تھے ان کے نام کتب احادیث میں موجود ہیں۔ نیز قران حکیم میں "کتاب" کا لفظ اس مقدس کلام کیلئے استعمال ہوا ہے اور کتاب کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قران حکیم لکھا ہوا موجود تھا۔ احادیث سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ ابو داؤدؒ کی حدیث ہے جب رسول اللہ ﷺ پر آیات نازل ہوتیں تو آپ ﷺ کاتب وحی کو بلاتے اور اسے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو(6) قران مجید کی جمع و کتابت اور ترتیب خاص کا ذکر بخاری کی اس حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ہر سال میں ایک بار قران مجید سنایا

جاتا تھا۔ مگر جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال دو مرتبہ سنایا گیا(7)

یوں قرآن حکیم حفظ اور کتابت کے ذریعے محفوظ ہو گیا۔ اس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالی نے کیا ہے۔ اس طرح ہم آج بھی اسے اسی طرح محفوظ اور مدون شکل میں دیکھتے ہیں۔ جس طرح کے یہ عہد نبوی میں جمع اور ترتیب میں تھا ۔ مسند امام احمد میں صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان مصاحف موجود تھے جن سے ہم نے قران مجید سیکھا اور اپنی عورتوں اور اولاد اور خادموں کو سکھایا(8) اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ رسالت میں قرآن حکیم کتابی شکل میں اپنی اصلی حالت میں موجود تھا اور اس کی حفاظت ترتیب نہایت ہی اعلی اور علمی انداز میں زمانہ نزول سے شروع ہو کر اختتام تک ہوئی

۔

اور آج یہ اسی شکل میں موجود ہے جس طرح یہ نازل ہوا تھا۔

اناجیل اربعہ کے اہم مضامین مسیح کی حیات معجزات اور تعلیمات ہیں

حیات مسیح میں ان کی ولادت اور وفات کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ ولادت کے بارے میں اناجیل اور قرآن حکیم اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ ناکتخدا (کنواری) مریم کے بطن سے 'نفخ روح القدس کے باعث' قرار پانے والے حمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ بی بی مریم کو کسی بشر نے کبھی نہیں چھوا تھا وہ پاکباز اور نیک سیرت خاتون تھی۔ موجودہ اناجیل میں آپ کے خاوند کا نام یوسف آیا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے صرف منگنی ہوئی تھی۔ اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن قران حکیم میں ایسا کوئی ذکر نہیں بحہ اس کی تردید کرتے ہوئے عیسیٰ کو ابن مریم کہہ کر پکارا ہے۔ اور آپ کو حضرت آدمؑ سے مثال دی ہے کہ جس طرح وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔

اناجیل میں یسوع مسیح کے حالات زندگی بڑی تفصیل سے درج ہے ان سے ان کی تبلیغی مساعی جمیلہ کا پتہ چلتا ہے مگر قرآن حکیم ان کے بارے میں خاموش ہے۔

حیات و وفات مسیحؑ بھی دونوں آسمانی کتب کا ایک اہم موضوع ہیں۔ اناجیل میں آپ کے مصلوب ہونے 'ظہور مکرر' ملاقات عام اور رفع کے حالات پائے جاتے ہیں۔ جب کے قران حکیم کہتا ہے کہ ان کو نہ قتل کیا گیا۔ نہ پھانسی دی گئی ۔ اس معاملے کو شک میں ڈال دیا گیا۔ اور ان کا اللہ کی طرف رفع ہوا۔ مگر س رفع کی کیفیت اور تفصیلات کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے۔

اناجیل اربعہ میں یسوع کے بڑے کثیر تعداد میں معجزات بیان ہوئے ہیں ان کو پڑھ کر یہ اندازہ ہونے لگتا ہے جیسے اناجیل کوئی معجزہ نامہ ہے قرآن حکیم میں آپ کے جن معجزات کا ذکر ہوا ہے ان میں مردوں کا زندہ کرنا' مٹی سے اڑنے والے پرندے بنانا' اندھے اور کوڑھیوں کو تندرست کر دینا نمایاں ہیں۔ اناجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا یسوع اپنے حکم سے یہ معجزے صادر فرماتے تھے لیکن قرآن حکیم فرماتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔

انبیاء کی کتب اصلاحی تعلیمات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے احکامات انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ان میں عقائد بنیادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔اناجیل اور قرآن حکیم کے مشترک عقائد توحید' رسالت اور آخرت ہیں لیکن اناجیل میں یہ بہت ہی مدہم' دھندلے اور ہلکے سے نظر آتے ہیں لیکن قرآن حکیم نے انہیں نہایت ہی واضح اور روشن اور تفصیل سے پیش کیا ہے۔ان سے انسانی سیرت وکردار کی تعمیر ہوتی ہے۔اور اخروی نجات کیلئے یہ ضروری ہیں۔ اس لئے ان پہلوؤں پر بہت زور دیا گیا ہے۔

عقیدہ تثلیث' ابنیت اور کفارہ موجودہ مسیحیت کے اہم ستون ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ لفظ تثلیث نہ تو اناجیل اربعہ میں آیا ہے اور نہ ہی وہاں صاف طور پر اس عقیدہ کا کوئی ذکر ہے۔یہ تصور آہستہ آہستہ مسیحیت میں داخل ہوا اور تیسری چوتھی صدی کی کونسلوں نے اسے فیصلہ کن شکل دیدی۔ابن کا لفظ گو اناجیل میں موجود ہے۔عہد نامہ قدیم میں بھی یہ لفظ خدا کے برگزیدہ' منتخب' محبوب اور نیک لوگوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔غرض بائبل میں اس کا ذکر تمثیلی اور اشاراتی زبان میں ہوا ہے۔اناجیل میں بھی اس سے مراد خدا کا محبوب اور پیارا ہی مراد تھا۔لیکن مسیحیوں نے اس کو اصل بیٹا مان لیا۔ محمد مظہر الدین صدیقی درست فرماتے ہیں کہ یہ تصور ابنیت اور الوہیت مسیحیت میں یونانی اور رومی مشرکانہ دور میں داخل ہوا۔اور یہ انہی تہذیبوں کے اثرات ہیں (9) اسی طرح عقیدہ کفارہ بھی موجودہ مسیحیت کا ایک منفرد نظریہ ہے۔ اس عقیدہ کو نہ تو عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی دینی ادب میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔کونسی عقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ غلطی باپ کرے اور سزا بیٹے کو ملے۔اس نظریئے سے انسان کا اخلاق اور کردار ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان تینوں نظریات کی پرزور تردید کی ہے۔تثلیث سے باز رہنے کا حکم دیا خالص توحید کا درس دیا اور کہا نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے ہر کوئی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اناجیل اربعہ اور قرآن حکیم کا ایک اور علمی پہلو تعلیمات مسیح ہے ان میں نمایاں' تصور دعا وعبادت' اخلاقی تعلیمات' معاشرتی تعلیمات' معاشی تعلیمات اور سیاسی تعلیمات ہیں ان کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اناجیل کے مقابلے میں قرآن کی تعلیمات زیادہ واضح' روشن' مربوط اور مفصل ہیں۔اناجیل کی تعلیمات ابتدائی وقتی مبہم اور انفرادی نوعیت کی ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم کے احکامات عالمگیر جامع' ابدی واضح مکمل اور اجتماعی درجے کے حامل ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیمات سے ایک مکمل ضابطہ حیات کا تصور ملتا ہے۔یہ زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں واضح طور پر رہنمائی فراہم کرتا ہے سیرت کی تعمیر اور اخروی کامرانی کیلئے ارکان اسلام کے نام سے عبادات کا ایک جامع نظام موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ کردار سازی کیلئے ایک مکمل اخلاقی نظام دیا گیا ہے۔ بہبود وفلاح عامہ اور معاشرتی امن وسلامتی وسکون کیلئے مربوط معاشرتی نظام پیش کیا گیا ہے۔رفاہ عامہ کیلئے معاشی اصول بتائیں گئے ہیں۔بیرونی خطرات کی روک تھام اور اندرونی امن وامان کیلئے سیاسی نظام کا خاکہ دیا گیا ہے۔

انجیل کی تعلیمات اس وقت کے سادہ معاشرے کیلئے تھیں جب کہ قرآن حکیم جدید سائنسی دور اور عالمگیر اکمل

اور مکمل رہنمائی کیلئے نازل ہوا تھا۔ نیز مسیحیت کی تعلیمات تحریف و تبدل کا شکار ہوئی ہیں جب کہ قران حکیم کے احکامات جمع اور محفوظ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ F.C. Burkitt Articile "Bible"(Textual Ctiticism)
Ency. Britt.(1946) 3 : 519

۲۔ عبدالوحید خان "عیسائیت" ص ۱۲۳

۳۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری "رحمت للعالمین" ص ۲۷۳

۴۔ سیوطی "الاتقان" ج ا ص ۹۰

۵۔ سیوطی "الاتقان" ج ا ص ۱۹۲

۶۔ ابو داؤد امام "سنن ابی داؤد" کتاب الصلوة باب من جهر بها

۷۔ بخاری امام "الجامع الصحیح" کتاب فضائل القرآن

۸۔ امام احمد "مسند" بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱/ ۱۶ ص

۳۳۸

۹۔ صدیقی محمد مظہر الدین "اسلام اور مذاہب عالم" ص ۱۲۳

اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا تحقیقی جائزہ

قرآن حکیم کی روشنی میں

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد ایاز خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

پی ایچ ڈی (برطانیہ) فل برائٹ سکالر (امریکہ)

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اپریل 2000ء

اس مقالے کی منظوری ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے مراسلہ نمبر ACAD/Ph.D-Adv/89-1599 مورخہ 21-08-93 کے تحت دی گئی

باب چہارم

باب چہارم

حیات مسیح کے اہم پہلو

قرآن حکیم کی روشنی میں !

ولادت
رفع و مصلوبیت
معجزات

حضرت عیسیٰؑ ابن مریم سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ آپ عظیم المرتبت، اعلیٰ شان، بلند ہمت پیغمبروں میں سے ہیں۔ قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بیان کرتے ہوئے ان مقدس ہستیوں کا ذکر مماثلت کے لئے زیادہ پیش کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیھم الصلوۃ والسلام۔ قرآن عظیم کی تیرہ سورتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔

قرآن حکیم میں آپ کے کئی نام بیان ہوئے ہیں۔ (ا) عیسیٰ (تقریباً ۲۶ مرتبہ) یہ عبرانی لااصل ہے ۔ اصل میں Jesu تھا یونانی میں Jesies بنا جو Joshua کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ عربی میں آکر عیسیٰ بن گیا (۱)

(۱) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسیٰ کا معرب عبرانی لفظ یشوع ہے جس کے معنی سید اور سردار ہیں(۲)

(۲) مسیح (تقریباً ۱۱ مرتبہ) یہ مسیح سے مشتق ہے (انگریزی کے لفظ Christ کے ہم معنی ہے) اس کے کئی معنی ہیں۔

(۱) برکت کا مسح

(۲) مادرزاد اندھے پر مسح کر کے درست کرنے والا

(۳) پیدائش کے وقت حضرت جبرئیل کا ہاتھ پھیرا ہوا تاکہ شیطان مردود کے شر سے محفوظ رہیں(۳)۔

بعض نے کہا ہے کہ آپؑ ہمیشہ سیاحت کرتے تھے کہیں مقیم نہیں ہوتے تھے اس لئے مسیح کہا گیا۔ (اس صورت میں مادہ سیح ہو گا) قاموس میں مسیح کا ترجمہ کثیر السیاحۃ لکھا ہے۔ (گویا سیاحت سے مسیح مبالغہ کا صیغہ ہے)۔

(۴) ابن مریم ، کنیت (۲۳ مرتبہ)

(۵) عبداللہ (۲ مرتبہ)

(۶) وجیھافی الدنیا ولاآخرۃ (ایک مرتبہ) (۵)

(۷) کلمتہ (۶) اللہ کے کلمہ کن سے بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہونے والا۔ اور روح منہ (۷) یعنی بغیر اسباب ظاہری کے روح ڈالے ہوئے (۸)۔

خاندان مریم اور ولادت مریم

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ ان کے نانا حضرت عمرانؑ کا ذکر اچھے لفظوں میں ہوا ہے اور ان کے نانی حنہ بنت فاقوذ کو امرۃعمران کہا گیا ہے بلکہ تمام خاندان کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

" اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی عورت کہ رہی تھی کہ میرے پروردگار میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں وہ تیرے ہی کام کے لئے وقف ہو گا میری اس پیش کش کو قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔پھر جب وہ بچی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا مالک میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی....... حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی اور لڑکا، لڑکی کی طرح نہیں ہوتا (یعنی ہیکل کی خدمت لڑکی نہیں لڑکا کر سکتا ہے) خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے۔ اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود سے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ آخرکار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرما لیا۔ اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا (۹)۔

ولادت مسیح کی تمہید

حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ ولادت سے پہلے قرآن حکیم نے حضرت یحییٰؑ کی اعجازی ولادت کا تمہید کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا قصہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ حضرت زکریا علیہ اسلام بی بی مریمؑ کے کمرے میں آتے جاتے تو وہاں کھانے پینے کا سامان پاتے (مفسرین نے اسے بے موسمی پھل بتایا ہے)(۱۰) تو حیرانی سے پوچھتے اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آتا ہے وہ اسے عطیہ خداوندی کہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ برکتیں دیکھ کر زکریا علیہ اسلام نے دعا کی اے اللہ تو بہت سننے والا ہے مجھے بھی اپنی قدرت سے نیک اولادعطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور انہیں یحییٰ نامی بیٹے کی خوش خبری دی۔ حضرت زکریاؑ حیران ہو کر کہنے لگے کہ میرے بڑھاپے میں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میری بیوی بھی بانجھ ہو چکی ہے۔ جواب ملا ایسا ہی ہو گا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

حضرت زکریا نے عرض کیا مالک پھر کوئی نشانی میرے لئے مقرر فرما دے کہا نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا کوئی بات چیت نہ کرو گے (یا نہ کرسکوگے) اس دوران اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا (۱۱)۔

حضرت عیسیٰ کی ولادت سے پہلے تمہید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السلام کی ولادت معجزانہ طور پر ہوئی تھی اسی طرح ان سے پہلے اسی خاندان میں حضرت یحییٰ کی پیدائش بھی ایک معجزانہ انداز میں ہو چکی ہے۔

ولادت مسیح

حضرت بی بی مریمؑ عابدہ زاہدہ لڑکی تھی وہ اپنے خلوت کدہ میں عبادت میں مشغول رہتی اور ضروری حاجات کے علاوہ باہر نہیں جاتی تھی۔ ایک دن آپ مسجد اقصیٰ (ہیکل) کے شرقی جانب لوگوں کی نظر سے بچ کر عبادت یا طہارت کے لئے گوشہ تنہائی میں تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ مریم دیکھ کر گھبرا گئی حضرت جبرئیلؑ نے کہا میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں اور آپ کو ایک پاک نیک بیٹے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔(۱۲)

اس واقعہ کی تفصیلات سورہ مریم اور ال عمران میں اس طرح سے آتی ہیں " اور اے نبیؐ اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشیں ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی جبرئیل کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مریم یکایک بول اٹھی کہ اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اس ے کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں مریم نے کہا میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے (۱۳)۔

" اورجب فرشتوں کہا اے مریم اللہ نے تجھے اپنے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے

گا لوگوں سے گہوارے مین بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔ اور وہ ایک مرد صالح ہو گا یہ سن کر مریم بولی پروردگار میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا جواب ملا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں کہا) اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا (۱۴)۔

حضرت جبرئیل نے بی بی مریم کو حضرت عیسیٰ کی خوشخبری سنا کر ان کے گریبان میں پھونک ماری یوں اللہ کا کلمہ ان کو پہنچ گیا کچھ عرصہ بعد مریمؑ کو حمل محسوس ہوا تو آپ پریشان ہونے لگیں۔ آپ نے سوچا کہ قوم کہیں باتیں نہ بنانے لگے تو آپ نے بیت المقدس کو چھوڑ دیا۔ یہاں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ولادت سے کتنی مدت پہلے یہ جگہ آپ نے چھوڑی (۱۵)۔ غرض یروشلم سے تقریباً نو میل کوہ سراۃ (ساعیر کے ایک ٹیلہ) پر چلی گئیں جو اب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے (۱۶)۔ بعض علماء نے جائے پیدائش ناصرہ بتائی (۱۷)۔ متی کی انجیل میں یسوع کی جائے پیدائش بیت اللحم بتائی گئی ہے (۱۸) اور پرورش کا مقام ناصرت کہا گیا ہے(۱۹) اسی لئے مسیح کو ناصری کہا جاتا ہے (۲۰)۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تفصیلات سورۃ انبیاء مریم ، تحریم اور مومنوں میں اسطرح بتائی ہیں۔

" اور وہ خاتون (مریمؑ) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لئے نشانی بنا دیا (۲۱)۔

" اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال پیش کرتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی (۲۲)۔

" مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لئے ہوئے ایک اور مقام پر چلی گئی پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیاوہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا ۔ فرشتے نے پائینتی سے اس کو پکار کر کہا "غم نہ کر تیرے رب نے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا تیرے اوپر تروتازہ کھجور ٹپک پڑیں گی بس تو

کھا پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہ کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے اسی لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔"

" پھر وہ اس بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی ۔ لوگ کہنے لگے اے مریم یہ تُو نے بڑا پاپ کر ڈالا اے ہارون کی بہن نہ تیرلباپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا لوگوں نے کہا " ہم اس بچے سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے"۔ بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا، میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں ۔ "

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے۔

"(اور عیسیٰ نے کہا تھا کہ) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ پس تم اسی کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے"(۲۳)۔

" اور ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے (۲۴)۔ سورہ مومنون کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ اور بی بی مریم کو ایک جائے امن بھی نصیب ہوئی جو ٹھنڈے مشروب اور بہترین آب و ہوا والی رہائش گاہ اور کچھ بلند بھی تھی ۔مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اس سے حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش یعنی بیت المقدس کے نزدیک نخلہ بعض دمشق کے قریب کوئی مقام بعض مصر اور بعض رملہ مراد لیتے ہیں (۲۵)۔

مندرجہ بالا آیات سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش عام طریقہ انسانی سے علیحدہ ہوئی اور ان کی مثال آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا تھا پھر فرمایا ہو جا اور وہ بن گئے (۲۶)۔ یوں آدم علیہ اسلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ

اسلام بغیر باپ کے ظہور ہوئے ۔ نیز قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے لئے خلق کا لفظ استعمال ہوا (۲۷)۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے شکم مادر میں قرار پائے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس مقام پر ان کی پیدائش کے لئے خلق کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو بغیر واسطہ اور اسباب ظاہری کے پیدا کرنا (۲۸)۔ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام طریقہ انسانی سے ہٹ کر ہوئی تھی اسی لئے قرآن حکیم نے ان کے لئے روح اللہ (۲۹) اور کلمۃاللہ (۳۰) کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ آیئے قرآن حکیم سے ان کے معین معنی طے کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

فاذا نفخت فیه من روحی (۳۱)۔

یعنی جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں

ونفحت فیه من روحی فقعوالهٗ سجدین (۳۲)

اور اس میں اپنی روح پھونک دوں" تو اس کے آگے سجدے میں گر جانا"۔

یہی بات حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمائی گئی

والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا (۳۳)

اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا۔

ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا (۳۴)

" اور عمران کی بیٹی جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی ۔ پس پھونک دیا ہم نے اس میں اپنی روح سے۔" ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ غیر معمولی طریقہ سے اپنے حکم سے زندگی عطا فرماتے ہیں تو اسے " روح پھونکنے " کے الفاظ استعمال فرماتا ہے۔ اس روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف غالباً اس وجہ سے کی گئی ہے کہ اس کا پھونکا جانا معجزے کی غیر معمولی شان رکھتا ہے۔

اسی طرح کلمہ کا مفہوم بھی خود قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے

انما امرہٗ اذا اراد شیئا ان یقول لهٗ کن فیکون (۳۵)۔

یعنی خدا کا امر تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

ذلك عیسیٰ ابن مریم ج قول الحق الذی فیه یمترون ہ ماکان للله ان یتخذ من ولد سبحنه ط اذا قضی امراً فانما یقول لهٗ کن فیکون (۳۶)۔

ترجمہ! یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور پس وہ ہو جاتی ہے۔

سورہ نساء میں فرمایا

رسول الله و کلمتهٗ ج القها الی مریم و روح منه (۳۷)

اللہ کا رسول اور اس کا فرمان جو مریم کی طرف القا کیا گیا اور اس کی طرف سے ایک روح۔

" اصل میں لفظ کلمہ استعمال ہوا ہے۔ مریم کی طرف کلمہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مریم علیہ السلام کے رحم پر یہ فرمان نازل کیا کہ کسی مرد کے نطفہ سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کرلے۔ عیسائیوں کی ابتداءً مسیح علیہ السلام کی پیدائش بے پدر کا یہی راز بتایا گیا تھا مگر انہوں نے یونانی فلسفہ سے گمراہ ہو کر پہلے لفظ کلمہ کو "کلام" یا نطق کے ہم معنی سمجھ لیا پھر اس کلام و نطق سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت کلام مراد لے لی پھر یہ قیاس قائم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ذاتی صفت نے مریم علیہ اسلام کے بطن میں داخل ہو کر وہ جسمانی صورت اختیا کی جو مسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور اس غلط تصور نے جڑ پکڑ لی کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی ازلی صفات میں سے نطق و کلام کی صفت کو مسیح کی شکل میں ظاہر کیا(۳۸)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی تفسیر میں لفظ کلمہ کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے مختلف قدیم تفسیر کے اقوال کو اس طرح جمع کیا ہے۔

" ان کی (حضرت عیسیٰؑ) پیدائش اللہ کے ایک کلمہ ہی کا نتیجہ ہے "

ای صار بکلمة من الله مخلوقاً (ابن عباس)

والمعنی انهٗ وجد بکلمة الله وامره عن غیر واسطة ولا نطفة (کبیر)

ای هومکون بکلمته کن (قرطبی)

کلمہ سے مراد یا تو کلمہ کن ہے یا وہ کلمہ جو بواسطہ جبریل حضرت مریم پر القاء کیا گیا تھا

ومعنی کونہ کلمة انہٗ حصل بکلمة کن من غیر مادة معتادة والی ذلک دھب حسن و قتادہ (روح) قولہٗ کن (معالم) لیست الکلمة صارت عیسیٰ ولکن بالکلمة صار عیسیٰ (ابن کثیر) و تسمیة عیسیٰ بکلمة لکونہٗ موجداً بکن (راغب) (۳۹)۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں یہود کے ناپاک نظریات اور عیسائیوں کے مبالغہ آمیز خیالات کی تردید کی۔ یہود معاذاللہ پاکدامن بی بی مریم کو ایک شخص پنھترالی کے ساتھ تہمت لگاتے تھے (۴۰) برعکس اس کے نصاریٰ آپ کو لوگاس (یعنی کلمۃ اللہ و روح اللہ) مسیح موعود اور ابن اللہ اور حضرت مریم کو خداوند کی کنواری ماں یقین کرتے تھے۔ کلام مجید نے یہود کی تہمت کو قطعاً باطل کہا اور نصاریٰ کی گمراہیوں کی اصلاح کر دی (۴۱)۔ ارشاد ہوتا ہے

ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا ہ فنفخنا فیه من روحنا (٤٢)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی پس پھونک دیا ہم نے اس میں اپنی روح ۔

یہ یہود کے مقابلہ میں حضرت مریم کی عصمت اور محصنہ ہونے کی شہادت ہے۔ دوسرے مقام پر عیسائیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

یااھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الالحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمته القھا الی مریم و روح منه فامنوا باالله ورسله ولا تفولوا ثلثه انتھو خیرلکم انمااللہ الہ واحد ط سبحنہٗ ان یکون لہٗ ولد (٤٣)۔

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو تین ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔

اسطرح نصاریٰ کے باطل نظریات کی قرآن حکیم نے اصلاح کی

اناجیل میں بی بی مریم کے خاوند کا ذکر بھی آیا ہے ان کا نام یوسف بن یعقوب النجار بتایا گیا ہے(۴۴)۔ اور بعض مسلم مفسرین نے اسرائیلی روایات کی بناء پر یوسف کو حضرت مریم کا خالہ زاد بھائی اور ہیکل میں ان کے ساتھ عبادت اور خدمت کرنے والا بتلایا ہے (۴۵)۔ لیکن قرآن کریم اور مستند روایات میں اس کا قطعاً کوئی ذکر نہیں آتا اسی بناء پر ہمارے نزدیک یہ یہودیوں کی اس سازش کا حصہ ہے جو انہوں نے حضرت مریم عفیفہ اور ان کے بیٹے کو بدنام کرنے کے لئے شروع کی تھی اور چونکہ اناجیل اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد لکھی گئیں ہیں اس لئے بلا تخصیص و تفتیش ان روایات کو ان میں شامل کر لیا گیا (۴۶)۔

قرآن حکیم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے دنوں کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ کھجوروں کا موسم تھا بی بی مریم کو درخت کے تنے کو ہلانے سے تروتازہ کھجوریں ٹپک کر گرنے لگتی تھیں(۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ وہ گرمیوں کا موسم تھا۔ کیونکہ کھجوریں گرمی میں پکتی ہیں اور اب بھی فلسطین میں موسم گرما جولائی اگست میں کھجوریں پک کر تیار ہوتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے حالات زندگی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کے بعد سے لیکر نبوت تک کے واقعات قرآن و حدیث میں نہیں ملتے۔ تاریخ اور روایات کی کتب میں اس سلسلے میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان کا ماخذ اسرائیلی روایات ہیں (۴۸) اور کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ اس قسم کے واقعات اناجیل میں اب بھی موجود ہیں (۴۹)۔

اسی طرح نبوت وحی کے واقعات کے متعلق بھی قرآن و حدیث خاموش ہیں۔ کتب تاریخ بتاتی ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ کی عمر تیس (۳۰) برس کی ہوئی تو ان پر وحی نازل ہوئی (۵۰)۔ انجیل متی کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بپتسمہ بھی لیا۔ سیاحت کے دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل امین کبوتر کی شکل میں نظر آئے اور وہ آسمان سے اتر رہے تھے (۵۱) اسی طرح ہمارے نبی محمد ﷺ کو بھی پہلی وحی میں روح القدس زمین وآسمان کے درمیان بیٹھے ہوئے نظر آئے تھے (۵۲)۔ لیکن قرآن حکیم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام گہوارے میں ہی بول اٹھے " اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب ملی ہے اور نبی بنایا گیا ہے (۵۳)۔

یہی ابتدائی حالات قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ملتے ہیں

رفع ومصلوبیت مسیح کا تقابلی جائزہ

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام مذہب کی اشاعت اور لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے بستی بستی اور گاؤں گاؤں جاتے۔ آپ کے گرد لوگ معجزات خاص طور پر شفاامراض کی وجہ سے جمع ہو جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے یوں لوگ آپ سے بے پناہ محبت کرتے اور ان پر نثار ہونے کے لئے تیار ہو جاتے۔

یہود اس دعوت کے حق کی اشاعت اور توسیع دیکھ کر تلملا اٹھے آپ کو نقصان پہنچانے بلکہ آپ کی زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے انہیں ڈر تھا کہ اسطرح یہ نیا مذہب غالب آ جائے گا اور ہماری سرداری اور اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انہوں نے جناب مسیح کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے مختلف تدابیر شروع کر دیں۔ قرآن حکیم نے ذیل کی آیت میں یہود کی اسی سازش کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ومكروا ومكرالله ط والله خير المكرين (٥٤)

وہ خفیہ تدبیریں کرنے لگے جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت میں یہود کا ذکر ہو رہا ہے کہ انھوں نے کس طرح معصوم پیغمبر کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے ناپاک پروگرام سے بچا لیا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرئیل کو دعوت حق پہنچاتے پہنچاتے تھک گئے اور قوم کی طرف سے کوئی خاص حوصلہ افزا جواب نہ ملا اور چند حواریوں کے علاوہ اکثر آپ کے مخالف تھے تو عیسیٰؑ نے کہا ”کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے“ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں، جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے (٥٥)۔ اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند ساتھیوں کی طرف سے ہمت افزائی ہوئی مگر اکثر آپ کی جان تک کے دشمن تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بچانے کی تدبیر کی وہ تدبیر کیا تھی اس کے بارے میں تفاسیر میں مختلف روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے جب یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوانے کے لئے رومی سپاہیوں کو لے کر ان کے گھر پر پہنچے تو ان کے مکان

کا گھیرا ڈال لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون شخص ہے جو میری شکل اختیار کرے اور وہ شہید ہو کر جنت میں جائے؟ تو ان میں ایک شخص تیار ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر پھانسی دیدی گئی (۵٦)۔ ابن کثیر نے اس سے ملتی جلتی روایت تحریر کی کہ جب سپاہی لوگوں کے ہجوم سمیت حضرت عیسیٰؑ کے مکان میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو روشندان کے ذریعے آسمان پر اٹھا لیا اور انھیں لوگوں میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس شخص کو پکڑ لیتے ہیں اور سخت بے عزتی کرنے کے بعد سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اس ہم شکل شخص کو پھانسی چڑھا دیتے ہیں یہی ان کے ساتھ اللہ کا مکر تھا (۵۷)۔

ایک اور روایت ہے کہ جب یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کرنے پر متفق ہو گئے اور قتل کی نیت سے آپ کے گھر کی طرف بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو روانہ کیااور جبرائیل نے آپ کو چھت کے روزن سے آسمان پر اٹھا لیا اور جو شخص حضرت عیسیٰؑ کو پکڑوانے کے لئے ان کے گھر میں داخل ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو عیسیٰ کے ہم شکل بنا دیا۔ اس شخص کو عیسیٰؑ سمجھ کر پھانسی چڑھا دیا گیا(۵۸)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک شخص جاسوس بن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکان پر گیا جب وہ سرکاری آدمیوں کو باہر بتانے آیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کے ہم شکل بنا دیا اور اسی شخص کو پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا (۵۹)۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو پکڑوانے والے شخص کا نام بھی تفاسیر میں آیاہے۔یہودنے اپنے میں سے ایک شخص طیطیانوس کو اندر بھیجا اور یہ ہی شخص حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل بن گیا پر اسی کو عیسیٰؑ سمجھ کر قتل کر دیا گیا (٦۰)۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور ان کی جگہ کوئی اور شخص پھانسی پر چڑھا دیا گیا ہجوم نے گھیراؤ کیا اسی ہڑبھونگ میں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ طریقے سے اپنی طرف اٹھا لیا اور یہود میں سے کسی شخص کو غلط فہمی کی بناء پر پھانسی دیدی گئی اور ہجوم میں ایسا بھی ہو جاتا ہے۔

آخر میں ابن عباس کا قول بھی نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مکراللہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا (٦۱)۔

قرآن حکیم :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے متعلق قرآن حکیم کی یہ آیت خاص طور پر قابل غور ہے

(۱) اذ قال الله يعيسىٰ انى متوفيك ورافعك الىّ (٦٢)

اے عیسیٰ اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

ہمارے مفسرین سے اس آیت کے بارے میں کئی قول منقول ہیں۔

(۱) قتادہ کے نزدیک یہ دراصل انی رافعك الى و متوفيك تھا یعنی اس وقت تو میں تمہیں اپنے پاس اٹھا لوں گا اور پھر تمہیں اپنی عمر دنیا میں گزارنے کے بعد وفات دوں گا۔ یہاں الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے(۶۳)۔

ابن جریر کہتے ہیں۔

هذا من المقدم و معناه التاخير،والموخر الذى معناه التقديم (٦٤)

یہاں پہلے لفظ کے معنی بعد میں ہیں اور دوسرے کے معنی پہلے کرنے ہیں۔

ابن جریر یہ بھی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے (۶۵)۔ نیز اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے آپ نے ابھی وفات نہیں پائی۔

فى قوله صلى الله عليه وسلم " ان عيسىٰ لم يمت وانهٗ راجع اليكم قبل يوم القيامة (٦٦)

اس مفہوم کی باقی احادیث آگے چل کر تحریر کی جائیں گی۔ جہاں تک تقدیم و تاخیر کا تعلق ہے تو اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن کریم میں کثرت سے ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں " قرآن مجید کے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے بیان کی دو اقسام ہیں۔ اول یہ کہ ظاہر عبارت کے معنی کرنے مشکل ہوں۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے تو معنی واضح ہو جائیں۔ یہ اس قابل ہے کہ اس پر الگ ایک کتاب لکھی جائے۔ چنانچہ سلف نے بہت سی آیات میں توجہ بھی کی ہے۔ ابن ابی خاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ

ايت فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريدالله يعذبهم بها فى الحيوة الدنيا

میں تقدیم ہے یعنی

لا تعجبك اموالهم ولا اولادهم فی الحییوة الدنیا انما یریدالله ان یعذبهم فی اخره ہے

ترجمہ : اگر ایک کلمہ اور میعاد اللہ کی طرف سے مقرر نہ ہوتی تو ان (کفار) کو عذاب چمٹ جاتا

قتادہ سے مروی ہے کہ

ولولا کلمة سبقت من ربك لکان لزاما واجل مسمی

میں بھی تقدیم کلام ہے گویا یوں ہے

لولا کلمة سبقت من ربك واجل مسمی لکان لزاما

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ

انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل لهٗ عوجاً قیما میں تقدیم و تاخیر ہے گویا یوں ہے انزل

عبده الکتاب قیما ولم یجعل لهٗ عوجا

ایت لهم عذاب شدید بماننسوا یوم الحساب میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی

لهم یوم الحساب عذاب شدید بما نسوا (٦٧) اسی طرح آیت

ماهی الا حیاتنا الدنیا نموت و یحیی

میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل کلام یحیی ونموت ہے اس لئے کہ زندگی مقدم اور موت اس کے بعد ہے (٦٨) یہ تقدیم و تاخیر کی چند مثالیں

(٢) انی عاصمك من ان یقتلك الکفار و موخرك الی اجل کتبته لك (٦٩)۔

ترجمہ : میں تجھے دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گا اور تیری اجل کو وقت مقرر کر کے آنے تک موخر رکھوں گا۔

(٣) ممیتك حتف انفك لا قتلا بایدیهم (٧٠)

یعنی میں تمہیں طبعی موت دوں گا ان کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دونگا۔

(٤) امام رازی فرماتے ہیں

الاوّل معنی قوله انی متوفیك ای انی متمم عمرك فحینیذٍ اتو فاك فلا اترکهم حتی یقتلوك

بل انا رافعك الی اسماء و مقربك بملالکتی واصونك عن ان یتمکنوا من قتلك (٧١)

انی متوفییك کے معنی یہ ہیں کہ (اے عیسیٰ) میں تیری عمر مکمل اور پوری کرونگا کوئی شخص

تمہیں قتل کر کے آپ کی عمر قطع نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑوں گا کہ وہ آپ کو قتل کردیں بلکہ میں تمہیں آسمان پر اٹھالونگا اور اپنے فرشتوں میں رکھونگا۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں

عن الربیع فی قولہٖ وفاۃالمنام رفعه الله فی منامه (۷۲)

ربیع بن انس کہتے ہیں آپ کی وفات نیند میں ہوئی اور اللہ نے انہیں نیند میں اٹھا لیا۔ (یاد رہے نیند میں آدمی زندہ رہتا ہے مرتا نہیں)۔

ابن ابی حاتم میں حضرت حسن نے انی متوفیك کی تفسیر یہ کی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا (۷۳)۔

لفظ توفی

لفظ متوفی کا مصدر توفی اور مادہ وفیٰ ہے اس کے معنی عربی لغت میں پورا پورا لینے کے ہیں۔ وفاء، ایفاء، استیفاء اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں۔ توفی کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی لکھی ہوئی عمر پوری کر لیتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی روح پوری کی پوری وصول کی جاتی ہے اسی لئے مجازی اور کنایہ کے طور پر یہ لفظ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا مادہ خواہ کسی شکل میں ہو مگر کمال اور تمام کے معنی کے اندر ضرور موجود ہوتے ہیں۔

علامہ زمخشری اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں توفی کے حقیقی اور اصل معنی استیفاء اور استکمال کے ہیں اور موت مجازی معنی ہیں۔

وفی باالعهم واوفی به وهو و فی من قوم وهم اوفیا و اوناه واستوفاه وتوفاه استکمله و من المجاز توفی فلان و توفاه الله ادرکته الوفاه (۷٤)۔

ابن منظور نے اس مجازی استعمال کی وجہ یہ بیان کی ہے میت کی توفی ہے اس کی مقررہ مدت اور دنیا میں رہنے کے دنوں مہینوں اور سالوں کی گنتی کو پورا کرنا مراد ہے (۷۵)

علامہ زبیدی نے بھی اس کے معنی مکمل اور پورے ہی بیان کئے ہیں اور موت مجازی معنی ہیں۔

وفی انشی وفیاتم وکثیر فهو و فی ووافٍ بمعنی واحد وکل شی بلغ اکمال فقد وفی وتم ومنه اوفی فلانا حقه اذا عطاه وافیا واونا فاستوفی وتوفاه ای لم یدع شیئا فهما مطا

وعاں لا وفاه و وفاه ومن المجاز ادرکته الوفاة ای المنية والموت و توفی فلان اذا مات و توفاه الله و عزوجل اذا قبض نفسه (٧٦)۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں لغت عرب میں توفی کے معنی استیفاء پورا پورا لینے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں توفی کے تین معنی ہیں (۱) نیند (۲) موت (۳) روح و جسم (سمیت اٹھا لینا) قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہی تیسرے معنی اس لفظ کے بارے میں بیان ہوئے ہیں (۷۷)۔

لغت کے مشہور امام ابوالبقاء نے اس کی یہ تصریح کی ہے۔

التوفی الامانة وقبض الروح علية استعمال العامة والا ستيفاء واخذالحق وعليه استعمال البلغاء (٧٨)۔

امام راغب فرماتے ہیں

الوافی الذی بلغ التمام

الوافی مکمل اور پوری چیز کو کہتے ہیں جیسے دراهم وافٍ كيل وافٍ و غيرُ ذالك اوفيت الكيل والوزن درہم پورے ہیں پیمانہ پورا ہے وغیرہ میں نے ناپ یا تول کر پوراپورادیا۔

واوفولكيل اذا كلتم (القران ١٧ : ٣٥)

اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔

" و فى بعهده يغى وفاءً واو فى اذاتم العهد ولم ينقض حفظه واشتقاق ضدّه وهو الغدرُ يدل على ذلك وهوالترك والقران جاء باد فى قال تعالىٰ اوفى بعهدى اوف يعهدكم (٢: ٤٠)

بلى من اوفى بعهدهٖ واتقى (٣: ٧٦)

والموفون بعهدهم اذا عاهدوا (٢ : ١٧٦)

يوفون باالنذر (٧٦: ٧)

ومن اوفى بعهدهٖ من الله (٩ : ١١١)

ترجمہ : اس نے عہد و پیمان پورا کیا یعنی اس کی خلاف ورزی نہیں کی اس کی ضد غدر ہے جو نقص عہد اور عدم وفا کے معنی دلالت کرتا ہے لیکن قرآن حکیم میں اوفی استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا اور

اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اور میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا (۲ : ۴۰)

" اورجب خدا سے عہد واثق کرو تو اس کو پورا کرو (۱۶ : ۹۱)

ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور خدا سے ڈرے (۳ : ۷۶)

" اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں (۲ : ۱۷۶)۔

یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں (۷۶ : ۷)۔"

اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے (۹ : ۱۱۱)۔

(۲) اور تَوَفیۃُ الشیءِ کے معنی بلا کسی قسم کی کمی کے پورا پورا دے دینے کے ہیں اوراستیفاء کے معنی (اپنا حق) پورا لے لینے کے ۔

قرآن حکیم میں ووفیت کل نفسٍ ما کسبت (۳: ۲۵)

اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔

وانما توفون اجورکم (۳: ۸۵)

اور تم کو تمہارے اعمال کا پوراپورا بدلہ دیا جائے گا۔

ثم تو فی کل نفس (۲: ۲۸۱)

اور ہر شخص اپنے اعمال کا پوراپورا بدلہ پائے گا۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (۳۹: ۱۰)

جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا ۔

من کان یرید الحیوہ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا (۱۱: ۱۵)

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں پوراپورا دے دیتے ہیں۔

وما تنفقوا من شیءٍ فی سبیل اللہ یوفی الیکم (۸ : ۶۰)

اورتم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پوراپورا دیا جائے گا۔

فوفّاہٗ حسابہٗ (۲٤: ۳۹)

تو اس سے اس کا حساب پوراپورا چکا دے۔

علامہ ابن منظور نے بھی اس کے معنی پوراپورا اور اتمام و تکمل کے بھی تحریر کئے ہیں۔

(ا) الوفا ضد الغدر يقال وفى بعهدهٖ و اوفى

(ب) اى تم قال ومن اوفى فمعناه اوفانى حقهٗ اى اتمه ولم ينقص منه شيئا و كذلك اوفى الكيل اى اتمه ولم ينقص منه تبا۔

(ج) وتوفى الذى يعطى الحق وياخذالحق۔

(د) اور پھر وفات کے معنی موت بیان کرتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں

توفى الميت اسيفاء مدتهٖ التى وفيت لهٗ عدد ايامه وشهوره واعوامه فى الدين (٧٩)

یعنی میت کے توفی کے معنی یہ ہیں کہ اس کی مدت حیات کو پورا کرنا اور اس کو دنیاوی زندگی کے دنوں اور مہینوں اور سالوں کو پورا کر دینا۔

(٣) وقد عبر عن الموت والنوم باالتوفى (٨٠)

اور کبھی توفی کے معنی موت اور نیند کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے

الله يتوفى الانفس حين موتها (٣٩: ٤٢)۔

اللہ لوگوں کی مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔

وهوالذى يتوفاكم باالليل (٦: ٦٠)

اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے۔

قل يتوفاكم ملك الموت (٣٢: ١١)

کہدو کہ موت کا فرشتہ تمہاری روحیں قبض کر لیتا۔

والله خلقكم ثم يتوفاكم (١٦: ٧٠)

اور خدا ہی نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تم کو موت دیتا ہے۔

الذين تتوفاهم الملئكة (١٦: ٢٨)

ان کا حال یہ ہے کہ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں۔

توفته رسلنا (٦: ٦١)

(تو) ہمارے فرشتے ان کی روح قبض کر لیتے ہیں

او نتوفیك (۱۳: ۱٤۰)

یا تمہاری مدت حیات پوری کر دیں۔

وتوفنا مع الابرار (۳: ۱۹۳)

اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ موت دے۔

وتوفنا مسلمین (۷: ۱۲٦)

اور ہمیں ماریو تو مسلمان ہی ماریو۔

یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی

امام راغب یہاں یہ بھی لکھتے ہیں

وقد قیل توفی رفعة واختصاص لا توفی موت قال ابن عباس توفی موت لانہٗ اماته ثم احیاهُ (۸۱)۔

بعض نے کہا کہ توفی بمعنی موت نہیں ہے بلکہ اس سے مدارج کو بلند کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس نے توفی کے معنی موت بھی کئے ہیں لیکن وہ اس کی وضاحت اسطرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو فوت کر کے پھر زندہ کر دیا تھا۔

ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں

انی متوفیك ای ممتیك (۸۲)

میں تجھے وفات دونگا یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں۔

ابن عباس کے شاگرد ضحاک سے منقول ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔

سیوطی فرماتے ہیں۔

اخرج اسحق بن بشر وابن عساکر من طریق جوهر عن الضحاك عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ انی متوفیك ورافعك الی یعنی رافعك ثم متوفیك فی اخرالزمان (۸۳)۔

تفیر درمنثور میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت اسطرح منقول ہے۔ اسحٰق بن بشر اور ابن عساکر نے بروایت جوہر عن الضحاک ، حضرت ابن عباس سے آیت انی متوفیک ورافعک الی کی تفسیر میں یہ لفظ

نقل کئے ہیں کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات دونگا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

والصحیح کمال قال القرطبی ان اللہ تعالی رفعہ من غیر وفاہ ولانوم

وھو روابہ الصحیحین عن ابن عباس۔(٨٤)

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ اسلام کو بغیر موت اور بغیر نیند کے زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور ابن عباس کا صحیح قول بھی یہی ہے۔

امام قرطبی کو عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس سے صحیح روایت یہی ہے کہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور اس کے خلاف جو روایت ہے وہ ضعیف اور قابل اعتبار ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں کہ ابن عباس سے متوفیک کی تفسیر جو ممتیک مروی ہے اس کا راوی علی بن طلحہ ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ راوی ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ علی بن طلحہ نے ابن عباس سے نہ کچھ سنا ہے اور نہ ان کو دیکھا ہے لہٰذا علی بن طلحہ کی روایت ضعیف ہے اور منقطع بھی ہے جو حجت نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے برعکس ابن عباس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح وسالم زندہ آسمان پر اٹھایا جانا باسانید، صحیحہ اور جیدّہ منقول ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ابن عباس کی وہ تفسیر کہ جس کی سند ضعیف اور منکر اور غیر معتبر ہے وہ تو مرزائیوں کے نزدیک معتبر ہو جائے اور ابن عباس کی وہ تفسیر جواسانید صحیحہ اور جیدّہ اور روایات معتبرہ سے منقول ہے وہ مرزا صاحب کے نزدیک قابل قبول نہ ہو(٨٥)۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کہ انی متوفیک کے معنی انی ممیتک ہے اس کی وضاحت بغوی نے دو صورتوں میں کی ہے۔

(۱) وہب کا قول ہے کہ دن میں تین ساعت کے لئے اللہ نے عیسیٰ کو موت دی پھر اپنی طرف اٹھا لیا۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عیسائی کہتے ہیں اللہ نے دن میں سات گھنٹے عیسیٰ کو بطور میت رکھا پھر زندہ کر کے اٹھا لیا۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ کی یہی روایت نقل کی ہے۔

(۲) ضحاک نے کہا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے اتارنے کے بعد یہودیوں کے قتل سے محفوظ رکھ کر مدت زندگی پوری کر کے میں تم کو وفات دونگا اس سے پہلے تم کو اپنے پاس اٹھا لوں گا (٨٦)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ توفی بمعنی موت تین ساعت یا سات ساعت کے لئے پیش آئی اس کے بعد دوبارہ زندگی اور رفع الی اسماء بھی واقع ہوا۔ جمہور علماء کے نزدیک توفی کے معنی مقررہ مدت پوری کرنا ہی ہے۔ اور توفی کے اصلی بھی یہی ہیں اور موت کنایہ یا مجازی معنی ہیں۔ مولانا حفظ لرحمٰن سیوہاروی فرماتے ہیں عربی لغت میں اس لفظ کا مادہ وفی یعنی وفاء ہے۔ جس کے معنی پورا کرنے کے آتے ہیں۔اور اس کو جب باب تفعل میں لے جا کر توفی بناتے ہیں تو اس کے معنی کسی شے کو پورا پورا لینا یا کسی شے کو سالم قبضہ میں کر لینا آتے ہیں۔ اور چونکہ موت میں بھی اسلامی عقیدہ کے مطابق روح کو پورا لے لیا جاتا ہے اس لئے کنایہ کے طور پر کہ جس میں حقیقی معنی بحالہ محفوظ رہا کرتے ہیں توفی بمعنی موت مستعمل ہوتا ہے اور کہتے ہیں " توفاہ اللہ ای اماتہ" لیکن اگر موقع پر دوسرے دلائل ایسے موجود ہوں جن کے پیش نظر توفی کے حقیقی معنی لئے جاسکتے ہیں یا حقیقی کے ماسوا دوسرے معنی بن ہی نہ سکتے ہوں تو اس مقام پر خواہ فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول ذی روح انسان ہی کیوں نہ ہو وہاں حقیقی معنی پورا لے لینا ہی مراد ہوں گے مثلاً

الله یتوفی الانفس حین موتها ولتی لم تمت فی منامها (زمر ٣٦: ٤٢)

اللہ پورا لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو جن کو ابھی موت نہیں آئی ہے۔ پورا لے لیتا ہے نیند میں والتی لم تمت کے لئے بھی لفظ توفی بولا گیا یعنی ایک جانب یہ صراحت کی جارہی ہے کہ یہ وہ جانیں (نفوس) ہیں جن کو موت نہیں آئی دوسری جانب یہ بھی بصراحت لیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیند کی حالت ان کے ساتھ توفی کا معاملہ کرتا ہے۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہے متوفی اور نفس انسانی مفعول ہے۔ متوفی مگر پھر بھی کئی صورت سے توفی بمعنی موت صحیح نہیں ہیں ورنہ قرآن کا جملہ والتی لم تمت ، العیاز بااللہ مہمل ہو کر رہ جائے گا۔ یا مثلاً

وهوالذی یتوفکم بالیل ولعلم ماجرحتم باالنهار (انعام ٦: ٦٠)

اور وہی اللہ ہے جو پورا لے لیتا ہے یا قبضہ میں کر لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو(دن میں) میں بھی کسی طرح توفی بمعنی موت نہیں بن سکتے حالانکہ توفی کا فاعل اللہ اور مفعول انسانی نفوس ہیں یا مثلاً آیت

حتی اذا جاء احدکم الموت توفتهٗ رسلنا (انعام ٦١:٦)

یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی کو موت قبض کر لیتے ہیں یا پورا لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) میں ذکر موت ہی کا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی توفتہ میں توفی کے معنی موت کے نہیں بن سکتے ورنہ بے فائدہ تکرار لازم آئے گا۔ یعنی احدکم الموت میں جب لفظ موت کا ذکر آچکا تواب توفتہ میں بھی اگر توفی کے معنی موت ہی کے لئے جائیں تو ترجمہ یہ ہوگا

" یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، موت لے آتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوبارہ لفظ موت کا ذکر بے فائدہ ہے اور کلام فصیح وبلیغ اور معجزہ تو کیا روزمرہ کے محاورہ اور عام بول چال کے لحاظ سے بھی پست اور ہلکا ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر توفی کے حقیقی معنی کسی شے پر قبضہ کرنا یا اس کو پورا لے لینا مراد لئے جائیں تو قرآن عزیز کا مقصد ٹھیک ٹھیک ادا ہوگا اور کلام بھی حد اعجاز پر قائم رہے گا (۸۷)۔

ایک اور دلیل کہ توفی کے معنی اتمام عمر اور اکمال عمر کے ہیں یہ ہے کہ قرآن عزیز میں موت و حیات کو تو متقابل ٹھہرایا گیا۔ لیکن توفی کا حیات کے مقابلہ میں کہیں ذکر نہیں مثلاً

هوالذی خلق الموت والحيوة (۸۸)

ولا يملكون موتا وولا حيوة (۸۹)

يحی الارض بعد موتها (۹۰)

يحببكم ثم يميتكم (۹۱)

هوامات و احيا (۹۲)

تخرج الحی من الميت و تخرج الميت من الحی (۹۳)

كذلك يحيی الله الموتی (۹٤)

يحيی ويميت (۹۵)

واحی الموتی باذن الله (۹٦)

لفظ توفی کے بارے میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تحقیق نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ یہ جامع مکمل اور مفصل ہے۔

پہلے اس لفظ کو لغت کی کتابوں میں دیکھتے ہیں

(۱) صحاح میں ہے اوفاہ حقہ'

(باب افعال سے) اور وفاہ حقہٗ (باب تفعیل سے) اور استوفا حقہٗ (باب استفعال سے) اور توفاہ (باب تفعل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اس کا حق پورا دیدیا تو فاہ اللہ کے معنی قبض روح ہیں اور توافی کے معنی نیند۔

قاموس میں ہے اوفی فلانا حقہٗ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو پورا حق دیدیا جیسے وفاہ اور اوفاہ اور استوفاہ اور توفاہ کے یہی معنی ہیں۔ وفات بمعنی موت ہے۔ توفاہ اللہ کے معنی قبض روح ہیں۔

اب تفاسیر کی طرف آیئے

تفسیر بیضاوی میں ہے " توفی کسی چیز کے پورا لینے کو کہتے ہیں" بیضاوی نے لکھا ہے التوفی اخذاً وافیاً سے بنا ہے۔ جس کے معنی پورا لینا کے ہیں۔ اور مارنا اس کی ایک قسم ہے اور نیند اس کی دوسری قسم ان دونوں قسموں کا ذکر قول ربانی میں ہے خدا ئے تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں پورا لیتا ہے (یعنی سُلا دیتا ہے)۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ توفی کے معنی قبض کرنا ہے اس لفظ سے عرب کے محاورات یہ ہیں وفانی فلان دراھمی۔ واوفانی وتوفیتھا منہ یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے پورے کر لئے۔ خیال فرمایئے یہ محاورہ قبض جسم کی مثال ہے جیسے یہ محاورات ہیں

سلم فلان دراھمی الی و تسلمتھا منہ

یعنی فلاں شخص نے میرے درہم مجھے سپرد کردیئے اور میں نے اس سے لے لئے اور کبھی توفی بمعنی استوفی آتا ہے۔ جس کے معنی پورا لینے کے ہیں ان دونوں معنی کے اعتبار سے کہ خود توفی کے معنی بھی قبض کرنا ہے اور توفی کے معنی استوفی بھی ہیں۔ حضرت مسیح کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب توفی بعینہ رفع جسم ہوا تو متوفیک کے بعد رافعک الی کہنا تکرار بلا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کی تحت میں کئی انواع و اقسام پائے جاتے ہیں۔

(۱) موت (جس میں صرف روح کو قبض کرنا ہوتا ہے)

(۲) جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے)

(۴) نوم جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے۔ پس جب متوفیک فرمانے کے بعد ورافعک الی بھی فرمایا تو اس سے اس جنس کی ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا (۴۷)۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنی عربی لغات تفاسیر میں پورا پورا لینا ہے۔ قرآن و حدیث اور کلام عرب میں جس جگہ یہ لفظ آیا ہے سب مقامات پر توفی سے استیفاء اکمال اور اتمام کے معنی ہی مراد لئے گئے ہیں اور اگر کہیں اس کے معنی موت لئے گئے ہیں تو وہ مجازی اور کنایہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ مولانا ادریس کاندھلوی کے یہ الفاظ بھی تحریر کرنا چاہتے ہیں۔

" جب یہ ثابت ہو گیا کہ توفی کے حقیقی معنی استیفاء اور استکمال اور اخذ الشی وافیا (یعنی کسی شے کو پورا پورا لینے کے ہیں) اور انی متوفیك ورافعك الی میں توفی سے موت کے معنی مراد نہیں ہے بلکہ توفی سے رفع آسمانی مراد ہے تو اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت توفی کو سمجھئے کہ وہاں بھی توفی سے رفع الی اسماء سے ہی مراد ہے اور فلما توفیتنی کے معنی فلما رفعتنی الی السماء کے ہیں۔ چنانچہ تمام معتبر تفاسیر میں توفیتنی کی تفسیر رفعتی کے ساتھ مذکور ہے۔ چند تفاسیر کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر ابن کثیر اور درمنشور میں ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر (ج ۳ ص ۷۰۰) میں لکھتے ہیں فلما توفیتی المراد به وفاه الرافع الی اسماء اور تفسیر ابوالسعود (ج ۳ ص ۷۰۱)۔

ورافعك الی فان التوفی فی اخذ الشی وافیا اور اسی طرح تفسیر بیضاوی تفسیر معالم التنزیل مدارک التنزیل تفسیر خازن اور تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے۔ الغرض ان تمام تفاسیر صراحۃً اس کی تصریح ہے کہ توفی سے رفع الی اسماء مراد ہے اور بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایت مائدہ میں توفی سے کنایۃً موت مراد لی گئی ہے ۔ تب بھی مرزا صاحب کامدعا ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس آیت میں اس وفات کا ذکر ہے جو بعد از نزول قیامت سے پہلے ہوگی کیونکہ آیت کا تمام سیاق وسباق اس بات پر شاہد ہے کہ یہ تمام واقعہ کوئی گذشتہ واقعہ نہیں بلکہ مستقبل یعنی قیامت کا واقعہ ہے اور قیامت سے پہلے ہم بھی وفات مسیح کے قائل ہیں جیسا کہ یوم یجمع الله الرسل انح اور هذا یوم ینفع الصدقین صدقهم اوا یوم القیمة یکون علیهم شهیدا سے صاف ظاہر ہے۔ تفسیر درمنشور (ج ۲ ص ۳۴۹) میں ہے۔

عبدالرزاق اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا کہ قتادہ سے ء انت قلت للناس اتخذونی...... کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ واقعہ کب ہو گا تو یہ فرمایا یہ قیامت کے دن ہوگا جیسا کہ ھذا یوم ینفع الصدقین سے صاف معلوم ہوتا ہے بلکہ مرفوع حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ واقعہ قیامت کا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا پھر حضرت عیسیٰ کو بلایا جائے گا۔ حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو اپنے قریب بلا کر یہ فرمائیں گے کہ تم نے یہی کہا تھا کہ مجھکو اور میری ماں کو خدا بناؤ۔ عیسیٰ علیہ اسلام انکار فرمائیں گے کہ (معاذاللہ) میں نے ہرگز یہ نہیں کہا تھا (۹۸)۔

سورہ نساء اور رفع

رفع الی السماء کے متعلق قرآن حکیم میں سورہ نساء کی آیات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم ط وان الذين اختلفوا فيه لفى شك منه مالهم بهٖ من علم الاتباع الظن ج وماقتلوه يقناه بل رفعه الله اليه ط وكان الله عزيزا حكما ه (۹۹)

اور خود (یہود نے) کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ۔ ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔

رفعہ : رفع کے حقیقی اور اصلی معنی رفع جسمانی یا رفع مادی کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں۔

الرفع يقال تاره فى الجسام الموضوعة اذا عليتها عن مقرها (۱۰۰)

یہ کبھی مادی چیز جو اپنی جگہ پر پڑی ہوئی ہو اسے اس کی جگہ سے اٹھا کر بلند کرنے پر بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا۔

ورفعنا فوقكم الطور (۱۰۱)

اور ہم نے طور پہاڑ کو تمہارے اوپر لا کر کھڑا کیا۔

الله الذی رفع السموت بغیر عمد ترونها (۱۰۲)

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے۔

رفع کے مجازی معنی رفع مراتب کے ہیں۔

رفعه من حیث التشریف (۱۰۳)

رفع کے معنی قدرومنزلت، شرف بخشی کے بھی ہیں۔

پھر امام راغب لکھتے ہیں کہ بل رفعه الله الیه میں رفع کے معنی آسمان کی طرف اٹھا لے جانے کے بھی ہیں۔

یحتمل رفعه الی السماء (۱۰۴)

یہاں رفع کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ اس مقام پر موجود نہیں ہے۔ اور یہاں رفع کا لفظ اِلٰی کی طرف مضاف ہے۔ تو اس کے صاف اور سیدھے حقیقی اور لغوی معنی یہ ہیں "کہ ہم نے عیسیٰ کو اپنی طرف اوپر اٹھا لیا"۔

دراصل اِلٰی کے معنی میں فوق جہت علو شامل ہے۔الیہ سے اپنی طرف یا آسمان کی طرف مراد ہے۔ جس طرح اللہ نے اپنی طرف بلا لیا سے مراد آخرت کی طرف بلا لینا سمجھا جاتا ہے اسی طرح عربی اور اردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اٹھا لینے سے مراد آسمان کی طرف اٹھا لینے کے ہیں (۱۰۵)۔

تفاسیر کے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

ای الی السماء والله تعالیٰ متعال عن المکان (۱۰۶)

اس سے مراد آسمان کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ مکان کی جہت سے بلند ہے۔

الی السماء (۱۰۷)

الی سمائه (۱۰۸)

رفع عیسیٰ علیه اسلام ابی السماء (۱۰۹)

فهو عنده فی السماء (۱۱۰)

امام رازی نے لکھا ہے کہ تعظیم و تشریف جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ ہو رہا ہے وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور خاص چیز ہے۔ متقین اور صالحین کے عام دخول جنت اور

وہاں کے لذت جسمانی و حسّی سے الگ کوئی بات ہے۔

رفعه اليه اعظم فی باب الثواب من الجنة ومن كل ما فيها من اللزات الجسمانية (١١١)

یہ بات ذہن میں رہے کہ جب رفع کے ساتھ الی آجائے تو اس کے معنی محض رفع درجات لینا درست نہیں ہے۔ اس طرح تو اِلَیّ کا لفظ بیکار اور بے ضرورت ہو جاتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں کوئی لفظ بھی بے ضرورت استعمال نہیں ہوا اگر صرف درجے کی بلندی کا اظہار مقصود ہوتا تو عربیت کے لحاظ سے رافعک (اور رفعه الله) کافی الیّ (اور الیه) کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن میں دیکھ لیجئے جہاں بھی یہ لفظ بلندی مرتبہ کے مضمون کے لئے استعمال ہوا ہے بغیر الی کے استعمال ہوا ہے مثلاً

منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات (١١٢)

اور ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے بات کی اور بعض کے مدارج بلند کئے۔

ولو شئنا لرفعنه لها ولكنه اخلد الى الارض (١١٣)

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ذریعے سے ان کا رتبہ بلند کرتے لیکن وہ تو برابر زمین ہی کی طرف جھکا رہا۔

ورفعنه مكاناً عليا (١١٤)

اور ہم نے اس کو فائز کیا اونچے درجے پر۔

یہاں (سورہ نساء کی آیات میں) قرآن نے بڑی تاکید اور شدت کے ساتھ ان لوگوں کی تردید کی ہے جو ان کے قتل یا ان کی سولی کے مدعی تھے۔ اگر آپ کی موت واقع ہوئی تھی تو اس موقع پر قرآن صاف صاف یوں کہتا ہے کہ نہ ان کو قتل کیا گیا اور نہ ان کو سولی دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی لیکن قرآن حکیم نے نہ صرف یہ کہ یہ کہا نہیں بلکہ یہاں توفی کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا صرف رفعه الله اليه کا لفظ استعمال کیا۔ ہر صاحب ذوق اندازہ کر سکتا ہے کہ قتل اور سولی کی نفی کے بعد اس رفع سے موت مراد لینے کی کسی حد تک گنجائش ہے (۱۱۵)۔

سورہ نساء کی اس آیت کی وضاحت میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں۔

(۱) اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کی تردید کی جا رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام

کو پھانسی دی گئی اور عیسائی یہ غلط کہتے ہیں کہ وہ پھانسی کے تین دن مردہ رہے پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ دراصل اس معاملہ میں یہ تمام لوگ شک و شبہ میں گھرے پڑے ہیں اور اس شک کا کوئی ٹھوس یقینی ذریعہ معلومات ہمارے پاس نہیں غرض اس شبہ کی اصل اور یقینی نوعیت ہمیں معلوم نہیں ؟

وما قتلوه وما صلبوه اور بل رفعه' کی تمام ضمریں ایک ہی مرجع کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ اور حضرت عیسی علیہ اسلام کا جسد مع الروح ہے۔ اس لئے کہ قتل اور صلیب، جسد اور روح دونوں پر مشتمل ہوتا ہے نہ کہ صرف جسد یا محض روح کا، تو پھر رفع صرف اور صرف روح تک کیوں محدود کیا جائے۔

(۳) قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجام کے لئے رفع کا لفظ آیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس پہلو پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں قرآن کے اندازبیان پر غور کرنے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اٹھائے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو۔بہر حال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ ضرور کیا ہے جو غیر معمولی نوعیت کا ہے اس غیر معمولی پن کا اظہار تین چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ عیسائیوں میں مسیح علیہ اسلام کے جسم وروح سمیت اٹھائے جانے کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا اور ان اسباب میں سے تھا جن کی بناء پر ایک بڑا گروہ الوہیت مسیح کا قائل ہوا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے نہ صرف یہ کہ اس کی صاف صاف تردید نہیں کی بلکہ بعینہٖ وہی رفع کا لفظ استعمال کیا جو عیسائی اس واقعہ کے لئے استعمال کرتے ہیں کتاب مبین کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کسی خیال کی تردید کرنا چاہتی ہو اور پھر ایسی زبان استعمال کرے جو اس خیا ل کو مزید تقویت پہنچانے والی ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السلام کا اٹھایا جانا ویسا ہی اٹھایا جانا ہوتا جیسا کہ ہر مرنے والا دنیا سے اٹھایا جاتا ہے یا اگر اس رفع سے مراد محض درجات و مراتب کی بلندی ہوتی جیسے حضرت ادریس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ رفعناہ مکانا علیا تو اس مضمون کو بیان کرنے کا انداز یہ نہ ہوتا جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔ اس کو بیان کرنے کے لئے زیادہ مناسب الفاظ یہ ہو سکتے تھے کہ " یقیناً انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو زندہ بچالیا اور پھر طبعی موت دی۔ یہودیوں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا مگر اللہ نے اس کو بلند درجہ عطا کیا۔"

تیسرے یہ کہ اگر رفع ویسا ہی معمولی قسم کا رفع ہوتا جیسے ہم محاورہ میں کسی مرنے والے کو کہتے

ہیں کہ اسے اللہ نے اٹھا لیا تو اس کا ذکر کرنے کے بعد یہ فقرہ بالکل غیر موزوں تھا کہ " اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے" یہ تو صرف کسی ایسے واقعہ کے بعد ہی موزوں و مناسب ہو سکتا ہے جس میں اللہ کی قوت قاہرہ اور اس کی حکمت کا غیر معمولی ظہور ہوا ہو (۱۱۶)۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے رفع جسمانی کے دلائل دیتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلوی سورہ ال عمران کی ایت رفعک الی کے ضمن میں لکھتے ہیں" اس آیت میں رفع سے رفع جسمانی مراد ہے اس لئے کہ

(ا) رفعک میں خطاب جسم مع الروح کو ہے۔

(ب) رفع درجات تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی حاصل تھا اور رفع روحانی بصورت موت یہ مرزا صاحب کے زعم کے مطابق خود متوفیک سے معلوم ہو چکا ہے ۔ لہٰذا دوبارہ ذکر کرنا موجب تکرار ہے۔

(ج) نیز رفع روحانی ہر مرد صالح اور نیک بخت کی موت کے لئے لازم ہے۔ اس کو خاص طور پر بصورت وعدہ بیان کرنا بے معنی ہے۔

(د) نیز باتفاق محدثین و مفسرین ،مورخین یہ آیتیں نصاریٰ نجران کے مناظرہ اور ان کے عقائد کی اصلاح کے بارے میں اتری ہیں اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ اسلام صلیب پر چڑھائے گئے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر اٹھائے گئے لہٰذا اگر رفع الی السماء کا عقیدہ غلط اور باطل تھا تو قرآن نے جس طرح عقیدہ ابنیت اور عقیدہ تثلیث اور عقیدہ قتل و صلیب کی صاف صاف لفظوں میں تردید کی تو اسی طرح رفع الی السماء کے عقیدہ کی بھی صاف صاف لفظوں میں تردید ضروری تھی اور جس طرح وما قتلوہ اور ماصلبوہ کہہ کر عقیدہ قتل و صلیب کی تردید فرمائی اسی طرح بجائے بل رفعہ اللہ کے مارفعہ اللہ فرما کر عقیدہ رفع الی اسماء کی تردید ضروری تھی سکوت اور مبہم الفاظ سے نصاریٰ کی تو کیا اصلاح ہوتی مسلمان بھی اشتباہ اور گمراہی میں پڑ گئے۔

نیز اگر توفی اور رفع سے موت اور رفع روحانی مراد ہو تو وعدہ تطہیر من الکفار اور وعدہ کف عن بنی اسرائیل کی کوئی حقیقت اور اصلیت باقی نہیں رہی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے

واذ كففت بنی اسرائیل عنك

اس آیت میں حق جل شانہ' کے ان انعامات اور احسانات کا ذکر ہے جو قیامت کے دن حق جل شانہ' بطور امتنان عیسیٰ علیہ السلام کو یاد دلائیں گے۔ ان میں سے ایک احسان یہ ہے کہ تجھکو بنی اسرائیل کی دست درازی سے محفوظ رکھا (۱۱۷)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رفع جسمانی کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" اس عقیدہ پر محققین امت کا اجماع ہوچکا ہے حضرت مسیح کی جب پیدائش عام انسانی قاعدہ توالد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخہ جبرئیل سے ہوگئی تو اس میں استبعاد کیا ہے بلکہ یہ تو اور قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو مس ملکی نے آپ کے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسے رکھ دی ہو جو آپ کے صعود آسمانی میں معین ہو سکے اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپ کے رفع آسمانی سے آپ کی افضلیت دوسرے انبیاء خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آ جاتی ہے۔آخر خدا معلوم کتنے فرشتے دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سیدالانبیاء سے افضل ہو گئے۔ ایک یورپین فاضل ڈی جنس نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت (Islam or True Chiristianity) کے نام سے لکھی تھی۔اس کے صفحہ ۱۴۳ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں کا عقیدہ مسیح کے رفع جسمانی کا تھا نہ کہ وفات مسیح کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آتے ہیں اسی طرح سیل (SALE) نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ مین بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں ۔حیرت یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے کمال روشن خیالی سمجھ رہا ہے (۱۱۸)۔

قرآن حکیم کہتا ہے اس معاملے کے بارے میں ان پر شبہ ڈال دیا گیا اور یہ لوگ (یہود) آپ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اور وہ آپؑ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں (النساء ۴ : ۱۵۷)۔

ہمارے مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہود نے غلط فہمی میں کسی اور شخص کو پھانسی چڑھایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ان سے بچا لیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص کون تھااور غلط فہمی اصل صورت کی تھی تو اس کا صاف صاف جواب نہ قرآن حکیم میں نہ حدیث میں ہے۔ اس جواب

کے لئے تاریخ کے جزوی واقعات کو اکٹھا کیا جائے اور جو صورتحال حقائق کے قریب اور واقعات کے مطابق اور قرین قیاس ہو اسے اختیار کیا جائے۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کم ملتے تھے اور یروشلم کے لوگ چہرے سے انہیں کم جانتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں یہود کا ایک گروہ ان کو گرفتار کرنے ان کے پاس گیا اور ایک منافق جاسوس بھی پہچان کے لئے ہمراہ لیا گیا اس تاریخی حقیقت سے امام رازی بھی واقف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں

والناس ما کانوا یعرفون المسیح الا بالاسم انہٗ کان قلیل االمخالطة الناس (۱۱۹)،

متی میں ہے " وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو یہودہ جوان بارہ میں سے ایک تھا آیا اور اس کے ہمراہ ایک بڑا ہجوم تلواریں اور لاٹھیاں لئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کے طرف سے تھا اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ کہہ کر نشان دیا تھا کہ جسے میں چوموں وہی ہے اسے پکڑ لینا اور وہیں یسوع کے پاس آکر اس نے کہا اے ربی سلام اور اس کو مکرر چوما۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے میاں تو کہاں تک پہنچا اس پر انھوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالے اور اسے پکڑ لیا (۱۲۰)۔

انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ فوج وہاں پہنچی تو " یسوع نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو ؟ وہ بولے یسوع ناصری کو یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں(۱۲۱) اس طرح معلوم ہوا کہ آپ کو ہر کوئی نہیں جانتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کو تبدیل ہیئت کا ملکہ تھا۔ اناجیل میں اس کا بطور معجزہ ذکر ہے۔ " چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا اور انہیں ایک اونچے پہاڑ پر الگ لے گیا اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا" (۱۲۲)۔

"جب وہ دعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی "(۱۲۳)۔

تیسری چیز یہ ذہن میں رہے اس زمانہ میں شام اور فلسطین کی آبادی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک اسرائیلی یہود تھے اور اسی برادری کے ایک فرد عیسیٰ علیہ السلام تھے، دوسرے غیر ملکی حکمران

رومی تھے۔ سب ملکی ایک صورت کے اور تمام غیر ملکی رومی ایک شکل کے معلوم ہوتے تھے جیسے آزادی سے پہلے بر صغیر پاک و ہند میں انگریزوں کو تمام ہندوستانی کالے اور ہندوستانیوں کو تمام انگریز گورے نظر آتے تھے۔

چوتھی بات اس سلسلہ کی یہ ہے کہ مقامی عدالت سے پھانسی گھاٹ ایک فاصلے پر تھا اور سولی گھاٹ انگریزی کے بڑے حرف T کی شکل تھا۔ ایک سیدھی لکڑی تو سولی گھر پر زمین میں گاڑی ہوئی تھی مگر اوپر والا حصہ مجرم کو عدالت سے سولی گھاٹ لیکر خود چلنا پڑتا تھا۔

مندرجہ بالا تمام امور کو پیش نظر رکھ کر مولانا عبدالماجد دریابادی یہ نتائج اخذ کرتے ہیں۔

(۱) حکم جب سنایا گیا جمعہ کا دن تھا اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پا کر شاموں شام گھر واپس آجائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے ان کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزا دہی وغیرہ بھی ممنوع تھا اور پھر یہود کا اہم تہوار عید فسح بھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت عجلت تھی کہ کسی طرح ان کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پاکر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔

(۲) لاغر وناتواں مجرم (یعنی خود حضرت مسیح) کے لئے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے اور ان کا راستہ طے کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمایئے کہ رومی سپاہی جو مجرم بلکہ مجرموں کو (آپ کے ساتھ سولی کے لئے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لئے ہوئے تھے اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے۔ایسے موقع پر کیا کرتے؟ گارد ایسے موقع پر یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لئے جاتا ہوتا تو کیا کرتا ؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس و قرینہ نہیں۔ انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے :

انہیں شمعون نامی ایک قیروانی آدمی ملا اسے بیگار پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے (متی ۲۷ : ۳۲)

اور شمعون نام ایک قیروانی آدمی جو اسکندر روفس کا باپ تھا ادھر سے گزرا انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے (مرقس ۱۵: ۲۱)

" اور جب اس کو لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نامی قیروانی کو پکڑا جو کھیت سے آ رہا تھا اور صلیب اس پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے اٹھالے چلے (لوقا ۲۳: ۲۶)۔

جب یہ مجموعہ (جو یقیناً کوئی باقاعدہ و منظم نہیں عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ایلتاپیلتا مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا اس سے تمسخر کرتا ہوا سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا اب اس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل دخل شروع ہوتا ہے وہ کیا جانیں کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے وہ اپنے حسب دستور مجرم اسی کو سمجھے جس کے اوپر صلیب لادی ہوئی تھی....... شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا لیکن ادھر مجمع کا شور ہنگامہ ادھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی اسی افراتفری کے عالم میں اسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ وہ چیختا چلاتا رہا حضرت مسیح قدرۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہوگئے اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹامک ٹوئیے مارتے رہ گئے ولکن شبہ لھم یہ عقیدہ تو ایجاد نہیں خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات ۱۴۰ء ہے) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیح نہیں ہوئے بلکہ شمعون کردیئے ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقیدہ تصویب کی طرف اشارہ کر دیا ہے (۱۲۴)۔

مصلوب مسیح اور اناجیل کے تضادات

اناجیل میں جناب مسیح کی مصلوبیت کے واقعہ کے بارے میں مختلف اور متضاد بیانات پائے جاتے ہیں۔

مسیحی حضرات کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی لیکن وہ اس بارے میں چشم دید گواہ پیش نہیں کرتے۔ اناجیل اربعہ کے مرتبین صرف سنی سنائی باتیں تحریر کرتے ہیں اور قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تمام دنیا میں شہادت کا یہ اصول مسلم ہے کہ جب گواہوں کے بیانات میں اختلاف اور تضاد پایا جائے تو وہ شہادت یا گواہی قابل اعتماد نہیں رہتی۔ اب ذرا اناجیل کے اس بارے میں اختلاف اور تضادات دیکھئے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ صلیب کس نے اٹھائی اور گلگتا کے مقام تک لے گیا۔ جناب یسوع نے صلیب اٹھائی یا شمعون نے ؟

مرقس نے لکھا ہے کہ

" اور شمعون نامی ایک کرینی آدمی سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے اور وہ اسے مقام گلگتا پر لائے" (۱۲۵)۔

مگر لوقا کا بیان ہے

" اور جب اس کو لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمون نامی ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر لادی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے لے چلے " (۱۲۶)۔

متی کا کہنا ہے کہ

" جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نامی ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے" (۱۲۷)

ان تینوں کو چھوڑ کر یوحنا کہتا ہے

" اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتا ہے (۱۲۸)۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جناب یسوع نے پھانسی پانے سے پہلے سرکہ یا پت ملی ہوئی شراب پی تھی؟

متی میں ہے

" اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے پہنچ کر پت ملی ہوئی مے اسے پینے کو دی مگر اس نے چکھ کر پینا نہ چاہا (۱۲۴)۔

مرقس میں آتا ہے

" اور مُر ملی ہوئی مے اسے دینے لگے مگر اس نے نہ لی"

گویا کتاب متی کے مطابق یسوع کو پت ملی ہوئی شراب دی گئی جو اس نے چکھی اور اسے پینے سے انکار کر دیا۔

مرقس کا بیان ہے کہ یسوع کو مُر ملی ہوئی شراب دی گئی ہے مگر اسے چکھنے سے بھی انکار کر دیا لیکن لوقا اور یوحنا اس بارے میں چپ ہیں انہوں نے اس واقعہ کو تحریر نہیں کیا۔

(۳) تیسری چیز صلیب پر سرکہ دینے کا واقعہ ہے۔ لوقا میں اس کا ذکر نہیں یوحنا کا بیان ہے۔

" اس کے بعد جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام ہوئیں تاکہ نوشتہ پورا ہو تو کہا کہ میں پیاسا ہوں وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا پس انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے اسفنج کو زوفے کی شاخ پر رکھ کر اس کے منہ سے لگایا (۱۳۰)۔

مرقس کہتا ہے

اور ایک نے دوڑ کر اسفنج کو سرکے میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا (۱۳۱)۔

متی کا کہنا ہے کہ

اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور اسفنج لے کر سرکے میں ڈبویا اور سرکنڈے میں رکھ کر اسے چسایا (۱۳۲)۔

ان تینوں بیانات پر غور کریں تو پہلا تضاد یہ ہے کہ یوحنا کے مطابق جناب یسوع نے یہ کہہ کر کہ میں پیاسا ہوں اپنی پیاس بجھانے کی خواہش ظاہر کی لیکن مرقس اور متی کے کہنے کے مطابق یسوع نے نہ پیاس کا اظہار کیا نہ پیاس بجھانے کے لئے پانی مانگا پھر یوحنا میں آتا ہے کہ انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے اسفنج کو یسوع کے منہ سے لگایا لیکن مرقس اور متی میں صرف ایک شخص کا ذکر آتا ہے کہ وہ اسفنج سرکہ میں بھگو کر لایا پھر مرقس اور متی میں ایک اور اختلاف سامنے آتا ہے۔ مرقس کے مطابق جس شخص نے جناب یسوع علیہ اسلام کو صلیب پر پیاس بجھانے کے لئے سرکہ دیا اس نے کہا کہ

" ٹھہر جاؤ ! دیکھیں تو ایلیاہ اسے اتارنے آتا ہے (۱۳۳)۔

لیکن متی کے رو سے یہ بات اس شخص نے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں نے جو وہاں موجود تھے کہی تھی۔

" مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں (۱۳۴)۔

(۴) چوتھا اختلاف یہ ہے کہ جناب مسیح کو کس وقت پھانسی دی گئی۔

متی اور لوقا میں وقت کے بارے میں کوئی تعین نہیں۔ یوحنا کہتا ہے

" یہ فسح کی تیاری کا دن اور چھٹے گھنٹے کے قریب تھا پھر اس نے یہودیوں سے کہا دیکھو یہ ہے کہ تمہارا بادشاہ۔ پس وہ چلائے کہ لیجا لیجا۔ اسے مصلوب کر۔ پیلاطس نے ان سے کہا میں تمہارے بادشاہ کو

مصلوب کروں ؟ ۔ سردار کاہنوں نے جواب دیا کہ " قیصر کے سوا کوئی بادشاہ نہیں اس پر اس نے اس کو ان کے حوالے کیا کہ مصلوب کیا جائے۔" (۱۳۵)

یوحنا کے قول کے مطابق یسوع کو چھٹے گھنٹے کے قریب یعنی سہ پہر کو سولی چڑہایا گیا لیکن مرقس کا بیان اس کے بارے میں مختلف ہے اس کے مطابق

" اور پہر دن چڑھا تھا جب انھوں نے اس کو مصلوب کیا (۱۳۶)۔

ایک ہی واقعہ کے بارے میں جب ایک راوی دن کا پہلا پہر بتائے اور دوسرا راوی تیسرا پہر تو اس میں کون سی بات درست ہے اور یہ بیان کسطرح قابل اعتماد ہیں؟

(۵) پانچواں اختلاف اس بارے میں یہ ہے کہ یسوع کے ساتھ پھانسی پانے والے دو ڈاکو تھے۔ ان میں سے ایک نے آپ کو لعن طعن کیا یا دونوں نے کیا؟

متی کا بیان ہے :

اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے (۱۳۷)

مرقس کہتا ہے

" .... اور جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے وہ اس پر لعن طعن کرتے تھے (۱۳۸)

لوقا ان دونوں سے اختلاف کرتا ہے

" پھر جو بدکار صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان میں سے ایک یوں طعنہ دینے لگا کہ کیا تو مسیح نہیں؟ تو اپنے آپ کو اور ہم کو بچا مگر دوسرے نے اس جھڑک کر جواب دیا کہ کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے (۱۳۹)۔

یوحنا اس بارے میں خاموش ہے۔

(۶) ایک اور اختلاف یہ ہے کہ یسوع کے پھانسی کے وقت وہ عورتیں کہاں اور کتنے فاصلے پر تھیں جن کو صلیب کی گواہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

یوحنا کا بیان ہے

" اور یسوع کی صلیب کے پاس اس کی ماں اور اس کی ماں کی بہن مریم حلفائی کی بیوی اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں (۱۴۰)۔

لوقا کا کہنا ہے

اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو گلیل سے اس کے ساتھ آئی تھیں دور کھڑی یہ باتیں دیکھ رہی تھیں (۱۴۱)۔

مرقس کے الفاظ یہ ہیں

"اور کئی عورتیں دور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان میں مریم مگرلینی اور چھوٹے یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور سلومی تھیں۔ جب وہ گلیل میں تھا یہ اس کے پیچھے ہو لیتیں اور اس کی خدمت کرتی تھیں اور بھی بہت سی عورتیں تھیں جو اس کے ساتھ یروشلم میں آئی تھیں (۱۴۲)۔

متی یوں کہتا ہے۔

" اور وہاں بہت سی عورتیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھیں دور سے دیکھ رہی تھیں ان میں مریم مگرلینی بھی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور زبدی کے بیٹوں کی ماں (۱۴۳)۔

مندرجہ بالا تمام بیانات پر غور فرمائیں۔ یوحنا کا کہنا ہے کہ عورتیں یسوع کی صلیب کے ساتھ کھڑی تھیں اور دوسری اناجیل کے اقوال کے مطابق عورتیں دور سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ نیز یسوع کی والدہ کی موجودگی کا ذکر صرف یوحنا کرتا ہے باقی اس کے متعلق خاموش ہیں پھر اس جگہ پر موجود عورتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے وہ تین تھیں یا چار تھیں یا زیادہ تھیں۔

ان تمام اختلافات کو سامنے رکھ کر آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ میں اتنا تضاد نہیں پایا جاتا اور ہر کوئی جانتا ہے جب بیانات میں اتنا اختلاف ہو تو اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ اور تجزیہ نگار رائے دے سکتے ہیں کہ یہ کتنا ثقہ معتبر اور قابل یقین ہے۔

مسلمان علماء کی رائے

مسلمان علماء کا تقریباً تقریباً اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ جب دشمن حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو گرفتار کرنے کے لئے پہنچے اور انہوں نے آپ کی رہائش کا محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ اسلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور گرفتار کروانے والے کی شکل و صورت عیسیٰؑ جیسی کر دی ۔ اسی شخص کو پکڑ کر غلط فہمی میں پھانسی دیدی گئی (۱۴۴)۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو گرفتار

کرنے آئے تو آپ نے اپنے حواریوں کو جمع کر کے کہا بتایئے کون میری جگہ اپنی جان کی قربانی دے کر جنت حاصل کرنا چاہتا ہے ان میں سے ایک شخص تیار ہو گیا حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے اپنا عمامہ اور لباس اسے دیا اس نے پہن لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل عیسیٰؑ جیسی کر دی۔ یہودیوں نے اسی کو پکڑ کر پھانسی پر چڑھا دیا (۱۴۵) اسی روایت کو مختلف الفاظوں میں ابن جریر (۱۴۶) اور ابن کثیر (۱۴۷) نے بھی تحریر کیا ہے۔

انجیل متی اور لوقا میں اس پکڑوانے والے کا نام یہودہ(۱۴۸) اور مرقس نے یہودہ اسخریوطی (۱۴۹) یا اسکریوتی لکھا ہے۔ اناجیل میں اس کے بد انجام کے بارے میں مختلف اور متضاد سے بیانات ملتے ہیں متی میں ہے کہ اسے اپنے کرتوت کی وجہ سے شرم آئی اور اس نے خود کشی کر لی (۱۵۰) لوقا،مرقس اور یوحنا نے خاموشی اختیار کی ہے۔ جبکہ اعمال میں ہے اس نے بد کاری کی کمائی سے کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اس کی تمام انتڑیاں نکل پڑیں (۱۵۱)۔ ابن کثیر نے لکھا ہے تو لیو دس وکریالوطا نے تیس درہم کے لئے جاسوسی کی اس شخص نے سپاہیوں کو کہا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں اور جسے بوسہ دوں تم اسے گرفتار کر لینا جب یہ اندر آیا تو حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور حضرت سرجس کو آپ کی صورت بنادیا گیا۔ اس ارتکاب اور مخبری کے بعد یہ حواری بہت نادم ہوا اور خود پھانسی پر لٹک گیا (۱۵۲)۔

ابن جریر نے بھی حضرت عیسیٰؑ کی جگہ پھانسی والے کا نام سرجس لکھا ہے (۱۵۳) ۔

رفع سماوی کا واقع تقریباً ۲۹ء میں پیش آیا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی عمر ۳۳ سال کے قریب تھی (۱۵۴)۔

رفع عیسیٰ اور اجماع امت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق علماء امت کا اجماع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

اما رفع عیسیٰ فاتفق اصحاب لاخبار والتفسیر علی رفعهٗ ببدنه حیا وانما اختلفوا ھل مات قبل ان یرفع اوتام (۱۵۵)۔

تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام اپنے بدن کے ساتھ

آسمان پر اٹھائے گئے اور اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ رفع الی اسماء سے پہلے کچھ دیر کے لئے موت طاری ہوئی یا نہیں یا حالت نیند میں اٹھائے گئے۔

تفسیر بحر المحیط میں ہے۔

قال ابن عطية واجمعت الامة على ما تفمه الحديث المتواتر من ان عيسىٰ فى اسماء لى وانهٗ ينزل فى اخرالزمان (١٥٦)۔

یعنی تمام امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

تفسیر النہر المادمیں ہے۔

واجتمعت الامة على ان عيسىٰ حى فى السماء وينزل الى الارض (١٥٧)۔

امام طبری لکھتے ہیں

والاجماع على انهٗ حى فى السماء و ينزل ويقتل الرجال ويويد الدين (١٥٨)۔

اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں وہ زمین پر آکر دجال اور قتل کریں گے اور دین کی تائید فرمائیں گے۔

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں۔

قال الله عزوجل يعيسىٰ انى متوفيك ورافعك الى۔ وقال الله تعالىٰ وماقتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه۔ واجمعت امة على ان الله عزوجل رفع عيسىٰ الى اسماء (١٥٩)۔

شیخ اکبر نے فرمایا

لا خلاف فى انه ينزل فى اخرالزماں (١٦٠)

علامہ سفارینی لکھتے ہیں

عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اول آیت وان من اھل الکتب...... نقل کی اور ابو ہریرہؓ کی حدیث نقل کی اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فقد اجتمعت الامة على نزوله ولم يخالف فيه احد مين اهل الشريعة وانما انكر ذلك الفلاسفة والملاحدة ممن لا يعتد بخلافه وقد انعقد اجماع الامة على انهٗ ينزل و يحكم بهذا

الشریعة المحمد دلیس ینزل بشریعة مستقله عند نزولہٗ من اسماء وان کانت النبوة قائمة بہٖ وهو متصف بها (١٦١)۔

اس بات پر امت محمدیہ کا اجماع ہو گیاہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے اور اس بارے میں اھل اسلام میں سے کوئی مخالف نہیں ۔ صرف فلاسفہ ملحد اور بے دین لوگوں نے اس سے انکار کیا۔مگر ا ن کااختلاف قابل قبول نہیں۔ اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی شریعت لے کر آسمان سے نازل نہ ہوں اگرچہ وصف نبوت ان کے ساتھ قائم ہو گا۔

احادیث کی روشنی میں

قرآن مبین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب نہ ہونے کی واضح طور پر تردید کی ہے۔ اور ان کے رفع آسمانی حیات امروز کی تصریح بھی کر دی ہے۔

پھر اس اس عقیدے کو تائید وتقویت ان صحیح وکثیر احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مرفوعاً نبی رحمت ﷺ سے روایت کی گئی ہیں۔

نزول عیسیٰ کا ذکر تقریباً تمام کتب احادیث میں آیا ہے۔ ابن جریر نے بھی ان احادیث کو متواتر لکھا ہے (۱۶۲)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے نقل ہوئی ہے۔

(١) والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الحرب و یفیض المال حتی لا یقبلہٗ احد (١٦٣)۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ۔ ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم حاکم عادل بن کر۔ پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے اور .... جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اس درجہ کثرت ہو گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

(۲) ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح ہے۔

قال کیف انتم اذ انزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم (١٦٤)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیسے ہوگے تم جبکہ تمہارے درمیان ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام

اس وقت خود تم میں سے ہوگا۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (دجال کے خروج کا ذکر کرنے کے بعد حضورﷺ نے فرمایا) اسی اثنا میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں باندھ رہے ہوں گے اور نماز کے لئے تکبیر اقامت کہی جاچکی ہوگی کہ عیسیٰ ابن مریمؑ نازل ہو جائیں گے اور نماز میں مسلمانوں کی امامت کریں گے اور اللہ کا دشمن (یعنی دجال) ان کو دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو وہ آپ ہی گھل کر مر جائے مگر اللہ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور وہ اپنے نیزے میں اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے (۱۶۵)۔

(۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا وہ ایک میانہ قد آدمی ہیں رنگ مائل بسرخی و سپیدی ہے دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے کہ گویا اب ان سے پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب کو پاش پاش کر دیں گے خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو مٹا دے گا وہ مسیح دجال کو ہلاک کر دیں گے اور زمین پر وہ چالیس سال ٹھہریں گے پھر ان کا انتقال ہوجائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے(۱۶۶)۔

(۵) حضرت نواس بن سمعان کلابی (قصہ دجال بیان کرتے ہوئے) روایت کرتے ہیں : اس اثناء میں کہ دجال یہ کچھ کر رہا ہوگا اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب وہ سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ ان کی حد نظر تک جائے گی وہ زندہ نہ بچے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لُد (تل ابیب سے چند میل کے فاصلے پر مقام ہے اب یہود کا ایک بڑا ہوائی اڈا بھی ہے) کے دروازے اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے (۱۶۷)۔

اس قسم کی تمام احادیث صحیح سندوں کے ساتھ حدیث کی معتبر کتابوں میں ان صحابہؓ سے منقول ہیں۔

۱۔ عمرانؓ بن حصین	۲۔ نافعؓ بن عیینہ
۳۔ ابوبرزہ اسلمیؓ	۴۔ حذیفہؓ بن اسید
۵۔ ابوہریرہؓ	۶۔ کیسانؓ
۷۔ عثمانؓ بن ابی العاص	۸۔ جابرؓ بن عبداللہ
۹۔ ابوامامہؓ الباھلی	۱۰۔ عبداللہؓ بن مسعود
۱۱۔ عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص	۱۲۔ سمرہؓ بن جندب
۱۳۔ نواسؓ بن سمعان	۱۴۔ عمروؓ بن عون
۱۵۔ حذیفہؓ بن الیمان (۱۶۸)	

ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے

ولهذا كلهم يدخلون فى دين الاسلام متابعين بعيسىٰ عليه اسلام و على يديه وهذا قال تعالىٰ (وان من اهل الكتاب الا ليومن بهٖ قبل موته) الاية وهذه الاية لقومهٖ (وانهٗ لعلم للساعة) وقرى (لعلم) بالتحريك اى امارةودليل على اقتراب الساعة (۱۶۹)۔

اور لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کے ماتحت ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کہا ہے۔ آیت

وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موتهٖ

اور یہ آیت

وانهٗ يعلم الساعة

اور ایک قرات لَعَلَمٌ، کہ جناب مسیح کا نزول قیامت کا ایک زبردست نشان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور حیات کے متعلق احادیث جو تفاسیر اور کتب و حدیث میں موجود ہیں وہ اعلیٰ سند کے ساتھ صحیح اور احسن سے کم درجہ نہیں رکھتیں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ان کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں باعتبار شہرت وتواتر روایات جن کا یہ حال ہے کہ حسب تصریح امام ترمذی

حافظ حدیث عماد الدین بن کثیر۔ حافظ حدیث ابن حجر عقلانی اور دیگر آئمہ حدیث سولہ (۱۶) جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنھم نے ان کو روایت کیا ہے جن میں سے بعض صحابہ کا یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تصریحات سینکڑوں صحابہ کے مجمع میں خطبہ دے کر فرمائیں اور یہ صحابہ کرامؓ بغیر کسی انکار ان روایات کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم سے جن ہزار شاگردوں نے سنا ان میں سے یہ عظیم المرتبہ ہستیاں قابل ذکر ہیں جن میں ہر فرد روایتِ حدیث میں ضبط و حفظ ثقاہت و علمی تبحر کے پیش نظر امامت و قیادت کا درجہ رکھتا ہے مثلاً سعید المسیب، نافع مولیٰ، ابو قتادہ، حنظلہ بن علی الاسلمی، عبدالرحمٰن بن آدم، ابو عمرہ، عطاء بن بشار، ابو سہیل، یحییٰ بن ابی عمرو، جسیر بن نضیر، عروہ بن مسعود ثقفی، عبداللہ بن زید انصاری، ابو زرعہ، یعقوب بن عامر، ابو نصر، ابوالطفیل (رحمھم اللہ)۔ پھر ان علماء کبار اور محدثین اعلام نے جن بے شمار تلامذہ سے سنا ان میں سے روایان حدیث کے طبقہ میں جن کو حدیث اور علوم قرآن کا رتبہ بلند حاصل ہے اور جو اپنے اپنے وقت کے امام الحدیث اور امیرالمومنین فی الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں

" ابن شہاب زہری، سفیان بن عینیہ، لیث، ابن ابی ذئب، اوزاعی، قتادہ، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ، سہیل، جبلہ بن سہیم، علی بن زید، ابو رافع، عبدالرحمٰن بن جبیر، نعمان بن سالم، معمر عبداللہ بن عبیداللہ (رحمھم اللہ)۔

غرض ان روایات و احادیث کا صحابہ، تابعین، تبع تابعین یعنی خیر القرون کے طبقات میں اس درجہ شیوع ہو چکا تھا کہ وہ بغیر کسی انکار کے اس درجہ لائق قبول ہو چکی تھیں کہ آئمہ حدیث کے نزدیک حضرت مسیح علیہ اسلام کے حیات و نزول سے متعلق ان احادیث کو مفہوم و معنی کے لحاظ سے درجہ تواتر حاصل تھا اور اسی لئے وہ بے جھجک اس مسئلہ کو احادیث متواترہ سے ثابت اور مسلم کہتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ روایت حدیث کے تمام طبقات و درجات میں ان روایات کو " تلقّی بالقبول" کا یہ درجہ حاصل رہا ہے کہ ہر دور میں اس کے رواۃ میں آئمہ حدیث اور روایت حدیث کے مدار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مرفوع و موقوف پر صحابہ (رضی اللہ عنھم) احادیث اور روایات کے ناقلین میں امام احمد امام بخاری امام مسلم ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ جیسے اصحاب صحیح وسنن، ائمہ حدیث کے اسماء گرامی شامل ہیں اور وہ باتفاق ان روایات کے صحت و حسن کے قائل ہیں (۱۷۰)۔

ان تمام احادیث کو پڑھ کر ہر آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کا نزول ہو گا۔ محمد ﷺ نے صاف اور صریح الفاظ میں ان احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ اور اگر کوئی اللہ کی قدرت پر یقین رکھتا ہے تو اسے اس بات کا بھی قائل ہونا چاہئے کہ وہ اپنے کسی خاص بندے کو کائنات میں کہیں زندہ رکھ کر قیامت کے قریب واپس بھی لا سکتا ہے۔ اب اگر کوئی احادیث پر یقین رکھتا ہے۔ تو اسے اس عقیدے کا قائل ہونا پڑے گا۔

پس ابن کثیر نے درست کہا ہے کہ آنحضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی پر اتریں گے اس زمانے میں ۱۷۴۱ء میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے۔ اس لئے کہ آگ کے صدمہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والے عیسائی تھے کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح ابن مریم علیہ اسلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے صلیبوں کو توڑ دیں گے۔ جزیے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے جیسے کہ صحیحین کی احادیث میں آیا ہے (۱۷۱)۔

پس امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو یہود کے شر سے بچا کر زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور احادیث متواترہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے قریب اتریں گے۔ اس وقت دنیا میں ظلم و ستم برپا ہوگا۔ آپ آن کر عدل وانصاف سے حکومت کریں گے۔ اس وقت یہود کو قتل کیا جائے گا اور صلیب کو توڑا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ دجال کو بھی قتل کریں گے اس وقت اسلام غالب ہوگا چالیس سال کی عمر پوری کر کے وفات پائیں گے آپ کی عمر اٹھائے جانے کے وقت ۳۳ برس تھی اسطرح دوبارہ آ کر سات سال زندہ رہیں گے اور پھر وفات پا کر نبی ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔

پھر ایک بات ذہن میں رہے کہ رفع مسیح کا عقیدہ اجزاء ایمان اور بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے۔ گو امام مسلم نے باب بیان نزول عیسیٰ کو کتاب الایمان میں تحریر کیا ہے۔ اور نہ ہی یہ کوئی ایسامسئلہ ہے کہ قیامت میں ہم سے اس بارے میں سوال جواب ہو گا لیکن امت مسلمہ کی اکثریت کا یہ نظریہ قرآن و حدیث قریب تر ضرور ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے اور کوئی شخص اس کو

بنیادی عقیدہ نہ سمجھے اور اس کو زیادہ اہمیت نہ دے تو کسی حد تک اس بات کو برداشت کہاں جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی یہ ہے کہ مجھے پہلی مرتبہ یہ الہام ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام وفات پا چکے ہیں تو یہ چیز عقیدہ کے ساتھ ساتھ علمی تحقیق اور دیانتداری کے بھی خلاف ہے۔ آخر میں حیات عیسیٰ کے متعلق مولانا محمد بدرعالم کے الفاظ قابل تحریر ہیں " اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم عنصری کا ساتھ اتر آنا نہ عام انسانوں کی سنت ہے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے لیکن اگر آپ یہ دوباتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور ہے بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہئے قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دے کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر ان کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیاس کر کے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا (۱۷۲)۔

معجزات مسیح

معجزات کا واحد معجزہ ہے۔مادہ عجز اس کے لغوی معنی عاجز ہونا، طاقت نہ رکھنا، قاصر رہنا اور عدم قدرت کے ہیں۔ عجز کا ضد قدرت ہے (۱۷۳)۔ اصطلاح میں اس سے مراد رسول یا نبی کا وہ فعل یا کام ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور طاقت سے سرانجام دیتا ہے۔ جسے اس طرح اس وقت کے باقی لوگ کرنے سے عاجز ہوں اسے خارق عادت بھی کہتے ہیں۔ مولانا عبدالباری ندوی معجزہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کرلی۔ ان واقعات کو توجیہہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے۔ اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ عالم غیب کے ساتھ ان کے روابط کی نشانی وایت یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں ۔قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بنیات براھین یا زیادہ تر آیات ہے۔ محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو معجزات کہتے ہیں (۱۷۴)۔

اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغام کے ساتھ انبیاء کرام کو بھیجا۔ اس پیغام اور تعلیم کو بھلے لوگ تو فوراً قبول کر لیتے ہیں مگر بعض لوگ تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔ ان ہی کے لئے اور اپنے رسولوں کی مدد ونصرت کے لئے بعض خاص خاص نشانیاں اور علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ خلاف معمول کام اور عادات جو انبیاء کرام سے اذن ربی سرزد ہوتے ہیں یہی معجزات کہلاتے ہیں۔

قرآن مجید اور معجزہ

قرآن و حدیث میں لفظ معجزہ اس خاص معنی و مفہوم میں نہیں آیا۔ قرآن حکیم میں اس مفہوم کے لئے لفظ آیت استعمال ہوا ہے۔انجیل میں بھی لفظ نشان آیا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت صالح ؑ اپنے معجزہ کی نسبت فرماتے ہیں

هذه ناقةالله لكم اية (١٧٥)

یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے آیت (معجزہ) ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

فلما جاء هم موسىٰ بايتنابينت قالو ما هذا الا سحر مفترى (١٧٦).

پھر جب موسیٰ ؑ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو۔

فا رسلنا عليهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ايت مفصلت (١٧٧)

آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا ٹڈی دل چھوڑے، سرسریاں پھیلائیں مینڈک نکالے اور خون برسایا یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں۔

وقالوا مهما تاتنا بهٖ من اية لتسحرنا بها فما نحن لك بمومنين (١٧٨)

انہوں نے موسیٰ سے کہا کہ تو ہمیں مسحور کرنے کے لئے خواہ کوئی نشانی لے آئے ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

بنی اسرائیل کے معجزات کے بارے میں آتا ہے

سل بنى اسرائيل كم اتينهم من اية بينه (١٧٩)

بنی اسرائیل سے پوچھو کیسی کھلی کھلی نشانیاں ہم نے انہیں دکھائی ہیں۔

ایک اور معجزہ کے متعلق فرمایا

وانظر الیٰ حمارك ولنجعلك اية للناس (۱۸۰)

دوسری طرف زرا اپنے گدھے کو بھی دیکھو (کہ اس کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں۔

کفار انبیاء کرام سے معجزات طلب کرتے تھے

وقالوا لولا نزل عليه اية من ربه (۱۸۱)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔

فرعون کی لاش لوگوں کے لئے باعث عبرت اور معجزہ خداوندی ہے۔

فااليوم بنجيك ببدنك لتكون لمن خلفك اية (۱۸۲)۔

اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنے۔

رسول معجزات اللہ کے حکم سے دکھاتے تھے

وما كان لرسول ان ياتی باية الا باذن الله (۱۸۳)

اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا کر دکھاتا۔

اسی طرح حضرت ابراھیمؑ کے لئے آتش نمرود کا گل گلزار بنا دینا، حضرت موسیٰ ؑ کے ید بیضا اور عصا کا اژدھا بن جانا قرآنی اصطلاح میں آیات (معجزات) ہیں۔ آیت اور آیات کے علاوہ معجزہ کے لئے قرآن حکیم میں بینات اور برھان کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

واتينا عيسیٰ ابن مريم البينت (۱۸٤)

اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا۔

حضرت موسیٰ ؑ کے معجزات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

فذانك برهانان من ربك (۱۸۵)

تیرے رب کی طرف سے یہ دو روشن نشانیاں ہیں۔

انبیاء کے معجزات کے سلسلے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہیں وہ معجزہ عطا کیا گیا جو ان کی قوم میں فن عروج تھا اور اس کا توڑ دیا گیا۔ مثلاً قوم موسیٰؑ سحر میں یکتا تھی تو پیغمبر وقت کو ید بیضا

اور عصا جیسے معجزات دیئے گئے۔ جادوگروں سے جب ان کا مقابلہ ہوا وہ دم بخود ہو گئے اور پکار اٹھے یہ سحر نہیں ۔ سجدے میں گر گئے اور ایمان لے آئے ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ طب کا تھا یونانی حکیم آج تک زبان زد عام ہیں۔ اسی لئے انہیں ایسے امراض کا علاج دیا گیا کہ وقت کے حکیم عاجز آگئے یہاں تک کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کے سامنے جن معجزات کو پیش کیا ان میں قرآن حکیم نے چار کا ذکر **تفصیل** سے کیا ہے۔

(۱) وہ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے۔

(۲) اور پیدائشی نابینا کو بینا اور جزامی کو ٹھیک کر دیتے۔

(۳) وہ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو خدا کے حکم سے اس میں روح پڑ جاتی۔

(۴) وہ یہ بھی بتا دیا کرتے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور کیا گھر میں ذخیرہ محفوظ ہے۔

قرآن حکیم نے ان معجزات کا ذکر اس طرح کیا ہے

ویعلمه الکتب والحکمة والتوراة والانجیل ورسولاً الی بنی اسرائیل انی قد جئنکم بایة من ربکم .... الخ (۱۸۶)۔

(فرشتوں نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں کہا) اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا ، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا اور جب وہ بحیثیت رسولؑ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو بھی اچھا کرتا ہوں اور اس کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر باذنی فتنفخ فیها فتکون طیراً باذنی ..... (۱۸۷)

تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتا ہے اور اس میں پھونکتا تھا اور وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا تو مادر زدہ اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا تو مردوں کو میرے حکم

سے نکالتا تھا پھر جب تو بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں منکر حق تھے تو انھوں نے کہا یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں تو میں نے ہی تجھے ان سے بچایا۔

ان معجزات اربع کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کے دوسرے معجزات کا ذکر ہوا ان کا خلاصہ یہ ہے

(۱) حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدائش (۱۸۸)۔

(۲) گہوارے (لحد) میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام (۱۸۹)۔

(۳) پیدائش سے اللہ تعالیٰ سے انھیں آسمانی کتب کا علم ہونا (۱۹۰)۔

(۴) رفع الی اسماء (۱۹۱)۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات اربع کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے آیئے ان کا اناجیل سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

مٹی کے پرندوں کا ذکر اناجیل اربع میں نہیں ہے لیکن عبدالماجد دریا بادی تحریر فرماتے ہیں انجیل کلیسائے قبط (مصر) کی مستند الیہ ہے اس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج (Budge) نے اپنی کتاب (Legends of our Lady Mary) کے مقدمہ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنادیتے تھے جو اڑ سکتے تھے (۱۹۲)۔

اندھوں کو بینا کردینے کا ذکراناجیل میں اکثر آتا ہے مثلاً انجیل متی(۱۹۳) اور انجیل مرقس (۱۹۴)۔ لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا میں ہے۔(۱۹۵)۔

اور اس میں تصریح اندھے کے مادرزادہونے کی بھی ہے۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کاذکر انجیل میں دو جگہ ہے ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کا (۱۹۶)۔احی الموتی کا ذکربھی اناجیل میں ہے (۱۹۷)۔ یوحنا میں بڑی تفصیل سے چار دن کے مدفون مردے لعزر کے زندہ کرنے کا ذکر ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے چار آدمیوں کو زندہ کیا۔ (۱) عاذر (۲) ایک بڑھیا کا بیٹا (۳) عاشر کی بیٹی (۴) سام بن نوح۔ عاذر آپؑ کا دوست تھا موت کا وقت قریب آیا تو اس کی بہن نے آپؑ کے پاس پیغام بھجوایا کہ آپ کے دوست کا وقت قریب ہے۔ تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گھر پہنچے تو عاذر

کو فوت ہوئے تین دن ہو گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کو عاذر کی بہن قبر پر لے گئی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی عاذر زندہ ہو گیا اور قبر سے نکل آیا اس کے کافی عرصہ زندہ رہا اور اس کے بال بچے بھی ہوئے۔ یہ واقعہ اناجیل کے لعزر سے ملتا جلتا ہے۔

ایک بڑھیا کے بیٹے کا جنازہ چارپائی پر حضرت عیسیٰؑ کے سامنے سے گزرا۔ آپؑ نے اللہ سے دعا کی وہ زندہ ہو گیا۔ وہ بھی مدت تک زندہ رہا اس کے بچے بھی ہوئے ۔ عاشر محصول وصول کرتا تھا اس کی بیٹی کو فوت ہوئے ایک دن گزر گیاآپ کی دعا سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا وہ بھی مدت تک جیتی رہی اس کے اولاد بھی ہوئی۔ سام بن نوح کی قبر پر آپ خود گئے اور اللہ کا اسم اعظم لے کر صاحب قبر کو پکارا وہ قبر سے نکل آیا۔ قیامت کے برپا ہونے کے خوف سے ان کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے۔ سام نے اٹھ کر کہا کہ قیامت برپا ہوگئی ۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا نہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے تم کو زندہ کیا تھا۔ آپؑ نے کہا اب دوبارہ فوت ہو جاؤ سام نے کہا میں اس شرط پر مرتا ہوں کہ اللہ موت کی سختی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے دعا کی اور وہ دعا قبول ہوئی (۱۹۸)۔ یہ واقع اناجیل اربعہ میں نہیں ہے۔

بماتاکلون وما تدخرون فی بیوتکم کا ذکر اناجیل اربعہ میں نہیں ملتا۔

ایک نمایاں اور ممتاز فرق اناجیل اربعہ اور قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے معجزات کے بارے میں یہ ہے کہ اناجیل میں جناب یسوع کے معجزات اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ وہ صاحب اختیار اور اپنی مرضی وقدرت سے یہ فعل کرتے تھے لیکن قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ معجزات صرف اللہ کے حکم سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔

قرآن حکیم میں بہت سے انبیاء کرام کے معجزات کاذکر موجود ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا بیان بہت تفصیل اور تکرار سے آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اھل کتاب میں سے انہیں دو قوموں کے لوگ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کے پہلے مخاطب تھے۔

معجزات کی تقسیم بھی کی گئی ہے ۔ بعض کے نزدیک معجزات کی دو اقسام ہیں۔

(۱) کونیہ جس میں ظاہری مادی معجزات بیان کئے جاتے ہیں۔

(۲) کلامیہ جیسے اللہ کا آخری کلام قرآن حکیم۔ معجزات کونیہ عارضی اور وقتی اور جلد مٹ جانے

والے لیکن معجزہ کلامیہ یعنی قرآن مجید دائم ابدی معجزہ ہے جو قیامت تک قائم رہے گا۔

سید سلیمان ندوی اس بات کو یوں تحریر کرتے ہیں (قرآن حکیم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے) کہ آیات و نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی ۔ ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوراق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں مثلاً مردہ کا زندہ کرنا ، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا، بیمار کا اچھا کرنا وغیرہ۔ باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعی نبوت کی صداقت ، معصومیت تزکیہ تاثیر ، تعلیم، ہدایت ،ارشاد، فلاح اور تائید ہے۔ اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لئے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں۔ باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہوں کے لئے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر پہنچانتی ہیں (۱۹۹)۔

معجزات کے سلسلے میں ایک بات یہ یاد رہے کہ اس کی طلب نبی کے مددگار نہیں کرتے بلکہ مخالفین کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ بنی اسرائیل نے نہیں فرعون اور اس کے درباریوں نے طلب کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ مانگا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے ابوبکرؓ نے نہیں بلکہ ابوجہل اور ابولہب کہتے تھے اور پھر معجزہ آنے کے بعد بھی مخالفین کو تسلی نہیں ہوئی ۔ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ تو کوئی جادوگری ہے۔ اناجیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے لیکن تقریباً ہر معجزہ کے بعد لوگوں کے دو گروہ ہو جاتے۔ ایک تو نبی کا مددگار جو یقین کر لیتا دوسرا مخالفین کا جو کہتا کہ یسوع کے ساتھ شیطان ہے۔ "تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا اور بہتوں نے ان سب سے کہا اس میں بدروح ہے اور وہ دیوانہ ہے تم اس کی کیوں سنتے ہو ۔ اوروں نے کہا کہ یہ باتیں آسیب زدہ کی نہیں کیا بدروح اندھوں کی آنکھیں کھول سکتی ہیں(۲۰۰)"۔ "لوگ ایک آسیب زدہ گونگے کو اس کے پاس لائے اور جب بدروح نکالی گئی تو گونگا بولا اور لوگوں نے تعجب کر کے کہا کہ اسرائیل میں کبھی نہیں دیکھا گیا مگر فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے (۲۰۱)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مخالفین کے جواب میں کہا تم میری بابت کہتے ہو کہ یہ بعل زبول (بدروح) کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے (۲۰۲)۔

" یسوع نے یہ باتیں کہیں اور اپنے تئیں ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا اور اگرچہ اس نے

ان کے روبرو اتنے معجزات دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے (۲۰۳)۔

معجزہ دیکھنے سے مخالفین اور معاندین کو تسلی نہیں ہوتی اور وہ پھر مسلسل اصرار کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہمیں اور معجزے دکھاؤ۔ اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے لیکن پھر بھی فریسی مطمئن نہ ہوئے اور ان کی تشنگی باقی رہ گئی ہر بار انہوں نے نیا معجزہ طلب کیا۔

تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسیٰؑ) حجت کر کے اس کے امتحان کے لئے کوئی آسمان سے نشان چاہا (۲۰۴)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے افسوس سے کہا :

" اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا (۲۰۵)۔

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ لوگوں نے کہا یہ بعل زبول (بدروح) کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے (۲۰۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا

اس زمانہ کے لوگ بہرے ہیں۔ وہ نشان ڈھونڈتے ہیں پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا مگر یونس نبی کا نشان (۲۰۷)۔

یہ وہ تقابلی جائزہ ہے جو معجزات کے بارے میں قرآن حکیم اور اناجیل اربعہ سے پیش کیا گیا ہے۔

حوالہ جات
باب چہارم

(۱) عارف محمود الحسن و صدیقی بشیر احمد مقالہ " عیسیٰ" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۲
ص ۳۶

(۲) آلوسی محمود بغدادی ، روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۱

(۳) آلوسی محمود بغدادی ، روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۱

(۴) ثناء اللہ قاضی پانی پتی، تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۳۸

(۵) القرآن ۲ : ۴۵

(۶) القرآن ۴ : ۱۷۱

(۷) القرآن ۴ : ۱۷۱

(۸) راغب مفردات بزیل مادہ مزید دیکھئے عبدالباقی محمد فواد ، معجم المفہرس لالفاظ القرآن
الکریم لاہور سہیل اکیڈمی ،۱۹۹۲ء

(۹) القرآن ۳ : ۳۳۔۳۷

(۱۰) طبری ، تفسیر ۳ : ۲۴۶

(۱۱) القرآن ۳ : ۳۷۔۴۱

(۱۲) القرآن ۱۹ : ۱۶۔۲۱ مزید دیکھئے القرآن ۳ : ۴۵۔۴۶

(۱۳) القرآن ۱۹ : ۱۶۔۲۱

(۱۴) القرآن ۳ : ۴۵۔۴۹

(۱۵) ابن کثیر ، البدایہ والنھایہ ۲ : ۶۵

(۱۶) حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن ۳ : ۴۳

(۱۷) آزاد ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن مکتبہ مصطفائی ،کشمیری بازار لاہور ج ۲ ص ۴۳۲
مزید دیکھئے دریابادی عبدالماجد تفسیر ص ۶۲۶

(۱۸) متی ۲ : ۱

(۱۹) لوقا ۴ : ۱۶

(۲۰) متی ۲ : ۲۳

(۲۱) القران ۲۱ : ۹۱

(۲۲) القران ٦٦ : ۱۲

(۲۳) القران ۱۹ : ۲۲۔۳٦

(۲۴) القران ۲۳ : ۵۰

(۲۵) ابن کثیر ،البدایہ ۲۷۷

مزید دیکھئے رازی تفسیر کبیر و ماجدی تفسیر ایت زیر تفسیر

(۲٦) القران ۳ : ۵۹

(۲۷) القران ۳ : ۴۷

(۲۸) المراغی ، تفسیر ۳ : ۱۵۲

بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۴/۲ ص ۳٦۱

(۲۹) القران ٦٦ : ۱۲

(۳۰) القران ۴ : ۱۷۱

(۳۱) القران ۱۵ : ۲۹

(۳۲) القران ۳۸ : ۷۲

(۳۳) القران ۲۱ : ۹۱

(۳۴) القران ٦٦ : ۱۲

(۳۵) القران ۳٦ : ۹۲

(۳٦) القران ۱۹ : ۳۰۔۳۴

(۳۷) القران ۴ : ۱۷۱

(۳۸) مودودی، نصرانیت ص ۲۵

(۳۹) ماجدی تفسیر ص ۲۲۲

(۴۰) انسائیکلوپیڈیا اف بائیبل بحوالہ حفظ الرحمٰن ،قصص القران ج ۳ ص ۷۳

(۴۱) نواب علی، صحف سماوی ص ۱۴۲

(۴۲) القران ٦٦ : ١٢

(۴۳) القران ۴ : ١٧١

(۴۴) متی ١ : ١

(۴۵) ابن کثیر " البدایہ والنھایہ ٢ : ٦٥

(۴٦) محمود الحسن مقالہ عیسیٰ ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١۴/ ٢ ص ٣٦٢

(۴۷) القران ١٩ : ٣٥

(۴٨) الطبری تاریخ ١ : ٧٢٩۔٧٣٣

مزید دیکھئے ابن کثیر البدایہ ٢ : ٧٥۔٧٧

(۴٩) متی ١ : ٢٢

(۵٠) ابن کثیر البدایہ ٢ : ٧٨

(۵١) متی ٣ : ١٦۔١٧

(۵٢) القران ۵٣ : ٧

(۵٣) القران ١٩ : ٢٩۔٣١

(۵۴) القران ٣ : ۵۴

(۵۵) القران ٣ : ۵٣

(۵٦) طبری محمد بن جریر، جامع البیان ج ٣ ص ٢٨٩

(۵٧) ابن کثیر ، تفسیر ابن کثیر ج ١ ص ٣٦۵

(۵٨) آلوسی محمود، روح المعانی ج ٢ ص ١٧٨

(۵٩) آلوسی محمود، روح المعانی ج ٢ ص ١٧٨

(٦٠) آلوسی محمود، روح المعانی ج ٢ ص ١٧٨

مزید دیکھئے ثناء اللہ پانی پتی ، تفسیر مظہری (عربی) مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ٢ ص ۵۵

(٦١) بحوالہ آلوسی روح المعانی ج ٢ ص ١٧٨

(٦٢) القران ٣ : ۵۵

(۶۳) ابن کثیر، تفسیر ج ۱ ص ۳۶۶

(۶۴) طبری، جامع البیان ج ۳ ص ۲۹۱

(۶۵) طبری، جامع البیان ج ۳ ص ۲۹۱

(۶۶) بحوالہ طبری، جامع البیان ج ۳ ص ۲۸۹

آلوسی روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۹

(۶۷) سیوطی جلال الدین، الاتقان (فصل ۴۴) ج ۲ ص ۳۲ اردو ترجمہ محمد حلیم ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء

(۶۸) ابن منظور ،لسان العرب ج ۱۸ ص ۱۳۴

(۶۹) الزمخشری محمود بن عمر، الکشاف ج ۱ ص ۳۶۶

(۷۰) الزمخشری محمود بن عمر، الکشاف ج ۱ ص ۳۶۶

(۷۱) الرازی الکبیر ج ۸ ص ۱۷

(۷۲) طبری ، جامع البیان ج ۳ ص ۲۸۹

(۷۳) ابن کثیر ، تفسیر ج ۱ ص ۳۶۶

(۷۴) زمخشری اساس البلاغہ ج ۲ ص ۳۰۴ بحوالہ محمد ادریس کاندھلوی حیات عیسیٰ ص ۴۳ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء

(۷۵) ابن منظور ، لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۵۸

(۷۶) زبیدی، تاج الفردوس ج ۱۰ ص ۳۹۴ بحوالہ محمد ادریس کاندھلوی حیات عیسیٰ ص ۴۳

(۷۷) ابن تیمیہ ، الجواب الصحیح مکتبہ البلدالامین جدہ ۱۹۹۳ء ج ۲ ص ۲۸۳

(۷۸) البقاء کلیات بحوالہ حفظ الرحمٰن قصص القران ج ۴ ص ۱۱۸۰

(۷۹) راغب مفردات ص ۵۲۸

(۸۰) ابن منظور لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۵۸

(۸۱) راغب مفردات ص ۵۲۹

(۸۲) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۶۶

(۸۳) سیوطی تفسیر در منشور ج ۲ ص ۳۶
بحوالہ محمد شفیع مفتی معارف القران ج ۲ ص ۴۷
(۸۴) آلوسی روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۹
(۸۵) ادریس کاندھلوی حیات عیسیٰ ص ۹۵
(۸۶) بحوالہ محمد ثناء اللہ التفسیر المظہری (عربی) ج ۳ ص ۵۶
(۸۷) حفظ الرحمٰن سیوہاروی قصص القران ج ۴ ص ۱۱۴۔۱۱۵
(۸۸) القران ۶۷ : ۲
(۸۹) القران ۲۵ : ۳
(۹۰) القران ۳۱ : ۵
(۹۱) القران ۷۵ : ۲۶
(۹۲) القران ۵۳ : ۴۴
(۹۳) القران ۳ : ۲۷
(۹۴) القران ۲ : ۷۳
(۹۵) القران ۲ : ۲۰۸
(۹۶) القران ۳ : ۴۹
(۹۷) محمد سلیمان سلمان منصورپوری قاضی " تائیدالاسلام " ناشران عبدالباقی ماڈل ٹاؤن لاہور ص ۳۵ تا ۳۷
(۹۸) ادریس کاندھلوی ، حیات عیسیٰ ص ۱۱۰۔۱۱۲
(۹۹) القران ۴ : ۱۵۷۔۱۵۸
(۱۰۰) راغب المفردات ص ۲۰۰
(۱۰۱) القران ۲ : ۶۳
(۱۰۲) القران ۱۳ : ۲
(۱۰۳) راغب المفردات ص ۲۰۰

(۱۰۴) راغب المفردات ص ۲۰۰

(۱۰۵) راغب المفردات ص ۲۰۰

(۱۰۶) قرطبی ابی عبداللہ محمد بن احمد ،الجامع الاحکام القران

ج ۳ ص ۱۱ انتشارات ناصر خسرد تہران ایران ۱۹۶۵ ء

(۱۰۷) النسفی عبداللہ بن احمد محمود، تفسیر المدارک التنزیل و حقائق التاویل قدیمی گیٹ لاہور ۱۹۹۳ء

(۱۰۸) بحر بحوالہ تفسیر المدارک التنزیل و حقائق التاویل قدیمی گیٹ لاہور ۱۹۹۳ء

(۱۰۹) رازی الکبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳

(۱۱۰) طبری جامع البیان ج ۳ ص ۲۹۰

(۱۱۱) رازی الکبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳

(۱۱۲) القران ۲ : ۲۵۲

(۱۱۳) القران ۷ : ۱۷۶

(۱۱۴) القران ۱۹ : ۵۷

(۱۱۵) امین احسن اصلاحی تدبر قران ،فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۶ ء ج ۲ ص ۱۰۴

(۱۱۶) مودودی، تفہیم القران ج ۱ ص ۴۲۰۔۴۲۱

(۱۱۷) محمد ادریس کاندھلوی حیات عیسیٰ ص ۸۶۔۸۷

(۱۱۸) ماجدی تفسیر ص ۱۳۷

(۱۱۹) رازی ،الکبیر ج ۱۰ ص ۱۰۰

(۱۲۰) متی ۲۶ : ۴۷۔۵۰

(۱۲۱) یوحنا ۱۸ : ۳۔۸

(۱۲۲) متی ۱۷ : ۱۔۲

(۱۲۳) لوقا ۹ : ۲۹

(۱۲۴) ماجدی، تفسیر ص ۲۲۹

(۱۲۵) مرقس ۱۵ : ۲۱

(۱۲۶) مرقس ۲۳ : ۲۶

(۱۲۷) متی ۲۷ : ۲۶

(۱۲۸) یوحنا ۱۹ : ۱۷

(۱۲۹) متی ۲۷ : ۳۳ـ۳۴

(۱۳۰) یوحنا ۱۹ : ۲۸ـ۲۹

(۱۳۱) مرقس ۱۵ : ۳۶

(۱۳۲) متی ۲۷ ، ۲۸

(۱۳۳) مرقس ۱۵ : ۳۶

(۱۳۴) متی ۲۷ : ۴۷

(۱۳۵) یوحنا ۱۹ : ۱۴ـ۱۶

(۱۳۶) مرقس ۱۵ : ۲۵

(۱۳۷) متی ۲۷ : ۴۴

(۱۳۸) مرقس ۱۵ : ۳۲

(۱۳۹) لوقا ۲۳ : ۴۹

(۱۴۰) یوحنا ۱۹ : ۲۵

(۱۴۱) لوقا ۲۳ : ۴۹

(۱۴۲) مرقس ۱۵ : ۴۰ـ۴۱

(۱۴۳) متی ۲۷ : ۵۵ـ۵۶

(۱۴۴) ابن کثیر ، البدایہ والنھایہ، المکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۹۸۶ء ۲ :۹۲

(۱۴۵) آلوسی ، روح المعانی ج ۴ ص ۱۰

مزید دیکھئے ابن کثیر ،البدایہ والنھایہ ۲ : ۹۳

(۱۴۶) ابن جریر ، جامع البیان ۴ : ۱۲

(۱۴۷) ابن کثیر ، تفسیر ج ۱ ص ۵۷۳

(۱۴۸) متی ۲۷ : ۱

لوقا ۲۲ : ۴۸

(۱۴۹) مرقس ۱۴ : ۴۳

(۱۵۰) متی ۲۷ : ۳-۱۰

(۱۵۱) اعمال ۱ : ۱۸ بعد

(۱۵۲) ابن کثیر، تفسیر ج ۱ ص ۵۷۵

مزید دیکھئے یہی مصنف البدایہ والنھایہ ۲ : ۹۳

(۱۵۳) ابن جریر ، جامع البیان ۴ : ۱۵

(۱۵۴) ابن کثیر البدایہ والنھایہ ج ۲ ص ۹۵

(۱۵۵) عسقلانی ابن حجر، تلخیص الجبر ص ۳۱۹ حوالہ کاندھلوی حیات عیسیٰ ص ۱۳۳

(۱۵۶) ابن عطیہ " تفسیر بحر المحیط" ص ۴۷۳

حوالہ محمد بدر عالم ادارہ تشیریات اسلام رحیمیار خان ۱۳۷۷ھ ص ۲۹

(۱۵۷) تفسیر النھر ج ۲ ص ۳۷ حوالہ محمد بدر عالم ادارہ نشریات اسلام رحیمیار خان ۱۳۷۷ھ ص ۲۹

(۱۵۸) طبری ،جامع البیان ج ۴ ص ۲۲

(۱۵۹) امام ابوالحسن اشعری، کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص ۴۶ حوالہ بدر محمد عالم نزول عیسیٰ ص ۳۰

(۱۶۰) شیخ اکبر ، فتوحات مکیہ باب ۷۲ حوالہ بدر محمد عالم نزول عیسیٰ ص ۳۰

(۱۶۱) علامہ سفارینی شرح عقیدہ سفاریۃ ج ۲ ص ۹۰ حوالہ بدر محمد عالم نزول عیسیٰ ص ۳۰

(۱۶۲) طبری ،جامع البیان ج ۲ ص ۲۹۱

(۱۶۳) مسلم بن حجاج ، صحیح مسلم ، کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ

(۱۶۴) مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان بیان نزول عیسیٰ

(۱۶۵) مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان بیان نزول عیسیٰ

(۱۶۶) ابو داؤد سلیمان بن اشعث سنن ابی داؤد کتاب اعلاحم باب خراج الدجال

(۱۶۷) مسلم، صحیح مسلم ، کتاب الایمان ص ۲۵۹

(۱۶۸) ابن کثیر، تفسیر ج ا ص ۱۲

(۱۶۹) ابن کثیر، تفسیر ج ا ص ۱۲

(۱۷۰) سیوہاروی، قصص القران ج ۴ ص ۱۴۰۔۱۴۳

(۱۷۱) ابن کثیر، تفسیر ص ۵۸۴

(۱۷۲) محمد بدر عالم ، نزول عیسیٰ ص ۲۳

(۱۷۳) ابن منظور ، لسان العرب بزیل مادہ

(۱۷۴) عبدالباری مولانا، مقالہ دلائل و معجزات،
بحوالہ سلیمان ندوی سیرت النبی ج سوم ص ۱۳۹۔۱۴۰

(۱۷۵) القران ۷ : ۷۳

(۱۷۶) القران ۲۸ : ۳۶

(۱۷۷) القران ۷ : ۱۳۳

(۱۷۸) القران ۷ : ۱۳۲

(۱۷۹) القران ۲ : ۲۱۱

(۱۸۰) القران ۲ : ۲۵۹

(۱۸۱) القران ۶ : ۳۷

(۱۸۲) القران ۱۰ : ۹۲

(۱۸۳) القران ۴۰ : ۷۸

(۱۸۴) القران ۲ : ۸۷

(۱۸۵) القران ۲۸ : ۳۱

(۱۸۶) القران ۳ : ۴۸۔۵۰

(۱۸۷) القرآن ۵ : ۱۱۰

(۱۸۸) القرآن ۳ : ۴۵_۴۶

(۱۸۹) القرآن ۱۹ : ۲۹

(۱۹۰) القرآن ۵ : ۱۱۰

(۱۹۱) القرآن ۴ : ۱۵۸

(۱۹۲) ماجدی تفسیر ص ۱۳۰

(۱۹۳) متی ۹ : ۲۷_۳۰ ، متی ۲۰ : ۲۹_۳۲

(۱۹۴) مرقس ۸ : ۲۲_۲۵

(۱۹۵) یوحنا ۹ : ۱_۷

(۱۹۶) متی ۸ : ۱_۳

مزید دیکھئے لوقا ۱۲ : ۱۱_۱۴

(۱۹۷) لوقا ۷ : ۱۱_۱۶

مزید دیکھئے متی ۹ : ۱۸_۲۵

یوحنا ۱۱ : ۱_۴۴

(۱۹۸) بغوی ، بحوالہ آلوسی روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۹

مزید دیکھئے ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۴۳

(۱۹۹) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۳ ص ۲۴۳

(۲۰۰) یوحنا ۱۰ : ۱۹_۳۱

(۲۰۱) متی ۹ : ۳۲_۳۴

(۲۰۲) لوقا ۱۱ : ۱۹

(۲۰۳) یوحنا ۱۳ : ۳۳

(۲۰۴) مرقس ۱۸ : ۱۰

(۲۰۵) مرقس ۱۸ : ۱۲

(٢٠٦) لوقا ١١ : ١٩

(٢٠٧) لوقا ١١ : ٢٩

باب پنجم

اناجیل اربعہ میں مذکورہ عقائد پر تبصرہ (قرآن حکیم کی روشنی میں)

توحید

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

توحید کے معنی ہے (اللہ کو ایک ماننا) اس پر ایمان لانا اس کا فعل احد اور وحد ہے۔

احدت اللہ ووحدتہ وھو الواحد الاحد (ترجمہ) یعنی میں نے اللہ کو ایک مانا اور اللہ واحد اور احد ہے۔(1)

امام راغب لکھتے ہیں احد کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے ا۔ کبھی صرف نفی میں اور کبھی صرف اثبات میں۔ نفی کی صورت میں ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور استغراق جنس کے معنی دیتا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر مجتمع یا متفرق جسے مافی الدار احد (گھر میں کوئی بھی نہیں ہے) یعنی نہ ایک ہے اور نہ دو یا دو سے زیادہ نہ مجتمع اور نہ ہی متفرق طور پر۔ اس معنی کی بناء پر کلام مثبت میں اس کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ دو متضاد چیزوں کی نفی تو صحیح ہو سکتی ہے لیکن دونوں کا اثبات نہیں ہوتا جب فی الدار واحد کہا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک اکیلے کا گھر میں ہونا تو ثابت ہوگا ہی مگر ساتھ ہی دو یا دو سے زیادہ کا بھی اجتماعاً او فتراقاً اثبات ہو جائے گا پھر احد کا لفظ چونکہ مافوق الواحد کی بھی نفی کرتا ہے اس لئے مامن احد فاضلین کہنا صحیح ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فما منكم من احد عنه حاجزين -(2) پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوگا۔

کلام مثبت میں احد کا استعمال تین طرح پر ہوتا ہے ا۔ عشرات کے ساتھ ضم ہو کر جیسے احد عشر گیارہ احد وعشرون (اکیس) وغیرہ۔ (۲) مضاف یا مضاف الیہ ہو کر اس صورت میں یہ اول (یعنی پہلا) کے معنی میں گا جسے فرمایا اما احد كما فيسقى ربه خمراً-(3) یعنی تم میں سے جو پہلا ہے وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔ یوم الاحد ہفتے کا پہلا دن یعنی اتوار۔ ۳۔ مطلقاً بطور وصف استعمال ہو تو اس صورت میں یہ باری تعالیٰ وصف ہی ہوگا (اور اس کے معنی ہوں گے یکتا۔ یگانہ ۔بے نظیر۔ بے مثل جیسے فرمایا۔ قل هو الله احد(4)۔ کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ ہے ایک ہے۔ احد اصل میں وحد ہے لیکن وحد کا لفظ غیر باری تعالیٰ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔(5)۔ لین نے لکھا ہے کہ توحید کا مادہ وح د کا مصدر ہے لغوی طور پر اس کے معنی ہیں ایک بنانا یا یکتائی کا اثبات(6) میکڈونلڈ بتاتا ہے کہ یہ مصدر (وح د) قرآن حکیم میں نہیں آیا نہ اس مادے سے نہ اس کے قریبی مادے اح د سے کوئی فعل آیا ہے(7) لیکن لسان العرب میں ابن منظور نے اس پر نہایت مفصل لسانیاتی بحث کی ہے جس میں ان دونوں مادوں سے مشتق صیغوں کا استعمال کی بہت سی صورتیں نسبت بہ اللہ تعالیٰ اور نسبت بالانسان بیان کی ہیں۔(8)

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ مانا جائے توحید کے بارے میں فقط ایمان یا تصدیق معتبر نہیں ہے کمال توحید یہ ہے کہ نفس ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جائے جس سے وہ بے اختیار اللہ کو اپنی ذات۔ صفات اور افعال میں یکتا جان لے۔(9)

ابن خلدون کہتا ہے کہ توحید ایک علم ہے جس میں ایمان کے صحیح عقیدوں کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جاتا ہے اور جس سے اہل بدعت کو باتوں کو جو سلف صالحین اور اہل سنت کے عقیدوں سے منحرف ہو چکے ہیں رد کیا جاتا ہے۔(10)

شاہ ولی اللہ توحید کی حکمت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ سب نیکیوں کی اصل توحید ہے یہ اس لئے کہ اللہ رب العالمین کے لئے عاجزی وانکساری کرنا اسی پر موقوف ہے اور یہ سعادت کے تمام اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے یہ اس تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو دونوں تدبیروں میں زیادہ مفید ہے اور اس کی وجہ سے آدمی کو غیب کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے نفس انسانی وجہ مقدس میں مل جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔(11)

توحید کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے

اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کی مانند ہے اور نہ اس جیسا کوئی ہے لیس کمثله شیء(12)

وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا (لم یلد ولم یولد) (13)

وہ رازق ہے۔ موت وحیات، صحت وبیماری، خیر وشر اور تمام امور کا مدبر ہے۔

قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملك السمع والا بصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللّٰه فقل افلاتتقون۔ (14)

آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا (یہ بتلاؤ) کہ وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہی اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ ہی ہے تو ان کو کہئے پھر (شرک سے کیوں نہیں بچتے۔ مصائب سے نجات دینے والا مشکل کشا اور دافع البلاء اللہ کی ذات ہے۔

واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبه او قاعداً اور قائماً۔ (15)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ غرض اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ وجاوید ہے سب چیزوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔(16)

زمین وآسمان میں سب کچھ اس کا ہے۔(17)

وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(18)

تمام غیب کے خزانے اس کے پاس ہیں جو کچھ خشکی اور سمندروں میں ہے وہ ان سب کو جانتا ہے۔(19)

وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اس نے ہماری حفاظت کا انتظام کیا ہوا ہے اور جب کسی کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو اس کی روح فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔(20)

کفار اور مشرکین سے مرتے وقت فرشتے پوچھتے ہیں "اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے تھے اب وہ کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے" (21)

اس کے سوا کسی اور کو نہیں پکارنا چاہئے۔(22)

اللہ کے سوا نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان۔(23)

وہ بے قرار آدمی کی دعا قبول کرتا ہے جب کوئی اسے پکارے تو وہ اس کی مصیبت دور کر دیتا ہے۔(24)

وہ تمام کائنات کا بادشاہ ہے اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں۔(25)

وہ جسے چاہے ملک دے جس سے چاہے چھین لے جس کو چاہے عزت دے جس سے چاہے چھین لے۔(26)

وہ بہت قریب ہے پکارے والے کی پکار سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔(27)

وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اسے بھی واقف ہے۔(28)

وہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے(29)

تمام انبیاء کو توحید کے بارے میں وحی کی گئی تھی۔(30)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں(31)

اس نے رحمت کو اپنے اور لازم کر لیا ہے۔(32)

اس نے موت و زندگی پیدا کیا تاکہ آزمائے کہ کون اچھے کام کرتا ہے۔(33)

وہ انسان کے اس کی رگ زندگی سے بھی زیادہ قریب ہے۔(34)

پناہ اسی سے مانگنی چاہئے۔(35)

اللہ متقیوں کا دوست ہے۔(36)

وہ مددگار بھی ہے۔(37)

وہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(38)

اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(39)

وہ انسان کے کھلے اور چھپے بھیدوں کو جانتا ہے۔(40)

وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(41)

وہ سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔(42)

اس کے سوا کوئی ذات نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان۔(43)

نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ اس کی بیوی۔(44)

اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر وہ سب کو دیکھتا ہے۔(45)

وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔(46)

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کی روز مرہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک ایک معاملے سے اتنا گہرا اور قریبی واسطہ رکھتا ہے کہ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ٹوکتا ہے۔ مختلف سرگرمیوں کے بھلے اور برے پہلو نمایاں کرتا ہے قدم قدم پر ہدایات دیتا ہے۔ وہ کہیں عدل واحسان اور اقرباء سے محبت کی نصیحت کرتا ہے کہیں نفاق اور بزدلی اور مفاد پرستی سے روکتا ہے۔ کہیں وہ مرد و زن کو گھر کی پاکیزہ فضا قائم رکھنے کا سبق دیتا ہے کہیں رضاعت اور میراث کے معاملات میں ان کو پریشانیوں سے نکالتا ہے۔ کہیں آداب مجلس سکھاتا ہے کہیں حدود و تعزیرات اور قوانین متعین کرتا ہے۔ الغرض دکھ درد میں وہ ساتھی اور مشکلات میں شفیق ترین استاد ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا ایسے خدا کو ماننے سے جو اعتماد یقین اور پختہ شعور حاصل ہوتا ہے وہ ہمیں اور نہیں ملتا۔ یہ خدا سب کچھ جاننے اور دیکھنے والا ہے۔ کوئی آڑ نہیں جو بیچ میں حائل ہو کوئی مغالطہ نہیں جس کا وہ شکار ہو جائے۔ وہ دلوں کے بھید اور نیتوں کے ہر گوشے سے واقف ہے۔ وہ ماضی حال اور مستقبل کا پورا علم رکھتا ہے۔ پھر وہ صاحب قوت بھی ہے جس پر ضعف و نقاہت کا غلبہ نہیں ہوتا۔ جسے کام کا بوجھ دوسروں پر بانٹنے کی کوئی مجبوری درپیش نہیں ہے۔ اور جو اپنی ذمہ داریوں میں کسی دوسرے کے مشورے یا تعاون کا محتاج نہیں یہ خدا صرف صاحب قوت ہی نہیں اپنے بندوں کا رفیق و دمساز اور ولی و کارساز بھی ہے۔ ان اللّٰہ مولی الذین امنو .(47)

بے شک اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے رفیق بھی ایسا نہیں جو وقت پڑنے پر ہاتھ میں نہ آئے بلکہ پکارنے پر ہر لمحے کا ساتھی برے اور بھلے کا ساتھی وھو معکم این ما کنتم(48)

تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے ایسا ساتھی جو کٹھن گھڑیوں میں ہمت بندھاتا ہے جب بندوں کو کوئی چرکہ لگتا ہے تو فوراً مرھم تسکین لئے پاس موجود ہوتا ہے۔ اپنے قصر رحمت کا باب کھول دیتا ہے۔ کہ ناسازگار حالات کی آندھیوں میں مجھے پکارو میں تمہاری فریادیں سنتا ہوں اور ان پر مناسب کاروائی کرتا ہوں ادعونی استجب الکم۔(49)

مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کر دوں گا۔

اسلام نے توحید کے بھولے سبق کو یاد دلایا۔ آنحضرت ﷺ نے شرک کی گوناگوں صورتوں کا خاتمہ کیا جن کی تفصیل سید سلیمان ندوی صاحب نے اسطرح پیش کی

۱۔ تعدد خدا کا ابطال
۲۔ بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم سے روکنا
۳۔ درمیانہ واسطوں کا خاتمہ
۴۔ خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں
۵۔ حرام و حلال خدا کا کام ہے
۶۔ غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم کی ممانعت

۷۔ صفات الٰہی کی توحید

۸۔ مخفی قوتوں کا ابطال

۹۔ ادہام وخرافات کا ابطال

۱۰۔ شفاعت کے غلط معنی کی تردید

۱۱۔ اجرام سماوی کی قدرت کا نکار

۱۲۔ غیر خدا کی قسم سے روکنا

۱۳۔ خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں

۱۴۔ قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا(50)

وجود باری تعالی

وجود باری تعالی کا احساس ہر دور میں انسان کی فطرت میں رہا ہے خدا کے وجود کا اقرار ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں لوگ کرتے چلے آئے ہیں۔ منکرین خدا نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اس لئے ان کو اہمیت نہیں دی جاسکتی اس حقیقت کے بارے میں سید سلمان ندوی فرماتے ہیں۔وحی محمدی کا سب سے پہلا دعوی یہ ہے کہ اس ایک قادر مطلق خالق عالم اور صانع ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ گمنام قوموں کی تاریخوں کا سراغ لگایا ہے۔ جس میں سامان تمدن اعلی اختیارات اور علوم کی لاکھ کمی محسوس ہوتی ہے ہو مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نظر نہیں آتی ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں جو بالکل وحشی قومیں ملتی ہیں وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں عالم کے خالق اور کائنات کے صانع تخیل سے بہرہ در ہیں غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ زمین خالی نہیں ملتا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے اسی لئے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے۔(51)

اللہ تعالی فرماتے ہیں

"اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو کیا۔ خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے ہیں۔"(52)

اتنی منظم اور مربوط کائنات خود بخود نہیں بن سکتی اس کا یقیناً کوئی خالق ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں

افی اللّٰہ شك فاطر السموات والارض (53) کیا اللہ کے بارے میں شک ہے ؟ جس نے آسمان اور زمین کو بنایا

الذی خلق سبع سموت طباقاً ماتری فی خلق الرحمن من تفوت ط فارجع البصر هل تری من فطور۔ ثم ارجع البصر كرتين ينقلب اليك البصر خاسئا وهو حسير .(54)

(وہی اللہ ہے) جس نے سات آسمان تہہ بہ تہہ پیدا کردیئے (خدائے) رحمٰن کی صفت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے۔ کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔

اور ایک مقام پر رب کائنات نے کہا

ام خلقو امن غیر شیء، ا ٔم ا۔هم الخالقون۔ ام خلقو السموت والارض بل لا یوقنون۔(55)

کیا وہ آپ ہی آپ بن گئی یا وہی اپنے خالق ہیں یا ان ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔

دنیا اور کائنات جس میں انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بناء پر سب سے بالاتر ہے بہر حال موجود ہے اور اس کے اس وجود میں کوئی شک نہیں ہے اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ ہی آپ بن گئی ہے یا خود اس نے اپنے آپ کو بنالیا ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں صورتیں باطل ہیں نہ آپ سے اپ کوئی چیز بن سکتی ہے اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے اگر کوئی بیوقوف یہ کہے کہ نر و مادہ مل کر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو اس سے پوچھا جائے کہ سلسلہ توالد و تناسل کا آغاز کیوں کر ہوا اور اولین نر و مادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے۔

یہ گوناگوں عالم یہ رنگارنگ کائنات یہ تاروں بھر آسمان یہ بوقلموں زمین یہ سورج یہ چاند یہ درخت یہ سمندر یہ پہاڑ یہ لاکھوں جاندار اور بے جان اشیاء یہ مال و اسباب کا تسلسل یہ تغیر و انقلاب کا نظام یہ کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ کا قاعدہ و قانون انسان کے اندرونی قوی اور ان کی باہمی ترتیب موت و حیات کے اسرار خواص و قوی کے رموز انسان کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز درماندگی یہ تمام ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں یہ نیلگوں آسمان کی چھت یہ زمین کا سبزہ زار فرش اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا ایک انقلاب ایک خالق کل کا پتہ دیتا ہے۔(56)

ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل والنهار لایت لاولی الالباب۔(57)

اولم ینظرو فی ملکو ت السموت والارض وما خلق الله من شیء(58)

کیا یہ لوگ آسمان و زمین کی تخلیق پر غور نہیں کرتے اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالی نے پیدا کی ہیں۔

لاالشمس ینبغی لها عن تدرك القمر والليل سابق النهار وکل فی فلك یسبحون۔(59)

نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں کائنات میں حسن و ترتیب اور خاص نظم و ضبط موجود ہے اور اللہ کی کاریگری کا ثبوت ہے

انا کل شیء خلقنا بقدر.(60)

ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) انداز سے پیدا کیا

تبرك الذی جعل فی اسماء بروجاً وجعل فیها سراجاً قمراً منیرا (61)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں ایک چراغ ور چمکانے والا چاند بنایا

صنع اللہ الذی اتقن کل شیء (62)

کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر نے چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

ذرا خطرناک سمندروں کو دیکھئے کہ ان میں کشتی اور جہازوں کے ذریعے کسی طرح سفر کو آسان بنادیا ہے اور وہ لاکھوں من سامان کو لئے سمندر پر تیرتے پھرتے ہیں۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس...... لایت لقوم یعقلون(63)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں میں جو انسانوں کیلئے فائدہ کا سامان لیکر سمندر میں چلتے ہیں۔۔۔۔ان سب میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

بحری گزرگاہوں پر جہازرانی میں سہولتیں پیدا کرنے کیلئے جابجا مینار روشنی نصب کئے گئے ہیں۔

وعلامات وبا لنجم یھتدون(64) ستاروں کے علاوہ اور علامات بھی ہیں جن سے راہنمائی کا کام لیا جاتا ہے

اس وقت دنیا میں تقریباً بارہ ہزار مینار روشنی موجود ہیں۔ انگلستان کے اردگرد تین سو ہیں اور امریکہ کے ساحل پر تین ہزار ان میں سے بعض سمندروں کے وسط میں چٹانوں پر بنے ہوئے ہیں اور بعض ساحل پر(65)

کائنات کی حسین نیرنگیوں کے ساتھ ساتھ انسان کے اپنے وجود میں بھی نشانیاں ہیں

ان فی السموت والارض لایت للمومنین ط و فی خلقکم وما یبث من دابۃ ایت لقوم یوقنون (66)

بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے یقین کرنے والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔

نظام نباتات کو دیکھئے کس طرح وہ اللہ کے وجود کا احساس دلاتا ہے زمین کے اندر بیج کی نشوونما اس کی اٹھنا۔ پھلنا پھولنا پودا اور درخت بننا اس میں نر اور مادے کا نظام اس سے پھول اور پھل نکلنا خدا کی شان یاد دلاتا ہے۔ حالانکہ ایک زمین ایک ہوا ایک پانی ہے الگ الگ مزے کے پھل رنگ برنگے پھول ان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا به نبات کل شیء فاخرجنا منه خضراً نخرج منه حباً متراکباً ومن النخل من طلعھا قنوان دانیه وجنت من اعناب والزیتون والرمان مشتبھا وغیر متشابه انظروا الی ثمره واذا اثمر وینعه ان فی ذالکم لایت لقوم یومنون (67)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز نکالی۔ پھر اس سے سبز خوشے نکالے جن سے ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار ہم شکل اور جدا جدا شکل میں جب وہ پھلیں تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو بے شک ان میں ایمان والوں کیلئے دلیلیں ہیں۔

جانوروں کا نظام قابل غور ہے انسان ان کا مطالعہ کرے تو قدرت کے عجائب کو پاتا ہے۔ اونٹ کی تخلیق دیکھو۔ کیا شان کی ہے۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت (68) اونٹ کو دیکھئے کہ اسے کس طرح بنایا ہے

شہد کی مکھی کس طرح پھلوں اور پھولوں سے رس اور خوشبو لیکر اپنے جسم میں رکھتی ہے اور پھر اسے چھتے میں محفوظ کرتی ہے شہد کی مکھی کا جسم اور چھتے کا نظام بھی اللہ کی شان کا مظہر ہے۔

"تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ پیغام بھیجا کہ پہاڑوں درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیئے ہوئی دستور العمل کو باقاعدگی سے بنا۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے ایک شربت نکلتا ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفاء بھی ہے اس میں کئی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اسی جانوروں کی خوراک سے سرخ اور سفید شیریں دودھ بنتا ہے۔(69)

"اور تمہارے لئے جانوروں میں بھی نصیحت ہے ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص اور پینے والوں کیلئے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں۔"(70)

ذرا ان پہاڑوں پر غور و فکر کرو یہ کیسے بلند ہیں ان کی برف ہمارے کھیت سیراب کرتی ہے ان کی بلندیوں پر چیل اور دیودار کی لکڑی ملتی ہے ان کے بطن سے سونا چاندی لوہا چونا تانبا چاک کوئلہ اور سمینٹ کے پتھر ملتے ہیں۔ ان میں مختلف رنگ کے قیمتی پتھر ہیں۔ گرافیٹ پتھر سے پنسل بنائی جاتی ہے کاربونیٹ ان لائم سے چاک چونا اور سنگ مرمر تیار ہوتا ہے۔ اگر چونے کے پتھر سے بلورین مادہ علیحدہ ہو جائے تو چقماق بن جاتا ہے کوئلے کی کان اسی پہاڑ میں موجود ہوتی ہے۔ اور ہیرے بھی ان ہی پہاڑوں سے نکلتے ہیں یہ سب خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں

والی السماء کیف رفعت والی لجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت (71)

آسمان کی کو دیکھئے کیسے بلند ہے پہاڑ کیسے نصب کئے گئے ہیں اور زمین کیسے بچھ گئی۔

"پہاڑوں کے سفید' سرخ' سیاہ اور دیگر مختلف رنگوں پر غور کرو"(72)

سورۃ لقمان میں آسمان کو چھت کے بغیر ستون کے کھڑا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور زمین و آسمان میں اللہ تعالی نے جذب و کشش کا ایسا نظام قائم کیا ہے کہ وہ ایک معجزہ طرح قائم ہے پھر ذرا متوجہ ہوئے کہ مردہ زمین پر بارش پڑنے سے کسطرح لہلاتی کھیتیاں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔

"اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں اس نے زمین میں پہاڑ جما دئے تاکہ وہ تمہیں لے کر ہل نہ جائیں اور س نے اس زمین میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور پھیلائے اور آسمان سے پانی برسایا اور زمین میں

جوڑے جوڑے قسم کی عمدہ چیزیں اگا دیں یہ تو ہے اللہ کی تخلیق اب ذرا مجھے دکھاؤں ان دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے۔ (73)"

سورۃ سجدہ میں انسان کی تخلیق نسل انسانی کے سلسلہ پھر اس کے خوبصورت جسم اس میں روح کا آجانا اور انسان کے کان آنکھ اور دل سے قیمتی اور حیرت انگیز معجزوں کی طرف توجہ دلائی۔

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی تخلیق ابتداء گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح ہے پھر اس کو سڈول کیا اور اس میں اپنی جان سے کچھ پھونک دیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم ان احسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو"(74)

ایک اور مقام پر انسان کی کمال ساخت پر یوں کہا

یا ایھاالانسان ماغرك بربك الكريم ۔ الذی خلقك فسولك فعدلك ۔ فی ای صورة ماشاء رکبك (75)

اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نک سک سے درست کیا تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیا کیا۔

انسانی جسم ایک کمال کی حیرت انگیز مشین ہے۔ اس کا ہر جزو خالق کائنات کی پر شکوہ صناعی و خلاقی کی یاد دلاتا ہے۔ انسان کا نظام دوران خون۔ دوران تنفس۔ دوران ہاضمہ۔ دوران اعصاب و دماغ اللہ تعالی کی حیرت انگیز کارنامے ہیں۔ انسان تو انگلی کا ایک پور بھی نہیں بنا سکتا اللہ تعالی فرماتے ہیں

"کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے کیوں نہیں ؟ ہم تو اس کی انگلیوں کے پورے پورے تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔"(76)

وفی انفسکم افلا تبصرون (77)

اور خود تمہاری جانوں کے اندر نشانیاں ہیں کیا تم کو نظر نہیں آتیں۔

سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق (78)

ہم عنقریب ان کو نفس انسانی کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنے نشانات دکھائیں گے (یعنی ان کی نفسیات، طبعیات اور حیاتیات کے بعض حقائق سے آشنا کریں گے) حتی کے ان پر ثابت ہو جائے گا کہ یہ حق ہے۔

یہ تمام کائنات اس کا یہ حسن اس ترتیب اس میں انسان کیلئے تمام ضروریات کا پیدا ہونا یہ سب کا سب خود کار اور اتفاق نہیں بلکہ ایک مقدس ذات، خالق کل اور قادر مطلق نے اپنے ارادے سے بنایا ہے۔ پروفیسر ولیم میکرامڈ نے درست کہا ہے کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ خیال کر سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم وضبط عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہو گیا کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نہر اپنے منبع سے مرتفع تر سطح پر بہہ سکے(79)

قرآن حکیم میں وجود باری تعالی پر سینکڑوں آیات موجود ہیں۔ سید سلمان ندوی کہتے ہیں کہ ان آیات میں تین قسم کے

دلائل ہیں

۱۔ قدرت کے عجائبات اور ہر نگہبان اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا

۲۔ عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ

۳۔ کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں حکمتوں اور فائدن کا ہونا۔

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ کائنات اور اس کے عجائبات اور اس کے یہ علل واسباب خود بخود اتفاق سے نہیں بن گئے بلکہ کسی حکیم و دانا اور قادر مطلق مانع نے اپنے قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہے(80)

اسی طرح اگر ہم کائنات کے آغاز پر غور کریں تم ہمیں محسوس ہوگا کہ اس کیلئے کسی خالق کی موجودگی ضروری ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ جہاں تک بھی چلا جا کے ایک نقطہ آغاز یقیناً ماننا پڑے گا۔ اس سلسلے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں ایک وہ جو خدا کو نہ ماننے والے کہتے ہیں یعنی یہ کہ آغاز مادے سے ہوا۔ دوسرا وہ جو خدا کے ماننے والے کہتے ہیں یعنی یہ کہ آغاز ایک ذی شعور اور صاحب ارادہ ہستی سے ہوا۔ ان دونوں کے دلائل کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مفروضے ہیں۔ کوئی تجرباتی یا مشاہداتی دلیل کسی ایک کے حق میں نہیں پیش کی جاتی۔ البتہ جوبات خدا کے وجود کے حق میں کہی جاتی ہے وہ یہ کہ انسان ذی شعور ہستی ہے۔ اور مادہ شعور سے محروم ہے سوال یہ ہے کہ شعور سے ایک محروم چیز۔ یعنی مادہ ایک صاحب شعور کو کیسے جنم دے سکتا ہے ؟ اس لئے کہ شعور مجرد مادے سے بہت بلند ہے لیکن اگر خدا کو جو خود صاحب شعور ہے تسلیم کر لیا جائے تو یہ مشکل رفع ہو جائے۔ لیکن اگر ایک بااختیار و صاحب ارادہ ہستی کو مبراء ماننے کے بعد کوئی الجھن باقی نہیں رہتی اور تمام مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں(81)

مزید بر آں اگر ہم خدا کے وجود کو تسلیم نہ کریں اور کائنات کا مبراء مادے کو قرار دیں تو انسانی اور حیوانی وجود کی تشریح بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ سرسری طور پر بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ مختلف اجزاء ایک تناسب سے ملے اور حیوان اور پودے وجود میں آگئے لیکن جدید سائنسی ترقیوں کی بناء پر ایسے اتفاقات کو ماننا بڑا مشکل ہو گیا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر فرینک ایلن کا کہنا ہے

"پروٹین جو تمام ذی حیات خلیوں کے اجزائے لازم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پانچ عناصر۔ کاربن' ہائیڈروجن' نائیٹروجن' آکسیجن اور گندھک پر مشتمل ہیں۔ ایک پروٹینی ان عناصر کے چالیس ہزار جوہروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ کائنات میں ۹۲ کیمیائی عناصر بالکل منتشر اور بے ترتیب بکھرے ہوئے ہیں اب اس امر کا امکان کس حد تک ہے کہ ان ۹۲ عناصر کے بے ترتیب ڈھیر میں سے نکل کر یہ پانچوں عناصر اس طرح باہم ملیں کہ ایک پروٹینی سالمہ آپ سے آپ وجود میں آجائے گا؟ مادے کی مقدار جسے مسلسل ہلانے سے اتفاقاً یہ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہی اور وہ مدت جس کے اندر اس کام کی تکمیل ممکن ہو حساب لگا کر معلوم کی جاسکتی ہے"

سوئزرلینڈ کے ایک حساب دان چارلس ایو جین گائی نے اس کا حساب لگایا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کے کسی

اتفاقی واقعہ کا امکان 10/140 کے مقابلہ میں صرف ایک درجہ ہو سکتا ہے۔ صرف ایک پروٹینی سالمے کو اتفاقاً وجود میں آنے کیلئے اس پوری کائنات کے موجودہ مادے سے کروڑوں گنا زیادہ مادہ مطلوب ہوگا۔ جسے یکجا کر کے ہلایا جائے اور اس عمل سے کوئی نتیجہ بر آمد ہونے کا امکان 10/443 سال کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

پروٹین امینو ترشوں کے لمبے سلسلوں میں وجود میں آتے ہیں اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقہ کی ہے جس سے یہ سلسلے ملیں۔ اگر یہ غلط شکل میں یکجا ہو جائیں تو زندگی کی بقاء کا ذریعہ بننے کے بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔ پروفیسر جے۔ بی لیڈز نے حساب لگایا ہے کہ ایک مادہ سے پروٹین کے سلسلے کو 10 طریقوں سے یکجا کیا جاسکتا ہے۔ یہ کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں کہ ایک پروٹینی سالمے کو وجود میں لانے کیلئے اتنے بہت سے بعد از امکان اتفاقات بیک وقت صادر ہو جائیں۔(82)

نظریہ ارتقاء ابتداء دو سائنس دانوں نے پیش کیا تھا ایک چارلس ڈارون اور دوسرا الفرڈ رسل ولاس لیکن الفرڈ رسل ولاس نے اپنی کتاب شائع نہ کی اور نظریہ ارتقاء کا سہرا ڈارون کے سر بندھا۔ لیکن ڈارون کے نظریات کے برعکس ولاس کا کہنا تھا کہ محض فطری قوتوں کے ذریعے انسانی وجود کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ اس کا خیال یہ تھا کہ حیاتیاتی دنیا میں کم از کم تین ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کسی نئی قوت یا علت کی مداخلت لازمی ہوئی ہے ایک وہ وقت جبکہ پہلے جان دار خلیے کی تشکیل ہوئی دوسرا وہ مقام جہاں سے حیواناتی اور نباتاتی زندگی جدا ہوئی۔ اور تیسرا وہ وقت جب انسان عالم وجود میں آیا یہ بات کہنے سے ولاس کا مقصد بھی یہی ہے کہ کم از کم تین مقامات ایسے آتے ہیں جہاں بات کو اتفاقات کا سہارا لے کر ٹالا نہیں جاسکتا اور کسی بلند تر قوت کے وجود کو ماننا پڑتا ہے۔(83)

غرض چاروناچار ایک خالق اور مالک کے وجود کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

دلائل توحید

اس حقیقت کا جائزہ اوپر کی سطور میں لیا جاچکا ہے کہ اس کائنات کو کوئی خالق ہے اور وہ ہستی صاحب ارادہ ہے۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ یہ خوبصورت کائنات ایک ہی ذات کی مرہون منت ہے۔

علم سیاسیات میں حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کا آخر کسی نہ کسی ایک وجود یا ہستی پر آن رکتا ہے۔ کبھی اسے عوام کا نام دیا جاتا ہے کہیں اسے پارلیمنٹ کہا جاتا ہے کوئی اسے حکمران بادشاہ یا امر کہتا ہے بہر حال کوئی ایسا مرکز ہوتا ہے جو تمام اختیارات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ملک میں لاقانونیت پھیل جائے پھر ذرا سوچئے یہ اتنی بڑی کائنات اور اس میں حضرت انسان کی دنیا میں بغیر کسی ہستی کے کیسے چل سکتی ہے۔ یہاں طرح طرح کی پیچیدگیاں اور مشکلات ہیں۔ تضاد و ٹکراؤ ہے۔ ذاتی خواہشات اور مفادات ہیں۔ آپس کی منافرت اور مخالفتیں ہیں ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی حکمران ایسا ہے جو اس پیچیدہ کائنات اور اس دنیا کو چلا رہا ہے۔ جب ہر ریاست کا مقتدر اعلیٰ ہے تو اس جہاں کا بھی کوئی ایک نگہبان اور راہنما ہے۔

آفاقی دلائل

ہمارے آس پاس کی حسین و جمیل دنیااور اس جہاں کے ساز و ساز اس بات کے گواہ ہیں کہ کوئی ایک معبود حقیقی ہے اس کائنات کے رنگ وبو ایک ذات باری تعالی کا پر تو ہے۔ کائنات پر گہری نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مدبر کائنات ایک اور وحد ہے اس سلسلے میں قرآن حکیم نے آفاق کائنات پر توحید کے بارے میں بہت سے دلائل دیئے ہیں

ا۔ کائنات کا حسن و جمال

کائنات کا ذرہ ذرہ اور اس کا حسن و جمال عقل والوں کو متاثر کرتا ہے اس حسن کائنات کو دیکھ کر ہمارا ذوق جمالیات بیدار ہوتا ہے اور یکدم دل مکان، آنکھیں س بات کی گواہی دینے لگتی ہے کہ ایک خالق و مالک موجود ہے۔

تبارک اللہ احسن الخالقین (84) بڑا ہے خیر و برکت ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

یعنی صرف اسی بات کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ خالق بہترین خالق یکسر خیر و برکت ہے اس نے جو چیز بھی بنائی ہے وہ کمال قدرت، کمال محنت اور کمال خیر و برکت کا کامل نمونہ ہے۔

ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر ھل تری من فطور (85)

الہی تخلیق میں تمہیں کہیں بھی عدم تناسب فقدان نظر نہیں آئے گا بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے۔

والسماء رفعھا ووضع المیزان (86)

اللہ نے آسمان کو فضا کی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا۔

"اور اسی نے باغ پیدا کئے جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن سے قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ زیتون اور انار جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف کھاؤان کے پھل سے جس وقت پھل لادیں۔"(87)

الم تران اللّٰہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینابیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعاً مختلفا الوانہ(88)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اتار اجو زمین کی درازوں میں داخل ہو کر پھر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور پھر ان سے رنگ برنگ کھیتیاں نمودار ہوئیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات اور مدبر موجود صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ یہ کائنات عرش سے لیکر فرش تک ایک خوبصورت محل ہے اس کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر ٹھیک اور مناسب ہے دنیا کے حسن و جمال تناسب و ترکیب ربط و ضبط، حسن و ترتیب کو دیکھ کر ایک ہی ہستی کا خیال آتا ہی اگر اس میں کئی ہاتھ لگے ہوتے تو اس سجی سجائی بزم کی جگہ یہ بے ہنگم اور تضادات کا مجموعہ کباڑ خانہ ہوتا

کائنات کے مختلف اجزاء کا باہمی توافق

کائنات کے مختلف اور متضاد اجزاء کا باہمی توافق اور تناسب بھی توحید خداوندی کا ثبوت ہے۔ یہ تمام کائنات ایک نظم وضبط اور اصول وضوابط میں بندھی ہوئی ہے۔ مختلف اور متضاد قوتیں ملکر کائنات کے استحکام اور انصرام کا باعث ہیں۔ نر مادہ، منفی مثبت، سردی گرمی، دن رات کی ضدین میں زبردست سازگاری اور موافقت ہے توافق کا یہ پہلو صرف ضدین میں ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس دنیا کی ہر چیز اپنی بقاء اور نشوونما کے لئے ایک دوسرے کا سہارا لیتی ہے ایک دانے کی پرورش اور نشوونما اور اس میں پھل پھول آنے کیلئے مٹی پانی سورج چاند موسم کے حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض کائنات کی ہر چیز ایک تناسب اور مناسب مکمل نظم وضبط کا شاہکار ہے مختلف چیزوں کی یہ ترتیب اور موافقت متضاد قوتوں کا باہمی اتصال مخالف عناصر کا تناسب ایک ذات باری تعالیٰ کا ثبوت فراہم کرتا ہے

"اور ہم نے ہر چیز میں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اس سے سبق لو پس دوڑو اللہ کی طرف میں تمہارے لئے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں اور نہ بناؤ اللہ کیساتھ کوئی دوسرا معبود۔ میں تمہارے لئے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔"(89)

"جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا آسمان کی چھت بنائی اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ۔ (90)"

سورۃ فاطر میں اس دلیل کو کس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے

"اور پانی کے دونوں ذخیرے یکساں نہیں ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار اور دوسرا سخت کھاری کہ حلق چھیل دے مگر دونوں سے تم تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو پہننے کیلئے زینت کا سامان نکالتے ہو۔ اور اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کشتیاں اس کا سینہ چیرتی چلی جارہی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار رہو اور وہ دن کے اندر رات کو اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے کر آتا ہے۔ چاند اور سورج کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جارہا ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکا کے مالک بھی نہیں ہیں انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا(91)

مظاہر کائنات کا رنگا رنگی

ذرا غور کیجئے کہ اس کائنات کی ایک ہوا ایک زمین ایک پانی اور ایک سورج ہے لیکن اس میں نباتات پھل پھول الگ الگ اگتے

اور نکلتے ہیں اور یہ مختلف شکل وصورت۔ مزے دار ذائقہ اور رنگ وبو کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ تمام عجائبات ایک قادر مطلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

"اور زمین میں پاس پاس کے ٹکڑے ہیں اور کھجور ہیں۔ اکہرے اور دوہرے ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں لیکن پھل ایک دوسرے سے عمدگی میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں بے شک اس میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔"(92)

کائنات کا مسخر اور پابند ہونا

یہ تمام کائنات چاند ستارے سورج' زمین آسمان' ہوا بادل پہاڑ میدان صحرا جنگل خشکی سمندر ایک لگے بندھے اصول کے مطابق کام کررہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک برتر ذات کے یہ سب تابع اور فرماں بردار ہیں اور ایک علیم وخبیر صاحب قدرت ہستی ان سے کام لے رہی ہے۔

وله اسلم من فی السموت والارض طوعاً وكرهاً واليه يرجعون (93)

آسمان وزمین کی ساری چیزیں اللہ ہی کے تابع فرماں ہیں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے اگر کوئی برتر قوت ان کو نہ چلاتی تو یہ پرہیبت پہاڑ سرکش سمندر بلند وبالا چاند وسورج ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا ہوجاتے اس بات کو قران حکیم نے ان الفاظوں میں ادا کیا ہے

لوكان فيهما آلهة الا الله لفسدتا۔ اگر کائنات میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو گڑبڑ مچ جاتی(94)

اسی دلیل کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا

"جب اس کو رات نے ڈھانک لیا اس نے ایک ستارے کو دیکھا کہا یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہوگیا کہا میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا جب چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے جب وہ ڈوب گیا تو بولا اگر میرے رب نے میری راہنمائی نہ فرمائی تو لازماً میں گمراہوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ بڑا ہے۔ جب وہ ڈوب گیا تو کہا اے میری قوم کے لوگو میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں(95)

انتظام کائنات

اس کائنات کا احسن انتظام اور محکم تدبیر کو دیکھ کر بھی پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک ہی خدا موجود ہے ہم دیکھتے ہیں ایک طرف سرکش قوتیں ہیں جو دوسروں کو جینے نہیں دیتی لیکن دوسری طرف چھوٹی چھوٹی مخلوق بھی اس تصادم کے ماحول میں پرورش پارہی ہے۔ پھر اس نظام کائنات میں اجرام سماویہ اپنے اپنے دائرے میں چل رہے ہیں لیکن بعض دفعہ سنتے ہیں کہ فلاں سیارہ بڑھتا جارہا ہے اور کسی سیارے سے ٹکرا جائے گا مگر یکدم کوئی قوت اس کا رخ تبدیل کردیتی ہے اور یہ نظام کائنات فنا ہونے سے بچ جاتا ہے یہ چیز ایک ذات خداوندی کے ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

ان اللّٰہ یمسک السموت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا۔ (96)

اللہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو کوئی اس کے بعد ان کا تھامنے والا نہیں ہے بے شک وہ نہایت حلیم اور بخشنے والا ہے۔

پھر ذرا اخلاقی میدان کی طرف دیکھئے کہ باطل قوتیں نیکی سے جینے کا حق چھیننا چاہتی ہیں باطل تہذیب باطل نظام سیاسیات باطل نظام معیشت باطل نظام اخلاق اپنی آخری حد کو چھورہا ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیکی ختم ہونے کو ہے لیکن پھر ایک زبردست مخفی ہاتھ ظاہر ہوتا ہے اور اس باطل نظام کی گردن توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصراللّٰہ الا ان نصراللّٰہ قریب (97)

اور ہلا دیئے جاتے ہیں حتی کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھ اہل ایمان پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

غرض یہ کائنات کوئی اندھے قانون کے تحت نہیں چل رہی بلکہ اس کا منتظم اور مدبر ایک ہی حکیم اور ذات باری تعالی ہے۔

اجتماعیت اور مرکزیت توحید کی دلیل

یہ دنیا اجتماعیت اور مرکزیت پر قائم ہے۔ ہر ادارے کا ایک ہی سربراہ ہوتا ہے ایک میان مین دو تلواریں نہیں آسکتی کہا جاتا ہے کہ ایک گدڑی میں نو فقیر سو سکتے ہیں مگر ایک ریاست میں دو حکمران نہیں ہو سکتے۔ جمہوریت نے حاکمیت کو تقسیم کیا ہے لیکن اس میں بھی اقتدار ایک مقام پر آکر رکتا ہے۔ غرض سیاسیات میں عوام پارلیمنٹ سربراہ مملکت کسی ایک پر بات ختم ہوتی ہے۔ یہ ایک مرکز اتحاد اتفاق نظم وضبط کی علامت ہوتا ہے ورنہ مملکت میں انتشار وافتراق پھیل جائے اسی لئے اس کائنات کا بھی ایک ہی منتظم مدبر اور کارساز ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ(98)

کیا انہوں نے زمین کے الگ معبود ٹھہرا لئے ہیں وہ پیدا کرتے ہیں۔ اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتے پس اللہ عرش کا مالک پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا

قل لوکان معہ الھۃ کما یقولون اذا لا بتغوا لی ذی العرش سبیلا سبحنہ وتعالی عما یقولون علواً کبیرا(99)

کہہ دو اس کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ عرش والے سے تصادم کی راہ تلاش کرتے ہیں۔ وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ کہتے ہیں۔

نیکی وبدی کی جنگ اور حق کی فتح

حق وباطل نیکی وبدی کی جنگ ازل سے جاری ہے بعض عجلت پسند اور سطحی نظر کے لوگ باطل کو پھولا اور سوجا دیکھ کر یہ فیصلہ دے دیتے ہیں خدا ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو بس یہ دنیا بنا کر وہ دور جا بیٹھا ہے اور اس دنیا کے تماشہ کی کو دیکھ کر وہ خوش ہو رہا ہے یا پھر بعض نے یہ کہا اس کائنات میں نیکی اور بدی کے دو خدا ہیں۔ مگر قرآن حکیم نے ان تمام نظریات کی تردید کی اور حق وباطل کی اس جنگ میں حق کی آخری فتح وکامیابی کیلئے یک بہت ہی عمدہ مثال دی

"اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پس وادیاں ایک اندازے کے ساتھ بہ نکلیں پس سیلاب کے اوپر جھاگ ابھر آیا اور اسی طرح جھاگ اس چاندی میں ہوتا ہے جس کو آگ میں پگھلاتے ہیں زیور کے بنانے کیلئے یا کوئی اور سامان۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کو ٹکراتا ہی تو جھاگ اڑ جاتا ہے باقی جو لوگوں کیلئے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹک جاتا ہے اللہ ایسی ہی مثالیں بیان کرتا ہے۔"(100)

مولانا امین احسن اس حقیقت کی وضاحت اس طرح بیان کرتے ہیں یعنی اس دنیا کا اصلی مزاج یہ ہے کہ جس طرح ایک خوش مذاق اور سلیم الفطرت انسان مکھی کو نہیں ہضم کر سکتا اسی طرح یہ باطل کو نہیں ہضم کر سکتی۔ یہ ہر گوشہ میں باطل کو چھانٹتی رہتی ہے اور حق ونافع کو قبول کرتی ہے بارش ہوتی ہے اور وادیاں بہہ نکلتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ پانی کی سطح پر جھاگ ابھر آئے ہیں پھر پانی زمین میں ٹک جاتا ہے اور جھاگ خشک ہو کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ اسی طرح تم چاندی کو زیور بنانے کیلئے کٹھالی میں پگھلاتے ہو اس کا میل الگ ہو جاتا ہے اور خالص چاندی بچ رہتی ہے۔ یہی اس دنیا کا اصلی مزاج ہے اس میں مجرد وباطل کا وجود نہیں ہے باطل جب بھی پایا جاتا ہے حق کیساتھ مخلوط ہو کر۔ جس طرح صالح درختوں اور صالح جانداروں کے ساتھ طفیلی پودی اور طفیلی کیڑے چمٹ جاتے ہیں اسی طرح حق کیساتھ باطل چمٹ جاتا ہے۔ تم تنگ نظری کی وجہ سے ان طفیلی کیڑوں اور طفیلی پودوں ہی کو اصل سمجھنے لگتے ہو اور قدرت کی زیادتیوں اور بے حکمتوں پر معترض ہوتے ہو حالانکہ یہ اعتراض محض بوالفضولی اور حماقت کا نتیجہ ہے قدرت ہر گوشہ میں نہایت حکیم اور حق دوست ہے۔ اگر کسی مصنوع سے مانع کے مذاق وطبیعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہی تو اس دنیا کے اس مزاج کو دیکھ کر نہایت آسانی سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق حق ہے حق کو پسند کرتا ہے اور اپنے کلمات حق سے حق ہی کو قائم وثابت کرتا ہے یہی حقیقت ہے جو ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

"اور ہم نے نہیں بنایا آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کی درمیان کھیل کرنے کیلئے اگر ہم کھیل بنانا چاہتے تو اپنے پاس سے بناتے اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے بلکہ ہم حق کو باطل کو مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکالتا ہے اور باطل دفعتاً نابود ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے بربادی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔"(101)

اس دنیا کے اندر جو مصائب وآلام ہیں وہ بھی س امر کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ دنیا مختلف المزاج دیوتاؤں کی رزم گاہ ہے۔ قرآن حکیم نے تمام آسائشوں اور تمام دکھوں کو ایک ہی حکیم وقدیر خدا کی مشیت وحکمت کے تحت اور ان قوموں کے

اخلاق واعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ یہ سمجھایا ہے کہ بعض مرتبہ یہ افتیں س لئے آتی ہیں جو مغرور اپنی سرکشی میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں وہ ان سے متنبہ ہوں اور اپنی ضعف و عجز کو محسوس کر کے خدا کی طرف لوٹیں۔ بعض مرتبہ ان کا ظہور اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی سرکش قوم جس پر اللہ تعالی کی حجت تمام ہو چکی ہے ان کے ذریعے سے تباہ کر دی جائے بعض حالات میں اہل حق بھی ان میں سے کچھ حصہ پاتے ہیں تا کہ ان کے ایمان و عقیدے اور صبر و عزیمت کا امتحان ہو 'کمزوریاں دور ہوں اور خوبیاں اور قابلیتیں بروئے کار آئیں۔ ان ساری باتوں کو قرآن حکیم نے مختلف اسلوبوں سے نہایت وضاحت کیساتھ بیان کیا ہے۔ جس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی کہ جس طرح رات اور دن۔ سردی اور گرمی دونوں یکساں ضروری ہیں اسی طرح نعمتوں اور خوش حالیوں کے ساتھ ساتھ آفات و آلام بھی اس دنیا کی اخلاقی زندگی اور روحانی حیات کیلئے ناگزیز ہیں اور یہ ہرگز اس امر کا ثبوت نہیں کہ اس دنیا میں کون فساد اور رحمت و نعمت کے الگ الگ دیوتا ہیں بلکہ صرف ایک ہی ہے جو منعم بھی ہے اور منتقم بھی ہے اور اس کا یہ انتقام بھی در حقیقت اس کے انعام ہی کا ایک پہلو ہے۔(102)

دلائل انفس

آفاقی دلائل پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں یہ تو وہ باتیں تھیں جو ان کو ظاہر میں نظر آتی ہیں لیکن انسان کو اپنے نفس اندر یا باطن میں توحید کے بارے میں بہت کچھ مل جاتا ہے لیکن صرف تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ آیئے ذرا اس طرف بھی سوچ لیتے ہیں۔

ا۔ فطری جذبہ

جس طرح تمام کائنات میں خدا کے ثبوت موجود ہیں اسی طرح انسان کی فطرت میں یہ جذبہ پایا جاتا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ ہر قوم میں کسی نہ کسی طرح احساس خداوندی کا جذبہ موجود ہی۔ دراصل نفس انسانی میں منعم حقیقی کا اعتراف فطری طور پر موجود ہے۔ منعم کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اس کی شکر گزاری کی جائے اور اس شکر گزاری میں کسی اور کو شریک نہ کیا جاۓ یہی بات حضرت ابراہیمؑ نے اسطرح بیان فرمائی

> اور سناؤ ان کو ابراہیمؑ کی سرگذشت جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا یہ تم لوگ کس چیز کی پوجا کر رہے ہو بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور برابر پوجتے رہیں گے۔ پوچھا کیا یہ سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ کیا یہ تم کو کوئی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا۔ کہا ذرا دیکھو تو ان کو جن کو تم پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے اگلے بزرگ یہ تو سب میرے دشمن ہیں مگر عالم کا رب جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر ہدایت بخشتا ہے اور جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہوں تو مجھے صحت

دیتا ہے۔اور جو مجھے مارے گا اور جس سے مجھے توقع ہے کہ جزا کے دن وہ میرے گناہ بخشے گا(103)

اس فطری آواز کے بارے میں قرآن مجید نے کہا

فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا(104)

اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے

و فی الارض آیت للموقنین . وفی انفسکم ط افلا تبصرون (105)

اور زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

اسی وجہ سے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا کیونکہ وہ فطری عدل کے بالکل خلاف ہے اور منعم حقیقی کا کفران نعمت ہے جتنی بڑی ناشکری ہے اتنا بڑا ہی یہ ظلم ہے۔

ان الشرك لظلم عظیم (106)

بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

علم و یقین کا صحیح جواب اور نور بصیرت

انسان کی فطرت ہے کہ اسے اس حقیقت کا علم ہو کہ اس کائنات کا آغاز و انجام کیا ہے اور اس کی اپنی ہستی کا مقصد کیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے کہاں جائے گا۔ اپنے ساتھ کیا معاملہ کرے اور دوسروں کیساتھ کسطرح زندگی گزارے انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ ان تمام باتوں کے بارے میں سوچے اور ان کا جواب تلاش کرے۔

ان تمام سوالات کا جواب صرف اور صرف ایک اللہ پر ایمان کے ذریعے مل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے جواب غیر فطری اور طبیعت کے دھوکے ہیں۔ اطمینان اور سکون صرف اللہ کو تسلیم کر کے ہی نصیب ہوتا ہے اور پھر انسان کے سارے سوالات کے جواب بھی مل جاتے ہیں کائنات کے آغاز و انجام کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے اور پھر اخلاق معیشت ' سیاست ' تہذیب و تمدن کے تمام اصول و ضوابط طے کر لینا ہے۔ اب وہ تخمینے اندازے اور تیر تکے بد گمانی مایوسی اور حقارت کی منزل سے نکل علم و یقین کی راہ پر قائم ہو جاتا ہے۔

پس ایک خدا کی گواہی انسان کی فطرت ہے اس کے علاوہ وہ جب خدا کو بھی پکارتا ہے یہ انسان کی بد بختی اور بد نصیبی ہے ۔اس کی حقیقت میں کوئی دلیل نہیں۔

"جو اللہ کے اتھ کسی دوسرے کو پکارے گا جس کے لئے اس کے پاس کوئی (ٹھوس) دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے کافر فلاح نہیں پائیں گے۔"(107)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مشرک کے مقابلہ میں ایک موحد کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ خدا کا اثبات کرے یا شرکاء کے ابطال پر دلائل قائم کرے کیونکہ مشرک ایک خدا کو تو بہر حال مانتا ہی ہے یہ چیز تو مشرک د موحد کے درمیان مشترک

ہوئی باقی رہے شرکاء وانداد جو اس نے اپنے جی سے فرض کرر کھے ہیں تو پہلے ان کے ثبوت کے دلائل کی ضرورت ہے نہ کہ ان کی تردید کے دلائل کی۔ ان کی تردید کیلئے تو یہ دلیل کافی ہے کہ ان کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔(108)

انسان کا جذبہ خودی

توحید کی ایک نفسی دلیل انسانی فطرت کی بلندی ہے اس میں احساس برتری کا جذبہ پایا جاتا ہی اس کی وجہ انسان کا اشرف المخلوقات اور خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہی احساس برتری کا جذبہ بعض دفعہ اس کی غلط سوچ کی وجہ سے اسے فرعون بنادیتا ہے اور پھر انا اوحی و امیت (میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں) کا دعوی کرتا ہے کبھی لوگوں کی تقدیروں کا مالک اور بحر وبر کا بادشاہ کا خبط سوار کراتا ہے۔ اور وہ انسان کی بجائے طاغوت بن کر اس زمین پر خدا کے قانون کی بجائے اپنا قانون اور اپنا فرمان نافذ کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب وہ عقل سے کام لینے لگتا ہے تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا اصل مالک کوئی اور زبردست قوت ہے اور آخر کار اپنی مجبوریوں کو دیکھ کر اس ایک بالا ہستی کا اقرار کر بیٹھتا ہے۔ اسطرح حقیقت کو پاکر س کے دل کو اطمینان ہو جاتا اب اگر کوئی اس کو اس حقیقت سے دور کرنا چاہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے لئے ایک خدا کافی ہے ۔ میں نے اصل بات کو پالیا ہے مجھے غلط کام سے معاف رکھو۔ انسانی فطرت کی اسی بلندی اور حقیقت کی طرف حضرت یوسفؑ نے اپنے قیدی ساتھیوں کی طرف ان الفاظ میں کہا

"اور میں نے پیروی کی اپنے بزرگوں 'ابراھیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب کی۔ ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ہم اللہ کا کسی کو ساجھی ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہمارے اوپر اور لوگوں پر احسان ہے لیکن اکثر لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اے میرے قید خانے کے ساتھیوں کیا بہت سے الگ الگ رب بہتر ہیں یا ایک ہی اللہ جو سب کو قابو میں رکھنے والا ہے۔ تم نہیں پوچھتے ہو اس کے سوا مگر کچھ ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔ فرمان روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو اور یہی فطری دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے" (109)

پس جو انسان ایک اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنالیتا ہے تو وہ فطرت انسانی کا انکار کرتا ہے اور اپنی اشرف المخلوقاتی' شرف وعزت خلافت اور نیابت کے دامن پر دھبہ لگاتا ہے(110)

انسان کی فطری عاجزی وانکساری

انسان کائنات کا خلیفہ نائب اور اشرف المخلوقات ہونے کے باجود فطری طور پر ایک بلند وبالا ہستی کا محتاج بھی ہے اس کی فطرت سلیمہ اسے یہ سمجھنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ ساری قوتیں اور صلاحیتیں کسی کی بخشی ہوئی ہیں۔ وہ طبعی قوانین کا پابند ہے اس پر بچپن 'بڑھاپا' بیماری اور موت کی منزلیں آتی ہیں ایک وقت اس پر آتا ہے جب وہ تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں رکھنے کے باجود دست قدرت کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے اس وقت مرض لاعلاج ہو جاتا ہے۔

اختیارات اور اقتدار سلب کر لیا جاتا ہے انسان دست قدرت کے ہاتھوں بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے۔

عاقل اور دانا لوگ تو اپنی اس بے بسی اور بے اختیاری کا شعور رکھتے ہیں اور بڑے سے بڑا بلند مقام پا لینے کے شکر گزاری اور اس ذات خداوندی کے آگے ہر وقت سر تسلیم خم کرے رکھتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ' حضرت سلیمانؑ' ذوالقرنین اور فاروقؓ اعظم اس کی تاریخی مثالیں ہیں۔ لیکن ہلکے اور تھوتھے چنے اپنے اقتدار کے نشے میں مجبور ہو کر فرعون' نمرود' ہامان' قارون' ابو جہل اور ابو لہب کے روپ میں ظاہر کرتے ہیں۔

مگر اس قسم کے غافل اور نادان انسانوں بعض دفعہ اپنی غفلت کا احساس ہوتا ہی اور اپنی عاجزی اور ناتوانی کا احساس کر کے خدا کے حضور گڑگڑانے لگتا ہے۔

"پوچھو تم کو کون نجات دیتا ہی خشکی اور تری کی تاریکیوں سے تم اس کو پکارتے ہو' گڑگڑاتے ہوئے چپکے چپکے اگر س نے ہم کو رہائی دی اس آفت سے تو ہم شکر گزاروں میں بنیں گے۔ کہہ دو کہ اللہ ہی ہے جو تم کو نجات دیتا ہے اس سے اور ہر مصیبت سے۔ پھر تم اس کا ساجھی ٹھہراتے ہو"(111)

غرض انسان کا ضعف و عجز اسے ایک خدا کے آگے جھکا دیتا ہے اور یہ ضعف احتیارج توحید خداوندی کی ایک نفسی دلیل ہے۔(112)

خصوصی دلائل

یہ تو تھے توحید کے عمومی دلائل جو کائنات میں ہر کسی کے سامنے ہیں اب ہم توحید کے خصوصی دلائل پر روشنی ڈالیں گے یعنی مخاطبین نے جن اصولوں کو درست مان لیا ہے ان کی بنیاد پر ان سے حقائق تسلیم کرائے جائیں اور جو باتیں ان مسلمات سے ٹکراتی ہوں ان کی نفی کا کہا جائے۔ آیئے ذرا ان پر بھی نظر ڈالیں۔

ا۔ شرکاء کی کوئی سند نہیں

قرآن مجید نے صاف صاف کہا ہے کہ شرک کی کوئی دلیل نہیں جن لوگوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی سند یا اتھارٹی ہو تو پیش کرو۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے چلے آئے ہیں تو یہ کوئی بات نہیں اتنے بڑے جرم کے لئے اتنی سی بات کوئی ثبوت نہیں رکھتی۔ تمہارے جد امجد ابراہیمؑ تھے انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا(113)

بلکہ اس سے بیزاری کی(114)

بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو اس فعل بد سے روکا۔

"اور یاد کرو جب ابراھیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا میں بری ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو مگر اس نے جس نے مجھے پیدا کیا بس وہ میری رہبری فرمائے گا اور ہم نے اس اعلان برات کو ایک یادگار کلمہ بنایا اس کی ذات میں

تاکہ رجوع کریں"(115)

غرض ابراہیمؑ نے کبھی شرک نہیں کیابلکہ انہوں نے اسی توحید کیلئے ہجرت کی اپناوطن اور گھربار چھوڑادیار غیر میں آکر خالص توحید کیلئے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور اپنی اولاد کیلئے توحید وہدایت کی دعا کی(116)

تمام انبیاء کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے سی بھولے ہوئے سبق کویاد دلایا (117)

توحید کے مسلمات سے استدلال

قرآن حکیم نے نے اہل عرب سے کہا کہ تم خدا کے بارے میں جن صفات کو تسلیم کرتے ہو ان کے مسلمات اور لوازم پر بھی ایمان لاؤ۔

اہل عرب خدا کو رازق زمین و آسمان کا خالق موت وزندگی کا مالک اور مدبر امر بھی تسلیم کرتے تھے قرآن حکیم نے کہا ہے ایسی زبردست ہستی کو رب بھی مانو۔

فذلکم اللّٰہ ربکم الحق فما ذا بعد الحق الا لضلل فانی تصرفون (118)

ایک اور مقام پر کہا گیا ہے جس کو زمین و آسمان کا خالق سمجھتے ہو تو ضروری ہے اس کو رب بھی تسلیم کرو جو خالق ہے۔امر و حکم بھی ہے

ان ربکم اللّٰہ الذی خلق السموت والارض..... الالہ الخلق والامر(119)

بے شک تمہارا مالک وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔۔۔ آگاہ اسی کیلئے خلق اور امر ہے۔

اسی طرح خالق کیلئے صفت کی علم کی لازم قرار دیا یعنی جس ذات کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہو تو لازم ہے اس کے علم کو محیط کل بھی مانو۔

الا یعلم من خلق(120)

کیاوہ نہیں جانے گا جس نے خلق کیا۔اسی طرح یہ لازم ہے کہ جس خدا کو خلق و تدبیر پر قادر مانا ہے تمام نفع ونقصان کا مالک ہے۔

وان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الاھو وان یمسسک بخیر فھو علی کل شی ، قدیر(121)

اور اگر تم کو اللہ کسی نقصان میں پکڑے تو اس کو نہیں دور کر سکتا مگر وہی اور اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اسی طرح الوہیت کے منافی صفات سے اللہ تعالی کو بری قرار دیا گیااور س بر تر ذات کیلئے اچھی صفات قرار دی گئیں۔

"اور اللہ کے لئے اچھی ہی صفات ہیں تو اپنی صفات سے اسے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑو جو اس کی صفات کے باب میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔"(122)

اسی سلسلے میں شریکوں کی شفاعت کا مسئلہ ہے۔ شفیع کو مقرب بنانے سے خدا کے علیم ہونے میں فرق آتا ہے پھر اس نے اپنے علم کو چھوڑ کر سفارش پر نیک اور بد ٹھہرائے تو اس نے اللہ تعالی کی عدل و حکمت کی نفی نظر آتی ہے۔اگر تو یہ سوچا

جائے کہ اس کی مہربانی کیلئے اطاعت و عمل ضرور نہیں بلکہ وسیلہ بھی لازم ہے تو اسطرح ہر بندہ پر خدا کی قربت اس کی رحمت عام اور اس کے غفور کریم کی نفی ہوتی ہے۔ الغرض خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یا کسی کی ذمہ داری مقرر کرنا اس کی صفات کو کمزور کرتا ہے اس کی بے بسی کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے ان ہی وجوہات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

۔قالو اتخذ اللّٰہ ولداً سبحنه هوا لغنى له مافي السموت وما فى الارض ان عندكم من سلطن ۔بھذا(123)

"کہتے ہیں اللہ کے اولاد ہے وہ پاک ہے وہ غنی ہے اسی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے"

دلیل عدل

دلیل نفسی میں دلیل عدل کا ذکر آچکا ہے۔ وہاں یہ تمام دلیل کی حیثیت سے بیان ہوئی ہے لیکن اسے خاص دلیل میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

عدل انسان کی فطرت ہے اور یہ عدل انسان کو ایک خدا کی شکر گزاری اور اس کی بندگی پر مجبور کرتا ہے اس شعور عدل کو قرآن حکیم نے عہد فطرت سے تعبیر کیا ہے اور اس کی ذمہ داری ہر انسان پر عائد کی ہے۔ قرآن حکیم کی یہ دلیل عدل فطرت انسانی اور مسلمات عرب دونوں کو شامل کرتی ہے مثلاً اہل عرب تمام عالم کا خالق اور روزی رساں خدا کو ہی مانتے تھے لیکن رب اور حاکم دوسروں کو بھی بنالیتے تھے اور پھر ان کا رتبہ اس قدر بڑھاتے کہ ان کو خدا کے برابر لے جاکر بٹھادیتے بلکہ بسا اوقات خود خدا سے بھی بڑھادیتے۔ قرآن حکیم نے ان اس مسلمہ اور انسانی فطرت کی عدل پسندی کی بنا پر ان سے یہ سوال کیا کہ جب تم اپنے لئے نہیں پسند کرتے کہ اپنے غلاموں اور محکوموں کو درجہ اور روزی میں اپنے برابر کا شریک قرار دو تو پھر جن کو خدا کی مخلوق و محکوم مانتے ہو انسانی خدا کے اختیارات اور خدا کے حقوق میں کیوں برابر کا شریک بنادیتے ہو؟ تمہاری فطرت جس بات سے اپنے لئے انکار کرتی ہے اسی چیز کو اللہ جل شانہ کیلئے کس طرح گوارا کرلیتی ہے۔ حالانکہ ہونا یہ تھا کہ خدا کے بارے تم اس سے کہیں زیادہ نفرت کرتے۔ اسی دلیل کو قرآن حکیم نے ذیل کی آیات میں مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے۔

"اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے تو جن کو فضیلت بخشی گئی ہے اپنی روزی اپنے محکوموں کو نہیں دیتے کہ آپس میں برابر ہو جائیں کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو پاکیزہ چیزوں کی روزی دی تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو بندگی کرتے ہیں جو ان کیلئے آسمان وزمین سے ذرہ برابر بھی ان کیلئے نہ رزق پر اختیار رکھتی ہیں اور نہ اختیار حاصل کرسکتی ہیں تو اللہ کے لئے یہ مثالیں نہ بیان

کرو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالی مثال بیان کرتے ہیں ایک غلام مملوک کی جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور اس (آزاد) کی جب ہم نے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتا ہی کیا وہ دونوں برابر ہوں گے۔ شکر اللہ کیلئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور اللہ تعالی مثال بیان کرتے ہیں دو آدمیوں کی ایک گونگا ہے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے جہاں اس کو بھیجتا ہے کوئی کام ٹھکانے کا کر کے نہیں دیتا کیا وہ اور وہ شخص جو عدل کا حکم دیتا ہے اور سیدھے رستہ پر ہے دونوں برابر ہوں گے۔(124)

یہی بات سورۃ نجم میں اس طرح بیان کی گئی ہے

"کیا تمہارے لڑکے ہیں اور اللہ کیلئے لڑکیاں ہیں یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔"(125)

یہی دلیل عدل ہے جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے(126)

اہل کتاب

یہود و نصاری بالعموم یا تو خدا کی صفات کے صحیح تصور سے بھٹکے ہوئے تھے یا ان سے متناقض چیزیں مانتے تھے یا ان صفات کے لوازم کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کے سامنے ان کے مسلمات رکھ دیئے گئے ہیں اور ان سے مطالبہ کیا گیا ہے جو باتیں ان سے متناقض انہوں نے مان رکھی ہیں ان کو ترک کریں اور جو باتیں ان کے لازم آتی ہیں ان کو تسلیم کریں۔ ان کے سامنے توحید کی حقیقت جس طرح پیش کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اہل کتاب کے یہاں یہ چیز مسلم تھی کہ خدا کے سوا کوئی رب نہیں ہے قرآن مجید نے ان سے مطالبہ کیا کہ اگر یہ بات مانتے ہو تو مسیحؑ اور احبار ور ھبان کو رب نہ بناؤ اور ساتھ ہی یہ امر بھی واضح کر دیا کہ کسی کے لئے امر و نہی کا مطلق حق تسلیم کر لینا در حقیقت اس کو رب بنا لیتا ہے۔ زبان سے اس کو رب کہو یا نہ کہو اسی طرح یہود کو اپنی نسبت یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کے محبوب اور چہتے ہیں اور بندگی سے کچھ مافوق درجہ رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کی اس تاریخ سے جس کو وہ مانتے تھے ان پر ثابت کر دیا کہ ان کا خیال غلط ہے ان کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی انہوں نے خدا کی بندگی و اطاعت سے باہر قدم نکالا خدا نے ان کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دی ہیں جو اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ ان کا درجہ بشریت سے کچھ اونچا نہیں ہے۔ نیز حضرت ابراہیمؑ کی پوری سرگذشت ان کو سنا کہ ان پر یہ حقیقت واضح فرمائی کہ ان کو خدا کے ہاں جو تقرب اور درجہ حاصل ہوا وہ بندگی و اطاعت کا ثمرہ تھا تو انہی کی اولاد کو خدائی کا مقام کیسے حاصل ہو جائے گا اسی طرح نصاری نے حضرت مسیحؑ کے خارق عادت پیدائش کو ان کی الوہیت کے ثبوت میں پیش کیا تو قرآن نے ان کے مسلمات سے ان کے خلاف حجت پیش کی کہ تم آدم اور یحییٰؑ کی ولادت کو بھی خارق عادت مانتے ہو لیکن ان کی الوہیت کے مدعی نہیں ہو نیز حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کا کھانا کھانا بھی ان کی بشریت کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ کھانا کھانا بھی یہود و نصاری کے ہاں بشیریت کی ایک مسلم دلیل تھی اور حضرت مسیحؑ اسلام کے بعض اقوال کا جو غلط ترجمہ ہو گیا تھا قرآن نے اس کی درستی کر دی مثلاً حضرت مسیحؑ کی زبان سے انجیلوں میں بار بار یہ نقل ہوتا ہے "میرا باپ اور تمہارا باپ"

"قرآن نے اس کی تعبیر ربی اور ربکم میرا رب اور تمہارا رب سے کی ہے اور یہ تعبیر انجیلوں کے دوسرے بیانات نیز انجیلوں کی اصل زبان یعنی عبرانی کے بالکل مطابق ہے(127)

شرک

شرک کے لفظی معنی شریک اور ساجھی کے ہیں(128)

اصل میں شرک کے معنی ساجھی بنانا خصوصاً خدا کیساتھ کسی کو ساجھی بنانا(129)

قرآن مجید کی بعض آیات میں بھی اس لفظ کے لغوی معنی کے مشتقات ہوئے ہیں مثلاً شرکاء فی الثلث(130)

وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں انهم فیکم شرکوا(131)

واشرکه فی امری(132)

اور اسے میرے کام میں شریک کر۔

امام راغب فرماتے ہیں الشرکة والمشارکة کے معنی دو ملکیتوں کو باہم ملا دینے کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ایک چیز میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے شریک ہونے کے ہیں خواہ وہ چیز مادی ہو یا معنوی مثلاً انسان اور فرس کا حیوانیت میں شریک ہونا یا دو گھوڑوں کا سرخ یا سیاہ رنگ کا ہونا۔ پس لفظ شرک الفاظ مشترکہ سے ہے(133)

اصطلاحی معنی کی رو سے شرک کی دو قسمیں ہیں

۱۔ شرک عظیم جو شرک جلی یا کھلا ہوا شرک ہے۔

۲۔ شرک صغیر یہ شرک خفی ہے جو ایسے طریقے سے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے کہ پتا تک نہیں

چلتا شرک صغیر یہ ہے کہ کسی کام میں اللہ تعالی کے ساتھ دوسرے کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ وہ خوش ہو اس کا دوسرا نام ریا ہے متعدد احادیث میں اس کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہی اسلامی کتب اخلاق میں بھی خصوصاً امام غزالی کے یہاں لفظ شرک ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جو عبادت کا ملأبے غرضانہ نہیں وہ بھی شرک ہی میں داخل ہے۔ چنانچہ مذہب پر ریا کارانہ عمل کرنا جو صلے اور دکھلاوے کی نسبت سے ہو یعنی لوگوں کی تحسین و داد حاصل کرنے کیلئے ہو شرک ہے کیونکہ اسطرح خدا کے ساتھ انسانوں کا بھی خیال آجاتا ہے۔ غرور اور انانیت (بھی خود پرستی) بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ غرض شرک کے کئی مدارج قرار دیئے جاتے ہیں کسی عمل کی اخلاقی قدر و قیمت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ خلوص نیت کو کس حد تک ملاوٹ یا کوتاہیوں نے ملوث کیا ہے(134)

شاہ عبدالقادر شرک وضاحت اسطرح کرتے ہیں

"شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھنے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے یا کسی کو مختار سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے(135)

شاہ اسماعیل شہید شرک کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ سمجھنا چاہئے کہ شرک اسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے مقابل جانے بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں وہ چیزیں کسی اور کے واسطے

کی جائیں اب یہ بات تحقیق کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کون کون سی چیزیں اپنے واسطے خاص کر رکھی ہیں کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے(136)

شاہ ولی اللہ نے شرک کی تعریف یوں کی ہے

"شرک ان ست کے غیر خدا را صفات مختصر خدا اثبات غاید، مثل تصرف در عالم بار ادہ کہ تعبیر از ان بکن فیکون می شود یا علم ذاتی از غیر اکتساب بحواس و دلیل عقلی و منام الہام و مانند آں یا ایجاد شفائے مریض یا لعنت کردن بر شخصے و ناخوش بودن از و تا بسب آن کراہت تنگ دست یا بیمار و شقی گردد، ور حمت فرستادن بر شخصے تا بسب آں رحمت فراغ معیت و صحیح بدن و سعید باشند(137)

شرک کے معنی یہ ہیں ایسی صفات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہیں انہیں کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے مثلاً اپنے ارادہ اور اختیار سے عالم میں تصرف کرنا جیسے "کن فیکون" سے تعبیر کیا جاتا ہے یا اس طرح کا علم ذاتی جو حواس، دلیل عقل یا خواب یا الہام وغیرہ کے ذریعہ نہ حاصل کیا گیا ہوں مریضوں کو شفا بخشنا یا کسی پر اس طرح لعنت کرنا یا اس سے اس طرح ناراض ہونا جس کی وجہ سے وہ بیمار مفلس یا بدبخت بن جائے یا کسی پر اس طرح رحمت نازل کرنا جس سے وہ خوش حال تندرست اور نیک انجام ہو جائے یہ تمام صفات صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں ان صفات کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا شرک ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس موضوع پر مدلل بحث کی ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محض اعتراف عظمت و شرف و قدرت جو قادر مطلق نے مجازی طور سے انسانوں کو ارزانی کیا ہے شرک نہیں لیکن یہ اوصاف مطلق طور پر خدا ہی کے ہیں جو شخص مطلق طور پر ان صفات کی کسی مخلوق سے منسوب کرے گا وہ شرک کہلائے گا(138)

مولانا سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں کہ شرک کے معنی خدا کی ذات میں اس کی صفات میں اس کے اختیارات اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔

ذات میں شرک یہ ہے کہ جوہر الوہیت میں کسی کو حصہ دار قرار دیا جائے مثلاً نصاری کا عقیدہ تثلیث، مشرکین عرب کا فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور دوسرے مشرکین کا اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کو اپنے شاہی خاندانوں کو جنس الٰہ کے افراد قرار دینا یہ سب شرک فی الذات ہے۔

صفات میں شرک یہ ہے کہ خدائی صفات جیسی کہ وہ خدا کے لئے ہیں ویسا ہی ان کو یا ان میں سے کسی صفت کو دوسرے کیلئے قرار دینا مثلاً کسی کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس پر غیب کی ساری حقیقتیں روشن ہیں یا وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے یا وہ تمام نقائص اور تمام کمزوریوں سے منزہ اور بالکل بے خطا ہے۔

اختیارات میں شرک یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے جو اختیارات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں ان کو یا ان میں سے کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کیلئے تسلیم کیا جائے مثلاً فوق الفطری طریقے سے نفع اپہنچانا حاجت روائی و دستگیری کرنا، محافظت

ونگہبانی کرنا' دعائیں سننا اور قسمتوں کو بنانا اور بگاڑنا۔ نیز حرام و حلال اور جائز ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کیلئے قانون و شرع تجویز کرنا یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا شرک ہے۔

حقوق میں شرک یہ ہے کہ خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر خدا کے جو حقوق مخصوص ہیں وہ یا ان میں سے کوئی حق خدا کے سوا کسی اور کے لئے مانا جائے مثلاً رکوع و سجود' دست بستہ قیام' سلامی و آستانہ بوسی' شکر نعمت یا اعتراف برتری کے لئے نذر نیاز اور قربانی' قضائے حاجات اور رفع مشکلات کیلئے منت مصائب و مشکلات میں مدد کے لئے پکارا جانا اور ایسی ہی پرستش و تعظیم و تمجید کی دوسری تمام صورتیں اللہ کے مخصوص حقوق ہیں (139)

نجد کے مذہبی رہنما اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نے خصوصیت کے ساتھ شرک کی درج ذیل صورتوں کی مخالفت کی۔

۱۔ شرک فی العلم یعنی خدا کے سوا کسی اور کو غیب کا علم ہونا۔ چنانچہ ان کی رائے میں پیغمبروں یا ولیوں کو علم غیب حاصل نہیں۔ بجز اس کے کہ خدا ہر تنہا علم غیب رکھتا ہے خود ان میں سے کسی کو وہ علم عطا فرمائے اگر کوئی شخص ان کو عالم غیب جانے یا علم غیب ان کی طرف منسوب کرے یا کاہنوں' نجومیوں یا خواب کی تعبیر کرنے والوں کو غیب دان سمجھے تو وہ مشرک ہی۔

۲۔ شرک فی التصرف یعنی یہ عقیدہ کہ خدا کے سوا کسی اور میں بھی کوئی ایسی قدرت پائی جاتی ہے (جو خدا ہی کا حصہ ہے) مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پیغمبر یا ولی خدا کے پاس (کسی شرک کی) شفاعت کر سکتے ہیں تو وہ بھی شرک کا مرتکب ہے چاہے وہ ولی کا توسل صرف اس لئے ڈھونڈتا ہے کہ اس طرح وہ خدا سے قریب تر ہو جائے گا اس لئے وہاں قرآن مجید کی آیت

"یعنی کیا انہوں نے خدا کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں کہہ دیجئے کہ خواہ وہ کسی چیز کا اختیار نہ رکھتے ہیں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔ کہہ دو کے سفارش تو سب خدا ہی کے اختیار میں ہے اسی کیلئے آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے "(140) سے استدلال کرتے ہوئے ہر قسم کی شفاعت کو رد کر دیتے ہیں ان کی خیال میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت اجازت خداوندی سے صرف قیامت کے دن حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

۳۔ شرک فی العبادۃ یعنی کسی مخلوق (مثلاً آنحضرت ﷺ یا کسی ولی) کی قبر پر احتراماً سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا اس پر نذر نیاز پیش کرنا وہاں منتیں مانگنا اس کے لئے روزے رکھنا اس کی زیارت کو جانا کسی ولی کے نام کا ورد کرنا صاحب قبر سے مرادیں اور حاجتیں مانگنا وہاں کے بعض پتھروں کو بوسہ دینا وغیرہ

۴۔ شرک فی العادۃ یعنی اوہام پرستی وغیرہ مثلاً استخارہ' شگون گیری' دنوں کے مبارک یا منحوس ہونے پر اعتقاد رکھنا اپنے ناموں میں اللہ کے سوا کسی اور کا عبد ظاہر کرنا فال گیروں اور طالع بینوں سے مشورہ چاہنا وغیرہ۔

۵۔ شرک فی الادب یعنی خدا کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھانا (141)

ان نظریات کے بارے میں کافی اختلاف بھی ہوا مگر محمد بن عبدالواہاب کے پیروؤں کے عقائد و نظریات یہی ہیں۔

ابن القیم نے شرک کی دو اقسام بتائی ہیں شرک اکبر اور شرک اصغر اول کو تو خدا تعالی معاف نہیں کرتا دوسرے کے بارے میں گنجائش ہے شرک اکبر تو واضح ہے لیکن شرک اصغر کی جزئیات بہت ہیں (142)

زمانے کے حالات کے مطابق ان میں کبھی نرمی اور کبھی بہت سختی کی گئی ہے اس سلسلے میں مناظرانہ تالیفات بہت ہیں ہندوستان میں اٹھارہویں انیسویں اور بیسویں صدی میں ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ زیارت قبور، عرس، نذر و نیاز، تخاطب یارسول اللہ ﷺ وغیرہ صدہا مباحث کتابوں میں موجود ہیں ان کے بارے میں بڑا اختلافی ادب موجود ہے۔ ہندوستان میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنے مسلک کو نیاز و محبت کہہ کر زیارت قبور، محبت اولیاء، تخاطب یارسول اللہ ﷺ وغیرہ مسائل میں اپنا موقف بیان کیا ہے ان کے ہم مسلک دوسرے علماء بھی رسالے اور کتابیں لکھیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مناظرانہ تحریروں میں بعض اوقات شدت اور جدل کا رنگ آجایا کرتا ہے صحیح راستہ اعتدال کا ہے اور محبت اور توحید کے مسئلے بے حد نازک ہیں اس لئے بعض اوقات الجھن ہوتی ہے اگرچہ محبت و نیاز سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

شرک کی ماہیت و تعریف کے سلسلے میں دینی کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس کی تعبیر کے سلسلے میں بڑی دقیق اور اہم نکتے بھی پیدا ہوئے ہیں جن پر طرح طرح کی تعبیریں و تدقیق کی عمارتیں کھڑی کی گئی ہیں ان میں چند مسائل سجدہ تعظیمی، علم و غیب، زیارت قبور وسیلہ، شفاعت اور ستعانت از اولیاء جیسے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان سب معاملات میں کھل کر بحث کی ہے ان مسائل میں ان کی رائے قطعی ہونے کے باوجود اعتدال کا رنگ لئے ہوئے ہے ان کی رائے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرک کے شائبے تک سے بچنے کے ساتھ ساتھ کسی کو فوراً مشرک کہہ دینے میں تامل یا تاویل کی صورت نکل سکے تو انسب ہوگا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ شرک تک لے جانے والے اقدامات بھی قابل احتراز ہیں۔ بہر حال نیت کا معاملہ بھی ضرور قابل لحاظ ہے یعنی اگر نیت میں عبودیت کا ارادہ یا اندازہ نہیں پایا جاتا تو اس کے بارے میں نرم رویہ ممکن ہے لیکن یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شرک اتنا نازک معاملہ ہے اور س کے جلی و خفی اتنے پہلو ہیں کہ معمولی سے معمولی شعوری و غیرہ شعوری لغزش پر بھی شرک حکم لگ سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اس معاملے میں ایک لطیف نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ تشریح کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ کسی چیز کے مظنہ کو اس کے اصل کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے چنانچہ اسی اصول کی بنا پر بعض محسوس مظاہر کو جو شرک کا مظنہ ہیں (یعنی ان پر کفر و شرک کا گمان ہو سکتا ہے) انہیں شریعت میں کفر کہا گیا ہے مثلاً غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا (کسی نیت سے بھی ہونا) اللہ تعالی کے سوا کسی دوسرے کے نام ہر جانور ذبح کرنا جس سے اس تقرب اور اس کی خوشنودی مقصود ہو مثلاً کسی کے نام کی قسم کھانا خود کو غیر اللہ کا عبد بتانا وغیرہ یہ سب شرک کے مقامات ہیں (143)

شرک اور قرآن حکیم

قرآن حکیم نے شرک کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے اس کی بڑی ہی مذمت کی گئی ہے اور اس کی سزا بھی سخت مقرر کی گئی ہے یہ بہت ہی عظیم اور قبیح گناہ ٹھہرایا گیا ہے۔ شرک توحید کی ضد ہے اس کے مرتکب کی مغفرت نہیں۔

ان اللّٰه لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بااللّٰه فقد ضل ضلاً م
بعيدا(144)

اللہ اس کے گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دور جا پڑا۔

ایک مقام پر بھی کہا گیا ہے

انه من يشرك بااللّٰه فقد حرم اللّٰه عليه الجنة (145)

جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اس پر اللہ جنت حرام کر دے گا۔

اور یہ بھی کہا ان الشرك لظلم عظيم (146) شرک بہت بڑا گناہ ہے

قرآن حکیم نے مشرکوں کو نجس کہا ہے

يايهاالذين امنو انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا(147)

اے ایمان والو! مشرک پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جائیں مسلمانوں کو مشرکین کیلئے دعائے مغفرت سے بھی روکا گیا ہے گو وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

ماكان للنبى والدين امنو ان يستغفرواللمشركين ولو كانو ا اولى قربى من بعد ماتبين لهم انهم اصحب الجحيم(148)

پیغمبر اور مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کیلئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے رشتے دار ہی ہوں۔

مشرکین کو قیامت کے دن اور اس کے حساب سے ڈرایا گیا ہے

ويوم يناد يهم فيقول اين شركاء ى الذين كنتم تزعمون(149)

جس روز انہیں پکارا جائے پھر ان سے کہا جائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعوی تھا۔

مشرکین کے شریک ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے

وما نرى معكم شفاء كم الذين زعمتم انهم فيكم شركوا ط لقد تقطع بينكم وضل عنكم ما كنتم تزعمون(150)

اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمارے آپس کے سبب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوی تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔

ویعبدون من دون اللّٰہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعاء نا عنداللّٰہ قل اتنبون اللّٰہ بما لا یعلم فی السموت ولافی الارض سبحا نہ وتعلی عما یشرکون (151)

اور (یہ لوگ) خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہمارے سفارش کرنے والے ہیں کہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز بتاتے ہو جو اس کے علم کی رو سے نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں وہ پاک ہی اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔

ولم یکن لھم من شرکا لھم شفعوا وکانوا بشرکا لھم کفرین (152)

اور ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں شرک سے اس طرح رد کا گیا ہے

لا تسجدو للشمس ولا للقمر واسجدوا اللّٰہ الذی خلقھن ان کنتم ا یاہ تعبدون (153)

سورج اور چاند کو (کسی کو) سجدہ نہ کریں بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔

واعبداللّٰہ والا تشرکو بہ شیا (154)

اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ

رسول اللہ ﷺ شرک نہ کرنے کی بیعت لیتے تھے۔

"اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں تو وہ اس بات پر آپ سے بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی۔"(155)

شرک سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں

ولو اشرکو ا لحبط عنھم ماکانو ا یعطون (156)

اور اگر یہ شرک کرتے تو ان کا کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

"مشرکین کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے خادم بنیں حالانکہ اپنے اوپر وہ خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔"(157)

مومن لوگوں ک خصوصیات بتائی گئی ہیں وہ شرک نہیں کرتے۔

والذین ھم بر بھم لا یشرکون (158)

جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے

دنیاوی معبود نہ رازق ہیں نہ موت وحیات کے مالک نہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں پھر کیوں ان کی عبادت کی یہ تمام اختیارات اللہ کے ہیں

"اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کیا

تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہی جو ان مین سے کوئی کام بھی کرتا ہے پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"(159)

شرک احسان فراموشی اور ناشکری ہے

"جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ اللہ کی دی ہوئی نجات پر ااس کا کفران نعمت کریں اور (حیات دنیا کے) مزے لوٹیں۔ اچھا عن قریب انہیں معلوم ہو جائے گا کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پر امن حرم بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ اچک لئے جاتے ہیں کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں۔"(160)

مشرکین کے معبودوں نے نہ زمین میں کچھ پیدا کیا ہے نہ آسمان و زمین کی تخلیق و تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

"اے (نبی) ان سے کہو کبھی تم نے دیکھا بھی ہے اپنے ان شریکوں کو جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو ؟ مجھے بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے ؟ یا آسمانوں میں ان کی کیا شرکت ہے (اگر یہ نہیں بتا سکتے تو ان سے پوچھو) کیا ہم نے انہیں کوئی تحریر لکھ کر دی ہے جس کی بنا پر وہ اپنے اس شرک کیلئے کوئی سند رکھتے ہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض فریب جھانسے دیئے جا رہے ہیں۔"(161)

"اے نبی ان سے کہو کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو ؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں کی تخلیق و تدبیر میں ان کا حصہ ہے اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔"(162)

شرک کے بارے میں یہ وہ چند اہم آیات ہیں جو قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں اب ہم ان آیات کی روشنی میں شرک کی اقسام اور صورتیں تحریر کرتے ہیں۔

مشرکین کا شرک

عرب کے مشرکین خدا کو خالق کائنات روزی رساں مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ خدا کی ذات' خدا کی صفات یا صفات کے تقاضوں میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس تضاد سے انہیں روکا گیا۔

"پوچھو کون تم کو روزی دیتا ہی آسمان سے اور زمین سے یا کون قدرت رکھتا ہے کان پر اور آنکھوں پر اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے' اور کون عالم کا انتظام کرتا ہے ؟ جواب دیں گے اللہ تو کہو اس سے ڈرتے نہیں وہی اللہ تو تمہارا حقیقی مالک ہے اس مالک حقیقی کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو کہاں کھوئے جا رہے ہو۔"(163)

قرآن حکیم عرب مشرکین کی پانچ اقسام یا صورتیں بیان کرتا ہے ملائکہ پرستی' جنات پرستی' کواکب پرستی اور خود پرستی(164)

آیئے ذرا ان پر مختصراروشنی ڈالتے ہیں

ملائکہ پرستی

مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے یہ دراصل شرک فی الذات ہے۔ قرآن حکیم نے ملائکہ پرستی سے عربوں کو روکا۔

"اور آسمان اور زمین میں جتنے جاندار ہیں سب اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتے ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔"(165)

"ذرا دیکھو تو لات و عزیٰ اور منات کو جو دوسرے کا تیسرا ہے کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اس کیلئے بیٹیاں ہیں یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔"(166)

اسی آیت میں آگے چل کر کہا گیا ہے یسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثیٰ۔ وہ ملائکہ کے نام عورتوں پر رکھتے ہیں اس میں اشارہ ہے لات عزیٰ اور منات کی طرف دراصل یہ تینوں فرشتوں کے بت تھے اور تینوں کے نام عورتوں کے نام پر تھے۔ اوپر آیت کا شروع یہی بتا رہا ہے۔

جن پرستی

جنات کو بھی خدائی میں شریک کیا جاتا تھا۔ ان کو بھی اس طرح نفع و نقصان کا مالک تصور کیا جاتا تھا جس طرح اللہ تعالی کی ذات تھی اسی لئے ان سے پناطلب کی جاتی تھی

وانه كان رجال من الانس يعو ذون برجال من الجن (167)

اور یہ کہ انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت سے پناہ پکڑتی ہے۔

اسی خوف اور ڈر کی وجہ سے انسانی خون کی قربانی مشرکین دیا کرتے تھے

زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركاء هم (168)

بہت سے مشرکین کیلئے ان کی شرکاء (شرکاء جن) نے قتل اولاد کو پسندیدہ بنادیا ہے۔

اللہ تعالی نے جن پرستی سے یہ کہہ کر روکا

وجعلوا لله شركاء الجن وخلقهم (169)

اور انہوں نے اللہ کے لئے جنات میں سے شرکاء ٹھہرا لئے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس طرح قرآن حکیم جن پرستی کی جگہ جگہ ممانعت اور یہ بات زور دے کر کہی کہ قرآن حکیم شیطانی عمل دخل سے پاک ہے۔ سورۃ واقعہ سورۃ حاقہ سورۃ کرتکویر اور سورۃ نجم میں انہی حقائق کو بیان کیا گیا ہے

کواکب پرستی

مشرکین میں چاند ستارے سورج کی پوجا بھی رہی۔ ہر بت پرست قوم اس کا شکار رہی قران حکیم نے اس کی تردید کی
"اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن' سورج اور چاند ہیں نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔"(170)
مشرکین نے خدا کے مددگار دیوتاؤں کا تصور بھی گھڑا کہ اس نے نظام کائنات چلانے کیلئے مددگار اور مقربین مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جسطرح کوئی بادشاہ اپنے کسی مقرب یا عامل کی دور دراز کے علاقے میں انتظام چلانے کیلئے بھیجتا ہے۔ اس طرح خدا تعالی تو عرش پر ہے اور زمین پر اس نے کاروبار زندگی دیوتاؤں کے سپرد کر رکھا ہے(171)
علامہ شبلی لکھتے ہیں قبیلہ حمیر کا سورج کو پوجتا تھا۔ کنانہ چاند کو تمیم دبران کو لخم اور جزام مشتری کو ہیں۔ طے سہیل کو کو قیس شعری العبور کو اور اسد عطارد کو۔(172)
اللہ تعال نے اس کی سختی سے تردید کی ہے

وسع کرسیه السموت والارض (173)

اس کی سلطنت آسمان و زمین سب پر حاوی ہے

ان ربکم اللّٰہ الذی خلق السموت والارض فی سته ایام ثم استوی علی العرش ید برالامر (174)

تمہارا مالک وہ اللہ ہے جس نے پیدا کا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پھر وہ عرش پر ممتکن ہوا انتظام کرتا ہوا۔

وھو الذی فی السماء اله و فی الارض اله وھوا الحکیم لعلیم (175)

وہی ایک آسمان میں بھی معبود ہے اور وہی ایک زمین میں بھی معبود ہی اور وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔

زمین کے معاملات میں براہ راست متصرف ماننے کی وجہ سے اہل عرب نے ان دیوتاؤں کو عبادت و تعظیم کے ان تمام لوازم کا مستحق ٹھہرایا جو خدا کیلئے مخصوص تھے۔ خدا کیلئے کعبہ تھا ان کیلئے الگ الگ استھان اور معبد تھے خدا کے لئے حج اور قربانی کے طریقے تھے۔ ان کیلئے بھی حج اور قربانی کے مراسم اختیار کئے گئے۔ خدا نے اپنے لئے شعائر اور قربانی و نیاز کے جانور مقرر کئے مشرکین نے اپنے معبودوں کیلئے بھی بحیرہ سائبہ وسیلہ اور حام مخصوص کر دے۔ خدا کیلئے زمین کی پیداوار اور چوپایوں نے ایک حصہ متعین تھا۔ ان کے دیوتا بھی اس حصہ کے مستحق ٹھہرے۔ خدا کے لئے صرف جانوروں کی قربانی تھی۔ لیکن شرکاء کیلئے بعض حالات میں اولاد تک کی قربانی دی جاتی تھی۔ خدا وحی والہام نازل کرتا تھا یہ دیوتا بھی مال کے تیروں کی زبان سے اپنے غیبی فیصلے صادر کرنے لگے۔ خواص یہ ساری نیاز مندیاں ملائکہ' جنات اور اس کو ایک کے لئے بجا لاتے تھے لیکن عوام کو اتنی پرواز بھی نصیب نہیں تھی وہ مٹی پتھ اور لکڑی وغیرہ کے بنے ہوئے بتوں ہی کو اس کار فرما مانتے تھے(176)
قرآن حکیم نے اسی لئے بت پرستی سے روکا

"کیاان کے پاؤں جن سے چلتے ہیں کیاان کے ہاتھ جن سے پکڑتے ہیں کیاان کی آنکھیں جن سے دیکھتے ہیں۔ کیاان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔"(177)

"اور دسروی ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں مردہ ہین نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔"(178)

اللہ تعالی فرماتے ہیں

"جب (ابراہیم نے) اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری (آواز) سنتے ہیں یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں"(179)

آبا پرستی

ایک اور وباء عربوں میں باپ دادا کی پوجا تھی۔ پیغمبر ﷺ کی مخالفت کی دلیل یہی آباء پرستی دی جاتی تھی۔

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریقے پر پایا وہ ہمارے لئے کافی ہے کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیئے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو؟ (180)"

کفار شرک کی دلیل بھی یہی آباء پرستی دیتے تھے

"یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔"(181)

باپ دادا کی محبت لور عصبیت انسان کی فطرت میں موجود ہے لیکن یہ محبت اللہ اور رسول کی محبت سے بڑھ کر نہیں ہونی چاہئے۔ اسی عصبیت اور محبت میں بعثت بعد الموت کے ثبوت میں کفار ان کی دوبارہ زندگی کا مطالبہ کرتے تھے۔

"یہ لوگ کہتے تھے ہماری پہلی موت کے سوا اور کچھ نہیں اس کہ بعد ہم دوبارہ اٹھا کے جانے والے نہیں اگر تم سچے سو تو اٹھا کر دکھاؤ ہمارے باپ دادا کو۔"(182)

غرض یہ آباء پرستی بھی شرک کی ایک شکل تھی جو عربوں میں پائی جاتی تھی۔

خود پرستی

ان لوگوں کا ایک دیوتا خود پرستی تھا وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ تو کہتے تھے لیکن بندے کی بندگی اس کے تقاضوں سے نہ آشنا تھے۔ اہل عرب خدا کی اطاعت کے ساتھ دوسروں کی اطاعت کے بھی قائل تھے یعنی ظاہری "پوجاپاٹ" یہاں تک بات تھی کہ وہ اپنے نفس اپنے باپ دادا اور اپنے سرداروں اور لیڈروں کی پیروی خدا کے احکام کے مقابلہ میں ترجیح دے جاتے تھے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا

"ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق کیساتھ۔ پس اللہ ہی کی بندگی کرو اسی ایک کی اطاعت کرتے ہوئے ہاں اطاعت خالص اللہ ہی کے لئے زیبا ہے۔"(183)

خود پرستی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان خدائی احکام چھوڑ کر دنیاوی قوانین زندگی میں نافذ کرے اور ان ہی کو بہتر تصور کرے حالانکہ سابقہ تمام شریعتوں اور موجودہ قرآن حکیم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ان ہی کے مطابق فیصلے کئے جائیں ان ہی کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیا جائے جو ایسا نہیں کرے گا وہ فاسق اور کافر ہوگا(184)

اسی قسم کا مضمون وضاحت کیساتھ سورۃ انعام آیت ۱۳۶ ۔ ۱۵۳ اور سورۃ نحل کی آیات ۵۴۔۵۵ میں بھی بیان ہوا ہے ۔غرض اسلام چند رسوم کی پوجاپاٹ کا نام نہیں بلکہ پورا دین اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

خود پرستی کے شرک کی ایک اور مثال یہ ہے کہ انسان خوشحالی اور فارغ البالی اقتدار اور سلطنت کے نشے میں خدا کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ میری ذاتی قابلیت کا نتیجہ ہے اور مصیبت و آزمائش انسانی وقار خودی وانا کو ختم کردیتا خدا کو چھوڑ کر ہر دنیاوی طاقت کو خدا تسلیم کرتا ہے۔ اس کے آگے جھک جاتا ہے۔ حالانکہ خوشحالی شکر اور آزمائش صبر کا نام ہے۔ حالانکہ مسلمان کی زندگی صبر اور شکر کے مجموعہ کا نام ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی یہ دونوں کیفیتیں ان آیات میں بیان کی ہیں۔

"لیکن انسان تو جب اس کو آزماتا ہے اس کا رب پس اس کو عزت دیتا ہے اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے خداوند نے میری عزت کی اور جب اس کو آزماتا ہے اور اس کی روزی تنگ کرتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھ کو ذلیل کردیا۔"(185)

یعنی یا تو یہ سمجھ کر میں لائق عزت ہوں اور مجھے جو کچھ ملا ہے میرے استحقاق کا نتیجہ ہے۔ مغرور و متکبر ہو جاتا ہے اور زمین میں لڑنے اور فساد پھیلانے والا لگتا ہے۔ یابحالت دیگر یہ سمجھ کر خدا نے مجھے بالکل نکما اور ذلیل بنادیا مایوس و نامراد ہو جاتا ہے اور عزت نفس کا جوہر بھی کھو بیٹھتا ہے جو سوسائٹی کے اندر اس کو ایک خوددار اور باوقار انسان کی جگہ دلا سکے۔ یہ عدم توازن محض اس غلطی کا نتیجہ ہے کہ انسان اللہ کی بخشی ہوئے نعمتوں کو اپنے استحقاق ذاتی اور اپنی تدبیر و قابلیت کا ثمرہ خیال کرنے لگتا ہے۔ یہ تصور ایک مشرکانہ تصور ہے موحدانہ تصور یہ ہے کہ انسان تنگی اور فراخی دونوں کو خدا کی طرف سے سمجھے۔ دونوں میں اپنے آزمائش خیال کرے۔ فراخی کے متعلق یہ خیال کرے کہ یہ شکر کی آزمائش ہے تنگی کے متعلق یہ خیال رکھے کہ یہ صبر کا امتحان ہے۔ ان دونوں حالتوں سے ایک بندے کا پورا دین ایمان کی کسوٹی پر جانچا جاتا ہے کیونکہ دین در حقیقت صبر اور شکر ہی کے مجموعہ کا نام ہے جس شخص کا تصور یہ ہوگا لازماً اس کا نفس متوازن رہے گا نہ وہ مصائب میں گھبرائے گا نہ فراخی وکشادگی کے وقتوں میں مغرور و متکبر ہوگا(186)

اہل کتاب کا شرک

اہل کتاب یہود و نصاری آنحضرت ﷺ کی رسالت کے علاوہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے قائل تھے۔ گو ان کی حقیقی روح ان میں نہیں پائی جاتی تھی اسی طرح عقیدہ توحید کو بھی انہوں نے مجروح کر دیا۔ اور بہت سی بدعات و مفاسد اس میں پیدا کر دی تھیں اسی لئے اہل کتاب کو عقیدہ توحید کے اتفاق اور اس کے اصلاح کی طرف دعوت دی۔

"کہو اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ نہ بندگی کریں مگر اللہ کی اور نہ ساجھی ٹھہرائیں اس کا کسی چیز کو اور نہ بنائیں ایک دوسرے کو اس کے سوا رب پس اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو کہہ دو کہ ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں"(187)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کو ایک ماننا مسلمانوں اور اہل کتاب میں مسلم تھا لیکن خدا کو ایک ماننے کا مفہوم اہل کتاب صرف یہ سمجھتے تھے کہ کسی کو خدا کے سوا رب نہ پکارا جائے لیکن خدا کی صفات میں وہ دوسروں کو شریک کر لیتے تھے مثلاً قانون سازی اور تشریع میں اللہ کے سوا کسی اور شریک کرنا خدائی میں شریک کرنے کے مترادف ہے۔

اس طرح ہم اصل میں خدا کی حاکمیت اور الوہیت کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ غرض اس جرم کے یہود و نصاری مرتکب ہو رہے تھے اسی لئے قرآن نے ان سے کہا تم اپنے علماء اور فقہاء کو اللہ کے سوا رب ٹھہراتے ہو۔

"انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو االلہ کے سوا رب ٹھہرالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو صرف خدا کی بندگی کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔"(188)

عدی بن حاتم نصرانی سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ یہود و نصاری اپنے علماء اور درویشوں کس طرح عبادت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بات صحیح نہیں کہ ان کے علماء جس چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ لوگوں کیلئے حرام نہیں ہو جاتی تھی اور جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے تو لوگ اس کو حلال نہیں سمجھنے لگے تھے؟

عدی بن حاتم نے کہا یہ بات تو درست ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی پوجا اور ان کو رب ماننا تھا(189)
درج بالا آیت یہود نصاری کے یہ شرک بتائے گئے۔ ا۔ احبار پرستی ۲۔ جناب مسیح کا رب بنانا
آیئے ذران پر بھی روشنی ڈالتے ہیں

ا۔ احبار پرستی

یہود نے احکام تورات کو بھلا دیا تھا۔ ونسوا حظاً مما ذکروا بہ اور اس میں اکثر تحریف کر ڈالی تھی۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ صرف یہود ہی جنت میں جائیں گے۔ انبیا علیھم السلام کی شفاعت صرف انہیں کو عذاب جہنم سے نجات دلائی گی اگر وہ جہنم میں گئے تو چند دنوں سے زیادہ وہاں نہیں رہیں گے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا محبوب تصور کرتے تھے۔ انہوں نے

تورات میں زانی کی سزا سنگساری کو کوڑوں اور منہ کالا میں تبدیل کر دیا تھا۔ بنو اسماعیل میں نبی آخرالزماں کی بعثت۔ قبلہ ابراہیمی اور مقام قربانی کے منکر ہو گئے(190)

اجتہاد اان کے یہاں معدوم تھا کاہن اعظم کو قانون سازی کے اختیار تھے۔

بلنجلی لکھتا ہے

"قانون الٰہی ایک سونا منڈھے ہوئے صندوق میں رکھا رہتا جس کی دو کروبی حفاظت کرتے اور جس کی تعظیم الہام ربانی کے مرکز کی حیثیت سے کی جاتی تھی۔ تابوت خیمہ کے اندر ایک پردہ کے پیچھے قدس الاقداس میں رہتا تھا اور کاہنوں کی طرف سے پورے اہتمام سے اس کی نگرانی ہوتی تھی یہیں کاہن اعظم یہواہ(خدا) کے احکام کرتا اور لوگوں کو مطلع کرتا۔

"قاضی جو قبائل میں شریعت کے نفاذ پر مامور تھے وہ یہ کام خدا کے نام سے انجام دیتے تھے کیونکہ قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص تھا اگر کوئی معاملہ ان کے سامنے ایسا آجاتا جس کا فیصلہ ان کیلئے مشکل ہوتا تو اس میں ان کیلئے ضروری ہوتا کہ لادیوں کے ذریعہ سے خدا کی مرضی معلوم کریں(191)

اسطرح یہود اربابً من دون اللہ بیٹھے تھے۔

نصاریٰ نے بھی تورات اور انجیل کے احکامات میں تحریف کر ڈالی پال نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کا حلیہ ہی تبدیل کر ڈالا۔ مسیحیت میں تثلیث۔ مصلوبیت۔ کفارہ بنیادی عقائد قرار دیئے گئے۔ فارقلیط کا مفہوم بدل ڈالا(192)

یہ سب ان کی رائی اور علماء کی ذاتی خواہشات کی ترجمانی تھی ان کا تورات اور انجیل سے کوئی واسطہ نہیں تھا اسطرح تمام معاملات زندگی میں نصاریٰ خدا کے بجائے اپنے علماء کی بدعات کے پیرو ہو گئے۔ علماء جو کچھ کہتے وہ خدا کا حکم بن جاتا۔ قسطنطین کے زمانہ میں جب سلاطین روم کی تلوار نے عیسائیت کی عداوت کی جگہ اس کی حمایت کی رنگ اختیار کی۔ پوپ کی عظمت کا یہ حال ہوا کہ ایک طرف پوپ کے احکام روانہ ہوئے دوسری طرف بادشاہ کا فرمان جاری ہوتا کہ ان احکام کی خدا کے قادر مطلق کے احکام کی حیثیت سے پیروی کی جائے بالآخر یہ عقیدت اس درجہ بڑھی کہ ان مقدس علماء کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ یہ زمین پر جو باندھتے وہ آسمان پر بھی باندھا جاتا اور یہ زمین پر جو کھولتے تھے وہ آسمان پر بھی کھولا جاتا ان کی زبان خدا کی ترجمان بن گئی یہاں تک کہ یہ زمین پر جس کو بخش دیتے وہ آسمان پر بھی بخش دیا جاتا دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ اللہ کے احکام کے پیرو نہیں تھے بلکہ العیاذ باللہ خدا خود ان کے احکام کی تعمیل کرتا تھا۔(193)

حضرت مسیح کو رب بنانا

انجیل دوسری آسمانی کتب کی طرح توحید کی داعی تھی آج بھی اس کتاب میں تحریف کے باوجود توحید کی تعلیمات موجود ہیں لیکن پال نے ابن اب ابن آدم اور کلمہ کی غلط تاویل کی۔ اور اسطرح اس نے حضرت مسیح کو خدائی درجہ دے دیا۔ دراصل یہ تاویل سراسر غلط تھی۔ ابن کا لفظ قدیم زمانے میں محبوب اور مقرب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا یہاں بھی ابن سے مراد

محبوب اور مقرب مراد ہے جیسا کہ انجیل ہی میں بعض قرآئن سے اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں(194)
مولانا امین احسن لکھتے ہیں "انجیل میں مسیح کے لئے ابن کلمۃ اللہ اور خدا کیلئے اب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور ساتھ ہی جگہ جگہ ان کو ابن آدم بھی کہا گیا ہے۔ اور توحید کی بھی نہایت واضح لفظوں میں تعلیم دی گئی گے۔ مسیح کے سچے شاگردوں کو ان باتوں کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں پیش آئی۔ عبرانی زبان میں ابن کا لفظ عبد اور بیٹے کے مفہوم میں مشترک ہے اسی طرح رب کا لفظ باپ اور سب کے معانی میں مشترک ہے ان کو نہ ابن کے لفظ سے کوئی دھوکا ہو سکتا تھا نہ رب کے لفظ سے۔ وہ بے تکلف ابن اللہ کا مفہوم عبد اللہ اور ابی کا مفہوم ربی سمجھتے تے اور بالفرض لفظ کے اشتراک سے اگر کوئی ابہام پیدا ہو بھی سکتا تھا تو توحید کی واضح تعلیمات اس کے دور کرنے کیلئے کافی تھیں۔ اہل حق کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ مشتبہ چیزوں پر عقائد کی بنیاد نہیں رکھتے بلکہ ان کی تاویل واضح تعلیمات اور قطعی اصولوں کی روشنی میں کرتے تھے لیکن پال کیلئے انجیل کے انہی چند الفاظ نے تاویل بازی اور فتنہ سازی کا دروازہ کھول دیا۔ پال کا تمام تر مآخذ عبرانی سے ناواقفیت کی وجہ سے یونانی انجیلیں تھیں۔ یونانی میں آکر رب اور ابن کے الفاظ اپنے اس مفہوم سے بالکل علیحدہ ہو گئے جن مفہوموں میں وہ عبرانی میں تھے۔ یونانی میں صریحا وہ باپ اور بیٹے کے مفہوم میں ہو گئے تھے یہیں سے پال کے مذاق یا طبیعت کو غذا ملی۔ مسیح کو کلمۃ اللہ بھی کہا گیا تھا اسی کو اساس قرار دے کر اس نے یہ فلسفہ تراشا کہ کلمہ (Logos) ایک برتر تخلیقی روح کائنات (World Power) ہے اور مسیح اس برتر تخلیقی روح کائنات کے مظہر (Incar nation) ہیں۔ بس یہیں سے مسیح کے ابن اللہ ہونے کی بدعت چل پڑی(195)

پال کے ۶۴ء میں مرنے کے بعد چوتھی صدی تک اس مسئلہ پر ہنگامہ خیز بحثیں ہوئیں اور یہاں تک ۳۲۵ء میں چرچ کی ایک جنرل کونسل نائیسہ (Nicea) نے مسیح کا خدا ہونا طے کر دیا۔ یہیں سے تثلیث کا ارتقاء شروع ہوا پھر قسطنطنیہ کی پہلی کونسل نے ۳۸۱ء میں روح القدس کو بھی معبود قرار دے دیا گیا۔ افسس کی کونسل میں طے ہوا کہ مسیح کی دو طبیعتیں ہیں ایک لاہوتی دوسری ناسوتی۔ خلقیدونیہ کی کونسل نے ۴۳۱ء میں کہا کہ دونوں طبیعتیں الگ الگ ہیں ایک لاہوتی ہے اور دوسری ناسوتی اور اسی وقت تثلیث کا نظریہ بھی مان لیا گیا(196)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جن عیسائیوں نے تین صدیوں تک انسانوں کی خدائی کے شاہان روم کے ظلم و ستم برداشت کئے تلواروں سے قتل کئے گئے۔ آگ میں جلائے گئے درندوں سے چیر اپھاڑ اگیا پھر انھیں عیسائیوں نے اپنے چرچ کی کونسلوں کے ذریعہ مسیح کو خدائی درجہ پر فائز کر دیا غرض تثلیث بنیادی عقیدہ بن گیا مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں اب اسی عقیدہ کے اسرار و رموز کے حل کرنے کا نام مسیحیت ہے(197)

عیسائیوں کے اسی شرک کی قرآن حکیم نے سختی سے تردید کی اور کہا۔

"یہود کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی بات ہے ان لوگوں کی مشابہت کرتے ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں بھٹک گئے ہیں۔"(198)

اللہ تعالیٰ نے نصاری کے شرک کو کفر بھی کہا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو مکمل صفات کے ساتھ نہ ماننا فی الحقیقت اس کا انکار کرنا یا کفر ہی ہے۔

"ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں اللہ تو وہی مسیح بن مریم ہے کہہ دو کون اللہ کے مقابل میں کسی چیز پر اختیار رکھتا ہے اگر وہ ارادہ کر لے کہ ہلاک کر دے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور ان سب کو جو زمین میں بستے ہیں اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو ان کے درمیان ہیں۔ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"(199)

پھر سورۃ مائدہ میں ارشار فرمایا

"بلا شبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح بن مریم ہیں حالانکہ مسیح نے تعلیم دی ہے کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بے شک جو اللہ کا کسی کو ساجھی ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہوگا۔ اور ظالموں (مشرکوں) کیلئے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ تین کا تیسرا ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی نہیں ہے مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ اس سے پہلے بہت سے انبیاء گزر چکے ہیں اور اس کے ماں صدیقہ تھی اور دونوں کھانا کھاتے تھے۔"(200)

نصاری کے مشرکانہ عقائد پر سورۃ اخلاص بھی بہت ہی جامع تردید ہے

قل هو الله احد. الله الصمد . لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوااحد (201)

کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ وہ باپ ہے نہ وہ بیٹا ہے نہ کوئی اس کی برابری کا ہے۔

درج بالا تمام آیات میں نصاری کے ان مشرکانہ عقائد کی تردید کی جو انہوں نے تمام کونسلوں میں اسلام کی آمد تک طے کی تھی۔ تثلیث اور الوہیت مسیح کے بارے میں فیصلہ مسیحیوں نے الہی کونسلوں کے ذریعے طے کیا تھا۔

اہل کتاب کے درج ذیل تین شرک بھی قرآن نے بیان کئے ہیں

☆ اپنی پاکی اور برتری کا دعوی

☆ ایمان باالجبت والطاغوت

☆ حمایت شرک(202)

اب ان تینوں کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں

ا۔ پاکی و برتری کا دعوی

اہل کتاب اپنے اپ کو برتر اور پاکیزہ خیال کرتے تھے قرآن حکیم نے یہود و نصاری کے اس دعوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"اور یہود اور نصاری کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں پوچھو پھر خدا تمہیں گناہوں کے بدلہ میں سزا

کیوں دیتا رہا ہے ؟ بلکہ تم بھی خدا کی مخلوق کے عام آدمیوں کی طرح ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے اور سزا دے گا جس کو چاہے۔ (203)"

۲۔ ایمان باالجبت والطاغوت

قرآن حکیم نے اہل کتاب کا ایک شرک ایمان بالجبت والطاغوت بھی بتایا ہے

204

"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا وہ ایمان لاتے ہیں جبت اور طاغوت پر۔ جبت کے معنی ہیں بت۔ جادو۔ جادوگر۔ بے خبر آدمی۔"(205)

جبت کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو اور طاغوت کے معنی شیطان کے منقول ہیں۔ یہ بھی قول ہے کہ جبت حبشی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں شیطان کے ۔ شرک بت کاہن وغیرہ کے معنی بھی آئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حی بن اخطب اور بعض کعب بن اشرف لیتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ فال اور پرندوں کو ڈانٹنا بھی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا جبت ہے(206)

طبری نے کہا ہے کہ جبت اور طاغوت سے مراد وہ جنس ہے جس کی اللہ تعالی کے سوائے پوجا کی جائے خواہ وہ بت ہو شیطان آدمی ہو یا جن پس اس میں جادوگر اور کاہن بھی آجاتے ہیں ہیں(207)

جبت کا اطلاق اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کیلئے ہوتا ہے (208)

یہود میں عملیات کا اور سحر کہانت نجوم وغیرہ علوم سفلی کا ذوق ابتداء سے چلا آرہا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت

واتبعوا ماتتلو ا الشیاطین(209)

سے واضح ہے جبت کا لفظ لاکر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو۔(210)

مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں جبت کے اصل معنی بے حقیقت بے اصل اور بے فائدہ چیز کے ہیں اسلام کی زبان میں جادو کہانت (جوتش) فال گیری ٹونے ٹوٹکے شگون اور مہورت اور تمام دوسری وہمی وخیالی باتوں کو جبت سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے (النیاقة والطرق والطیر من الجبت)

یعنی جانوروں کی آوازوں سے فال لینا زمین پر جانوروں کے نشانات قدم سے شگون لینا اور فال گیری کے دوسرے طریقے سب جبت کے قبیل ہیں پس جبت کا مفہوم وہی ہے جسے ہم اردو زبان میں اوہام کہتے ہیں اور جس کیلئے انگریزی میں Supersitions کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے(211)

مولانا امین اصلاحی فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد اعمال سفلیہ مثلاً سحر' شعبدہ ٹونے ٹوٹکے رمل جعفر۔ فال گیری نجوم ۔ آگ پر چلنا اس قسم کی دوسری خرافات ہیں۔ ہاتھ کی لکیروں کا علم بھی اس میں شامل ہے(212)

طاغوت ہر وہ قانون ہے جس کیلئے اللہ کا اذن موجود نہ ہو اور ہر وہ حکم ہے جسے شریعت الہی کی سند حاصل نہیں وہ طاغوت

اس لئے ہے کہ اس میں طفیل وسرکشی ہے کیونکہ اس کو وضع کرتے وقت انسان الوہیت کی ایک خصوصیت حاکمیت کا اپنے لئے دعوی کرتا ہے اور وہ طاغوت اس لئے بھی ہے اسے اللہ کی شریعت کی مقرر کردہ حدود میں سے کوئی منضبط کرنے والی نہیں ہے۔ جس کے زیراثر یہ قانون اور حق کا پابند رہ سکے اس لئے ایسا حکم طغیان بھی ہے اور طاغوت بھی اور طاغوت پر ایمان رکھنے اور اس کی پیروی کرنے والے مشرک یا کافر ہیں(213)

مولانا عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں کہ طاغوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہے۔ اس لئے قریب ترین لفظ شیطان ہو سکتا ہی اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔

(قالو ابو اسحق کل معبود من دون الله جبت وطاغوت)(214)

امام راغب کہتے ہیں

الطاغوت عبارة عن کل معبدو معبود من دون الله (215)

مالک بن انس اور اہل تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں

قال مالك ابن انس کل ما عبد من دون الله تعالى (216)

امام رازی فرماتے ہیں

مرده من الجن ولانس کل مایطغی(217)

اور طبری بھی یہ کہتے ہیں

ماعبد من دون الله تعالى (218)

حضرت جابر سے جب طاغوت کی نسبت سوال ہوا تو فرمایا کہ یہ کاہن ہیں جن کے پاس شیطان آتے ہیں مجاہد فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں(219)

مولانا ابوالاعلی مودودی صاحب فرماتے ہیں طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد تجاوز کر گیا۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندہ کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرماں برداری ہی کو حق مانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرماں برداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اس کا نام طاغوت ہے۔(220)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں طاغوت بروزن ملکوت وجبروت طغی کے مادہ سے ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں جو چیز حد مناسب سے آگے بڑھ جائے یا خدا کی بندگی واطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث یا ذریعہ ہو

وہ سب طاغوت کے حکم میں داخل ہے پس شیطان ساحر کاہن اصنام واوثان فرعون و نمرود اللہ ہی کی ہدایت سے ہٹانے والے لیڈر غیر الٰہی حکومتیں غیر الٰہی عدالتیں سب اس کے تحت آتی ہیں اور اہل کتاب شرک کی اسی قسم میں مبتلا تھے (221)

غرض اللہ کے سوا تمام سرکش قوتیں طاغوت کہلاتی ہیں

مشرکین سے ہمدردی

اہل کتاب مسلمانوں کی بجائے کافروں اور مشرکین سے دوستی اور ہمدردی رکھتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

یقولون للذین کفروا ھولاء اھدی من الذین امنو سبیلا (222)

ان کا قول ہے کہ کافر ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

یہود و نصاریٰ مشرکین کی ہر معاملے میں حمایت کرتے انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مسلمانوں کا ساتھ دیتے کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ انجیل یوحنا میں صاف صاف نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"(223)

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے کہیں لیکن وہ وکیل یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ کہ میں نے تم سے کہا ہے تمہیں یاد دلائے گا"(224)

میں باپ کے پاس جاتا ہوں کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پیشتر کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم ایمان لاؤ اب میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور اس کا مجھ میں کچھ نہیں (225)

شاہ ولی اللہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں عیسائیوں کی غلط فہمی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں انجیل میں جس فار قلیط کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اس کے متعلق بھی عیسائی گمراہی اور غلط فہمی کا شکار ہو گئے ان کا عقیدہ ہے کہ فارقلیط موعود حقیقت میں حضرت عیسیٰ ہیں جو قتل ہو جانے کے بعد دوبارہ اپنے حواریوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں انجیل مقدس سے وابستہ رہنے کی ہدایت فرمائی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے پس جو شخص میرے نام پر دعوت دے اس کی باتیں قبول کرنا اور میرے نام پر نہ بلائے اس کی بات نہ سننا۔

قرآن مجید نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا انطباق ہمارے رسول ﷺ پر ہوتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت اور انکی دوبارہ تشریف آوری پر کسی طرح بھی نہیں ہوتا ہے کیونکہ انجیل میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ فار قلیط موعود ایک مدت تک تمہارے درمیان قیام کریگا اور مختلف علوم کی تعلیم دے گا۔ لوگوں کے نفسوں کی اصلاح کرے گا اور یہ تمام باتیں سوائے پیغمبر اسلام کے کسی اور سے ظاہر نہیں ہوتیں پیش گوئی میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ حضرت

عیسیٰ کا نام لے گا اس سے مراد یہ ہے کہ آنے والا نبی حضرت عیسیٰ کی نبوت ورسالت کو تصدیق کرے گا اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہے گا(226)

درج بالا اقوال کی روشنی میں اہل کتاب کا فرض بنتا تھا وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی حمایت کرتے آپ ﷺ کا ساتھ دیتے لیکن انہوں نے الٹی آپ ﷺ کی مخالف کی اور ان لوگوں کا ساتھ دیا جو شرک وکفر میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں یہی بات اللہ تعالی نے مذکورہ آیت میں کہی کہ یہود ونصاری مشرکین کا ساتھ دیتے ہیں۔ان ہی کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہیں اور ان ہی کے زیادہ قریب ہیں یہ ان کا شرک نہیں تو اور کیا ہے۔

عقیدہ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات

توحید صرف ایک نظریاتی فلسفہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ عملی اور روزمرہ کی زندگی میں بھی اس کے گہری اثرات پڑتے ہیں ان میں سے چند پر اشارہ کیا جاتا ہے۔

ا۔وسعت نظر

اس عقیدے کا قائل ایک وسیع قلب اور وسیع نظر کا مالک ہوتا ہے۔وہ علاقائی ملکی اور محدود خطے کی سوچ نہیں رکھتا بلکہ اس کی نظر تمام کائنات پر ہوتی ہے وہ رب العالمین اور رحمت للعالمین پر ایمان رکھتا ہے۔خدائے رحمٰن ورحیم کا اسے ہر وقت خیال رہتا ہی تمام دنیا کے انسان بلکہ کائنات کہ جملہ مخلوق پر اس کی نگاہ ہوتی ہے۔ مسلمان کی سوچ اور ہمدردی عالمگیر آفاقی اور کائناتی ہو جاتی ہے۔

بقول مولانا مودودی صاحب اب وہ کائنات پر اپنے نفس کے تعلق سے نہیں بلکہ خداوند عالم کے تعلق سے نگاہ ڈالتا ہے اب اس وسیع جہاں کی ہر چیز سے اس کا ایک اور ہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے اب اس کی ان میں کوئی حاجت روا کوئی قوت والا کوئی ضار یا نافع نظر نہیں آتا اب وہ کسی کو تعظیم یا تحقیر خوف یا امید کے قابل نہیں پاتا اب اس کی دوستی یا دشمنی محبت یا نفرت اپنے نفس کیلئے نہیں بلکہ خدا کیلئے ہوتی ہے وہ دیکھتا ہے کہ میں جس خدا کو مانتا ہوں وہ صرف میرا یا میرے خاندان یا میری قوم ہی کا خالق اور پروردگار نہیں ہے بلکہ خالق السموت والارض اور رب العالمین ہے اس کی حکومت صرف میرے ملک تک محدود نہیں بلکہ وہ مالک ارض وسماء اور رب المشرق والمغرب ہے اس کی عبادت صرف میں ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ زمین وآسمان کی ساری چیزیں اسی کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔

وله اسلم من فی السموت والارض طوعاً وكرها(227)

سب اسی کی تسبیح وتقدیس میں مشغول ہیں

تسبع له السموت السبع والارض ومن فيهن(228)

اس لحاظ سے جب وہ کائنات کو دیکھتا ہے تو کوئی اس کو غیر نظر نہیں آتا سب اپنے ہی اپنے دکھائی دیتے ہیں۔اس کی ہمدردی

اس کی محبت اس کی خدمت ایسے دائرے کی پابند نہیں رہتی جس کی حدبندی اس کے اپنے نفس کے تعلقات کے لحاظ سے کی گئی ہو۔بس جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔اس دسیع المشربی کیلئے بین الاقوامیت کی اصطلاح بھی تنگ ہے اس کو تو حقیقت میں آفاقی اور کائناتی کہنا چاہئے (229)

عزت نفس

یہ عقیدہ انسان میں خودداری آزادی حریت عزت نفس پیدا کرتا ہے اور جب انسان صرف ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے اسی کو قادر مطلق مختار کل خالق ومالک سمجھتا ہے تو وہ انسانی قدروں کو پہچانتا ہے۔اسے اپنی ذات کا احساس ہوتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات نے مجھے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور یہ تمام کائنات انسان کیلئے بنی ہے لیکن جب انسان توحید سے واقف نہیں ہوتا اس وقت اس کی پستی کا حال بقول مولانا امین احسن اصلاحی یہ ہوتا ہے

"وہ دنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں سے ڈرتا اور کانپتا ہے جو چیزیں اس کی تابعداری اور اطاعت کیلئے پیدا ہوئی ہیں وہ خود ان کی تابعداری اور اطاعت کرتا ہے اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا رب اور آقا بناتا ہے غلاموں کی طرح ان کے آگے جھکتا ہے۔ان کو ان داتا خداوند نعمت۔غریب پرور وغیرہ خطابات سے مخاطب کرتا ہے ان کیلئے ہر طرح کے امر و نہی کا حق تسلیم کرتا ہے ۔یہاں تک کہ زندوں سے گزر کر مردوں کی قبروں پر بھی اپنی درخواستیں اور التجائیں پیش کرتا ہے ان کو امور کائنات میں متصرف عالم الغیب اور نافع اور ضار سمجھتا ہے بلا آخر چکنے پتھر اور ہر اونچے درخت کو معبود بناتا اور گھنی جھاڑی ہر سنسان مقام پر بہتا دریا ہر اونچا پہاڑ ہر ضرر رساں قوت اور نفع بخش طاقت اس کی بندگی کی دعوت دیتی ہے اور ان کو کسی کے سامنے بھی اس کو اپنے نفس کو ذلیل کرنے میں کوئی غیرت نہیں لاحق ہوتی وہ ایک مرتبہ اپنے مقام عزت سے گر کر برابر گرتا ہی چلا جاتا ہے اور اس شرف کو بالکل کھو دیتا ہے جس سے اللہ تعالی نے اس کو سرفراز کیا تھا یہی حقیقت ہے جو سورۃ حج کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے (230)

"اور جو شخص اللہ کو ساجھی ٹھہراتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اس کو چڑیا اچک لے یا ہوا اڑا لے جائے کسی دور دراز گوشہ میں لیکن جب انسان ایک خدا کو پہچان لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جن سے وہ مانگ رہا ہے وہ خود اس خدا کے محتاج ہیں۔(231)

یبتغون الی ربهم الوسیلة (232)

جن کی وہ بندگی کر رہا تھا وہ خود اسی کی طرح بندے ہیں۔

ان الذین تدعون من دون اللّٰه عباد امثالکم (233)

جن سے وہ امیدیں رکھتا تھا اس کی مدد تو درکنار آپ اپنی ہی مدد نہیں کرسکتے

لایستطیعون نصرکم ولا انفسهم ینصرون (234)

حقیقی طاقت کا مالک تو اللہ تعالی ہے

ان القوۃ للہ جمیعا (235)

وہی حکمران اور صاحب امر ہے

ان الحکم الا للہ (236)

حامی ومددگار اس کے سوا کوئی نہیں

ومالکم من دون اللّٰہ من ولی ولا نصیر (237)

مدد اسی کی جانب سے ہوتی ہے

وما النصر الا من عنداللّٰہ العزیز الحکیم (238)

رزق دینے والا وہی ہے

ھوا لرزاق ذوالقوۃ المتین(239)

زمین وآسمان کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں

لہ مقالید السموت والارض(240)

مارنے اور جلانے والا وہی ہے

واللّٰہ یحی ویمیت (241)

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ (242)

نفع وضرر پہنچانے کی اصل طاقت اسی کے ہاتھ میں ہے

وان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الاھوا (243)

یہ علم حاصل ہونے کے بعد وہ تمام دنیا کی قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف ہو جاتا۔ خدا کے سوا اس کی گردن کسی کے آگے نہیں جھکتی خدا کے سوا اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا۔ خدا کی عظمت کے سوا کسی کی عظمت اس کے دل میں نہیں رہتی۔ خدا کو چھوڑ کر وہ کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ نہیں کرتا(244)

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تواضع وانکساری

توحید کا کا پرستار تواضع وانکساری کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ ایک اللہ سے ڈرتا ہے۔ مخلوق خدا پر ظلم وستم نہیں کرتا اس کا یہ ایمان ہوتا ہے سب کچھ خدا کا دیا ہوتا ہے۔ جب چاہے وہ واپس لے۔ عزت ذلت اسی کی طرف سے ہے۔

"کہو خدایا ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے"(245)

ایک موحد خدا کی طاقت اور فرمانروا کو جانتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے آگے بے بس پاتا ہے

"اے گروہ جن وانس اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو نہیں بھاگ سکتے اس کیلئے بڑا زور چاہئے"(246)

خدا کی طاقت کے آگے انسان بے بس ہے۔

وهوا القاهره فوق عباده (247)

تمام کائنات خدا کی محتاج ہے اور خدا تعالی بے نیاز ہے۔

واللّٰه الغنی وانتم الفقراء(248)

زمین و آسمان کا مالک اللہ ہے

للّٰه مافی السموت وما فی الارض (249)

ان تمام حقائق کو دیکھ کر توحید کا قائل انسان انکساری کا نمونہ بن جاتا ہے۔

"خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جہلاء ان سے جہالت سے باتیں کرتے ہیں تو سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔"(250)

سکون اور اطمینان قلب

ایمان باللہ انسان کو کسی حال میں بھی مایوس اور شکستہ دل نہیں کرتا ایک مسلمان اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتا ہے وہ خوشحالی اور بدحالی میں اللہ سے رجوع کرتا ہے وہ خوشی میں نہ فخر و غرور کا مظاہرہ کرتا اور نہ ہی مصیبت میں نا امید اور مایوس ہوتا ہے وہ تو ہر وقت خدا تعالی کی رحمت پر آس لگائے رکھتا ہے۔ اس کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالی شہہ رگ سے بھی اس کے قریب ہے۔ وہ بڑا ہی رحمٰن ورحیم ہے۔ ایک خدا کا سہارا اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ وہ ہمیشہ خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔

اس لئے کہ جس خدا پر وہ ایمان لایا ہے وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب ہوں اور تمہاری پکار سنتا ہوں۔(251)

"اللہ تعالی کی رحمت نہایت وسیع ہے اور ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے"(252)

"اللہ تعالی کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔"(253)

"مومن مایوس نہیں ہوتا اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے اور خدا تعالی سے خلوص دل سے معافی مانگے تو اللہ تعالی اسے معاف کر دیتے ہیں۔"(254)

فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان اللّٰه يتوب عليه ان اللّٰه غفور رحيم(255)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے لا تقنطوا من رحمة اللّٰه (256)

اگر دنیا کے اسباب اس کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ ان پر بھروسہ چھوڑ کر اللہ کو پکڑے تو اللہ کی رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور خوف و غم اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔(257)

اطمینان اور سکون صرف اللہ کی یاد میں ہے۔

الابذکر اللہ تطمئن القلوب (258)

صبر و استقلال

یہ عقیدہ انسان میں صبر و استقلال اور عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے۔اسطرح مومن کا دل سنگین چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مصائب تکالیف۔ مخالفتیں۔ نقصانات اور دشمنیاں بھی اس کو عزم الہی کے سامنے ہٹا نہیں سکتیں۔ یہ کردار صرف اللہ پر ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کا دامن تھام لیا اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا(259)

جس کے ساتھ مالک کائنات ہو اس پر کون غالب آسکتا ہے۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم (260)

اللہ کے راستے میں جو مصائب ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوتے اور نہ کمزوری دکھاتے ہیں اور نہ وہ ہمت ہارتے ہیں۔(261)

مصائب کا مقابلہ کرنے کیلئے مومن کے دو ہتھیار بتائے گئے ہیں صبر اور نماز

واستعنو اباالصبر والصلوۃ (262) ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی رحمت اور ہدایت نازل ہوتی ہے

اولیك علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولیك هم المهتدون(263)

ان ہی کے لئے اللہ کے یہاں بے حساب اجر اور ثواب ہے۔

انما یوفی الصابرون اجر هم بغیر حساب (264)

غرض انسان میں پہاڑ جیسی مضبوطی، نا قابل تسخیر قوت اور آہنی عزم توحید سے پیدا ہوتا ہے۔

شجاعت و بہادری

موحد شجاع اور بہادر ہوتا ہے۔اس کی وجہ مولانا مین احسن اصلاحی یہ بتاتے ہیں کہ اس پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ دکھ ہو یا سکھ موت ہو یا زندگی ہر کے آنے اور جانے کا راستہ ایک ہی ہے پس وہ امید و بیم ہر حال میں ایک ہی سے امید رکھتا ہے اور اسی سے ڈرتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا مختلف دیوتاؤں اور کار فرماؤں کی رزمگاہ نہیں ہے۔ایک ہی عزیز و حکیم ہے جو اپنی قدرت و حکمت سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے۔اور ممکن نہیں ہے کہ اس کی مشیت کے خلاف اس عالم کے معاملات میں کوئی ایک ذرہ برابر دخل دے سکے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس عالم کا خالق ہے اور محب حق ہے اس وجہ سے اس عالم میں باطل مجرد کا وجود نہیں ہے باطل کی حیثیت اس دنیا میں طفیلی کی ہے جو حق کے ساتھ لگ جاتا ہے اور بالواسطہ وہ بھی حق ہی کی خدمت کرتا ہی جس پر یہ راز کھل گیا اس نے دنیا جہاں کی دولت پالی اس کا خزانہ لازوال اور اس کی زندگی غیر فانی ہے وہ نہ تو کبھی ہراساں

ہوتا ہے اور نہ کبھی اس کو تنہائی دکھ دیتی ہے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مال اور اولاد سب دنیا کی زینت ہیں جو کبھی نہ کبھی ختم ہو جائیں گی لیکن خدا کا اجر دائمی ہے۔

(المال والبنون زينة الحيوة الدنيا والبقيت الصالحت خير عندربك ثواباً وخير املا (265)

دنیا کی زندگی عارضی ہے موت بہر حال ایک نہ ایک دن ضرور آنی ہے۔

قل ان الموت الذى تفرون منه فانه ملقيكم (266)

موت کا وقت مقرر ہے

وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله كتاباً موجلا (267)

پھر اس جان کو کیوں نہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا جہاں دائمی زندگی ہے۔

الذين قتلوا فى سبيل الله امواتاً بل احياء عندربهم يرزقون . فرحين بما اتهم الله من فضله (268)

تمام دنیا کی قوتیں جمع ہو جائیں مومن کو نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک خدا کا اذن نہ ہو۔

وما هم بضارين به من احد الا باذن الله (269)

سچے مومن وہ ہیں جب دشمن دنیاوی طاقتوں سے انہیں ڈراتے ہیں تو وہ اور زیادہ بہادر اور شیر ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے۔

الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايماناً (270)

یہ لوگ شیطان اور بد معاش سے نہیں ڈرتے صرف اللہ سے ڈرتے ہیں

انما ذلكم الشيطن يخوف اولياء ه فلا تخافو هم و خافون ان كنتم مومنين (271)

تقوی اور اصلاح

عقیدہ توحید سے دل میں پرہیزگاری اور انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ مولانا سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں اس سے نفوس میں پاکیزگی اور اعمال میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں کے باہمی معاملات درست ہوتے ہیں پابندی قانون کی حس پیدا ہوتی ہے۔ اطاعت امر اور ضبط و نظم کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور افراد ایک زبردست باطنی قوت سے اندر ہی اندر سدھر کر ایک صالح اور منظم سوسائٹی بنانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ دراصل ایمان باللہ کا معجزہ ہے اور اسی کے لئے مخصوص ہے دنیا کی کسی حاکمانہ قوت یا تعلیم و تربیت یا وعظ و تلقین سے اصلاح اخلاق اور تنظیم اعمال کا کام اتنے وسیع پیمانے اور اتنی گہری بنیادوں پر انجام نہیں پا سکتا تھا دنیوی قوتوں کی رسائی روح تک نہیں صرف جسم تک ہے اور جسم پر بھی ان کی گرفت ہر جگہ اور ہر وقت نہیں ہے تعلیم و تربیت اور وعظ و تلقین کا اثر بھی صرف عقل و فکر تک محدود رہتا ہے اور وہ بھی ایک حد تک رہا۔ نفس امارہ تو وہ نہ صرف خود اس سے غیر متاثر رہتا ہی بلکہ عقل کو بھی مغلوب کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا لیکن ایمان وہ شئے ہے جو اپنی اصلاحی و تنظیمی قوتوں کیلئے ہوئے انسان کے قلب و روح کی گہرائیوں میں اثر کر جاتا ہے اور وہاں

ایک ایسی طاقت ور اور بیدار ضمیر کی نشوونما دیتا ہے جو ہر وقت ہر جگہ انسان کو تقویٰ اور اطاعت کی سیدھی راہ دکھاتا رہتا ہے۔ اور شریر سے شریر نفوس میں بھی اپنی ملامتوں اور سرزنشوں کا کچھ نہ کچھ اثر پہنچائے بغیر نہیں رہتا۔ یہ عظیم الشان فائدہ علم الٰہی اور قدرت خداوندی کے اس اعتقاد سے حاصل ہوتا ہے جو ایمان کا ایک ضروری جز ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ خدا کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی بات اس سے چھپ نہیں سکتی(272)

وللله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله ان الله واسع عليم (273)

مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے تم جدھر رخ کروگے ادھر اللہ موجود ہے یقیناً اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

ان الله لا يخفى عليه شى فى الارض ولا فى السماء (274)

یقیناً اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

"اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ بر و بحر میں جو کچھ ہے سب کو وہ جانتا ہے ایک پتہ بھی اگر زمین پر گرتا ہے تو اللہ کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور زمین کی تاریک تہوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور خشک و تر چیز ایسی نہیں جو ایک کتاب مبین لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔"(275)

ونحن خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الو ريد (276)

ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم وہ باتیں تک جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کے نفس میں آتا ہے ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

"کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جن میں چوتھا خدا نہ ہو اور کوئی سرگوشی پانچ آدمیوں میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چھٹا خدا نہ ہو اور نہ اس کے سے کم یا زیادہ آدمیوں کا کوئی اجتماع ایسا ہے جس میں وہ ان کے ساتھ نہ ہو خواہ وہ کہیں ہو۔"(277)

"دو ضبط کرنے والے فرشتے ہر شخص کے دائیں اور باھیں بیٹھے ضبط کر رہے ہیں کوئی بات زبان سے ایسی نہیں نکلتی کہ کوئی نگرانی کرنے والا اس کو لکھنے کیلئے تیار نہ ہو"(278)

واتقو الله واعلموا ان الله بما تعلمون بصير (279)

اللہ سے ڈرو اور جان لو جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے

قناعت و استغناء

اللہ پر ایمان سے حرص، بغض، حسد، ہوس کے جذبات دور ہو جاتے ہیں اور انسان میں قناعت اور استغناء پیدا ہوتا ہے وہ ناجائز ذرائع کیلئے دوڑ دھوپ نہیں کرتا۔ ہمیشہ انصاف اور اصول سے دنیاوی رزق حاصل کرتا ہے باعزت طریقے سے زندگی بسر کرتا ہے۔ جتنا رزق اسے مل جاتا ہے خدا کا شکر کر کے اس پر قناعت کر لیتا ہے۔ مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم یختص برحمتہ من یشاء (280)

رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (281)

ان ربك یسبط الرزق لمن یشاء ویقدر (282)

ان اللہ هو ا لرزاق ذولقوۃ المتین (283)

حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے حکمران بنادے

ان الارض للہ یورثها من یشاء من عبادہ (284)

عزت وذلت اس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عزت دی اور جسے چاہے ذلت دے۔

تعزمن تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شی ، قدیر (285)

پھر دنیا کا یہ نظام کہ عزت ودولت قوت' حسن نادری اور دوسرے مواہب کے اعتبار سے کوئی بڑھا ہوا ہے اور کوئی گھٹا ہوا ہے۔اسی فرق وامتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گوناگونی قائم ہے۔اس فرق کو مٹانے کیلئے حسد' رقابت' عداوت' مزاحمت اور ناجائز طریقے اختیار نہ کروالبتہ اللہ کا فضل حاصل کرنے کیلئے دعا کیساتھ جائز جدوجہد ضرور کرو۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (286)

اور اللہ تعالی نے تم میں سے بعضوں کو بعضوں پر رزق میں فضیلت دی ہے۔

ولا تتمنوا مافضل اللہ بہ بعضکم علی ببعض (287)

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔

صحیح رہنمائی اور جھوٹے بھروسوں کا خاتمہ

توحید کی معرفت سے غلط توقعات اور جھوٹے بھروسوں کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہی۔اس سے ہماری صحیح اعتقاد اور عمل صالح کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔اس کی عدم معرفت سے کوئی تو بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا بنالیتا ہے کہ یہ ہماری سفارش کریں گے۔

ویقولون ھولاء شفاء نا عنداللہ (288)

کوئی سمجھتا ہے کہ خدا کا بیٹا بھی ہے۔اور وہ ہمارے لئے کفارہ بن جائے گا کوئی کہتا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں

قالت الیهود والنصاری نحن ابناء اللہ واحباوہ (289)

قالو اتخذاللہ ولد سبحنہ (290)

کوئی دنیا کی خوشحالی کیلئے دوسروں کو پوجتا ہے

ان الذین تعبدون من دون اللہ لایملکون لکم رزقاً (291)

حالانکہ خدا کے ہاں بزرگی اور برتری کا معیار تقویٰ ہے

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم (292)

اس کیلئے یہاں کوئی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (293)

اگر تم نافرمانی کرو گے تو کوئی سفارشی اور مددگار تمہیں اس کی سزا سے نہیں بچا سکے گا۔

"اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں رہتی اور کوئی خدا کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔" (294)

تقابلی جائزہ

تمام انبیاء کا پہلا درس یہی سبق رہا ہے۔ حضرت آدمؑ سے نبی آخری الزماں تک کل انبیاء سب سے پہلی تعلیم توحید ہی دیتے تھے۔ انبیاء علیھم السلام کی بعثت کا مقصد توحید ہی تھا۔ جس قوم نے جب بھی اس سبق کو بھلایا تو اللہ تعالیٰ کے دہاں اس بھولے سبق کو یاد کرانے کیلئے اپنا ہادی بھیجا۔ اور وہ تمام سب سے پہلے اسی بات کی طرف متوجہ کرتے تھے کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

حضرت عیسیٰؑ کی بنیادی تعلیم بھی یہی تھی۔ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر (295)

ان اللّٰہ ربی وربکم فاعبدوہ (296)

اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی لہذا تم اسی کی بندگی کرو

"اور مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے (297)"۔

"میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے حکم دیا تھا یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی" (298)۔

اب رہا مسیحیت کا عقیدہ تثلیث ابنیت کفارہ تو ان کا حضر عیسیٰ کی تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں یہ جیسا کہ متعلقہ ابواب میں ہم ثابت کر آئے ہیں بعد کی پیداوار ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے کبھی ایسی تعلیم نہیں دی۔ یہ تمام نظریات مسیحیوں کی کونسلوں نے چوتھی صدی اور اس کے بعد طے کئے ہیں بلکہ موجودہ اناجیل اربعہ میں بھی توحید کی تعلیمات موجود ہیں۔

تو خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت (299)

فقیہوں میں ایک نے اس سے پوچھا سب حکموں میں سے اول حکم کون سا ہے۔ یسوع نے جواب دیا اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہے (300)

اور اللہ کی آخری کتاب کو قرآن مجید مسیحیوں کے ان مشرکانہ نظریات کی زور تردید کرتی ہے۔

"نہ کہو کہ تین ہیں باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی ہے وہ پاک ہے اس کا بیٹا ہو۔"(301)

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں ایک ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اگر یہ لوگ انہی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں جس نے کفر کیا اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔"(302)

غرضیکہ توحید وہ تعلیم ہے اس کی یاددہانی تمام انبیاء کراتے رہے۔ ان کی بعثت کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے۔ مسیحیت جس نے اب تثلیث ابنیت اور کفارہ کے فلسفے گھڑ ڈالے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے وہ تو صرف اور صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔

رسالت

معنی و مفہوم

الرسالہ والرسالۃ کے معنی پیغام اور پیغامبری جمع رسائل ورسالات ہے(303)

الرسول کے معنی بھیجا ہوا۔ فرستادہ۔ پیغامبری تیراندازی وغیرہ میں موافق جمع رسل ورسل ورسلا(304)

رسول کے لغوی معنی ابن منظور نے اس طرح تحریر کئے ہیں

الذی یتابع اخبارالذی بعثه (305)

جو اپنے بھیجے والے کے احوال وواقعات کی پیروی کرے۔ عام استعمال میں یہ لفظ قاصد ایلچی یا پیغام لانے والے کیلئے بولا جاتا ہی۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں رسول سے مراد اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ ہے جیسے اللہ تعالی نے انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کیلئے معبوث فرماتا ہے۔

دراصل رسالت کے لفظی معنی ہیں پیغام اور رسول کے معنی ہیں پیغامبر' قاصد۔ لفظ رسالت میں پیغام بھیجنے والے۔ ۲۔ پیغام ۳۔ پیغام لے جانے ولے اور جس کی طرف پیغام ہے کا مفہوم موجود ہے۔ رسالت کے اصطلاحی معنی محض پیغام نہیں بلکہ اللہ تعالی کا پیغام ہے اور رسول کا مطلب صرف پیغامبر نہیں بلکہ اللہ کا پیغام لانے والا ہے۔ خدا کی طرح رسول کیلئے بھی فارسی کی اصطلاح پیغمبر یا پیمبر (اور اس طرح لکھ کر اسے عام پیغامبر یا پیام بر) سے ممتاز کر دیا جاتا ہے۔ رسالت کیلئے پیغمبری اور رسول اللہ کی بجائے پیغمبر اردو میں عام مستعمل ہے۔ تاہم رسول اللہ کہنا بہتر اور زیادہ اسلامی ہے۔

علامہ راغب لکھتے ہیں

الرسل کے اصل معنی آہستہ اور نرمی کے ساتھ چل پڑنے کے ہیں اور ناقلۃ رسلۃ نرم رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں اور سبکی کیساتھ اٹھنے والے اونٹوں کے کو ابل مراسیل کہا جاتا ہے۔ اسی سے رسول ہے جس کے معنی ہے روانہ ہونے والا۔ پھر کبھی رفق اور نرمی کے لحاظ سے علی رسلک کہہ دیتے ہیں یعنی اپنے حال پر سکون سے ٹھہرے رہئے اور کبھی صرف روانہ ہونے کا معنی لے لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی اعتبار سے اس سے رسول مشتق ہے مگر کبھی رسول کا لفظ صرف پیغام پر بولا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا الا بلغ ابا حفص رسولاً ۔ ابو حفص (عمرؓ) کو میرا پیغام پہنچادو اور کبھی اس شخص پر جسے پیغام دے کر بھیجا گیا ہو اور واحد جمع دونوں کیلئے آتا ہی جیسے فرمایا

لقد جاء کم رسول من انفسکم(306)

لوگو تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔

رسول کی جمع رسل آتی ہے قرآن پاک اس سے مراد کبھی فرشتے بھی ہوتے ہیں۔

ولما جاء ت رسلنا لو طا (307)

اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے۔

رسول سے مراد انبیاء علیہم السلام بھی ہوتے ہیں جیسے وما محمد الا رسول(308)

اور محمد ﷺ ایک رسول ہیں۔

یہ تو تھی امام راغب کی رائے(309)

اب ذرا آگے چلئے نبی اور رسول کے مابین کیا نسبت ہے۔اس بارے میں اختلاف ہے

ایک خیال یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں یعنی ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اسی کو اختیار کیا ہے(310)

دوسری رائے یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو جدید شرع لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو جدید شرع لے کر نہ آئے پس کوئی رسول نبی نہیں اور کوئی نبی رسول نہیں یہ محض غلط ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ارشاد پاک ہے

وکان رسولاً نبیا(311)

اور وہ رسول نبی تھا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین عموم اور خصوص مطلق ہے مگر اس صورت میں نبی اور رسول میں کیا فرق ہوگا اور ان دونوں کے شرعی تعریف کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں سخت اختلاف اقوال ہے جو درج ذیل ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے جمہور کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے جس کو اللہ سے وحی آئے وہ نبی اور ان میں جو خاص ہیں امت رکھتے ہیں یا کتاب وہ رسول ہیں۔(312)

قاضی ناصر الدین علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔رسول وہ ہے جس کو اللہ نے شریعت جدیدہ دیکر معبوث فرمایا ہو تا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے اور نبی اس کو بھی عام ہے اور اس کو بھی جس کو شرع سابق کے بر قرار رکھنے کیلئے بھیجا ہو جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے مابین ہوئے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو انبیاء سے اسی بنیاد پر تشبیہ دی ہے۔ پس نبی **رسول** سے اعم ہے اور اس پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے انبیاء کے متعلق سوال ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار عرض کیا گیا ان میں رسول کتنے ہیں فرمایا تین سو تیرہ اور بعض کا قول ہے کہ رسول وہ ہے کہ معجزہ اور کتاب جو اس پر نازل کی گئی ہو دونوں کا جامع ہے جو نبی ہی ہو رسول نہ ہو وہ ہے جس کے پاس کتاب نہ ہو اور بعض کہتے ہیں رسول وہ ہے جس کے پاس فرشتہ وحی لیکر آئے اور نبی اس کو بھی کہا جاتا ہے اور نیز اس کو بھی جس کی طرف خواب میں وحی کی جائے(313)

محدث ملا علی قاری نے ان دونوں کا فرق اس طرح بتایا ہے۔ نبی رسول سے اعم ہے کیونکہ رسول وہ ہے جو تبلیغ پر مامور ہو اور نبی وہ ہے جس کی طرف وحی کی جائے۔ خواہ وہ تبلیغ پر مامور ہو یا نہ ہو(314)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اس پر ایک نفیس بحث سپرد قلم فرمائی ہے وہ یہ ہے

"نبی وہ ہے جس کو اللہ بتلا تا ہے اور جو کچھ اللہ بتلا تا ہے اس کو بتا تا ہے اب اگر اسی کیساتھ وہ اس شخص کی طرف بھی بھیجا گیا کہ جو حکم الٰہی کا مخالف ہے تا کہ اس کو اللہ کے پیغام کی تبلیغ کرے تو رسول ہے لیکن جس صورت میں کہ وہ پہلی ہی شریعت پر عامل ہے اور کسی کی طرف اس کو بھیجا نہیں گیا جسے وہ اللہ کی طرف سے پیغام پہنچائے تو وہ نبی ہو گا رسول نہیں(315)
غرض امام موصوف کے نزدیک جس کو اللہ کی طرف سے وحی آئے مومنین کو احکام الٰہی کی تعلیم دے وہ نبی ہے اور جو اس کی دعوت کافروں کیلئے بھی عام ہو تو رسول ہے۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی نے رسول اور نبی کے فرق کو خوب واضح کیا ہے اپ لکھتے ہیں رسول کے معنی ہیں فرستادہ بھیجا ہوا اس معنی کے لحاظ سے عربی زبان میں قاصد۔ پیغامبر۔ ایلچی اور سفیر کیلئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور قرآن میں یہ لفظ یا تو ان ملائکہ کیلئے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے کسی کار خاص پر بھیجے جاتے ہیں یا پھر ان انسانوں کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جنہیں اللہ تعالی نے خلق کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کیلئے مامور فرمایا۔

نبی کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے بعض اس کو لفظ نبا سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی خبر دینے والے کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے یعنی رفعت اور بلندی اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے بلند مرتبہ اور عالی مقام ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبی ہے جس کے معنی طریق اور راستے ہیں اور انبیاء کو نبی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہے بس کسی شخص کو رسول نبی کہنے کا مطلب یا تو عالی مقام پیغمبر ہے یا اللہ تعالی کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر یا پھر وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔ قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ بالعموم ہم معنی استعمال ہوئے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخصیت کو کہیں صرف رسول کہا گیا ہے اور کہیں صرف نبی اور کہیں رسول اور نبی ایک ساتھ لیکن بعض مقامات پر رسول اور نبی کے الفاظ اس طرح بھی استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں مرتبے یا کام کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اصطلاحی فرق ہے مثلاً سورۃ حج رکوع ۷ میں فرمایا

وما ارسلنك من قبلك من رسول ولا نبي الا ۔ ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجا کوئی رسول اور نہ نبی مگر۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اور نبی دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں۔ جن کے درمیان کوئی معنوی فرق ضرور ہے۔ اس بناء پر اہل تفسیر میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ اس فرق کی نوعیت کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قطعی دلائل کیساتھ کوئی بھی رسول اور نبی کی الگ الگ حیثیت کا تعین نہیں کر سکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات یقین کیساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ نبی کی بہ نسبت خاص ہے یعنی ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا یا بالفاظ دیگر انبیاء میں رسول کا لفظ ان جلیل القدر ہستیوں کیلئے بولا گیا ہے جن کو عام انبیاء کی بہ نسبت زیادہ اہم منصب سپرد کیا گیا تھا اسی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت ابو امامہ سے اور حاکم نے حضرت ابوذر سے نقل کی ہے کہ نبی ﷺ سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی

اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہیں مگر کئی سندوں سے ایک بات کا نقل ہونا اس کے ضعف کو بڑی حد تک دور کر دیتا ہے (316)

رسالت کی ضروری

اللہ تعالی نے انسان کو اس دینا میں بھیجا تو اس کی مختلف ضروریات کو بھی پورا کیا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو بصارت کے لئے آنکھیں، سماعت کیلئے کان، سونگھنے اور سانس لینے کیلئے ناک اور محسوس کرنے کیلئے قوت لامسہ، چلنے کیلئے پاؤں کام کرنے کیلئے ہاتھ عطا کیئے پھر اس کی پرورش کا ماحول عطا کیا۔ بڑا ہوتا ہے تو س میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہی۔ انسان کو عقل دی گئی ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر دنیا میں کام کرے لیکن عقل اور صرف عقل ہی انسانی زندگی گزارنے اور اس میں پیدا ہونے والے امور و سائل کا واحد حل نہیں۔ مابعد اطبیعات کے مسائل حل کرنے اس کے بس کی بات نہیں اس دنیا کے آغاز و انجام کا یہ نہیں بتا سکتی۔ پھر عقل سے پیدا شدہ نظریات پر نسل انسانی آج تک متفق نہیں ہو سکی اور یہ عقلی اختلاف بعض دفعہ بڑا شدید ہو جاتا ہے۔ اور ضد میں انسان ایک دوسرے کے نظریات کی تردید کرتا ہے اس طرح عقلی نظریات پر اتفاق مشکل ہے چاہے یہ معاشی سیاسی معاشرتی نظریات کو چھوڑ کر اخلاقی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ انسان کیساتھ ذاتی خواہشات اور حرص کی عادت بھی لگی ہوئی ہے اس وجہ سے بعض دفعہ عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ بس اللہ تعالی کی الوہیت، رحمت اور عدل اور حکمت نے انسان کو ہر ایک کے معاملے میں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ اللہ تعالی اس دنیا میں یہ بتانے والے بھیجے کہ اس دنیا میں انسان کیلئے کیا ہے اور اس کو کس طرح برتا جائے۔ انسان خود کس لئے ہے اور انسان کو دنیا میں یہ سب سامان کس نے دیا ہے اور اس دینے والے کی مرضی کیا ہے تاکہ انسان اسی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے یہ انسان کی اصل اور سب سے بڑی ضرورت ہے یوں اللہ تعالی نے انسان کی اخلاقی روحانی دینی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اسی انتظام کا نام کیا رسالت ہے جس کے ذریعے سے یہ انتظام کیا جاتا ہے اسے رسول کہتے ہیں۔

نبی کی ضرورت پر شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ چھٹے مباحث میں دو باب تحریر کئے ہیں ان میں تفصیل سے نبوت کی ضرورت اہمیت اور حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کا خلاصہ ان الفاظ میں تحریر کیا جاتا ہے۔

"انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں۔ بہیمی اور ملکوتی۔ کھانا پینا۔ شہوت حرص و طمع استیلاد جبر وغیرہ۔ افعال بہیمی قوت کے آثار ہیں اور غور و فکر۔ علم و معرفت۔ حسن و اخلاق۔ صبر و شکر۔ عبادت و اطاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں۔ انسان کی روحانی کامیابی کیلئے ضروری ہے اس کی بہیمی قوت اس کی ملکوتی قوت کے تابع ہو۔ اگرچہ عقل سلیم ان اصول اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہی جن کے ذریعہ سے اہمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے اور گناہ کے نقصانات ظاہر ہوں عقل سلیم کے اس علم سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہی مگر یہ امکان عقلی ہے عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی فوائد حرص و طمع اور بیجا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے تو بر و پردے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے اصل اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے۔ جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہی تو میٹھی سے

میٹھی چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے اسی طرح اندرونی وجدان واحساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق وباطل خیر وشر اور نیک وبد کی تمیز بھول جاتا ہے اس لئے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں اور روحانی معلموں کی ضرورت جن کا احساس ووجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو(317)

مولانا مودودی رسالت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں خدا نے ایک رہبر تو انسان کے اپنے نفس میں مقرر کر رکھا ہے جو الہام الٰہی کی بنا پر اچھے یا برے خیالات غلط اور صحیح اعمال کے درمیان تمیز کر کے انسان کو فکر وعمل کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے جیسا کہ فرمایا

ونفس وما سوھا فاالھمھا فجورھا وتقوھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (318)

چونکہ اس رہنما کی ہدایت واضح نہیں اور اس کے ساتھ بہت سی ذھنی خارجی قوتیں بھی لگی ہوئی ہیں جو انسان کے برے اعمال کی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔اس لئے اللہ تعالی نے خارج سے اس کمی کو پورا کیا اور انسان کی طرف اپنے پیغامبر بھیجے تاکہ وہ علم ومعرفت کی روشنی سے اس باطنی رہنما کی امداد کریں اور اس مبہم فطری الہام کو آیات بینات کے ذریعے واضح کریں جس کی روشنی جہالتوں اور گمراہ کن قوتوں کے ہجوم میں مدھم پڑ جاتی ہے(319)

خدا نے جس طرح ایک ایک ہنر اور ایک ایک علم وفن کی خاص قابلیت رکھنے والے انسان پیدا کئے ہیں اسی طرح ایسے انسان بھی پیدا کئے ہیں جن میں خود خدا کو پہچانتے کی اعلی قابلیت تھی اس نے ان کو دین اور اخلاق اور شریعت کا علم اپنے پاس سے عطا کیا اور ان کو اس خدمت پر مقرر کیا کہ دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہماری زبان میں ہی نبی یا رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے(320)

نبوت ورسالت کی اہمیت کا پتہ قران حکیم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے

"جس طرح (تمہیں اس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ) میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے"(321)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالت تزکیہ نفس کتاب وحکمت کی تعلیم نیز وہ باتیں بتانے کیلئے جن کا ہم کو علم نہیں ہوتا کیلئے ہوتی ہے غرض انسان کی ہدایت کیلئے یہ ایک غیبی طریقہ ہے اور یہ وہی وعدہ ہے جس کا ایفا اللہ تعالی نے کیا اور جو حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت کہا گیا تھا

"پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہو گا۔"(322)

رسول کا اتباع واطاعت

رسالت کے سلسلے میں ایک ضروری بات یہ ہے کہ اس کی پیروی واتباع لازمی ہوتی ہے عام انسانوں اور رہنماؤں کے نظریات محض قیاس واستقرا کی بنیاد پر ہوتے ہیں جن میں غلطی اور اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے لیکن انبیاء کی تعلیمات وحی پر مبنی ہوتی ہیں۔یہ علم یقینی ہوتا ہے یہ خالق کائنات کے وہ احکامات ہوتے ہیں جو انسانی فطرت کے قریب تر ہوتے ہیں یہاں غلطی کا امکان نہیں ہوتا اسی لئے انبیاء کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا۔اتباع کے لغوی معنی کسی کے نقش قدم پر چلنے کے ہیں اتباع کے معنی ابن منظور نے یہ لکھے ہیں الاتباع ان یسیر الرجل وانت تسیر وراءہ(323)

اتباع یہ ہے کہ ایک آدمی چل رہا ہو اور آپ اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔اس اطاعت میں خدا کی مرضی شامل ہوتی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (324)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (325)

فاتقو اللّٰہ واطیعون(326)

"پس نہیں اے نبی تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ آپس کے تمام معاملات میں تمہیں حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے پر بلا کسی دل تنگی کے آمادگی کے ساتھ تسلیم خم نہ کریں۔"(327)

"اے محمد(ﷺ) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔"(328)

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ(329)

اطیعو االلّٰہ ورسولہ ان کنتم مومنین (330)

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولوں کی اگر تم مومن ہو۔

ومن یشاقق اللّٰہ ورسولہ فان اللّٰہ شدید العقاب (331)

جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرو اور اس سے ہرگز روگردانی نہ کرو جبکہ تم اس کا حکم سن چکے ہو۔"(332)

"پھر اگر وہ تیری بات نہ مانیں تو جان لے کہ وہ محض اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔"(333)

وان تطیعوہ تھتدوا (334)

"اور رسول جو تم کو دے سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔"(335)

"خدا کا حکم مانو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"(336)

ایسی اور بہت سی آیات ہیں جن پر اتباع رسول پر زور دیا گیا ہے غرض اتباع رسول دین اسلام کا بنیادی فریضہ ہے اس کی اہمیت مولانا سید ابوالاعلیٰ اس طرح بیان کرتے ہیں یہ بات بالکل خلاف عقل ہے کہ تم ایک شخص کو پیغمبر تسلیم کرو اور پھر اس کی بات بھی نہ مانو اس لئے کہ پیغمبر تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے مان لیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے خدا کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے خدا کی مرضی کے مطابق کر رہا ہے اب تم جو کچھ اس کے خلاف کہو گے یا کرو گے وہ خدا کے خلاف ہو گا اور جو بات خدا کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی لہذا کسی کو پیغمبر کو تسلیم کرنے سے یہ بات خود بخود لازم ہو جاتی ہے کہ اس کی بات کو بے چون وچرا مان لیا جائے اور اس کی حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا فائدہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جو بات پیغمبر کی طرف سے ہے اس کا پیغمبر کی طرف سے ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچی ہے اور تمام حکمتیں اور مصلحتیں اس میں موجود ہیں۔ جب کسی کے متعلق تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ بہترین ماہر فن ہے تو اس پر تم کو کامل بھروسہ کرنا چاہئے پھر اس کے کاموں میں دخل دینا اور ایک ایک بات کے متعلق یہ کہنا کہ پہلے ہمیں سمجھا دو ورنہ ہم نہ مانیں گے عقل مندی نہیں بلکہ سراسر بے وقوفی ہے کسی وکیل کو مقدمہ سپرد کرنے کے بعد تم ایسی حجتیں کرو گے تو وہ تمہیں اپنے دفتر سے نکال دے گا کسی ڈاکٹر سے تم اس کی ایک ایک ہدایت پر دلیل پوچھو گے تو وہ تمہارا علاج چھوڑ دے گا ایسا ہی معاملہ مذہب کا بھی ہے تم کو خدا کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا کیا طریقہ ہے تمہارے پاس خود ان چیزوں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اب تمہارا فرض ہے کہ خدا کے سچے پیغمبر تلاش کرو اس تلاش میں تم کو نہایت ہوشیاری اور سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے کیونکہ اگر کسی غلط آدمی کو تم نے پیغمبر سمجھ لیا تو وہ تمہیں غلط راستے پر لگا دے گا مگر جب تمہیں خوب جانچ پڑتال کرنے کے بعد یہ یقین ہو جائے کہ فلاں شخص خدا کا سچا پیغمبر ہے تو اس پر تم کو پورا اعتماد کرنا چاہئے اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنی چاہئے (337)

انبیاء کی خصوصیات

اللہ تعالی نے انسانوں کی رہنمائی کیلئے پے در پے انبیاء کو اس دنیا میں بھیجا

وان من امة الا خلا فیها نزیر (338)

کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی ڈرانے والانہ آیا ۔ ولکل قوم هاد (339) ہر قوم کے لئے ایک ھادی آیا ہے

قران حکیم میں معروف پیغمبروں کے نام آئے ہیں مگر دنیا میں ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جن کا نام قران حکیم میں نہیں آیا ہے اس لئے کہ قرآن حکیم صرف انبیاء کی فہرست کا نام نہیں ہے اس نے تو چند کا نام پہچان کے طور پر بتادیا ہے ویسے بے شمار انبیاء گزرے ہیں وہ تمام توحید کا درس دیتے تھے یہ ان تمام مقدس ہستیوں کی مشترک تعلیم تھی۔ ذیل میں انبیاء کی خصوصیات تحریر کی جاتی ہیں

ا۔ بشریت

تمام انبیاء بشر تھے وہ تمام انسانون میں سب سے افضل' ذہین' نیک' اعلی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک خدا کے منتخب اور چنے ہوئے اشخاص تھے۔ انبیاء کے اس پہلو کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں نبی کی معصومیت اور اس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق' خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن کی اصلیت محمد رسول ﷺ سے پہلے افراط و تفریط کی تاریکی میں گم تھی اور آپ کے فیض تعلیم سے وہ روشن ہوگئی اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے جو پیغمبروں کو ایک پیشن گوئی کی صفت کے علاوہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے وہ بد اخلاقیوں (نعوذباللہ) کے بھی مرتکب ہوتے تھے وہ کفر بھی کرتے تھے تاہم پیغمبر سمجھے جاتے تھے۔ دوسری طرف عیسائی بھی تھے جو اپنے نجات دہندہ کو انسانیت سے پاک خود خدا یا خدا کا جزیا ناسوت ولاہوت کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے اور ہندو بھی تھے جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا اور اوتار یعنی مجسم خدا یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل تھیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق محض صرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کا برگزیدہ معصوم نیک اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتوں سعادتوں اور ہدایتوں کا مرکز اور اس کی اجازت سے عجیب وغریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے(340)

کفار مکہ بھی یہی اعتراض کرتے تھے کہ ایک انسان جو ہمارے سامنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے کھاتا پیتا ہے بازار میں چلتا پھرتا ہم اسے کیسے رسول مانیں؟

"وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"(341)

قالوا ما انتم الا بشر مثلنا (342)

وہ بولے تم تو ہم جیسے انسان ہو

"اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص (محمد ﷺ) تم جیسے ایک بشر کے سوا آخر اور کیا ہے پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے اس جادو کے شکار ہو جاؤ گے ؟"(343)

"یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا کھاتا ہے وہی جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے وہی جو تم پیتے ہو اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کر لی تو تم بڑے گھاٹے میں رہے۔"(344)

سید قطب فرماتے ہیں کہ اعتراض کرنے والے رسول اور رسالت کے فرائض سے جاہل تھے وہ ہمیشہ یہ توقع رکھتے تھے کہ رسول کی شخصیت اور اس کی زندگی میں کوئی پوشیدہ راز ہو جس کے پیچھے اوہام وخرافات اور افسانے چھپ سکیں (یہی وجہ ہے کہ رسولوں کو ابن اللہ او تاربظاہر نبی مگر اندر سے کچھ اور قرار دیا گیا ان کی سوچ یہ تھی کہ کیا یہ شخص آسمان کا ایلچی زمین والوں کی طرف نہیں ہے ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ ایک واضح کھلی شخصیت رکھے جس میں اسرار اور پہلیاں نہ ہوں یہ ایک بشری شخصیت کیسے ہو سکتی ہے جو ہم بالعموم بازاروں اور گھروں میں دیکھا کرتے ہیں ایسے انسان سے تو شہر اور آبادیاں بھری پڑی ہیں یہ محض سوچ کی سادگی ہے کیونکہ پہلیاں اور اسرار نبوت ورسالت کا لازمہ نہیں ہے اور وہ اس طرح کی بیگانہ سوچ اور صورت کی شخصیت نہیں ہوتی نبوت ورسالت میں صرف ایک بڑا بھید پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو یہ قوت بخشی کہ وہ آسمانی وحی کو اخذ کرے دراصل یہ بات اس دوسری بات سے عجیب تر ہے کہ جس کا مطالبہ کرتے تھے کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہیے تھا(345)

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب کہ رسول کوئی فرشتے کیوں نہیں اس طرح دیا۔

"اے نبی ان سے کہو اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ان پر فرشتے ہی رسول بنا کر نازل کرتے"(346)

"ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ جینے والے تھے۔"(347)

"ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تھے وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔"(348)

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور ہر دور کے کفار کی یہ مشترکہ ذہنیت رہی ہے کہ وہ اس بات پر اعتراض کرتے تھے قوم نوح کے سرداروں پر بھی رسالت کا انکار اسی بناء پر کہا۔

"یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا اور چاہتا ہے کہ تم اپنی فضیلت جمائے حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا ہم نے تو یہ بات کبھی اپنے باپ دادا سے نہیں سنی کے (انسان رسول بن کر آئے)۔"(349)

قوم عاد نے یہی بات حضرت ہودؑ سے کہی

"یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا کھاتا ہے وہی کچھ جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے وہی کچھ جو تم پیتے ہو

اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کر لی تو تم بڑے گھاٹے میں رہے"(350)

قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے یہی کہا

ابشراً منا واحداً نتبعه (351)

کہا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی اختیار کر لیں

غرض کفار اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر انبیاء کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔

ان انتم الا بشر مثلنا (352)

تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر

هل هذا الا بشر مثلكم (353)

یہ تمہاری طرح ایک بشر ہی ہے

ماانت الا بشر مثلنا (354)

تم تو ہماری طرح ہی بشر ہو

مانرك الا بشر مثلنا355)

ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں۔

کفارہ کو اس بات پر شک تھا کہ انسانوں کی رہنمائی انسان ہی کر سکتے ہیں

فقالوا ابشر يهدوننا (356)

وہ بولے کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے۔

قالو ابعث الله بشرا رسولا (357)

انبیاء علیھم السلام نے اس اعتراض پر یہی کہا کہ ہاں ہم تمہاری طرح بشر ہیں لیکن خدا کے انعام و فضل سے سر فراز کئے گئے ہیں یہ تم میں اور ہم میں فرق ہے۔

"ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا نے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے۔"(358)

یہ وہی شبہ تھا جس کے بارے میں عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوئے اور انہیں الوہیت ابنیت اور تثلیث کے مقام پر فائز کر دیا جس کی اللہ تعالی نے بڑی سختی سے تردید کی سابقہ صفحات میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے خود نبی آخر الزماں آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا۔

قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم الله واحد (359)

کہہ دے کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

ایک دوسرے مقام میں تعلیم دی گئی

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد (360)

کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ اور ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰؑ کے اختیار میں ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کے باطل عقیدت مندوں سے بچانا ہے چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ سے کفار کا یہ مطالبہ تھا کہ تم خدا کے پیغمبر ہو تو ہمارے لئے سونے کی چھت بنا دو جہاں نہریں نہیں وہاں نہریں جاری کر دو ہمارے سنسان جنگلوں کو باغ و بہار بنا دو اپنے ساتھ چلو میں فرشتوں کے پرے لے کر چلو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ آؤ اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لے کر سامنے اترو (361)

"اور انہوں نے کہا ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے یا تو آسمان کو ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو روبرو ہمارے سامنے سے آئے یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر بن جائے یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔"(362)

اس کا جواب ایک اور مقام پر قرآن میں اس طرح دیا گیا

"اے محمد (ﷺ) ان سے کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے پھر ان سے پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔"(363)

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (364)

"اے محمد (ﷺ) ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں"۔

جب قرآن مجید نے مسلسل دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے ہمیشہ بشر ہی رسول آتے رہے ہیں اور وہ بشر آسمان سے نہیں اترے بلکہ ماؤں کے پیٹوں سے پیدا ہوئے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ بال بچے رکھتے تھے کھاتے پیتے تھے۔ اس پر کفار نے ایک اور پینترا بدلا کہ اچھا یہ بات درست ہے مگر نبی کوئی طائف یا مکے کا سردار ہوتا یہ یتیم شخص کیوں نبی رسول بنا۔

وقالوا لولا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم(365)

کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا

"کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں۔۔۔اور تیرے رب کی رحمت اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔"(366)

گو آنحضرت ﷺ سے بحکم خدا معجزات بھی صادر ہوئے اور ان کی اس اعجاز کو انہوں نے تسلیم بھی کیا مگر طوطے کی رٹ کی طرح کفار نے یہی کہا

"یہ تو تمہاری طرح ہی بشر ہے پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے۔"(367)

معجزات کو جادو کا نام دیا گیا لیکن انبیاء کی بشریت کو رسالت کے مخالف کہا۔ کفار عرب سے کہا گیا۔ رسالت و نبوت کے حقائق و خصائص اہل کتاب کو زیادہ معلوم ہیں ان سے معلوم کر لو۔ نبی اور رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتے تھے۔

"اور ہم نے تم سے پہلے بھی انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔"(368)

سورۃ یوسف میں صاف صاف کہا گیا ہے

وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیهم من اهل القری(369)

اے محمد (ﷺ) تم سے پہلے جو پیغمبر بھی بھیجے تھے وہ سب ہی انسان تھے اور انہی آبادیوں کے رہنے والے تھے ہم ان پر وحی کرتے تھے۔ مزید سورۃ نحل میں فرمایا

"اور ہم نے تم سے پہلے جب بھی رسول بھیجے آدمی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو پوچھ لو کتاب والوں سے اگر تم نہیں جانتے نشانیاں اور کتابیں دے کر اور ہم نے تم پر کتاب (ذکر) اتاری تاکہ تم کھول کر لوگوں کو بیان کر دو جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ سوچیں۔'(370)

دراصل انسانوں کی پیغمبر بھیجنے کا مقصد اور حکمت یہ تھی کہ پیغمبروں کا کام یہی نہیں ہوتا کہ وہ ڈاکیے کی طرح لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیں یا ایک مقرر کی طرح پڑھ کر سنائے بلکہ اس امت کو خدائی احکامات پر عمل کر کے دکھانا تھا اپنے آپ کو ایک نمونہ طور پر پیش کرنا ہوتا ہے کہ دیکھو لو میں ایک بشر ہوں اور ان خدائی احکام پر عمل کر رہا ہوں یہ آیات کوئی تعویذ بنانے کیلئے نہیں ہوتیں بلکہ ان کو اپنی زندگی میں لاگو کرنا ہے۔ پھر پیغمبر ان لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔ برائیوں سے پاک صاف کرتا ہے۔ ان کے خیالات ان کے نظریات درست کرتا ہے۔ نیکیوں کو اپناتا ہے لور ان کو بھی ان کو اپنانے اور اختیار کرنے اور عمل کرنے کو کہتا ہے برائیوں سے دور رکھتا ہے۔ نبی اور رسول زندگی کی دوڑ دھوپ میں شریک ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہے حق کی خاطر لڑتا ہے۔ رنج و غم میں مبتلا ہوتا ہے بغیر معاوضہ کے یہ تمام تکالیف پریشانیاں اور قربانیاں دیتا ہے۔ اس طرح ہر میدان میں اپنے پیروؤں کیلئے اتباع کا نمونہ بنتا ہے۔ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ دین انسانوں کیلئے عمل کرنے کیلئے آیا ہے۔ لیکن فرشتے انسانی جذبات داعیات سے عاری ہوتے ہیں وہ انسانوں کیلئے قابل نمونہ نہیں ہو سکتے۔ فرشتے انسانی مسائل، پیچیدگیوں اور کمزوریوں سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں وہ تو ایک الگ مخلوق ہیں۔ انہیں بشری

تقاضوں اور کمزوریوں کا علم نہیں ہوتا۔ انسان تو ان کمزوریوں کے ہوتے نیکی کو اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے انسان کے نمونہ اور قابل پیروی انسان ہی ہو سکتے ہیں کوئی اور دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی۔ غیر انسانی مخلوق ہمیں حیرت میں ڈال سکتی ہے مگر ہمارے لئے قابل عمل اور نمونہ نہیں ہو سکتی۔

امت مسلمہ کو اس بات کی خاص تلقین کی گئی ہے محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں پانچ وقت نماز میں مسلمان بار بار یہ دہراتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ کلمہ شہادت جس کے پڑھنے سے ایک شخص مسلمان ہوتا ہی اس میں اس کا سبق دیا گیا۔

اشهد ان محمداً عبده ورسوله میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عصمت

نبی معصوم ہوتا ہے۔ اس سے اخلاق اعمال کی لغزشیں اور کوتاہیاں سرزد نہیں ہوتی۔ شیطانی اور نفسانی خواہشات وجذبات اس پر غالب نہیں آتے۔ گو وہ انسان ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام کی عقل و فراست 'افکار وخیالات 'سوچ بچار میں پختگی اور حق و باطل میں اتنی تمیز ہوتی ہے کہ برائی ان سے سرزد ہی نہیں ہونے پاتی پھر ان پر اللہ تعالی کے فضل و کرم کی نواش اور خصوصی نگرانی و حفاظت بھی ہوتی ہے یہی چیز اخلاق و عمل کی کوتاہی سے بچائے رکھتی ہے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ نے انبیاء علیھم السلام کو نہ صرف حکمت اور قوت فیصلہ اور غیر معمولی دانش و بینش عطا کی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ ہمیشہ ان پر خاص نظر رکھتا ہے۔ غلطیوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے گمراہیوں سے ان کو بچاتا ہے خواہ وہ انسانی شرارت کے تحت ہوں یا شیطانی وساوس کے تحت یا خود ان کے اپنے نفس سے پیدا ہوں حتی کہ اگر بنقضائے بشریت کبھی وہ اپنے اجتہاد میں بھی غلطی کرتے ہیں تو اللہ تعالی فوراً ان کی اصلاح کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف ﷺ کے قصے میں دیکھئے جب قریب تھا کے عزیز مصر کی بیوی ان کو اپنے جال میں پھنسا لے اللہ تعالی نے اپنی برہان دکھا کر ان کو اس آزمائش سے محفوظ کر دیا(371)

"اس نے یوسف سے ارادہ بد کر ڈالا اور وہ بھی اس کی طرف ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا ایسا ہوا تاکہ ہم اس کو برائی اور بے حیائی سے پھیر دیں کیونکہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جن کو ہم نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔"(372)

حضور پاک ﷺ کے ساتھ بھی متعدد بار ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔ اپنی فطری رحمت و رافت کفار کو مسلمان بنانے کے حرص 'کفار کی تالیف قلب لوگوں کے چھوٹے سے چھوٹے احسان کا بدلہ دینے کی کوشش' منافقین کے دلوں میں ایمان کی روح پھونکنے کی خواہش اور کبھی کبھی اقتضائے بشریت کی بنا پر جب کبھی آپ سے کوئی اجتہادی لغزش ہوئی۔ وحی جلی سے اس کی اصلاح کی گئی۔

عبس وتولى ان جاء ه الاعمى (373)

ماکان لنبی ان یکون له اسری (374)

عفااللّٰه عنك لم اذنت لهم (375)

استغفرلهم اولا تستغفرلهم ان تستغفر لهم سبعین مرۃفلن یغفراللّٰه لهم (376)

ولا تصل علی احدمنهم مات ابدا(377)

لم تحرم ما احل اللّٰه لك (378)

یہ سب آیات اسی امر کی شہادت دیتی ہیں۔ جن سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اپنے نبی کو غلطیوں سے بچانے اور اس کی زندگی ٹھیٹھ معیار حق پر قائم رکھنے کی ذمہ داری اللہ تعالی نے براہ راست اپنے ذمہ لے رکھی تھی بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تعالی نے اسے اصول حیثیت سے بھی بیان فرمایا ہے مثلا فرمایا

"اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ تم کو راہ راست سے ہٹادینے کا عزم کر ہی چکا تھا مگر وہ خود اپنے آپ کو بہکائے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتار دی ہے اور تم کو وہ علم دیا ہے جو تم کو پہلے نہ جانتے تھے۔(379)

"قریب تھا کہ وہ تم کو اس بات سے جو ہم نے تم پر وحی کی ہے منحرف کر دیتے تاکہ تم اس کے سوا کچھ اور ہم پر بنالو اور اس وقت وہ تم کو دوست بنالیتے اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کسی قدر تم ان کی طرف جھک ہی جاتے۔"(380)

"ہم نے تم سے پہلے جو نبی یا رسول بھی بھیجا ہے اس نے جب کبھی کسی بات کی تمنا کی کہ شیطان نے اس کی تمنا میں وسوسہ ڈال دیا مگر اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ (نبی کے دل میں) شیطان جو وسوسہ بھی ڈالتا ہے اللہ اسے مٹادیتا ہے اور پھر اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہے۔"(381)

ان اصولی ارشادات اور اوپر کی واقعاتی مثالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی زندگی کو ٹھیک ٹھیک معیار مطلوب پر قائم رکھنے کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی ہے اور اس نے اس بات کا سخت اہتمام کیا ہے کہ نبی سے جو لغزش بھی سرزد ہو جائے اس کی فوراً اصلاح کر دے۔ خواہ وہ لغزش کسی ذاتی معاملہ میں ہو یا پبلک معاملہ میں۔ پھر اگر اصولی طور پر یہ بات مان لی جائے تو اسی سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی کے جن کاموں پر اللہ تعالی نے گرفت نہیں کی ہے وہ سب کے سب اللہ نے معیار مطلوب پر پورے اترتے ہیں اور گویا ان پر خود اللہ ہی کی مہر توثیق ثبت ہے(382)

انبیاء علیھم السلام کو قرآن حکیم نے پسندیدہ۔ منتخب یا چنے ہوئے لوگ کہا ہے یہ بھی ان کے معصوم اور گناہوں سے محفوظ رہنے کی دلیل ہے ذرا ان آیات پر نظر ڈالیں

اللّٰه یصطفی من الملکئة رسلا ومن الناس(383)

خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغمبر جن کو پسند کرتا ہے اور آدمیوں میں سے منتخب کرتا ہے

ان اللّٰه اصطفی ادم ونوحاً وال ابراهیم وال عمران علی العلمین (384)

حضرت ابراہیم کی شان میں ہے

ولقد اصطفنیاہ فی الدنیا (385)

ہم نے ان کو دنیا میں چن کر پسند کیا

حضرت موسیٰ کے متعلق فرمایا

انی اصطفیك علی الناس برسلتی وبکلامی (386)

ذیل کی آیت میں پیغمبروں کے لئے چنے ہوئی کیساتھ خیر یعنی بہتر اور نیکو کار کی صفت بھی بتائی گئی ہے

"ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوبؑ کو یاد کرو جو ہاتھوں (قوت عمل والے) اور آنکھوں (قوت علم) والے تھے۔ ہم نے ان کو آخرت کی خالص نصیحت کیلئے خالص کیا اور وہ ہماری بارگاہ میں چنے ہوئے نیکو کاروں میں تھے۔ (387)"

سورۃ انبیاء میں پیغمبروں کی صفات اس طرح بیان کی گئی ہیں

"ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہ دکھاتے تھے اور ہم نے ان نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز کھڑی کرنے اور زکواۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے۔"(388)

یہ انبیاء کے معصوم ہونے کی دلیل ہے کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے عبادت گزار بتائے گئے ہیں۔ سورۃ انعام میں پیغمبروں کی فہرست کے بعد سب کو صالح کہا گیا ہے کل من الصلحین(389) یہ سب صالحوں میں تھے

پھر آگے چل کر کلا فضلنا علی العلمین(390)

ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی اور پھر ان کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا

"اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کو سیدھی راہ چلایا"(391)

صالح ہونا برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا انبیاء کی عصمت اور پاکدامنی کی دلیل ہے۔

آنحضرت ﷺ کے گھرانے کو نبوت ورسالت کی وجہ سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے ازواج مطہرات کی عزت وتکریم میں فرمایا

یانساء النبی لستن کا حد من النساء ان اتقیتن(392)

نبی کی بیویو ،تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم متقی ہو

اہل بیت کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ انہیں پاکیزہ بنانا چاہتا ہے۔

"اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے ناپاکی کو دور کر دے اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنادے۔"(393)

ذیل کی آیت میں حضرت عائشہؓ کو منافقین کے الزام سے بری کر کے ان کی اخلاقی پاکیزگی اور طہارت کے متعلق ارشاد ہوا

"پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں"(394)

انبیاء کی ذات کو اسی لئے مقتدا۔ پیشوا نمونہ اور قابل تقلید بنایا گیا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (395)

غیر معمولی قابلیتیں اور خصوصی صلاحیتیں

انبیاء علیھم السلام اعلی صلاحیتوں اور غیر معمولی قابلیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں میں سب سے زیادہ ذہین و فطین حسین و جمیل، نیک پاکیزہ، اعلی اخلاق و کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی انبیاء میں علم و فضل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے (396)

ان کی فطرت نہایت پاکیزہ ہوتی ہی ان کے ذہن کا سانچہ ایسا ہوتا ہے کہ اس سے جو بات نکلتی سیدھی نکلتی ہے غلط روی اور کج بینی کی استعداد ہی ان میں نہیں ہوتی وہ جبلی طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ بلا ارادہ اور بلا کسی غور و فکر کے محض حواس اور وجدان سے وہ ان صحیح نتائج پر پہنچ جاتے ہیں جن پر دوسرے انسان غور و فکر کے بعد بھی نہیں پہنچ سکتے ان کے علوم کسبی نہیں ہوتے بلکہ جبلی اور وہبی ہوتے ہیں حق و باطل صحیح اور غلط کا امتیاز ان کی عین شریعت میں ودیعت کیا جاتا ہے وہ فطرتاً صحیح سوچتے ہیں اور صحیح بولتے ہیں مثال کے طور پر حضرت یعقوب کو دیکھئے حضرت یوسف کا خواب سنتے ہیں ان کے دل میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے کہ اس بچے کو اس کے بھائی جینے نہ دیں گے برادران یوسف ان کو کھیل کیلئے لے جانا چاہتے ہیں تو حضرت یعقوب نہ صرف ان کی بری نیت کو بھانپ جاتے ہیں بلکہ ان کو ٹھیک وہ بہانہ بھی معلوم ہو جاتا ہے جو بعد میں وہ بنانے والے تھے فرماتے ہیں

واخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غفلون(397)

اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔ پھر جب یوسف کے بھائی خون کا بھرا ہوا کرتا لا کر دکھاتے ہیں تو حضرت یعقوب فرماتے ہیں

بل سولت لکم انفسکم امرا(398)

"بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا" اسی طرح برادران حضرت یوسفؑ مصر سے واپس آکر کہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور یقین دلانے کیلئے یہاں تک عرض کرتے ہیں کہ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجئے جہاں سے ہم آرہے ہیں تو حضرت یعقوبؑ پھر وہی جواب دیتے ہیں کہ یہ تمہارے نفس کا دھوکہ ہے۔ بیٹوں کو پھر مصر بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں

اذھبوا فتحسو امن یوسف واخیہ (399)

"جاؤ اور جا کر حضرت یوسفؑ اور اس کے بھائی کا پتہ چلاؤ"

گویا سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی انہیں یقین ہے کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں اور مصر ہی میں موجود ہیں اس کے بعد جب حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ کا قمیض لے کر مصر سے چلتے ہیں تو ان کو دور ہی سے حضرت یوسفؑ کی خوشبو

آنے لگتی ہے ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیھم السلام کی نفسی وروحانی قوتیں کس قدر غیر معمولی ہوتی ہیں یہ صرف حضرت یعقوب ہی کی خصوصیت نہیں تمام انبیاء کا یہی حال ہے۔ حضرت یحییٰ کے متعلق ارشاد ہے

"ہم نے بچپن ہی میں اس کو قوت فیصلہ اور رحم دلی اور پاک طینی اپنی طرف سے عطا کی۔"(400)

حضرت عیسیٰ کی زبان سے گہوارے میں کہلوالیا جاتا ہے کہ

"اور اس نے مجھ کو برکت والا بنایا جہاں بھی میں رہوں اور اس نے مجھ کو وصیت کی کہ جب تک جیوں نماز پڑھوں اور زکواۃ دوں اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔"(401)

حضور پاک ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا

وانك لعلی خلق عظیم (402)

اور تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

یہ سب ان جبلی اور فطری کمالات کی طرف اشارات ہیں جن کو لے کر انبیاء علیھم السلام پیدا ہوئے ہیں پھر حق تعالیٰ انہی کی اپنی فطری استعدادات کو ترقی دے کر فعلیت کی طرف لے جاتا ہے یہاں کہ ان کو وہ چیز عطا کرتا ہے جس کو قرآن پاک میں علم اور حکم (قوت فیصلہ) اور ہدایت اور بینہ وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے(403)

ملکہ نبوت کی حقیقت ظاہر کرنے کیلئے سلف صالحین نے الگ الگ اصطلاحیں بیان کی ہیں بعض نے اس کو القاء فی الروح (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ توفیق ازلی اور قوت تبین سے تعبیر کیا۔ امام غزالی، امام رازی اور دوسرے متکلمین اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ اور دیگر علماء اصول اس کو پیغمبرانہ اجتہاد کہتے ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے۔ لیکن سب کے نزدیک اس کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہی کہ یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے اور جس کے ذریعہ وہ وحی کی تشریح اسرار شریعت کا بیان اور حقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔

علم نبوت کو قرآن حکیم نے ذکر (یاداشت) حکم (حق وباطل میں تمیز کا ملکہ) حکمت دانائی شرح صدر (سینہ کا کھول دینا) تفہیم سوجھ بوجھ دینا تعلیم سکھا دینا ارادت (سوجھا دینا) کے نام سے یاد کیا ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے ان سے مراد وحی اس لئے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہی اور عقل بشری اس لئے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے اس بناء اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔(404)

عصمت انبیاء کا طرہ امتیاز یہ وصف انہیں عام انسانوں سے نمایاں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ان کی خصوصی مہربانی اور نگرانی ہوتی ہے ان کی مہد سے لیکر لحد تک عام افراد سے الگ تربیت اور حفاظت کی جاتی ہے۔ انہیں گناہ سرزد ہونے سے بچایا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ انسان ہوتے ہیں۔ بھول چوک روک ٹوک دیا جاتا ہے وہ اپنے عبد ہونے کا احساس رکھتے ہیں ان کا تسبیح واستغفار پر زور ہوتا ہے(405)

ذکر وفکر کے ذریعے خدا سے رابطہ رکھتے ہیں خدا تعالیٰ ان پر خصوصی اپنا فضل وکرم نازل کرتے ہیں اس طرح میں وہ برائیوں سے بچے رہتے ہیں اگر کوئی معمولی بھول چوک ان سے ہونے بھی لگے تو اللہ تعالیٰ ساتھ ساتھ اس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔

وھبیت

نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ، تحفہ، بخشش اور دین ہوتی ہے یہ ذاتی محنت کوشش سے نہیں ملتی یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ دینا چاہتے ہیں کوئی شخص اسے از خود نہیں لے سکتا غرض یہ خاص عطیہ خداوندی ہے جو کسی خوش نصیب کو عطا کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے

اللہ اعلم حیث یجعل رسالته (406)

اللہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہئے۔

ذلك فضل اللّٰه یوتیه من یشاء (407)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ دیتا ہے۔

ینزل الملکة بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ (408)

"وہ اپنے حکم سے اپنے جس بندے پر چاہتا ہی روح نازل کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے اکٹھے ہونے کے دن سے آگاہ کردے۔"(409)

"اور اسی طرح ہم نے تیری طرف ایک روح اپنے حکم سے بھیجی تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہے۔(410)

"اے محمد (ﷺ) ہم چاہیں تو وہ سب کچھ تم سے چھین لیں اور ہم نے وحی کے ذریعے تم کو عطا کیا ہے پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پاؤ گے جو اسے واپس دلا سکے یہ تو جو کچھ تمہیں ملا ہے تمہارے رب کی رحمت سے ملا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔"(411)

"ہم نے اس بات کا صحیح فیصلہ سلمان کو سمجھا دیا اور ہم نے حکم اور علم دونوں داؤدؑ اور سلیمانؑ ہی کو عطا کئے تھے۔"(412)

"صالحؑ نے کہا اے برادران قوم تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا اور پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھے نوازا"(413)

"تم بات کے ہر گز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی سے تم پر نازل ہوئی ہے"(414)۔

"اے نبی ان سے کہو کہ اگر اللہ نے یہ چاہا ہوتا تو میں کبھی یہ قرآن تمہیں نہ سناتا بلکہ اس کی خبر تک وہ تم کو نہ دیتا آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہو۔"(415)

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالی کی طرف سے منتخب اور چنے ہوئے ہوتے ہیں اس انتخاب خداوندی کو قرآنی الفاظ میں اصطفا کہا گیا ہے۔اشیاء میں بہترین بہترین چیز کا چناؤ یا انتخاب اصطفا کہلاتا ہے۔اس بارے میں متعلقہ آیات پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ غرض انبیاء کرام وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کو باری تعالی نے اس منصب عظیم کیلئے خود منتخب کیا ہوتا ہے۔ان میں اللہ تعالی فطری طور پر وہ صلاحیتیں اور قابلیتیں ودیعت فرمادیتے ہیں جو نبوت اور رسالت کیلئے ضروری ہوتی ہیں یہ خصائص کوئی انسانی محنت سے حاصل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالی عطا کردہ ہوتی ہیں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے بقول یہی وہ عام فطرت انسانی مافوق باطنی استعداد ہوتی ہے جس کی وجہ سے انبیاء کے حواس عام انسانی حواس سے بہت زیادہ تیز اور ان کا شعور وادراک دوسرے لوگوں کے شعور وادراک سے کہیں زیادہ بلند اور اعلی ہوتا ہے۔اب وہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اسطوانہ حنانہ کے گریہ کی آواز سن سکتا ہے کنکریوں کی تسبیح سے اس کے کان آشنا ہوتے ہیں اور وہ مسافت اور مکان وزماں کی حدود وقیود سے گزر کر اپنی آنکھ اور کان سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتا ہے جو دوسرے لوگ تو حجابات نظر وسمع کی وجہ سے دیکھ اور سن نہیں سکتے(416)

نبوت جیسی نعمت سے نوازنا سراسر اللہ تعالی کی مرضی پر منحصر ہے۔یہ کسبی نہیں ہوتی خدا کی دین ہے کفار مکہ اسے بھی دنیاوی وزن پر تولتے تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ پہ اعتراض کیا نبی تو قریش مکہ یا طائف کا کوئی سردار ہوتا ۔ کیا مکہ میں ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ جیسے کروفر سردار اس منصب کے لئے موجود نہ تھے کیا طائف میں عدوہ بن مسعود، حبیب بن عمرو، کنانہ بن عمرو اور ابن عبدیالیل جیسے دولت مند شخص اس منصب کے اہل نہ تھے۔

قالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم(417)

"کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نازل نہ کیا گیا"

اس کا جواب اللہ تعالی نے یہ دیا کہ دنیا کی تمام نعمتوں کو لوگوں میں ہم تقسیم کر رہے ہیں دنیا کا کارخانہ چلانے کیلئے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔اس لئے کسی کو امیر بنادیا کسی کو غریب تاکہ دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔ لیکن نبوت جیسی بلند وبالا اعلی وارفع جیسی نعمت یہ لوگ اپنی مرضی سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نبوت تو اللہ کی بخشش ہے وہ جسے اس کا اہل سمجھتا ہے۔

اس کو عطا کرتا ہے یہ تمہاری مرضی سے تھوڑی دینی ہے اور نبوت جیسی دولت دنیاوی نعمتوں سے بہت ہی برتر واعلی چیز ہے اس کی اہلیت کا معیار اللہ تعالی کے یہاں کچھ اور ہے تمہارا سردار صاحب، دولت مند، چودھری، سیٹھ اس کا مستحق نہیں یہ تمہارے ذہن کی سوچ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کا اہل اور حقدار ہے(418)

انبیاء کرام میں وہبی استعداد سب سے اولین اور اعلی وارفع خصوصیت ہوتی ہے۔ سید سلمان ندوی کہتے ہیں کہ نبوت کے یہ خواص اور کیفیات اس میں بالقوۃ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت سے رہتے ہیں۔ جب وہ ہنوز آب وگل کے عالم میں ہوتا ہے۔ شاید آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدمؑ ہنوز آب وگل میں تھے اس قسم کا مطلب ہوگا۔

انبیاء کرام علیھم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب سے عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہیں اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں۔ شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں ان کی دیانت 'امانت' سچائی' راست گفتاری مسلم ہوتی ہے۔ اور یہ تمہیدیں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے۔ حضرت ابراھیم' حضرت اسماعیلؑ' حضرت اسحٰقؑ' حضرت یوسفؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت سلیمان' حضرت یحییٰؑ' حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے حالات و واقعات نبوت پڑھو تو تمہارے اس دعوی کو سچائی تم کو نظر آئے گی۔ حضرت ابراھیمؑ کا نبوت انے کے پہلے ہی سے آسمان و زمین کے خالق کی تلاش سورج چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت اسماعیلؑ کے بے اب و گیاہ میدان میں پرورش پانا' چاہ زمزم کا ظہور' آنے جانے والوں کا اس آبادی کی طرف میلان چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کی تیاری اور اس کمسنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پوری آمادگی اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحٰقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی غلام علیم کا خطاب پانا اور پھر مقدس باپ کی جانشینی اور یروشلم کی مسجد میں پاسبانی کیلئے انتخاب کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رویائے صادقہ اور صبر و شکر و پاکدامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عین خطرہ میں پیدائش' حفاظت' پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعونیوں سے تن تنہا مجاہدانہ آویزش کس مبداء کی خبر ہے؟۔ حضر سلیمانؑ کا آغاز عمر میں علم و فہم فصیل مقدمات کی قوت کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰؑ کی دعائیہ پیدائش بچپن ہی میں ان کی نیکی سعادتمندی' نرم خوئی' پاکی کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور بچپن ہی میں نیکی سلامت روی۔ تورات کی حقیقت رسی کس روز روشن کی صبح ہے اور خود محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے دعائے خلیل' نوید مسیحا رویائے آمنہ اور احوال ولادت اور احوال ولادت و تربیت مراسم شرک سے اجتناب اخلاق حسنہ دیانت امانت آثار خیر و برکت' نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی خلوت گزینی حقیقت کی تلاش اور غور فکر کس خورشید کا مطلع انور ہے۔(419)

حضرت اسماعیل کا یہ حال ہے

"تو ہم نے ابراھیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی جب وہ اس کیساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میری بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو جب ذبح کر رہا ہوں اس نے جواب دیا اے میرے باپ کر ڈال جو تجھ سے کہا گیا تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں پائے گا۔"(420)

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے

"اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا (جب تیری حفاظت اور پرورش کے متعلق) تیری ماں کے دل میں وہ

بات ڈالی دی جوڈالی گئی۔"(421)

حضرت یحییٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا

"اے یحییٰؑ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اس کو فیصلہ کرنے کی قوت بچپن ہی میں دیدی اور اپنے پاس سے رحم و مہر۔ اور پاکیزگی و اخلاق وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے فرمانبردار تھے وہ سرکشی کرنے والے اور نافرمان نہ تھا۔ سلامتی ہو اس دن جس دن پر وہ پیدا ہوا۔"(422)

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آیا

"وہ بولے ہم کیسے اس سے بات کریں جو ابھی گود کا بچہ ہے۔ وہ بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب الٰہی دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں۔"(423)

یہ تمام آیات انبیاء علیہم السلام کی خصوصی نگرانی و حفاظت ' تعلیم و تربیت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اور ان کو یہ خصوصیات ہدایت ربانی کے تحت شروع سے ہی ودیعت کر دی جاتی ہیں۔ ان ہی کہ وجہ سے وہ بچپن میں باپ کی تابعداری اور رضا الٰہی کیلئے ذبح تک ہونے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اسی بادشاہ کے ہاں پرورش پاتے ہیں جو بچوں کے قتل عام کا حکم دیتا ہے۔ اسی بخشش اور عطیہ خداوندی کی وجہ سے گود میں بولنے لگتے ہیں اپنی نبوت اور توحید الٰہی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اللہ کا عطا کردہ علم الغیب

غاب۔ یغیب۔ غیبۃ کے معنی دور ہونا۔ جدا ہونا۔ چھپنا۔ پوشیدہ ہونا۔ غیر حاضر ہونا(424)

غرض غیبۃ معنی پوشید ہونا' غیر حاضر ہونا' انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا وہ چیزیں جو آدمی کی حس اور عقلی رسائی سے خارج ہیں اور جن کا علم انبیاء کی اطلاع کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا استعمال پانچ معانی کیلئے ہوا ہے۔ (۱) غیب وہ چیز ہے جہاں تک احساس اور ہدایت عقل کی رسائی نہ ہو سکے اور انبیاء کی اطلاع کے بغیر اس کا علم ہونا ممکن نہ ہو۔ (۲) تنہائی کا وقت لوگوں سے الگ ہو کر۔ (۳) وحی (۴) بعض گذشتہ واقعات (۵) آئندہ واقعات ان معانی کے علاوہ اگر کسی ایک میں استعمال ہوا ہے تو خفیف غور کرنے کے بعد اس کو انہیں معانی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے کوئی جدید نوع پیدا نہیں ہو سکتی۔(425)

دراصل غیب کے معنی بن دیکھے ' بے جانے اور حواس کے بغیر علم حاصل کرنے کے ہیں اور وہ چیزیں بظاہر اس عالم میں دیکھی نہیں جا سکتی۔ انسانی علم کے عام ذریعے وجدان حواس اور عقل واستدلال وغیرہ ہیں ان عام اور طبعی ذریعہ جو علم حاصل نہیں ہوتا اسے علم غیب کہتے ہیں۔ یعنی جو شئے یا اشیاء کا علم انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی صلاحیتوں کے سامنے نظر آئے یا ان سے غائب ہو جائی وہ غیب ہے اس کا متضاد لفظ شہادت ہے جن کے معنی حاضر ہو جانے کے ہیں یہ وہ اشیاء ہیں جو ہر انسان کے حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں(426)

سلیمان ندوی نبوت اور غیبی علم کے ضمن میں لکھتے ہیں نبوت کا ایک اہم خاصہ اس کا غیبی علم ہے یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی

طرح وجدان، احساس یا عقل و قیاس سے نہیں بلکہ براہ راست صدائے غیب یا رویائے صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوۃ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے (427)

مفسرین نے غیب کی تشریح اس طرح کی ہے جیسے مفسر بیضاوی کہتے ہیں کہ غیب وہ ہے جسے ہم نہ حواس کے ذریعے پا سکیں اور نہ وجدان حاصل کر سکیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسے انبیاء نے انسان کو بتایا اور دوسری وہ جس کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے اور جس کے خزائن یا کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں(428)

انبیائے کرام کی تبلیغ کی ایک امتیازی خصوصیت ایمان بالغیب کی دعوت ہے انبیاء نے ہر بات پر بڑا زور دیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالی پر اس کے دین پر ایمان لانے کے بعد ضروری ہے کہ ایک مومن اللہ تعالی کی صفات اور اس کی قدرت وطاقت اور اس کے حیرت افزا افعال کی صمیم قلب سے تصدیق کرے نیز آسمانی کتابوں پر صدق دل سے ایمان لائے اور انبیاء اور رسولوں کی بتائی باتوں اور خبروں پر پورا اعتماد کرے۔ ایمان بالغیب کے بغیر معجزات اور خارق افعال پر یقین ممکن نہیں ہے۔ ایمان بالغیب میں بڑی قوت ہے اس سے جذبہ صدق و یقین کو استحکام ملتا ہے ایمان بالغیب رکھنے والا شخص کبھی شک و تذبذب کا شکار نہیں ہونے پاتا۔ قرآن مجید نے کئی ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن کی قوانین طبعی سے مطابقت یا عقلی توجیہ نہیں نظر آتی جیسے حضرت ابراہیمؑ کیلئے آتش نمرود کا سرد پڑ جانا، حضرت سلیمانؑ کا ہوا کے دوش پر لمبی مسافت تھوڑے عرصے میں طے کرنا، نیز چیونٹیوں کی گفتگو سمجھنا۔ پلک جھپکنے میں ملکہ سبا کا تخت منتقل ہونا، حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکلنا، حضرت موسیٰؑ کی ضرب سے پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کیلئے دریا کا پھٹ جانا، حضرت عیسیٰؑ کی بے باپ پیدائش اور ان کے معجزات سنگریزوں سے اصحاب الفیل کی ہلاکت و بربادی نیز آنحضرت ﷺ کے بے شمار معجزات یہ سب ایسے خارق عادت واقعات ہیں جن کو صرف ایمان بالغیب والا ہی قبول کر سکتا ہے۔ عقل و دانش اور غور و فکر کے اپنے حدود ہیں اور امور توحید و آخرت اور ذات و صفات الہیہ کی حقیقت ان حدود سے وراء ہے۔ لہذا انبیاء کے ادرکات اور بیانات پر یقین و ایمان ضروری ہو جاتا ہے ایمان بالغیب ہی کی بدولت یقین محکم اور ایمان کامل نصیب ہوتا ہے اور اسی سے سکون قلب اور روحانی راحت میسر آتی ہے(429)

اسلام کے نزدیک غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں قرآن مجید میں بار بار لکھا ہے

فقل انما الغیب للہ (430)

اے نبی (ﷺ) تو کہہ دے کہ غیب خدا کے لئے

قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا للہ (431)

اے پیغمبر کہدے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی نہیں جس کو غیب کا علم ہو۔

رسول ﷺ کہتے ہیں

ولااعلم الغیب (432)

اور میں غیب نہیں جانتا
لیکن اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ خدا اپنے پیغمبروں کو غیب کی باتوں سے مطلع کر تا ہے

فلا یظهر علی غیبه احد الا من ارتضی من رسول(433)

تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کر تا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

"اور نہ تھا کہ اللہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کر تا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے"(434)

ان دو آیتوں سے واضح ہو تا ہو تا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بر گزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیۃ اور قطعاً نفی کی گئی ہے ان سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم واطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہو تا ہے ساتھ ہی آیت الکرسی میں فرمایا گیا

ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء(435)

اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا وہ چاہے۔

سورۃ جن کی آیت چھبیس کے ضمن میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں کچھ چیزیں افراد کے اعتبار سے غیب ہوتی ہیں اور بعض کے لحاظ سے نہیں ہوتیں مثلاً جنات کے احوال اور دور کی چیزیں کا علم انسانوں کیلئے غیب ہے جنات کے لئے شہادت ہے۔ اسی لئے (حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں) کچھ لوگ خیال کرتے تھے کہ جن غیب سے واقف ہوتے ہیں حالانکہ جنات صرف شہادت کو جانتے تھے (جو چیز انسانوں کیلئے غیب تھی وہ جنات کیلئے سامنے حاضر تھی اس لئے جنات کو غیب کا نہیں بلکہ حاضر کا علم تھا) اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں (جنات کے عالم الغیب ہونے کی تردید میں) فرمایا

"سو جب (سلیمانؑ موت کی وجہ سے) گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی کہ کاش وہ غیب جانتے تو اس ذلت کی مصیبت میں رہتے۔"(436)

یا جیسے زمین والوں کیلئے آسمان کے احوال مشرق والوں کیلئے مغرب کے احوال اور مغرب والوں کیلئے مشرق کے احوال عیب ہیں۔ اس قسم کا علم غیب کبھی وحی الہام سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی درمیانی پردے اٹھ جانے اور وسطی حجابات کے شفاف ہو جانے مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں حجر میں موجود تھا اور قریش مجھ سے سیر شب (معراج) کی کیفیت پوچھ رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی بعض ایسی باتیں پوچھیں جو مجھے ٹھیک یاد نہ تھیں اس وقت مجھے ایسی پریشانی ہوئی کہ ویسی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے میری نگاہ سے حجاب اٹھا دیا اب جو کچھ وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتا دیتا تھا۔ بیہقی نے بروایت حضرت ابو عمرؓ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا (اور ساریہ نام ایک شخص کو اس کا کمانڈر مقرر کیا) ایک روز حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ دوران خطبہ

بلند آواز سے پکارنے لگے اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو

ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ان کی قبر پر پیہم ایک نور نظر آتا ہے حجابات اٹھنے کے بعد یہ علم بھی غیب نہیں رہتا بلکہ علم الشہادۃ ہو جاتا ہے اگرچہ معجزہ اور کرامت کے طور پر اس کا حصول ہوتا ہے(437)

سید سلمان ندوی رسالت اور غیب پر مزید تبصرہ فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ (اللہ تعالی) اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے وہ ان (پیغمبروں) کو بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے۔

پیغمبروں کا غیب کا کلی علم نہیں ملتا بلکہ ان کو غیب کی اطلاع دیئے جانے کے موقع کی دونوں آیتوں (438) میں رسول ہی کا لفظ ذکر کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جن امور غیب کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے ان کا تعلق فریضہ رسالت سے ہے اور اس کی بعد سید صاحب نے قرآنی آیات کے حوالوں سے چار چیزوں پر غیب کا اطلاق کیا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ پیغمبر کو اللہ تعالی غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں بعض گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعے بغیر وحی کے واسطہ سے ان کو مطلع کرتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے(439)

آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں امت محمدیہ کے انقلابات قیامت کے مناظر اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا علم آپ ﷺ کو دیا گیا جیسا کہ ان دنیاوی پیش گوئیوں اور قیامت و محشر کے ان احوال و مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث میں تبصرتح مذکور ہیں اسی طرح حال کے ان احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے جو باوجود سامنے ہونے کے احساس و تعقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب سے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے۔ قبروں کا انکشاف پس پردہ روایت اور دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے اور سب آخر میں وہ مغیبات ہیں جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہیں تاہم وہ بھی اس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں خود خدا کا دیدار فرشتوں کی روایت جنت و دوزخ کا مشاہدہ وغیرہ ان تمام امور غیب میں اللہ تعالی جس رسول کے لئے جس قدر مناسب سمجھتا ہے اور اس کے علم و وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ اس کو عطا فرماتا ہے(440)

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالی اپنی طرف سے علم غیب سے نوازتا ہے انہیں ملکوت الہی کے بہت سے راز سے عطا کئے جاتے ہیں یہ علم انہیں فریضہ رسالت میں مدد دیتا ہے اس طرح وہ ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہو کر اپنے کام کو بااحسن طریقہ سے سرانجام دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ وہ علم کتنا ہوتا ہے اور اس کی مقدار اور حد کیا ہے تو اس کے ناپنے کا کوئی آلہ ہمارے پاس نہیں۔ پس خدا تعالی جتنا ضروری سمجھتے ہیں ان کو عطا کرتے ہین ہاں نبی کا علم خدا کا عطیہ ہوتا ہے۔ خدا کے علم سے کم ہوتا ہے مگر عام بندوں سے زیادہ ہوتا ہے جیسا مولانا مودودی فرماتے ہیں بکثرت آیات اور روایات سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسولوں کا جو علم غیب دیا گیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو ان کے واسطے بندوں تک پہنچا اور

عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ ایسا ہو کیونکہ بندوں کو تو غیب کی صرف وہی باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے جن کا تعلق عقائد ایمانیہ سے ہے لیکن رسولوں کو ان کے سوا اور بہت سی ایسی معلومات حاصل ہونی چاہئے جو فرائض رسالت کا انجام دینے میں ان کے لئے مددگار ہوں جس طرح سلطنت جس کی پالیسی اور اس کے اسرار سے نائب السلطنت اور گورنروں کا ایک خاص حد تک واقف ہونا ضرور ی ہے اور عام رعایا تک ان رازوں کا پہنچ جانا بجائے مفید ہونے کے الٹا مضر ہوتا ہے اسی طرح ملکوت الٰہی کے بھی بہت سے اسرار ہیں جو خدا کے خاص نمائندے اور اس کے رسول جانتے ہیں اور عام رعیت ان سے بے خبر ہے۔ یہ علم غیب رسولوں کو اپنے فرائض انجام دینے میں مدد دیتا ہے لیکن عام رعایا نہ اس علم کی ضرورت رکھتی ہے اور نہ اس کا تحمل کر سکتی ہے زیادہ صحت کے ساتھ جو بات کہی جاسکتی وہ مجملاً بس اسی قدر ہے کہ نبی کا علم خدا کے علم سے کم اور بندوں کے علم سے زیادہ ہوتا ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ کتنا ہوتا ہے اور کتنا نہیں تو اس کو ناپنے کا کوئی پیمانہ ہمارے پاس نہیں ہے(441)

"قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر صرف کتاب ہی نازل نہیں کی جاتی بلکہ ان کی ہدایت ورہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ وحی نازل کرتا رہتا تھا اور اسی وحی کی روشنی میں وہ سیدھی راہ چلتے تھے۔ معاملات میں صائب رائے قائم کرتے تھے اور تدبیریں عمل میں لاتے تھے مثال کے طور پر دیکھئے حضرت نوحؑ طوفان کی پیش بندی کیلئے اللہ کی نگرانی میں اس کی وحی کے ماتحت کشتی بناتے ہیں۔(واصنع الفلك باعيننا و حينا) حضرت ابراہیم کو ملکوت سموات وارض کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دکھائی جاتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی ہے (ذلكما مما علمني ربه) حضرت موسیٰؑ سے طور پر باتیں کی جاتی ہیں۔ یہ مثالیں اس امر کے ثبوت میں کافی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے اور ہر ایسے موقع پر جہاں بشری فکر و رائے کی غلطی کرنے کا امکان ہو اپنی وحی سے ان کی راہنمائی کرتا رہتا ہے اور یہ وحی اس وحی سے ماسوا ہوتی ہے جو ہدایت عام کیلئے ان کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے اور کتاب میں ثبت کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کیلئے ایک الٰہی ہدایت نامے اور دستور العمل کا کام دے(442)

دعوت تبلیغ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی میں انسانوں کو منتخب کیا۔ یہ پیغام خداوندی پہنچانے والے افراد نبی یا رسول کہلاتے ہیں۔ نبی کا سب سے اہم اور ضروری فریضہ یہی دعوت تبلیغ ہوتی ہے امام راغب کے مطابق نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دینوی اور اخرادی فلح کی سفارت ہے(443)

غرض نبی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان خدمت سفارت ورسالت انجام دینے کیلئے آتا ہے۔ قاضی بیضاوی نے اس مسئلہ کی توضیح ایک نہایت عمدہ مثال سے کی ہے قاضی صاحب ایت اذ قال للملائكة کی تفسیر میں لکھتے ہیں

کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیاء کی طبیعتیں اور اعلیٰ صلاحیتیں اس درجے روشن ہوتی ہیں جیسے زیتون کا تیل جو آگ دکھائے بغیر خود بخود روشن ہوتا ہے اسی لئے خدا تعالیٰ ان کے پاس بلند مرتبے کے فرشتے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے خود کلام کرتے ہیں

جیسے موسیٰ سے میقات میں اور محمد رسول اللہ ﷺ سے شب معراج میں خطاب کیا گیا(444)

پس انبیاء کرام میں اللہ تعالی ایسی صلاحیتیں ودیعت فرماتے ہیں کہ وہ خدا تعالی کا پیغام لیکر انسانوں تک پہنچاتے ہیں گویا یہ اللہ تعالی اور بندوں کے درمیان سفارت یا رسالت کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔

ان مقدس ہستیوں کا سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ ہوتا ہے کہ وہ جو پیغام اور حکم خدا تعالی سے وصول کرتے ہیں اسے جوں کا توں بنی نوع انسان کو پہنچا دیتے ہیں خدا تعالی کی ودیعت کردہ اعلی دماغی' جسمانی' روحانی' مالی' جانی اور اخلاقی صلاحیتوں کو یہ اسی کام میں صرف کرتے ہیں کہ لوگوں سمجھایا جائے راہ راست پر لایا جائے اسی دھن مین ان کے شب و روز بسر ہوتے ہیں وہ خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور وہ صراط مستقیم پر چل پڑے اس راہ میں انبیاء بڑی بڑی صعوبتیں اٹھاتے ہیں مال و اولاد کی قربانیاں دیتے ہیں۔ جسمانی تکالیف اور ذہنی پریشانیاں برداشت کرتے ہیں اپنا گھر بار چھوڑتے ہیں ان کی ان سب تکالیف کا مقصد خدا کی رضامندی خلق خدا کی خیر خواہی اور فریضہ رسالت کے سوا ان کے پیش نظر اور کچھ نہیں ہوتا۔

آیئے قرآن حکیم میں انبیاء علیھم السلام اس فریضہ کے بارے میں نگاہ ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالی انبیاء کی خوبیاں بیان فرماتے ہیں

"جو اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔"(445)

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالی نے اسی فریضہ کی ادائیگی کا حکم دیا

اذهب الى فرعون انه طغى (446)

فرعون کے پاس جا اس نے سرکشی اختیار کی

نبی آخر الزماں کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بے خوف ہو کر خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں ہم اپ کی حفاظت کریں گے۔

"اے پیغمبر تیرے رب کے پاس جو تیری طرف سے اترا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے نہ کیا تو اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں کیا تو اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔"(447)

پیغمبر فریضہ رسالت خلوص' خیر خواہ' محنت' دل سوزی' یقین' ایمان اور جرات سے ادا کرتے ہیں۔

"میں تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانت دار خیر خواہوں"(448)

"اے میرے لوگو میں نے اپنے رب کے پیام تم کو پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگوں پر غم کھاؤ۔"(449)

انبیاء کرام نے یہ فریضہ بغیر کسی معاوضہ اجرت اور تنخواہ کے سر انجام دیا۔

"میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔"(450)

"میں نے اپنی تبلیغ کے بدلے تم سے مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں میری مزدوری تو خدا پر ہے۔"(451)

انبیاء کی تائید و نصرت

انبیاء کرام بہت ہی کٹھن حالات میں کام کرتے ہیں ان کے راستے میں منکرین حق طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑا کرتے ہیں ۔ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ صبر، تقویٰ، استقلال اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان ہی ہتھیاروں سے مخالفین کا مقابلہ کرتے ہیں تب تائید الٰہی اور نصرت خداوندی ان کے شامل حال ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان کی حفاظت کراتے ہیں اور ایمان اور جرات مند لوگ ان کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کا وعدہ کیا ہے۔

۱۔کتب اللّٰہ لا غلبن انا ورسلی ط ان اللّٰہ قوی عزیز(452)

اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے۔

۲۔"بے شک ہم مدد کرتے رہے ہیں اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دینوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔"(453)

۳۔ "ہماری یہ بات ہمارے بندگان مرسل کیلئے پہلے سے طے شدہ ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔'(454)

اللہ تعالیٰ انبیاء کے ساتھ ان کے پیروکاروں اور ان پر ایمان لانے والوں کی بھی مدد فرماتے ہیں۔

"اے ایمان والوں اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا اور کافروں کیلئے بربادی ہے اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کرے گا۔(455)

"ہم نے اپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا پس وہ دلائل اور کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے پھر ہم نے ان مجرموں کو پوری سزا دی اور اہل ایمان کی مدد پر ہم پر لازم تھی۔"(456)

"کمزوری نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو اگر تم ایمان والے ہوئے تو تم ہی غالب آؤ گے"(457)

مجرموں اور انبیاء کی مخالفین کی بربادی بھی نیک لوگوں کی کامیابی و کامرانی ہی ہوتی ہے اس نے فرمایا

"اور یقیناً ہم ظالم جماعتوں کو تم سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں اور جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکر آئے تھے اور وہ ایمان قبول ہی نہ کرتے تھے اسطرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔"(458)

سابقہ قوم عاد و ثمود اور قوم لوطؑ وغیرہ اپنی بداعمالیوں اور انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں تاریخ اس اس کی گواہ ہے۔

"ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ "(459)

انبیاء کی تاریخ شاہد ہے کہ انجام کار وہی کامیاب و کامران رہے ہیں۔ ان پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں لیکن آخر کار ان کے مخالف نیست و نابود ہوئے اور مقدس ہستیاں سرخرو ہوئیں۔ حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والے طوفان سے بچ گئے اور

دشمن آنکھوں کے سامنے پانی کی نذر ہوگئے۔ ھودؑ قوم عاد کی طرف بھیجے گئے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے آخر اللہ تعالی نے ان کی جڑ کاٹ دی اور ان کا نام ونشان تک باقی نہیں۔ ان کے بعد قوم ثمود کی طرف حضرت صالحؑ تشریف لائے یہ بڑی ماہر تعمیرات قوم تھی پہاڑوں کی کو کھود کر شاندار محل بناتی۔ پیغمبر وقت نے انہیں توحید کی دعوت اور اپنی خرابیوں کو دور کرنے کو کہا مگر انہوں نے آپ کی ایک بھی بات نہ مانی اور سامنا کرنے لگی کہ اپنا تیر نکال لے اپنی توپ چلا لے اپنا عذاب لے آ آخر ایک چیخ اور سخت زور دار آواز نے انہیں ختم کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گا اور حضرت صالح بھی انہیں چھوڑ کر نکل گئے۔ اسی طرح حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو فعل بد سے روکا مگر وہ پیغمبر کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے اس پاک باز کو بستی سے نکال دو آخر اس قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ قوم تباہ وبرباد ہوگئی اور حضرت لوطؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو دشمنوں نے آگ میں ڈالا اللہ نے اس آگ کو گل گلزار بنادیا ان کے بیٹے اسماعیل اور بی بی حاجرہ کو پہاڑوں میں آزمائش کیلئے چھوڑا گیا اللہ تعالی نے آب زم زم جاری کردیا جس کی برکتیں آج بھی جاری ہیں۔ مکہ دنیا کے امن وامان کی جگہ بن گیا۔ دینی' دینوی' روحانی' جسمانی رحمتیں یہاں نازل ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ کو دشمن بادشاہ فرعون کے گھر میں پرورش کرایا اور جب حد سے زیادہ گزرنے لگا تو سمندر میں غرق کردیا اور اسی سمندر سے حضرت موسیٰ اور اور ان کے ماننے والے خیریت سے گزر گئے۔ خود نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے لہولہان کردیا گیا۔ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ ہجرت پر مجبور کردیا گیا۔ آپ ﷺ کو جنگ بدر' احد' خندق لڑنے پر مجبور کیا گیا آخر اللہ کی مدد آئی اور تمام عرب بلکہ دنیا میں اسلام پھیل گیا اور خدا نے خود آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ وعدہ پورا ہوا۔

مقام نبوت ورسالت

انبیاء کے منصب وفرائض کے بارے میں لوگوں میں بڑی غلط فہمیاں رہی ہیں بعض لوگوں نے تو ان کو خدا درجے پر فائز کردیا اور بعض نے انہیں محض ڈاکیا اور پیغام رساں کا مقام دیا۔ حالانکہ کے یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ آیئے اس کے لئے ہم قرآن حکیم سے رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس مقدس کتاب نے ان ہستیوں کو کس منصب ودرجے اور مقام وحیثیت پر بٹھایا ہے۔

ا۔ شارح کتاب اللہ

اللہ تعالی نے انسانوں میں بہترین اوصاف والی ہستیوں کو پیغمبری کے لئے منتخب کیا اور ان کی تعلیم وتربیت کا ذمہ خود لیا اور ان کو محد سے لحد تک اپنی حفاظت میں رکھا اسطرح یہ حضرات لوگوں کیلئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی رہنمائی فرماتے ہیں ان پر اللہ کا پیغام نازل ہوتا ہے اور وہ ان کی تشریح وتوضیح بھی فرماتے ہیں۔

قرآن حکیم فرماتا ہے

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (460)

اور (اے نبیؐ) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کردو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ توضیح وتشریح صرف کتاب کی اصل عبارت یا متن نہیں بلکہ اس میں اپنے الفاظ اور دماغ سوزی بھی ہوتی ہے اور اس کا عملی مظاہرہ اور اپنے فعل سے کیا جاتا ہے۔ غرض اپنے قول وفعل سے اصل الفظ کی وضاحت تشریح یا تفسیر کہلاتی ہی اس آیت کی رو سے شارح نبی اللہ کے حکم سے ٹھہرئے گئے ہیں اور یہ مقام نہ تو آپ نے خود لیا ہے اور نہ لوگوں نے آپ کو دیا ہے۔

"یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کیلئے قاطع تھی جو خدا کا ذکر بشر کے ذریعے سے آنے کو نہیں مانتے اسی طرح اج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کیلئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح وتوضیح کے بغیر صرف "ذکر" کو لے لینا چاہتے ہیں وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کردیا تھا یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ذکر کافی ہے۔ نبی کی تشریح کوئی ضرورت نہیں یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب وہ صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں ان کا مسلک بہر حال قران کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہوں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدی دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں اس لئے کہ

آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کیلئے نبی کی تشریح کو ناگزیز ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدی ختم ہو گئی اور ہمارا تعلق محمد ﷺ کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا ہے جیسا ھودؑ اور صالحؑ اور شعیبؑ کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق تو کرتے ہیں ان پر ایمان بھی لاتے ہیں مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں یہ چیز نئی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ پیدا کر دیتی ہے صرف ایک بے وقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن چونکہ نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں۔ مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرور آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے ۔ قاتلھم اللہ ! اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے زریعے دین کی جڑ کھود رہے ہیں (461)

معلم و مربی

قرآن پاک میں رسول اکرم ﷺ یہ فریضہ چار مقامات پر پر تفصیل سے بتایا گیا ہے۔

"اور یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو انہوں نے دعا کی) اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول معبوث فرمایا جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔"(462)

"جس طرح ہم نے تمہارے اندر خود تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"(463)

"اللہ نے ایمان لانے والوں پر احسان فرمایا جبکہ ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول معبوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"(464)

"وہی ہے جس نے امیوں کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول معبوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"(465)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد محض تلاوت قرآن ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ان کی تربیت و تزکیہ کتاب کی تعلیم اور اس کے مطابق حکمت و دانائی کا علم بھی دینا مقصود تھا۔ قرآنی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم تلاوت قرآن سے کوئی فالتو چیز ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہو رہا ہے۔ اور پھر افراد اور

معاشرے کی تربیت وتزکیہ کا ذکر بھی قرآن کے الفاظ پڑھنے سے زائد چیز ہے ورنہ اس کا علیحدہ ذکر نہ ہوتا۔ یہ باتیں حضور اقدس ﷺ کے معلم ومربی ہونے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور یہ آپ ﷺ کی رسالت کا حصہ تھیں ان پر ایمان لانا اور عمل کرنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے اسی ذخیرہ کا نام احادیث وسنن ہے

شارع اور قانون ساز

قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

"وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کیلئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتارو یتا ہی جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔"(466)

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تشریعی اختیارات (Legis Lative Power) عطا کئے ہیں اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم وہی نہیں ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے یا جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہے وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے یہی بات سورۃ حشر میں اس صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے

"جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ"(467)

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے امر اور قرآن کے تحلیل و تحریم کا ذکر ہے یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہوگی اللہ نے یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا پھر کیا کوئی شخص اللہ میاں سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ سے بیان میں غلطی ہوگئی آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے۔(468)

رسول بحثیت قاضی

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام قاضی وحکم کا بھی ہے یہ بات کئی آیات سے ظاہر ہوتی ہے۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ (469)

(اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو

وقل امنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لا عدل بینکم (470)

"ایمان والو کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔"(471)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو تم دیکھتے ہو منافقوں کو

کہ وہ تم سے کنی کتراتے ہیں۔"(472)

فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدو فى انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلمو تسليما"(474)

یہ تمام آیتیں اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ نبی ﷺ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کیئے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ تعالی کے مقرر کیئے ہوئے جج تھے تیسری آیت بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ کے جج ہونے کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی جب تک وہ آپ ﷺ کی اس حیثیت سے کے آگے بھی سمع وطاعت کا رویہ نہ اختیار کرے۔ چوتھی آیت میں ماانزل اللہ (قرآن) اور رسول دونوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہی جس سے صاف ظاہر وہتا ہے کہ فیصلہ حاصل کرنے کیلئے دو مستقل مرجع ہیں ایک قرآن قانون کی حیثیت سے دوسرے رسول ﷺ جج کی حیثیت سے 'اور ان دونوں سے منہ موڑنا منافق کا کام ہے نہ کہ مومن کا۔ آخری آیت میں بالکل بے لاگ طریقے سے کہہ دیا گیا ہے کہ رسول ﷺ کو جو شخص جج کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہے حتی کہ اگر رسول ﷺ کے دیئے ہوئے فیصلے پر کوئی شخص اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہی کیا قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی کوئی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضور ﷺ رسول کی حیثیت سے قاضی نہ تھے بلکہ دنیا کے عام ججوں اور مجسٹریٹوں کی طرح آپ ﷺ بھی ایک جج یا مجسٹریٹ تھے اس لئے ان فیصلوں کی طرح حضورؐ کے فیصلے بھی ماخذ قانون نہیں بن سکتے ؟ کیا دنیا کے کسی جج کی یہ حیثیت ہوسکتی ہے کہ اس کا فیصلہ اگر کوئی نہ مانے یا اس پر تنقید کرے یا اپنے دل میں بھی اسے غلط سمجھے تو اس کا ایمان سلب ہو جائے(474)

رسولؐ بحثیت حاکم وفرمانروا

اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو ایک منصب رسول کی حیثیت سے یہ بھی عطا کیا تھا کہ آپؐ حاکم وفرمانروا تھے۔

وما ارسلنك من رسول الا ليطاع باذن الله (475)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

من يطع الرسول فقد اطا ع الله (476)

جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

"(اے نبی) یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔"(477)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنی اعمال کو باطل نہ کرو۔"(478)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کردے تو پھر ان کے لئے اپنے اس معاملہ مین خود کوئی فیصلہ کرلینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"(479)

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی

الامر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخر پھر۔"(480)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو بلکہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہے اس کی فرمانروائی منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے ان کا حاکم مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو اس کے مقابلے میں اہل ایمان کو جن میں ظاہر ہے کہ پوری امت اور اس کے حکمران اور اس کے مرکز ملت سب شامل ہیں قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ کر چکا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کریں۔

ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے اللہ کی اطاعت

۲۔ اس کے بعد رسول کی اطاعت

۳۔ پھر تیسرے درجے میں اولی الامر (یعنی آپ کے مرکز ملت) کی اطاعت

اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہی۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتی ہے مگر رسول سے نزاع نہیں ہو سکتی تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نزاعات میں فیصلے کے لئے مرجع دو ہیں ایک اللہ اور دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسول ظاہر ہے کہ اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول کا ذکر محض بے معنی ہوتا۔ پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالت میں خود ذات رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے(481)

رہنماء اور نمونہ تقلید

ہر رسول اپنی امت کے لئے امام و پیشوا' ھادی و رہنما اور نمونہ تقلید ہوتا ہے۔ اللہ تعالی جب کسی نبی کو وحی جیسی نعمت سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ اس نعمت کی وجہ سے اپنی امت کے لئے روشنی کا مینار بن جاتا ہے اور امت اس سے فیض یاب ہوتی ہے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے چراغوں سے ہدایت در ہنمائی حاصل کریں ان دونوں روشنیوں کا مرکز دراصل ذات خداوندی ہوتی ہے۔

، قرآن حکیم فرماتا ہے

"اے نبی کہدو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ غفور ور حیم ہے کہو کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔"(482)

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه"(483)

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک نمونہ تقلید ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی اپنے رسول کو امام ور ہنما اور ھادی ور ہبر مقرر فرمارہے ہیں۔ ان کی پیروی اور تقلید کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے رسول کی پیروی کو اللہ کی محبت کہا جارہا ہے اور گناہوں کی بخشش کا بھی یہی کامیاب نسخہ بتایا جارہا ہے بلکہ اس سے منہ موڑنے کفر کہا گیا ہے۔ فاعتبروا یا ولی الابصار

نبی آخری الزماں حضرت محمد ﷺ اور انکی خصوصیات

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے انبیاء علیھم السلام کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع کیا اور حضرت محمد ﷺ پر آن کر مکمل ہوا۔ بنی اسرائیل کے آخری نبی جناب عیسیٰؑ ہیں ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آیا پھر تقریباً پونے چھ سو سال کے بعد دعاء خلیل نوید مسیحا کے نتیجہ میں خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنا تھا۔ اور زمانے نے بھی بہت ترقی کرنی تھی۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنی تھیں۔ زمین و آسمان کو باندھ کر رکھ دینا تھا۔ سائنسی ترقی نے ایک انقلاب برپا کرنا تھا اس لئے اللہ تعالی نے اپنے اس نبی کو ان خصوصیات سے نوازا جو رہتی دنیا تک وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق چل سکے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو ہر لحاظ سے مکمل جامع روشن اور عام کر دیا گیا۔ تاکہ یہ لوگ ان کو سمجھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔ سیرت النبی ﷺ کی بہت سے خصوصیات ہیں جن میں چند نمایاں حسب ذیل ہیں۔

ا۔ تاریخی اور روشن

ایک مثالی شخصیت کیلئے تاریخی ہونا ضروری ہے ایک انسان کامل کی زندگی فرضی انسانوں قصوں اور کہانیوں پر مبنی نہیں ہوتی ایک قابل تقلید اور اسوہ حسنہ کی ہستی ایسی تاریخی حقائق اور شواہد پر روشن ہونی چاہئے جس کی اسناد دراوی واقعات وحالات کا کوئی انکار نہ کر سکے۔

دنیا میں لاکھوں مصلح اور پیغمبر گذرے ہیں ایک مشہور اسلامی روایت میں پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی لیکن ان میں چند کے ناموں سے ہم واقف ہیں لیکن ان کے مکمل حالات کی ہمیں خبر نہیں۔ ہندوؤں کے رہنماؤں کی حالات زندگی تاریخ کے پردوں میں گم ہیں۔ مجوسی مذہب کے بانی زرتشت کا تاریخی شخصیت ہونے کا انکار کرن (484) اور ڈار میٹر (485) جیسے محقق کررہے ہیں۔ بودھ مذہب کی بانی گوتم بدھ کی تعلیمات اور حالات زندگی بھی تاریخی لحاظ سے روشن نہیں۔ چینی مذہب کنفیو شیس کے متعلق تو بدھ جتنی معلومات بھی میسر نہیں (486)

سامی قوم کے مشہور انبیاء حضرت نوحؑ، حضرت ابراھیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ اور حضراتؑ ہیں لیکن ان کی سیرت کے چند اجزاء کے سوا مکمل تاریخ ہمیں نہیں ملتی۔ حضرت موسیٰؑ کی مستند واقعات توریت سے نہیں ملتے۔ انسائیکلو پیڈیا، بری ٹینکا کے مقالہ نگار تسلیم کرتے ہیں کہ توریت حضرت موسیٰؑ کے صدہا سال بعد معرض وجود میں آئی۔ (487)

انجیل کا حل یہ ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰؑ نے کبھی نہیں لکھوایا۔ (اگر لکھوایا ہے تو اصل انجیل لاپتہ ہے) جو چیز اب ملتی ہے وہ ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا چشم و گوش شنیدہ بیان ہے کہ ان کہ پیغمبر اس طرح پیدا ہوئے زندگی بھر فلاح طرح رہے فلاں وقت فلاں بات کی وغیرہ غیرہ۔ گویا یہ سوانح عمری ہے۔ کوئی کتاب اور ربانی ہدایت نامہ نہیں۔

ایک مزید قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس قسم کی سوانح عمریوں میں بھی بکثرت اختلاف تھاایک مرتبہ ان سب کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر ہلایا گیااور جو گر پڑیں وہ الگ اور جو نہ گریں وہ الگ کرلی گئیں اور اس طرح آج کل مروجہ چارانا جیل صحیح قرار پاگئیں باقی تلف کردی گئیں(488)

پیغمبر اسلام کی سیرت ان سب کے مقابلے میں بہت ہی روشن اور واضح اور تاریخی ہے مسلمانوں نے نبیؐ آخر الزماں اور ان سے متعلق ہر چیز اور ہر ہستی کی کمال درجے حفاظت کی۔ یہاں تک کہ روایان حدیث 'محدثین یاارباب سیر جن میں صحابہؓ اور تابعینؒ اور چوتھی صدی ہجری تک کی شخصیات شامل ہیں ان تمام راویوں کے نام ونشان تاریخ زندگی اور اخلاق وعادات کو بھی قید تحریر میں لایا گیاان کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے جس کے متعلق مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر کا قول ہے کہ "نہ کوئی دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کو طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیاجس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے(489)

صحابہ کرام کی تعداد حیات نبوی کے اخیر سال حجتہ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں اس لئے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم وبیش آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال واقعات میں سے کچھ نہ کچھ دوسروں تک پہنچایا یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی(490)

۱۱ھ آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا اور تقریباً ۴۰ھ تک اکابر صحابہ عالم وجود میں رونق افروز رہے۔ ۴۰ھ تک صحابہؓ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے خاصی تعداد میں موجود تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ دس برس تک آنحضرت ﷺ کے خادم خاص رہے۔ انہوں نے ۹۳ھ میں وفات پائی۔ بعض تابعین ۱ھ ۳ھ ۴ھ ۱۴ھ میں پیدا ہوئے مگر وہ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے محروم رہے اور بعض بچے تھے جن کی آنحضرت ﷺ کا فیض حاصل نہ ہو سکا صرف شہر مدینہ میں تابعین کی تعداد ۳۵۵ تھی اسی طرح مکہ معظمہ طائف بصرہ کوفہ دمشق یمن مصر وغیرہ میں بے شمار تابعین وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبوی کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ ان حضرات نے قوت حفظ کو معراج کمال تک پہنچایا وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک روایت کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یاداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یاداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے تاکہ یہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔((491)

عہد نبویؐ میں اخبار وسیر اور احکام وسنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو گیا۔ میثاق مدینہ' صلح حدیبیہ' فتح مکہ کا خطبہ' بادشاہوں کے خطوط' خطبہ آخری حج آج بھی تحریری شکل میں موجود ہیں۔ عبداللہ بن عمرو نے صحیفہ صادقہ کے نام سے رسولؐ کے فرمودات کو جمع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے مدینہ آکر مسلمانوں کی مردم شماری کرائی جو پندرہ سو

ہوئے۔ حضرت علیؓ کے پاس تلوار کی نیام میں متعدد احادیث جمع رہتی تھیں ۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۹۹ھ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر کو فرمان بھیجا کہ آنحضرت کے سنن و خبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہے۔ یہ واقعہ بخاری موطا اور مسند دارمی وغیرہ میں موجود ہے پھر ۱۵۰ھ میں تیسری صدی میں امام بخاری امام مسلم امام ترمذی امام احمد بن حنبل نے سیرت و احادیث کو کتابی صورت میں جمع کر دیا یہ ذخیرہ دنیا کی تاریخ کا سب سے زیادہ مستند معتبر اور گراں بہا ہے اس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کا خزانہ کہیں اور نہیں ہے ۔روایت اور درایت کے جن اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں نے یہ سرمایہ جمع کیا دنیا کی کسی اور قوم میں یہ معیار نہیں ملتا(492)

علامہ شبلی نعمانی کے بقول اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلم بند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس سے بہت ہی زیادہ بلند تھا۔اس کا پہلا اصول یہ تھا جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے ؟ کیسے تھے ؟ان کے مشاغل کیا تھے ؟ان کا چلن کیسا تھا ؟ سمجھ کیسی تھی ؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس ؟ عالم تھے یا جاہل ؟ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا لیکن سینکڑوں' ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں ایک ایک شہر میں گئے اور راویوں سے ملے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں(493)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا۔

ا۔ سیرت مبارکہ کا سب سے اہم اور سب سے مستند اور سب سے صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی یتیمی' غربت' تلاش' حق' نبوت' وحی اعلان و تبلیغ و معراج مخالفین کی دشمنی' ہجرت' لڑائیاں و قائع اخلاق سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں جن میں صحیح الگ کمزور الگ اور جعلی الگ ہیں۔ صحاح ستہ کا سرمایہ

ہے جس کا ایک واقعہ تو لا اور پر کھا ہوا ہے۔ مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام ابن حنبل کی مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے۔اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں ان مجموعوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں ان میں حضور پاک ﷺ کے غزوات اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں ان میں مغازی ابن اسحاق (ف ۱۵۰ھ) مغازی زیاد بکائی المتوفی ۱۸۳ھ معازی واقدی المتوفی ۲۰۷ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت ﷺ کے سوانح پر ہے ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد تاریخ طبری، تاریخ صغیر وکبیر امام بخاری تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خشمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتب دلائل کہتے ہیں مثلاً دلائل النبوت قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ دلائل النبوت ابو اسحاق المتوفی ۲۵۵ھ دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ اور امام سیوطی کی فضائل کبریٰ ان سب سے مبسوط ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت ﷺ کے صرف اخلاق وعادات اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں مثلاً کتاب شمائل امام ترمذی۔ کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ۔ قاضی عیاض۔ شمائل النبی ابو العباس مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ شمائل النور ابن المقری غرناطی ۵۵۲ھ سفر السعادۃ مجد الدین فیروز آبادی

۷۔اس سے الگ وہ کتابیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں ان میں آنحضرت کے حالات اور مقامات النبی کا ذکر بھی پایا جاتا ہے اس سلسلے کی قدیم کتب اخبار مکہ للارزقی ف ۲۲۳ھ اخبار مدینۃ عمر بن شبہ ف ۲۶۳ ف ۲۶۲ھ اخبار مکہ فاکہی اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں(494)

ان حقائق سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیرت محمدی ﷺ کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور اس کی ترتیب میں کس قدر احتیاط اور اہتمام برتا گیا ہے جو کسی شارع یا بانی دین کی سیرت واحوال کے مجموعہ کی ترتیب میں نظر نہیں آتی یہ تاریخیت صرف حضرت محمد ﷺ کا امتیاز ہے اسی وجہ سے ریوانڈ باسور تھ اسمتھ فیلو اف ٹرینٹی کالج آف آکسفورڈ کہنے پر مجبور ہیں

ہم محمد ﷺ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں(495)

سیرت محمدی ﷺ کی کاملیت

حضور ﷺ کی سیرت کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ تمام گوشے کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نظروں میں ہیں کوئی حصہ زندگی پوشیدہ اور گم نہیں جبکہ باقی شارحین ادیان اور بانیاں مذہب کے سوانح اور سیرتیں اندھیروں میں گم ہیں بدھ کی زندگی کے

اہم اہم اجزاء تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملتے اس کی حیات قصے اور کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے زرتشت کی زندگی قیاسیات پر مبنی ہے یہاں تک کہ زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں(496)

انبیاء سابقین میں حضرت موسیٰ بہت معروف ہستی ہیں۔ تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے چند اجزاء ملتے ہیں۔ لیکن یہ کتابیں حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں اور اس کے سوانح نگار کا بھی پتہ نہیں اور تورات استثنا کی اختتامی عبارت کا یہ فقرہ "آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا" ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی زندگی کے حالات اتنے عرصہ دراز کے بعد تحریر کئے گئے کہ لوگ ان کی قبر کو بھی بھول گئے تھے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے نبی آخری حضرت عیسیٰ کی سوانح سب سے کم معلوم ہے۔ پروفیسر رینان نے آپؑ کی زندگی کے حالات معلوم کرنے کیلئے کیا کیا نہ کیا مگر حضرت عیسیٰ کے واقعات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے (497)

آپؑ کی حیات کے آخری تین سالوں کے واقعات کچھ ظاہر ہیں ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے لڑکپن میں کچھ معجزات دکھائے اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں یہودی ان کو پکڑا دیتے ہیں رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے تیسرے دن ان کی قبر ان کی میت سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزرا اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے چند معجزے اور واعظ اور آخری سولی(498)

یاد رہے ویسے اناجیل کی روایات مستند اور معتبر نہیں ان کے تدوین کے زمانہ سے اختلاف ہے۔ مصنفوں کے اصل ناموں اور ان کے زمانے کا اختلاف ہے ان کی حضرت عیسیٰ سے ملاقات کا اختلاف ہی غرض یہ اناجیل حضرت عیسیٰ کی تحریر کردہ نہیں اور ان کے راویوں کی حیات واضح اور روشن نہیں ہے۔

ان سب کے برعکس پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے تمام اجزاء ہمارے سامنے ہیں آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانے کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش' شیر خوارگی' بچپن' ہوش و تمیز' جوانی' تجارت' آمدورفت' شادی' احباب' قبل نبوت' قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت' امین بننا' خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا' رفتہ رفتہ تنہا پسندی' غار حرا کی گوشہ نشینی' وحی' اسلام کا ظہور' دعوت تبلیغ' مخالفت' سفر طائف' معراج' ہجرت' غزوات' حدیبیہ کی صلح' دعوت اسلام کے نام و پیام' اسلام کی اشاعت' تکمیل دین' حجتہ الوداع' وفات ان میں سے کون سا زمانہ ہے جو انسانوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور آپ ﷺ کی کون

سی حالت ہے جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' شادی بیاہ' بال بچے' دولت احباب' نماز روزہ' دن رات کی عبادت' صلح و جنگ' سفر و حضر' نہانا دھونا' کھانا پینا' ہنسنا رونا' پہننا اوڑھنا' چلنا پھرنا' ہنسی مذاق' بول چال' خلوت و جلوت' ملنا جلنا' طور طریق' رنگ و بو' خدو خال' قدو قامت' یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور نجی معاملات بھی پوری روشنی میں مذکور معلوم اور محفوظ ہیں(499)

صرف شمائل ترمذی ہی اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں ۵۲ ابواب میں آپ ﷺ کی ذاتی زندگی مفصل حالات شکل و صورت لباس' رہن سن' کھانے پینے' چال ڈھال' عبادت و معمولات کا ذکر ہے۔

یہ تو آنحضرت ﷺ کے ذاتی احوال تھے آپ ﷺ کے اخلاق طاہرہ' اوصاف عالیہ اور آداب فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمور ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفاء اس پہلو سے بہترین کتاب ہے ایک یورپین متشرق نے فرانس میں سید سلیمان ندوی سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفاء کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔ ویسے حافظ ابن قیم کی "زاد المعاد" آپ ﷺ کے حالات زندگی اور ذاتی حالات پر ایک عمدہ کتاب اس میں آپ ﷺ عبادات اور معمولات تفصیل سے مل جاتا ہے اس طرح ان قسم کی کتابوں میں حضور ﷺ کی زندگی کے تمام پہلو محفوظ اور مذکور ہیں(500)

آنحضرت ﷺ پر جو لوگ ابتدا میں ایمان لائے وہ دریا کنارے کے ماہی گیر نہ تھے وہ مصر کے محکوم اور غلام قوم نہ تھے بلکہ ایسی آزاد قوم کے افراد تھے جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے اور جس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی وہ لوگ تھے جن کے تجارتی کاروبار ایران شام مصر اور ایشیا کے کوچک تک پھیلے تھے ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سنجی' نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت' مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرماں روائیاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا ایک لحہ کے لئے کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پرزور قومی بازو اور دانایان روزگار سے آنحضرت ﷺ کا کوئی حال چھپا رہ سکتا ہے اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے اور جو آپ ﷺ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ کی کاکاملیت ناقابل تردید ہے(501)

دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنی سے ادنی کمزوری کا بھی برملا اعلان کر دے خصوصاً وہ جو ایک جماعت کی رہبری ورہنمائی اور وہ بھی روحانی واخلاقی کر رہا ہو لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے تاہم ان میں سے ہر ایک آپ ﷺ نے پڑھ کر سنائی لوگوں نے یاد کی ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی اور اب تک جہاں محمد ﷺ کا نام ہے وہ آئیں ان کے ماننے والوں کی زبانوں پر ہیں حالانکہ اگر ان معمولی فروگذاشتوں کا قرآن پاک میں ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا مگر ایک پاک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی اور وہ کی گئی۔

آنحضرت ﷺ کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلائے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا اس واقعہ کے ذکر قرآن مجید میں تبصر تح مذکور ہے حصرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضور ﷺ خداتعالیٰ کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس ایک کو ضرور چھپادیتے جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے(502)

تاکہ جاہلوں کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے مگر آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔

باسور تھ اسمتھ کی یہ شہادت پیش کرنے کے قابل ہے

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے شخصیت کی تاریک گہرائیاں در حقیقت ہیں اور ہماری پہنچ سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی لیکن ہم محمد ﷺ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں (503)

گبن کہتا ہے

"کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا جیسا کہ محمد ﷺ نے جب کہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوری سے بحثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے وہ لوگ اس سے سب سے زیادہ واقف تھے ان کی بیوی ان کا غلام ان کا چچازاد بھائی انکا سب سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ محمد ﷺ نے خود کہا کہ اس کے پیروؤں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری اور نہ گھبرایا یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے پیغمبروں کی عام قسمت محمد ﷺ کے حق میں بالکل الٹ گئی وہ غیر معزز نہ تھے مگر ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے(504)

پیغمبر اسلام کی زندگی ہمارے نمونہ اور قابل تقلید ہے اور ان کی پیروی واتباع خدا کی محبت کا ذریعہ ہے آپ ﷺ کی اتباع یعنی آپ ﷺ کی زندگی کا نقل وعکس کو خداتعالیٰ کی محبت کا معیار بتایا۔ ایک لمحہ کے لئے نشہ دینی سے سرمست ہو کر اپنی جان دینا آسان ہی مگر پوری عمر ہر چیز میں ہر حالت میں ہر کیفیت میں آپ ﷺ کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمد ﷺ سے قدم ادھر ادھر نہ ہو سب سے مشکل امتحان ہے اس ابتداء کے امتحان میں تمام صحابہؓ پورے اترے اور اسی جذبے نے صحابہؓ تابعین تبع تابعین۔ محدثین۔ مورخین اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ایک ایک بات ایک ایک چیز ایک ایک جنبش کو معلوم کریں اور پچھلوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان پھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے اس نکتہ سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کی جاننے والے کی نگاہ میں پوری کامل تھی تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ ﷺ کی زندگی مسلمانوں کیلئے کامل نمونہ ہے اسی کے اس نمونہ کے تمام پہلو ہمارے سامنے ہونے چاہئے اور وہ سب کے سامنے ہیں اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے حصہ کوئی جزو کوئی کڑی غائب نہیں اور سب کچھ تاریخ کے اوراق پر موجود ہے آج افریقہ، ہندوستان تک کوئی شخص عیسائی بنتا ہے تو انجیل پر ایمان لاتا ہے مگر

زندگی گزارنے کے اصول مغربی تہذیب کے بنائے ہوئے تمدن پر سکھائے جاتے ہیں لیکن پسماندہ قوم کا کوئی فرد بھی اسلام قبول کرتا ہے تو حضور ﷺ کی زندگی سے اسے تمام اصول مل جاتے ہیں اور اسوہ حسنہ کی زندہ جاوید تصویر اس کی رہنمائی کیلئے ہر وقت تیار ہوتی ہے۔

جامعیت

کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کیلئے ایک ضروری شرط جامعیت ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کیلئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کیلئے جن مثالوں او رنمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس مثالی زندگی میں موجود ہوں۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء ﷺ کے سوا کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ مذہب کیا چیز ہے خدا اور بندوں اور خود بندوں کے باہم تعلقات کے بارے میں جو فرائض و واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے اس لئے ہر مذہب کے پیروؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق و فرائض وغیرہ کی تفصیلات تلاش کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کریں۔

اس لحاظ سے ایک طرف تو وہ مذاہب ہیں جن میں خدا کا وجود تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ بودھ اور جین مذہب جن میں خدا اس کی ذات صفات اور دیگر حقوق الہی کا پتہ ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے ان مذاہب کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں۔ پوری تورات پڑھ جاؤ خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کی شرائط کے علاوہ تورات کی پانچوں کتابیں حقوق اللہ کی تفصیل سے خالی ہیں۔ انجیل میں بھی اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ میں کیا تعلقات و روابط تھے اور بیٹا باپ کی کتنی اطاعت کرتا تھا اور اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا ۔ گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی رات بھی ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو اب حقوق العباد کو پہنچے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبین ﷺ کے سوا تمام دیگر انبیاء اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں بودھ نے اپنے تمام اپنے اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ جنگل کا راستہ لیا اس طرح بودھ کی زندگی دنیاوی معاملات سے دور نظر آتی ہے حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک پہلو جنگ اور سپہ سالاری واضح ہے لیکن یہاں دنیاوی حقوق واجبات فرائض اور ذمہ داریوں کی پہلو نظر نہیں آتا۔ میاں بیوی 'باپ بیٹے' بھائی بہن اور دوست احباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا معیشت' معاشرت' تہذیب و تمدن کے بارے میں ان کے اصول کیا تھے اس بارے میں یقیناً انہوں نے رہنمائی کی ہوگی مگر موجودہ کتابیں خاموش ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے واقعات بھائی بہن' عزیزوں اور آشناداروں کے ساتھ ان کا تعلق طرز عمل سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومی کی زندگی بسر کی اس لئے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے انہوں نے گھر بار اہل و عیال مال و دولت صلح و جنگ دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی

واسطہ ہی نہیں رکھاوہ اس دنیا کیلئے جوانہی تعلقات سے معمور ہے کیونکر مثال ہو سکتا ہے(505)
باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں کے ذریعے ہی سے یہ دنیا چل رہی ہے اس میں حکام بھی ہیں اور محکوم بھی قاضی بھی ہیں اور فوجی بھی۔ غریب کیساتھ دولت مند بھی ہیں' راتوں کے عابد وزاھد بھی ہیں' دن کے تاجر ومزدور بھی ہیں' اہل وعیال بھی ہیں اور دوست احباب بھی ہیں غرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر منحصر ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے عملی مجسمے کے نمونہ کی ضرورت ہے اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک لئے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہی یعنی انسانوں کے ہر طبقات اور صنف کیلئے اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کیلئے درس اور سبق موجود ہے۔
غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت ہے اگر .دولت مند ہوں تو تاجر کی حیثیت ہے آپ ﷺ کو دیکھ لو اگر غریب ہو تو نان جو کی سیرت پڑھو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان کا حال سنو رعایا ہو تو مکہ ومدینہ کے محکوم پر نظر ڈالو۔ فاتح ہو تو بدر و فتح مکہ کے واقعات پیش نظر رکھو۔ شکست کھائی ہے تو معرکہ احد کو سامنے رکھو۔ استاد اور معلم کو صفہ کی درس کا مطالعہ کرو۔ اگر واعظ اور ناصح ہو منبر رسول کی باتیں سنو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ وآمنہ کے جگر گوشہ کو مت بھولو۔ اگر قاضی اور ثالث ہو تو حجرہ اسود کے واقعہ کو پڑھ لو۔ اگر شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے شوہر حیات پاک کا نظارہ کرو۔ اگر باپ ہو تو فاطمہ کے باپ حسن وحسین کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض زندگی کے نمونہ کی بہترین مثال نور محمد ﷺ کے چشمے سے مل سکتی ہے۔ پس طبقہ انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کیلئے صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت وہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جس کی نگاہ سامنے محمد رسول ﷺ کی سیرت ہے اس کے سامنے نوحؑ وابراہیمؑ 'ایوبؑ ویونسؑ' موسیٰؑ وعیسیٰؑ علیھم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام انبیاء کرام کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام انبیاء کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی دو اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اخلاق واعمال کی دنیا سب سے بڑی مارکیٹ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شئے کے طلبگار کے لئے بہترین سامان موجود ہے(506)
حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰؑ زہد واخلاق لے کر مگر محمد رسول اللہ ﷺ قانون بھی لائے' دعا ومناجات بھی اور زہد واخلاق بھی ان سب کا مجموعہ الفاظ ومعانی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمد ی ہے۔

درسگاہ نبی اخرالزماں سے مختلف قسم کے ماہرین تیار ہو کر نکلتے تھے۔ ایک طرف عقلائے روزگار' اسرار فطرت کے محمد دنیا کے جہاں بان اور ملکوں کے فرماں روا یہاں سے تعلیم پاتے ہیں دوسری طرف ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی زمانے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اور وہ دنیا کے فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر کہلائے تیسری طرف وہ

بیسیوں صحابہ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔ چوتھی طرف علماء اور فقہا کی صف ہے۔ جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔ پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔ چھٹی جماعت اہل صفہ کی ہے جن کے پاس سر چھپانے کے لئے مسجد نبوی ﷺ کے چبوترے کے سوا کوئی جگہ نہیں جو دن میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر روزی بھی کماتی ہیں علم بھی حاصل کرتے ہیں اور رات اطاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے۔ ساتویں صف میں صوفی و درویش ابوذرؓ سلمان فارسی مصعب بن عمیر اور عثمان بن مظعون ہیں ایک طرف دیکھو تو عرب کے بہترین مدبر اور بہادر کار پرداز کی جماعت نظر آئے گی اس میں طلحہؓ ہیں زبیرؓ ہیں۔ مغیرہؓ ہیں مقداد ہیں سعد بن معاذ ہیں سعد بن عبادہ ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشت کار اور کسان بھی ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن زبیر جیسے دولت مند بھی ہیں ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے ان میں حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے فرزند ہالہ۔ حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ حضرت خبیبؓ ۔ بیر معونہ کے 69 شہداء واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور سات رفقاء کی شہادت ۷ ھ میں ابن ربی العوجا کے ۴۹ شہداء اور غزوات کے شہداء کا قافلہ نظر آئے گا۔

یہ سب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوآرائیاں ہیں (507)

سیرت محمدیؐ کی عملیت

معیاری زندگی کا ایک اہم حصہ عملیت ہے یعنی بانی دین ہادی اور رہنما جو باتیں کہہ رہا ہے اس پر وہ خود کتنا عمل کر رہا ہے کسی ہستی کے صداقت کا سب سے بڑا اور سچا پیمانہ یہی ہے۔ بڑے بڑے فلسفی میٹھی میٹھی باتیں بناتے ہیں اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں انسان کے کامل اور معیاری ہونے کی دلیل اس کے اعمال اور اخلاق ہیں۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارحین اور ہزاروں بانیاں مذاہب میں سے کون اپنی عمل سیرت کو اس ترازو پر تلوانے کیلئے آگے بڑھ سکتا ہے ؟

مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا (508)

یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانیوں کا ایک مجموعہ ہیں۔ جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے جس کے پاس خود کچھ نہ ہو وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہی جو عزیز و اقارب بیوی بچے نہ رکھتا ہو وہ الہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے مثال کیونکر بن سکتا ہے (509)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی چاہئے اس کے لئے ہمیں سیرت نبوی ﷺ علی صاحبا

السلام کا عملی پہلو بھی دیکھنا ہے یہ انبیاء کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار/مفید نصیحتوں کا اور میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں۔ کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ۔ دلچسپ تھیوریاں ملیں گے دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ موثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے کو خوش کر دیں گی مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل اور کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے(510)

اس معیار پر بھی سیرت محمدی ﷺ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی۔ قران حکیم اعلان کرتا ہے

وانك لعلى خلق عظيم (511)

(اے محمد ﷺ) بے شک آپ اخلاق کے اعلی درجے پر ہیں۔

مکہ کا معلم امی خود پکار پکار کہتا ہے

لم تقولون مالا تفعلون (512)

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا مگر خود آپ ﷺ کا کیا حال تھا؟ عام پیروؤں کو تو پانچ وقت کی نماز کا حکم تھا مگر خود آپ ﷺ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ اشراق۔ چاشت۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ تہجد اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں گویا کل شب و روز میں ستر رکعتیں ہیں مگر آنحضرت ﷺ ہر روز کم و بیش ۸ وقت نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی مگر آنحضرت ﷺ اس کو تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے۔ اور پھر کسی نماز رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں جب آپ ﷺ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی مگر خود آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو تین تین بیچ میں کھائے پیئے بغیر مسلسل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصے میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے تم میں کون میری مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے۔ سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان المبارک کے پورے روزے گزارتے تھے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵) میں اکثر روزے رکھتے۔ محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزہ میں گزارتے۔ ہفتہ میں دو تین اور جمعرات کا دن روزں میں بسر ہوتا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو زکواۃ و خیرات کا حکم دیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا اور نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولت مندوں پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو۔ ومما رزقنا هم ينفقون مگر خود آپ کو عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا راہ خدا میں

خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا۔ اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ وہی فقر و فاقہ تھا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ ﷺ رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی کی سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔

خود فرمایا کرتے تھے انما اناقاسم وخازن واللہ یعطی میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اصل دینے والا تو خدا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ میں آپ ﷺ نے فرمایا ابوذرؓ اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا چاندی ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔

یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خوشنما الفاظ ہی نہ تھے بلکہ عمل تھا ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور باہر آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال ہوا ایسا نہ کہ رات ہو جائے اور محمد ﷺ کے گھر میں پڑا رہ جائے اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ مرض الموت میں ہیں بیماری کی سخت تکلیف اور بے چینی ہے لیکن اس وقت یاد آیا کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو کیا محمد ﷺ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں (513)

آپ ﷺ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی لیکن اس راہ میں آپ ﷺ کا اپنا طرز عمل کیا تھا۔ آپ سن چکے ہیں کہ عرب کے گوشے گوشے سے جزیہ، خراج، عشر اور زکواۃ وصدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھی مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہؓ عنہا کہا کرتی تھیں کہ حضور پاک ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ ﷺ کو کھانا نصیب نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو گھر میں اس کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلے میں آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ آپ ﷺ کے پاس رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں آپ ﷺ کا کپڑا کبھی تہہ کر کہ نہیں رکھا جاتا تھا یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا اس کے سوا اور کوئی کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک مرتبہ ایک سائل خدمت اقدس میں آیا اور عرض کیا کہ سخت بھوکا ہوں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سن ۹ ہجری میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپ ﷺ کے توشہ خانے کی مالیت یہ تھی جسم مبارک پر ایک تہمد، ایک کھردری چارپائی، سرہانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی ایک طرف تھوڑے سے جو کھونٹی میں پانی کا مشکیزہ اور بس (514)

آپ ﷺ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ جب آپ ﷺ کی پیاری بیٹی

فاطمہ کے چکی میں پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں اور مشک میں پانی بھر کر لانے سے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تو ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر آپ ﷺ سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی ارشاد ہوا اے فاطمہؓ اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے۔ تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔ ایک دن صفہ کے غریبوں کو لیکر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کا ہو لاؤ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا پھر پیالہ میں دودھ آیا مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔

بہر حال حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے (515)

اور اس سلسلے کی آخری بات انجیل کہتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھتے ہیں تو یہ الفاظ کہتے ہیں

ایلی ایلی لما شبقتنی (516)

اے میرے خداوند اے میرے خداوند تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ آخری وقت میں کتنے پر سکون الفاظ میں ادا کرتے ہیں

اللهم الرفيق الاعلى

اے میرے خداوندا اے میرے بہترین ساتھی (517)

رسالت عامہ

ہر نبی اپنے اپنے وقت کے لئے تھا ہر ایک کی شریعت اسی زمانہ کے لئے تھی وہ اس زمانے میں رائج رہی پھر حالات تبدیل ہوئے تو اللہ تعالی نے وقت کے رسول کے ساتھ اس کے مطابق شریعت و قانون نازل کر دیئے۔ پرانی شریعت اور قانون مٹتے رہے اور ختم ہوتے رہے۔ ان میں یہ مصلحت تھی کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی اس لئے اللہ تعالی نے وقت کی ضرورت کے تحت نیا قانون دیدیا اور پرانا مٹادیایا ختم کردیا۔ اللہ تعالی نے کسی سابقہ رسولوں کے قانون اور شریعت کے مطابق یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ وہ مکمل ہیں اور ان کی حفاظت کا ذمہ بھی نہیں لیا تھا یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل تھیں کہ وہ قوانین عارضی اور وقتی تھے انجیل میں فارقليط کی آمد اور اس کے ذریعے تمام چیزیں سکھانے کا اشارہ بھی یہی ہے (518)

حضرت عیسیٰؑ نے اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھا (519)

غرض رسول اکرم ﷺ سے قبل جو انبیاء و رسول تشریف لائے وہ خاص اقوام خاص علاقوں اور مختلف ادوار کے لئے تھے مگر آپ ﷺ کی رسالت بین الاقوامی ہے اور قیامت تک کے آنے والے تمام انسانوں کیلئے ہے

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا (520)

کہو اے انسانوں میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين (521)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تما جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھجا

وما ارسلنك الا كافة للناس (522)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لئے بھیجا ہے۔

اسلام کا پیغام تمام دنیا کیلئے ہے

ان هوالا ذكرى للعلمين (523)

یہ نصیحت تمام دنیا کے لئے ہے

"برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تا کہ تمام دنیا کو ہشیار کرنیوالا ہو وہ (خدا) کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی ۔"(524)

"اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ اس سے تم کو ہشیار کروں اور جس تک یہ پہنچے اس کو ہشیار (کروں) ۔"(525)

غرض رسالت محمدی ﷺ عالمگیر دائمی ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات بھی تمام دنیا کے لئے ہے ان میں دائمی اور عالمگیریت موجود ہے۔

تکمیل دین

اللہ تعالی نے دین اسلام کا آغاز حضرت آدمؑ سے کیا اور حضرت محمد ﷺ نے اسے مکمل کر دیا۔ پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ سے اس کی تکمیل کا اعلان کرایا۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي (526)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

اب ذرا اسلام کی چند تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں جن سے اسلام کے کامل دائمی اور خدا تعالی کی اس نعمت کا پتہ چلتا ہے انسان کی باطنی اصلاح کیلئے کچھ نظریات کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اسلام نے عقائد کی تعلیمات دی ہے۔ اناجیل میں عقائد کی تعلیمات مبہم پیچیدہ غیر فطری اور نامکمل ہیں۔ وہاں خدا کے وجود کا بیان تو ہے مگر نا قابل فہم بغیر دلیل اور ثبوت کے اس کا ذکر ہے۔ خدا کی صفات جن کے ذریعے انسان کو معراج عطا ہوتی ہے۔ اور انسان کو خدا سے محبت اور پہچان نصیب ہوتی ہے ان کا ذکر نہیں۔

اسی طرح رسالت کا قیام۔ انبیاء کے فرائض۔ انبیاء کی معصومیت کے متعلق بھی سابقہ شریعتیں واضح رہنمائی نہیں کرتی۔ اسی طرح جزا و سزا' دوزخ و جنت' حشر و محشر' قیامت وحیات کے بعد الموت کے متعلق سابقہ کتب میں اندھیرا ہی اندھیر ہے۔ انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام ملتے ہے۔ روح القدس کی حیثیت کو بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے لیکن پیغام محمدی ﷺ میں

یہ تمام عقائد روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور یہ انسانی فطرت کے قریب نظر آتے ہیں اس میں انکی حیثیت اور مقام کا پتہ چلتا ہے خدا تعالی سے انبیاء اور کائنات سے ان کا تعلق صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ عبادات کا تصور اناجیل میں دھندلا سا ملتا ہے۔ انجیل میں حضرت یحیٰ کے روزہ کا ذکر ملتا ہے(527)

تیرے شاگرد روزے کیوں نہیں رکھتے(528)

سولی والی رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی(529)

مگر دوسری عبادت کا ذکر نہیں ملتا لیکن اسلام میں نماز روزہ حج کے تفصیلی احکام موجود ہیں یہ سب انسان کی دنیاوی اصلاح کے ساتھ روحانی تسکین کا سبب بھی ہے۔

معاملات زندگی' تہذیب و تمدن' معاشرت و معیشت' سیاست و حکومت سے اناجیل کے اوراق خالی خالی نظر آتے ہیں طلاق اور قیصر کے نام بکھرے بکھرے سے ضرور موجود ہیں لیکن زندگی گزارنے کا پورا نظام یہاں نہیں ملتا اسی لئے بت پرستی یونانی اور رومی قوموں سے انہوں نے اس قسم کے قوانین اخذ کئے اس کے مقابلے میں اسلام کا تہذیب و تمدن' سیاست و معیشت' معاشرت و معاملات کا مکمل نظام موجود ہے۔ مسلمانوں کی مختلف ممالک میں ایک ہزار سال تک حکومت قائم رہی اور زندگی کے ان شعبوں میں مکمل ہم آہنگی رہی اور آج بھی فقہ کی پرانی کتابوں میں ان کے بارے میں مکمل تفصیل موجود ہی۔ اسی طرح اسلام کا نظام اخلاق واضح شکل میں موجود ہے۔

یہ پیغام محمدی ﷺ مکمل ضابطہ حیات ہے جن سے آج دنیا کے دوسرے مذاہب محروم ہیں۔

ختم نبوت

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد ہر قسم کی نبوت کے دروازے بند ہیں اب دین مکمل ہو گیا ہی اور کسی نبی کی ضرورت نہیں قرآن حکیم میں صاف صاف کہا گیا ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجا لکم ولکن رسول اللّٰه وخاتم النبین(530)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبین ہیں۔

تمام معتبر عربی لغات میں ختم کے معانی مہر لگانے بند کرنے آخر تک پہنچانے اور کسی کام کے پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں ختم العمل کے معنی ہیں کام سے فارغ ہو گیا اور ختم الکتاب کے معنی ہیں خط بند کر کے اس پر مہر لگادی تا کہ خط محفوظ ہو جائے۔ ختم الشیء بلغ اخرہ کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے اس کے آخر تک پہنچ جانا(531)

اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں اور اسی معنی میں سورتوں کی آخری آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے(532)

خاتم النبین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی آمد سے نبوت کو مکمل کر دیا اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا(533)

اسی بناء پر تمام اہل لغت اور اہل بصیرت بالاتفاق خاتم النبین کے معنی آخر النبین کے لئے ہیں عربی لغت و محاورے کی رو سے

خاتم کے معنی ڈاک خانے کی مہر کے نہیں جسے لگا کر خطوط جاری کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر جائے(534)

مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے اسی قوم کی زبان اور تعبیرات سے کام لیا ہے جن کی زبان میں وہ اترا ہے اور جو اس کے اولین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھانے اور بتانے پر مامور تھے یہ زبان ان کے درمیان رابطے بول چال اور ادائے مطلب کی زبان تھی لیکن اس زبان کی محیر العقول وسعت وصلاحیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال وانتہا بتانے والا کوئی لفظ خاتم بہتر موجود نہیں اور اس مطلب کیلئے یہی لفظ گفتگوؤں اور شعر وادب میں ان کی نوک زبان رہتا ہے اسی لئے ان کی زبان میں خاتم، ختام اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں جو قرآن مراد لیتا ہے یعنی یہ کہ رسول ﷺ آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے((535)

احادیث اور ختم نبوت

ختم نبوت اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں چند احادیث بھی قابل غور ہیں۔

"حضور اکرم نبی ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا بلکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا بلکہ خلفاء ہوں گے۔"(536)

۲۔ حضور اکرم نبی ﷺ نے فرمایا پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبین ہوں(537)

اس کے مضمون کے متعلق چار احادیث مسلم کتاب الفضائل باب خاتم النبین میں موجود ہیں اور آخری حدیث کے یہ الفاظ قابل ذکر ہیں

۳۔فجئت فختمت الانبیاء(538)

پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔

سند ابو داؤد میں یہ حدیث جابر بن عبداللہ کی رؤایت کردہ احادیث سلسلے میں آئی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں

ختم بی الانبیاء ۔ میرے ذریعے سے انبیاء کا سلسلہ ختم کیا گیا)(539)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی

۴۔ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی(540)

۵۔وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الا مم(541)

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو

۶۔ اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔(542)

۷۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کوئی نبوت نہیں صرف بشارت دینے والی باتیں ہیں عرض کیا گیا وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں یا رسول اللہ ﷺ ؟ فرمایا اچھا خواب یا فرمایا صالح خواب (یعنی وحی کا اب کوئی امکان نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اگر کسی کو اللہ تعالی کی طرف سے کوئی اشارہ ملے گا بھی تو بس اچھے خواب کے ذریعہ مل جائے گا(543)

۸۔لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (544)

حضور اکرم نبی ﷺ نے فرمایا میرے بعد اگر کوئی نبی ہو تا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

"اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعوی کرے گا حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"(545)

صحابہؓ کا اجماع

قرآن وسنت کے بعد تیسرا مقام صحابہؓ کا اجماع ہے تاریخ اسلام گواہ ہے کہ صحابہؓ کرام نے بالاتفاق ایسے شخص سے جنگ کی ہے جس نے نبوت کا دعوی کیا نیز جب مسلیمہ اور اس کے پیروؤں پر چڑھائی کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا اور انہی میں سے لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی جس کے بطن سے تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت محمد بن حنیفہ نے جنم لیا(546)

اجماع امت

اجماع صحابہؓ کے بعد ہر زمانہ کے علماء کا اس پر اجماع رہا ہے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جو شخص حضور اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ کافر اور خارج از ملت اسلام ہے مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں امام ابو حنیفہ ‘علامہ ابن جریر ‘امام طحاوی ‘علامہ ابن حزم اندلسی ‘امام غزالی ‘امام بغوی ‘علامہ زمخشری ‘ قاضی عیاض ‘علامہ شہرستانی ‘امام رازی ‘علامہ بیضادی ‘علامہ ابن کثیر ‘علامہ جلال الدین سیوطی ‘ ملا علی قاری فتادی عالمگیری ‘علامہ شوکانی ‘علامہ آلوسی کے حوالے درج کئے ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والے ملت اسلامیہ سے خارج ہیں((547)

اب نبی کی ضرورت نہیں

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ درج ذیل چار ضرورتیں ایسی ہیں جن میں انبیاء معبوث ہوئے

ا۔ یہ کہ کسی خاص قوم میں نبی بھیجنے کی ضرورت اس لئے ہو کہ اس میں پہلے کبھی کوئی نبی نہ آیا ہو اور کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

۲۔ یہ کہ نبی بھیجنے کی ضرورت اس لئے ہو کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلادی گئی ہویااس میں تحریف ہو گئی ہو اور اس کے نقش قدم کی پیروی کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

۳۔ یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کے ذریعے مکمل تعلیم وہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کیلئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔

۴۔ یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد کے لئے ایک اور نبی کی حاجت ہو

حضور اکرم ﷺ تمام دنیا کے لئے نبی بن کر معبوث ہوئی اور آپ ﷺ کی دعوت سب قوموں تک پہنچ سکتی ہے۔

آپ ﷺ کی تمام تعلیمات قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ ہیں قرآن مجید صاف صاف کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے ذریعہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

اب رہ جاتی ہے چوتھی ضرورت توا گر اس کے لئے کوئی نبی درکار ہوتا تو وہ حضور ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ساقط ہو گئی۔ لہذا اب ثابت ہو گیا کہ نئے نبی کی کوئی ضرورت نہیں بس اب اصلاح کے لئے مصلحین اور مجددین تو آسکتے ہیں کوئی نبی نہیں آسکتا کیونکہ نبی وحی کی ضرورت کیلئے یا کوئی نیا پیغام دینے کیلئے یا پچھلے پیغام کی تکمیل کیلئے یا تحریف کو پاک کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے(548)

اس سلسلے میں یہ بات یادر ہے کہ ختم نبوت انسانیت کیلئے باعث عزت ورحمت ہے۔ نبی اور عام قائد یا مصلح کے ظہور میں فرق ہے۔ ایک عام رہنما کا انکاریا مخالفت یا خاموشی سنگین نتائج اور عذاب الٰہی کا موجب نہیں ہوتی لیکن نبی کا انکار باعث ہلاکت اور موجب تباہی وبربادی بن جاتا ہے بلکہ نبی کی اہانت اور مذاق بھی عذاب کا باعث ہوتا ہے(549)

اسطرح اللہ تعالی نے انسانیت کو ایک بڑی آزمائش سے بچالیا کہ جدید دور کی وسیع دنیا کسی خطے میں پیدا ہونے والے نبی کی تحقیق میں لگ جاتی کہ وہ صحیح یا غلط ہے اور اس طرح ہم بہت سے ضروری کاموں میں رہ جاتے اور نبی بھی اپنے منکرین سے لڑتا یوں عالمی جنگوں کا بھی خطرہ ہو جاتا اس لئے ختم نبوت انسانیت کیلئے باعث برکت اور رحمت ہے۔

تقابلی جائزہ

مسیحی تصور رسالت پہلے باب کے صفحات میں بیان ہو چکا ہے یہاں ہم اسلام اور مسیحیت کے تصور رسالت پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام انسان ہی تھے گو وہ اعلی اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے لیکن وہ خدا یا خدا کے بیٹے یا خدا کے اوتار نہ تھے "دراصل انبیاء میں الوہیت کا ادنی سا شائبہ بھی تسلیم کر لینے کے بعد توحید اور نبوت کی حیثیتیں ہی مشتبہ نہیں ہو جاتی ہیں اور خدائی یکتائی کا تصور ہی مجروح نہیں ہو جاتا بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان کی زندگیاں ہمارے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں رہتی مثلاً حضرت عیسیٰ کی سیرت کتنی پاکیزہ نظر آتی ہے ان کی معصومیت اور بے نفسی ان کے عفو اور درگزر صبر و توکل اور حلم اور بردباری کا ہمارے اوپر کتنا اچھا اثر پڑ سکتا ہے لیکن الوہیت کا رنگ دینے کے بعد اان کا حسن ضائع ہو جاتا

ہے۔

اگر اناجیل ہی کے بیان کو معیار قرار دیا جائے تو الوہیت کے معیار پر حضرت عیسیٰ کی زندگی عجیب حسرت ناک منظر پیش کرتی ہے خدا اور بندوں کے آگے بے بس ہو۔اس پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی توہین ہو اور وہ عاجزی اور لاچاری کا مرقع بنا رہے حد یہ ہے کہ خدا ماننے کے بعد ان کے حیرت انگیز معجزے بھی بے حقیقت معلوم ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان خوارق کی قدر و قیمت صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ کوئی ان کو بہ تائید عیسیٰ ایک برگزیدہ انسان ہی کی برکات و کرامات سمجھا جائے۔ورنہ قدرت خداوندی کی ان سے کہیں زیادہ عجیب وغریب باتیں تو دن رات نظر آتی رہتی ہیں(550)

انسانوں کی بستی میں انسان ہی قابل نمونہ اور قابل تقلید ہو سکتے ہیں۔اسی لئے انسانوں کے اللہ تعالی نے انسانوں میں انبیاء ورسل بھیجے اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی ہمارا رسول ہوتی تو ہم کہہ دیتے کہ اس کی پیروی ہم کیسے کریں۔ خواجہ کمال الدین لکھتے ہیں کہ کسی نبی کو خدا یا خدا کے اوتار کا مقام دینے کے بعد اس کی زندگی ہمارے لئے نمونہ اور مثال کے کام کی نہیں رہتی کیونکہ ہم بہر حال اسی کی اقتداء کر سکتے ہیں جو قوت واختیار کے معاملہ میں ہمارے ہی جیسا ہو یا دوسرے لفظوں میں ہم اسی کے نقش قدم کو اپنا سکتے ہیں جس کے قدم ہم سے مختلف نہ ہوں۔ مختلف مخلوق ہم کو مرعوب تو کر سکتی ہے مگر رہنمائی اور رہبری نہیں کر سکتی اور نہ ہماری آئیڈیل بن سکتی ہے مثلاً شیر ہاتھی ہم کو مہما سکتے ہیں خوف زدہ کر سکتے ہیں اور کبھی کبھی پسندیدگی اور رشک کے جذبات بھی پیدا کر سکتے ہیں لیکن ہم ان کو بنا ہیرو بنانے سے معذور ہیں کیونکہ ہم لاکھ چاہیں شیر ہاتھی بننا ہمارے امکان میں نہیں ہے(551)

حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ اقرار عبدیت کیا قران حکیم تمام تعلیمات اس بارے میں گواہ ہیں۔انبیاء اور بشریت کے بارے میں اسی باب میں تفصیل گزر چکی ہے آپ ﷺ سے یہودیوں نے ایک بار دریافت کیا "کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی عبادت کریں جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں" ارشاد ہوا "معاذ اللہ میں اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں " (552)

اور یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی وماکان بشراً ان یوتیہ الکتب ۔جس بشر کو خدا کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اس سے نہیں ہو سکتا کہ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کے سوا میرے بندے بن جاؤ بلکہ اس کی ہدایت دعوت یہی ہوتی ہے کہ ہو جاؤ اللہ والے کیونکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ فرشتوں کو یا نبیوں کو رب بنالو بھلا وہ کفر کیلئے کہہ سکتا ہے اس کے بعد کہ تم اللہ کے فرمانبردار بندے بن چکے ہو(553)

کفارے کا عقیدہ مسیحیت میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے مسیحی حضرت عیسیٰ نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔اس کا تفصیلی جائزہ کفارہ کے باب میں لیا گیا۔یہاں دو مسیحی مفکرین کے اقوال کی نقل کرنا ضروری ہے۔

ا۔سر آرتھر کینس ڈائل (Sir Arthur Canon Doyle)

نے لکھا ہے کہ کسی فرقہ نے بھی اس سے زیادہ بھونڈی اختراع نہیں کی کہ انسان موروثی گناہ کا داغ لے کر پیدا ہوا تھا جس

کے لئے وہ بذات خود ذمہ دار نہ تھا اور جس کے لئے کفارہ کی ضرورت تھی اور رب العالمین کو مجبوراً اپنے بے گناہ فرزند کی جان قربان کرنا پڑی تاکہ اس پراسرار لعنت کے اثر کو زائل کیا جا سکے (554)

۲۔ ربکا وست Rebecca West کا قول ہے کہ میرے نزدیک کفارہ کا اعقیدہ مہمل ہے (555)

کفارے برعکس سید سلمان ندوی فرماتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اہم اصول اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نفس ہے وہ خود انسان ہی ہے جو اپنی اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان یعنی بے گناہ یا گنہگار بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے ۔۔۔۔۔ عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تسلیم کیا ہے کہ ہر انسان نے اپنے باپ آدمؑ کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو اس لئے انسانوں کی بخشش کیلئے ایک ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گناہ گار نہ ہو تاکہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کیلئے کفارہ ہو جائے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے آکر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم تو بشارت ہو تو نہ اپنی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور ونا چار ہو اور نہ اپنے باپ آدمؑ کے گناہ کے باعث فطری گناہ گار ہو بلکہ تم فطرتاً پاک وصاف اور بے عیب ہو اب تم خود اپنے عمل سے خواہ وہ اپنی صفائی اور پاکی کو برقرار رکھو یا نجس وناپاک بن جاؤ (556)

ونفس وما سوها فالهمها فجورها وتقوها قد افلح من زكها وقد خاب من دسها (557)

انسان پاک صاف فطرت لیکر آیا ہے۔

"ہم نے انسان کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا ہم پلٹتے رہے اس کو۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا۔ ہم نے اس کو سوجھا دی راہ۔ اب وہ یا حق مانتا ہے اور یا نا شکرا۔ (558)

"اے انسان تو کیوں دھوکے میں پڑا ہے اپنے بخشش والے رب کے متعلق جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک کیا پھر تجھے برابر کیا جس صورت میں چاہا جوڑ دیا۔" (559)

اسلام میں دین اور فطرت مترادف ہیں دین فطرت کا نام ہے گناہ گاری ایک مرض ہے جو ایک بیرونی عناصر ہے۔

"اللہ کی فطرت وہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو بنایا خدا کے بنائے ہوئے میں بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے (560)"

امام بخاری نے سورۃ روم کی تفسیر میں حضور ﷺ کا یہ قول درج کیا ہے

مامن مولود يولد الا على الفطرة ((561)

کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

قرآن مجید نے انسان کی انفرادیت اور یکتائی پر بہت زور دیا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی ایک وحدت ہے اس کی تقدیر کا ایک خاص نظریہ قائم کرتا ہی لہذا بہ حیثیت ایک یکتا انفرادیت 'انسان کے بارے میں اس کا

یہی نظریہ ہے جس کی بناء پر نہ تو کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہی(562)
نہ یہ ممکن ہے کہ اسے اپنی کوشش سے سوا کچھ ملے(563)
چنانچہ تین باتیں ہیں جو از روئے قرآن واضح طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔
ا۔ اول یہ کہ انسان اللہ تعالی کا برگزیدہ ہے
ثم اجتبه ربه فتاب فليه وهدى(564)
۲۔ ثانیہ یہ کہ باوجود اپنی خامیوں کے وہ خلیفہ الارض ہے
"جس وقت تیرے رب نے کہا فرشتوں سے کہ میں ضرور زمین پر ایک نائب بناؤں گا فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے۔"(565)
"اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین پر صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو کہ تم کو دی ہیں۔"(566)
(ج) ثالثا یہ کہ وہ ایک آزاد شخصیت کا امین ہے جیسے اس نے خود اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر قبول کیا۔
"ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔"(567)
کفارہ اور شفاعت کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے
"یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں مگر وہ جس نے شہادت دی حق کی"(568)۔
"کیا ان کافروں نے غیر اللہ کو شفیع بنایا ہے کہدے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی (شفیع بننے کے قابل ہیں)۔"(569)
مسیحی یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ پادریوں کے سامنے اعتراف گناہ سے مغفرت ہو جاتی ہے(570)
تو اللہ تعالی فرماتے ہیں
ومن يغفر الذنوب الا الله(571)
اور خدا کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے۔
ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے کہ روز قیامت خدا کا بیٹا یعنی مسیح خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ کر عدل وانصاف کرے گا(572)
بتایا گیا ہی کہ واقعہ یوں گا کہ خدا حضرت عیسیٰ سے دریافت فرمائیں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی اور وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار میں نے تو ان کو وہی ہدایت دی تھی جس کا تو نے حکم دیا تھا اب
"اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو غالب اور حکمت والا ہے۔(573)

من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ (574)
وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے لیکن اس کی اجازت سے۔
"اور وہ شفاعت نہیں کریں گے علاوہ اس کے جس کے لئے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اس کے خوف سے ترساں ہوں گے۔"(575)

غرض شفاعت کا اصل منبع ذات باری تعالی ہے اللہ تعالی اپنی مرضی سے کسی کو کسی حد تک اختیار دے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ تمام انبیاء عبدیت کے مقام پر فائز تھے الہ اور معبود صرف ایک خدا کی ذات ہے انبیاء نے اپنے آپ کو بشر ہی کہا ان ہستیوں کا عبدیت کا انکار گمراہ انسانوں نے کیا۔

حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی اسی قسم کی باتیں عیسائی کرتے ہیں بلکہ وفد نجران نے حضرت عیسیٰ کے الہ ہونے کی دلیل دی تو اللہ تعالی نے یہ آیات نازل کیں(576)

"عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے خدا نے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا کہ بن جا وہ بن گیا یہی بات تیرے پروردگار کی جانب سے یہی ہے اب تم شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے اس علم کے بعد جھگڑا کرے اسے کہدو کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں تم اپنی اولاد کو بلالو اسی طرح ہماری عورتیں تمہاری عورتیں ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہو پھر خدا کی طرف متوجہ ہو اور خدا کی لعنت جھوٹے پر ڈالیں۔"(577)

یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنی پیغمبروں کے ساتھ عالموں کو بھی اپنا رب بنالیا۔ اسی جرم کی مذمت کرتے ہوئے قرآن حکیم نے فرمایا

"انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو خدا قرار دیا ہے حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں"(578)

اس کے ساتھ ہی اس بات کی بھی تردید کی گئی کہ نہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰ یہ فضول باتیں ہیں۔

"اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نصاری نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی بنائی باتیں ہیں (جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں)"(579)

آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور حصرت عیسیٰ کی تاریخیت. کاملیت۔ جامعیت اور عملیت کا تقابلی جائزہ اسی باب میں لیا جا چکا ہے۔ یہاں اس بارے میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کے نبی آخری الزماں حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے تمام پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہیں جبکہ بعض امریکن نقاد حضرت عیسیٰ کے وجود کو محض فرضی کہنے لگے ہیں اس سے حضرت عیسیٰ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے(580)

پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لیکر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے اس کے برعکس حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات تاریکی میں ہیں آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق

کے ماہرین بابل واسیریا' عرب وشام' مصر وافریقہ' ہندوستان وترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں' پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لایا جارہا ہے مگر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے مدفون واقعات ملتے ہیں۔ پروفیسر رینان نے کیا کیانہ کیا مگر حضرت عیسیٰ کے واقعات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی۔ موجودہ انجیلوں کی روایات اول تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں وہ صرف ان کے آخری تین برسوں کے واقعات بھی کیا ہے چند معجزات اور مواعظ اور آخر سولی(581)

جامعیت کے لحاظ سے حضور ﷺ کی زندگی مختلف طبقات انسانی کے رہنمائی فرماتی ہے ایک ایسی شخص زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول ﷺ کی سیرت ہے۔ انجیل سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا لیکن اس دنیاوی زندگی میں باپ اور بیٹے کے تعلقات' بیٹے کی باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کس حد تک تھی اور باپ کی عبادت کتنی کی تھی وغیرہ کے بارے میں اناجیل خاموش ہیں غرض روحانی تسکین اور عبادت کا جامع پروگرام ان کتابوں سے نہیں ملتا اس طرح حضرت عیسیٰ کی معاشرتی زندگی کے بارے میں خالی ہیں ان کی اولاد' بہن بھائیوں سے سلوک اور رویہ کیا تھا۔ پھر انہوں نے گھر بار اہل وعیال کی زندگی تو گزاری ہی نہیں۔ دنیا تو خاندانی نظام سے چل رہی ہے یہ بات بھی اناجیل سے خالی ہے۔ عملیت کے لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ زندگی سب سے زیادہ روشن ہے آپ ﷺ جو کہتے تھے وہ کرتے تھے آ ﷺ قرآن کی عملی تصویر تھے لیکن حضرت عیسیٰ کی انجیل میں درج موجودہ تعلیم کیسے عملی ہو سکتی ہے کہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں گال بھی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ سولی پر چڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کے میرے خداوندا میرے خداوند تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا(582)

اس سلسلے میں ایک بات یاد رہے کہ سیرت کے نقشہ میں یہ چار باتیں تاریخیت' جامعیت' کاملیت اور عملیت ان سے یہ مراد اور مطلب نہیں دیگر انبیاء اور حصرت عیسیٰ کو زندگیاں ان کے عہد اور زمانہ ان کی خصوصیات سے خالی ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں یا جو آج موجود ہیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں اور اس میں ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا تا کہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کیلئے تھے اس لئے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی صرف محمد رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کیلئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے(583)

حضور اکرم ﷺ کی رسالت تمام جہاں کے لئے ہے

وما ارسلنك الا كافة للناس (584)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا۔

وما ارسلنك الا رحمة للعلمین (585)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

"اے نبی کہہ دو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"(586)

یہ مسلمہ امر ہے کہ موسیٰ کے بعد عیسیٰ تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کیلئے آتے رہے قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ کے بیان سے صراحتاً ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کیلئے تھی اس سلسلے میں انجیل متی کا باب ۱۵ پڑھنا ضروری ہے جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے یہ عورت اسرائیلی نہیں حصرت مسیح کے پاس آئی کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بچی کو چنگا کر دیں۔ مسیح نے فرمایا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا(587)

پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا اے خداوند مہربانی کرو تو آپؑ نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں(588)

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہئے کہ مسیح نے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے انہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند اور دوسری اقوام کو کتوں سے تشبیہہ دی اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہوتا اور محروم کرنا اسی دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا تو یوں کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا(589)

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔ ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی نبوت صرف اسرائیلیوں کیلئے تھی۔

عقیدہ آخرت

آخرت یہ لفظ آخر کا مونث ہے یعنی سب سے بعد کی، پچھلی (590)

یہ اصطلاح قرآن مجید میں حیات بعد الموت کے لئے استعمال ہوئی ہے جو بقول مفسرین اصل میں الدار الاخرۃ سے یعنی آخری گھر (591)

سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں الاخر اور الاخرۃ کا مفہوم الیوم الاخر والحیوۃ الاخر والدار الاخرۃ (پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آنے والا گھر) یعنی موجود زندگی کے بعد آنیوالی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر اور قرآن پاک میں یہ لفظ انہی معنوں میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) مقام پر آیا ہے۔(592)

مثلاً وللدار الاخرۃ خیر(593)

اور بے شک آخری گھر بہتر ہے

ارضیتم بالحیوۃ الدنیامن الاخرۃ(594)

کیا پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اس سے موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے۔

مذکورہ آیات میں الحیاۃ الدنیا (موجودہ دنیا) کے تقابل سے ظاہر ہے کہ الاخرۃ سے مراد الحیاۃ الاخرۃ یعنی پچھلی زندگی ہے اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل و مقامات داخل ہیں جو ابتدائے موت سے لے کر حشر نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں یا آئیں گے(595)

امام راغب فرماتے ہیں آخر اول کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور اٰخر (دوسرا) واحد کے مقابلہ میں آتا ہے اور الدار الاٰخرۃ سے نشاۃ ثانیہ مراد لی جاتی ہے جس طرح کہ الدار الدنیا سے نشاۃ اولیٰ۔

چنانچہ فرمایا وان الدار الاخرۃ ھی الحیوان (596)

ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے لیکن کبھی الدار کا لفظ حذف کر کے صرف الاخرۃ کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے(597)

آخرت کی ضد دنیا ہے یعنی نزدیک ترین یا نزدیک ترین مسکن یا زندگی یعنی موجودہ دنیا۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ اس کا مادہ دن ہے الدیو کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور یہ قرب ذاتی حکمی مکانی اور زمانی بھی ہو سکتا ہے اور بلحاظ مقام اور مرتبہ بھی لفظ ادنی کبھی اصغر کے معنی میں بھی آتا ہے اس صورت میں یہ اکبر کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے کبھی ادنی بمعنی ارذل استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا استعمال خیر کے مقابلے میں ہوتا ہے اور کبھی بمعنی اول (نشاۃ اولی) استعمال ہوتا ہے اور الاٰخر (نشاۃ ثانیہ) کے مقابلے میں بولا جاتا ہی اور کبھی ادنی بمعنی اقرب آتا ہی اور اقصی کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے(598)

قرآن مجید میں یہ لفظ ایک سو پندرہ مرتبہ آیا ہے اور اکثر آخرہ کے مقابلے میں آیا ہے(599)

اسی سلسلے میں کی ایک اصطلاح المعاد ہے جس کا مادہ ع و د یعنی عودے جس کے لغوی معنی لوٹنے۔ لوٹ جانا ہے لوٹنے کی جگہ کو بھی المعاد کہا جاتا ہے(600)

اصطلاح میں مدت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہی قرآن حکیم میں آخرت کے تمام مناظر کیلئے علماء دین نے المعاد کا لفظ استعمال کیا۔ دراصل آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعہ پر ہوتا ہے اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں۔

ا۔ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے اس لئے یہ کہ دنیا کو موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتے ہیں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۲۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے افرنیش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کیئے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

۳۔ یہ کہ خدا کے اس فیصلہ کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد قرار پائیں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

۴۔ یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجود زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے بلکہ در حقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے اخری فیصلہ میں کامیاب قرار پائے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو (601)

چند اہم سوال

عقیدہ آخرت کے بارے میں چند بنیادی سوال ہیں۔ انہیں مولانا سید ابوالاعلی مودودی نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور ایسے سوالات ہیں کہ یہ خاص وعام کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں موت اور اس کی تلخیوں سے ہر شخص کو دوچار ہونا پڑتا ہے ہر شخص کی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے عزیزوں' دوستوں اور پیاروں کو مرتے دیکھتا ہے۔ بے کس اور کمزور بھی مرتے ہیں طاقتور اور ہیبت والے بھی مرتے ہیں۔ حسرت ناک موتیں بھی واقع ہوتی ہیں۔ عبرت ناک موتیں بھی پیش آتی ہیں اور آخر میں ہر شخص کو خود اسی راہ پر گزرنے کا یقین ہوتا ہے جس پر سب گزرتے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر شاید ہی کوئی انسان دنیا میں ایسا ہو جس کے دل میں موت کے سوال نے ایک الجھن نہ پیدا کی ہو اور جس نے اس امر پر غور نہ کیا ہو کہ یہ موت کیا ہے انسان اس دروازے سے گزر کر آخر کہاں چلا جاتا ہے ؟ اور اس دروازے کی پیچھے کیا ہے بلکہ کچھ ہے بھی یا نہیں ؟

پھر ایک اور بات جو ہر صاحب فکر کے دل میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ چند برس کی زندگی جو ہم میں سے ہر شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے ہر لحہ اور ہر آن کسی نہ کسی کام' کسی نہ کسی سعی اور کسی نہ کسی حرکت میں بسر ہوتی ہی جس کو ہم سکون سمجھتے ہیں وہ بھی ایک حرکت ہے جس کو ہم بے کاری خیال کرتے ہیں وہ بھی ایک کام ہے ان سب میں ہر فعل کارد فعل ہر حرکت کی بازگشت ہر کوشش کا ثمرہ اور ہر سعی کا انجام ضرور ہونا چاہئے۔ نیکی کا پھل اچھا اور بدی کا پھل برا ملنا لازم ہے۔ اچھی کوشش کا نتیجہ اچھا اور بری کوشش کا نتیجہ برا ہونا ضروری ہے۔ مگر کیا ہماری تمام کوششوں کے نتائج تمام مساعی کے ثمرات تمام

افعال کے جواب اس زندگی میں ہم کو مل جاتے ہیں ؟ ایک بدکار نے تمام عمر شرارتوں میں گزاری اور بعض شرارتوں کا پھل بلاشبہ اسے دنیا میں مل گیا اور کسی شرارت نے اسے بیماری میں مبتلا کر دیا اور کسی شرارت نے اسے تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں میں پھنسا دیا مگر بہت سی شرارتیں ایسی بھی رہ گئیں جن کا پورا پورا بدلہ اس کو دنیا میں نہ ملا۔ بہت سی شرارتیں ایسی ڈھکی چھپی رہیں کہ ان کی وجہ سے اس کی بدنامی اور رسوائی تک نہ ہوئی اور اگر بالغرض بدنامی ہوئی بھی تو جس غریب پر اس نے ظلم کیا تھا اس کے نقصان کی کون سی تلافی ہوتی ؟ پھر کیا اس شریر کا یہ ظلم اور مظلوموں کے صبر سب کے سب بے نتیجہ ہی رہیں گے ؟ کیا ان کا کوئی انجام کبھی ظاہر ہی نہ ہوگا اور ان کا پورا پورا ثمرہ انہیں دنیا میں نہ ملا بعض نیکیوں پر ان کی الٹی بدنامی اور رسوائی ہوئی۔ بعض نیکیوں پر وہ ستائے گے بعض نیکیوں پر انہیں سزائیں ملیں بعض نیکیوں کا حال کبھی دنیا پر کھلا ہی نہیں۔ پھر کیا ان غریبوں کی سب نیکیاں اکارت گئیں۔ کیا اتنی سخت محنتوں اور کوششوں کا صرف یہی ثمرہ کافی ہے کہ انہیں ضمیر کا اطمینان نصیب ہو گیا ؟ یہ سوال تو صرف اشخاص اور افراد سے تعلق رکھتا ہی لیکن اس کے بعد ایک اور سوال انواع اور اجناس اور عناصر اور اس تمام عالم کے انجام سے بھی تعلق رکھتا ہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی مرتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں درخت اور جانور سب فنا ہوتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے درخت اور جانور وجود میں آجاتے ہیں مگر کیا مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا کیا یہ کہیں پہنچ کر ختم نہ ہوگا یہ ہوا یہ پانی یہ زمین یہ روشنی یہ حرارت اور یہ قدرتی طاقتیں جن کے ساتھ یہ کارخانہ عالم ایک خاص ڈھنگ سے چل رہا ہے کیا یہ سب لازوال ہیں کیا ان کیلئے کوئی عمر مقرر نہیں ؟ کیا ان کے نظم اور ان کی ترتیب میں کبھی کوئی تغیر واقع نہ ہوگا (602)

اسلام اور ان سوالات کے جوابات

اسلام نے ان تمام سوالات کو حل کیا ہے اور اس کے نزدیک ان کا جواب یہ ہے

ا۔ انسان کی دینوی زندگی دراصل اس کی اخروی زندگی کا مقدمہ ہے یہ زندگی عارضی ہے اور وہ پائیدار ہے یہ ناقص ہے اور وہ کامل ہے تمام اعمال کے پورے پورے نتائج اس عارضی زندگی میں مرتب نہیں ہوتے اور نہ ہر وہ بیج جو یہاں بویا جاتا ہے اپنے فطری ثمرات کے ساتھ اس ناقص زندگی میں بار آور ہوتا ہے۔ اس نقص کی تکمیل اس دوسری زندگی میں ہوئی اور جو کچھ یہاں بے نتیجہ اور بے ثمرہ رہ گیا وہ اپنے حقیقی نتائج اور ثمرات کے ساتھ وہاں ظاہر ہوگا۔

۲۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز فرداً فرداً اپنی عمر رکھتی ہے جس کے ختم ہو جانے کے بعد اس میں فساد رونما ہو جاتا ہے اسی طرح اس پورے نظام عالم کی بھی عمر ہے جس کے تمام ہونے پر یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور کوئی دوسرا نظام اس کی جگہ لے گا جس کے قوانین طبعی اس نظام کے قوانین طبعی سے مختلف ہوں گے۔

۳۔ اس نظام کے درہم برہم ہونے پر ایک زبردست عدالت قائم ہوگی جس میں انسان کے اس کے ہر عمل کا حساب لیا جائے گا انسان کو اس روز پھر ایک نئی جسمانی زندگی ملے گی وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوگا اس کے تمام اعمال جو اس نے اپنی پہلی زندگی میں انجام دئے تھے تھے ٹھیک ٹھیک جانچے اور تولے جائیں گے حق اور انصاف کے ساتھ اس کے مقدمے

کا فیصلہ کیا جائے گا اچھے اعمال کی اچھی جزاء ملے گی اور برے اعمال کی بری سزا دی جائے گی(603)

اہمیت

قرآن مجید میں عقیدہ اخرت کو بہت اہمیت دی گئی ہے اسے ذہن میں بٹھانے بلکہ حفظ کرنے کو کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کو دل نشین کرنے کو کہا گیا ہے اس کے برحق ہونے کی دلائل پیش کئے گئے ہیں اسے اپنانے پر زور دیا گیا ہے اسے بنیادی عقیدہ کہا گیا ہے۔ اس عقیدے کا منکر خدا کا منکر ہوتا ہے اور وہ صراط مستقیم سے دور ہوتا ہے اس کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

والذین کذبوا یاتینا ولقاء الاخرہ حبطت اعمالھم (604)

ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے

قد خسر الذین کذبو ا بلقاء اللہ (605)

بے شک خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھوٹا کہا۔

توحید کے ساتھ عقیدہ آخرت کو بھی اہمیت حاصل ہے اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ تا کہ ہر ایک کو اعمال کے مطابق انصاف کے ساتھ اس کی جزاء بھی مل جائے۔

"اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہی یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے بے شک پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہی پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کو پورے انصاف کے جزا دے۔"(606)

قبول حق کی بنیادی یہی عقیدہ ہے اس کے ساتھ صراط مستقیم کا ذریعہ بھی ہے

والذین یومنون بالاخرۃ یومنون بہ (607)

جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہی کتاب الہی پر ایمان لاتے ہیں

"اور جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں۔"(608)

اعمال خیر عبادات نماز کا محرک بھی یہی یقین ہے۔

"بلا شبہ نماز ایک بڑا ہی کٹھن کام ہے مگر ان فرمانبرداروں کیلئے نہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔"(609)

آخرت کے انکاری خدا کے منکر ہوتے ہیں دراصل جو اللہ تعالی کی اس قدرت و حکمت کا انکار کرتا ہے وہ برتر ذات کسی کو دوبارہ نہیں اٹھا سکتی وہ اللہ تعالی کے ان اوصاف صفات کا انکار کرتا ہے کہ وہ قادر ہے اور حکیم ہی اور معاذ اللہ وہ اللہ کو عاجز اور درماندہ تصور کرتا ہے۔

'اگر آپ تعجب خیز بات چاہیں تو سب سے زیادہ تعجب خیز ان لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کر رہے ہیں۔"(610)

اللہ کے وجود کا تو یہ ثبوت ہے کہ اس نے اتنی منظم اور خوبصورت کائنات بنائی حالانکہ پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا جب اللہ ایسی عظیم کائنات کی تخلیق پر قادر ہے تو کیا وہ دوبارہ تمہیں نہیں اٹھا سکتا؟ تم اس عقیدے پر بھی ایمان لے آؤ۔

"وہ اللہ ہی ہے کہ جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہیں پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لئے چل رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہی شاید تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔"(611)

خود انسان کی اپنی تخلیق اس کے جسم اور اعضاء کی حسن ترتیب اور پھر اس میں مرد و عورت کی مناسب بلکہ متناسب پیدائش تقسیم۔

اس بات کی متقاضی ہیں اور شہادت ہیں ان کی بعثت ثانیہ ہو

"کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کئے پھر اس نے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر زندہ کردے۔"(612)

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یوں بھی جس ہستی کے ارتقاء میں لاکھوں کروڑوں برس صرف ہوئے اس کے متعلق یہ کہنا کچھ غیر اغلب نظر نہیں آتا ہے کہ وہ ایک عبث اور لاحاصل سی شئے کی طرح ضائع ہو جائے گی لیکن وہ کائنات کے مقصود و مدعا میں ایک روز افزوں خودی کی حیثیت شریک ہو گی(613)

اس کائنات میں انسان کی تخلیق اسے اچھے برے کام کرنے کی آزادی اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ انسان جو لبدہ ہے یہ بات سرے سے غیر معقول ہے کہ آخر کار نیک کو نیکی اور برے کو برائی کا نتیجہ نہ ملے اور سرے سے کوئی وقت ایسا آئے ہی نہیں جب اس مخلوق کے اعمال کی جانچ پڑتال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان جیسی بااختیار مخلوق کو غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑا ایسی بات کا انکار ایک ہٹ دھرم اور خلل دماغ کا مالک شخص ہی کر سکتا ہے۔

"منکرین نے بڑے دعوی سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہر گز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے ان سے کہو میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے اور پھر تمہیں بتایا جائے گا تم نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے اور ایسا کرنا اللہ پاک کیلئے بہت آسان ہے۔"(614)

"یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہو جائے گا یہ برا حکم لگاتے ہیں۔"(615)

"اور یہ (بعث کے منکر) لوگ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیاوی حیات کے بعد کوئی حیات نہیں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آجاتی ہے اور ان لوگوں کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں محض اٹکل

ہانک رہے ہیں۔"(616)

پھر اپنی حکمت کا تقاضا بیان کرتے ہوئے فرمایا

"اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کیساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔"(617)

عقیدہ آخرت کی اصل اور حقیقت کے عنوان سے مولانا صدر الدین اصلاحی اس کی اہمیت کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

"یہ بات کہ جزائے اعمال کا ایک دن آنے والا ہے قرآن حکیم میں بڑے بڑے زور اور اہتمام سے بیان ہوئی ہے اس زور اور اہتمام کو دیکھ کر بظاہر تو یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ چیز بھی ایمان کی طرح ایک مستقل حیثیت کی مالک ہے مگر فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ اسی ایمان باللہ کی ایک شاخ یعنی اس کا لازمی اور بنیادی تقاضا ہے جہاں یہ ایمان باللہ نہ ہوگا وہاں آخرت کا تصور ممکن بھی نہ ہوگا اور جس جگہ ٹھیک ٹھیک یہ ایمان موجود ہوگا وہاں آخرت کا عقیدہ بھی لازماً پایا جائے گا"(618)

اسلام کے نظریہ کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے ان دنیاوی کاوشوں پر نظر ڈالتے ہیں جو اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔

ا۔مادہ پرست نظریہ

دنیا پرستوں کا ایک نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ پیدا نہیں ہوگا بس جو کچھ ہے یہی زندگی ہے کھالو پی لو مزے اڑالو مرنے کے بعد فنا ہے۔جسم۔روح۔زندگی۔احساس۔شعور۔انجام نتائج کچھ نہیں ہوگا۔

ان ھولاء لیقولون ان ھی موتتنا الاولی ومانحن بمنشرین (619)

اور (انکار آخرت کرنے والے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں پہلی مرتبہ (ایک بار) مرنا ہے اور ہمیں پھر اٹھنا نہیں ہے۔

اس قسم کے دہریے اہل عرب میں اسلام سے قبل موجود تھے اس قسم کی اقسام علامہ شہرستانی نے اسطرح بیان کی ہیں ان میں ایک قسم تو ان لوگوں کی تھی جو سرے سے ہی پیدا کرنے والے مرنے کے بعد زندہ ہونے کے اور دوبارہ زندگی پانے کے منکر تھے۔وہ صرف اس بات کے قائل تھے کہ عناصر طبعی زندگی دینے والے اور زندہ رکھنے والے ہیں اور زمانہ اور وقت اور وقت ہی عناصر زندگی کو منتشر کر کے فنا لانے والی ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں یوں کہا گیا ہے

"اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے۔"(620)

گویا اس مادی دنیا میں محسوس ہونے والی طبعی تغیرات (اور ان کے اسباب) اور عناصر طبعی کی طرف اشارہ کرتے ان سے آگے ان کی نظر نہ جاتی تھی اور پھر موت اور زندگی کو ان ہی عناصر کی آمیزش اور انتشار پر منحصر سمجھتے تھے پس ان لوگوں

کے نزدیک جو چیز عناصر کو اکٹھا کر کے زندگی عطا کرنے والی ہے وہ طبع فطرت ہے اور جو ان اجزاء کو منتشر کر کے زندگی کو ختم کرنے والا ہے وہ صرف زمانہ اور وقت ہے۔

اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا

"اور حالانکہ انہیں اس کی کوئی حقیقت معلوم نہیں محض انکلیں دوڑاتے ہیں۔"(621)

پس ان کو کائنات میں اللہ تعالی کی نشانیوں پر غور وفکر کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔ بہت سی آیات اور سورتوں میں یہ بات کہی گئی ارشار باری تعالی ہے۔ کی ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان لوگوں کے ساتھی آنحضرت ﷺ کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں تو کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں کی (622)

پھر ایک جگہ فرمایا

"کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا"(623)

اور کہا تو کہہ کیا تم منکر ہو اس کے جس نے بنائی زمین دو دن میں ؟

ایک جگہ اور ارشاد ہوا

"اے انسانوں عبادت کرو"

اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا"(624)

اسطرح مخلوق سے خالق کے وجود پر زور دیا اور ضروری دلائل دیئے اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالی ابتدائی تعمیر کی طرح دوبارہ بنانے پر یکساں کمال قدرت رکھتا ہے۔

عربوں میں دوسری قسم کے دہریئے وہ تھے جو پیدا کرنے والے کے اور چیزوں کے نئے سرے سے پیدا ہونے کے تو قائل تھے مگر جی اٹھنے اور دوبارہ زندگی ملنے کا انکار کرتے تھے۔انہی لوگوں کے متعلق قرآن مجید نے یوں فرمایا

"اور وہ بھول گیا اپنی پیدائش کو کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ گل سڑ جائیں گی"(625)

پس ان لوگوں کو پہلی پیدائش کی دلیل دی گئی۔ کیونکہ وہ پیدائش اول کو (کسی خالق کے ہاتھوں) مانتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہدے (ان ہڈیوں) کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار بنایا (626)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا" تو کیا اب ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر (ہرگز نہیں) بلکہ ان کو دھوکا لگا ہے نئی پیدائش سے انکار میں (627)

یوں علامہ شہرستانی نے اس عقیدہ کے متعلق آیات قرآنی کو جمع کیا ہے (628)

اس مادہ پرستانہ نظریئے کی تردید اس طرح کی جاتی ہے کہ دراصل جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ اس بنا پر نہیں کہتے کہ ان کو کسی ذریعہ علم سے تحقیق سے ایسا معلوم ہو گیا کہ فی الواقع موت کے بعد کچھ نہیں ہے اور فی الواقع یہ کارخانہ عالم لازوال ہے بلکہ دراصل انہوں نے محض اپنے حواس پر اعتماد کیا ہے اور یہ رائے اس لئے قائم کی ہے کہ موت کے بعد کی کوئی کیفیت

ان کو محسوس نہیں ہوئی اور نظام عالم کی برہمی کے کوئی آثار انہوں نے نہیں دیکھے مگر کیا ہمارا کسی شے کو محسوس نہ کرنا اس کے انکار کیلئے کافی دلیل ہے ؟ کیا ہمارا احساس ہی اشیاء کا عدم ہے اگر ایسا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جو چیز جس وقت میرے احساس میں آتی ہے وہ دراصل اسی وقت وجود میں آتی ہے اور جب وہ میرے حواس سے غائب ہو جاتی ہے تو دراصل فنا ہو جاتی ہے میں نے جس دریا کو بہتے دیکھا تھا وہ اسی وقت پیدا ہوا اور جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو معدوم ہو گیا کیا کوئی صاحب عقل آدمی میرے اس قول کو صحیح مان لے گا ؟ اگر نہیں تو کوئی صاحب عقل اس قول کو کیسے صحیح مان سکتا ہے کہ موت کے بعد کوئی کیفیت چونکہ ہمارے مشاہدے اور تجربے میں نہیں آئی اس لئے موت کے بعد سرے سے کوئی کیفیت ہی نہیں ہے پھر جس طرح موت اور فنا کے متعلق محض حواس پر بھروسہ کرکے حکم لگانا غلط ہے اسی طرح زندگی اور بقاء کے متعلق بھی جو احکام محض حواس کے بل پر لگائے جاتے ہیں ان کا کچھ اعتبار نہیں اگر کارخانہ عالم کے دائمی اور لازوال ہونے کا حکم محض اس بناء پر لگانا درست ہے کہ ہم نے اس کو درہم برہم ہوتے نہیں دیکھا تو میں بھی ایک مضبوط عمارت کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ کیونکہ میں نے نہ اسے گرتے دیکھا ہے اور نہ اس میں کوئی بوسیدگی مجھے نظر آتی ہے جو اس نے کبھی آئندہ گرنے کی پیش گوئی کرتی ہے کیا میرا یہ استدلال ارباب عقل کی بارگاہ میں مقبول ہوگا (629)

قرآن حکیم میں بعثت بعد الموت کو سمجھانے کیلئے بہت سے دلائل دیئے گئے ہیں یوں بھی کہا کہ وہ ذات جو تمہیں عدم محض سے وجود میں لائی تو اس کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ تمہیں دوبارہ زندہ کر دے اور پھر یوں بھی سمجھایا کہ اللہ تعالی مبدی تو ہے ’معید بھی ہو سکتا ہے جس نے ایک بار پیدا کیا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے کسی جگہ کہا کہ مردہ زمین پر بارش پڑنے سے کھیتی لہلا جاتی ہے ان ہی نوخیز پودوں کی طرح اللہ تعالی اس زمین سے قیامت میں مردوں کو اٹھائے گا۔ اور اسطرح بھی بتایا کہ ہم نے اس دنیا میں بھی مردوں کو زندہ کیا ہے تاریخ انسانی گواہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے مردوں کو زندہ کیا اور مثلاً قصہ اصحاب کہف قصہ حضرت عزیزؑ قصہ حضرت موسیٰؑ وخضرؑ وغیرہ۔ اور کبھی کہا کہ موت کو نیند کی طرح سمجھ لو دونوں ایک طرح سے ملتے جلتے ہیں جب اللہ تمہیں نیند سے بیدار کر سکتا ہے تو موت سے بھی اٹھا سکتا ہے (630)

بعث وحشر کے معجزے کا مشاہدہ کرنے کا شوق حضرت ابراہیمؑ کو بھی ہوا انہیں اس بارے میں شک نہیں تھا بلکہ تجربہ اور مشاہدے کی بناپر دل کا اطمینان چاہتے تھے انہیں چار پرندے سدھانے کو کہا پھر ان کو ذبح کرنے کے بعد ان کے اجزاء کو پہاڑی پر رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ آواز دینے پر چاروں پرندے اڑ کر آجائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا (631)

فصرهن اليك کے معنی مانوس کرنے سدھانے اور ہلا لینے کے ہیں اور کاٹ کریا ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بھی بالخصوص جبکہ صرھن پڑھیں (632)

دراصل اس قصے میں کہا گیا ہے کہ انسانی روحیں بھی خدا کی سدھائی ہوئی چڑیوں یا پرندوں کی طرح حاضر ہو جائیں گی۔

فلسفہ تناسخ

اواگون۔ جون بدلنا "ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف نفس ناطقہ کا انتقال" (633)

ہندوستان میں اس اعتقاد کے لوگ عام ہیں اور مسلمان مصنف اس مسئلہ کو فیثا غورث اور اس کے متبعین کی طرف زیادہ منسوب نہیں کرتے بلکہ ان کا رجحان زیادہ ہندوؤں کی طرف منسوب کرنے کا ہے (634)

البیرونی ہندو مذہب میں اس کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ جس طرح شہادتین مسلمانوں کے ایمان میں بہت ضروری ہیں۔ تثلیث علامت نصرانیت ہے۔ سبت منانا یہودیت میں ہے اسی طرح تناسخ ہندو مذہب کا ایک اہم جزو ہے۔ البیرونی باسدیو (635)

اور کتاب پاتجل کے اقوال وبیان کر کے ان اراء کا تقابلی مطالعہ سقراط برو قلس (636)

اور صوفیہ کے اقوال سے کرتا ہے وہ حکمائے ہند کی یہ رائے نقل کرتا ہے کہ ایک ہی زندگی کی مدت نفس کے لئے اتنی کم ہے کہ وہ اس میں ان کثیر چیزوں کا جن پر دنیا مشتمل ہے احاطہ نہیں کر سکتا (637)

علامہ شہرستانی نے تناسخ ک وسیع معنوں میں لیا ہے ان کے یہاں تناسخ سے مراد وہ عقیدہ ہے جس میں ادوار کا تکرار پایا جاتا ہی جس کی رو سے دنیا کے پے در پے ادوار حیات اور یکے بعد دیگرے نئے وجود اختیار کئے جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ افلاک اور سیارے چکر لگاتے اپنے اسی مرکز اور مقام پر آجاتے ہیں جہاں سے وہ شروع ہوئے تھے اور اس طرح کائنات کی زندگی کا نیا دور پہلے کی طرح شروع ہو جاتا ہے اسی طرح ثواب اور عذاب کا دور چلتا رہے گا یوں روح اپنے اعمال کے مطابق چکر لگاتی رہے گی۔ دنیا کا کوئی انجام نہیں ہوگا ہند کے لوگ عقیدہ تناسخ کو دوسری قوموں کی نسبت زیادہ مانتے ہیں (638)

علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ اہل عرب میں سے بعض تناسخ کا اعتقاد رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب آدمی مر جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے دماغ کا خون اور اس کے بدن کے اجزاء ترکیبی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس سے ایک پرندہ چھوٹے الو کی شکل کا نکلتا ہے پھر یہ پرندہ ہر سو برس کے بعد اس آدمی کی قبر پر آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان توہمات کی مذمت کی اور فرمایا نہ تو ہامہ (الو) کی کوئی حقیقت ہے نہ عدوی (چھوت) کی اور نہ صفر (639)

کا مہینہ منحوس ہے نظریہ تناسخ کا خلاصہ یہ ہے مرنے کے بعد آدمی کی روح کسی دوزخ یا جنت میں نہیں جاتی بلکہ دوبارہ کسی اور وجود کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ دوسرا جنم یا روپ اس کے اپنے عمل کے نتیجے میں ہوتا ہے اگر اس کے اعمال برے تھے جو اس کی روح نچلے طبقے شودر یا حیوانی و نباتاتی شکل میں نمودار ہوگی اگر اس کے نیک اعمال تھے جو اس کی روح اعلی طبقے مثلاً برہمن وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ یہ عمل یا چکر ہر روح کے چلتا رہتا ہے سوائے اس روح کے جو مرنے کے بعد برہما کا وصال حاصل کر کے یا نروان پا کر اس کے ساتھ ابدی اتحاد حاصل کرے یہ عمل جانداروں میں چلتا رہتا ہے ہر نیا جنم پہلے سے اونچا ہو تا یا نیچا (640)

اس نظریے کی تاریخ بتاتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ یونان میں مسیح سے کئی صدی قبل فیثا غورث اور ابنذ قلس

وغیرہ اس کے قائل تھے۔روم میں بھی مسیحیت سے پہلے اس کا چرچا تھا مصر کی قدیم تاریخ میں بھی اس کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔یہودیوں میں بھی بیرونی اثرات سے تناسخ کا عقیدہ داخل ہو گیا تھا لیکن اب یہ اعتقاد یا تو ہندی الاصل مذاہب (برہمیت بودھ مت جین مت وغیرہ) میں پایا جاتا ہے یا پھر مغربی افریقہ 'جنوبی افریقہ 'مڈ نما سکر وسطی آسٹریلیا'انڈونیشیا' اوشیانیا' شمالی وجنوبی امریکہ وغیرہ کی وحشی یا نیم وحشی قوموں میں باقی تمام مہذب قومیں اس کو رد کر چکی ہیں کیونکہ انسان نے اب تک علم وعقل کی ترقی سے دنیا اور اس کی زندگی کے متعلق جس قدر واقفیت بہم پہنچائی ہے وہ ان تمام نظریات کی تردید کرتی ہیں جن پر نظریہ تناسخ کی بنا قائم ہے۔خود ہندی الاصل مذاہب میں بھی جب ہم اس نظریہ کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ویدک ہندوستان میں یہ تخیل سرے سے موجود ہی نہ تھا۔اس زمانے کے آریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو ایک دوسری زندگی ملتی ہے جو نیکوکاروں کیلئے سراسر راحت اور بدکاروں کیلئے سراسر مصیبت ہے اس کے بعد اس نظریہ میں تغیر واقع ہوتا ہے اور دوسرے دور کے ہندوستانی لٹریچر میں ہمیں وہ کتابیں ملتی ہیں جن میں تناسخ کا نظریہ ایک فلسفیانہ اعتقاد کی شکل میں پایا جاتا ہے اس تغیر کا سبب ابھی تک متحقق نہیں ہو سکا ہے۔بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ تخیل اریوں میں دراوڑ قوموں سے آیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خود آریوں کے ادنی طبقوں میں موجود تھا اور انہی کے بعد برہمن فلسفیوں نے اس کو لے کر تخیلات اور قیاسات کی ایک پوری عمارت اس پر قائم کر دی اسی طرح بودھ مذاہب بھی ابتداء تناسخ کی اس مفصل سکیم سے خالی تھا جو بعد کے بودھی لڑیچر سے پتہ چلتا ہے ابتداء میں بودھ دھرم کا نظریہ یہ تھا کہ وجود ایک دریا ہے جو مسلسل تغیر اور انقلاب کی شان سے بہتا چلا جارہا ہی اسی تخیل نے آگے چل کر یہ صورت اختیار کی کہ تمام عالم کی ایک ہی روح اور تمام عالم میں ایک ہی وجود ہے جو صورتوں پر صورتیں اور قالب پر قالب بدلتا جارہا ہے اس لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں وحی والہام کے سرچشمے سے ہندی قوموں کو جو علم حاصل ہوا تھا اس کو انہوں نے بدل کر ایک ایسا فلسفیانہ مذہب ایجاد کر لیا جو محض ان کی اپنی اپج کا نتیجہ تھا۔(641)

تنقیدی جائزہ

یہ نظریہ سائنسی الہامی عقلی اور اخلاقی لحاظ سے غلط ہے آیئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں۔

سائنسی ابطال

اس نظریئے کی رو سے نباتات اور حیوانات انسان کی خراب عمل کی پیداوار ہیں لیکن سائنس کہتی ہے انسان سے ایک طویل مدت پہلے نباتات' جمادات اور حیوانات موجود تھے اور یہ انسان کے بداعمالی کا نتیجہ نہیں ہیں۔انسان کی زندگی کیلئے ضروری اشیاء کا پہلے ہونا لازمی ہیں۔ان ہی سے انسان زندہ رہ سکتا ہی نباتات حیوانات جمادات انسان کے استعمال کیلئے ہیں یہ انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور یہ تمام چیزیں انسان سے پہلے تھیں ورنہ انسانی زندگی ان کے بغیر ناممکن ہے۔

الہامی کتب اور اس نظریہ کی تردید

تمام الہامی کتب توریت، زبور، انجیل اور آخری کتاب قرآن مجید سے بھی تناسخ کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان کتابوں میں اس کی تائید میں یہ حرف بھی نہیں ملتا۔ سامی مذاہب میں بعثت بعد الموت قیامت، قیامت، حساب کتاب، جنت دوزخ کا ایک واضح تصور ملتا ہے۔ یہاں تک پروفیسر میکس ملر نے لکھا ہے کہ ویدوں میں تناسخ کا ذکر نہیں (643)

غرض کہ یہ عقیدہ انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے کوئی الہامی مذہب اس کی تائید نہیں کرتا۔

فطرت انسانی کی تردید

انسانی فطرت اس بات کی تردید کرتی ہے کہ انسان نے جون بدلے ہوں عہد الست میں خدا کے اقرار کا احساس تو ہماری فطرت میں موجود ہے اس کی رو سے ہر انسان کو یہاں تک کہ منکرین خدا کو بھی نہ کبھی خدا یاد آہی جاتا ہے اور وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں خدا کو پوجتے ہیں مگر ہمارا ذہن کبھی ادھر گیا ہی نہیں کہ ہم کسی جون میں رہے تھے پس ہم اسے دنیا میں پہلی مرتبہ آئے ہیں اور یہی ہمارا دنیا کا آخری پھیرا ہے۔

عقلی تنقید

یہ نظریہ عقلی لحاظ سے بھی غلط ہے اہل تناسخ کا خیال ہے کہ ہر شخص اس کے اعمال کا نتیجہ اسی دنیا میں اس طرح ملتا ہے کہ وہ اپنے اچھے اعمال کی بدولت زندگی اعلیٰ طبقات کی طرف صعود کرتا ہے اور برے اعمال کی بدولت ادنیٰ طبقات کی طرف اتر جاتا ہی مثلاً اگر انسان نے اس زندگی میں برے عمل کئے تو وہ حیوانی اور نباتی طبقات کی طرف نزول کرے گا اور اگر حیوان نے اپنی زندگی میں اچھے عمل کئے تو وہ انسانی طبقات کی طرف صعود کرے گا اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ حیوانی زندگی میں اچھے اعمال کئے تھے اور اس وقت کہ انہوں نے انسانی زندگی میں برے اعمال کئے تھے اس نظریہ کو ماننے کیلئے چند اور اور باتوں کا ماننا ضروری ہے اور وہ یہ سب علم و عقل کے خلاف ہیں مثلاً

(الف) تناسخ کا یہ چکر ایسا ہے کہ جس کا کوئی آغاز قرار نہیں دیا جا سکتا انسان ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس سے پہلے نباتات اور حیوان ہو اور نباتات اور حیوان ہونے کیلئے لازم ہے کہ ان سے پہلے انسان ہو کھلا ہوا دور ہی جس کو عقل محال قرار دیتی ہے۔

(ب) اگر تناسخ کا چکر ازلی اور لبدی ہے تو ماننا پڑے گا کہ نہ صرف وہ ارواح جو بار بار قالب بدلتی ہیں بلکہ وہ مادے بھی جو ان ارواح کو قالب مہیا کرتے ہیں ازلی اور لبدی ہیں اور نظام میں کام کر رہی ہیں یہ سب بھی ازلی اور لبدی ہیں لیکن عقل کا دعویٰ ہے اور علمی تحقیقات اس شہادت دیتی ہیں کہ ہمارا نظام شمی نہ ازلی ہے اور نہ ابدی۔

(ج) ماننا پڑے گا کہ نباتات اور حیوانات اور نوع بشری کی جتنی امتیازی خصوصیات ہیں وہ سب دراصل ان کے اجسام کے خاصے ہیں نہ کہ نفوس کے اس لئے کہ جو نفس انسان کے قالب میں عقل و فکر کی قوتیں رکھتا تھا وہ حیوان کے قالب میں

پہنچ کر لایعقل ہو گیا اور نباتی قالب میں پہنچ کر اس غریب سے حرکت ارادی کی قوت بھی سلب ہو گئی۔

(ط) نیک اور بد کا اطلاق دراصل ان اعمال پر ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر بالارادہ کئے جائیں اس لحاظ سے انسان کے اعمال تو نیک اور بد ہو سکتے ہیں اور ان پر جزاء و سزا مرتب ہو سکتی ہے لیکن نباتات اور حیوانات کے اعمال پر نہ تو نیکی اور بدی کا اطلاق جائز ہے اور نہ ان پر جزا و سزا مرتب ہونے کی کوئی معقول وجہ ایسا حکم لگانے کیلئے یہ ماننا ضروری ہو گا کہ نباتات اور حیوانات میں سوچ سمجھ کر بالارادہ فعل کرنے کی قوت ہے۔

(ع) اگر بعد کی زندگی ہمارے موجودہ کرموں کا پھل ہے تو ظاہر ہے کہ برے کرموں کا پھل برا ہی ہونا چاہئے اور جب دوسرے جنم میں وہ برا پھل ہم کو ملا تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اس برے پھل سے نیک اعمال صادر ہوں۔ لامحالہ اس سے برے ہی اعمال صادر ہوں گے۔ اور پھر ان کا پھل تیسرے جنم میں اور بھی زیادہ برا ہو گا اس طرح بدکار انسان کی روح تناسخ کے چکر میں نیچے سے نیچے طبقوں ہی کی طرف گرتی چلی جائے گی اس کے پھر ابھر کر آنے کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کے انسان سے حیوان تو بن سکتا ہے مگر حیوان سے انسان بننا غیر ممکن ہے اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت انسان ہیں وہ کس حسن عمل کے نتیجہ میں انسان ہوئے اور

کہاں سے آئے (643)

بزدلی اور بے ہمتی کا سبق

تناسخ کا نظریہ بزدلی اور بے ہمتی کی طرف لے جاتا ہے اس سے انسان بہادری اور اعلی ہمتی کے اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے اس نظریہ سے "اہنسا" کا عقیدہ پیدا ہوا جو شخصی اور قومی زندگی کو فنا کر دیتا ہی اس سے قوموں کی جنگی روح ختم ہو جاتی ہے اور پھر لحمیات سے محرومی کی وجہ سے افراد جسمانی اور ذھنی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں۔

اخلاقی اقدار کی کمزوری

تناسخ کے نظریہ کو تسلیم کرنے سے غریب لاچار مسکین بے بس لوگوں سے ہمدردی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ پچھلے دور کی غلطیوں کا خمیازہ ہیں نیز اس عقیدہ میں ایک گناہ گار شخص کے لئے توبہ استغفار کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص کو جانور یا درخت ضرور بننا پڑتا ہے تو پھر یہ شخص زندگی میں تمام اخلاقی اقدار کو ایک طرف رکھ کر بھرپور انداز میں دنیا کی لذتوں میں ڈوب جائے گا۔

اسلامی نظریہ

ان دونوں کے مقابلے میں آخرت کے بارے میں اسلام کا اپنا تصور بھی ہے اس سلسلے میں پہلے بھی کچھ لکھ آئے ہیں یہاں سید سلیمان ندوی کے الفاظ تحریر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہی آپ لکھتے ہیں تورات' انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل نیز یہ کے مرنے کے بعد اور قیامت کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہے گی۔ مذکور نہیں ہے

لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجلک اور ابہام نہیں بلکہ اس نے اس کی پوری تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ عالم برزخ اور میدان قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہیں شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں پھر اپنے مقررہ وقت پر جس کو خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے۔ سلسلہ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور فنا طاری ہو گی۔ دوسری زندگی کی دنیا شروع ہو جائے گی جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا برے اعمال کا
سراپا عکس اور ظل ہو گی سورۃ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دورہائے حیات کا ذکر ہے۔

سنعذ بهم مر تين ثم يردون الى عذاب عظيم(644)

ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے عذاب کی یہ تین منزلیں دنیا، برزخ اور قیامت ہیں۔

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہے وہ صرف اس مادی جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے ورنہ در حقیقت اس کی براہ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے روح نمایاں ہو گی اور جسم چھپ جائے گا وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی وہ در اصل روح کو پہنچے گی اور جسم اس کی تبعیت میں ضمناً اس سے متاثر ہو گا لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے (645)

دنیاوی عذاب

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ بگڑے ہوئے افراد اور قوموں کو تنبیہہ کے طور پر دنیا میں بھی مصائب سے گھیرے رہتے ہیں تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے یا ان کا حساب کتاب برابر ہو جائے لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا جائے اور سرکشی زیادہ اختیار کر لی جائے تو پھر قدرت سخت انتقام لیتی ہے۔

" کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں۔ پھر ہم نے ان کی بد حالی کو خوش حالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں آخر ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔"(646)

بد اعمالی کی دنیاوی سزا کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے

وما اصابكم من مصيبة فيما كسبت ايديكم (647)

اور جب کوئی مصیبت تم کو پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

"پھر ان کی تمام بد اعمالیاں ان پر آپڑیں (اور سزایاب ہوئے) اور ان میں سے بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بد اعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے۔"(648)

"اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو اور وہ احکام جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کئے گئے تھے ان سب کو قائم کرتے تو یہ لوگ زندگی کے لذائذ سے خوب بہر در ہوتے۔"(649)

برزخ

برزخ کے لغوی معنی ہیں رکاوٹ، مانع، اختراق، آڑ، پردہ، حد یعنی دو چیزوں کے درمیان حد فاصل یا رکاوٹ(650)

قرآن مجید نے برزخ کو دو چیزوں میں فصل حد فاصل اور موت و حشر کے درمیان جو مدت ہی اس کے واسطے استعمال کیا ہے(651)

غرض موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے سورۃ مومنون میں ہے گنہگار کے موت کے وقت یہ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپس جانے کی اجازت دی جائے تا کہ وہ واپس جا کر نیک کام کریں لیکن

ومن ورا ئهم برزخ الى يوم يبعثون(652)

اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ (برزخ) ہے اس دن تک جب کہ وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے۔

زمخشری نے اس موقع پر برزخ کا مفہوم "حائل" کے لفظ سے ادا کیا ہے اور اس سے روحانی مفہوم مراد لیا ہے یعنی خدا کی طرف سے ممانعت(653)

دوسرے مفسرین اس کے ظاہری معنوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس سے مراد وہ پردہ لیتے ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان سے پھر قبر حو اس زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان مائل ہے(654)

سید سلیمان ندوی بیان کرتے ہیں کہ عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم ورواج اور مشاہدات کی بنا پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام قبر ہے خواہ وہ خاک کے اندر رہو یا قعر دریا میں یا کسی درندہ یا پرندہ کے پیٹ میں اسی لئے فرمایا

وان الله يبعث من فى القبور(655)

بے شک اللہ ان کی جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ بعث صرف انہی مردوں کیلئے مخصوص نہیں جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہیں بلکہ ہر میت کے لئے ہے خواہ وہ کسی حالت میں اور کسی عالم میں ہو س لئے قبر سے مقصود ہر وہ مقام جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی (656)

موت اور نیند کی مثال

اس دنیا میں مادی جسم کیساتھ موت کے بعد سے لیکر بعثت تک واقعات کو سمجھنے کیلئے ہمیں اللہ تعالی نے نیند کا ایک تحفہ عطا کیا ہے۔ گو نیند میں روح جسم میں موجود رہتی ہے مگر میت کے جسم سے یہ نکل جاتی ہے مگر نیند اور موت میں بے خبری مشابہت رکھتی ہے اسی لئے دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں نیند کو موت سے تشبیہہ دی گئی ہے ہم بھی کہتے ہیں سویا سو مویا قرآن پاک نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تا کہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔"(657)

سورۃ زمر میں اسے اور زیادہ وضاحت سے بتایا ہے

"وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مررہے اس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کیلئے واپس بھیج دیتا ہے اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔"(658)

اسی لئے برزخ کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے سورۃ یاسین میں ہے کہ قیامت کے دن جب قبروں سے مردوں کو اٹھایا جائے گا تو گناہ گار کہیں گے

يويلنا من بعثنا من مرقدنا (659)

اے ہماری خرابی ہم کو ہماری نیند سے اٹھادیا۔

اللہ تعالی نے نیند سے بیدار ہونے کیلئے بعثت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وهوالذى يتوفكم باللیل ويعلم ماجرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه(660)

اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے اور ان کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے پھر تم کو دن میں جگاتا ہے۔

قبروں سے اٹھانے کیلئے بعثت کا لفظ آیا ہے

"اور بے شک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں جگائے گا۔"(661)

احادیث مبارکہ میں ہے کہ قبروں میں سوال وجواب کے بعد نیک لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ

"دلہن کی نیند سو جاؤ جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے یہاں تک خدا اس کو اس خواب سے اٹھائے گا"(662)

سید سلمان ندوی فرماتے ہیں برزخ کی زندگی میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے روح ایک طویل وعمیق نیند سے مشابہ ہے(663)

امام غزالی فرماتے ہیں

سونے والا خواب میں سانپ کو ڈستے دیکھتا ہے اور اس کو تکلیف وایذا بھی محسوس ہوتی جس طرح کے جاگتے کو محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ تم اس کو چلاتے ہوئے اور ماتھے پر پسینہ بھی آتے دیکھتے ہو اور کبھی وہ اپنی جگہ سے اچھل بھی پڑتا ہے یہ سب باتیں وہی سونے والا دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے لیکن ظاہر میں تم اسے وہیں خاموش پڑا دیکھتے ہو نہ اس کے گرد سانپ دکھائی دیتا ہے نہ بچھو حالانکہ اس کے لحاظ سے سانپ بھی اس کے پاس موجود ہیں اور بچھو بھی اور تکلیف بھی اسے برابر محسوس ہو رہی ہے لیکن یہ سب باتیں تمہارے لحاظ سے مشاہدہ سے باہر ہیں (664)

شاہ ولی اللہ صاحب نے عالم برزخ کی کیفیات کو اس طرح سمجھایا ہے

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آگے وہ چیزیں حاضر ہو جاتی ہیں جو ہماری حس مشترک میں توجمع ہوتی ہیں مگر حالت بیداری میں ان کی طرف خیال کرنے اور توجہ دینے سے مانع ہوتی اور روکتی ہے اور یہی بات دل میں جمائے رکھتی ہے کہ یہ چیزیں محض خیالات ہیں اور نیند کے عالم میں وہ تمام پوشیدہ تصویریں ہمارے سامنے آجاتی ہیں مثلاً کبھی صفراوی مزاج والا خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی خشک جنگل میں ہے گرمی کا موسم ہے سخت لو چل رہی ہے اسی اثناء میں جنگل میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ آگ اس کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے وہ ادھر ادھر بھاگنے لگتا ہے مگر اسے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی ۔لہذا وہ اس میں جل جاتا ہے اور اس طرح اس کو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اور بلغمی مزاج والا یہ دیکھتا ہے کہ سردی کی رات ہے اور وہ کشتی میں سوار ہے نہر میں نہایت ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے اور سخت سرد ہوا چل رہی ہے اتنے میں دیکھتا ہے کہ موجوں نے کشتی کو الٹ دیا (اور وہ ڈوبنے لگا) اب وہ وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا اور غرق ہو جاتا ہے تب اس کو سخت درد اور تکلیف ہوتی ہے اگر آپ لوگوں کے حالات کو تلاش کریں گے تو ہر شخص کو ایسا ہی پائیں گے کہ اس نے خواب میں اس قسم کے مختلف پراگندہ خیالات وحوادث کو ضرور آرام یا تکلیف کی ایسی صورتوں میں دیکھا ہوتا جو ان خیالات اور اس شخص کی طبیعت دونوں سے مناسبت رکھتی ہوں پس یہ عالم برزخ میں عذاب وثواب میں مبتلا ہونا گویا خواب میں مبتلا ہونا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک ایسا خواب ہے جس سے انسان حشر تک بیدار نہیں ہوتا خواب دیکھنے والا دوران خواب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیزیں جو میں دیکھ رہا ہوں ان کا خارج میں وجود نہیں صرف خیال ہی خیال ہے اور نہ یہ کہ اصل حالت میں اس کو کچھ راحت وتکلیف نہیں ہو رہی بلکہ وہ اس کو اصلی جانتا ہے اور اگر وہ (ہمیشہ خواب میں رہتا اور قیامت کو) بیدار نہ ہوتا تو (حالت اصلی نہ ہونے کا) یہ راز اسے کبھی معلوم نہ ہوتا لہذا اس عالم برزخ کو عالم خارجی کہنا عالم خواب کہنے سے زیادہ مناسب اور صحیح ہے پس درندہ خصلت انسان (عالم برزخ میں) اکثر یہ دیکھا کرتا ہے کہ اس کو کوئی درندہ چیر پھاڑ کر ہلاک کر رہا ہے اور بخیل شخص یہ دیکھتا ہے کہ اس کو سانپ بچھو کاٹ رہے ہیں اور (انسان کا) عالم بالا کے علوم سے بے بہرہ ہونا دو فرشتوں (منکر نکیر) کی صورت میں نظر آتا ہے جو اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور تو حضور ﷺ کو کیا سمجھتا ہے (665)

موت کا نقشہ آیات قرآنی کی روشنی میں

اب ذرا ان آیات قرآنی پر نظر ڈالتے ہیں جو موت کا نقشہ اور اس وقت کا سماں پیش کرتی ہیں۔

"ہر گز نہیں جب جان حلق تک پہنچ جائی گی اور لوگ کہیں اب کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آگیا اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا۔"(666)

نیک لوگوں کو موت کے وقت بھی، قیامت میں بھی اور پیشی بھگتنے کے بعد میں کہا جائے گا

"اے مطمئن روح، چل اپنے رب کی طرف تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"(667)

موت کے وقت فرشتے گناہ گاروں پر کسطرح کی سختی کرتے ہیں اور یہ سزا کا دور موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے

"کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب وہ سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ لاؤ نکالو اپنی جان آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمت رکھ کر ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے (اور اللہ فرمائے گا) لو اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا کہ ہم تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔"(668)

یہی بات سورۃ انفال میں اس طرح کہی گئی ہے

"اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں ان کہ منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں جلنے کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔"(669)

نیک لوگوں کو موت کے وقت ایسے بشارت دی جاتی ہے

"پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں۔ اس روح پر پھر پلٹا دیتے ہو۔ اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوا۔ تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہے۔ اور اگر داہنے والوں میں ہو تو تجھ پر سلامتی داہنے والوں میں سے اور اگر وہ حق کو جھٹلا دینے والے گمراہوں میں سے ہو تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں بیٹھنا بلا شبہ یہ بات یقین کے لائق ہے۔"(670)

عالم برزخ میں عذاب اور ثواب کے مناظر دکھائے جاتے ہیں گناہ گاروں کا قیامت سے پہلے برزخ میں عذاب کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آل فرعون کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

"اور فرعون والوں پر بری طرح عذاب الٹ پڑا دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت کی گھڑی ہو گی تو حکم ہو گا فرعون والوں کو (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں داخل کرو۔"(671)

سورۃ محمدؐ میں کہا گیا ہے کہ فرشتے گناہ گاروں کو موت کے وقت مارتے اور پیٹتے ہیں۔

"پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے یہ اس لئے تو ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا اسی بناء پر ان کے سب اعمال ضائع کر دیئے۔"(672)

سورۃ یسین میں ایک نیک فرد کا ذکر ہے جو تبلیغ حق کیا کرتا تھا اور شاید ظالموں نے اسی وجہ سے شہید کر دیا اس کی کیفیت بتائی جاتی ہے

"کہا گیا جنت میں داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو تا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا۔"(673)

شہداء کو عالم برزخ میں جنت کا رزق ملتا ہے

بل احیاء عند ربھم یرزقون(674)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں

نیک لوگوں کی فرشتے پاکیزہ حالت میں روح قبض کرتے ہیں اور انہیں اسی وقت سلامتی اور جنت کی خوشخبری سنادی جاتی ہے

"جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔"(675)

غرض موت اور قیامت کے درمیانی مدت برزخ میں روح کا مسکن ہے جو اس کے دنیا کے اعمال کے مطابق ہو گا جیسا کہ شہداء کا مقام بتایا گیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور رزق بھی پاتے ہیں اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ان کی روحیں پرندوں کی شکل میں جنت میں جا کر رہتی ہیں(676)

لیکن یہ سب واقعات قیامت سے پہلے اور صور پھونکنے سے پہلے کے ہیں۔

قیامت

القیامۃ کے معنی اٹھ کھڑا ہونا۔ یکبار گی قیام۔ کیونکہ قیامت میں تمام لوگ یکبار اور یکدم کھڑے ہو جائیں گے اس لئے قیامت کے یکبار گی وقوع پذیر ہونے پر تنبیہہ کرنے کیلئے لفظ قیام کے آخر میں ھاء (ۃ) کا اضافہ کیا گیا ہے(677)

قرآن حکیم میں اسی لئے کہا گیا ہے

لا تاتیکم الا بغتۃ(678)

وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔

قیام کے ایک معنی ثابت اور عدم زوال کے بھی ہیں مراد یہ کہ روز قیامت ثابت ہے اٹل ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا

(679)

قران حکیم میں قیامت کے بیسیوں نام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا نام اس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا سب سے پہلا نام جو سب سے پہلی سورۃ میں ہے وہ یوم الدین ہے یعنی جزاء کا دین جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزاء اور ربانی عدالت کا دن ہو گا چند نام یہ ہیں

القارعة ۔ کھڑ کھڑانے والی(680)

الغاشية ۔ڈھانپ لینے والی(681)

الساعة۔ گھڑی مقررہ وقت(682)

سورۃ القیامۃ میں قیامت کا ہیبت ناک منظر پیش کیا گیا ہے اس سورۃ اللہ تعالی نے یوم القیامۃ اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر کہا ہے کہ انسان کو قیامت کے دن ضرور اٹھایا جائے گا اور اس کی ہڈیوں اور اعضا کو صحیح طور پر جوڑ دیا جائے گا پھر قیامت کے بارے میں انتہائی (بلیغ) انداز میں ہولناک کیفیات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

"جس وقت مارے حیرت کے آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیئے جائیں گے انسان اس دن کہے گا کہ اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ہر گز نہیں کہیں بچاؤ نہیں۔(683)

اختتام دنیا کی خبر صور پھونکنے سے دی جائے گی اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقام پر آیا ہے وہاں الفاظ ہیں

نفخ فی الصور(684)

یوم ینفع الصور(685)

نقر فی الناقور (686

پہلے صور کی کیفیت کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے زمین اور آسمانوں میں رہنے والے سارے ایک چیخ مار کر ختم ہو جائیں گے(687)

آسمان پھٹ پڑے گا ستارے تتر بتر ہو جائیں گے اور سمندروں کا پانی انڈیل دیا جائے گا(688)

زمین اور پہاڑ لرز جائیں گے اور پہاڑ بالو بن کر رہ جائیں گے اور بچے مارے دہشت کے بوڑھے ہو جائیں گے (689)

لوگ گرے ہوئے پروانوں کی طرح مرے پڑے ہوں گے(690)

کئی سورتوں میں کہا گیا ہے چاند اور سورج وغیرہ ایک مدت معینہ کے لئے تیر رہے یا بہہ رہے ہیں پھر ان اجرام فلکی کی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ گر پڑیں گے(691)

جب سے مصنوعی سیارے انسان نے بنائے ہیں تو یہ باتیں سمجھ آنے لگی ہیں مثلاً یہ اسپوتنک بھی بوقت واحد دو حرکتیں کرتے ہیں نہ صرف اپنے محور پر بلکہ خود اپنے اطراف پر بھی اور قوت محرکہ ختم ہونے پر وہ گر بھی پڑتے ہیں۔

دوسرے صور کی تفصیلات بھی قرآن مجید میں آئی ہیں ایک زجرہ (للکار یا ڈپٹ) پر مردے اسی طرح زندہ ہو جائیں گے جس

طرح سونے والے بیدار ہو جاتے ہیں(692)

قبریں کرید کر سارے مردے نکال لئے جائیں گے(693)

سارے لوگ اپنے بلانے والے کی طرف بے تحاشا دوڑیں گے(694)

ہر جگہ سے گروہ اور ٹکڑیاں نکلیں گی(695)

جو گویا بکھری ہوئی ٹڈیوں کی طرح ہوں گی(696)

کچھ لوگ اندھے بہرے گونگے رہ کر زندہ ہوں گے(697)

جو لوگ حاضری سے انکار کریں گے انہیں ٹانگ پکڑ کر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لایا جائے گا689)

زمین اللہ کی مٹھی میں ہو گی اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے(699)

لوگ تین گروہوں میں بٹ جائیں گے سابقین یعنی انبیاء اصحاب یمین یعنی جنتی اور اصحاب الشمال یعنی جہنمی(700)

اعضاء کہ شہادت

اعمال وافعال اپنے اثرات چھوڑتے ہیں ایک انسان جب کوئی کام کر کے نکلتا ہے تو اس کا چہرہ بولتا ہے آنکھیں سب کچھ بتاتی ہیں ہاتھ پاؤں چال ڈھال گواہ ہوتی ہے اسی طرح کے اثرات جسم سے قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔

یعرف المجرمون بسیماھم(701)

گنہگار اپنی نشانی سے پہچان لئے جائیں گے۔

"آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔"(702)

میزان

قیامت کے دن نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حساب لیا جائے گا ایک جگہ آتا ہے

ونضع الموازین القسط لیوم القیامة (703)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے۔

قران حکیم میں قیامت کے روز اعمال کی ترازو کے لئے بعض مقامات پر میزان لفظ واحد آیا ہے اور بعض جگھوں پر موزین لفظ جمع پس جہاں کہیں لفظ واحد کیساتھ ذکر کیا ہے وہاں محاسب (حساب لینے والا) کا اعتبار کیا ہے کہ وہ اکیلی ذات الٰہی ہے اور جہاں لفظ جمع آیا ہے وہاں لوگوں کا اعتبار کیا ہے کیونکہ ہر ایک کے اعمال کی ترازو الگ الگ ہو گی(704)

انسان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی۔ اللہ تعالی نے اعمال کی برابری

اور کمال عدل وانصاف کے مفہوم کو ترازو کی ناپ اور عدالت کو میزان کے لفظ یا استعارہ سے ادا کیا ہے

"اور وزن اس دن حق ہے پھر جس کی تولیں بھاری ہو جائیں تو وہ ہیں جن کا بھلا ہوا اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جو اپنی جان ہار بیٹھے۔"(705)

"تو جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ خوش خوش عیش میں ہو گا اور جس کی تول ہلکی ہوئی تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اس ترازو میں نیکی اور بدی کا ذرہ ذرہ لایا جائے گا۔"(706)

"سو جو ذرہ ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کری گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ "(707)

جنت

ایمان اور اعمال کے مطابق انسان کو مقام دیا جائے گا۔ اللہ کے نیک بندوں کو جنت میں جگہ دی جائے۔ جنت کیا ہے اس لفظ کا مادہ ج ن ن ہے جس کے معنی ڈھانپنے کے ہیں اور جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درختوں نے اس کی زمین کو ڈھانپ لیا ہو اور ان گنجان درختوں کو بھی جنت کہا جاتا ہے جو زمین کو چھپائے ہوئے ہوں۔ بہشت کو جنت یا تو دنیاوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے اگرچہ دونوں میں بہت فرق ہے اور یا اس لئے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں(708)

جیسا کے فرمایا گیا ہے

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (القران ۱۷:۳۲)

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنات جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں ۱۔جنۃ الفردوس ۲۔جنت عدن ۳۔جنت النعیم ۴۔دارالخلد ۵۔جنت الماوی ۶۔دارالسلام ۷۔علیین(709)

جنت وہ مقام ہے جو درختوں سے یا سبزے سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے یا ہو گا یہ نیک لوگوں کا وہ اخروی اور دائمی گھر ہے جس کی نعمتیں فی الحال ہماری نگاہوں سے چھپی ہوئی ہیں یہ مقام ہر قسم کی تکالیف اور پریشانی سے پاک ہو گا۔

قرآن مجید میں جنت کے بہت ہی عمدہ اور حسین مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ ان آیات کا مفہوم یہ ہے۔

نیک لوگوں کا مقام جنت ہو گا۔ یہاں انسانوں کی اعلیٰ ترین تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہوں گی۔ یہ سلامتی ور امن کی جگہ ہو گی۔ یہاں کی مسرتیں دائمی اور لازوال ہوں گی۔ غم اور حزن قریب نہیں پھٹکے گا یہ ایسا پیار اور محبت کا مقام ہو گا کہ اس میں بغض حسد نفرت کینہ عداوت اور بے ہودہ پن بالکل نہیں ہو گا۔ یہاں دعا و سلامتی سے لوگوں کا استقبال ہو گا۔ کافور وزنجبیل کی ملونی والے اچھلتے ہوئے چشمے۔ بہتی نہریں۔ سایہ دار وادیاں۔ شاہانہ شان و شوکت۔ قیمتی ملبوسات۔ اعلیٰ زیور۔ موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے خوبصورت بچے۔ سونے اور قیمتی پتھروں کے جڑاؤ۔ بلند تخت۔

قطاروں میں تختوں پر آراستہ تکیے۔ ہرے بھرے باغوں کے طبقے، درجے اور سلسلہ وار مدارج۔ ریشمی لباس۔ طلائی تخت۔ موتیوں کے ہار۔ سونے کے کنگن۔ باغ میں جانے کے متعدد دروازے۔ بے پایاں وسعتیں۔ ضیافتوں کا اہتمام۔ سونے

چاندی کے برتن۔بلورین پیالے۔ لعل وجواہر کے محل۔والدین اور بیوی بچوں کی صحبت۔محبت ومسرت سے ایک دوسرے پر جھکے ہوئے باہمی خوشی کی گفتگوئیں۔یہاں نہ دکھ نہ تھکان نہ غم نہ ملال ہر قسم کا آرام وسکون میسر ہوگا۔ غرضیکہ بہترین اور مثالی مقام ہوگا۔روحانی اور جسمانی نعمتوں سے مالامال اور بھرا ہوا اور مقام ہوگا۔یہ امن وسلامتی کا ٹھکانہ ہوگا۔مقام رحمت' مقام نور' مقام رضوان' مقام طیب وطاہر' مقام تسبیح وتہلیل' مقام قرب خداوندی اور مقام نعمت دیدار ایزدی بھی ہوگا(710)

فیھا ما تشتھیہ الا نفس (711)

وہ سب کچھ ہوگا جس کی دل خواہش کریں

قرآن مجید میں اس دائمی غیر فانی گھر کو جنت کہا گیا ہے جو تکالیف اور پریشانیوں سے مبرا ہوگا اور اس کیساتھ مادی زندگی کے مثل عمدہ آرادم وہ سکون بخش اشیاء کا ذکر کیا گیا مثلاً

باغ۔مرغزار۔ بہتی نہریں۔پھل پھول۔عمدہ مشروبات۔نفیس ملبوسات اور دوسری دلپسند اشیاء۔ مفسرین کا ایک طبقہ ان کی لفظی تعبیر کرتا ہے دوسرا طبقہ مجاز اور استعارہ قرار دیتا ہے۔سید سلیمان ندوی کہتے ہیں یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالم آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ان سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں جو ان لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں بلکہ ان اخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظوں سے اس لئے ادا کیا گیا ہے کہ وہ ان سے خاص مناسبت رکھتی ہیں ورنہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے لغوی مفہوم ومعنی سے ان کی آخروی حقیقتیں بدرجہا بلند واتم ہوں گی۔(712)

قرآن مجید کی یہ آیات بھی قابل غور ہیں

"اور ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ خوشخبری سنادو کہ ان کیلئے وہ باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ جب ان باغوں سے کوئی پھل دیئے جائیں گے کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو دیا گیا تھا اور وہ ان کو ایک دوسرے کے مشابہ دیا جائے گا اور ان باغوں میں ان کی صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ان باغوں میں ہمیشہ رہا کریں گے(713)

ان آیات کو تحریر کرنے کے بعد سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ان آیتوں کے سیاق وسباق اور نظم وترتیب پر لحاظ کرکے میرے ذہن میں یہی معنی آتے ہیں کہ ان میں دنیاوی الفاظ اور اان کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے ورنہ حقیقت کی رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معنی اور آخروی معنوں میں وہی نسبت ہے جو مچھر اور کسی عظیم الجثہ شئے کے درمیان ہوسکتی ہے۔اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

سفیان ثوری۔اعمش سے اور وہ ابو ظبیان سے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں کے ناموں کے سوا اور کسی بات میں مشابہ نہیں دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں جنت میں جو کچھ ہے وہ ناموں کے سوا دنیا میں نہیں(714)

غرض ان الفاظ سے ہی دنیاوی مشاہدات کو سمجھنا ضروری نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بلند لذائذ اور مسرتیں مراد ہیں جن کی تعبیر کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب کے سبب سے ان کو ان دنیاوی لفظوں سے ادا کیا جائے اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے اس میں اشکال نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب سے نہیں ہے بلکہ عاجز انسانوں کی ذھنی درماندگی کے سبب سے ہے کہ نادیدہ و ناشنید اور درد دل ناخریدہ مفاہیم کیلئے ان کی زبان دلغت میں کوئی لفظ ہی نہیں (715)

جنت کے بارے میں قرآن واحادیث کی تعلیمات کی تعبیر چار طرح کی جاتی رہی ہے ۱۔ جنت کے سلسلے میں حسی کوائف کو لفظی معنوں میں سمجھا جائے۔ ۲۔ لفظی معنی لئے جائیں لیکن ان کے بارے میں کیف یعنی ان کی حقیقت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے۔ ۳۔ ان کو تمثیلی پیرانہ بیان قرار دیا جائے یعنی اس دنیا کے تجربوں اور کیفیتوں کو سمجھانے کیلئے بطور تمثیل و تشبیہہ سمجھا جائے۔ ۴۔ ان حسی کوائف کو استعارہ سمجھا جائے یا مجاز مرسل۔ یہ بھی کہا گیا
ہے کہ یہ حسی تفصیلات تصور و تخیل کی امداد کیلئے ہیں کیونکہ جنت میں یہ مسرتیں بدرجہا تم واکمل ہوں گی اور ایسی ہوں گی جن کی اصلی حالت کا ہم تصور نہیں کر سکتے (716)

قرآن حکیم میں جنت کی جو معلومات آئی ہیں ان کی مزید تعبریں اسطرح کی جاتی ہیں

۱۔ جنت اور اس کی تفصیلات کے بارے میں جو احادیث مبارکہ موجود ہیں ان سے لفظی مفہوم ظاہر ہوتا ہے ان میں حسی مسرتوں اور ان کے حقیقی مفہوم کا رجحان پایا جاتا ہے۔

۲۔ پھر متکلمین کی آراء ہیں ان میں معتزلہ عقلی معیار کے قائل ہیں اور وہ اس بارے میں مجازی یا روحانی تاویل کے حق میں نہیں ہیں وہ جنت کی حسی لذات کا مفہوم لفظی لے کر اس میں تمثیل کے انداز پیدا کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جنت کے پھل اس دنیا کے پھلوں کی طرح ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن معتزلہ رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اس کی مختلف تاویل کرتے ہیں نیز وہ اس بات کو بھی نہیں مانتے کہ جنت اس وقت موجود ہے بلکہ ان کے خیال میں جنت صرف قیامت کے وقت تیار کی جائے گی (717)

الاشعری جنت کو "ارفع ترین مسرت" کہتے ہیں وہ جنت کے لفظی مفہوم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس حقیقت پر سوال کو درست نہیں سمجھتے کیونکہ نہ صرف یہ کہ جنت کی لذتوں کا دینوی خوشیوں کے ساتھ کوئی مشترکہ معیار نہیں بلکہ وہ ان کیساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتی اور وہ ایک مختلف نوعیت کی ہیں (718)

حکماء اور فلسفیوں میں بو علی سینا کا خیال ہے کہ قرآنی بیانات کے ظاہری معنی کو کلیہ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہ اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے کم علم والے سادہ لوگوں کیلئے مفید ہیں جنہوں نے اس زمین پر اگرچہ خداوند تعالیٰ کے احکام کی پابندی تو کی لیکن وہ اعلیٰ زندگی تک ترقی بس کر پائے مگر جنت کی نعمتوں کا ادراک کر کے۔ صحیح معنوں میں حسی خوشیوں کے طور پر نہیں بلکہ تخیلی خطوط کے طور پر ہو گا (719)

بو علی سینا کے ان خیالات کا اثر صوفیوں پر بھی ہوا۔اسی لئے پہلے صوفیہ جنت کے متعلق بیانات کا لفظی مفہوم لیتے تھے لیکن بعد کے صوفی ان کے رویت الٰہی کا اعلیٰ ترین مسرت اور اجر مراد لینے لگے۔رابعہ بصریؒ البسطامی۔ حلاج کا یہی خیال ہے۔
مگر متاخر صوفیوں نے اس بات کی احتیاط کی کہ جنت کی خوشیوں کی حسی خصوصیت کو خارج نہ کیا جائے تاہم انہوں نے اعلیٰ روحانی مفہوم کو جس کا ادراک کشف سے ہوتا ہے اکثر پھیلا کر بیان کیا ہے۔سب سے زیادہ قابل ذکر بیان ابن العربی کا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ جنت دار الحیوان (زندگی کا مسکن) ہے جو حسی اور روحانی دونوں قسم کی نعمتوں سے سراسر معمور ہے (720)
حسی تعبیر اور عقلی و مجازی تعبیر میں تطبیق کی کوششیں بھی ہوئیں ان میں ابو حامد الغزالی کا نام سر فہرست ہے آپ نے کثرت احادیث تحریر کر کے جنت کی حسی لذتوں۔خوشیوں کی کیفیت بیان کی ہے(721)
امام غزالی کی رائے ہے کہ جنت مسرت کاملہ کا ایک واسطہ ہے جس کی صرف تمثیلات ہم پر منکشف کی گئی ہیں۔ میزان العمل میں بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا گیا ہی کہ چونکہ جنت کی لذتیں عام انسانوں کی عقل کیلئے ناقابل فہم ہیں لہذا وہ انہیں حسی لذتوں سے غلط ملط کر دیتے ہیں جن کا ادراک انہیں حاصل ہے۔یہ خیال ابن سینا کے نظریے کے بالکل قریب ہو جاتا ہے۔بایں ہمہ الغزالی نشور جسم کی حقیقت کے متعلق ابن سینا کی تعلیم سے بنیادی طور پر اختلاف کرتے ہیں۔امام غزالی کے خیالات کچھ اسطرح کے ہیں کہ مومنین جو فقط حسی اور مادی خوشی ہی کو مقصود جانتے ہیں جنت میں جسمانی لذتوں ہی سے محظوظ ہوں گے دوسرے لوگ مثالی لذتوں سے لطف اٹھائیں گے مگر ان کے علاوہ اہل عرفان اعلیٰ ذھنی اور روحانی خوشیوں سے محفوظ ہوں گے کیونکہ وہ خوشیاں جن کی تشریح شریعت میں آئی ہے محض ان کی تمثیلیں ہیں اس امکان کو بھی خارج نہیں کیا گیا کہ بعض برگزیدہ اہل جنت ان تینوں قسم کی خوشیوں سے بیک وقت لطف اندوز ہو سکتے ہیں(722)
جدید دور کے مفسرین نے جنت کی کیفیت پر بحث کی ہے۔ محمد عبدہ نے لفظی توصیفی مفہوم یعنی جنت کا تعین مقام اور لذات کی جوں توں تسلیم کیا ہے لیکن اس کی مناسب اور عمدہ تشریح پیش کی گئی ہے(723)
علامہ رشید رضا اس سلسلے میں حسی اور روحانی دونوں قسم کی خوشیوں پر یقین رکھتے ہیں لیکن فوقیت روحانی مسرتوں کو دیتے ہیں(724)
میاں عبدالقادر المغربی کی رائے تحریر کرنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جنت کے لذائذ اور خوشیوں والی مصطلحات انعامات اور مسرتوں کا عظیم ترین تصور اور نقشہ پیش کرتی ہیں۔ان آیات کا لفظی مفہوم ہمیں سمجھنا ہوگا اور یہ آخرت کے ایسے حقائق ہیں جو اس دنیا سے مختلف ہیں ذرا اس جنت کی ضیافتوں کی خوشیاں ایک ایسی حقیقت کی مصوری کرتی ہیں جو محسوس اصطلاحوں کے بغیر انسانی سمجھ میں نہیں آسکتی(725)

جہنم

جہنم دوزخ کا نام ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اصل میں فارسی لفظ جہنام سے معرب ہے۔واللہ اعلم(726) جہنام کے

معنی ہیں بہت زیادہ گہرائی، جہنم کالفظ اسی سے ہے(727)

ابن خالویہ نے جہنم کو عربی زبان کالفظ قرار دیا ہے(728)

بعض مستشرقین اس کے قائل ہیں کہ یہ لفظ بیت المقدس کے پاس کے اس کنویں کے نام سے نکلا ہے جس میں از منہ قدیم کنعانی دیوتا کے مولک کے نام پر سوختنی قربانی دی جاتی ہے(729)

اللہ کے باغی اور مجرم جہنم میں ڈالے جائیں گے قرآن مجید میں جہنم گنہگار لوگوں کا ٹھکانا بتایا گیا ہے۔ جہنم کا سب سے نمایاں وصف آگ ہے۔ اس کیلئے کلمہ نار استعمال ہوا ہے(730)

قرآن حکیم میں جہنم کی آگ کا ذکر بار بار آیا ہے بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے آگ ہی کا نام جہنم ہے۔

مثلاً سعیر(731) یعنی جلتی ہوئی آگ

لظی۔(732) خالص شعلہ

سقر۔(733) سرخ آگ

ھاویة۔(734) اتھاہ گڑھا

حطمة(735) توڑنے پھوڑنے والی آگ

دوزخ کے یہ نام بظاہر صفات کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ بعض مفسرین نے بعض روایات کی بناء پر یہ سمجھا ہے کہ یہ دوزخ کے اوپر نیچے سات درجے یا طبقے ہیں جن میں سب سے اوپر جہنم اور سب سے نچلے کا نام ھاویہ ہے لیکن دراصل ان الفاظ سے سزا کی مختلف کیفیات کا اظہار مقصود ہے(736)

قرآن حکیم میں جہنم کی ہولناکیوں اور عذاب کی شدت بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ کچھ اسطرح ہے

وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال اوھیڑ دے گی(737)

کھولتا ہوا پانی جو انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا(738)

پانی کی بجائے پگھلی دھات ہوگی جو ان کے منہ کو بھون ڈالے گی(739)

وہ آگ کبھی نہ بجھے گی بلکہ زیادہ سے زیادہ بھڑکا دیا جائے گا(740)

اس کی دھاڑ سن رہیں ہوں گے وہ جوش مارے رہی ہو گی بس غصہ سے پھٹی پڑتی ہو گی(741)

جہنم میں نہ جئے گا نہ مرے گا(742)

اس پر تند خو سخت مزاج فرشتے نگران ہیں(743)

ان لوگوں کے آگ کے کپڑے ہوں گے۔ سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ اس سے ان کی کھالیں اور پیٹ گل جائے گا۔ لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے ان کے سروں کی مرمت ہو گی(744)

ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی(745)

خار دار اور جھاڑی غذا ہو گی(746)

گلے میں اٹکنے والا کھانا ہو گا(747)

زقوم کا درخت (ان کا کھانا ہو گا)(748)

سید قطب لکھتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ شجر زقوم کیا ہے ؟لیکن لفظ زقوم کی آواز بذات خود ایک ایسے پھل کا تصور دلاتی ہے جو خشک مسلا ہوا۔ نرم کانٹوں والا۔ کھردرا سا ہے۔ جس کو چھونے سے ہاتھ زخمی ہوتے ہیں اور نگلنے سے حلق خشک ہوتا ہے یہ پھل اس پھل کے مقابلے میں جو اہل جنت کو بے خار بیر کی شکل میں ملنے والا ہے وہ اس خار دار پھل کو بڑی تکلیف و مصیبت سے حلق میں اتاریں گے اس سے بھوک تو کیا خاک دور ہو گی وہ تو اس تکلیف کے شدید احساس

ہی میں دب کر رہ جائے گی جو اس کے چارو ناچار نگلنے سے پیدا ہوئی۔ غرض یہ کڑوا۔ کسیلا خار دار پھل حلق سے مشکل سے نیچے اترے گا(749)

زقوم کا درخت کھانا ہو گا وہ ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اس کے شگوفے جیسے شیطانوں کے سر۔ تو وہ کھائیں گی اور اس سے پیٹ بھریں گے پھر ان کو کھولتا پانی (پیپ) میں ملا کر دیا جائے گا (750)

زخموں کا دھون خوراک کے طور پر ملے گا(751)

گرم پانی اور پیپ مشروب ہو گا(752)

یہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہو گی جو دلوں تک جا پہنچے گی(753)

وہاں چیخ و پکار ہو گی(754)

کافروں کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دی جائے گی تا کہ سخت عذاب کا مزا چکھیں(755)

وہ بد ترین جائے قرار ہے(756)

وہاں لباس قطران یعنی تار کول۔ گندھک پگھلے ہوئے تانبے کا ہو گا(757)

آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے(758)

وہ آگ محل جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں(759)

خار دار سوکھی گھاس کے سوا کوئی کھانا ان کیلئے نہ ہو گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا(760)

وہاں کالے دھوئیں کے سائے ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ آرام دہ(761)

ان تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہنم ایک نہایت ہی تکلیف دہ مقام ہے۔ جو بہت ہی برا شدید' ذلت ترین اور عذاب کا ٹھکانہ ہو گا۔ دہاں کا کھانا۔ پینا۔ رہنا نا قابل برداشت اور دکھ والا ہو گا اور یہ مصائب مسلسل اور نا ختم ہونے والے ہوں گے ان لوگوں کو نہ موت آئے گی اور نہ زندہ رہیں گے۔ عجیب تکلیف دہ صورت ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھے

آمین ثم آمین۔

یہ تمام سزائیں جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ہوں گی قرآن حکیم کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزائیں مادی شکل میں ہوں گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسا بھی نظر آتا ہی کہ یہ اس دنیا سے الگ اگلی دنیا کا ماوراء طبیعات نقشہ ہوگا جو اسی عالم کے مطابق ہوگا غرض ہمیں اس دنیا کی مثالوں سے یہ تمام واقعات سمجھائے گئے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں اور ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ ان امور کے متعلق بیان کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبر آبادی تحریر فرماتے ہیں "پس قیامت کے جو احوال و کیفیات اور عذاب و ثواب کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ ہماری فہم سے مقرب کرنے کیلئے انہیں لفظوں اور اسی اسلوب میں بیان کی گئی ہیں جن سے ہم مانوس ہیں مثلاً یہ کہ اعمال نامے پیش کئے جائیں گے۔ گواہی اور شہادت ہوگی اور پھر بارگاہ خداوندی کی عدالت سے ہر ایک کیلئے فیصلہ ہوگا۔ جن خوش نصیبوں کو جنت ملے گی ان کیلئے وہی لذتیں آسائشیں اور راحتیں ہوں گی جو اس دنیا میں لذتیں۔ آسائشیں اور راحتیں سمجھی جاتی ہیں اور جن بد نصیبوں کیلئے عذاب مقرر ہوگا ان کیلئے وہی تکلیفیں اور اذیتیں اور سزائیں ہوں گی جو اس دنیا میں اس طرح سمجھی جاتی ہیں لیکن کیا قیامت کے دن کی شہادت 'اعمال کا وزن' لذائذ' جنت اور عذاب جہنم ان سب کی حقیقت بھی بعینہ وہی ہوگی جو ان الفاظ سے اس دنیا میں سمجھی جاتی ہے؟ اس کا دعوی نہیں کیا جاسکتا وہ عالم اس عالم سے مختلف ہوگا اور اسی بنا پر اس عالم کی کسی چیز کو نام کے اشتراک کی بنا پر اس عالم کی چیز پر قیام نہیں کیا جاسکتا(762)

قرآن حکیم کی حیات اخروی کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کے عقلی اور استدلالی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔

حیات اخروی پر منکرین کا اعتراض

حیات اخروی کا جو نظریہ قرآن مجید نے پیش کیا اس پر آج کل کے منکرین کی طرح زمانہ نبوت کے ملحد اور منکر بھی انکار کرتے تھے ان کا کہنا بھی یہی تھا کہ جسم اور ہڈیوں کے گل سڑنے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ کیا جاسکتا ہے؟

وقالو اء اذا اضللنا فی الارض ، انا لفی خلق جدید(763)

اور انہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟

"کیا جب ہم مر کر مٹی بن جائیں گے تو پھر جی اٹھیں گے یہ واپسی تو بعید از عقل و قیاس ہے"(765)

"کون ہے جو ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔(766)

قرآن مجید کا استدلال

اس شک کو دور کرنے کیلئے قرآن مجید نے سب سے پہلے کائنات اور اپنی ذات میں غور و فکر کی دعوت دی

"ہم ان کو آفاق میں اور خود ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہی حق ہے(767)

اولم ینظرو ا فی ملکوت السموت والارض (768)
کیاوہ آسمانوں اور زمین کے انتظام پر غور نہیں کرتے
"آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ اس طرح گزر جاتے ہیں کہ ان پر غور ہی نہیں کرتے"(769)

افی اللّٰہ شك فاطر السموت والارض(770)
کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے۔
"کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔"(771)
ان درج بالا آیات میں یہ اشارہ کیا گیا ہی وہ تمہاری اپنی ذات مبارک وجود انسانی اور منظم کائنات پر اسرار عجائبات میں غور وفکر کرو تو تم حقیقت پالو گے اور اس بات کا ثبوت بھی مہیا ہو جائے گا کہ جو کچھ اللہ تعالی فرماتے ہیں وہ برحق ہے۔

زندگی کے بعد الموت کا امکان

اللہ تعالی نے اسی کائنات میں موجود اسباب سے بے شمار دلائل پیش کئے کہ حیات اخروی یقیناً ہو گی تمہاری عقل چاہے اسے سمجھے یا نہ سمجھے مگر یہ بات حقیقت سے دور نہیں۔ سورۃ رعد میں فرمایا
وہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کرر کھاہی جو تم کو نظر آسکیں۔ پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو اپنا تابع فرمان کیا ان میں سے ہر ایک ایک مدت مقررہ تک کیلئے حرکت کر رہا ہی وہی تمام عالم کا انتظام کرتا ہے اور وہ اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات پر یقین لاؤ(772)
پھر فرمایا

ءانتم اشد خلقاً ام السماء بنا ھا(773)
کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ خدا نے تو (ایسی بڑی چیز) بنایا ہے۔
جس خدا نے اتنا عظیم الشان اور ان گنت اجرام فلکی کا نظام قائم کیا ہے اور اس میں ہر سیارہ اپنی اپنی جگہ پر وقت کے مطابق کام کر رہا ہے کوئی اپنے مدار سے ذرہ برابر بھی پل بھر کیلئے ادھر سے ادھر نہیں ہوتا اس ذات باری تعالی کے متعلق تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا یہ تمہاری ہلکی سوچ ہے۔
"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کو بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔"(775)
آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا کام ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔
"زمین کی سیر کرو اور دیکھو اللہ تعالی نے کس طرح افرنیش کی ابتداء کی ہے اور پھر وہی اللہ چیزوں کو دوبارہ زندگی

بخشتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(776)

"اور ان کیلئے ایک نشانی تو مردہ زمین ہی ہے جس کو ہم نے زندگی بخشی ہے اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ لوگ کھاتے ہیں۔"(777)

"پھر اللہ کی رحمت کے آثار دیکھ کر کس طرح زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً وہ ضرور مردوں کو بھی زندگی عطا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"(778)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہی کہ سونی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے پانی برسایا اور وہ بھیگ اٹھی اور لہلہانے لگی تو جس نے اس کو زندہ کیا وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(779)"

"اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے پھر وہ بادلوں کو ابھارتی ہے پھر ہم ان بادلوں کو ایسی بستی کی طرف ہانکتے ہیں جو بے آب و گیاہ پڑی ہے پھر اس مردہ پڑی ہوئی زمین کو بارش کے ذریعہ سے زندہ کر دیتے ہیں بس ایسا ہی جی اٹھنا قیامت میں بھی ہوگا۔"(780)

انسان کے اپنے وجود میں بے شمار دلائل ہیں کہ مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

"بلاشبہ انسان پر زمانہ کا ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر شئے نہ تھا۔"(781)

"تم مردہ تھے خدا نے تم کو زندہ کیا پھر وہ تم کو مردہ کردے گا پھر زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"(782)

"اگر تم کو مرنے کے بعد جی اٹھنے میں سک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے مٹی جیسی بے جان شئے سے تم کو پیدا کیا ہے۔"(783)

"اس نے کہا کہ کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی کہہ دے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار زندگی بخشی تھی۔"(786)

"ان سے کہو کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا کوئی اور ایسی چیز کا زندہ ہونا تمہارے نزدیک بعید از عقل ہے پھر وہ پوچھیں کہ کون ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا تو کہو کہ وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا۔"(785)

سورۃ مومنون میں انسانی تخلیق کے مراحل بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ بھی تمہاری بعثت ثانیہ کی دلیل قرار دیا۔

> ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر ہم نے ہی اس ست کو نطفہ بنا کر ایک حفاظت کی جگہ میں رکھا۔ پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا ۔ پھر لوتھڑے کو مضغہ گوشت کی صورت دی پھر پھر مضغہ کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک دوسری ہی چیز بنا کھڑا کیا۔ پس بڑی برکت والا ہے اللہ جو بہترین خالق ہے پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنے

والے ہو۔یقیناً تم کو قیامت روز اٹھائے جاؤ گے(786)

اور مقام پر فرمایا

"کیا انسان منی کا محض ایک قطرہ نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا گیا تھا پھر وہ ایک لوتھڑا بنا۔ پھر خدا نے اس کو انسانی شکل دی اور اس کی ساخت کو استوار کیا پھر اس کو دو صنفیں کر دیں۔ اور مرد و عورت کے جوڑے بنائے کیا وہی خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے۔"(787)

قرآن مجید نے عقیدہ آخرت کے سلسلے میں عام سمجھ کی بات کی ہے کہ کسی چیز کا عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہے یا موجود شئے کی منتشر اشیاء کو اکٹھا کرنا۔ اللہ تعالی نے جب پہلے کام کو کر دیا تو یہ دوسرا آسان کام بھی قادر مطلق کر سکتا ہے۔

اولم یروا کیف یبدی اللّٰہ الخلق ثم یعیدہ ان ذلك علی اللّٰہ یسیر(788)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ کس طرح افرینش کی ابتداء کرتا ہے پھر اسی طرح وہ اس کا اعادہ بھی کرے گا اور یہ بات اللہ تعالی کے لئے یقیناً زیادہ آسان ہے۔

"اور وہی تو ہے جو افرینش کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اعادہ اس کیلئے سہل تر ہے۔"(789)

"کیا ہم پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز رہے تھے (نہیں ان کو پہلی افرینش سے انکار نہیں ہے) مگر ان کو ایک نئی افرینش میں شک ہے۔"(790)

اللہ تعالی اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اس کائنات میں انسان کے منتشر اجزاء کو بھی جمع کر دے گا چاہے کسی کے جسم کی بوٹی بوٹی جانور یا مچھلی کھا جائے یا جل کر فنا ہو جائے یا مٹی میں مل کر ہوا انہیں منتشر کر دے۔

"کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کی جمع نہ کر سکیں گے کیوں نہیں ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہے۔"(791)

"ہم کو یہ معلوم ہے کہ زمین ان میں سے کیا چیز گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کا ریکارڈ محفوظ ہے۔"(792)

منکرین آخرت سے اللہ تعالی نے یوں خطاب کیا

"بھلا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جب ہم مر چکے ہوں اور مٹی بن جائیں اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائے اس وقت ہم پھر زندہ کر کے اٹھا کھڑے کئے جائیں کیا ہمارے اگلے وقتوں کے آباؤ اجداد بھی اٹھائیں جائیں گے ان سے کہو ہاں اور تم (خدا کے مقابلے میں) بے بس ہو بس ایک ہی جھڑکی ہو گی اور یکایک یہ اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ جس کی خبر دی جا رہی ہے دیکھ رہے ہوں گے اس وقت یہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو یوم الجزاء ہے۔"(793)

بہترین نظام کائنات کا مقصد

یہ اعلی۔ عمدہ۔ محکم۔ استوار۔ مرتب اور متناسب نظام کائنات آپ ہی آپ نہیں بنا۔ اس کا یک ایک حصہ۔ جزو۔ ذرہ اپنے خالق۔ مالک صانع کے علم۔ قدرت۔ حکمت۔ بصیرت اور ارادے کی شہادت دے رہا ہی۔ اس میں کہیں کوئی خامی فتور اور رخنہ نظر نہیں آتا۔

اس نظام کائنات کو بنانے کا ایک مقصد اس کا بنانے والا ایک حکیم ہے اس کا ہر فعل حکمت سے بھرا ہوا ہے یہ دنیا کوئی کھیل تماشہ نہیں بلکہ ایک مقصد کے تحت بسائی گئی ہے یہاں حضرت انسان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسے اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہونا ہے۔

"کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف واپس نہ لائے جاؤ گے؟ بادشاہ برحق خدا اس سے بالاتر ہے (کہ اس سے کوئی فعل عبث صادر ہو"(794)

"کیا انسان یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔"(795)

"ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جن ان کے درمیان ہیں کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا ہے ہم نے ان کو حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے یقیناً ان سب کیلئے فیصلہ کے دن تک کا وقت مقرر ہے۔"(796)

"کیا انہوں نے خود اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو جو پیدا کیا ہے تو حکمت کے مطابق کیا ہے اور ان کیلئے ایک وقت مقرر ہے؟ مگر بہت سے آدمی ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔"(797)

"جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔"(798)

نظام کائنات کا انجام

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یہ دنیا بغیر مقصد کے پیدا نہیں کی گئی ہے تو اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ آخر اس کائنات کا انجام کیا ہے اس کا جواب قرآن حکیم نے دیا ہے اور وہ ایسا جواب ہے جسے ہر عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ لیکن جواب کو دیکھنے سے پہلے چند حقائق پیش نظر رکھنے چاہئے۔

۱۔ کائنات اپنے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی جانب چل رہی ہے اسطرح ہر نقص کمال کی طرف رواں دواں ہے۔

۲۔ کمال کیلئے نقص کا ختم ہونا ضرور ہے موت اور زوال کا بھی یہی فلسفہ ہے۔

۳۔ یہ نظام عالم مسلسل آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ معلوم نہیں پہلے کتنے دور گزر چکے ہیں ہر دور اپنی مدت پوری کر کے ترقی یافتہ دور کیلئے جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح یہ دور بھی اپنے کامل تر اور خوب تر کیلئے جگہ چھوڑ دے گا اور خود فنا

ہو جائے گا وہاں کوئی دوسرا نظام قائم ہو گا اس کے ضابطے اور قانون علیحدہ ہوں گے معیار بھی اور ہو گا۔

۴۔ اس دنیا کے نظام میں بہت سی کمزوریاں ہیں اسے مزید مکمل ہونا چاہئے یہاں مادیت کا اتنا غلبہ ہے کہ بعض دفعہ حقائق چھپے کے چھپے اور دبے کے دبے رہ جاتے ہیں یہاں کبھی نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی میں نہیں ملتا یہ اس مادی دنیا کا ایک نقص ہے اس لئے عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ایک اور بھی دور ہے جہاں حقائق اپنے اصل شکل میں ظاہر ہوں گے اس آنے والے ترقی یافتہ دور میں ہر ایک کو اپنے کئے ہوئے کا بدلہ پورا پورا ملے گا وہاں کسی پر زیادتی نہ ہو گی اپنے اعمال کے مطابق اجر پائے گا۔

قرآن حکیم اور نظام عالم کا خاتمہ

ان تمام امور کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم پر نظر ڈالتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ اس میں قیامت اور بعثت ثانیہ کا کیا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس میں اس سوال کے بارے میں کیا رہنمائی ملتی ہے۔

وما خلقنا السموات والارض وما بينهما الا باالحق واجل مسمى (799)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں ان سب کو مقتضائے حکمت کے مطابق اور ایک مدت مقررہ تک کیلئے پیدا کیا ہے۔

"اس نے چاند سورج کو اپنے قانون کا پابند کر دیا یہ سب ایک مدت مقررہ تک کیلئے چل رہے ہیں۔(800)

قیامت کا نقشہ قرآن حکیم میں اسطرح کھینچا گیا ہے

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور کواکب منتشر ہو جائیں گے اور سمندر پھٹ نکلیں گے اور قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔"(801)

"اور جب آفتاب کو لپیٹ دیا جائے گا اور تارے درہم برہم ہو جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے۔"(802)

"جب تارے ماند پڑ جائیں گے اور جب آسمان شق کر دیا جائے گا اور جب پہاڑ اڑائے جائیں گے۔"(803)

"جب آنکھیں پتھرا جائیں گی اور چاند گہنا جائے گا اور چاند سورج ملا دیئے جائیں گے۔"(804)

"زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ٹکرا دیا جائے گا اور ایک ہی ٹکر میں وہ پاش پاش ہو جائیں گے۔"(805)

"جس روز زمین بدل کر دوسری طرح کی زمین کر دی جائے گی اور اسی طرح آسمان بھی اور سب کے سب خدائے واحد قہار کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔(806)

سورۃ معارج میں قیامت کا لرزہ خیز نقشہ ان الفاظوں میں کھینچا گیا ہے۔

"جس دن کہ آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا پرسان حال نہ ہو گا (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے اس دن مجرم چاہے گا کہ کاش سب کچھ دے کر ہی آج کے

عذاب سے بچ جائے"(807)

سورۃ حج میں اس ہولناک دن کے بارے میں کہا گیا ہے

"لوگو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے ۔جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھلا دے گی۔ ہر حاملہ اپنے حمل گرادے گی اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ مدہوش ہیں حالانکہ وہ نشئے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہو گا۔"(808)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے

"جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا ایک جھٹکا اور اس کے پیچھے پھر دوسرا جھٹکا۔ اس دن دل کانپ رہے ہوں نگاہیں خوف زدہ ہوں گی۔"(809)

"وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔(810)

اس طرح یہ تمام نظام تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ سورج چاند زمین اور دیگر سیارے بکھر جائیں گے اور یہ ظاہر کائنات ختم کر کے ایک نیا نظام وجود میں لایا جائے گا۔

"جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے۔(811)

نظام قیامت کی تفصیلات

وہ حیات اخروی کا نظام کیسا ہو گا۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے وہ دنیا کے نظام کے نقص سے پاک ہو گا اور اسی کی تکمیل ہو گا۔ بلکہ اس کی ارتقائی اور ترقی یافتہ شکل میں ہو گا مگر مادی چیزوں کے لئے نہیں بلکہ لطیف بسیط اور مجرد حقیقتوں کیلئے وہاں خیر اور شر 'ایمان وکفر 'اخلاق و ملکات کا وزن ہو گا۔ نیتوں اور ارادوں کی پیمائش ہو گی دلوں کے اعمال ناپے اور تولے جائیں گے وہاں اس روئی کے وزن اور اس پیسے کے عدد کا حساب نہ ہو گا جو آپ نے کسی غریب کو دیا ہے بلکہ اس نیت کا حساب ہو گا جو اس بخشش کیلئے محرک ہوئی ہے۔ اس لئے وہاں کا قانون مادی نہیں عقلی ہو گا(812)

ان السمع والبصر والفواد کل اولیك کان عنه مسئولا(813)

بے شک آنکھ اور کان اور دل سب کی پوچھ گچھ ہو گی۔

"اور قیامت کے روز ہم ٹھیک وزن کرنے والے ترازو رکھ دیں گے پھر کسی نفس پر کچھ ظلم نہ ہو گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اس کو لائیں گے اور ہم حساب کرنے کیلئے کافی ہیں۔"(814)

"اس روز اعمال کا تولا جانا برحق ہے پھر جس کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہی فلاح پانے والا ہو گا اور جس کے اعملا

کاوزن ہلکا ہو گا وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خود نقصان میں ڈالا۔"(815)

"اس روز لوگ جدا جدا نکلیں گے تا کہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔"(816)

اس نظام میں مخفی اور پوشیدہ حقائق ظاہر ہوں گے۔مادیت کا پردہ اتار دیا جائے گا ہر چیز اپنے اصل رنگ میں نظر آئے گی۔

"انسان سے کہا جائے گا کہ تو اس چیز سے غفلت میں تھا اب ہم نے تیری آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا اور اب تیری نگاہ بہت تیز ہے۔"(817)

"اس روز تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز مخفی نہ رہے گا۔"(818)

وہاں ہر چیز فطری، اصلی انصاف اور عقل کے مطابق ہو گی ہر ایک کو اپنا پورا پورا حق ملے گا کسی کیساتھ کوئی زیادتی نہ ہو گی کوئی سفارش طاقت چالاکی سے کسی کا حق نہیں مار سکے گا تمام نتائج حق وانصاف کے مطابق بر آمد ہوں گے۔

"ہر نفس کو جیسا اس نے کیا ہے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔"(819)

"وہاں ہر نفس اپنے ان اعمال کو خود جانچ لے گا جو وہ پہلے کر چکا ہے۔"(820)

"ڈرو اس دن سے جب کہ ایک نفس دوسرے نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور اس کے حق میں کوئی سفارش نہ قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جا سکے گی۔"(821)

"وہ دن جبکہ ہر نفس ہر اس نیکی کو جو اس نے کی ہے اور اس برائی کو جو وہ کر چکا ہے حاضر پائے گا۔"(822)

سورۃ المومنون میں ارشاد ہوتا ہے

"پھر جب صور پھونک دیا گیا تو اس روز ان میں کوئی نسبی تعلق باقی نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے جن کے اعمال کا پلہ بھاری ہو گا وہی لوگ فلاح پائیں گے اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا"(823)

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم(824)

اس دن جبکہ نہ مال کچھ نفع دے گا اور نہ اولاد نجات صرف اس کی ہو گی جو خدا کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہو گا

سورۃ الانعام میں اس دن کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

"تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جیسا ہم نے تم کو پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا ہم نے تم کو جو کچھ ساز و سامان دیا تھا اس سب کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم اپنی پرورش اور رزق بخشی میں خدا کا شریک سمجھتے تھے تمہاری درمیان سب رابطے ٹوٹ چکے ہیں اور باطل ہو چکے ہیں(825)

"قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمارے لئے کچھ بھی نافع نہ ہو گی اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو وہ دیکھتا ہے۔"(826)

"وہ دن جبکہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ بیوی اور بچوں سے بھاگے گا اس روز ہر شخص اپنے اپنے حال میں مبتلا ہو گا۔"(827)

اس دنیاوی نظام میں انسان پوری طرح اعمال کے مطابق جزاو سزا نہیں پاتا یہاں کئی بیرونی اثرات اور ذاتی مفادات کی وجہ سے استحقاق سے محروم ہو جاتا ہے۔ایک شخص نیکی کرتے کرتے تھک جاتا ہے لیکن پھر بھی مصائب اور تکالیف سے نہیں نکل سکتا یہاں ایک شخص ظلم و ستم اور فسق و فجور کی زندگی بسر کر کے خوشحالی اور دنیاوی مفاد پالیتا ہے۔ اس لئے اس خامی کو دور ہونا چاہئے۔اخروی نظام میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو گا۔ جزاو سزا کا صحیح نظام قائم ہو گا۔

"کیا بدکاریاں کرنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے برابر کردیں گے اور ان کی زندگی و موت یکساں ہو گی ؟ یہ کیسی بری بات ہے جس کا وہ حکم لگاتے ہیں۔"(828)

ولکل درجات مما عملوا(829)

ہر ایک کیلئے ویسے ہی درجات ہوں گے جیسے انہوں نے عمل کئے

"جنت پرہیز گاروں کے قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے کردی جائے گی۔"(830)

انکار آخرت کی خرابیاں

عقیدہ آخرت محض مابعد الطبیعات یا فلسفیانہ مسئلہ نہیں بلکہ اس کے اقرار یا انکار سے انسان کے زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس پر ایمان لانے سے انسان اپنے آپ کو ذمہ دار اور جولبدہ اس عقیدہ کو نہ ماننے سے غیر ذمہ دار اور غیر مسئول ہستی تصور کرتا ہے۔ عقیدہ آخرت کا منکر جھوٹ 'غیبت' دھوکہ فراڈ' ظلم تعدی' بے ایمانی خیانت بے حیائی فحاشی اور بدکرداری سے اس حد تک پرہیز کرتا ہے جب تک کہ ان کے نقصانات اس زندگی پر ظاہر ہو ورنہ وہ ان کو جائز تصور کرے گا اور ان کا مرتکب بھی ہو جائے گا۔ قرآن حکیم نے اسی لئے اس عقیدے کے منکر کی خرابیاں ایک ایک کر کے بڑی تفصیل سے بتائی ہے۔

ا۔ زندگی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے انسان ہر وقت جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل چاہنے لگتا ہے اور اس کیلئے غلط دلائل کا سہارا لیتا ہے۔ غیر ذمہ دارنہ رویہ اختیار کرلیتا ہے۔اور فرعونی طبیعت اپنالیتا ہے اور انسان سے جولبدہی کا تصور جاتا رہتا ہے۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہ لائے جاؤ گے۔"(831)

ایحسب الانسان ان یترک سدی(832)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔

"کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔"(833)

۲۔ یہ شخص دنیا کی ظاہری نمود و نمائش میں کھو جاتا ہے اسی کو منزل خیال کرتا ہے۔ خام خیالی اور دھوکہ میں مبتلا رہتا ہے۔ابتدائی چھوٹی اور سطحی چیزوں کے پیچھے دوڑتا ہے اور ان ہی کو زندگی کا مقصد قرار دے لیتا ہے۔

"وہ دینوی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو غافل ہی ہیں۔(834)

"جولوگ ہم ملنے کی امید نہیں رکھتے اور حیات دنیا سے راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں۔"(835)

"ہر گز نہیں تم تو فوری حاصل ہونے والے نتائج کو پسند کرتے ہو اور آخرت کو نتائج کو چھوڑ دیتے ہو۔"(836)

"تم حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور زیادہ پائیدار ہے۔"(837)

وغرتهم الحيوة الدنيا (838)

ان کو حیات دنیا نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے

۳۔ دنیا کے اس ظاہری تصور کو اختیار کرنے سے اخلاقی اقدار کا نظریہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے انسان دنیا کے غلط اور نقصان دہ فوری فوائد کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اور ان کو اپنانے لگتا ہے اور اخروی فوائد جو دیرپا اور دائمی ہیں ان کو نظر انداز کر دیتا ہے اسطرح دنیا کی جدو جہد غلط راستے پر لگ جاتی ہے اور اس کی تمام محنت اکارت جاتی ہے۔

"جولوگ دنیاوی زندگی ہی کے فائدوں کو چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ کاش ہم کو بھی وہی ملتا جو قارون کو دیا گیا وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں کہا کہ تم پر افسوس! اللہ کا ثواب اس شخص کیلئے بہت اچھا ہے جو ایمان لایا اور جس نے نیک اعمال کئے"(839)

"جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کیلئے ہم ان کے کرتوتوں کو خوش نما بنا دیتے ہیں اور بھٹکتے پھرتے ہیں"(840)

"کیا یہ لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں تو گویا ان کیلئے بھلائیوں میں سرگرم ہیں مگر یہ لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔"(841)

"کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ ٹوٹے میں کون لوگ ہیں وہ جن کی کوشش حیات دنیا میں بھٹک گئیں مگر وہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا اس لئے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔(842)

۴۔ منکر آخرت، متکبر، سرکش، ضدی اور خود سر ہوتا ہے اور دین حق کے خلاف چلتا ہے۔ حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا راہ خدا کا مخالف ہوتا ہے محض دنیاوی مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے اخروی نتائج کی پرواہ نہیں کرتا۔

"جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل حق بات سے انکار کرنے لگتے ہیں اور وہ متکبر ہو جاتے ہیں۔ (843)"

"فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے تکبر کیا اور سمجھنے لگے کہ وہ ہمارے پاس واپس نہ

لائے جائیں گے۔"(844)

سورۃ اعراف میں فرمایا گیا ہے

میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کی نگاہ پھیر دوں گا جو زمین میں حق کے بغیر تکبر کرتے ہیں وہ خود کوئی آیت دیکھ لیں اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر راہ راست کو دیکھیں گے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر غلط راستے کو دیکھیں گے تو اس پر چل پڑیں گے یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے اور جو لوگ ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلائیں گے ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے کیا ان کو ویسا ہی بدلہ نہ ملے گا جیسے انہوں نے عمل کئے ہیں (745)

۵۔ ان لوگوں کی زندگی کے معاملات میں دوہرا معیار ہوتا ہے اپنے لئے کچھ اور دوسرے کیلئے کچھ اور اپنی ذات کیلئے فائدہ اور دوسرے کیلئے نقصان۔

"تباہی ہے ان بد معاملہ لوگوں کیلئے جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پورا ناپ تول کر لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ ایک بڑے دن اٹھائے جانے والے ہیں۔"(846)

۶۔ وہ بخیل، خود غرض، تنگ نظر، ریاکار اور ذکر خداوندی سے کورا ہوتا ہے

"کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو روز جزا کی تکذیب کرتا ہے وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں ابھارتا پھر افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں تو دکھانے کیلئے اور چھوٹی چھوٹی عام ضرورت کی چیزیں بھی لوگوں کو دینے میں دریغ کرتے ہیں"(847)

غرض آخرت کا منکر ظلم تعدی گناہ اور دوسرے کا حق مارتا ہے۔

وما یکذب به الا کل معتد اثیم (848)

یوم الجزاء کی تکذیب نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو حق سے تجاوز کر گیا اور گناہوں میں پھنس گیا۔

یہ عقیدہ آخرت کے انکار کے وہ نقصانات ہیں جو اسلام بیان کرتا ہے اور یہ حقائق تو اس مادی ترقی یافتہ اور روشن خیالی کے دور میں ہم محسوس بھی کرتے ہیں۔

اب اس پر نظر ڈالتے ہیں اسلام نے اس نظریہ کی کیا حقیقت بتلائی ہے اور اسے کسطرح بیان کیا ہے اور اس کے انسانی کردار اور اخلاق پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔

دنیا عارضی آخرت دائمی

اسلام نے اس دنیا کو عارضی قیام گاہ بتایا ہے یہاں ہم نے مسافرانہ زندگی گزارنی ہے اس میں اتنا غرق نہ ہو جائے کہ اس کے بعد کی اخروی اور دائمی زندگی کو بھول جائے اس کے تمام فائدے عارضی اور قلیل ہین ان کے مقابلے میں بیش قیمت اور ہیشگی کے مفاد کو یاد رکھا جائے جو شخص اس دنیا کے سامان اور لذتوں کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور اگلی دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جاتا

ہے وہ دراصل بہت ہی گھاٹے کا سودا کر رہا ہے اسی طرح جو شخص اس دنیا کے نقصان کو ہی اصل میں نقصان جانتا ہے اور اس کے خاطر آخرت کا سب کچھ لٹا دیتا ہے وہ بھی بہت بڑا بے وقوف اور کم عقل ہے اسی بات کو قرآن حکیم نے بہت زور اور تاکید سے سمجھایا ہے ملاحظہ ہو۔

ماھذہ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاخرة لھی الحیوان(849)

یہ دنیا کچھ نہیں مگر لہو و لعب اور اصل زندگی کا گھر آخرت ہی ہے۔

"کہو اے محمد (ﷺ) کہ متاع دنیا تھوڑی سی ہے اور آخرت اس کیلئے بہتر ہے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرے"(850)

"کیا تم کو آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے دنیا کی زندگی کے سامان کو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں"(851)

"تم حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔"(852)

"جن لوگوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے وہ اپنی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دی گئی تھیں وہ مجرم ہوئے۔"(853)

آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو اپنی اس زندگی کے پورے پورے بدلے قیامت کے دن ملنے والے ہیں پس اس روز جو شخص آگ کے عذاب سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی اصل میں کامیاب ہوا۔ اس دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے (854)

سورۃ حدید میں اس حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے

جان لو حیات دنیا تو اس کی سوا کچھ نہیں ہے کہ اس میں کھیل اور کود اور زینت اور آپس کا تفاخر اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ اس سے کھیتی لہلہاتی ہے اور کسان اس کو دیکھ کر خوشیاں مناتا ہے پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے اور تو دیکھتا ہے کہ وہ زرد پڑ گئی اور آخر کار روند ڈالی گئی اس کے بعد آخرت کی زندگی ہے جس میں کسی کیلئے سخت عذاب ہے اور کسی کیلئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی۔ پس دنیا کی زندگی محض ایک دھوکے کا سامان ہے(855)

"اور یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔"(856)

"تم حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"(857)

"پھر جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت کا ٹھکانہ ہے۔"(858)

سورۃ آل عمران میں آخرت کی طرف رغبت اس طرح دلائی گئی ہے۔

"لوگوں کیلئے عورتوں اور بچوں اور سونے چاندی کے ڈھیروں اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں اور جانوروں اور کھیتوں کی محبت خوشنما بنادی گئی ہے یہ دینوی زندگی کی متاع ہے مگر اللہ کے پاس اس سے اچھا ٹھکانہ ہے کہ دیجئے کیا میں تمہیں اس سے بہتر متاع دوں ؟ جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو پاکیزہ ازدواج ملیں گے اور وہ اللہ کی خوشنودی سے سرفراز ہوں گے (859)

اسلام کی آخرت کے بارے میں یہ تعلیمات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ انسان کی بشوق و رغبت اور بلا جبر دکراہ ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہئے جو اس عقیدہ کو نقصان پہنچاتی ہوں خواہ دنیا کے لحاظ سے ان کا فائدہ کتنا ہی زیادہ ہو۔

دنیاوی اعمال کا محفوظ ریکارڈ اور حساب کتاب

اس سلسلے میں ایک نہایت موثر نصیحت اور دل نشین اور انصاف والی بات یہ بتائی گئی ہے کہ انسانی زندگی کا تمام کردار اور اس کے ردل ریکارڈ محفوظ کیا جارہا ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی جارہی یہ جوں کا توں جمع کیا جارہا ہے اور آخرت میں اس کی تمام اصل تصویر دکھادی جائے گی جس کے مطابق تمہاری قسمت کا فیصلہ ہوگا تمہاری کامیابی اور ناکامی کا انحصار اسی ریکارڈ پر ہوگا جیسا کروگے ویسا بھروگے وہاں کوئی دوستی سفارش رشتہ داری اور دوست سے کام نہیں نکل سکے گا۔

"تم میں سے جو شخص چھپا کر بات کرتا ہے اور زور سے بولتا ہے اور جو شخص رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہے اور جو دن کی روشنی میں چل رہا ہے دونوں یکساں ہیں بہر حال ہر ایک کے آگے اور پیچھے نگرانی والے لگے ہوئے ہیں اور وہ خدا کے حکم سے اس کی ہر بات ثبت کررہے ہیں۔" (860)

"نامہ اعمال پیش ہوگا تو اس میں جو کچھ لکھا ہوگا تم دیکھو گے کہ مجرم اس سے ڈریں گے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس !اس کتاب کا کیا حال ہے کہ کوئی چھوٹی یا بڑی بات نہیں چھوڑتی سب اس میں موجود ہیں جو کچھ انہوں نے عمل کئے تھے ان سب کو وہ حاضر پائیں گے اعضا کی گواہی اور انسان کا اعتراف۔" (861)

وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كافرين" (862)

وہ خود اپنے خلاف شہادت دیں گے کہ وہ ناشکر گزار بندے تھے۔

یوم تشهد عليهم السنتهم وايديهم وارجلهم (863)

سورۃ حم السجدۃ میں فرمایا گیا ہے

یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی جو وہ کرتے تھے وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ؟ وہ جواب دیں گی کہ ہم کو اس خدا نے گویائی بخشی جس نے ہر شئے کو گویا کردیا ہے تم چھپا کر کام کرتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ تمہارے اعمال خود تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی بلکہ تم سمجھتے تھے تمہارے بہت سے اعمال سے اللہ بھی ناواقف ہے (864)

انسان کو اکیلا بغیر کسی دوست و احباب کے خدا کے حضور پیش ہونا ہوگا۔

"اب تم ہمارے پاس ویسے ہی یکہ و تنہا آئے ہو جیساہ نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا تم ان سب چیزوں کو چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تم کو دی تھیں۔"(865)

"ہر شخص کی برائی اور بھلائی کا نوشتہ ہم نے اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور ہم اس کیلئے قیامت کے روز ایک کتاب نکالیں گے جس کو وہ اپنے سامنے کھلا ہو پائے گا اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھ آج خود تو اپنا حساب کرنے کیلئے کافی ہے۔"(866)

رشتہ داری اور دوستی اولاد بھی کام نہ آئے گی۔

"وہ دن جب کہ نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد"(867)

"ظالموں کیلئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ کسی سفارشی کی بات مانی جائے گی۔"(868)

"قیامت کے روز نہ تمہارے نسبتی رشتہ کسی کام آئیں گے اور نہ اولاد۔"(869)

ذرہ ذرہ پیش دہگا اور اعمال کا وزن ہوگا

"ہم قیامت کے روز ٹھیک تولنے والا ترازو رکھ دیں گے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور اگر ایک رائی دانہ بھر بھی عمل ہوگا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کیلئے کافی ہیں جیسا عمل ہوگا ویسا ہی انجام ہوگا۔"(870)

الیوم تجزون ماکنتم تعملون (871)

آج تم کو ویسا ہی بدلہ دیا جاء گا جیسے تم عمل کرتے تھے۔

"ہر ایک کیلئے ویسے ہی درجے ہوں گے جیسے انہوں نے عمل کئے"(872)

یہ ربانی عدالت ہے جہاں بالکل صحیح ریکارڈ ور گواہ پیش کئے جائیں گے اس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی کوئی غلط بیانی اپنی چالاکی ہوشیاری۔ سفارش اثرات تعلقات سے نہیں چھوٹے گا۔ ہر ایک کیساتھ انصاف ہوگا۔

عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر اثرات و فوائد

ایک صالح معاشرے کی تشکیل کیلئے یہ عقیدہ بہترین ذریعہ ہے یہ وہ پولیس اور عدالت ہے جس سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اس سے جرم نہ ہونے کے برابر ہو جاتے ہیں اور اگر کسی سے کوئی زیادتی سرزد بھی ہو جائے تو وہ خود سزا کے لئے پیش ہو جاتا ہے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے کیا خوب فرمایا ایمان بالیوم الآخر کے ذریعہ سے انسان کے نفس میں ایک ایسے طاقت در ضمیر کی تشکیل ہوتی ہے جو کسی بیرونی لالچ اور خوف کے بغیر انسان کو آپ سے اپ ان نیکیوں کی طرف راغب کرتا ہے جن کو اسلام نے آخری نتائج کا لحاظ کرتے ہوئے گناہ ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ اس عقیدہ کو مکارم اخلاق کی تعلیم کیلئے استعمال کیا گیا ہے"(873)

نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت

یہ عقیدہ انسان میں نیکی سے محبت اور بدی سے پرہیز کا جذبہ پیدا کرتا ہی انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ ہر اچھائی اور برائی کا ریکارڈ جمع کیا جارہاہے مرنے کے بعد ایک دن اسے اس کے مطابق جزاوسزا ملے گی سطرح نیکی شوق ورغبت سے کرتا ہے اور برائی سے نفرت پیدا ہوتی ہی کیونکہ اس کا یہ یقین ہوتا ہے کہ میں نے خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔

واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم ملقوہ"(874)

اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔

سر فروشی اور بہادری کا جذبہ

راہ خدامیں سر فروشی پیدا ہوتی ہے اسطرح ایک انسان دین کے تقاضوں کے مطابق بہادر جانباز نڈر اور جرات مند ہوجاتا ہے بڑی بڑی آزمائش اور مصائب میں بہادری سے مقابلہ کرتا ہے یہاں تک کہ میدان جنگ میں موت سے بھی نہیں ڈرتا غازی کی زندگی بسر کرتا ہے شہدی کی موت پاتا ہے کیونکہ یہ اس کا ایمان ہے۔

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں تمہیں اس کا شعور نہیں۔"(875)

"جو لوگ سمجھتے تھے کہ انہیں اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔"(876)

صبر و تحمل کا پیکر

عقیدہ آخرت رکھنے سے انسان صبر و تحمل کی تربیت پاتا ہے، بڑی بڑی آزمائش اور تکالیف ہمت اور حوصلے سے برداشت کرتا ہے اس لئے کہ صلوت رحمت اور ہدایت ایسے شخص کیلئے اللہ تعالی کی خاص عنایات ہیں۔

"یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔"(877)

"اللہ کی راہ میں جو مصائب ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوتے انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سر نگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔"(878)

نیک کاموں میں خرچہ

اس عقیدہ سے نیک کاموں میں مال خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ایسا شخص دولت پر سانپ بن کر نہیں بیٹھتابلکہ دولت کو اللہ کی امانت تصور کرتا ہے۔ اس لئے اللہ کاموں میں اور جائز مقامات پر دوست خرچ کرتا ہے۔

"جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا پورا اجر تم کو ملے گا اور تمہارے ساتھ ظلم نہ ہوگا۔"(879)

"اے ایمان والو جو کچھ مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے وہ دن آئے جن میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی کام آئے گی نہ سفارش چلے گی۔"(880)

آخرت کو دنیا پر ترجیح

مومن اپنے عمل کو آخرت کے لحاظ سے دیکھتاہی۔ لالچ خود غرضی۔ حرص ہوس کو چھوڑ کر انصاف حق دار۔ ایثار قربانی کے اصولوں کو پیش نظر رکھتاہی۔ دنیاوی مفاد عارضی اور وقتی تصور کرتا ہے۔ اخروی نجات کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

جیسا کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"اے نبی دنیا کے ملکوں میں خدا کی نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ محض چند روزہ زندگی کا لطف ہے پھر سب جہنم میں جائے گے بدترین جائیں قرار ہے برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں ان کیلئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے ان کے لئے اور جو کچھ اللہ کے پاس نیک لوگوں کیلئے ہے وہی سب سے بہتر ہے۔(881)

مثالی معاشرہ

جس معاشرے میں آخرت کا تصور جڑ پکڑتا ہے وہاں سے ہر قسم کی برائی اور خرابی تقریباً ختم ہو کر رہ جاتے ہے۔ اس معاشرے سے چوری ڈاکہ 'زنا' فحاشی 'عریانی' قتل' دھوکہ 'استحصال' فراڈ' ظلم وزیادتی' رشوت' جوا' سود' لوٹ مار' منافقت' حسد' بغض' عداوت' دشمنی غرض کے ہر قسم کی اخلاقی معاشرتی تجارتی معاشی سیاسی برائیاں مٹ جاتی ہیں اور یہ معاشرہ مثالی بن جاتا ہے بلکہ انقلابی بن جاتا ہے۔ اور یہاں معاشرتی معاملات خوشگوار اور بھائی چارے کے ہوتے ہیں آپس میں میل جول محبت وشفقت اور ہمدردی کے جذبات پائے جاتے ہیں حقوق وفرائض کی ادائیگی مثالی بن جاتی ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ اسکی مدد کرتا ہے اور اخوت کے جذبات اس معاشرے میں پروان چڑھتے ہیں۔

خوف خدا

انسانی کردار کی تشکیل میں خوف خدا ایک اہم عنصر ہے اس جذبہ کی وجہ سے انسان بہت سی برائیوں سے بچتا ہے انسان پر احساس خداوندی طاری ہو تو اس کی کردار سازی ہوتی رہتی ہے یہی نماز پانچ وقت کا فلسفہ۔

ان الصلوة تنهى عن والفحشاء والمنكر(882)

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

غرض عقیدہ آخرت انسان میں خوف خدا اور تقویٰ پیدا کرتا ہے

واتقو ايوماً ترجعون فيه الى الله (883)

اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کے پاس لوٹ جاؤ گے۔

احساس ذمہ داری

یہ عقیدہ احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے ہر کام انسان سوچ سمجھ کر کرے گا وہ غلط قدم نہیں اٹھائے گے اپنے فرائض کو محنت دیانت داری اور خلوص سے سرانجام دے گا اس طرح اس میں فرض شناسی کا جذبہ پیدا ہوگا کیونکہ اسے یوم آخرت کا احساس ہر وقت دامن گیر ہوتا ہے۔

"(یہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں) جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس بڑے دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی عام اور ہمہ گیر ہوگی۔۔۔۔۔وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا خوف رکھتے ہیں (884)"۔

ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب(885)

اور وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔

راہ خدا میں نکلنا

اس عقیدہ کا قائل دنیا کے ساتھ اخروی نجات کے کاموں میں بھی وقت دیتا ہے گر اسے جہاد فی سبیل اللہ تبلیغ کیلئے بلاوا آجائے تو وہ دنیا کو چھوڑ کر دینی اور ملی ضرورت کے تحت ان کار خیر میں بھی شریک ہو جاتا ہے۔

"اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے راہ خدا میں نکلنے کیلئے کہا گیا تو زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دینوی زندگی کا یہ سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔"(886)

تقابلی جائزہ

انسان کے تین گھر ہیں ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں اور دوسرا درمیانی عالم موت یا عالم قبر جس کا نام برزخ ہے اور تیسرا اس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دار آخرت کہتے ہیں۔ یہودیوں کے یہاں اصلی زور اسی دنیا کی جزا وسزا پر ہے ان کے ہاں تیسرے کا ذکر بہت کم اور دوسرے کا مطلق نہیں اور عیسائیوں میں پورا زور تیسری منزل کی سزا و جزاء پر ہے اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموش ہے لیکن وحی محمدیؐ کی تکمیل نے ان تینوں گھروں کو انسانی سزا و جزا کا مقام قرار دیا۔ انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزاء وسزا تو اسی دنیا میں کامیابی و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے گو اس کامیابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو۔ اس کے بعد جب انسانی روح دوسری منزل میں قدم رکھتی ہے تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و سزا کا منظر دیکھ لیتا ہے اسکے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا اور پھر نئی زمین اور آسمان بنے گا تو فانی انسان کو دائمی زندگی کیلئے پیدا کیا جائے گا اور اس وقت وہ اپنے اعمال کی پوری جزا و سزا پائیں گے(887)

اناجیل قیامت اور برزخ کی تفاصیل سے خالی ہے۔ سید سلیمان ندوی کے فرمان کے مطابق انجیل میں مرنے کے بعد اور قیامت کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت میں اور کیفیت میں رہے گی مذکور نہیں(888)

لیکن اسلام نے فطرت کی پکار کے اس موضوع پر مکمل روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں کوئی پہلو اس نے نہیں چھوڑا پچھلے صفحات میں ان کا خلاصہ پیش کیا جا چکا ہے غرض دنیا برزخ اور قیامت کی پوری پوری تفصیلات آخری آسمانی کتاب قرآن حکیم اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔

حضرت مسیحؑ کے زمانہ نبوت میں یہودیوں کے دو فرقے تھے جن میں ایک صدوقی تھا جس پر یونانی فلسفہ کے اثر ہو گیا تھا اس لئے وہ قیامت اور حیات اخروی کا منکر ہو گیا(889)

لیکن دوسرا فرقہ فریسی (علیحدہ رہنے والا) تھا یہ اپنے پرانے عقیدے پر قائم رہا اور قیامت حیات اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور مانتا رہا۔ حضرت مسیحؑ کے زمانے میں فریسی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہو گی اور وہاں اہل جنت کو ان کی بیویاں واپس ملیں گی۔(810)

حضرت مسیحؑ کے دور نبوت میں یہودیوں کے یہ دونوں فرقے اس معاملے میں دست گریباں تھے۔ حضرت مسیحؑ نے صدوقیوں کے اس بارے میں غلط عقائد کا ابطال کیا اور انہیں قیامت جزا وسزا پر ایمان لانے کو کہا حضرت مسیحؑ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں جنت اور دوزخ کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔(891)

حضرت مسیحؑ کے اس جواب سے جو انہوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے بلکہ فرشتوں کی مانند رہیں گے "(892)

ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے مگر در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ اپنی زندگی کے آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انگور کا رس پیتے ہیں تو آپؑ ان سے کہتے ہیں میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں(893)

اخروی زندگی کی لازوال اور دائمی عیش و مسرت کو حضرت مسیحؑ نے آسمانی بادشاہت سے تعبیر کیا ہے اور اپنی اس بیان میں مادی لطف و مسرت کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ آسمانی بادشاہی میں انگور کا شیرہ پینے کو ملے گا(894)

اور یوحنا حواری نے اس آسمانی بادشاہت کے خواب میں سونے چاندی کے محل آب حیات کی نہر اور جواہرات کی دیواریں بھی دیکھیں وہاں رات نہ ہو گی اور وہ چراغ و سورج کی روشنی کے محتاج نہیں کیونکہ خداوند ان کو روشن کرتا ہے اور وہ ابدالآباد بادشاہی کریں گے(895)

لیکن اس آسمانی بادشاہت کو قرآن حکیم نے جنت کا نام دیا اور اس کا مکمل نقشہ ان الفاظوں میں بیان کیا ہے۔

"تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچا لیا اور ان کو تروتازگی اور سرور بخشے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی اور

نہ جاڑے کی ٹھنڈک۔ جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کررہی ہوگی۔ اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے (کہ جس طرح چاہیں انہیں توڑلیں) ان کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جارہے ہوں گے۔ شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے۔ اور ان کو ٹھیک اندازہ کے مطابق بھرا ہوگا۔ ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے۔ جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ جنت کا چشمہ ہوگا جس سلسبیل کہا جاتا ہے۔ اور سدا رہنے والے کم سن لڑکے ان کی خدمت میں گھوم رہے ہوں گے۔ اور تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اور جب تو یہ سب دیکھے وہاں نعمت و عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے ان کی پوشاک سبز نرم ریشم اور اطلس و دیبا ہوگی ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا یہ ہے تمہاری جزاء اور تمہاری کارگزاری قابل قدر ٹھہری ہے۔(896)

دوسری طرف جناب مسیحؑ یہود علماء کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

(اے سانپو اور اے سانپو کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیوں کر بھاگو گے)(897)

ایک وعظ میں دوزخ کا نقشہ کھینچتے ہیں اور بیان کرتے ہیں "اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں مبتلا ہو کر اپنی آنکھیں اٹھائیں اور دور سے ابراہیمؑ کو دیکھا اور لعزر کو اس کی گود میں اور اس نے پکار کر کہا اے باپ ابراہیمؑ مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج تا کہ وہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس آگ میں تڑپتا ہوں(898)

مکاشفات یوحنا میں دوزخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے(899)

متی کی انجیل میں اس کے دروازے بھی بتائے گئے ہیں(900)

اسی طرح جنت اور اس کی طلائی جو ہراتی تعمیر اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات میں ہے(901)

اور وہاں انگور کا رس کا بیان متی میں ہے(902)

جہنم کی آگ شدت اور اس تڑپنے کا ذکر بھی متی میں ہے(903)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کا حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی حواریوں کے خطوط میں موجود ہے

مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لے گا(904)

سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دے گا(905)

لیکن وے اس کو جو زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پر تیار ہے حساب دیں گے(906)

غرض اناجیل میں تو اس کا سرسری ذکر ہے مگر اس باب میں اسلام نے مکمل نقشہ کیا ہے اور اس کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا بلکہ گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بحثیں کیں ان کے نقائص کی تکمیل کی۔

عیسائیوں کا ایک اہم عقیدہ کفارے کا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے لئے نجات کا ذریعہ بن گئے۔ عیسائیوں کے خیال میں ہر انسان پیدائشی گنہگار

ہے۔ آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ ورثہ میں ہر شخص کے حصہ میں چلا آرہا ہے اس وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے۔ بندوں کی نجات کا طریقہ یہ نکلا کہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے گیا اسطرح تمام لوگوں کیلئے نجات کا ذریعہ بن گیا۔ عیسائیوں کی اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری قرار دے دیا۔

اسلام نے کہا کہ

کل نفس بما کسبت رھینة (907)

ہر نفس اپنے عمل کا ہاتھ میں گروی ہے (کل امری، بما کسب رھین)(908) ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالی نے انسان کو جو سر وسامان جو طاقتیں اور صلاحیتیں اور جو اختیارات دنیا میں عطا کئے ہیں وہ گویا ایک قرض ہے جو مالک نے اپنے بندے کو دیا ہے اور اس قرض کی ضمانت کے طور پر بندے کا نفس خدا کے پاس رہن ہے بندہ اس سر وسامان اور ان قوتوں اور اختیارات کو صحیح طور طریقے سے استعمال کر کے اگر وہ نیکیاں کمائے جن سے یہ قرض ادا ہو سکتا ہی تو شئے مرہونہ یعنی اپنے نفس کو چھڑا لے۔ پھر اس کے بعد دوسری طرف قرآن حکیم نے فرمایا

یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء (909)

خدا جسے چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اوپر کی دو آیات کی رو سے قانوناً اور اصولاً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے مگر خدا تعالی کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گو خدا کے بنائے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں جن کو قانون فطرت کہا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس کا حکم اور اس کی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہی اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچالیا اور دوسری طرف خدا کی قدرت تام اور رحمت عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا (910)

یہ ہے مختصر سا تقابلی جائزہ جو عقیدہ آخرت کے بارے میں اناجیل اور قرآن حکیم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے باقی تفصیلات تو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔

عقیدہ تثلیث (قرآن حکیم کی روشنی میں)

تثلیث کے بارے میں مسیحی نکتہ نگاہ کو ہم اپنے مقالہ کے باب سوم فصل دوم میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اب قرآن حکیم کی روشنی میں اس عقیدے کا جائزہ لیتے ہیں۔باری تعالی نے سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے ۔ارشاد ربانی ہے

"اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ "تین" ہیں باز آجاؤ یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ بالاتر ہے اس سے کوئی اس کا بیٹا ہے۔زمین اور آسمان کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں اور ان کی کفالت و خبر گیری کیلئے بس وہی کافی ہے۔"(911)

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"(912)

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں ایک کا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اگر یہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔"(913)

"ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لئے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا؟ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور اور سواء السبل سے بھٹک گئے۔"(914)

قرآن حکیم کی ان آیات میں تثلیث پر جس عمدگی سے تبصرہ کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔عیسائیوں نے غلو اور حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں انہیں یہ مقام دیا کہ خدا کے برابر بلکہ خدا بنا دیا محض مسیح" سے ان کی محبت تھی کہ وہ اس عقیدت میں حد سے گزر گئے اور یہی ان کا جرم ہے حالانکہ تثلیث کا عقیدہ ناقابل فہم اور ایک معمہ ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو حل ہوتا ہی نظر نہیں آتا اس کا ڈھونڈنے سے سرا ہی نہیں ملتا خود عیسائی متکلمین ایک میں تین اقانیم کے تصور کو ثابت کرنے میں بڑی زحمت محسوس کرتے رہے ہیں اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے کہ اس تصور کو عقلاً اثبات ممکن نہیں ہے عیسائی علم الکلام پر لکھنے والوں نے یہ کوشش کی ہے اس مسئلہ کو ایسا مسئلہ قرار دے دیں کہ جو انسانیت بعد میں کسی وقت سمجھے گی چنانچہ بوطرا اپنے رسالہ اصول فروع میں لکھتا ہے کہ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی عقل کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے ہو سکتا ہے مستقبل میں جب آسمان وزمین کی اشیاء بے حجاب ہو جائیں گی ہم اس مسئلہ کو زیادہ بہتر طور سمجھ سکیں اور اس

وقت تک ہم جس قدر سمجھ سکتے ہیں وہی کافی ہے(915)

غرض یہ مسئلہ عیسائی حضرات نے بہت مشکل بنا دیا ہے جو حل ہوتا ہی نظر نہیں آتا اور یہ محض حضرت یسوعؑ سے ان کی اندھی محبت اور عقیدت کا نتیجہ ہے یہ ان کا غلو ہی تھا جس نے حضرت یسوعؑ کو خدا بنا دیا۔

یہ مقام جناب مسیحؑ کو کسطرح دیا گیا اور ابتداء میں آپؑ کی ذات کے متعلق کیا عقائد تھے اور پھر تثلیث کے عقیدے کو کسطرح آہستہ آہستہ عیسائیت میں داخل کیا گیا یہ بھی ایک طویل تاریخ ہے ان ہی کے عالم کے زبانی یہ کہانی بھی سنئے۔

ایک مسیحی عالم ریورینڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں Jesus Christ کے عنوان پر ایک طویل مضمون تحریر کرتا ہوا لکھتا ہے۔

پہلی تین انجیلوں (متی مرقس لوقا) میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جا سکتا ہو کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے یسوعؑ کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھا ایسا انسان جو خاص طور پر خدا کی روح سے فیضیاب ہوا تھا اور خدا کیساتھ ایک ایسا غیر منقطع تعلق رکھتا جس کی وجہ سے اگر اس کو خدا کا بیٹا کہا جائے تو حق بجانب ہے۔ خود متی اس کا ذکر بڑھئی کے بیٹے کی حیثیت سے کرتا ہے اور ایک جگہ بیان کرتا ہے کہ پطرس نے اس کو مسیح تسلیم کرنے کے بعد الگ ایک طرف لے جا کر اسے ملامت کی(916)

لوقا میں ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ صلیب کے بعد یسوعؑ کے دو شاگرد اماؤس کی طرف جاتے ہوئے اس کا ذکر اس حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ خدا اور ساری امت نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا(917)

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگرچہ "مرقس" کی تصنیف سے پہلے مسیحیوں میں یسوعؑ کیلئے لفظ خداوند (Lord) کا استعمال عام طور پر چل پڑا تھا لیکن نہ مرقس کی انجیل میں یسوعؑ کو کہیں اس لفظ سے یاد کیا گیا ہے اور نہ متی کی انجیل میں اس کے برخلاف دونوں کتابوں میں لفظ اللہ کے زیادہ تر لایا گیا ہے۔ یسوعؑ کی آزمائش کا ذکر تینوں اناجیل اس پر زور انداز میں کرتی ہے جیسا کہ اس واقعہ کیلئے مناسب ہے مگر مرقس کی "فدیہ" والی عبادت(918)

اور آخری فصح کے موقع پر چند الفاظ کو مستثنیٰ کر کے ان کتابوں میں کہیں بھی اس واقعہ کو وہ معنی نہیں بیان کئے گئے ہیں جو بعد میں پہنائے گئے حتی کہ اس بات کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا گیا کہ یسوعؑ کی موت کا انسان کے گناہ اور اس کے کفارہ سے کوئی تعلق تھا(819)

پھر آگے یہی مصنف تحریر کرتا ہے

"یہ چیز کہ یسوعؑ اپنی ذات کو بطور نبیؑ ظاہر کرتے تھے اناجیل کی بیشتر آیات سے معلوم ہوتا ہے مثال کے طور پر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو"(920)

وہ اکثر اپنا ذکر ابن آدم کے نام سے کرتا ہے۔ یسوعؑ کہیں اپنے آپ کو ابن اللہ نہیں کہتا اس کے ہم عصر جب اس کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو غالباً ان کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو خدا کا ممسوح سمجھتے ہیں البتہ وہ اپنے

آپ کو مطلقاً بیٹے کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے مزید برآں وہ خدا کیساتھ اپنے تعلق کو بیان کرنے کیلئے بھی باپ کا لفظ اسی اطلاقی شان میں استعمال کرتا ہے۔ اس تعلق کے بارے میں وہ اپنے اپ کو منفرد نہیں سمجھتا تھا بلکہ ابتدائی دور میں دوسرے انسانوں کو بھی خدا کیساتھ اس گہرے تعلق میں اپنا ساتھی سمجھتا تھا لیکن بعد کے تجربے اور انسانی طبائع کے عمیق مطالعہ نے اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ اس معاملے میں وہ اکیلا نہیں (921)

اس کے بعد یہ مصنف لکھتا ہے

عید پنتکست کے موقع پر پطرس کے یہ الفاظ ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا یسوع کو اس حیثیت میں پیش کرتے ہیں جس میں اس کے ہم عصر اس کو جانتے اور سمجھتے تھے۔۔۔۔۔۔ انجیلوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یسوع بچپن سے جوانی تک فطری طریقے سے جسمانی اور ذھنی نشوونما کے مدارج سے گزرا انہیں بھوک اور پیاس بھی محسوس ہوتی وہ تھکتے اور سوتے بھی تھے وہ پریشان ہوتے وہ مزاج پرسی بھی چاہتے تھے انہوں نے تکلیف اٹھائی اور فوت ہوئے ان کے اگر حاضر وناظر ہونے کو تسلیم کیا جائے تو یہ چیز ہمیں موجود اناجیل کے خلاف نظر آتی ہے بلکہ اس کے دعوی کے ساتھ آزمائش کے موقع کو اور گتسمنی اور کھوپڑی کے مقام پر جو واردات گزریں ان میں سے کسی کو بھی مطابقت نہیں دی جاسکتی جب تک کہ ان واقعات کو بالکل غیر حقیقی قرار نہ دے دیا جائے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیح جب ان تمام کیفیات سے گزرے تو ان میں انسانی فطرت کے تمام اوصاف موجود تھے اور فطرت میں کوئی چیز مستثنی تھی تو وہ صرف اسی حد تک جس حد تک پیغمبرانہ بصیرت اور خدا کے یقینی شہود کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ نیز مسیح کے مختار کل کی گنجائش تو اناجیل میں اور بھی کم ہے اس بات کا اشارہ تک موجود نہیں ہے کہ وہ خدا سے الگ رہ کر خود مختار طور پر کام کرتے تھے بلکہ وہ اکثر دعا مانگتے اور ان کے یہ الفاظ یہ چیز دعا کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہیں ٹل سکتی اس بات کا صاف اقرار کرتا ہے کہ اس کی ذات بالکل خدا پر منحصر ہے۔ فی الوقع یہ بات ان انجیلوں کی تاریخی حیثیت سے معتبر ہونے کی ایک اہم شہادت ہے اگرچہ ان کی تصنیف و ترتیب اس زمانے سے پہلے مکمل نہ ہوئی تھی جب کہ مسیحی کلیسا نے مسیح کو الہ سمجھنا شروع کر دیا تھا پھر بھی ان دستاویزوں میں ایک طرف مسیح کی فی الحقیقت انسان ہونے کی شہادت محفوظ ہے۔ اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے کہ مسیح اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا (922)

پھر یہ مصنف لکھتا ہے

"وہ سینٹ پال تھا جس نے اعلان کیا کہ واقعہ رفع کے وقت اسی فعل رفع کے ذریعہ سے یسوع پورے اختیارات کے ساتھ "ابن اللہ" کے مرتبہ پر اعلانیہ فائز کیا گیا۔۔۔۔۔۔ یہ ابن اللہ کا لفظ یقینی طور پر ذاتی ابنیت کی طرف ایک اشارہ اپنے اندر رکھتا ہے جسے پال نے دوسری جگہ یسوع کو "خدا کا اپنا بیٹا" کہہ کر صاف کر دیا ہے اس امر کا فیصلہ اب نہیں کیا جاسکتا کہ آیا وہ ابتدائی عیسائیوں کا گروہ تھا یا پال جس نے مسیح کیلئے "خداوند" کا خطاب اصلی مذہبی معنی میں استعمال کیا۔ شاید یہ فعل اول الذکر گروہ کا ہو لیکن بلاشک وہ پال تھا جس نے اس خطاب کو پورے معنی میں بولنا شروع کیا پھر اپنے مدعا کو اس طرح اور

بھی زیادہ واضح کر دیا کہ "خداوند یسوع مسیح" کی طرف بہت سے وہ تصورات اور اصطلاحی الفاظ منتقل کر دیئے جو قدیم کتب مقدسہ میں خداوند یہوہ (اللہ تعالی) کیلئے مخصوص تھے اس کے ساتھ ہی اس نے مسیح کو خدا کی دانش اور خدا کی عظمت کے مساوی قرار دیا اور اسے مطلق معنی میں خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ تاہم متعدد حیثیات اور پہلوؤں نے مسیح کو خدا کے برابر کر دینے کے باوجود پال اس کو قطعی طور پر اللہ کہنے سے باز رہا(923)

تثلیث کی تعلیم مسیحیت سے نہیں بلکہ باہر سے برآمد کی گئی ہے یہ عقیدہ دوسری اقوام سے لیا گیا ہی خصوصاً یونانی فلسفہ کا اثر اس مذہب پر بہت پڑا مشہور مستشرق لیون جوتیہ کہتا ہے۔

"یہودی عقائد اور یونانی فلسفہ کے امتزاج سے صرف ایک فلسفہ ہی ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ ایک دین بھی رونما ہوا یعنی مسیحیت جس نے بہت سے یونانی افکار و آرا کو ہضم اور قبول کر لیا تھا(924)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ایک مضمون "مسیحیت" نے (Christianity) اس عقیدے پر یونانی افکار کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے۔

"عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں اس لحاظ سے یہ ہمارے لئے ایک عجیب قسم کا مرکب ہے مذہبی خیالات بائبل کے اور ڈھلے ہوئے ایک اجنبی فلسفے کی صورتوں میں۔"

باپ بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحیں یہودی ذرائع کی بہم پہنچائی ہوئی ہیں۔ آخری اصطلاح اگرچہ خود یسوعؑ نے شاذ و نادر ہی کبھی استعمال کی تھی اور پال نے بھی اس کو استعمال کیا اس کا مفہوم بالکل غیر واضح تھا تاہم یہودی لٹریچر میں یہ لفظ شخصیت اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا پس اس عقیدہ کا مواد یہودی ہے۔ (اگرچہ اس مرکب میں شامل ہونے سے پہلے وہ بھی یونانی اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا اور مسئلہ خالص یونانی اصل سوال جس پر عقیدہ بنا۔ وہ نہ کوئی اخلاقی سوال تھا نہ مذہبی بلکہ سراسر فلسفیانہ سوال تھا ان تینوں اقانیم (باپ بیٹے اور روح) کے درمیان تعلق کی حقیقت کیا ہے کلیسا نے اس کا جو جواب دیا وہ اس عقیدے میں درج ہے جو نیقیا کی کونسل میں مقرر کیا گیا تھا اور اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے وہ اپنی تمام خصوصیات میں بالکل یونانی فکر کا نمونہ ہے(925)

تثلیث جیسے نظریات دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں دراصل یہ عقیدہ بھی انہی مذاہب سے ماخوذ ہے ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں "یہ عقیدہ کوئی نیا عقیدہ بھی نہیں بلکہ اس طرح کے عقائد دوسرے مذاہب اور نظریات میں بھی پائے جاتے ہیں مثلاً

الف۔ قدیم مصری تہذیب میں ہمیں سینٹ ہورس اور شو (ہوریس۔ اوزدربس۔ ایزیس) کے نام ملتے ہیں جو الگ الگ قوتوں کے مالک ہیں۔

ب۔ بابلی تہذیب میں الو، ایا اور بیل تین الگ الگ دیوتا ہیں جو آسمان پانی اور زمین کے دیوتا ہیں

ج۔ اہل یونان کے ہاں یہ تین دیوتا زیوس۔ پوزیڈن اور ہیڈس کے ناموں سے مشہور تھے۔

د۔ اہل روم میں یہ تین جن کا تعلق مختلف قوتوں سے تھا جیپٹر (Jupiter) مشتری ۔ نیپچون (Neptune) اور پلاٹو (Pluto) کہلاتے تے اور ہندوؤں کے عقیدہ تری مورتی کی رو سے یہ تین دیوتا برہما وشنو اور شیو ہیں (926)

نظریہ تثلیث کے بارے میں عیسائیوں کی وقتاً فوقتاً کونسلیں منعقد ہوئیں اس میں اس کے متعلق طویل بحث و مباحثہ ہوا اور آہستہ آہستہ ان اجلاسوں میں اس کو ایک نئی شکل دیتے گئے۔ اس نظریہ کا ارتقاء اسطرح ہوا۔

۱۔ نیقیہ کی پہلی کونسل (۳۲۵ء) میں طے پایا کہ مسیح فقط خدا ہیں اور روح القدس طبیعت مسیح وغیرہ جیسے مسائل بعد کے اختلافات سے سامنے آئے۔

۲۔ قسطنطنیہ کی پہلی کونسل ۳۸۱ء میں طے ہوا روح القدس بھی معبود ہے لیکن وہ خدا کی مخلوق ہے۔

۳۔ افسس کی کونسل ۴۳۱ء میں طے پایا کہ مسیح کی دو طبیعتیں ہیں ایک لاہوتی (الہی) دوسری ناسوتی (انسانی) یہ نسطور کے اس عقیدہ کے خلاف طے ہوا کہ مسیح الہ نہیں۔

۴۔ خلقیدونیہ کی کونسل ۴۵۱ء میں طے کیا گیا کہ دونوں طبیعتیں الگ ہیں ایک لاہوتی اور دوسری ناسوتی جن کے ذریعہ مسیح کا خدا اور انسانوں سے واسطہ ہے۔ اسی کونسل میں تثلیث کا نظریہ بھی تسلیم کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی یہ دینی جنگ ختم نہ ہوئی اور کونسلیں ہوتی رہیں مختلف تجاویز سامنے آتی رہیں اور اصل مسیحیت ختم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ۶۰۰ء میں اسلام جلوہ گر ہوا (927)

ان ہی کونسلوں میں نظریہ تثلیث کے ارتقاء کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ایک اور مضمون تاریخ کلیسا کی یہ عبارت قابل غور ہے۔

"تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر "کلام" کا جسدی ظہور تو مان لیا گیا تھا تاہم بکثرت عیسائی ایسے تھے جو مسیح کی الوہیت کے قائل نہ تھے چوتھی صدی میں اس مسئلہ پر سخت بحثیں چھڑی ہوئی تھیں آخر کار ۳۲۵ء میں نیقیا کی کونسل نے الوہیت مسیح کو باضابطہ سرکاری طور پر اصل مسیحی عقیدہ قرار دیا اور مخصوص الفاظ میں اسے مرتب کر دیا اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک جھگڑا چلتا رہا لیکن آخر فتح نیقا ہی کے فیصلے کی ہوئی جسے مشرق اور مغرب میں اس حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا کہ صحیح العقیدہ عیسائیوں کا ایمان اسی پر ہونا چاہیئے۔ کی الوہیت کیساتھ روح کی الوہیت بھی تسلیم کی گئی اور اسے اصطباغ کے کلمہ اور رائج الوقت شعائر میں باپ اور بیٹے کے ساتھ جگہ دی گئی اس طرح نیقیا میں مسیح کا جو تصور قائم کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدہ تثلیث اصل مسیحی مذہب کا ایک جزلانیفک قرار پا گیا۔"

پھر اس دعوی پر کہ "بیٹے کی الوہیت مسیح کی ذات میں مجسم ہوئی تھی ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوا۔ جس پر چوتھی صدی میں اور اس کے بعد بھی مدتوں تک بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ یہ تھا کہ مسیح کی شخصیت میں الوہیت اور انسانیت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ ۴۵۱ء میں کالیسڈن (Chalcedon) کی کونسل نے اس کا یہ تصفیہ کیا کہ مسیح کی ذات میں دو مکمل طبیعتیں مجتمع ہیں ایک الہی طبیعت دوسری انسانی طبیعت اور دونوں متحد ہو جانے کے بعد بھی اپنی جداگانہ خصوصیات بلا

کسی تغیر و تبدل کے بر قرار رکھے ہوئے ہیں۔ تیسری کونسل میں جو ۴۸۰ء میں بمقام قسطنطنیہ منعقد ہوئی اس پر اتنا اضافہ کیا گیا کہ یہ دونوں طبیعتیں اپنی الگ الگ مشیتیں رکھتی ہیں یعنی مسیح بیک وقت مختلف مشیتوں کا حامل ہے۔ اسی دوران میں مغربی کلیسا نے گناہ اور فضل کے مسئلہ پر بھی خاص توجہ کی اور یہ سوال مدتوں زیر بحث رہا کہ نجات کے معاملہ میں خدا کا کام کیا ہے اور بندے کا کام کیا آخر کا ۵۲۹ء میں اور ینج کی کونسل میں یہ نظریہ اختیار کیا گیا کہ ہبوط آدم کی وجہ سے ہر انسان اس حالت میں مبتلا ہے کہ وہ نجات کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھا سکتا جب تک اس فضل خداوندی سے جو اصطباغ میں عطا کیا جاتا ہے نئی زندگی شروع کرنے کے بعد بھی اسے حالت خیر میں استمرار نصیب نہیں ہو سکتا جب تک وہ فضل خداوندی دائماً اس کا مددگار نہ رہے اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت اسے صرف کیتھولک کلیسا ہی کے توسط سے حاصل رہ سکتی ہے(928)

یہ ہیں وہ نظریات جو جناب مسیح کے بارے میں مسیحی علماء نے گھڑے تھے اور یہ سب کچھ اپ کی محبت اور غلو میں کیا گیا اسی کیلئے ابتداء میں خداوند اور ابن اللہ کے لفظ ایجاد کئے گئے الوہیت کے مقام پر آپؑ کو فائز کیا گیا خدائی اصطلاحیں ان کے لئے وضع کی گئیں اور کفارے کا عقیدہ تیار کیا جبکہ مسیح نے کبھی ایسی بات نہیں کہی تھی جس سے اس قسم کے شرک کی بو آتی ہو۔ دراصل حضرت یسوعؑ کے بعد جب مسیحیت کا اپنے اردگرد کی مشرکانہ اقوام سے میل جول ہو تو انہوں ے ان عقائد کو اپنے مذہب میں سمولیا اور اس پر طرہ یہ کہ یونانی فلسفے کے زیر اثر آکر انہوں نے اپنی غلطیوں کی طرح طرح سے تاویلات کیں اور اپنے مذہب کی اصل شکل ہی بگاڑ دی اسی گمراہی کی طرف قرآن حکیم نے نشان دہی کی اور اسی کو قرآن حکیم نے آیات بالا میں کفر کہا ہے۔

مشہور فرقے

حضرت یسوعؑ کی ذات کے تعین کے سلسلے میں عیسائیوں کے بے شمار فرقے ہیں لیکن ان میں تین مشہور ہیں۔

۱۔ ملکانیہ ۲۔ نسطوریہ ۳۔ یعقوبیہ

ان کا ذکر علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں کیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

ملکانیہ

یہ فرقہ رومی بادشاہ کی طرف منسوب ہے روم کا بطرک (پوپ) آج بھی ایک بلند مقام رکھتا ہے ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کلمہ (الہی) مسیح کے جسم کے ساتھ متحد ہو گیا ان کا خیال ہے کہ کلمہ جسد کے ساتھ اس طرح مل گیا جیسے کہ شراب یا دودھ پانی کیساتھ مل جاتا ہے انہوں نے باپ سے مراد اللہ اور بیٹے سے مراد مسیح لیا ہے۔ ان کے نزدیک کلمہ سے مراد اقنوم علم ہے اور روح القدس سے اقنوم حیات ملکانیہ کے نزدیک مسیح ناسوت کلی اور قدیم ازلی ہیں۔ قتل وصلب کا عمل مسیح کے ناسوت ولاہوت ہر بیک وقت واقع ہوا۔ یہ فرقہ حشر اجساد کا بھی قائل ہے۔ یعنی جب حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دی گئی تو وہ

اس وقت بھی خدا تھے(929)

نسطوریہ

نسطوریہ قسطنطنیہ کے ایک مشہور فلسفی پیٹرک نسطوریوس کی طرف منسوب ہیں جو پانچویں صدی عیسوی میں گزرا اس کا نظریہ تھا کہ مریم سے پیدا ہونے والا مسیح تھا اور خدا سے پیدا ہونے والا ازلی بیٹا مسیح کے اندر اسطرح حلول کر گیا جس طرح سورج کی روشنی بلور میں منعکس ہو جاتی ہے اس کے لاہوتی مسیح اور ناسوتی مسیح الگ الگ چیزیں ہیں یہ کہتے ہیں کہ مسیح کا قتل ناسوتی طور پر ہوا تھا لاہوتی طور پر نہیں ہوا تھا اس لئے مسیح کو خدا کی طرف سجدہ کرنا جائز ہے۔ اس کے نظریات پر غور کرنے کیلئے شہر افسس میں تیسری کانفرنس بلائی گئی اس کونسل نے نسطوریوس کو کافر قرار دیا لیکن انطاکیہ کا پیٹرک یوحنا اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے اس فیصلہ کی مخالفت کی جس کے نتیجہ میں عرصہ دراز تک عیسائی علماء میں تفرقہ پڑا رہا بالآخر ان پارٹیوں میں صلح ہوئی تو بادشاہ نے نسطوریوس کو جلا وطن کر دیا اور اس نے ۴۵۱ء میں وہیں انتقال کیا اس کے بعد نسطوری فرقہ کے لوگ شام ترکی اور ایران کے غیر متمدن علاقوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے رہے اب تک ان لوگوں کے کلیسا بے انتہا بد صورت اور اندھیرے ہوتے ہیں یہ فرقہ اکثر تعلیم سے دور رہا(930)

یعقوبیہ

یہ فرقہ یعقوب برذعانی کی طرف سے منسوب ہے اس کا بطرک (پوپ) مصر میں رہتا تھا جو ۵۰۰ء سے کچھ قبل پیدا ہوا اس کا نظریہ تھا کہ مسیح جس طرح دو جوہروں لاہوتی اور ناسوتی سے مل کر بنا ہے اسی طرح وہ دو مستقل اقنوموں پر بھی مشتمل ہے یہ عقیدہ تمام عیسائیوں کے اس لئے خلاف ہے کہ وہ مسیح کو دو جوہر تو مانتے ہیں مگر دو اقنوم نہیں مانتے بعد میں اس فرقہ کے افراد نے اور غلو کر کے یہ کہا کہ مسیح ہی اللہ کی ذات ہے مسیح میں اور اس میں کوئی فرق نہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کی روح حضرت یسوعؑ کی جسم کے ساتھ اس طور سے مل گئی تھی جیسے کہ پانی دودھ میں مل جاتا ہے یعنی روح خداوندی اور اور جسد عیسوی اس طرح ایک دوسرے سے گھل مل گئے ہیں کہ ان کا ایک دوسرے سے الگ تشخص اور تصور نہیں ہو سکتا (931)

یہ تین فرقے عقیدہ تثلیث کے بارے میں معروف ہیں ان کے دیگر فرقے بھی ہیں لیکن ان کا ذکر کرنا یہاں طوالت کا باعث ہوگا۔

ان کی تردید میں سورۃ المائدہ کی یہ آیت قابل ذکر ہے

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے اے محمدؐ ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔"(932)

اس آیت کے ضمن میں سید قطب مسیحیوں کی پوری تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح یہ توحید سے مشرکانہ تثلیث کے عقیدے میں داخل ہوئے اور اس کے ساتھ عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی تفصیل بھی تحریر کرتے ہیں جو عقیدہ تثلیث کے بارے میں پیدا ہوئے۔ سید صاحب لکھتے ہیں "عبودیت خالصۃً اللہ کیلئے ہے یہ ہر رسول کا پیغام ہے جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے اس میں توحید سے انحراف بت پرستوں کے عیسائیت میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوا یہ لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے ساتھ لائے ہوئے مشرکانہ تصورات سے چمٹے رہے بلکہ انہوں نے عقیدہ توحید کیساتھ انہیں اس طرح گڈمڈ کر دیا کہ انہیں الگ کرنے چھانٹنے اور توحید کے اصل عقیدے کو صاف منقح کرنے کا امکان باقی نہ رہا۔

عیسائیت میں عقیدہ توحید سے انحرافات ایک وقت میں نہیں مدت ہائے دراز میں ہوئے ان میں مسلسل اضافہ مسیحی دنیا میں ہونے والی عظیم میٹنگوں میں ہوا جو یکے بعد دیگرے ہوتی رہیں ان سب کے نتیجہ میں افکار و اساطیر کا وہ عجیب و غریب ملغوبہ سامنے آیا جس کو سمجھنے میں عقلیں حیران ہیں اس محرف عقیدے کے شارحین کی عقلیں بھی جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

مسیح کے بعد توحید کا عقیدہ ان کے شاگردوں اور ان کے متبعین میں زندہ و پائندہ رہا حضرت مسیح کے بعد جو بہت سی انجیلیں لکھی گئیں ان میں سے ایک انجیل انجیل برناباس میں یسوع کو (ابن اللہ کی بجائے) رسول اللہ قرار دیا گیا ہے۔

پھر عیسائیوں کے مابین اختلافات رونما ہوئے کچھ لوگوں نے کہا مسیح اللہ کے رسول ہیں سب رسولوں کی طرح کچھ نے کہا وہ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ سے ان کا خصوصی ربط و تعلق ہے کچھ نے کہا وہ اللہ کے بیٹے ہیں کیونکہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں مگر وہ مخلوق اور اللہ کے پیدا کردہ ہیں کچھ نے کہا وہ اللہ کے بیٹے ہیں مخلوق نہیں ہیں اور رباپ ہی کی طرح قدیم و ازلی ہیں۔

ان اختلافات کے تصفیہ کے بعد ۳۲۵ء میں نیقیہ میں ایک عظیم اجلاس ہوا جس میں ۴۸ ہزار رومی قائد اور آرچ بشپ شریک ہوئے۔ عیسائیت کا ایک مورخ ابن طریق اس کا حال اس طرح بیان کرتا ہے۔

"جو لوگ مختلف عقائد و ادیان رکھتے تھے ان میں سے کچھ اس بات کے قائل تھے کہ مسیح اور ان کی ماں اللہ کے سوا دو خدا ہیں یہ بربرانی تھے اور انہیں یہ اسمنین کہتے ہیں ان میں کچھ کا عقیدہ تھا کہ مسیح کا تعلق باپ سے آگ کے ایک شعلہ کی طرح ہے جو آگ سے جدا مگر اس سے آگ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی یہ "سابلیوس" اور ان کے متعبین کا عقیدہ تھا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ حضرت مسیح مریم کے پیٹ میں نو مہینے نہیں رہے وہ ان کے پیٹ میں سے اس طرح گزرے جیسے پرنالہ سے پانی "کلمہ" ان کے کان سے ان کے پیٹ میں داخل ہوئے اور اسی وقت اس جگہ سے باہر آگیا جہاں سے لڑکا پیدا ہوتا ہے یہ الیان اور ان کے پیروؤں کا خیال تھا ان میں سے کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح ایک انسان ہیں اللہ کے پیدا کردہ اپنی اصل اور جوہر کے اعتبار سے وہ ہم ہی جیسے ہیں اور بیٹے کا آغاز مریم ہی سے ہوا اللہ نے ان کو اس سے چنا کہ انسانی جوہر کے لئے خالص ہو سکیں۔ البتہ خدائی فضل و کرم ان کے شامل حال ہوا اور محبت اور مشیت کے ساتھ ان میں حلول کر گیا

اسی لئے ان کو ابن اللہ کہا گیا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ واحد جوہر قدیم اور واحد اقنوم ہے وہ اسے تین نام دیتے تھے اور کلمہ اور روح القدس پر ایمان نہیں رکھتے تھے یہ پولس شمشالی انطاکیہ کے سب سے بڑے آرچ بشپ اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ تھا انہیں بولیقانیوں۔ کہا جاتا ہے۔ ان میں کچھ کا عقیدہ تھا ہمیشہ سے تین خدا رہے ہیں نیک بد اور تیسرا دونوں کے بیچ یہ ملعون مرقیون اور اس کے ساتھیوں کا عقیدہ تھا ان کا دعوی تھا کہ مرقیون (مرقس) حواریین کا سردار تھا وہ پطرس (سینٹ پیٹر) کے منکر تھے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ اور یہ پولوس رسول اور تین سو اٹھارہ آرچ بشپ کا عقیدہ تھا (933)

روح القدس کی الوہیت

پھر روح القدس کے سلسلے میں اختلافات رونما ہوئے کچھ نے کہا کہ وہ خدا نہیں ہے ان اختلافات کو ختم کرنے کیلئے قسطنطنیہ کا پہلا اجلاس ۳۸۱ء میں ہوا۔ اسکندریہ کے آرچ بشپ کے بیان کی بنیاد پر ابن طریق اس اجلاس کے فیصلے کو ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔

"اسکندریہ کے بڑے بڑے آرچ بشپ تیموثاؤس نے کہا ہمارے نزدیک روح القدس کی روح کے سوا کچھ نہیں ہے اور اللہ کی روح اس کی حیات کے سوا کچھ نہیں اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ روح القدس مخلوق ہے تو گویا ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی روح مخلوق ہے تو دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی حیات مخلوق ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی حیات مخلوق ہے تو ہم نے یہ بات مان لی کہ وہ ذی حیات نہیں ہے تو ہم نے اس کا انکار کیا اور کفر کیا اور جو شخص خدا کا انکار اور کفر کرے اس پر لعنت کرنا واجب ہے (934)

اس طرح اس اجلاس میں روح القدس کی الوہیت طے پا گئی جس طرح نیقیہ کے اجلاس میں حضرت مسیح کی الوہیت طے پا گئی تھی اور باپ بیٹا اور روح القدس کی تثلیث مکمل ہو گئی۔

مسیح کی الٰہی فطرت اور انسانی فطرت کے سلسلے میں اختلافات

پھر مسیح خدائی فطرت اور انسانی فطرت جسے وہ لاہوت اور ناسوت کہتے ہیں کہ مجمع ہونے کے سلسلے میں اختلافات رونما ہوئے۔ قسطنطنیہ کے سب سے بڑے آرچ بشپ نسطور کی رائے تھی کہ ایک اقنوم اور ایک فطرت ہے۔ الوہیت کا اقنوم باپ سے ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے اور ایک انسانی فطرت ہی جو مریم سے پیدا ہوئی۔ مریم انسان کی جو مسیح میں ہے ماں ہیں وہ خدا کی ماں نہیں ہیں اور مسیح کے بارے میں جو انسانوں میں ظاہر ہوتے اور جنہوں نے انسانوں کو خطاب کیا۔ ابن بطریق کی روایت کے مطابق ان کا کہنا یہ ہے

"یہ انسان جسے وہ کہتا ہے کہ وہ مسیح ہے محبت کے ذریعہ وہ بیٹے کے ساتھ متحد ہی کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ اور ابن اللہ ہے حقیقت نہیں بخشش اور فضل کے ذریعے (935)

ابن بطریق پھر کہتا ہے

"نسطور کا خیال یہ ہے کہ ہمارا رب یسوع مسیح اپنی ذات میں خدا نہیں ہے بلکہ وہ انسان ہے جو برکت اور فضل سے پر ہے یا اس پر اللہ کی جانب سے الہام ہوتا ہے اس نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا نہ اس سے کوئی غلط کام سرزد ہوا(936)

مگر روم کے بشپ اور انطاکیہ کے آرچ بشوں نے اس قرار داد کی مخالفت کی اور وہ ایک چوتھے اجلاس کے انعقاد پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس میں ایک اور اجلاس منعقد ہوا اور ابن طریق کے بیان کے مطابق اس اجلاس میں طے ہوا کہ "کنواری مریم اللہ کی ماں ہیں اور مسیح معبود بر حق اور انسان ہیں دو فطرتوں کے پہلو سے معروف مگر اقنوم میں ایک ہی ہیں "اور انہوں نے نسطور پر لعنت بھیجی۔

اس کے بعد اسکندریہ کے کلیسا نے ایک نئی رائے اپنائی جس کے لئے افسس میں ایک دوسرا اجلاس ہوا اس اجلاس نے طے کیا کہ

"مسیح ایک ہی فطرت کے حامل ہیں جس میں لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اجتماع ہو گیا ہے "

لیکن اس رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا اور تیز و تند اختلافات و نزاعات جاری رہے پھر خلقیدونیہ میں ۴۵۱ء میں ایک اور اجتماع ہوا اس میں طے ہوا کہ "مسیح کی ایک فطرت نہیں دو فطرتیں ہیں لاہوت ایک فطرت ہے اور ناسوت ایک اور فطرت ہے اور مسیح میں دونوں فطرتیں جمع ہو گئی ہیں "اور انہوں نے افسس کے دوسرے اجلاس پر لعنت بھیجی۔ اس اجلاس کی قرار داد کو مصریوں نے قبول نہیں کیا(937)

تثلیث کے بارے میں ایک اور اہم رائے

ایک اور مسیحی عالم دینیات کی تثلیث کے بارے میں خیالات سنئے

نوفل بن نعمت اللہ جرجس نصرانی اپنی کتاب سوسنۃ سلیمان میں کہتا ہے کہ نصاری کا عقیدہ جس کے سلسلہ میں کلیساؤں کے مابین اختلاف نہیں ہے وہ اصل دستور ہے جو نیقیہ کے اجلاس میں طے ہوا تھا اور وہ یہ ہے کہ واحد خدا پر ایمان رکھنا جو باپ ہے جو کائنات کا نگراں ہے آسمان و زمین اور تمام چیزوں کا جو نظر آتی اور نہیں آتی ہیں خالق ہے اور واحد رب یسوع پر ایمان رکھنا ہے جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے زمانے سے قبل باپ سے خدا کے نور سے قبل پیدا ہوا (ہمیشہ سے ہے) وہ خدائے بر حق سے پیدا شدہ خدائے بر حق ہے اور مخلوق سے نہیں پیدا ہوا وہ جوہر میں باپ کے مساوی اسی سے ہر شئے ہے ہم سب انسان اسی وجہ سے ہیں ہمارے گناہوں (کے کفارہ) کیلئے آسمان سے اترا۔ روح القدس کے ذریعہ جسم اختیار کیا کنوری مریم کے ذریعہ انسانی قالب اختیار کیا۔ پیلاطس کے عہد میں ہماری خاطر سولی پر چڑھا۔ رنج سہا قبر میں دفن ہوا اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔ جیسا کے کتابوں میں ہے۔ اور آسمان پر چلا گیا رب کے داھنی جانب بیٹھ گیا۔ عن قریب مجد د شرف کے ساتھ آئے گا تا کہ زندوں اور مردوں کو جزا سزا دے۔ اس کی بادشاہت کو فنا و زوال نہیں اور روح القدس پر ایمان رکھتا ہے رب سے پھوٹنے والا رب زندگی بخشنے والا وہ بیٹے کے ساتھ ہے اس کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے اور اس کی

بزرگی کا اعتراف کرتا ہے اور انبیاء کے ذریعہ کلام کرتا ہے(938)

اور ڈاکٹر پوسٹ Post اپنی کتاب "تاریخ الکتاب المقدس" میں لکھتا ہے کہ خدائی ذات تین برابر اقانیم سے عبارت ہے۔ اللہ باپ اللہ بیٹا اور اللہ روح القدس، سلسلہ تخلیق کے واسطے سے باپ تک پہنچتا ہے بیٹے کیلئے فدیہ (گناہوں کا کفارہ) ہوتا ہے اور روح القدس کے ذمہ تطہیر (گناہوں سے پاک کرنا) ہے(939)

اس کلام کی شرح پادری بوطر نے اپنی کتاب الاصول والفروع میں یوں کی ہے

"جب خدا نے دنیا پیدا کی اور انسان کو اس کا سر تاج بنایا تو ایک عرصے تک وہ اس کیلئے صرف اپنی وحدانیت ہی کا اعلان کرتا رہا جیسا کہ یہ تورات سے معلوم ہوتا ہے(940)

درج بالا علماء مسیحی کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

ا۔ وہ تثلیث کے قائل ہیں

۲۔ حضرت یسوعؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں

۳۔ اقانیم ثلاثہ کے جوہر ذاتی کو مساوی سمجھتے ہیں

۴۔ یسوعؑ کے نزول کا مقصد بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں

لیکن مصری پادری ابراہیم سعید اپنے رسالہ "بشارۃ لوقا" میں اقانیم کو ایک کہنے اور ولادت کو لفظی معنی میں نہیں بلکہ محبت کے معنی میں قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن اللہ کے معنی اللہ سے طبعی اور ذاتی طور پر پیدا ہونے کے نہیں ورنہ انہیں ولد اللہ (اللہ کا بچہ) کہا جاتا اور اس کے وہ معنی بھی نہیں جس کے معنی میں مسیحیوں کو خدا کے بیٹے کہا جاتا ہے اس لئے کہ خدا سے مسیح کی نسبت عام مسیحیوں جیسی نہیں اور اس سے چھٹائی بڑائی کا کوئی فرق بھی مقصود نہیں ہے نہ زمانے اور جوہر کا اختلاف بتاتا ہے البتہ وہ مسیح اور خداوند کی باہمی محبت کی ایک تعبیر ہے اس لئے کہ باپ اور بیٹے کی محبت اس کا ایک ہلکا نمونہ اور اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہی کہی جاسکتی ہے اس تعبیر سے ہمیں یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ مسیح ہی وہ واحد شخص ہیں جن کو خدا کی رضا حاصل ہے اور جنہوں نے خدائی وصیت کے پیش نظر موت کو قبول کیا اور صلیب پر چڑھ گئے اور اسی وجہ سے انجیل میں کہا گیا کہ وہ میرا محبوب بیٹا ہے جن سے میں خوش ہوں(941)

پادری ابراہیم سعید کو یہ صفائی دینے اور مسیحی تعلیمات کی فلسفیانہ تعبیر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انجیل میں حضرت یسوعؑ نے تورات کو مستند قرار دیا ہے اور تورات میں توحید کی دعوت اس کی ترغیب اور ہر قسم کے شرک اور اس کے مظاہر کی تردید آئی ہے۔ اس لئے انجیل کے شرک اور تورات کی توحید کو ہم آہنگ کرنے کیلئے مسیحی پادری ابراہیم سعید ہی کی طرح تاویلیں کرتے ہیں

شرک اور تثلیث سے متعلق انجیلوں کے ان مقامات کو دیکھا جاسکتا ہے

ا۔یوحنا ۱ : ۳۴ ۔ ۵ باب ۱۰: ۳۰ باب ۲۰ : ۲

۲۔ متی باب ۵ : ۱۷ باب ۳ : ۱۷ باب ۲۶ : ۶۳

باب ۸ : ۲۴ باب ۲۸ : ۱۹

۳۔ مرقس ۱۴ : ۶۱

انجیل سے تردید

اناجیل سے بھی اس عقیدے کی تائید نہیں ملتی۔بلکہ یہاں اس کی پرزور تردید موجود ہے یسوع کے اقوال ملاحظہ ہوں

تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر یعنی خدا(942)

خدا کے متعلق یسوع نے فرمایا اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا(943)

غرض یسوع مسیح کا خدا سے تعلق بشری تھا وہ خدا کی مخلوق تھے انجیل کہتی ہے کہ یسوع نے سولی کے دوران کہا

الوہی۔الوہی۔ لما شبقنی۔

اے میرا خدا ۔اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا(944)

ایسے الفاظ ایک انسان ہی ادا کر سکتا ہے

جناب مسیح نے اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے ہی پیش کیا آپؑ کے اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے

"جو کوئی میرے نام پر ایسے بچوں میں سے ایک کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے(945)

"یسوع نے ان سے کہا اگر تم ابراہم کے خداوند ہوتے تو ابراہم کے سے کام کرتے لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق کی بات بتائی جو خدا نے سنی ابراہام نے کہا یہ ہی نہیں کیا تھا" (946)

یسوع نے فرمایا میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں(947)

"جو کوئی میرے نام پر ایسے بچوں میں سے ایک کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے(948)

اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں(949)

"جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے (میرے) بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے(950)

میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا اسی نے مجھ کو حکم دیا کہ کیا کہوں اور کیا بولوں(951)

خدا تعالی کی اپنی خاص صفات ہیں جو انسانوں میں نہیں پائی جاتیں ہیں اور یہ الوہی صفات جناب مسیح میں نظر نہیں آئیں مثلاً

ا۔دعا کرنا انسان کی صفت ہے یہ اللہ کی صفت نہیں ہے یہ وصف یسوع میں عام پایا جاتا ہے۔

"پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا(952)
اس وقت یسوع ان کیساتھ گتسمنی نام ایک جگہ آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جا کر دعا کروں(953)
اب سوال یہ ہے کہ اگر یسوع خدا تھے تو وہ کس سے دعائیں کر رہے تھے وہ کون سی ذات تھی جس کے آگے درخواست کرتے تھے اور التجائیں فرماتے تھے کیا اناجیل کے مندرجہ بالا حوالے اس بات کے ثبوت کیلئے کافی نہیں کہ الوہیت مسیح کے عقیدہ کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

۲۔ اللہ کی ذات قادر مطلق ہے جیسا کہ فرمایا گیا
"۔۔۔۔۔۔۔۔اور میں تمہارا باپ ہوں گا اور تم میرے بیٹے اور بیٹیاں ہوں گی یہ خداوند مطلق کا ہے" (954)
لیکن حضرت یسوع قادر مطلق نہیں تھے اناجیل کے زبانی سنئے
"میں اپنے آپؑ سے کچھ نہیں کر سکتا جب سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت درست ہے۔ کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں(955)
اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا صرف تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں ٹھیک کر دیا(956)
ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اسے دیکھنے کا مشتاق تھا اس لئے کہ اس نے اس کا حال سنا تھا اور اس کا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا اور وہ اس سے بہتری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا(957)

۳۔ خدا کی ذات علیم و خبیر ہے اسے پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا علم ہے لیکن جناب مسیحؑ میں ایسی بات موجود نہیں تھی
"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ"(958)
"اس نے پھر کر پطرس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے(959)
ان سب حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع علیم و خبیر نہیں تھے ان میں خدائی صفات نہیں تھیں

۴۔ خدا کی ازلی و ابدی ہے اسے موت نہیں ہے۔
"بقا صرف اسی کو ہے" (960)
جبکہ عیسائی خود کہتے ہیں حضرت یسوعؑ نے وفات پائی اور اس طرح یہ الوہیت مسیح کے عقیدے کی خود تردید کرتے ہیں۔
جناب مسیح میں یہ خدائی صفت نظر نہیں آتی۔۔

۵۔ اللہ تعالی ہر خوف سے بلند اور پاک ہے جبکہ یسوعؑ میں یہ صفت پائی جاتی ہے انجیل کے مطابق وہ یہودیوں سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔
"پس وہ اسی روز سے اسے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے پس اس وقت سے یسوع یہودیوں میں اعلانیہ نہیں پھرا بلکہ وہاں

سے جنگل کے نزدیک کے علاقے میں افرائیم نامی ایک شہر کو چلا گیا اور اپنے شاگردوں کیساتھ وہیں رہنے گا(961)

"اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں(962)

"لیکن جب اس کے بھائی عید میں چلے گئے اس وقت وہ بھی گیا ظاہراً نہیں بلکہ پوشیدہ" (963)

اب فیصلہ کیجئے کہ ایک خوف کھانے والا اور مرعوب انسان خدا بن سکتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالی کی حکمرانی تمام کائنات میں ہے ہر چیز اور ہر جگہ پر اس کی مرضی چلتی ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر ہے لیکن یہ تمام خدائی صفات جناب یسوع مسیح میں موجود نہیں تھیں آیئے ذرا انجیل پر نظر ڈالتے ہیں

"اس نے ان سے کہا میرا پیالہ تو پیو گے لیکن اپنے داہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کیلئے میرے باپ کی طرف تیار کیا گیا ان ہی کیلئے ہے" (964)

"پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی اے میرے رب اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو" (965)

۷۔ خدا میں انسانی صفت سونے اور اونگھنے کی نہیں زبور میں آتا ہے

"وہ تیرے پاؤں کو پھسلنے نہیں دے گا تیرا محافظ اونگھنے کا نہیں دیکھ اسرائیل کا محافظ نہ اونگھے کا نہ سوئے گا(966)

لیکن انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یسوع سوتے تھے "

"تب بڑی آندھی چلی اور لہریں کشتی پر یہاں تک آئیں کہ کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خود پیچھے کی طرف گدی پر سو رہا تھا پس انہوں نے اسے جگا کر کہا اے استاد کیا تجھے فکر نہیں کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں(967)

۸۔ اللہ تعالی بے مثل اور یکتا ہے اس جیسا کوئی نہیں ہے وہ اپنی ذات میں ایک ہے لیکن حضرت یسوع ایک انسان تھے ماں کے رحم سے پیدا ہوئے۔ انہوں نے انسان کی طرح پرورش پائی۔

"اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا" (968)

"ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور وہ کہتے ہیں کہ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی۔ محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کا یار مگر حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی" (969)

"یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں" (970)

"اور اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا کہ خداوند کو ان کی ضرورت ہے وہ فی الفور انہیں بھیج دے گا" (971)

"اور ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو" (972)

"جب یسوع نے اسے اور ان یہودیوں کو جو اس کے ساتھ آئے تھے روتے دیکھا تو دل میں نہایت رنجیدہ ہوا اور گھبرا کر کہا

تم نے اسے کہاں رکھا ہے انہوں نے کہا اے خداوند چل کر دیکھ لے یسوع کے آنسو بہنے لگے" (973)

مندرجہ بالا اناجیل کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح بشر تھے اور بشری اوصاف اور تقاضوں کے مالک تھے اب ذرا غور کریں کہ ایسا انسان جو بشری اوصاف اور خامیوں کا مالک ہو جن کا ذکر اوپر اناجیل کے حوالوں سے کر آئے ہیں تو کیا حضرت یسوع کو خدا کہا جاسکتا ہے۔ کیا یہ مناسب ہو گا کہ ایسی ذات کو خدائے علیم وقدیر 'حی قیوم' بے عیب اور لم یزل قرار دیا جائے اور مذہبی عبادات میں اسی سے دعا مانگنے کو لازم قرار دیا جائے؟ نہیں ہرگز نہیں اب بھی جو لوگ الوہیت مسیح کا قائل ہیں وہ اصل میں خدا کی ذات اور صفات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔

عقلی تردید

عقیدہ تثلیث خدا باپ' خدا بیٹا اور خدا اور روح القدس تینوں ایک اور ایک تین ہیں یہ ایک عجیب اور بہت ہی ٹیڑھی سی کھیر ہے جسے آج تک مسیحی علماء صحیح طرح نہیں پیش کر سکے یہ اتنا مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے عام عقل تسلیم ہی نہیں کرتی۔ اس مسئلے کو سمجھانے کیلئے مسیحیوں نے منطق اور فلسفے کا سہارا لیا ہے لیکن پھر بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا جب عیسائی علماء نے اس پر بحث کی جاتی ہے اور اسے نہیں سمجھا سکتے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کا راز ہے۔ اظہار الحق کے مصنف مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب نے عقیدہ تثلیث کی عقلی تردید میں پوری ایک فصل تحریر کی ہے انہوں نے علم منطق کی رو سے اسی زبان میں سات دلائل تحریر کئے ہیں اور یہ دلائل بھی ویسے ہی ہیں جیسے مسیحی تثلیث کے حق میں دیتے ہیں۔ جس طرح عقیدہ تثلیث کے دلائل سمجھ میں نہیں آتے اسی زبان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جواب دیا ہے اور ان دلائل کے بعد اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

"تین آدمیوں نے عیسائیت قبول کی ایک پادری صاحب نے ان کو عیسائی مذہب کے ضروری عقائد بالخصوص عقیدہ تثلیث سکھایا یہ تینوں نئے عیسائی اس پادری ہی کے پاس رہتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز پادری کا ایک دوست ملاقات کیلئے آیا۔ اس نے پادری سے پوچھا یہ نئے عیسائی کون ہیں۔ پادری نے بتایا کہ تین اشخاص نے مذہب قبول کیا ہے۔ دوست نے کہا کیا انہوں نے ہمارے مذہب کے ضروری عقائد بھی سیکھ لئے ہیں یا نہیں' پادری نے کہا کیوں نہیں اور امتحاناً ان میں سے ایک کو بلایا تاکہ اپنے دوست کا اپنا کارنامہ دکھائے۔ چنانچہ جدید عیسائی سے عقیدہ تثلیث کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ آپ نے مجھے بتایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک آسمان میں دوسرا کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والا اور تیسرا وہ جو کبوتر کی شکل میں دوسرے خدا پر تیس سال کی عمر میں نازل ہوا (یعنی روح القدس) پادری بڑا غضبناک ہوا اور اسے یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ یہ مجہول ہے۔ پھر دوسرے کو بلایا اور اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ خدا تین تھے جن میں سے ایک کو سولی دے دی گئی اب دو خدا باقی رہ گئے ہیں اس کو بھی پادری نے غصہ میں نکال دیا۔ پھر تیسرے کو بلایا جو بہ نسبت پہلے دونوں کے ہوشیار تھا اس کو عقائد یاد کرنے کا بھی شوق تھا۔ پادری نے اس سے بھی سوال کیا تو کیا خوب جواب دیتا ہے آقا! جو کچھ مجھے آپ نے سکھایا ہے خوب اچھی طرح یاد کر لیا ہے اور خدائے مسیح کی مہربانی سے پوری طرح سمجھ گیا

ہوں کہ ایک تین ہے اور تین ایک جن میں سے ایک کو سولی دے دی گئی اور وہ مر گیا اور بوجہ اتحاد کے سب کے سب مر گئے اور اب کوئی خدا باقی نہ رہا ورنہ اتحاد کی نفی لازم آئے گی "

غرض یہ ایک حیران کن مسئلہ ہے جس میں جہلاء بھی ٹھوکر کھاتے ہیں اور علماء بھی پریشان ہیں اسی لئے امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں سورۃ نساء کی آیت تثلیث کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

عیسائیوں کا مذہب ہی مجہول ہے

پھر سورۃ مائدہ میں لقد کفر الذین قالوا ئخ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے

"دنیا میں کوئی بات عیسائیوں کی بات سے زیادہ شدید فساد والی اور ظاہر البطلان نہیں(974)

مختصر یہ کہ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث عقلی لحاظ سے سراسر غلط ہے دیکھئے ایک کا عدد واحد ہے اور تین کا عدد جمع ہے ایک اکیلے استعمال ہوتا ہے اور تین کثرت کیلئے آتا ہے ایک کبھی تین نہیں ہو سکتے اور تین کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں عددوں کی حیثیت الگ الگ ہے۔ کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ غرض ایک ایک ہوتا ہے اور تین تین ہوتے ہیں۔

یہ عقیدہ عقل سے ماوراء ہے عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہے اس پر جتنا غور و فکر کیا جائے اتنا ہی یہ پیچیدہ اور ٹیڑھا ہوتا چلا جاتا ہے اور انسان کو چکرا دیتا ہے اس کی عام تاویل تو ہو نہیں سکتی۔ عوام الناس کو ایک طرف چھوڑئے بڑے بڑے علماء اس کو سمجھ نہیں پائے۔ امام فخر الدین رازی کا مقولہ اس سلسلے میں ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں۔ لارڈ ہیڈلے نے عیسائیت کو چھوڑ کا اسلام قبول کیا وہ اس کے بارے میں کہتا ہے ایک عیسائی سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عقیدہ تثلیث کو قبول کرے لیکن وہ اس بارے میں بحث کرے تو اسے ابدی لعنت کی دھمکی دی جاتی ہے لارڈ ہیڈلے کو احساس ہوا کہ یہ کتنی کمزور بات ہے کہ جو آدمی اس عقیدے پر بحث کرے اسے لعنت کی دھمکی دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ سوال کرنے لگا کہ وہ کیسا خدا ہے جو تثلیث کے بارے میں سوال کرنے یا اس پر بحث کرنے سے متزلزل ہو جاتا ہے اور غور و فکر کرنے والے اور بحث کرنیوالے سے انتقام لینے پر اتر آتا ہے۔ اور اس کو ابدی لعنت و سزا وار قرار دیتا ہے(975)

سابقہ انبیاء کی تردید

موجود عیسائیت میں عقیدہ تثلیث اہم حیثیت رکھتا ہے مگر مقام حیرت ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم میں اس کا ذکر نہیں ملتا کسی نے بھی اس کی طرف دعوت نہیں دی اگر یہ اتنا اہم عقیدہ تھا تو کم از کم حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت یسوعؑ تک کوئی نبی تو اس بنیادی عقیدے کی تعلیم دیتا۔ بنی اسرائیل کے کل انبیاء میں سے کوئی ایک تو اس کے حق میں صریح طور پر بولتا ہو انظر آتا آخر ان کی زبانیں بنیادی عقیدے کے بارے میں گنگ کیوں ہیں؟ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ نے بھی اس کے بارے میں وضاحت سے نہیں فرمایا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ موجودہ مسیحیت کے اس کلیدی پتھر کے حامل عقیدہ کے متعلق جناب مسیح تفصیل سے کچھ نہیں فرماتے۔ اگر یہ نظریہ اہم ہوتا تو حضرت یسوعؑ اس کے متعلق علی الاعلان فرماتے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی لکھتے ہیں۔ آدمؑ سے لے کر موسیٰؑ تک گذشتہ امتوں اور قوموں میں

سے کسی ایک نے بھی تثلیث کے عقیدے کو اختیار نہیں کیا۔۔۔۔(بائبل کی) کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ گذشتہ امتوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ رہا ہی چنانچہ شریعت موسوی اور ان کی امت میں اس عقیدہ کا موجود نہ ہونا محتاج بیان نہیں جو شخص موجودہ مروجہ توریت کا مطالعہ کرے گا اس سے یہ بات مخفی نہ رہے گی۔۔۔۔اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود یسوع نے عمر بھر اپنے عروج آسمانی سے پہلے کبھی بھول کر بھی ایک بار اس عقیدہ کو بیان نہیں کیا مثلاً آپ یہ فرماتے کہ خدا تین اقنوم ہیں۔باپ بیٹا اور روح القدس اور اقنوم ابن میرے جسم کیسا تھ فلاں رشتے سے متعلق ہے یا کسی ایسے رشتے سے جس کا سمجھنا تمہاری عقلوں کے بس کا کام نہیں یا اس قسم کی اور کوئی واضح بات فرما دیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہل تثلیث کے پاس حضرت یسوع کے چند مشتبہ اقوال کے سوا اس سلسلے میں کچھ نہیں(976)

حضرت یسوع کی تعلیم دیگر انبیاء کی طرح خالص توحید پر مبنی تھی۔وہ خدا واحد کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ قرآن حکیم نے آپؑ کی تعلیم کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی لہذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے جب یسوع نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا "کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے حواریوں نے جواب دیا"ہم اللہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے گواہ رہو کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں مالک جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے مان لیا اور رسول کی پیروی کی ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"(977)

"مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ کہ بس ایک رسول تھا اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول آ چکے تھے اس کی ماں ایک راست باز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے تھے پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں ان سے کہو تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لئے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔(978)

"اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے (اور یسوع نے کہا تھا کہ) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ پس تم اس کی بندگی کرو۔یہی سیدھی راہ ہے۔"(979)

"وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے سخت بے ہودہ بات ہے جو تم لوگ گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کیلئے اولاد ہونے کا دعوی کیا۔ رحمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔"(980)

"ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سی رزق دیتا ہے یہ سماعت اور بینائی کو قوتیں کس کے اختیار میں ہیں کون بے جان میں جاندار کو اور جاندار میں بے جان کو نکالتا ہے کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے۔تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور

کیاباقی رہ گیاآخر یہ تم کدھ پھرائے جارہے ہو (اے نبی دیکھو) اس طرح نافرمانی اختیار کرنے والوں پر تمہارے رب کی بات صادق آگئی کہ وہ مان کر نہ دیں گے۔"(981)

غرض حضرت یسوعؑ کی تعلیمات خالص توحید پر مبنی تھیں انہوں نے صرف خدائے واحد کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور یہ تثلیث کا عقیدہ کبھی بھی نبوت کا حصہ نہیں رہا یہ لوگوں کا گھڑا ہوا ہے خدائی ضابطے اور قانون میں س کا کوئی حکم نہیں ہر دور میں انبیاء توحید کا درس دیتے رہے۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت یسوعؑ اور نبی آخر الزماں ﷺ سب کے سب اسی توحید کا مشن لیکر اٹھے اور اسی کی طرف لوگوں کو بلایا کرتے تھے۔

قرآن حکیم کی چھوٹی سی سورت اخلاص یہ سبق بہت ہی عمدگی سے اور وضاحت سے بیان کرتی ہے۔ الاخلاص اس سورت کا نام بھی اسی وجہ سے ہے کہ اس میں خالص توحیدبیان کی گئی ہے۔

قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد ۔(982)

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اس نے حضور اقدس ﷺ سے کہا آپ کا رب کیسا ہے کس چیز سے بنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے وہ تمام اشیاء سے جدا ہے اور اسی پر اللہ تعالی نے یہ سورت نازل فرمائی(983)

لفظ اللہ میں خالص توحید پائی جاتی ہے بقول علامہ اقبال "انفرادیت کے پیش نظر قرآن پاک نے اس کیلئے اللہ کا اسم معرفہ استعمال کیا ہے۔ انفرادیت کا کمال بھی یہ ہے کہ کسی جسم زندہ کا کوئی حصہ الگ تھلگ اپنی ہستی بر قرار نہ رکھ سکے لیکن اس صورت میں توالد و تناسل کا مطلب ہے جسم سابق کے ایک ٹکڑے کا اس طرہ منفصل ہونا کہ اس سے ایک نیا جسم وجود میں آسکے لہذا ہم کہہ سکتے ہیں انفرادیت نے خود اپنے گھر میں اپنا دشمن پال رکھا ہے لہذا اس کی ذات توالد و تناسل کے رجحان سے بالاتر ہے(984)

علامہ اقبال کے اقتباس بالا سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ خود لفظ اللہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اور سورۃ اخلاق میں ذات باری تعالی کے بیٹے ہونے کی نفی کی گئی ہے اور باپ کے بیٹے ہونے سے باپ کی ذات میں کمی ہو جاتی ہے لور اس کا ایک حصہ علیحدہ ہو کر اپنا وجود قائم کرتا ہے اس لئے اللہ کی ذات بیٹے رکھنے سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں اس مضمون کو صرف سورۃ اخلاص میں ہی بیان کرنا کافی نہیں سمجھا بلکہ متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے۔ مثلاً ذیل کی آیات پر نظر ڈالئے

"اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اس لئے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے۔"(985)

"خوب سن رکھو لوگ دراصل اپنی من گھڑت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے فی الواقع یہ قطعی جھوٹے ہیں۔"(986)

"انہوں نے اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے حالانکہ فرشتے خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ (مجرموں کی حیثیت سے) پیش کئے جانے والے ہیں۔"(987)

"لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا احسان فراموش ہے"(988)۔

"اور ان لوگوں نے کہا کہ خدائے رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ بلکہ (جن کو یہ اس کی اولاد کہتے ہیں) وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔'(989)

"اور لوگوں نے جنوں کا اللہ کا شریک ٹھہرادیا۔ حالانکہ وہ ان کا خالق ہے اور انہوں نے بے جانے بوجھے اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ "(990)

"لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالی نے کسی کو بیٹا بنایا ہے سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے تمہارے پاس اس قول کی آخری دلیل کیا ہے کیا تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔"(991)

"اور (اے نبی) کہو تعریف ہے اس خدا کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا ولی ہو۔"(992)

"اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔"(993)

ان تمام آیات میں اللہ کی اولاد ہونے کی بہت ہی واضح تردید کی گئی ہے اور اس عقیدے کے باطل ہونے کے دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن حکیم یہ بھی کہتا ہے کہ تورات انجیل اور تمام الہامی کتب اور ان کے انبیاء توحید کا درس دیتے تھے اور اس میں نجات کی راہ ہے۔

"بے شک وہ مسلمان ہو یا یہودی' صابی ہو یا عیسائی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا بے شک اس کیلئے نہ کسی خوف کا مقام ہے نہ رنج کا۔"(994)

اہل کتاب نے توحید کے تصور میں خرابی پیدا کر دی تھی۔ اللہ تعالی نے نبی آخری الزماں حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اسی بات پر انہیں دعوت دی کہ آؤ اسی پر ہم اور تم متحد ہو جائیں کیونکہ تمام انبیاء کی یہی تعلیم تھی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

"کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔"(995)

تمام کتب آسمانی کا علم رکھنے والے اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ پہچانتے ہیں کہ خدا صرف ایک ہے۔

"کہو خدا تو ہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جن میں تم مبتلا ہو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں خوئے اشتباہ پیش نہیں آتا مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خود خسارے میں ڈال دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔"(996)

یہ توحید کی تعلیم تھی جب اسے بھلایا گیا تو اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو معبوث کیا اور اس بھولے ہوئے سبق کو یاد دلایا گیا اور آپ ﷺ کی زبان سے اعلان کر دیا گیا۔

"کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اس کے آگے سر تسلیم خم کروں (اور تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شرک کرتا ہے تو کرے) تو بہر حال مشرکوں میں شامل نہ ہو۔"(997)

قرآن حکیم نے توحید پر بے شمار دلائل بیان کئے ہیں یہ خوبصورت کائنات اور اس کی موجودات سب اس پر گواہی دیتی ہیں کہ خدا صرف ایک ہے۔

"تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے (اس حقیقت کو پہچاننے کیلئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کیلئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئیں دریاؤں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جو انسان کو نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جیسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہی اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرماں بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔"(998)

"ان سے کہو ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی بڑی مصیبت آجاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم پر ٹال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔"(999)

"کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے اور اللہ تمہیں اس سے ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔(1000)

"پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہی اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے

نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے ایک جاندار سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کیلئے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو سمجھ بوجھ کر رکھتے ہیں اور وہی جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیئے پھر ان سے تہ در تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیئے جو بوجھ کے سارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آتے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔"(1001)

"ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی شریک ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے کہو وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی پھر تم یہ کس الٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو۔ ان سے پوچھو تمہاری ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو کہو وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے پھر بھلا بتاؤ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے پھر بھلا بتاؤ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کیسے الٹے فیصلے کرتے ہو۔"(1002)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہیں پھر وہ تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقرر تک کے لئے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔"(1003)

"اور وہی ہے جس نے زمین پھیلا رکھی ہے اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیئے ہیں اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور فکر سے کام لیتے ہیں اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں انگور کے باغ ہیں کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے ہیں سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"(1004)

"ان سے پوچھو آسمان و زمین کا رب کون ہے کہو اللہ پھر ان سے کہو جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے کہو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوا کرتا ہی روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا

کیا ہے اس کی وجہ سے ان پر تخلیق ک معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہی سب پر غالب ہے۔"(1005)

"بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں اس دولت خزانہ دار تم نہیں ہو زندگی اور موت ہم دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔"(1006)

"اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بنا گیا اس نے جانور پیدا کئے جن میں تمہارے لئے پوشاک ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی ان میں تمارے لئے جمال ہے جبکہ صبح تم انہیں چرنے کے لئے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو وہ تمہارے لئے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں۔ اور وہ بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کیلئے) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔"(1007)

"اور یہ لوگ جو بہت سے رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں بھی ضرور نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو سبق حاصل کرنیوالے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جن کو تم پہنا کرتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے چلتی ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔(1008)

"اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے اس نے دریا جاری کئے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں کیا تم ہوش میں نہیں آتے اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے حالانکہ وہ تمہارے کھلے سے واقف ہے اور چھپے سے بھی اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔"(1009)

"تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اسی کی طرف دوڑتے ہو مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکایک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو (اس مہربانی کے شکریے میں) شریک کرنے لگتا ہے۔(1010)

"اور وہ اللہ ہی ہے کہ جس نے تمہارے لئے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کئے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے

بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو پوجتے ہیں جن کے ہاتھ میں نہ آسمانوں سے انہیں کچھ بھی رزق دینا ہے نہ زمین سے اور نہ یہ کام وہ کر ہی سکتے ہیں۔"(1011)

"جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔"(1012)

"اگر آسمان وزمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو) زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔"(1013)

"پھر تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ وہ پھبک پڑی اور پھول گئی اور اس سے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔"(1014)

"اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو ہر خدا اپنی خلق کو لیکر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔"(1015)

"وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔"(1016)

"تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا پھر (جیسے جیسے سورج اٹھتا جاتا ہے) ہم سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس اور نیند کو سکون موت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے پھر آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے تاکہ ایک مردہ علاقے کو اس کے ذریعہ زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں بہت سے جانوروں اور انسانوں کے سیراب کرے اس کے کرشمے کو ہم بار بار ان کے سامنے لاتے ہیں تاکہ وہ کچھ سبق لیں مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔"(1017)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر یکا یک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جارہے ہو اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویوں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش لوگوں کیلئے اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی نشانیوں

میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے۔ خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے یقیناً اس میں بہت سے نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"(1018)

"(اے نبی ان مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو وہ نہ آسمان میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔(1019)

"اور پانی کے دونوں ذخیرے یکساں نہیں ہیں ایک میٹھا ہے اور پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار اور دوسری سخت کھاری کے حلق بھی چھیل دے مگر دونوں سے تم تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو پہننے کیلئے زینت کا سامان نکالتے ہو اور اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں ان کا سینہ چیرتی چلی جارہی ہیں تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو وہ دن کے اندر رات کو اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے آتا ہے چاند اور سورج کو اس نے مسخر رکھا ہے یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جارہا ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔"(1020)

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پہاڑوں میں بھی سفید سرخ گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہے۔"(1021)

"ان کیلئے ایک اور نشانی رات ہے ہم اس کے اوپر سے دن ہٹادیتے ہیں توان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند اس کیلئے ہم منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جاکر پکڑلے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔"(1022)

"اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نرومادہ پیدا کیئے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے پھر تم کدھر سے پھرائے جارہے ہو۔"(1023)

"وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے پھر تمہیں بڑھاتا ہے تا کہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاؤ پھر اور بڑھاتا ہے تا کہ تم بڑھاپے کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلالیا جاتا ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ تم اپنے مقرر وقت تک پہنچ جاؤ اور اس لئے کہ تم

حقیقت کو سمجھو وہی ہے زندگی دینے والا اور وہی ہے موت دینے والا اور جس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہے بس ایک حکم دیتا ہے کہ وہ ہو جائے اور وہ ہو جاتی ہے۔"(1024)

"کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے۔ کبھی تم نے خیال کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کیلئے سامان زیست بنایا ہے۔"(1025)

"اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اس خیال میں سچے ہو تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے۔"(1026)

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا اور تمہیں جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا اور رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کیے اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا اور بادلوں سے لگا تار بارش برسائی تاکہ اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں۔"(1027)

مندرجہ بالا تمام آیات میں توحید کے تفصیل سے دلائل دیئے گئے ہیں یہ کوئی فلسفیانہ دلائل نہیں ہیں بلکہ عام لوگوں کو ان کے حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن سے ایک انسان کو روز مرہ واسطہ پڑتا ہے زمین آسمان اور اس میں موجود تمام چیزیں جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں زمین کی کھیتی اس میں کھیتی کا اٹھنا پھر اس کا سورج کے ذریعے پکنا سمندر سے بادلوں کا اٹھنا ان بارش کی ہواؤں کا چلنا اور مقررہ جگہ پر برسنا۔ بنجر زمین سے اس پانی ذریعہ لہلہاتی کھیتی بن جانا طرح طرح کے پھل اس زمین سے پیدا ہونا اور اس زمین میں مختلف رنگ کے بلند وبالا پہاڑان کا زمین پر کھڑا ہونا زمین کا ان پہاڑوں کی وجہ سے قائم رہنا اسی زمین میں دریاؤں اور سمندروں کا چلنا اور سمندروں میں گرم اور سرد کھاری میٹھے پانی کی رو کا ساتھ ساتھ چلنا اور نظام شمسی پر غور وفکر بھی دعوت دی گئی اس کی وجہ سے رات دن کا آنا جانا رات کو آرام دن کو معاش کا ذریعہ بنانا ہر چیز کا جوڑے جوڑے بنانا تاکہ ایک دوسرے کو آرام وراحت ملے اور اس کائنات میں انسان کی تخلیق اس کا اپنا وجود بھی ایک قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ ہر انسان کو الگ الگ شکلیں عطا کرنا بھی معجزہ ہے یہ تمام کارگیری قدرت کی نشانیاں ہیں اور اللہ کے وجود کا احساس دلواتی ہیں بلکہ توحید کا سبق دیتی ہیں کیونکہ اگر کوئی اور اس کی سلطنت میں شریک ہوتا تو کائنات میں خلل پڑ جاتا۔ ہر شریک اپنے اقتدار اور اختیار کے لئے لڑتا اس کھینچا تانی میں کائنات میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور تمام نظام درہم برہم ہو جاتا جیسا کہ مملکتوں میں دو حکمرانوں میں ہوتا ہے اس لئے اللہ کی ذات واحد ہے اور وہ اکیلا ہے اس کائنات کو چلا رہا ہے کوئی ذات اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ اس کا کوئی بیٹا بھی نہیں نہ وہ کسی کا باپ ہے اسے ان چیزوں کی

ضرورت نہیں وہ ان سب سے بے نیاز ہے۔

تصور ابنیت والوہیت (قرآن حکیم کی روشنی میں)

مسیحیت کا یہ عقیدہ معلوم اور معروف ہے اسی کو مسیحی مبلغین عوام وخواص میں فخریہ اور علی الاعلان پیش کرتے ہیں قرآن حکیم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ لوگ اپنے بارے میں کہتے ہیں۔

نحن ابنوالله و احباوه (1028)

ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں

اس نظریہ کا اناجیل کی رو سے تو پچھلے باب میں جائزہ لیا جا چکا ہے۔اب ہم قرآن حکیم کی روشنی میں اس تصور کو دیکھتے ہیں۔

"مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا جو ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔۔۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔ وہ بالاتر ہے اس سے کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں اس کی ملک ہیں اور ان کی کفالت وخبر گیری کے لئے بس وہی کافی ہے۔"(1029)

یہاں حضرت یسوع کو ابن مریم کہا جا رہا ہے یعنی وہ مریم کے بیٹے تھے اللہ کا بیٹا نہیں تھا اور اس کے سوا وہ کچھ نہیں تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا۔ اصل میں لفظ کلمہ استعمال ہوا ہی مریم کی طرف کلمہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مریم کے رحم پر یہ فرمان نازل کیا کہ کسی مرد کے نطفہ سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کرے عیسائیوں کو ابتدا مسیح کی پیدائش بے پدر کا یہی راز بتایا گیا تھا مگر انہوں نے یونانی فلسفہ سے گمراہ ہو کر پہلے لفظ کلمہ کو کلام یا نطق (Logos) کا ہم معنی سمجھ لیا پھر اس کلام ونطق سے اللہ تعالی کی ذاتی صفت کلام مراد لے لی پھر یہ قیاس قائم کیا کہ اللہ کی اس ذاتی صفت نے مریم کے بطن سے داخل ہو کر وہ جسمانی صورت اختیار کی جو مسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی اس طرح عیسائیوں میں مسیح کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور اس غلط تصور نے جڑ پکڑ لی کہ خدا نے خود اپنے اپ کو اپنی ازلی صفات میں نطق وکلام کی صفت کو مسیح شکل میں ظاہر کیا ہے" (1030)

یہاں مسیح کو روح منہ یعنی خدا کی طرف سے ایک روح کہا جا رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مسیح کو وہ پاکیزہ روح عطا کی تھی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست باز تھی اور از سرتاپا فضیلت اخلاق تھی یہی تعریف آں جناب کی عیسائیوں کو بتائی گئی تھی مگر انہوں نے اس میں غلو کیا روح من اللہ کو عین روح اللہ قرار دے لیا اور روح القدس (Holy Ghosr) کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالی کی اپنی روح مقدس تھی جو مسیح کے اندر حلول کر گئی تھی اس طرح اللہ اور مسیح کے ساتھ ایک تیسرا خدا روح القدس کو بنا ڈالا (1031)

دراصل اللہ تعالی ایک ہی ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں وہ تو زمین وآسمان کا مالک ہے اسے بیٹے کی کیا ضرورت ہے اناجیل کی روایات میں باپ بیٹے کا لفظ محض تشبیہ۔ محاورے اور پیار محبت کے لئے آیا ہے اس مراد حقیقی باپ اور بیٹا نہیں عیسائیوں کی یہ بات

سرے سے ہی غلط ہے کہ مسیح خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اللہ تو اکیلا ہے اور (سبحانه ان یکون له ولد)(1032) اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

مسیح جیسے عیسائیوں نے خدائی درجہ دیا ہے ان کی بے بسی اور کمزوری کا تو یہ حال ہے کہ وہ خدا کے آگے چوں نہیں کر سکتے ارشاد ہوتا ہے

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے اے محمدؐ ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے۔ اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔"(1033)

واحد ذات خدا تعالیٰ کی ہے جو تمام اقتدار اور اختیار کی مالک ہے باقی سب اس کی مخلوق ہے یسوعؑ تو محض اس کے بندے ہیں اور خدا تعالیٰ تو ان پر یہاں تک زور رکھتا ہے کہ اگر وہ مسیح ابن مریم کو اور اس کی والدہ کو اور تمام زمین والوں کو ختم کرنا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کے ارادے میں کوئی رکاوٹ بنے۔ قرآن حکیم نے یہ الفاظ کہکر حضرت یسوعؑ کی ابنیت خدا اور الوہیت کا خاتمہ کر دیا۔ اور ان کی بے بسی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی واحد ذات کے اختیار و اقتدار نشاندہی کر دی۔

مسیحیت کے شرک کی تردید

قرآن حکیم نے نصاریٰ کے شرک اور کفر کی سختی سے تردید کی اور خود یسوعؑ نے اس کافرانہ حرکت سے لوگوں کو منع کیا انہوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو الوہیت کے مقام پر فائز کرنے سے روکا اور اس کا انجام بھی بہت برا بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیحیت کے مشرکانہ عقائد اسطرح مذمت کی

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں"(1034)

حضرت مسیح نے تو اپنا بھی ایک ہی رب بتایا تھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی تھی

یبنی اسرائیل اعبدوا اللّٰه وربکم اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا رب بھی۔

"اور جب یسوعؑ کھلی دلیلیں لے کر آیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تم جن باتوں میں جھگڑتے ہو انہیں واضح کر دوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اس لئے اسی کی عبادت کرو"(1035)

"(اور یسوعؑ نے کہا) تمہارے رب کے پاس نشانی لے کر آیا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔"(1036)

"اور جب یسوع نے کہا: اے بنی اسرائیل میں تمہارے لئے خدا کا رسول اور اپنے سے قبل کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والا اور جس کا نام احمدؐ ہے۔"(1037)

قرآن حکیم کہتا ہے کہ حضرت یسوع نے خدا کو رب کہا تھا(باپ نہیں) کہا پھر اللہ تعالی عیسائیوں کی مشرکانہ اور کافرانہ حرکت پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کر فرماتے ہیں۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلثۃ"(1038)

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا ضرور اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

اس کے بعد تمام رسولوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے

وما من الہ الا الہ واحد (1039)

حالانکہ کوئی بھی خدا نہیں ایک خدا کے سوا

انہیں اس کافرانہ نظام سے ڈرلیا جاتا ہے جس پر ان کا ایمان تھا

"اور اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو جن لوگوں نے ان میں سے کفر کیا ہے وہ دردناک انجام سے دوچار ہوں گے۔"(1040)

اس ڈرانے والے اور دھمکانے کے بعد اللہ تعالی انہیں توبہ کا حکم دیتے ہیں اور آئندہ اس سے رکنے کو کہا جاتا ہے۔

"کیا وہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اللہ سے معافی نہ مانگیں گے اللہ تو بہت معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1041)

پھر قرآن حکیم ایک نہایت واضح دلیل دیتا ہے اسطرح ان کی فطرت سلیمہ شاید انہیں حقیقت کی طرف لے آئے۔

"مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رسول تھے ان کی ماں ایک راست باز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھر جاتے ہیں۔"(1042)

کھانا کھانا حضرت مسیح اور ان کی صدیقہ ماں کی زندگی کا ایک عملی اور حقیقی واقعہ ہے۔

"اور کھانا کھانا حادث زندہ ہستیوں کی خصوصیات میں سے ہے اور حضرت مسیح اور ان کی ماں کی بشریت یا عیسائیوں کی لاہوتی تعبیر میں ان کی ناسوتیت کی دلیل ہے۔ عیسائیوں کے یہاں الوہیت کیلئے لاہوت کی اصطلاح ہے اور بشریت کیلئے ناسوت (یعنی الوہیت اور انسانیت دونوں جمع ہیں) کیونکہ کھانا کھانا جسم کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ہوتا ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو زندہ رہنے کیلئے کھانا کھانے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا ہے خدا خود زندہ قائم بالذات اور باقی بالذات ہوتا ہے وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا نہ اس کی پاک و برتر ذات کے اندر کھانے کی کوئی چیز داخل یا اس کی ذات سے خارج ہو سکتی ہے"(1043)

اس دلیل کے بعد قرآن حکیم نصاری کے مشرکانہ عقیدے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"دیکھو کس طرح ہم ان کے سامنے (توحید کی) نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں۔"(1044)

قرآن حکیم ایک اور طریقے سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"کہو کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش وبندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نقصان کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ نفع کی اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"(1045)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء اور شخصیات جن میں یسوع مریم اور روح القدس بھی شامل ہیں یہ سب مخلوق ہیں اور الوہیت سے خالی ہیں اور ان مخلوقات کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ تو یہ مخلوق عبادت کا لائق بھی نہیں ہو سکتیں۔

مسیح اللہ کا ایک بندہ ہے انہوں نے اس بات کو کبھی نہیں چھپایا اور نہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے عار سمجھا۔

"مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہے اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا اس وقت وہ لوگ جنہوں نے ایمان لا کر نیک طرز عمل اختیار کیا اپنے اجر پورے پورے پائیں گے اور اللہ اپنے فضل سے ان کو مزید اجر عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا ہے ان کو اللہ دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا جن جن کی سرپرستی ومددگاری پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی وہ وہاں نہ پائیں گے۔"(1046)

حضرت مسیح اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور مخلوق اللہ یا اللہ کا حصہ یا اس کا بیٹا نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی بندگی سے انکار ان کو اس بات سے بچا نہ سکے گا کہ وہ انہیں اپنی عدالت میں لا حاضر کرے۔ جو لوگ اللہ کی بندگی قبول نہیں کرتے وہ دنیا کی لاتعداد بندگیوں میں پھنس کر ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور خواہشات وشہوات کی غلامی کی ذلت سے دوچار ہوتے ہیں ایسے لوگ انسانوں کی بندگی وغلامی کی ذلت خواری اٹھاتے اور ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں اس طرح وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں یہ دنیا میں ان کی ذلت وخواری ہے۔

آخرت میں اللہ تعالی حضرت یسوع پر جرح فرمائیں گے اور توحید کے بارے میں ان سے صفائی کا بیان لیں گے۔

"غرض جب (احسانات دیاد دلا کر) اللہ فرمائے گا کہ اے یسوع بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ سبحان اللہ میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا

آپ نے حکم دیا تھا یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی میں اسی وقت تک ان کا نگران تھا جب تک میں ان کے درمیان تھا جب آپ نے مجھے واپس بلالیا تو آپ ان پر نگران تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگران ہیں اب اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کردیں تو آپ غالب اور دانا ہیں تب اللہ فرمائیں گے یہ وہ دن ہے جس میں سچوں اور ان کو سچائی نفع دیتی ہے اور ان کیلئے ایسے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے یہی بڑی کامیابی ہے۔"(1047)

زمین و آسمانوں اور تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

قیامت کے ہولناک اور ہیبت ناک دن بھی اللہ تعالیٰ حضرت یسوعؑ سے پوچھے گا کیا تو نے ان لوگوں کو کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ حضرت یسوعؑ اس سے بیزاری ظاہر کریں گے اور صاف کہیں گے کہ میں نے انہیں توحید کا درس دیا تھا۔ الوہیت اور قدرت سب کچھ اللہ کیلئے مریم پرستی اور اپنی ذات کی الوہیت یا ابنیت کا کوئی تصور لوگوں کو نہیں دیا تھا یہ ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے اے میرے اللہ تو تو زمین آسمان کا بادشاہ ہے اور ہر چیز تیری قدرت میں ہے۔

اس طرح سورۃ مائدہ کا اختتام بھی الوہیت کے اس بڑے قضیہ پر ہوتا ہے جس کے بارے میں حضرت یسوعؑ پر افترا پردازی ہوئی۔ غرض سورت کے آخر میں بھی توحید کا درس دیا گیا ہے اور حضرت یسوعؑ کا اس مقام بتایا گیا ہے وہ محض ایک پیغمبر اور انسان ہیں الوہیت اور خدائی کے درجے پر فائز نہیں۔

دراصل موجودہ مسیحیت کا اصل عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں ہے دراصل یہ بگاڑ انہوں نے اپنی قریبی قوموں کے تصورات اور نظریات سے متاثر ہو کر کیا تھا اور خاص طور پر یونانی فلسفے کے زیر اثر آکر انہوں نے ایک الگ اور نیا مذہب ہی بنا ڈالا اور اس طرح اصل مذہب عیسائی کی صورت ہی بدل ڈالی حالانکہ پہلی تین اناجیل (متی مرقس اور لوقا) میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ ان اناجیل کے تحریر کرنے والے یسوعؑ کو انسان کے علاوہ کوئی اور درجہ دیتے ہوں۔ ان کی نظر میں آپؑ ایسے انسان تھے جو خصوصاً خدا کی روح سے سیراب ہوئے۔ متی اس کو بڑھئی کے بیٹے کے نام سے یاد کرتی ہے لوقا میں ہے کہ وہ خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا۔ یہ چیز خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ مرقس کی تصنیف سے پہلے عیسائیوں میں یسوعؑ کیلئے لفظ خداوند (Lord) استعمال ہونے لگا تھا لیکن مرقس اور متی کی انجیل میں یسوعؑ کو اس نام سے یاد نہیں کیا گیا ہے اس کے برعکس دونوں کتب میں یہ لفظ اللہ کے لئے اکثر مقام پر آیا ہے(1048)

"یہ بات کہ یسوعؑ خود اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا اناجیل کی متعدد عبارتوں سے ظاہر ہوتی ہے مثلاً یہ کہ "مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو(1049)

وہ اکثر اپنا ذکر ابن آدم کے نام سے کرتا ہے یسوعؑ کہیں اپنے آپ کو ابن اللہ نہیں کہتا اس کے دوسرے ہم عصر جب اس کے متعلق یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو غالباً ان کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اس کو خدا کا ممسوح سمجھتے ہیں البتہ وہ

اپنے آپ کو مطلقاً بیٹے کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ مزید برآں وہ خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کرنے کیلئے بھی "باپ" کا لفظ اسی اطلاقی شان میں استعمال کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس تعلق کے بارے وہ اپنے آپ کو منفرد نہیں سمجھتا تھا بلکہ ابتدائی دور میں دوسرے انسانوں کو بھی خدا کیساتھ اس خاص گہرے تعلق میں اپنا ساتھی سمجھتا تھا۔ البتہ بعد کے تجربے اور انسانی طبائع کے عمیق مطالعہ نے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ اس معاملے وہ اکیلا ہے(1050)

"پطرس کے یہ الفاظ بھی کہ ایک انسان جو خدا کی طرف سے تھا" یسوع کی اس طرح پیش کرتے ہیں جس میں اس کے ہم عصر اس کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ اناجیل سے پتہ چلتا ہی کہ یسوع بچپن سے جوانی تک بالکل فطری طور پر جسمانی اور ذھنی ارتقاء سے ہو کر گزرا۔ اسے بھوک پیاس محسوس ہوتی تھی وہ تھکتا تھا اور اسے نیند بھی آتی تھی اسے پریشانی بھی ہوتی تھی وہ خیریت اور مزاج پرسی کا طالب بھی تھا اس نے تکالیف اٹھائیں وہ مرا۔ اس نے سمیع البصیر کا دعوی نہیں کیا بلکہ صاف اس کا انکار کیا۔ اس کے حاضر ناظر ہونے کے دعوی کی بھی اناجیل سے تائید حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس دعوی کے ساتھ آزمائش کے واقعہ کو گستمنی اور کھوپڑی کے مقام پر جو واقعات ہوئے ان میں کسی کو بھی ان کے ساتھ مناسبت نہیں دی جاسکتی۔ جب تک کہ ان واقعات کو بالکل غیر حقیقی قرار نہ دیا جائے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیح کو جب ان تمام واقعات سے دوچار ہونا پڑا تو وہ انسانی علم کی عام کمزوری کا مالک تھا اور اس کمزوری میں اگر کوئی علیحدہ بات تھی تو وہ صرف اتنی تھی جتنی پیغمبرانہ بصیرت اور خدا کے یقینی شہود کے ساتھ ہوتی ہے پھر مسیح کو مختار کل سمجھنے کی گنجائش تو انجیلوں میں اور بھی کم ہے اس بات کا اشارہ نہیں ملتا کہ وہ خدا سے بے تعلق ہو کر خود مختارانہ کام کرتا تھا اس کے برعکس وہ بار بار دعا مانگنے کی عادت سی اور اس قسم کے الفاظ سے کہ "یہ چیز دعا کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہیں ٹل سکتی اس بات کا صاف اقرار کرتا ہے کہ اس کی ذات بالکل خدا پر منحصر فی الواقع یہ بات انجیلوں کے تاریخی حیثیت سے معتبر ہونے کی ایک اہم شہادت ہے کہ اگرچہ ان کی تصنیف و ترتیب اس زمانہ سے پہلے مکمل نہ ہوئی تھی جبکہ مسیحی کلیسا نے مسیح کو الہ سمجھنا شروع کر دیا تھا پھر بھی وہ ان دستاویزوں میں ایک طرف مسیح کے فی الحقیقت انسان ہونے کی شہادت محفوظ ہے اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس بات کی نہیں کہ مسیح نے اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا(1051)

ایک مسیحی عالم ریورینڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ کا بیان ہے سینٹ پال وہ شخص تھا جس نے حضرت مسیح کو فعل رفع کے ذریعے رفع کے وقت مکمل اختیارات کیساتھ "ابن اللہ" کا درجہ دے دیا۔ یہ ابن اللہ کا لفظ یقینی طور پر ذاتی ابنیت کی طرف اپنے اندر ایک اشارہ ہے جسے پال نے دوسرے مقام پر یسوع کو خدا کا اپنا بیٹا کہہ کر واضح کیا(1052)

جناب مسیح کو الوہیت کا مقام کیسے دیا گیا۔ اس کی بھی ایک تاریخ ہے آیئے ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔

"تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر کلام کا جسدی ظہور تو تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اکثر عیسائی حضرت یسوع کو الوہیت کا درجہ نہیں دیتے تھے چوتھی صدی تک اس مسئلے پر کافی بحث ہو چکی تھی جس سے کلیسا اہل کر رہ گیا تھا آخر کار الوہیت مسیح کو باقاعدہ سرکاری طور پر ۳۲۵ء دے دیا اور خاص الفاظ میں اسے تیار کیا گیا گو کچھ عرصہ تک یہ مسئلہ بنا رہا

لیکن بات نیقیا کی کونسل کی مانی گئی اور اسے مشرق اور مغرب میں اس حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا کہ اصل عیسائیوں کا اسی پر عقیدہ ہونا چاہئے بیٹے کی الوہیت کیساتھ روح کی الوہیت بھی تسلیم کی گئی۔

پھر اس دعوی پر کہ بیٹے کی الوہیت مسیح کی ذات میں مجسم ہوئی تھی ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوا جس پر چوتھی صدی میں اس کے بعد بھی مدتوں تک بحث ومناظرہ کا سلسلہ چلتا رہا قصہ یہ تھا کہ مسیح کی شخصیت میں الوہیت اور انسانیت کے درمیان کیا تعلق ہے۔ ۴۵۱ء میں کالیسڈن کی کونسل نے اس کا یہ فیصلہ کیا کہ مسیح کی ذات میں دو مکمل طبیعتیں جمع ہیں ایک الٰہی طبیعت دوسری انسانی طبیعت اور دونوں اکٹھی ہونے کے باوجود اپنی انفرادی حیثیت بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

۶۸۰ء میں قسطنطنیہ میں تیسری کونسل بلائی گئی اس پر یہ اضافہ کیا گیا کہ یہ دونوں طبیعتیں اپنی الگ الگ حیثیتیں بھی رکھتی ہیں یعنی مسیح ایک ہی وقت میں دو مختلف حیثیتوں کا مالک ہے(1053)

یہ مسیحیت کی وہ تاریخ ہے جو ان کی اپنی تاریخی کتب کی زبانی ہے جس میں مسیح کو درجہ بہ درجہ خدائی مقام دیا گیا پہلے ان کے لئے خداوند پھر ابن اللہ کے الفاظ لائے گئے۔ آہستہ آہستہ خدائی صفات ان کی شخصیت کو دی گئیں اس طرح معلوم ہوا کہ ان اصطلاحوں اور عقائد کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں یہ محض ان کے اپنے وضع کردہ طریقے تھے جو انہوں نے جناب مسیح کیلئے ایجاد کئے اور ان کا اصل مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔

اللہ تعالی اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ خود اس کو چلا رہا ہی اس کو اس سلسلے میں کسی کی مدد درکار نہیں اور نہ اس کیلئے اس کو بیٹے کی ضرورت ہے۔

"اور جونہی کہ ابن مریم کی مثال دی گئی تمہاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچادیا اور لگے کہنے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ یہ مثال وہ تمہارے سامنے محض کج بحثی کیلئے لائے ہیں حقیقت ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کیلئے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا۔ (1054)"

عیسائیوں نے حضرت یسوعؑ اور اپنے علماء کو خدائی مقام دیا ہوا تھا۔ دراصل یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور ان کے اپنے لئے خرابی ہے اور یہ اس بارے میں دھوکے میں مبتلا ہیں۔

"اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھادیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار ان پر یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"(1055)

عیسائیوں نے حضرت یسوعؑ کو معجزانہ پیدائش کی وجہ سے انہیں خدا کا بیٹا بنایا اللہ تعالی نے اس بات کی وضاحت کی اس

کائنات میں اس قسم کے معجزے اور بھی ہوئے ہیں حضرت یحییٰ ؑ کی معجزانہ پیدائش انہیں یہ مقام نہ دلا سکی۔ اور حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو حضرت یسوعؑ کو کیوں کر ابن اللہ کے درجہ پ فائز کیا گیا۔

"یہ ہے یسوعؑ ابن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے۔"(1056)

قال انی عبداللّٰہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا (1057)

(یسوعؑ نے کہا) میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور مجھے بابرکت بنایا ہے۔

حضرت یسوعؑ کے متعلق ابن اللہ ہونے کا جو عقیدہ عیسائیوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے جس طرح ایک معجزے سے حضرت یحییٰ ؑ کی پیدائش نے ان کو خدا کا بیٹا نہیں بنادیا اسی طرح ایک دوسرے معجزے سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں خدا کا بیٹا قرار دے دیا جائے عیسائیوں کی اپنی روایات میں بھی یہ بات موجود ہے کہ یحییٰ ؑ اور حضرت یسوع دونوں ایک ہی طرح کے معجزے سے پیدا ہوئے تھے چنانچہ لوقا کی انجیل میں قرآن مجید کی طرح ان دونوں معجزوں کا ذکر ایک سلسلہ میں بیان کیا گیا ہی لیکن یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک معجزے سی پیدا ہونے والے کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھتے ہیں۔"(1058)

"اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لئے نشانی بنادیا۔"(1059)

حضرت آدمؑ کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"میں مٹی سے ایک بشر بنا رہا ہوں پس (اے فرشتو) جب میں اسے پورا بنالوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔"(1060)

سورۃ تحریم میں حضرت یسوعؑ کی پیدائش کے بارے میں فرمایا

"اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی پس پھونک دیا ہم نے اس میں اپنی روح سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش اور حضرت یسوعؑ کی پیدائش کو ایک دوسرے کے مشابہ قرار دیا۔"(1061)

ان مثل عیسی عنداللّٰہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون"(1062)

عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے جس کو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے

حضرت یسوعؑ کی پیدائش یقیناً معجزہ ہے مگر جب اسے آدمؑ سے قیاس کیا جائے تو یہ تعجب جاتا رہتا ہے ؟ کہ حضرت یسوعؑ ابن اللہ تھے یا الہ تھے۔ اہل کتاب جو حضرت یسوعؑ کے بارے میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں اور ان کے بن باپ کے ہونے پر اوہام اور قصے گھڑتے ہیں دیکھو یہ اہل کتاب خود یہ کہتے ہیں کہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے اور اللہ سبحانہ نے ان میں روح پھونک کر انہیں انسان بنادیا حضرت آدمؑ کے بارے میں تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ان کی طبیعت لاہوتی ہے حالانکہ جس قدرت الٰہی سے

آدمؑ مٹی سے انسان بن گئے اسی قدرت الٰہی سے یسوعؑ بغیر باپ کے پیدا ہو گئے۔(1063)

"اگر محض اعجازی پیدائش کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کیلئے کافی دلیل ہو تب تو پھر تمہیں آدمؑ کے متعلق بدرجہ اولی ایسا عقیدہ تجویز کرنا چاہئے کیونکہ مسیح تو صرف بے باپ ہی پیدا ہوئے تھے مگر آدمؑ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ (1064)"

اللہ تعالی نے دنیا میں اپنے پیغمبر بھیجے سب کی تعلیم توحید تھی کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا خدا ہوں سب نے ایک خدا کی تعلیم دی۔

"کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو س کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم خدا پرست بن جاؤ۔"(1065)

اسلام کے تصور توحید کی وضاحت اور مسیحیت کے نظریہ ابنیت کی تردید بڑے واضح الفاظ میں سورۃ اخلاص میں پیش کی گئی ہے۔

قل هو الله احد ۔ الله الصمد ۔ لم يلد ولم يولد ۔ ولم يكن له كفواً احد ۔ (1066)

کہو وہ اللہ ایک ہے یکتا اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں یہی "مطلق انا" ہے جس کی انفرادیت کے پیش نظر قرآن پاک نے اس کیلئے اللہ کا اسم معرفہ استعمال کیا اور پھر اس کی مزید وضاحت سورۃ اخلاص کی آیات میں کی لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے لئے فرد کا ٹھیک ٹھیک تصور قائم کرنا کوئی آسان بات نہیں جیسا کہ ارتقائے تخلیقی میں برگساں نے لکھا ہے انفرادیت کیلئے مدراج ہیں حتی کہ ذات انسانی کی الگ تھلگ وحدت میں بھی اس کا تمام وکمال اظہار نہیں ہوتا۔ برگساں کہتا ہے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ نظم وربط کی دنیا میں اگرچہ ہر کہیں انفرادیت کا رجحان غالب ہے مگر پھر یہیں ایک دوسرا یعنی توالد وتناسل کا رجحان اس کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے حالانکہ انفرادیت کا کمال بھی یہ ہے کہ کسی جسم زندہ کا کوئی حصہ الگ تھلگ اپنی ہستی برقرار نہ رکھ سکے لیکن اس صورت میں توالد وتناسل کا عمل ناممکن ہوتا اس لئے کہ توالد وتناسل کا مطلب ہے کہ جسم سابق کے ایک ٹکڑے کا اس طرح منفصل ہونا کہ اس سے ایک نیا جسم وجود میں آسکے لہذ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انفرادیت نے خود اپنے گھر میں اپنا دشمن پال رکھا ہے سطور بالا کے پیش نظر یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ فرد کامل کی ذات میں بھی جو بہ حیثیت ایک انا کے اپنے آپ میں محدود اور اس لئے دوسروں سے الگ تھلگ بے مثل اور یکتا ہے۔ خود اس کا دشمن موجود ہے لہذا ہم اس کا تصور کریں گے تو یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی ذات توالد وتناسل کے رجحان سے بالاتر ہے۔ ابنیت کاملہ کی یہی خصوصیت ذات الہیہ کے اس تصور کا بنیادی جزو ہے جو قرآن پاک نے اس باب میں قائم کیا اور جس پر بار بار زور دیا۔(1067)

نصاری کا یہ کہنا کہ یسوعؑ مسیح خدا کا بیٹا ہے تو اس سے ان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حضرت مریم کو خدا کی بیوی بنا

ڈالیں (نعوذباللہ) وہ جس طرح خدا کا ایک بیٹا کہتے ہیں اسی طرح اس کی بیوی بھی قرار دیں بلکہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں ۔"نصاری جسطرح خدا کیلئے ایک بیٹے کا وجود قرار دیتے ہیں اسی طرح اس کی بیوی بناتے ہیں وہ جس کے معنی میں خدا کے لئے بیٹا موجود ہونے کے قول کی تفسیر کرتے ہیں اسی معنی میں بیوی کا موجود ہونا بھی لازم ہو جاتا ہے اور دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی بیوی سے منزہ ہے۔ انہی دلائل سے لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالی اولاد سے بھی منزہ ہی تو جب وہ خدا کیلئے ایسے اوصاف بیان کرتے ہیں جن سے متصف ہونا اس کی شان سے بعید تر ہے تو ان کے قول کے مطابق خدا کا ان اوصاف سے متصف ہونا لازم آئے گا جن سے متصف ہونا اس کی شان سے کمتر بعید ہے۔((1068)

اللہ تعالی نے واضح طور پر فرمایا۔

"خبر دار وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے بیٹا جنا ہے اور وہ بالکل جھوٹے ہیں۔"(1069)

"اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہی اس سے کوئی اس کا بیٹا ہو جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے۔"(1070)

"اور ان لوگوں نے کہا کہ خدائے رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ بلکہ (جن کو یہ اس کی اولاد کہتے ہیں) وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔"(1071)

"لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بناڈالا حقیقت یہ ہے کہ انسان کھلا احسان فراموش ہے۔"(1072)

"لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنای اہے سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے۔"(1073)

"اس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔"(1074)

"اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔"(1075)

"اس کے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی تو کوئی بیوی نہیں۔"(1076)

"ہمارے رب کی اونچی شان ہے۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔"(1077)

مشرکین نے ہر زمانہ میں خدائی کا یہ تصور اختیار کیا ہے کہ انسانوں کی طرح خداؤں کی بھی کوئی جنس ہے جس کے بہت سے افراد ہیں اور ان میں شادی بیاہ اور توالد و تناسل کا سلسلہ چلتا ہی اس جاہلانہ تصور سے انہوں نے اللہ رب العالمین کو بھی پاک اور بالاتر نہیں سمجھا اور اس کے لئے بھی اولاد تجویز کی۔ چنانچہ اہل عرب کا یہ عقیدہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہی کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالی کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی اس کی جہالت سے محفوظ نہ رہ سکیں ان کے ہاں بھی کسی بزرگ انسان کو اللہ تعالی کا بیٹا قرار دینے کا عقیدہ پیدا ہو گیا ہے ان مختلف توہمات میں دو قسم کے تصورات ہمیشہ غلط ملط ہوتے رہے ہیں بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جن کو وہ اللہ تعالی کی اولاد قرار دے رہے ہیں وہ اس کی ذات پاک کی نسبی اولاد ہے اور بعض نے یہ دعوی کیا کہ جس کو وہ اللہ کا بیٹا کہہ رہے ہیں اسے اللہ نے اپنی متبنی بنایا ہے اگر چہ ان میں سے کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ معاذ اللہ کسی کو اللہ کا باپ قرار دیں لیکن ظاہر ہے کہ جب کسی ہستی کے متعلق یہ تصور کیا

جائے کہ وہ توالد و تناسل سے پاک نہیں ہے اور اس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ بھی انسان کی طرح اس قسم کی کوئی ہستی ہے جس کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہے اور جس کو لاولد ہونے کی صورت میں کسی کو بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو پھر انسانی ذہن اس گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتا کہ اسے بھی کسی کی اولاد سمجھے یہی وجہ کہ جو سوالات رسول اللہ ﷺ سے پوچھے گئے تھے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے اور دوسرا یہ کہ کس سے اس نے دنیا کی میراث پائی اور کون اس اس کے بعد وارث ہوگا۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی فرماتے ہیں ان جاہلانہ مفروضات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ منطقی طور پر ان کو فرض کر لینے سے کچھ اور چیزیں کو بھی فرض کرنا لازم آتا ہے۔

اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو بلکہ خداؤں کی کوئی جنس ہو اور اس کے افراد خدائی کے اوصاف افعال اور اختیارات میں شریک ہوں۔ یہ بات خدا کی صرف نسبی اولاد فرض کر لینے ہی سے لازم نہیں آتی بلکہ کسی کو متبنی لامحالہ اس کا ہم جنس ہی ہو سکتا ہے اور جب معاذاللہ وہ خدا کا ہم جنس ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خدائی اوصاف بھی رکھتا ہے۔

دوم یہ کہ اولاد کا کوئی تصور اس کے بغیر نہیں کیا جا سکتا کہ نر د مادہ میں اتصال ہو اور کوئی مادہ باپ اور ماں کے جسم سے نکل کر بچے کی شکل اختیار کرے۔ پس اللہ کیلئے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذاللہ وہ ایک مادی اور جسمانی وجود ہو اس کی ہم جنس کوئی اس کی بیوی بھی ہو اور اس کے جسم سے کوئی مادہ بھی خارج ہو۔

سوم یہ توالد و تناسل کا سلسلہ جہاں بھی ہے اس کی علت یہ ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں اور ان کی جنس کے باقی رہنے کیلئے ناگزیر ہوتا ہے کہ ان سے اولاد پیدا ہو جس سے ان کی نسل آگے چلے پس اللہ کے لئے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذات خود معاذاللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہو نہ کہ ذات خدا۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تمام فانی افراد کی طرح نعوذ باللہ خدا کی بھی کوئی ابتدا اور انتہا ہو کیونکہ توالد و تناسل پر جن اجناس کے بقاء کا انحصار ہوتا ہے ان کے افراد نہ ازلی ہوتے ہیں نہ ابدی۔

چہارم یہ کہ کسی کو متبنی بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایک لاولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار کا اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا حاجت مند ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالی کے لئے یہ فرض کرتا ہے کہ اس نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اس ذات پاک کی طرف لازماً وہی سب کمزوریاں منسوب کرنا ہے جو فانی اشخاص میں پائی جاتی ہیں۔

ان تمام مفروضات کی جڑ اگرچہ اللہ تعالی کو احد اور الصمد کہنے سے ہی کٹ جاتی ہے لیکن اس کے بعد یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد اس معاملہ میں کوئی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔(1078)

ولادت کے لئے دو اصلوں کا وجود ضروری ہوتا ہے ان میں ایک نر ہوتا ہے دوسرا مادہ یہ حیوان میں بھی ہوتا ہے اور غیر حیوان میں بھی۔ حیوان میں ولادت نر اور مادہ کے اس مواد کے اخراج سے پیدا ہوتی ہے جو ہنگام مواصلت دونوں سے علیحدہ ہوتی ہے اسی طرح غیر حیوان میں بھی توالد دو اصلوں سے ہوتا ہے آگ چقماق کے دو حصوں سے پیدا ہوتی ہے دو

چقماق لکڑی یا پتھر اور لوہے یا ان کے علاوہ اور چیزوں کے بھی ہو سکتے ہیں مرخ اور عفار دو درخت ہیں ان دونوں درختوں سے ٹہنی کاٹ کر چاہے وہ سر سبز ہو یا ان میں پانی کے قطرے گر رہے ہیں ان دونوں کو آپس میں رگڑا جائے تو آگ نکل آتی ہے۔اسی کا ذکر اللہ تعالی نے سورۃ یسین میں بھی کیا ہے۔

الذی جعل لکم من الشجر الا خضر نارا فاذا انتم منه توقدون (1079)

ان درختوں میں مرخ نر اور عفار مادہ ہے پس معلوم ہوا کہ جس طرح مرد اور عورت کے مادہ سے بچہ تولد ہوتا ہے اسی طرح آگ بھی نر اور مادہ سے خارج ہونے والے مواد ہی سے پیدا ہوتی ہے مادہ کو نر سے رگڑنے اور اس کے ٹکرانے کی وجہ سے ان دونوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے ان دونوں کے مواد تحلیل ہو کر آگ پیدا کرتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالی کی شان ان چیزوں سے بعید ہے کیونکہ وہ احد ہے اس کا کوئی برابری کرنے والا نہیں کہ اس کی بیوی یا نظیر بن سکے وہ صمد ہے اس سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ "الصمد وہ ہوتا ہے جو نہ خود کوئی بیٹا بیٹی جنے اور نہ کسی اور نے اسے جنا ہو"

غرض اللہ تعالی کا احد اور صمد ہونا دونوں اس امر کے مانع ہیں کہ وہ والد ہو اور یہی دونوں امر بطریق اولی اس کے مولود (کسی سے پیدا شدہ ذات) ہونے کے مانع ہیں۔(1080)

اللہ تعالی فرماتے ہیں

"اس کے بیٹا کیسا ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی نہیں اس نے ہر چیز پیدا کی وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (1081)"

پھر اللہ کی ہستی ثابت و قائم و ازلی و ابدی ہے اس کے حالات میں تغیر نہیں ہوتا تمام حالات میں مطلق کمال اس کی صفت ہے ولادت کے معنی ہیں پھٹنا اور بڑھنا۔ عدم نا نقص کے بعد ایک زائد وجود کا ہونا اور یہ اللہ کے لئے محال ہے اور توالد و تناسل کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی کوئی بیوی ہو جو اس کی ہم جنس ہو اور یہ بھی خدا کیلئے محال ہے خدا کے احد ہونے کے مفہوم ہی میں یہ بات مضمر ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ((1082)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں "نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی کا جنا ہوا" یہ بات اگرچہ لفظ احد کے اندر بھی موجود تھی اور وہ عاقلوں کیلئے کافی ہے لیکن جو چیزیں قوموں کیلئے مزلہ قدم ہوتی ہیں ان کو قرآن نے مختلف اسلوبوں سے اس طرح واضح کر دیا ہے کہ کسی کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے یہ مسئلہ بھی انہی مسائل میں سے ہے جو دیویوں اور دیوتاؤں کی شادیوں اور ان کی اولاد کی جو تفصیلات ہمیں یونانیوں اور ہندوؤں کی دیومالا (Mythology) میں ملتی ہیں اسی سے ملتی جلتی مزعومات ہمیں ان قوموں کے اندر بھی ملتے ہیں جو قرآن کے اول مخاطب تھیں مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے یہود نے بھی توریت کے حامل ہونے کے مدعی ہوتے ہوتے ہیں عزیر کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ نصاری نے باپ بیٹے اور روح القدس کی ایک تثلیث قائم کی اور اس کے تعصب میں اس طرح گرفتار ہوئے کہ ان کے پادری ایک زمانہ میں جب

کسی کو اپنے دین میں داخل کرتے تو اس سے پہلے اس شخص سے وہ نعوذ باللہ اس خدا پر لعنت کرواتے جس کی صفات قل ھو اللہ احد میں بیان ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ اس سورت پر ان کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ اس میں توحید کا جو تصور دیا گیا ہے اس کے ہوتے نہ خدا کو باپ فرض کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ بیٹا اور نہ کسی کو اس کی ماں بنایا جاسکتا تھا۔ قرآن مجید نے لم یلد ولم یولد کے الفاظ سے خدا کی یکتائی اور بے ہمگی کی حقیقت اس طرح بے نقاب کر دی کہ اس کے بعد اس باب میں کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے (1083)

عقیدہ الوہیت اور ابنیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت یسوع خدا بھی ہیں اور خدا کے بیٹے بھی ہیں اور بشر بھی ہیں ان کی ذات میں الوہی اور بشری ہر دو صفات موجود ہیں وہ اپنے اس عقیدے کو صحت کے ثبوت کیلئے انجیل کی بعض حوالے بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ ان میں بیٹے کا لفظ آیا ہے اور حضرت یسوع نے بعض ایسے افعال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو صرف خدا کے لئے مخصوص ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو موجودہ انجیل میں اتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں کہ اس کی کسی آیت کو کسی عقیدہ کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ موجودہ انجیل حرف بحرف حضرت یسوع کا کلام ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی۔ تب بھی بیٹے کا لفظ براہ راست اللہ کا بیٹا ہونیکی دلیل نہیں کیونکہ زمانہ قدیم میں بیٹے کا لفظ محبوب اور مقرب کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ لہذا یہاں بھی بیٹے سے محبوب اور مقرب ہی مراد ہے جیسا کہ انجیل ہی میں بعض قرآئن اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

دوسرا اشکال یہ تھا کہ چونکہ حضرت یسوع نے بعض الوہی افعال کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یسوع الوہیت میں شریک اور اللہ تعالی کے بیٹے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یسوع نے جن الوہی افعال کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے دراصل یہ انتساب بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کا سفیر یا ترجمان بادشاہ کے افعال کو اپنی ذات سے منسوب کرلیتا ہے مثلاً بادشاہ کا نمائندہ کہتا ہے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کرلیا ہے اور فلاں قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ تمام امور بادشاہ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور نمائندہ کی حیثیت سے ایک ترجمان سے زیادہ نہیں ہوں" (1084) تصور ابنیت اور الوہیت پر قرآن حکیم نے بڑے واضح الفاظ میں تبصرہ کیا ہے دراصل یہ نظریہ خود عیسائیوں کا گھڑا ہوا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اللہ تعالی اور اس کے پیغمبروں صرف اور صرف توحید کی تعلیم دی ہے وہ ذات اکیلی ہے اسے مددگار اور ساتھی کی ضرورت نہیں ہے وہ بہت ہی برتر اور صاحب اختیار ہے۔ کوئی انسان اور پیغمبر اس کی خدائی میں شریک نہیں ہے۔ یسوع اس کے ایک برگزیدہ رسول تھے وہ انسانوں میں سے تھے ان کی ایک والدہ مریم تھی ان سے وہ پیدا ہوئے تمام بشری ضروریات ان میں موجود تھیں خدا ان کمزوریوں سے پاک ہے یہ دونوں ہستیاں انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ جاگتے اور سوتے تھے عام انسانوں کی طرح خوشی اور غمی کے جذبات رکھتے تھے لیکن اللہ تعالی ان حاجات سے پاک ہے اللہ تعالی کا کوئی بیٹا نہیں اس کی بیوی بھی نہیں یہ تو انسانوں کی ضرورت

ہے وہ بے پرواذات ہے وہ ان انسانی رشتوں سے دور ہے وہ بے مثل ذات ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے وہ اکیلا اور یکتا ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں نہ وہ کسی کا بیٹا ہے وہ تو احد اور صمد ہے۔

عقیدہ کفارہ (قرآن حکیم کی روشنی میں)

مسیحیت کا یہ عقیدہ بہت اہمیت کا حامل ہے بلکہ یہ اس مذہب کی جان ہے اور نتائج کے لحاظ سے اس عقیدے نے مسیحی دنیا پر گہرے اثرات ڈالے ہیں آیئے اس نظریے کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرتے ہیں اس عقیدے کی مختصر تشریح انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اسطرح پیش کی گئی ہے۔

A doctine of atonement makes following assumption (a) There is a natural relation of communion between man and god. (b) This communion has been broken through man's fault. Early conceptions of this breach as due to the non-observance of taboos and rituals become, in the hgiher religions, a sense of sin, as an ethical offence against god's holiness and love (c) communion can be restored, i.e sin can be for given. (1085)

اسی کتاب کے نئے ایڈیشن میں کفارے کی تعریف اس طرح آئی ہے۔

Altonment, a recurring theme in the history of religion and theology, the process by which a person removes obstacles to reconciliation withgod. Atonement is often attached to sacrifice both of which often connect ritual cleanness with moral purity and religious acceptalility. (1086)

اس عقیدے کے پس منظر میں ایک طویل تاریخ ہے اس سلسلے میں درج ذیل نکات کو ذہن نشین رکھا جائے۔

۱۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے تما آسائشوں اور راحتوں سے فیض یاب کر دیا لیکن انہیں گندم کھانے سے روک دیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ انہیں قوت ارادی کا مالک بھی بنایا گیا اگر چاہتے تو یہ کام کر لیتے اور اگر نہ چاہتے تو اس سے باز رہتے۔

۲۔ حضرت آدمؑ نے اس قوت ارادی کو صحیح طور پر استعمال نہیں کیا اور س شجر ممنوعہ کو چکھ کر ایک بڑا گناہ کر ڈالا یہ انسان کا پہلا گناہ تھا اور پہلی دفعہ اس نے اطاعت کی بجائے نافرمانی اختیار کی جس طرح اطاعت تمام نیکیوں کی جڑ ہے اسی طرح نافرمانی تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔ حضرت آدم نے گناہ کی یہ بنیاد قائم کر دی (1087)

۳۔ حضرت آدمؑ کا گناہ بہت سنگین تھا اس سے دو نتائج بر آمد ہوئے ایک یہ کہ حضرت آدمؑ دائمی موت یا دائمی عذاب کے حقدار قرار پائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ درخت دکھا کر کہہ دیا کہ

"جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا" (1088)

دوسرا یہ کہ حضرت آدمؑ کی قوت ارادی واپس لے لی گئی اب وہ گناہ کرنے کیلئے تو آزاد ہیں مگر نیکی کیلئے آزاد نہیں ہیں گویا ان

کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہو گیا دوسرے الفاظ میں ان کا گناہ ان کی فطرت اور طبیعت بن گیا اسی کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Origional sin) کہا جاتا ہے۔

۴۔ تمام انسان حضرت آدمؑ کی نسل سے ہیں اس لئے اب جو انسان بھی پیدا ہوگا وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ ان کے باپ آدمؑ سے گناہ سرزد ہوا تھا۔ یہ گناہ نسل در نسل چلتا رہے گا۔

۵۔ چونکہ تمام نبی آدمؑ اصلی گناہ میں ملوث ہو گئے تھے اور "اصلی گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوت ارادی سے محروم ہو گئے اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے یہاں تک کہ ان پر اصلی گناہ کے سوا دوسرے گناہوں کا ایک ڈھیر لگ گیا جو اصلی گناہ کے سبب انہوں نے خود کئے تھے۔

۶۔ مذکورہ گناہوں کی وجہ سے تمام انسان اپنے باپ اور ماں کی طرح ایک طرف تو دائمی عذاب کی مستحق تھے دوسری طرف اپنی آزاد قوت ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے اس لئے ان کے نجات کا کوئی راستہ نہ تھا۔

۷۔ انسان اس سے اسی طرح آزاد ہو سکتا تھا کہ اللہ ان پر رحم کرے معاف کر دے لیکن یہ بھی ممکن نہ تھا اس لئے خدا عادل ہے وہ اپنے اٹل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ جیسا کہ کتاب پیدائش کے حوالے سے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اصلی گناہ کی سزا موت ہے اب اگر وہ موت کی سزا دیئے بغیر انسان کو معاف کرے تو اس کے قانون عدل کے منافی تھا۔

۸۔ لیکن اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے اس نے اپنے عدل کے تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی رحمت کی یہ شکل نکالی کہ ایک بار بندے مریں اور پھر زندہ ہو کر وہ قوت ارادی حاصل کریں جو اصلی گناہ کی وجہ سے زائل ہو گئی تھی تاکہ آزادی کیساتھ نیکیاں کر سکیں۔

۹۔ لیکن تمام انسانوں کی موت اور پھر ان کو پیدا کرنا بھی قانون فطرت کے خلاف تھا اس مقصد کیلئے اس نے ایک انسان خود اپنا بیٹا چنا اس کو انسانی جسم میں دنیا میں بھیجا اس نے سولی پر چڑھ تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا اور اس طرح تمام انسانوں کو اصلی گناہ بلکہ دیگر تمام گناہ معاف ہو گئے اور یہ بیٹا تین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا اور اس سے تمام انسانوں کو دوبارہ زندگی مل گئی اور اس نئی زندگی میں ان کو قوت ارادی بھی مل گئی اور اس قوت ارادی کے سبب وہ نیکی کر کے اجر پائیں گے اور اگر بدی کے مرتکب ہوئے تو عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۰۔ یسوعؑ کی یہ قربانی صرف اس شخص کو فائدہ دے گی جو مسیح پر ایمان رکھے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے۔ بپتسمہ کی رسم ادا کرنا اس ایمان کی علامت ہے۔ بپتسمہ لینے والا یسوع کے کفارہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس طرح اس کا اصلی گناہ معاف ہو جاتا ہے اور اسے نئی قوت ارادی مل جاتی ہے اور جو شخص بپتسمہ نہ لے اس کا اصلی گناہ برقرار رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو گا۔

۱۱۔ بپتسمہ سے نئی زندگی ملنے پر وہ آزاد قوت ارادی کے مالک ہیں ان کے پہلے گناہ تو معاف ہو گئے اب آئندہ وہ جس قسم کا گناہ کریں گے ویسی ہی سزا انہیں ملے گی اگر بپتسمہ لینے کے بعد انہوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انہیں ایمان سے خارج

کردے تو پھر وہ دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے اور یسوع کا کفارہ ان کے لئے کافی نہ ہوگا لہذا چرچ جن لوگوں کو نفاق (Schism) یا بدعت (Heresy) کے الزام میں برادری سے خارج کردے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔

اور اگر انہوں نے کوئی معمولی گناہ کیا ہے تو عارضی طور پر کچھ عرصہ کیلئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کیلئے بنایا گیا ہے اور جس کا نام "مطہر" (Purgatory) ہے اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دئے جائیں گے(1989)

یہ عقیدہ کفارہ کے بارے میں مسیحیوں کے نظریات اور دلائل کا خلاصہ ہے جو ہم نے سطور بالا میں پیش کیا ہے اس کی تفصیلات باب پچھلے میں بیان کر آئے ہیں یہاں ہم نے ان کا تنقیدی جائزہ لینے کیلئے ضروری نکات بیان کئے ہیں آئے ذرا ان خیالات پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔ اس عقیدے میں اصلی گناہ کو دو طریقے سے منتقل کیا گیا ہی ایک حضرت آدمؑ سے ان کی تمام اولاد کی طرف اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف سوال یہ ہے کہ خدا کے قانون عدل میں ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالنے کی ذمہ داری کہیں نہیں ملتی توارت میں بھی اس کی تردید موجود ہے۔

"جو جان کر گناہ کرتی ہے وہی مرے گی بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ اٹھائے گا صادق کی صداقت اس کے لئے ہوگی اور شریر کی شرات شریر کیلئے(1090)

۲۔ کالون نے آدمؑ کے بیٹوں کی طرف گناہ منتقل ہونے کی جو مثال وبائی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں اس لئے اول تو یہ مسئلہ ہی محل نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسرے کو لگتا ہے یا نہیں پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر اختیاری چیز ہے اسے گناہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قابل سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے۔ اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے تو نہ اسے مطعون کیا جاتا ہے اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابل سزا تصور کرتے ہیں جس میں اس کے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۳۔ اسی طرح ایکوناس کی بیان کردہ مثال بھی درست نہیں ہے کیونکہ اصل میں گناہ گار انسان ہے لیکن انسان چونکہ نام ہے جسم اور روح کے مجموعے کا اس لئے ان میں ہر ایک گناہ گار ہے اس کے برخلاف حضرت آدمؑ کا وجود اپنی تمام اولاد کو گناہ گار نہیں کہا جاسکے گا جب تک کہ ان کی اولاد کو گناہ گار قرار نہ دیا جائے۔

۴۔ اگر آدمؑ کے ہر بیٹے میں اصلی گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت یسوعؑ کے انسانی وجود میں کیوں نہیں منتقل ہوا حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تے اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے اور اپنی انسانی حیثیت سی انہیں پھانسی پر چڑھلیا بھی گیا تھا۔

۵۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو (اس کی رضامندی سے ہی سہی) پھانسی چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ حاضر ہو کر یہ کہے کہ فلاں چور کی سزا مجھے دے دو تو کیا اصلی

چور کو آزاد کر دیا جاتا ہے ؟ حزقی ایل کی درج ذیل آیات میں اس کی نفی ہوتی ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے بلکہ اس کی قوت ارادی بھی سلب کر لی جائے۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محض توبہ سے اصلی گناہ معاف نہیں کر سکتا حالانکہ تورات میں ہے

اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آجائے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مرے گا(1091)

۸۔ اگر یہ عقیدہ درست ہے تو حضرت یسوع نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں کیا اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے۔

۹۔ کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے ان لوگوں میں غالباً سب سے پہلا شخص کوائیلیس شیس (Coelestius) ہے جس کے نظریات اگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے۔

حضرت آدمؑ کے گناہ سے صرف آدم ہی کو نقصان پہنچا تھا. بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدمؑ اپنے گناہ سے پہلے تھے۔(1092)

لیکن ان نظریات کو کارتھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے بدعتی قرار دیدیا تھا اس کے بعد بھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے جن کا حال انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے۔ (1093)

آیئے اب اناجیل کی ان عبارتوں پر نظر ڈالتے ہیں جنہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے کفارے کی تائید میں تحریر کیا ہے۔

۱۔ اس کے بیٹا ہو گا تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔(1094)

۲۔ فرشتے نے ان سے کہا تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند(1095)

۳۔ کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے(1096)

۴۔ حضرت یسوع نے فرمایا ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے(1097)

۵۔ ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتروں کے بدلے میں فدیہ دے۔(1098)

۶۔ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے(1099)

اناجیل کی ان جملوں سے عقیدہ کفارہ کے دلائل دئے جاتے ہیں ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی بات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی ہے(1100)

لیکن اگر ان جملوں کو خالی ذہن ہو کر پڑھا جائے تو ان سے صرف یہ مطلب نکلتا ہی کہ حضرت یسوع بھٹکوں کو راستہ دکھانے آئے تھے۔ اپنی جان بہتروں کیلئے فدیہ میں دے اور یہ میرے عہد کا وہ خون ہی جو بہتیروں کیلئے گناہوں کی معافی

کے واسطے بہایا جاتا ہے۔ اگر پہلے سے تصور کفارہ ذہن میں جمع نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کیلئے حضرت یسوعؑ اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرمارہے ہیں۔

ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں سے نکلتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے گناہوں کی وجہ سے ان کی قوت ارادی سلب ہو گئی تھی اور اس وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی سرشت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ کے اقنوم ابن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا اور اس سے تمام لوگوں کے اصل گناہ معاف ہو گئے۔

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت یسوعؑ اسلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انہوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کیساتھ **بیان کیا ہوتا** کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کیلئے اپنی جاں قربان کر دی لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصلی گناہ قوم پر مسلط تھا اس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کرلی۔

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت یسوعؑ نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں اس لئے قیامت تک لوگ کتنے ہی گناہ کرتے رہیں انہیں عذاب نہیں ہو گا حالانکہ یہ وہ بات ہی جس کی تردید شروع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انہوں نے ان سے پیچیدہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سادہ وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے عیسائی تاریخ کا بالکل ابتدائی دور میں کوائیلیس شیس (Coeles-tius) کا کہنا یہی تھا(1101)

پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راہ نجات پائے جانے کے قائل تھے۔ ایب لارڈ (Abelad) کا کہنا بھی یہی تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت ہمدردی اور رحمدلی ایک مکمل سبق تھی(1102)

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یسوعؑ کے کسی جملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں جو آج کل پایا جاتا ہے اور جن جملوں سے استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے(1103)

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن میں بھی کہا گیا ہے

There is no single new testament doctrine of the Atonement - there is simply a collection of images and metaphors with some preliminary analysis and reflection

from which subsequent tradition built its systematic doc trine and theories(1104)

دراصل ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کسی پر دوسرے کا بوجھ اور گناہ نہ ڈالا جائے یہ بات مناسب نہیں کہ کوئی کسی کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کرے ہر شخص کو برائی کے نتیجہ بد اور نیکی کا انجام نیک خود بھگتنا چاہئے۔ ہر عمل کی ذمہ داری ہر انسان پر اپنی ہونی چاہئے اسی بات کو قرآن حکیم میں ان الفاظوں میں پیش کیا گیا ہے۔

"تم پر تمہارے اپنے نفس کی ذمہ داری ہے اگر تم ہدایت پاؤ تو دوسرا گمراہ ہونے والا تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"(1105)

ولا تکسب کل نفس الا علیها ولا تزر وازرة وزرا اخری(1106)

ہر نفس جو کچھ کماتا ہی اس کا بوجھ اسی پر ہی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

"قیامت کے دن تمہارے رشتہ دار اولاد ہر گز کام نہ آئے گی تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا اور اس کی نظر تمہارے عملوں پر ہے۔"(1107)

"اے لوگوں اپنے رب سے بچتے رہو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی جگہ کام آئے گا۔"(1108)

"مگر کیا بنے گی ان پر جب ہم انہیں اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔"(1109)

"اگر تم نیک کام کرو گے تو اپنے نفس کیلئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو اسی کیلئے۔"(1110)

"کوئی شخص کسی دوسرے کا بار گناہ اپنے سر نہ لے گا اور اگر کسی پر گناہوں کا بڑا بار ہو اور وہ اپنا ہاتھ بٹانے کیلئے کسی کو بلائے تو وہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اپنے اوپر نہ لے گا خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔(1111)

"اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جب کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔(1112)

"جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اس کے سر ہے اور جس نے نیک عمل کیا تو ایسے لوگ خود اپنی بہتر کیلئے راستہ صاف کر رہے ہیں۔"(1113)

یہ تو انفرادی ذمہ داری کے متعلق آیات ہیں اس کیساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ سعی اور کوشش انسان جیسے اعمال دنیا میں کر جائے گا اسی کا نتیجہ آخرت میں بر آمد ہوگا آیئے ان آیات پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں۔

"کیا تم کو تمہارے عملوں کے سوا کسی اور چیز کے لحاظ سے جزا دی جائے گی۔"(1114)

"اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی ہے اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ ملے گا اور یہ کہ آخر کار سب کو تیرے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔"(1115)

"دنیا میں اندھا تھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور وہ راہ راست سے بہت ہٹا ہوا ہے۔"(1116)

"تم اپنی لئے جو نیکیاں اس دنیا سے بھیجو گے انہیں اللہ کے ہاں پاؤ گے تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔"(1117)

"اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے پاس واپس کئے جاؤ گے پھر ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا اور ان پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا۔"(1118)

"اس دن اعمال کا تولا جانا برحق ہے جن کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا وہی لوگ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے کیوں کہ یہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔(1119)

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره (1120)

"کاش تم وہ وقت دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور کہیں گے کہ پروردگار ہم نے اب دیکھ لیا اور سن لیا اب تو ہمیں واپس کردے ہم اچھے عمل کریں گے اب ہم کو ایمان حاصل ہوگیا ہے۔"(1121)

"اے ایمان والو اس رزق میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس دن سے قبل کہ وہ جس میں نہ تجارت ہوگی اور نہ دوستی اور سفارش کام آئے گی اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔"(1122)

انسان کو یہ بتادیا گیا ہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے اور اس زندگی میں تمہیں عارضی طور پر رہنا ہے اس کے بعد ایک دائمی اور ابدی زندگی ہوگی اور اس زندگی کی ہمیشگی کا حصول تمہارے عمل سے تم کو حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ انسان کئی مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور اور بھولنے والا بھی ہے اس لئے اس عارضی زندگی میں اپنی حالت سنبھالنے کے مواقع فراہم کئے۔ انبیاء کا سلسلہ معلموں کا طریق کار۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا طریق۔ گناہوں پر جسمانی سزا نیکی پر روحانی لذت اس لئے برقرار رکھی گئی تاکہ انسان کو غلط کام کرتے ہوئے اپنی غلطیوں کا احساس ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ انسان کو اپنی رحمت خاص سے درستی اصلاح کیلئے درج ذیل راستے دکھائے۔

ا۔ نیکی سے بدی کا کفارہ

انسان خطا کا پتلا ہے وہ نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے لیکن فطری کمزوری کی بنا پر غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول طے کیا ہے کہ تم نیکی کرتے جاؤ تو تمہاری چھوٹی موٹی برائی ہم مٹاتے رہیں گے اور مسلسل نیکی کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ وحی محمدی میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیات (1123)

در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

"اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہی تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔"(1124)

"اور ان سے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکواۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین کرو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔)"(1125)

"اسی طرح کے لوگوں سے ہم ان کے بہترین اعمال کو قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے در گزر کر جاتے ہیں یہ جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے۔"(1026)

اللہ تعالی اپنے فضل سے عام تقصریں۔اور گناہ معاف کرتے چلے جاتے ہیں ایک انسان اگر نیکی کرتا جائے راستہ میں بشری کمزوریوں سے خطائیں اور غلطیاں ہو جائیں اور انسان کی نیت صاف ہو تو اللہ تعالی انہیں معاف کر دیتے ہیں اور س پر مواخذہ نہ فرمائیں گے اور قرآن حکیم نے عقیدہ مصلوبیت کی یہ کہہ کر جڑ کاٹ دی ہے کہ نہ انہیں قتل کیا گیا ہے اور نہ انہیں صلیب پر چڑھایا گیا ہے بس جب یسوع مصلوب نہیں کئے گئے اور کفارہ کا عقیدہ درست نہیں۔

۲۔ توبہ اور کفارہ

اسلام نے جو توبہ کا تصور دیا ہے وہ انسانی فطرت کے قریب تر ہے اگر کسی سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اپنی اصلاح چاہتا ہی تو اس کا حل یہی ہے کہ آئندہ صحیح راستے پر چلنے کی بھرپور کوشش کرے اور یہ ارادہ کرلے کہ میں اس گناہ کو دوبارہ نہیں کروں گا اس پر قائم رہے اور حتی المقدور اس کیلئے سعی فرمائے۔

توبہ کے معنی ہیں گناہ سے روگردانی کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔نادم وپشیمان ہونا توبہ الی اللہ کے یہی معنی ہیں اور تائب اللہ علیہ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی کا کسی کے گناہ معاف کر کے اس کو اپنے فضل کرم سے نوازنا۔ توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں بندہ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ سرکشی سے باز آگیا۔ طریق بندگی کی طرف پلٹ آیا اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے شرمسار غلام کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہو گیا پھر سے نظر عنایت اس کی طرف مائل ہو گی(1127)

۔امام راغب لکھتے ہیں کہ ت و ب کے معنی گناہ کے باحسن وجوہ ترک کرنے کے ہیں یہ معذرت کی سب سے بہتر صورت ہے کیونکہ اعتذار کی تین ہی صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کنندہ اپنے جرم کا سرے سے انکار کر دے اور کہہ دے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے دوسری وجہ یہ ہے کے اس کیلئے جواز تلاش کرے اور بہانے تراشنے لگ جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اعتراف جرم کیساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین بھی دلائے الغرض اعتذار کی یہ تین ہی صورتیں ہیں اور کوئی چوتھی

صورت نہیں ہے اور اس آخری کو توبہ کہا جاتا ہے مگر شرعاً اسے توبہ جب کہیں گے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے اور اپنی کوتاہی پر نادم ہو اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے اگر ان گناہوں کی تلافی ممکن ہو تو فی الامکان تلافی کی کوشش کرے بس توبہ کی یہ چار شرطیں ہیں جن کے پائے جانے سے توبہ مکمل ہوتی ہے(1128)

توبہ جسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور جسے اس نے یہ شرف بخشا کہ اس کی قبولیت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے وہ توبہ ہے جو انسان کے دل سے صادر ہوتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے اب ایک نئی زندگی ملی ہے ندامت نے اسے گہرائیوں سے ہلا دیا تا آں کہ وہ ہوش میں آ گیا اور اس نے یہ توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کر لیا جبکہ ابھی اس کی عمر باقی ہے اور بہت کچھ آرزوئیں رکھتا ہے اس کے باوجود اسے از سر نو پاکیزہ زندگی گزارنے کی حقیقی رغبت پیدا ہوئی اور اس نے نئے راستے پر چلنے کی حقیقی نیت کی(1129)

توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک معصیت کا عزم ہو۔

التوبة عبارة عن الندم علی ما مضی والعزم علی الترك فی المستقبل (1130)

علماء حق نے توبہ کرنے والوں کے کئی طبقے بیان کئے ہیں۔ وہ لوگ جو سلیم الفطرت ہیں اور ان میں نیکی کی استعدا د قوی وعظیم ہے ایسے لوگ جب کسی برائی میں گرفتار ہو جائیں تو بہت جلد عبرت و موعظت کی راہ پر پلٹ آتے ہیں۔ اظہار ندامت کرتے ہیں اور آئندہ کو فضائل پر عمل کرتے اور رزائل سے پرہیز کرتے ہیں یہ اعلیٰ درجہ کے تواب ہیں (ب) وہ لوگ جن میں خواہشات نفس کا داعیہ بہت قوی اور راسخ ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ اپنے نفسیاتی دواعی کا اتباع کرنے لگتے ہیں۔ معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں تو نیک جذبات ان سے لڑتے رہتے ہیں نفس لوامہ ان کے نفس امارہ پر غالب آ جاتا ہے نیکی برائی پر غلبہ پا لیتی ہے اور اسے مفتوح کر لیتی ہے حتی کے اس کے بعد وہ گناہوں کا ارتکاب سے باز آ جاتے ہیں اور ان کے نفوس مطمئن ہو جاتے ہیں (ج) وہ جو مجاہدہ و ریاضت سے کبائر و فواحش کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں ان سے صغائر و آثام (چھوٹے گناہ) سرزد ہوتے رہتے ہیں مگر ان کے قلوب و نفوس میں ہر وقت ایک جنگ برپا رہتی ہے پاکیزہ خیالات اور جو ایمان کا لشکر ہیں ان میں اور صغائر کے ارتکاب میں برابر لڑائی ہوتی رہتی ہے یہ لوگ کبائر سے مجتنب ہوتے ہیں اور صغائر کی معافی کے امیدوار و حقدار ہیں (د) وہ جو گناہ کا ارتکاب کر گزرتے ہیں اور پھر تائب ہو جاتے ہیں پھر نفس و شیطان کے غلبے سے برائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر ندامت و استغفار اور توبہ سے پہلی حالت پر لوٹ آتے ہیں یہی سلسلہ ان میں قائم و جاری رہتا ہے مگر وہ توبہ ضرور کر لیتے ہیں۔ توابین کا یہ ادنیٰ طبقہ ہے یہ لوگ فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہیں لیکن چونکہ دل میں نیکی موجود ہے اور اندرونی زجر و توبیخ ہر وقت گناہوں سے پلٹنے اور تائب رہتے ہیں لہٰذا ان کی مغفرت ان کی کی بھی امید ہے اگر نیکی کا لشکر بدی پر غالب آ گیا تو ان کی توبہ صحیح کامل ہو جاتی ہے ورنہ خیر و شر کے لشکروں میں کش مکش جاری رہتی ہے اور خدانخواستہ برائی کا لشکر غلبہ پا لے تو وہ شر پر اصرار کر کے ہلاکت میں گر جاتے ہیں(1131)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ توبہ تین چیزوں کا نام ہے اول علم دوم ندامت سوم قصد ترک گناہ۔ یعنی اس بات کو جاننے سے کہ

گناہوں سے نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے اس کا نام علم ہے اس پر دل میں ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور صدمہ ہوتا ہے اور اکثر اوقات توبہ ندامت کو کہا جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الندامة توبة پھر اس کے نتیجہ میں انسان برائی ترک کرنے کا قصد کرتا ہے کہ جو گناہ میں نے پہلے کیا تھا آئندہ نہیں کروں گا اور یہ گناہ نہ کرنے سے جو نقصان ہوتا ہے وہ برداشت کروں گا۔ امام صاحب توبہ کرنے والوں کے چار طبقے بتاتے ہیں اول طبقہ تو یہ ہے کہ گناہ بھر سے توبہ کر کے آخر عمر تک اسی پر جما رہے جو کچھ پہلے قصور کیا ہے اس کا تدارک کرے اور گناہوں کے دوبارہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے سوائے ان لغزشوں کے جن سے آدمی حسب عادت خالی نہیں ہوتا۔ ایسا تائب نیکیوں میں بہت آگے نکل جاتا ہے اور اپنی برائیوں کو بھلائیوں میں بدل لیتا ہے اسی توبہ کو توبة النصوح کہتے ہیں اور ایسے ہی نفس کو نفس مطمئنہ کا نام دیا جاتا ہے جو اپنے پروردگار کے سامنے اسطرح جائے گا کہ یہ اس سے راضی اور وہ اس سے خوش ہوگا دوسرا طبقہ ایسا توبہ کرنے والا ہے جو اصول اطاعت کی بجا آوری اور کل گناہ کبیرہ کے ترک پر استقامت کرے مگر تاہم ایسے گناہوں سے خالی نہیں جو اس سے بے قصد وارادہ صادر ہو جاتے ہیں یعنی اپنے کام کاج میں ان گناہوں میں پھنس جاتا ہے یہ نہیں کہ پہلے سے ان کا ارادہ پکا کیا ہو اور جب بھی اس سے اس طرح کا گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے اور نئے سرے سے ارادہ مصمم کرتا ہے کہ اب ان اسباب سے ہوشیار ہوں گا جو مجھے گناہوں میں مبتلا کر دیں ایسے نفس کو نفس لوامہ کہنا مناسب ہے۔ اس لئے کہ جو احوال ذمیمہ آدمی پر بے قصد وارادہ ہو جاتے ہیں ان پر اس کو ملامت کرتا ہے۔ تیسرا طبقہ یہ ہے کہ توبہ کر کے ایک عرصہ تک آدمی اس پر قائم رہے پھر کسی گناہ کی خواہش اس پر غالب ہو جائے اور اس کو قصداً اور ارادۃً کر بیٹھے اس وجہ سے اس خواہش کو دبانے سے عاجز مگر اس کے باوجود طاعات کی بجا آوری ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں کا بھی باوجود قدرت و خواہش کے تارک ہے صرف ایک خواہش یا دو خواہشوں سے مجبور ہے کہ اس پر غالب آجاتی ہیں تاہم یہ چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس شہوت اور برائی سے بچنے کی توفیق دے تو اچھا ہے یہ آرزو تو قبل معصیت ہو اور بعد سرزد ہونے خطا سے توبہ کروں گا مگر اس کا نفس ٹالتا رہتا ہے اور آج کل پر ڈالتا رہتا ہے اس طرح کے نفس کا نام مسئولہ ہے اور ایسے لوگوں میں بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہی ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہیں اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1132)

لیکن ایک لحاظ سے توبہ میں تاخیر اور لیت ولعل کرنا بہت خطرناک بات ہے ڈر ہے کہ کہیں موت اس کو توبہ سے پہلے ہی دبوچ لے۔

کر لے غافل زندگی میں نیکی جتنی ہو سکے

ورنہ وقت نزع تو ارمان ہی لے جائے گا

چوتھا طبقہ وہ ہے توبہ کر کے کچھ روز اس حرکت سے دور رہے اور پھر گناہ کا مرتکب ہو لیکن اس کے دل میں گناہ کرنے پر

افسوس ہوا اور توبہ کرنے کا خیال بھی ہو بلکہ غافل آدمی کی طرح اتباع شہوت میں ڈوبا رہے تو ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں کے زمرے میں ہے اور اس کا نفس امارہ بالسو یعنی بدی کا حکم کرنیوالا ہے۔ اور نیکی سے دور رہنے والا ہے ایسے شخص کا انجام خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور مزید اللہ ہی بہتر جانتا ہے اگر معاذ اللہ برائی پر خاتمہ ہوا تو ایسا بدبخت ہوگا جس کی بد بختی کچھ انتہا نہیں اور اگر بھلائی پر انجام ہوا یہاں تک کہ صبر پر موت پائی تو امید ہے کہ وہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے رہائی پائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص کسی خاص وجہ سے جس کا اس شخص کو پتہ بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے جیسے کوئی شخص خزانے کی تلاش میں ویران مقام پر جائے اور اتفاق سے اسے مل بھی جائے (1133)

توبہ کا وقت

انسان ہر وقت توبہ کر سکتا ہی لیکن جب موت کی ہچکی آن لے تو اس کا وقت ختم ہو جتا ہے سورۃ نساء میں کہا گیا ہے۔

"ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کیلئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے اور حکیم و دانا ہے مگر توبہ ان لوگوں کیلئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے اس وقت کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی اور اسی طرح توبہ ان کیلئے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہے ایسے لوگوں کیلئے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔" (1134)

ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو لاعلمی کی وجہ سے برائی کر بیٹھیں پھر توبہ کریں لیکن یہ ملک الموت کو دیکھ لینے کے بعد غرغرے سے پہلے ہو حضرت مجاہد فرماتے ہیں جو شخص قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اسے جاہل ہی سمجھا جائے گا جب تک اس سے باز نہ آجائے۔ ابو لعالیہ کہتے ہیں صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ حضرت قتادہ کی بھی صحابہ کے ایک مجمع سے اسی طرح کی روایت بیان ہوئی ہے۔ عطاء اور ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ جلدی توبہ کر لینے کے بارے میں ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے توبہ کرے جناب ضحاک فرماتے ہیں کہ قریب اور جلدی کے معنی موت سے پہلے کے ہیں۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد صحت کے زمانہ میں توبہ کرنا ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کل کی کل قریب ہی ہے (اس بارے میں احادیث میں مذکورہ) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ انسان کی توبہ اس وقت قبول کر لیتے ہیں جب تک کہ غرغرہ شروع نہ ہو جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کرے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے بھی بلکہ ایک ساعت پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کیساتھ اپنے رب کی طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔ اور جو ہفتہ

پھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالی اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے یہ سن کر حضرت ابو ایوبؓ نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے سنا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ چار صحابیؓ جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کو جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کرے اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضور ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کرے تو بھی اللہ تعالی قبول فرماتا ہے۔ تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے اس نے کہا ہاں کہا میں نے تو حضور اکرم ﷺ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے حلق میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ ابو بکر بن مردویہ کہتے ہیں کہ جب تک غرغرہ شروع نہ ہو تب تک توبہ قبول ہے۔ اور ایسی ہی مرسل احادیث اور بھی ہیں۔ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جب ابلیس پر لعنت کی تو اس نے مہلت مانگی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کے ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکلوں گا اس پر اللہ تعالی عزوجل نے فرمایا مجھے بھی اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم جب تک اس میں روح باقی رہے گی میں بھی اس کی توبہ قبول کرنے سے نہ رکوں گا۔ اور اسی قسم کے الفاظ ایک مرفوع حدیث میں بھی آئے ہیں۔ پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے تو تب وہ خدا تعالی کی طرف جھکے اور توبہ کرے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے۔ مگر جب زندگی سے ناامید ہو جائے فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے سینے میں گھٹن محسوس ہونے لگے نرخرے میں غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اسی لئے اسی آیت کیساتھ ہی فرمایا کہ مگر توبہ ان لوگوں کیلئے نہیں جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہی اس وقت کہتا ہے کہ رب میں نے توبہ کی اسی طرح اللہ تعالی نے ایک اور مقام پر کہا ہے۔

"جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پکار اٹھے کہ ہم نے مان لیا اللہ لاشریک ہے۔"(1135)

ان دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا فائدہ نہیں دیتا۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر ہے۔

یوما یاتی بعض ایات ربك (1136)

مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھتے دیکھ لے گی اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے اسے نہ اس کا عمل نفع دے گا اور نہ اس کا ایمان (1137)

توبہ کے وقت کے سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بھی بہت عمدہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہو جائے لیکن اب تک اس عالم کے احوال اور اہوال نظر نہیں آئے اس حالت کو یاس باالباء سے تعبیر کیا گیا ہے

دوسری حالت اس کے بعد کی ہے جبکہ نزع روح شروع ہو جائے۔ غرغرہ کا وقت آجائے اور انسان کو احوال بھی نظر آنے لگیں اس حالت کو یاس یا الیاء کہا جاتا ہے۔ پہلی حالت میں کافر کا ایمان لانا عاصی کی توبہ کرنا دونوں مقبول ہیں اور دوسری حالت میں توبہ غیر مقبول ہے(1138)

آیت میں لفظ جہالت بھی قابل غور ہے۔ جہالت سے مراد بے علمی نہیں کہ جان بوجھ کر گناہ کی بھی توبہ ہو جاتی ہے بلکہ ناسمجھی نادانی حماقت اور بے وقوفی ہے۔ جہل کے معنی نادانی بے وقوفی بھی ہیں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم نے گذشتہ حرکات جب کی تھیں اذا انتم جاھلون جب تم ناسمجھ اور نادان تھے نیز حضرت یوسفؑ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولا اگر تو نے ہی مجھے ان عورتوں کے قریب سے نہ بچایا تو اصب الیھن واکن من الجاھلین میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادان بن جاؤں گا بہر حال یہاں جہالت سے مراد بے علمی نہیں بلکہ بے وقوفی ہے(1139)

مولانا امین احسن صلاحی لکھتے ہیں جہالت کے معنی عربی میں صرف نہ جاننے کے نہیں آتے بلکہ اس کا غالب استعمال جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت یا ظلم یا گناہ کا کام کر گزرنے کے معنی میں ہے یہ لفظ عام طور پر علم کے بجائے حلم کے ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کے اوپر صرف ان کی توبہ کا حق قائم ہوتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی برائی کر گزرتے ہیں پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں انہی لوگوں کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے نہ وہ کسی بات سے بے خبر نہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی۔ پھر وہ ان لوگوں کی توبہ کی کوئی ذمہ داری اپنے اوپر کیوں لے گا جو جانتے بوجھتے ٹھنڈے دل سے گناہ بھی کئے جارہے ہیں اور توبہ کا وظیفہ بھی پڑھتے جارہے ہیں(1140)

قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر بھی یہ کہا گیا ہے کہ توبہ ان ہی کی قبول ہوتی ہے جو نادانی سے برائی اور پھر جلد ہی توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں۔

"جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم سے کوئی نادانی کیساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہی اور نرمی سے کام لیتا ہے۔"(1141)

"البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کرلی۔ یقیناً توبہ واصلاح کے بعد تیرا رب ان کے لئے غفور اور رحیم ہے۔"(1142)

کچھ اور لوگ ہیں جن کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

"کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور کچھ بد بعید نہیں کہ اللہ ان پر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ در گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1143)

"اللہ نے معاف کر دیا نبی اور ان مہاجرین وانصار کو جنھوں نے بڑی تنگی میں نبی کا ساتھ دیا اگرچہ ان میں سے کچھ

لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیابلکہ نبی کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔"(1144)

ان دونوں آیات میں ان ہی لوگوں کی توبہ کو بارگاہ خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل ہوگا جو اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ خدا کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیتے ہیں اور عاجزی وانکساری سے اپنے گناہوں کی مسلسل معافی مانگتے ہیں ان کا دل اس کی طرف لگا رہتا ہے۔ ان کو نیکی کی تمنا ہوتی ہے۔ گناہ سے وہ بے چین ہو جاتے ہیں اور معافی کے طلبگار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حالت زار اور اصلاحی جذبے کو دیکھ کر ان کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔

توبہ کیساتھ اصلاح کا ہونا کتنا ضروری ہے اس کی اہمیت کیلئے قرآن حکیم کی ان آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔

"تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں ان دونوں کو تکلیف دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(1145)

"اے لوگوں جو ایمان لائے۔ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اپنے خلاف صریح حجت دے دو یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔ البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر دیں ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخوا سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو اللہ بڑا قدر دان ہی اور سب کے حال سے واقف ہے۔ (1146)"

"اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔ اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اللہ کی نظر عنایت پر اسی پر مائل ہو جائے گی اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1147)

"کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پا لینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا ان کے ظلم کا صحیح بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی البتہ وہ لوگ بچ جائیں گے جو اس کے بعد توبہ کر کے اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1148)

"جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں در آں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی

رہنمائی کیلئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔البتہ جو اس روش سے باز آجائے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔"(1149)

درج بالا آیات میں بڑے بڑے جرم مثلاً زنا۔ منافقت۔ چوری۔ کفر۔کتمان آیات بھی توبہ اور آئندہ کے لئے اصلاح کے ارادہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ان میں زنا اور چوری اگر ثابت ہو جائے تو ان کی مقررہ سزا ملے گی اس کے بعد توبہ اور مستقبل میں اصلاح کا ارادہ کرنے سے معافی مل جائے گی۔ منافقت۔ کفر۔کتمان آیات کا تعلق عقائد وایمان سے ہے ان سے توبہ اور اصلاح کافی ہے ان ہی پر تائب کو معافی مل جائے گی۔

کیا توبہ سے دنیاوی سزا معاف ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ توبہ حدود میں دینوی سزائیں معاف نہیں ہوتیں۔اس سلسلے میں آیت قابل غور ہیں۔

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور (ان کے حق میں) غفور رحیم ہے۔"(1150)

جو شخص ایسی شہادت پیش نہ کر سکے جو اسے جرم قذف سے بری کر سکتی ہے اس کے لئے قرآن حکیم نے تین حکم دیئے ہیں ایک یہ کے اسے اسی کوڑے مارو دوسرے اس کی گواہی ہمیشہ کیلئے تسلیم نہ کی جائے تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہے اس کے بعد قرآن حکیم کہتا ہے الاالذین تابوا من بعد ذلك واصلحو ا فان الله غفور رحیم سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کریں کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔ یہاں اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے حکم سے اس کا تعلق نہیں ہے یعنی توبہ سے حد ساقط نہیں ہوگی اور فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس معافی کا تعلق آخری حکم سے ہے۔ یعنی توبہ اور اصلاح کے بعد مجرم فاسق نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا۔

اب رہ گئی درمیانی بات یعنی یہ کہ قاذف کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ فقہاء کے درمیان اس مسئلہ پر بہت اختلاف ہوا ہے کہ آیا الا الذین تابوا کے فقرے کے تعلق اس حکم سے بھی ہے یا نہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ اس فقرے کا تعلق صرف آخری حکم سے ہے یعنی جو شخص توبہ اور اصلاح کرے گا وہ اللہ کے نزدیک اور لوگوں میں بھی فاسق نہ رہے گا لیکن پہلے دونوں حکم اس کے باوجود برقرار رہیں گے یعنی مجرم پر حد میں جاری کی جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لئے گواہی کے قابل نہ رہے گا اس رائے میں قاضی شریح سعید بن مسیّبہ سعید بن جبیر۔ حسن بصری۔ ابو حنیفہ۔ ابو یوسف زفر۔ سفیان ثوری وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ (الا الذین تابوا) کا تعلق پہلے حکم سے تو نہیں ہے مگر آخری دونوں حکموں سے ہے یعنی توبہ کے بعد قذف کے سزا یافتہ مجرم کی شہادت بھی تسلیم کی جائے گی اور وہ فاسق بھی شمار نہیں ہوگا اس گروہ میں عطاء طاؤس مجاہد۔ عمر بن عبدالعزیز۔ مالک بن انس۔ شافعی۔ احمد بن حنبل اور ابن جریر طبری جیسے علماء شامل ہیں(1151)

اب سوال یہ ہے کہ توبہ سے دینوی سزا معاف کیوں نہیں ہوتی اس سوال اور اس کے جواب کو مولانا سید ابوالاعلی مودودی یوں لکھتے ہیں "قذف ایک قسم کی توہین ہی تو ہے ایک آدمی اس کے بعد اپنا قصور مان لے' مقذوف سے معافی مانگ لے اور آئندہ کیلئے اس حرکت سے توبہ کرے تو آخر کیوں نہ اسے چھوڑ دیا جائے جبکہ اللہ تعالی خود حکم بیان کرنے کے بعد فرما رہے ہیں الا الذین تابوا ....فان اللہ غفور رحیم یہ تو ایک عجیب بات ہوگی کہ خدا معاف کردے اور بندے معاف نہ کریں اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ دراصل ت و ب ہ کے تلفظ کا نام نہیں ہے بلکہ دل کے احساس ندامت اور عزم اصلاح اور رجوع الی الخیر کا نام ہے اور اس چیز کا حال اللہ تعالی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے توبہ سے دینوی سزائیں معاف نہیں ہوتیں بلکہ صرف اخروی سزا معاف ہوتی ہے اور اسی لئے اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو انہیں چھوڑ دو بلکہ یہ فرمایا کہ جو لوگ توبہ کرلیں گے ان کے حق میں غفور ورحیم ہوں اگر توبہ دینوی سزائیں معاف ہونے لگیں تو آخر وہ کونسا مجرم ہے جو سزا سے بچنے کیلئے توبہ نہ کرے گا(1152)

اللہ کے یہاں توبہ کی قدر

اللہ تو اپنے گناہ گار بندے کو توبہ کس قدر محبوب ہے۔ اور وہ مومن کی توبہ کس شان سے قبول کرلیتا ہے اس کا اندازہ ان آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔

"اپنی رب سے معافی مانگو اور س کی طرف پلٹ آؤ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔"(1153)

"اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کردیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"(1154)

اس آیت میں ان تین صاحبوں کا ذکر ہے جو سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے یہ تینوں صاحب کعب بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آنحضور ﷺ کی غزوہ تبوک سے واپسی پر انہوں نے کوئی بہانہ نہیں بنایا اور صاف صاف بتادیا تھا کہ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم غزوہ میں شریک نہیں ہوسکے ان لوگوں پر مدینہ کی مسلمان برادی سے بحکم آنحضور ﷺ پچاس دن تک سوشل بائیکاٹ رکھا گیا اور ان سے کہا گیا کہ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہارے معاملہ کا کوئی فیصلہ کرے آخر بڑی کڑی آزمائش کے بعد پچاسویں دن یہ معافی کی آیات اتری اور ان میں اللہ تعالی نے ان کی معافی کا ذکر ایسے شفقت بھرے الفاظ میں فرمایا کہ "ہم ان کی طرف پلٹے تاکہ وہ ہماری طرف پلٹ آئیں" ان چند لفظوں میں اس حالت کی تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ آقا نے پہلے تو ان بندوں سے نظر پھیر لی تھی مگر جب وہ بھاگے نہیں بلکہ شکستہ ہو کر اسی کے در پر بیٹھ گئے تو ان کی شان وفاداری دیکھ کر آقا نے خود نہ رہا گیا۔ جوش محبت سے بے قرار ہو کر وہ آپ نکل آیا

تاکہ انہیں دروازے سے اٹھالائے(1155)

"اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے گناہ معاف کرنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔"(1156)

"وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے حالانکہ تم لوگوں کے سب افعال کا اسے علم ہے۔"(1157)

"اے لوگوں جو ایمان لائے بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔"(1158)

"اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (1159)"

"اس وقت آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1160)

"تمہاری توبہ قبول کرلی کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1161)

"جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات چھپاتے ہیں درآں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کیلئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں البتہ وہ اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔"(1162)

"کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"(1163)

انبیاء کی توبہ

قرآن حکیم میں اللہ کے نبیوں کی توبہ کا بھی ذکر آیا ہے حضرت آدمؑ اور بی بی حوا علیھاالسلام دونوں نے تخلیق کے بعد جنت میں قیام کیا اللہ تعالی نے ان کیلئے ایک درخت کو شجر ممنوعہ قرار دیا تھا مگر شیطان کے ورغلانے پر انہوں نے اس درخت کو چکھ لیا اس سے ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے پھر اللہ تعالی نے ان سے کہا تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور تمہیں اس درخت سے روک دیا گیا تھا یہ تم نے کیا کیا(1164)

حضرت آدمؑ اور بی بی حوا نے معافی مانگی

قال ربنا ظلمنا.........من الخسرین (1165)

حضرت نوحؑ نے ان الفاظوں میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی

"میرے رب مجھے اور میرے والدین کی اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرمادے اور ظالموں کیلئے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔ (1166)"

قرآن حکیم میں حضرت داؤدؑ کی معافی کا ذکر اسطرح آیا ہے

"(داؤدؑ نے) جواب دیا اس شخص نے اپنی دنبیوں کیساتھ تیری دنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں (یہ بات کہتے کہتے) داؤدؑ سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لئے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔"(1167)

حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ سے معافی درخواست اس طرح کی۔

"(سلیمانؑ نے) کہا اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو بے شک تو ہی داتا ہے۔"(1168)

حضرت ابراہیمؑ کی دعا مغفرت یہ تھی۔

"پروردگار میری دعا قبول کر پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف فرمانا جبکہ حساب قائم ہوگا۔"(1169)

انبیاء کا اپنی امتوں کو توبہ کی تلقین

انبیاء علیہم السلام خود بھی توبہ کرتے تھے اور اپنی امتوں کو بھی اس کا درس دیا کرتے تھے کیونکہ یہ ہی وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے خطاکار انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے اور راہ نجات پا سکتا ہے۔

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو توبہ کا حکم دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت قرار دیا۔

"اور اے میری قوم کے لوگو اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید اضافہ کرے گا۔ مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔"(1170)

حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو اس درس کی اس طرح تلقین کی۔

"اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگ اللہ کی بندگی کرو اس کے

سوا تمہارا کوئی نہیں ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور یہیں تم کو بسایا ہے لہذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ یقیناً میرا رب قریب ہے اور وہ دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔"(1171)

حضرت شعیبؑ نے قوم کو معاشی توازن بگاڑنے سے روکا انہیں ناپ تول پورا دینے کو کہا لیکن قوم نے ان کے ساتھ دنیاوی بحث کی کہ ہم خسارے کا سودا کیسے قبول کریں اور ہٹ دھرمی پر قائم رہی اور آخر میں کہا۔

"اور اے برادران قوم میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ آخر کار تم پر وہی عذاب آکر رہے جو نوح یا ہود صالح کی قوم پر آیا تھا اور لوطؑ کی قوم پر آیا تھا اور لوطؑ کی قوم تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔"(1172)

حضرت نوحؑ نے اس نسخہ کیمیا کی طرف ان الفاظوں میں توجہ دلائی۔

(نوحؑ نے) کہا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انہیں معاف کر دے انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لئے اور وہ اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی پھر میں نے اعلانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے نہریں جاری کر دے گا"(1173)۔

نبی آخر الزماں حضور اکرم ﷺ کا اپنے لئے اور امت کیلئے استغفار

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالی نے اپنے لئے اور امت کیلئے استغفار کا حکم دیا امت کے لئے معافی طلب کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کا اپنے لئے استغفار کرنا کن معنوں میں تھا؟ دراصل اللہ تعالی کے فرائض ادا کرتے ہوئے کوئی انسان یہاں تک کہ کوئی نبی اور رسول بھی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ میں نے اللہ تعالی کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اسے یہی سوچنا چاہئے جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ میں اسطرح نہیں کر سکا جیسا کرنا چاہئے تھا اور اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ مجھ سے درگزر فرما اور میری ادنی سی خدمت قبول فرما۔

اس سلسلے میں قرآنی احکام ملاحظہ فرمائیں

"(اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کیلئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے ان کے قصور معاف کر دو ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔"(1174)

"اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب حق کیساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو اور اللہ سے درگزر کی

درخواست کرو وہ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحیم ہے۔"(1175)

"مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور سول ماننے والے ہیں پس جب وہ اپنے کسی کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو اللہ یقیناً غفور ورحیم ہے۔"(1176)

"پس اے نبیؐ صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے اپنے قصور کی معافی چاہو اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔(1177)

"پس اے نبیؐ خوب جان کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور معافی مانگو اپنے قصور کیلئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کیلئے بھی اللہ تمہاری سرگرمیوں کو بھی جانتا ہی اور تمہارے ٹھکانے سے بھی واقف ہے۔"(1178)

"اے نبیؐ جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کیلئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی زنا نہ کریں گی اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو۔ یقیناً اللہ درگزر فرمانے والوں اور رحم کرنے والا ہے۔"(1179)

اور سورۃ النصر میں اس تسبیح کے ورد کے بارے میں نبی ﷺ کو کہا گیا ہے۔

فسبح بحمدربك واستغفره انه كان توابا (1180)

تو اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔

بنی اسرائیل کی توبہ

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالی نے چالیس روز کوہ طور پر بلایا۔ تاکہ قوانین شریعت کی تکمیل ہو سکے۔ حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ واپسی پر حضرت موسیٰ نے یہ حال دیکھا تو سخت غصے میں آئے اور اس قوم کی معافی کی یہ صورت بتائی کہ اب تم اپنے لوگوں کو قتل کرو خاص طور پر ان لوگوں نے جنھوں نے گوشالے کو معبود بنایا اور اس کی پرستش کی(1181)

تب تمہاری توبہ قبول ہوگی۔

"یاد کرو جب موسیٰ (یہ نعمت لئے ہوئے پلٹا تو اس) نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی اوپر سخت ظلم کیا ہی لہذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے اس وقت تمہارے خالق نے تمہاری توبہ قبول کرل کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (1182)"

یہاں توبہ کیساتھ قتل نفس کا بھی ذکر ہے بعض دفعہ جرم اتنا سنگین ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی اس پر انتہائی ناراضگی ہوتی ہے جیسا کہ یہاں شرک ہے۔ تو ایسے جرائم میں معافی اسی وقت ملتی ہے جب اس جرم کی نوعیت کے مطابق سزا مل جاتی ہے یہاں مجرموں کا قتل لازم کردیا گیا اس کے بعد توبہ اور معافی قبول ہوئی اللہ تعالی قوموں کو ایسے بڑے جرم اور سزا سے محفوظ رکھے۔

اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ توبہ محض زبانی کلامی کا نام نہیں بلکہ بعض دفعہ تو اس کے ساتھ اتنی بڑی سزا مشروط کردی جاتی ہے کہ اپنے ہی لوگوں کو قتل تک کرنا پڑتا ہے پھر جا کر کہیں توبہ قبول ہوتی ہے۔

روحانی رحمتیں اور توبہ

توبہ کرنے والوں کیلئے عرش الہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گرد وپیش حاضر رہنے والے ملائکہ اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں ان کیلئے سفارشیں کرتے ہیں اور ان پر دنیا میں بھی خدا کی نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ رحمتوں کی بارشیں برستی ہیں ان کے مال اولاد باغات نہروں میں اضافہ اور برکت ہوتی ہے اور یہ لوگ خدائی عذاب سے محفوظ رہتے ہیں اور فلاح وکامرانی ان کے قدم چومتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے

"عرش الہی کے حامل فرشتے اور جو عرش کے گرد وپیش حاضر رہتے ہیں سب اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کررہے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے پس معاف کردے اور عذاب دوزخ سے بچالے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ اے ہمارے رب اور داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تونے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں جو صالح ہوں (ان کو بھی وہاں ان کے ساتھ ہی پہنچادے) تو بلا شبہ قادر مطلق اور حکیم ہے اور بچادے ان کو برائیوں سے جس کو تونے قیامت کے دن برائیوں سے بچادیا اس پر تونے بڑا رحم کیا یہی بڑی کامیابی ہے۔"(1183)

"قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑے فرشتے اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کررہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں درگزر کی درخواستیں کئے جاتے ہیں آگاہ رہو حقیقت میں اللہ غفور رحیم ہی ہے۔"(1184)

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔"(1185)

"(اور ھودؑ نے کہا) اے میری قوم کے لوگوں اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔ مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔"(1186)

"اس وقت تو اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ تو ان کے درمیان موجود تھا اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے۔"(1187)

"اے مومنوں تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"(1188)

"اے لوگوں جو ایمان لائے اللہ سے توبہ کرو خالص توبہ۔ بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسے جنتوں میں داخل فرمادے جن کے نیچے نہیں بہہ رہی ہوں گی یہ وہ دن ہو گا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے مکمل کر دے اور ہم نے درگزر فرما تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (1189)"۔

"اللہ تعالی توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور یہی لوگ بارگاہ خداوندی میں محبوب ہیں۔"(1190)

اللہ تعالی ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توبہ کرتے ہیں اور پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

سحر کے وقت استغفار

اللہ کے نیک بندے اس وقت استغفار اور معافی طلب کرنے میں لگے رہتے ہیں جب عام دنیادار لوگ مزے کی نیند سوتے ہیں وہ بے چینی میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور کچھ آرام کر کے اندھیرے منہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں وہ رات کے پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں وہ کہتے ہیں اے رب ہم کمزور اور ناتواں ہیں ہم سے درگزر فرما۔ ہمیں نہ پکڑ ہم پر آپ کی بندگی کا جو حق تھا ہم سے ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے ہمیں معاف فرما۔

وبالاسحار هم يستغفرون (1191)

کافر کی توبہ مقبول نہیں

کفر ناقابل معافی گناہ ہے اللہ تعالی کے نزدیک کفر بغاوت کے مترادف ہے اس لئے کھلے باغی کا جرم اصولی لحاظ سے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے ابراہیمؑ کو اپنے والد صاحب کیلئے مغفرت طلب کرنے سے روک دیا گیا۔

"نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔"(1192)

حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت صرف اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے اس کا وعدہ کیا تھا اس وعدہ کو پورا کرنا چاہتے تھے اور بعد میں اس سے بھی رجوع کر لیا تھا۔

"نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے

رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں ابراہیمؑ نے اپنے باپ کیلئے جو دعائے مغفرت کی تھی وہ تو اس وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا مگر جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا حق یہ ہے کہ ابراھیمؑ بڑا رقیق القلب وخدا ترس اور بردبار آدمی تھا۔

کفر کی حالت پر قائم رہتے ہوئے موت آجائے تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔"(1193)

"مگر توبہ ان لوگوں کیلئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے اس وقت وہ کہتا ہے کہ رب میں نے توبہ کی اور اس طرح ان کیلئے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں ایسے لوگوں کیلئے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔"(1194)

"مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی ایسے لوگ تو پکے گمراہ ہیں یقین رکھو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں جان دی ان میں سے کوئی اگر اپنے اپ کو سزا سے بچانے کیلئے روئے زمین بھر کر بھی سونا فدیہ میں دے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا ایسی لوگوں کیلئے دردناک سزا تیار ہے اور وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔"(1195)

منافق اور توبہ

منافقوں کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ پیغمبر علیہ السلام کو بھی ان کی مغفرت سے روک دیا گیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور اللہ ایسے فاجروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرے تو سر جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ آنے سے رکتے ہیں اے نبیؐ تم چاہے ان کیلئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو ان کیلئے یکساں ہے اللہ ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا اللہ فاسق لوگوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا۔"(1196)

"اے نبیؐ بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے اب وہ آکر ضرور تم سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے اموال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا۔ آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں نہیں ہوتی ان سے کہنا اچھا یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلہ کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے ؟ تمہارے اعمال سے تو اللہ ہی باخبر ہے مگر اصل بات وہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو۔"(1197)

"اے نبیؐ تم خواہ ایسے لوگوں کیلئے معافی کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کیساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا۔ منافق اگر منافقت سے توبہ کرلیں اپنی اصلاح کریں تو ان کیلئے بہتر ہے پھر وہ مومنوں کے ساتھ رہیں گے۔"(1198)

"اب اگر یہ اپنی اس روش سے باز آجائیں تو انہی کے لئے بہتر ہے اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک

سزادے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایت اور مددگار ہو۔"(1199)

"یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیں ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"(1200)

منافقین کی ہر سال ایک دوبار آزمائش ہوتی رہتی ہے ان کے دعوی کو ایمان کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ کبھی قرآن حکیم میں ایسا حکم آجاتا ہے جس سے ان کی خواہشات نفس پر کوئی نئی پابندی عائد ہو جاتی ہے کبھی دین کا ایسا مطالبہ آجاتا ہے کہ ان کے مفادات پر زد پڑنے لگتی ہے کبھی جنگ کے ذریعے انہیں آزمایا جاتا ہے اس میں ان کی جان مال وقت محنت کا ایثار دیکھا جاتا ہے غرض ان کو مختلف طریقے سے آزمایا جاتا ہے مگر یہ اتنے ڈھیٹ ہیں نہ توبہ کرتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔"(1201)

توبہ واستغفار کا حکم

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اس کے حضور توبہ واستغفار کرتے رہا کریں۔انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ زبان سے ذہن سے دل سے دماغ سے اس کی طرف توجہ رکھے۔

"اور اللہ سے معافی چاہو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"(1202)

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔"(1203)

"اللہ سے مغفرت مانگتے رہو بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔"(1204)

"تو اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے۔"(1205)

تثلیث سے توبہ

اللہ تعالی تثلیث کے پیروکاروں سے کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا کفر ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ عذاب کے مستحق ہیں اور اس سے چھٹکارے کا یہی واحد طریقہ ہے کہ توبہ کر کے اس سے باز آجانا چاہئے۔اس طرح اللہ کے دربار سے معافی مل سکتی ہے۔

"یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں ایک ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس نے کفر کیا ہے اس کی دردناک سزا دی جاھے گی پھر کیا یہ اللہ سے توبہ

نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"(1206)

توبہ واستغفار کے نتائج

یہ لفظ محض زبانی اور کلامی ہی نہیں کہ آدمی محض زبان سے معافی مانگتا رہے بلکہ انسان سوچ سمجھ کر ان الفاظوں کو ادا کرتا ہے اور آئندہ کیلئے اپنی اصلاح کرتا ہے اس طرح اس سے بگڑوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ بھٹکوں کو راستہ ملتا ہے اور نافرمان اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اختیار کر لیتے ہیں پھر رحمت باراں نازل ہوتی ہے زمین سونا اگلنے لگتی ہے۔ رزق میں فراوانی ہوتی ہے اور دنیاوی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

"البتہ جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل اختیار کرلیں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی ان کیلئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے درپردہ وعدہ کر رکھا ہے اور یقیناً یہ وعدہ پورا ہوکر رہنا ہے وہاں جو کچھ بھی سنیں گے ٹھیک ہی سنیں گے اور ان کا رزق انہیں پیہم صبح وشام ملتا رہے گا یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہے۔"(1207)

توبہ سے نہ صرف یہ کہ سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں بلکہ آئندہ اس کے حساب کتاب میں یہ نیکی بھی لکھ دی جاتی ہے کہ یہ عظیم بندہ ہے جس نے بدی چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کیا۔

"اگر کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کرچکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔"(1208)

"پس جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے وہی یہ توقع کرسکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔"(1209)

"اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔"(1210)

"اور اے میری قوم کے لوگو اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو۔ وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔"(1211)

"البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کرکے اپنے عمل کی اصلاح کرلی تو یقیناً توبہ واصلاح کے بعد تیرا رب ان کیلئے غفور ورحیم ہے۔"(1212)

مصائب اور کفارہ

اس دنیا میں مصائب سے زیادہ اذیت ناک اور دردناک کوئی چیز نہیں ہوتی لیکن اس سے انسانوں اور قوموں کی تربیت اور اصلاح بھی خوب ہوتی ہے بقول سید سلیمان ندوی "اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں ہی کی آگ نکھار کر کندن بناتی

ہے صبر استقلال تواضع شکر محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت ان ہی مصائب کے زیر سایہ ہوتی ہے۔ مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت سے ٹھوکر کھاتا ہے تو سنبھل جاتا ہے اس لئے غافل انسانوں اور خود فراموش سر مستوں کو ہوش میں لانے کیلئے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں کہ ان کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک دفعہ بے قرار ہو کر خدا کا نام لے بیٹھتا ہے۔ دولت و نعمت اور کامیابی و مسرت وہ شراب ہے جس کے نشہ کا اتار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا ہے انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو لیکن جب وہ کسی افتاد سے دوچار ہوتا ہے تو دفعتہً اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ بیماری تنگ دستی عزیزاں کی موت آرزوؤں کی ناکامی ان میں سے ہر چیز وہ ٹھوکر ہے جس کو کھا کر سر مست سے سر مست راہ گیر بھی ایک دفعہ چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے اس لئے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔(1213)

قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کو ہلاک کرنے سے پہلے طرح طرح کے مصائب میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ راہ ہدایت پر آجائیں۔

"ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے۔ (1214)

اور مقام پر اسی بات کو قرآن حکیم نے یوں سمجھایا ہے۔"(1214)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی نہ بھیجا ہو اور اسی بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں۔"(1215)

بنی اسرائیل کو نوٹس دیا اور انہیں بھی خبردار کیا گیا۔

"اور ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت قوموں میں تقسیم کر دیا کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔ اور ہم ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمائش میں مبتلا کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔"(1216)

"ان کا حال تو یہ تھا کہ ہم نے انہیں تکلیف میں مبتلا کیا پھر بھی یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکے اور نہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔"(1217)

مسلمانوں کو بھی اس امتحان اور اور بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔

"اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر فاقہ کشی جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہی انہیں خوشخبری دے دو ان پر ان کے رب کی طرف بڑی عنایات ہوں گی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔"(1218)

یہ دنیا بہت ہی خوبصورت ہے اس میں ایک دنیادار آدمی اپنے ذاتی فائدے کے لئے برائی کر بیٹھتا ہے اس انسان کے تمام

احوال دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کیلئے دنیا میں مختلف طریقوں سے اسے مصائب و آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں تاکہ شریر نفس راہ راست پر آجائے۔

"اور ہم نے البتہ ان کو بڑے عذاب سے پہلے ادنی عذاب کا کچھ مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ اب بھی باز آجائیں۔ (1219)

اگر انسان راہ ہدایت پر چلتا رہے اور نیکی نیتی سے اپنی اصلاح کرتا رہے اور نیکی پر چلنے کی اپنے تئیں کوشش کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو ان سزاؤں کو دینے کی کیا ضرورت ہے؟

"آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔"(1220)

غرض دنیا کے مصائب اور تکالیف آنے والی زندگی کی ابدی اور تکلیف دہ عذاب سے بچانے اور پچھلے گناہوں سے پاک کرنے کا ذریعہ ہیں۔

توبہ نصوح

توبہ کے لئے قرآن حکیم ایک خاص اصطلاح توبةً نصو حاً بھی بیان ہوئی ہے

یایھا الذین امنو ا توبو الی اللّٰہ توبة نصوحا"(1221)

اے لوگوں جو ایمان لائے اللہ سے توبہ کرو خالص توبہ۔

کہا گیا ہے کہ نصوحاً دراصل نصاحة الثوب سے ہے جس کے معنی ادھڑنے کپڑے کی مرمت کردینا اور پھٹے ہوئے کپڑے کو سی دینا ہے۔ نصح کے معنی خالص خلوص اور خیر خواہی کے بھی ہیں۔ عسل ناصح اس خالص شہد کو کہتے جو موم جلنے کے مواد اور دوسری آلائشوں سے صاف ہو جائے (1222)

اگر نصوح کو مصدر نصح اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آدمی ایسی خالص توبہ کرے جو ریا نمود اور نفاق سے خالص ہو اور اگر نصوح کا مصدر نصاحت سے مشق قرار دیں تو اس کے معنی جیسے کے اوپر تحریر کئے گئے ہیں کہ پھٹے ہوئے کپڑے کو سی دینے اور ادھڑے ہوئے کپڑے کی مرمت کردینے کے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے گناہ سے انسان کے لباس میں جو شگاف پھٹن اور فرق واضح ہوتا تھا توبہ نے اسے پر کردیا۔

نعمان بن بشیر نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ لوگوں میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یا توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ پھر اس کے کرنے کا ارادہ بھی نہ کرے۔ علماء سلف فرماتے ہیں کہ توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو سی وقت چھوڑ دے جو ہو چکا اس پر نادم ہو اور آئندہ کیلئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اگر گناہ میں کسی انسان کا حق ہے تو وہ ادا کردے۔ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ نادم ہو جانا بھی توبہ ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے انہوں نے حضور پاک ﷺ نے بتایا توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ ہو جانے پر

نادم ہو۔ اللہ تعالی سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا حضرت حسن فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسی ہی نفرت دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے تو اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جما رہتا ہے۔

تو اللہ تعالی اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے توبہ کرنے سے پہلے کی خطائیں مٹ جاتی ہیں(1223)

حضرت علیؓ نے ایک بار بدو سے زبانی جلدی جلدی توبہ کے الفاظ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے اس نے کہا تو پھر سچی توبہ کونسی ہے آپؓ نے فرمایا اس کے ساتھ چھ باتیں ہیں۔

ا۔ جو کچھ گذر چکا اس پر شرمندگی۔

۲۔ جن فرائض میں کوتاہی ہوئی ہو ان کو ادا کرنا

۳۔ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کر دو

۴۔ جس کو اذیت دی ہو اس سے معافی مانگے

۵۔ آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کرلے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہیں کرے گا

۶۔ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کو خوگر بنائے رکھا ہے اور اس کو اطاعت ہے۔ تلخی کا مزا چکھا جس طرح اب تک اسے معصیتوں کی حلاوک کا مزا چکھاتا رہا ہے(1224)

توبہ نصوح کی وضاحت کرتے ہوئے سید قطب فرماتے ہیں دراصل یہاں توبہ کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ کہ آدی دل سے توبہ کرے ایسی توبہ جو دل کو پاک صاف کر دے اس میں کوئی غل وغش نہ ہو کوئی فریب نہ ہو ایسی توبہ دلوں کو دھوڈالتی ہے ان سے معاصی کا اثر محو کر دیتی ہے اس کے ساتھ ندامت ہوتی ہے اور آئندہ وہ توبہ کرنے والا اور گناہوں کے قریب نہیں جاتا ایسی توبہ سے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

قیامت کے دن ایسی توبہ کرنے والے رضائے الہی کے حق دار ہوں گے سدابہار باغوں میں رہیں گے وہ بھرے مجمع میں زلیل ورسوانہ ہوں گے کتنی بڑی تکریم اور تعظیم ہے کہ اللہ تعالی ایمانداردں کو اسی آیت میں اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ملا رہا ہے انہیں پیغمبر کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر رہا ہے(1225)

اقبال اور توبہ

علامہ اقبال نے "اسلامی الہیات کی جدید تشکیل" میں آدم کے جنت سے نکالے جانے میں اس نظریہ پر گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جنت میں آدم کی زندگی دراصل انسانیت کے اس ابتدائی دور سے عبارت ہے جبکہ اس میں احساس خودی پیدا نہ ہوا تھا اس کا دل آرزو اور احتیاج کی خلش سے بیگانہ تھا یہ واقعہ دراصل اس حقیقت کی یادگار ہے کہ کس طرح انسان نے اپنی جبلی میلانوں کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور ایک آزاد اور با اختیار ایغو کا مالک اس میں آگہی وتوف شک اور خلاف ورزی کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ آغوش فطرت میں طویل خواب کے بعد اب وہ بیدار ہوا اور اس کو پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ واقعات

وحوادث کے اسباب اس کی ذات میں پوشیدہ ہیں۔ آدمؑ کی نافرمانی اس کیلئے ایک سبق تھی اس طرح اس نے اپنے اختیار وارادہ کو برتنا سیکھا اس لئے اُس کا قصور معاف کردیا گیا۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر کہیں نہیں کیا کہ جنت سے نکلنے کے بعد دنیا آدمؑ کے لئے کلفت وزحمت کی جگہ بنائی گئی تاکہ وہ اپنے گناہ کی سزا پائے یہ تصور بالکل غلط ہے۔(1226)

اسلامی تصور کے خلاف مسیحی تعلیم میں آدمؑ کی دنیوی زندگی کا سرتاپا گناہ قرار دیا گیا ہے خواہشات نفسانی اور احساس خودی اس لغزش کا نتیجہ قرار پائے جو آدمؑ کے شیطانی وسوسے کی بناء پر سرزد ہوئی تھی۔ انسان کے اس گناہ کا کفارہ اس کے اعمال سے ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کے مصائب وایثار سے انسانی گناہ کا کفارہ دیا اور اسے انسانی نجات کی راہ نکالی یورپ میں ازمنہ وسطیٰ میں یہ خیال تمام عیسائیوں میں پایا جاتا تھا کہ اگرچہ عالم فطرت کو خدا نے بنایا لیکن اس کو شیطان کے حوالے کردیا تاکہ وہ اس پر اپنی حکمرانی کرے یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مطالعہ فطرت کو مذموم سمجھتے تھے اور ان لوگوں کی نسبت جو اس جانب توجہ کرتے تھے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان بھوت پلید سے تعلق ہے۔ مسیحی تعلیم نے آدمؑ کے گناہ کے سبب انسان کو ذلیل وحقیر قرار دیا جو کسی قسم کے ذمہ داری کا اہل نہیں۔ آدمؑ کے جنت سے نکلنے اور دنیا میں آنے کے متعلق مسیحی اور اسلامی روایات میں جو فرق ملتا ہے وہ زندگی کے اس نقطہ نظر پر مبنی ہے جو ان مذہبوں نے اپنے پیروؤں کے لئے پیش کیا ہے(1227)

اسلام کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اُس نے اخلاق کو زندگی کا محرک اور تاریخ کو انسانی اعمال کا فیصلہ قرار دیا اس نے انفرادی ذمے داری اور سعی وعمل کی زندگی کا اصول قرار دیا ہے جس سے انسان کی ظاہری اور باطنی خوبیاں نمایاں ہوتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو ملائکہ کو مسجود ہونے کا مستحق ثابت کرسکتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں وضاحت اس طرح پیش کی گئی ہے

"ہم نے انسان کو بہترین انداز پر بنایا پھر اسے نیچے سے نیچے درجوں میں پھینک دیا مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام سے کئے سو ان کیلئے بڑا اجر ہے"(1228)

یعنی انسان حقیقت میں نیک ہے اور اس کی شرافت وفضیلت مسلم ہے لیکن برے اعمال کی وجہ سے اس کا ازلی کمال زائل ہوجاتا ہے شر سے انسان بچ سکتا ہے وہ مجبور نہیں کسی شخص کا عمل زندگی میں ضائع نہیں جاتا۔

انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر وانثی(1229)

ہم تم میں سے کسی کرنیوالے کا عمل ضائع نہیں کرتے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

لا تزر وزرۃ وزر اخری (1230)

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

"اور ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے سے اٹھالیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔"(1231)

اقبال نے اسلامی الہیات کی جدید تشکیل میں یہ تفسیر کی ہے جس امانت کا بوجھ آسمان اور زمین سے اٹھانے سے انکار کیا وہ شخصیت اور احساس خودی کی ذمہ داری تھی جسے انسان نے جوش وجدان میں قبول کرلیا۔ اور اس طرح نادانستہ طور پر کائنات ہستی میں اپنی فضیلت ثابت کردی(1232)

حوالہ جات باب پنجم

۱۔ ابن منظور "لسان العرب" بذیل مادہ ج ۴ ص ۴۲۴

۲۔ القرآن ۶۹ : ۴۷

۳۔ القرآن ۱۲ : ۱

۴۔ القرآن ۱۱۲ : ۱۲

۵۔ راغب المفردات ۱۲

۶۔ لین بحوالہ محمد یوسف موسیٰ مقالہ توحید۔ اردو۔ دائرہ۔ معاف اسلامیہ ج ۴ ص ۶۸۳

۷۔ لن منظور "لسان العرب" بذیل مادہ ج ۶ ص ۴۶۲ ۔ ۴۶۵

۸۔ میکڈونلڈ بحوالہ محمد یوسف موسیٰ مقالہ "توحید"۔ اردو۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۶ ص ۶۸۲

۹۔ محمد یوسف ایضاً

۱۰۔ ابن خلدون بحوالہ محمد یوسف موسیٰ ایضاً

۱۱۔ شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" ۱۰۱۔ اردو ترجمہ عبدالحق حقانی دہلوی قصر الحکمت میکلور روڈ لاہور سن ندارد ج ۱ ص ۱۰۱

۱۲۔ القرآن ۴۲ : ۱۱

۱۳۔ القرآن ۱۱۲ : ۳۱

۱۴۔ القرآن ۱۰ : ۳۱

۱۵۔ القرآن ۱۰ : ۱۲

۱۶۔ القرآن ۳ : ۲

۱۷۔ القرآن ۲ : ۲۸۴

۱۸۔ القرآن ۳:۶:۲

۱۹۔ القرآن ۶ : ۲۱

۲۰۔ القرآن ۶ : ۶۱

۲۱۔ القرآن ۷ : ۳۷

۲۲۔ القرآن ۲۸ : ۸۸

۲۳۔ القرآن ۶ : ۷۱

۲۴۔ القرآن ۲۷ : ۲۶

۲۵۔ القرآن ۲۵ : ۲
۲۶۔ القرآن ۳ : ۲۶
۲۷۔ القرآن ۲ : ۱۸۶
۲۸۔ القرآن ۲ : ۲۵۵
۲۹۔ القرآن ۳۹ : ۶۲
۳۰۔ القرآن ۳۹ : ۶۵
۳۱۔ القرآن ۱۲ : ۲۵
۳۲۔ القرآن ۶ : ۵۴
۳۳۔ القرآن ۶۷ : ۲
۳۴۔ القرآن ۵۰ : ۱۶
۳۵۔ القرآن ۲۳ : ۹۷
۳۶۔ القرآن ۴۵ : ۱۹
۳۷۔ القرآن ۴ : ۴۵
۳۸۔ القرآن ۳ : ۱۴۵
۳۹۔ القرآن ۵ : ۴۲
۴۰۔ القرآن ۶ : ۳
۴۱۔ القرآن ۶ : ۱۳
۴۲۔ القرآن ۶ : ۱۴
۴۳۔ القرآن ۶ : ۱۷
۴۴۔ القرآن ۶ : ۱۰۱
۴۵۔ القرآن ۶ : ۱۰۳
۴۶۔ القرآن ۵۹ : ۲۳
۴۷۔ القرآن ۴۷ : ۱۰
۴۸۔ القرآن ۵۷ : ۴
۴۹۔ القرآن ۴۰ : ۶۰
۵۰۔ ندوی سلیمان سید۔ سیرت النبی ج۶ ص ۴۳۶: ۴۳۸

۵۱۔ ایضاً ص ۴۴۰

۵۲۔ القرآن ۳۰ : ۳

۵۳۔ القرآن ۱۴ : ۱۰

۵۴۔ القرآن ۶۷ : ۳۔۴

۵۵۔ القرآن ۵۲ : ۳۵۔۳۶

۵۶۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۶ ص ۴۲۲

۵۷۔ القرآن ۳ : ۱۹۰

۵۸۔ القرآن ۳ : ۴۰

۵۹ القرآن ۷ : ۱۸۵

۶۰۔ القرآن ۵۴ : ۴۹

۶۱۔ القرآن ۲۵ : ۶۱

۶۲۔ القرآن ۲۷ : ۲۸

۶۳۔ القرآن ۲ : ۱۶۴

۶۴۔ القرآن ۱۲ : ۱۲

۶۵۔ برق غلام جیلانی ڈاکٹر "دو قرآن" ص ۱۸۶ غلام علی اینڈ سنز لاہور سن ندار ص ۱۸۶

۶۶۔ القرآن ۴۵ : ۳ ۔ ۴

۶۷۔ القرآن ۶ : ۹۹

۶۸۔ القرآن ۸۸ : ۱۷

۶۹۔ القرآن ۱۶ : ۶۸ ۔ ۶۹

۷۰۔ القرآن ۱۶ : ۹

۷۱۔ القرآن ۸۸ : ۱۸ ۔ ۲۱

۷۲۔ القرآن ۳۵ : ۲۷

۷۳۔ القرآن ۳۱ : ۱۰ ۔ ۱۱

۷۴۔ القرآن ۳۲ : ۷ ۔ ۸

۷۵۔ القرآن ۸۲ : ۶ ۔ ۸

۷۶۔ القرآن ۷۵ : ۳ ۔ ۴

۷۷۔ القرآن ۵۱ : ۲۱

۷۸۔ القرآن ۴۱ : ۵۳

۷۹۔ پروفیسر ولیم میکر اﺅنڈ بحوالہ برق "دو قرآن" ص۴۹

۸۰۔ سلیمان ندوی سیر النبی ج م ص ۴۴۹

۸۱۔ خورشید احمد پروفیسر اسلامی نظریہ حیات کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۲ء ص۱۹۲۔۱۹۳

۸۲۔ بحوالہ ایضاً ص ۱۹۳ ۔ ۱۹۴

۸۳۔ ایضاً ص ۱۹۸

۸۴۔ القرآن ۲۳ : ۱۴

۸۵۔ القرآن ۶۷ : ۳

۸۶۔ القرآن ۵۵ : ۷

۸۷۔ القرآن ۶ : ۱۴۱

۸۸۔ القرآن ۳۹ : ۲۱

۸۹۔ القرآن ۵۱ : ۴۹ ۔ ۵۱

۹۰۔ القرآن ۲ : ۲۲

۹۱۔ القرآن ۳۵ : ۱۲ ۔ ۱۴

۹۲۔ القرآن ۱۳ : ۴

۹۳۔ القرآن ۳ : ۸۳

۹۴۔ القرآن ۲۱ : ۲۳

۹۵۔ القرآن ۶ : ۷۶ ۔ ۷۹

۹۶۔ القرآن ۳۵ : ۴۱

۹۷۔ القرآن ۲ : ۲۱۴

۹۸۔ القرآن ۲۱ : ۲۱ ۔ ۲۲

۹۹۔ القرآن ۱۷ : ۴۲ ۔ ۴۳

۱۰۰۔ القرآن ۱۳ : ۱۷

۱۰۱۔ القرآن ۲۱ : ۲۱ ۔ ۲۲

۱۰۲۔ اصلاحی امین احسن حقیقت توحید مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۳ء ص ۴۳۔۴۵

۱۰۳۔ القرآن ۳۷ : ۶۹ ۔ ۸۲

۱۰۴۔ القرآن ۳۰ : ۳۰

۱۰۵۔ القرآن ۵۱ : ۲۰ ۔ ۲۷

۱۰۶۔ القرآن ۳۱ : ۱۳

۱۰۷۔ القرآن ۲۳ : ۱۱۷

۱۰۸۔ اصلاحی "حقیقت توحید" ص ۶۷

۱۰۹۔ القرآن ۱۲ : ۳۸ ۔ ۴۰

۱۱۰۔ اصلاحی "حقیقت توحید" ص ۶۷۔۷۴

۱۱۱۔ القرآن ۶ : ۶۳ ۔ ۶۴

۱۱۲۔ اصلاحی حقیقت توحید ص ۷۴۔۷۹

۱۱۳۔ القرآن ۳ : ۹۵

۱۱۴۔ القرآن ۶ : ۷۸ ۔ ۷۹

۱۱۵۔ القرآن ۴۳ : ۲۶ ۔ ۲۸

۱۱۶۔ القرآن ۲ : ۲۷ ۔ ۲۹

۱۱۷۔ القرآن ۲ : ۱۳۳

۱۱۸۔ القرآن ۱۰ : ۳۱ ۔ ۳۲

۱۱۹۔ القرآن ۷ : ۵۴

۱۲۰۔ القرآن ۶۷ : ۱۴

۱۲۱۔ القرآن ۶ : ۱۷

۱۲۲۔ القرآن ۷ : ۱۸۰

۱۲۳۔ القرآن ۱۰ : ۶۸

۱۲۴۔ القرآن ۱۶ : ۷۱ ۔ ۷۶

۱۲۵۔ القرآن ۲۱ : ۲۲

۱۲۶۔ اصلاحی حقیقت توحید ص ۱۰۳

۱۲۷۔ ایضاً ص ۱۰۴

۱۲۸۔ لوئس معلوف "المنجد" زیر مادہ عربی اردو مترجم دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۰ء

۱۲۹۔ تھانوی قاضی محمد علی بن علی کشاف اصطلاحات الفنون لاہور 1983 مادہ شرک

۱۳۰۔ القرآن ۴ : ۱۲

۱۳۱۔ القرآن ۶ : ۹۴

۱۳۲۔ القرآن ۲۰ : ۳۲

۱۳۳۔ راغب 'مفردات" زیر مادہ

۱۳۴۔ محمد عطاء اللہ حنیف مقالہ "شرک" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۶۹

۱۳۵۔ شاہ عبدالقادر موضح القرآن تاج کمپنی لاہور سن ندارد ص ۴۴

۱۳۶۔ شاہ اسمعیل شہید "تقویت الایمان" امجد اکیڈمی اردو بازار لاہور سن ندارد ۱۵

۱۳۷۔ شاہ ولی اللہ "الفوز الکبیر" ص ۱۶

۱۳۸۔ شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" ج ۱ ص ۱۰۳

۱۳۹۔ مودودی "تفہیم القرآن" مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۷۳ء ج ۱ ۵۹۸

۱۴۰۔ القرآن ۳۹ : ۴۳ ۔ ۴۴

۱۴۱۔ محمد بن عبدالوہاب "کتاب التوحید" اردو ترجمہ عطاءاللہ انصار السنۃ لاہور سن ندارد ص ۱۵۹

۱۴۲۔ "ابن القیم مدارج السالکین" بحوالہ عطاءاللہ "مقالہ شرک" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۶۹۱

۱۴۳۔ شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ"۔ اردو ترجمہ ابو محمد عبدالحق حقانی ج ۱ ص ۱۰۸۔

۱۴۴۔ القرآن ۴ : ۱۱۶

۱۴۵۔ القرآن ۵ : ۷۲

۱۴۶۔ القرآن ۳۱ : ۱۳

۱۴۷۔ القرآن ۹ : ۲۸

۱۴۸۔ القرآن ۹ : ۱۱۳

۱۴۹۔ القرآن ۲۸ : ۶۲

۱۵۰۔ القرآن ۶ : ۹۴

۱۵۱۔ القرآن ۱۰ : ۱۸

۱۵۲۔ القرآن ۳۰ : ۱۳

۱۵۳۔ القرآن ۴۱ : ۳۷

۱۵۴۔ القرآن ۴ : ۳۶

۱۵۵۔ القرآن ۶۰ : ۱۲

۱۵۶۔ القرآن ۶ : ۸۸

۱۵۷۔ القرآن ۹ : ۱۷

۱۵۸۔ القرآن ۲۳ : ۵۱

۱۵۹۔ القرآن ۳۰ : ۴۰

۱۶۰۔ القرآن ۲۹ : ۶۵ ۔ ۶۷

۱۶۱۔ القرآن ۳۵ : ۴۰

۱۶۲۔ القرآن ۴۶ : ۴

۱۶۳۔ القرآن ۱۰ : ۳۱

۱۶۴۔ اصلاحی امین احسن "حقیقت شرک" مرکزی جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۲ء ص ۲۵

۱۶۵۔ القرآن ۱۶ : ۵۰

۱۶۶۔ القرآن ۵۳ : ۲۲

۱۶۷۔ القرآن ۷۲ : ۶

۱۶۸۔ القرآن ۶ : ۱۳۷

۱۶۹۔ القرآن ۶ : ۱۰۰

۱۷۰۔ القرآن ۴۱ : ۳۷

۱۷۱۔ شاہ ولی اللہ "الفوز الکبیر" ص ۱۶

۱۷۲۔ شبلی "سیرت النبی" ج ۶ ص ۲۵۳

۱۷۳۔ القرآن ۲ : ۲۵۶

۱۷۴۔ القرآن ۱۰ : ۳

۱۷۵۔ القرآن ۴۳ : ۸۴

۱۷۶۔ اصلاحی امین احسن "حقیقت شرک" ص ۴۴۔۴۵

۱۷۷۔ القرآن ۷ : ۱۹۵

۱۷۸۔ القرآن ۱۶ : ۲۰ ۔ ۲۱

۱۷۹۔ القرآن ۳۶ : ۷۰ ۔ ۷۴

۱۸۰۔ القرآن ۵ : ۱۰۴

۱۸۱۔ القرآن ۶ : ۱۴۸

۱۸۲۔ القرآن ۴۴ : ۳۵ ۔ ۳۶

۱۸۳۔ القرآن ۳۹ : ۲ ۔ ۳

۱۸۴۔ القرآن ۵ : ۴۲ ۔ ۴۷

۱۸۵۔ القرآن ۸۹ : ۱۳ ۔ ۱۴

۱۸۶۔ اصلاحی "حقیقت شرک ص ۷۱ ۔۷۲

۱۸۷۔ القرآن ۳ : ۶۴

۱۸۸۔ القرآن ۹ : ۳۱

۱۸۹۔ بحوالہ ابن کثیر تفسیر تفسیر توبہ ۹ : ۳۱

۱۹۰۔ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر ص ۳۲

۱۹۱۔ بلنچلی دی تھیوری آف سٹیٹ بحوالہ اصلاحی حقیقت شرک ص ۷۹

۱۹۲۔ شاہ ولی اللہ الفوز لکبیر ص ۳۲ ۔ ۳۴

۱۹۳۔ اصلاحی حقیقت شرک ص ۸۲

۱۹۴۔ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر ص ۳۳

۱۹۵۔ اصلاحی حقیقت شرک ص ۸۴ ۔ ۸۵

۱۹۶۔ جلبی متولی یوسف "مسیحیت" اردو ترجمہ شمس تبریز ص ۱۳۱ ۔ ۱۳۲

۱۹۷۔ گبن بحوالہ اصلاحی "حقیقت شرک" ص ۸۹

۱۹۸۔ القرآن ۹ : ۳۵

۱۹۹۔ مائدہ ۵ : ۱۷

۲۰۰۔ مائدہ ۵ : ۷۳ ۔ ۷۵

۲۰۱۔ القرآن ۱۱۲

۲۰۲۔ القرآن ۴ : ۴۷ ۔ ۵۱

۲۰۳۔ القرآن ۵ : ۱۸

۲۰۴۔ القرآن ۴ : ۵۱

۲۰۵۔ لوئس معلوف "المنجد ص" ۱۳۲

۲۰۶۔ ابن کثیر "تفسیر" ۱ ص ۵۱۱

۲۰۷ـ طبری "جامع البیاں" ج ۵ ص ۱۳۱

۲۰۸ـ راغب "مفردات" ص ۱۶۶

۲۰۹ـ القرآن ۲ : ۱۵۱

۱۱۰ـ عبدالماجد دریابادی "تفسیر ماجدی" تاج کمپنی لاہور سن ندارد ص ۱۹۴

۲۱۱ـ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۱ ص ۳۶۰

۲۱۲ـ اصلاحی امین احسن "حقیقت شرک" ص ۱۰۲

۲۱۳ـ سید محمد قطب فی ظلال القرآن قاہرہ ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۶۸۱

۲۱۴ـ ابن منظور لسان بذیل مادہ

۲۱۵ـ راغب "مفردات" ص ۱۳۵

۲۱۶ـ آلوسی روح المعانی ج ۴ ص ۴۷ ۲

۲۱۷ـ رازی "تفسیر کبیر" ج ۹ ص ۳۳۰

۲۱۸ـ طبری "جامع البیاں" ج ۵ ص ۱۳۱

۲۱۹ـ ابن کثیر "تفسیر" ج ۱ ص ۵۱۱

۲۲۰ـ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۱ ص ۱۹۶

۲۲۱ـ اصلاحی امین احسن "حقیقت شرک" ص ۱۰۶

۲۲۲ـ القرآن ۴ : ۵۱

۲۲۳ـ یوحنا ۱۴ : ۱۶

۲۲۴ـ یوحنا ۱۴ : ۱۶ ـ ۲۷

۲۲۵ـ یوحنا ۱۴ : ۲۸ ـ ۳۱

۲۲۶ـ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر ص ۳۷

۲۲۷ـ القرآن ۳ : ۸۳

۲۲۸ـ القرآن ۱۷ : ۴۴ ۵

۲۲۹ـ مودودی "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول اور مبادی" اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۶
ص ۱۲۳

۲۳۰ـ اصلاحی امین احسن "حقیقت توحید" ص ۱۱۲ ـ ۱۱۳

۲۳۱ـ القرآن ۲۲ : ۳۱

۲۳۲۔ القرآن ۱۷ : ۵

۲۳۳۔ القرآن ۷ : ۲۴

۲۳۴۔ القرآن ۷ : ۲۴

۲۳۵۔ القرآن ۲ : ۶۵

۲۳۶۔ القرآن ۶ : ۷

۲۳۷۔ القرآن ۲ : ۱۳

۲۳۸۔ القرآن ۳ : ۱۳

۲۳۹۔ القرآن ۵۱ : ۳

۲۴۰۔ القرآن ۴۲ : ۲

۲۴۱۔ القرآن ۳ : ۱۵۶

۲۴۲۔ القرآن ۳ : ۱۴۵

۲۴۳۔ القرآن ۶ : ۱۷

۲۴۴۔ مودودی "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" ص ۱۴۶

۲۴۵۔ القرآن ۳ : ۲۶

۲۴۶۔ القرآن ۵۵ : ۳۲

۲۴۷۔ القرآن ۶ : ۱۸

۲۴۸۔ القرآن ۴۷ : ۳۸

۲۴۹۔ القرآن ۲ : ۱۸۶

۲۵۰۔ القرآن ۲۵ : ۶۳

۲۵۱۔ القرآن ۲ : ۱۸۶

۲۵۲۔ القرآن ۷ : ۱۵۶

۲۵۳۔ القرآن ۱۲ : ۸۷

۲۵۴۔ القرآن ۴ : ۱۱۰

۲۵۵۔ القرآن ۵ : ۳۹

۲۵۶۔ القرآن ۳۹ : ۵۳

۲۵۷۔ القرآن ۴۱ : ۳۵

۲۵۸۔ القرآن ۱۳ : ۲۸

۲۵۹۔ القرآن ۲ : ۲۵۶

۲۶۰۔ القرآن ۳ : ۱۷

۲۶۱۔ القرآن ۳ : ۱۴۶

۲۶۲۔ القرآن ۲ : ۴۵

۲۶۳۔ القرآن ۲ : ۱۵۷

۲۶۴۔ القرآن ۳۹ : ۱۰

۲۶۵۔ القرآن ۱۸ : ۴۶

۲۶۶۔ القرآن ۶۲ : ۸

۲۶۷۔ القرآن ۳ : ۱۴۵

۲۶۸۔ القرآن ۳ : ۱۶۹ ـ ۱۷۰

۲۶۹۔ القرآن ۲ : ۱۰۲

۲۷۰۔ القرآن ۳ : ۱۷۴

۲۷۱۔ القرآن ۳ : ۱۷۵

۲۷۲۔ مودودی "اسلامی تہذیب" ص ۱۷۵ ـ ۱۷۶

۲۷۳۔ القرآن ۲ : ۱۱۵

۲۷۴۔ القرآن ۳ : ۵

۲۷۵۔ القرآن ۶ : ۵۹

۲۷۶۔ القرآن ۵۰ : ۱۶

۲۷۷۔ القرآن ۵۸ : ۷

۲۷۸۔ القرآن ۵ : ۱۷ ـ ۱۸

۲۷۹۔ القرآن ۲ : ۲۳۲

۲۸۰۔ القرآن ۳ : ۷۳

۲۸۱۔ القرآن ۱۳ : ۲۶

۲۸۲۔ القرآن ۱۷ : ۳۰

۲۸۳۔ القرآن ۵۱ : ۵۸

۲۸۴۔ القرآن ۷ : ۱۲۸
۲۸۵۔ القرآن ۳ : ۲۶
۲۸۶۔ القرآن ۱۶ : ۱۷
۲۸۷۔ القرآن ۴ : ۳۲
۲۸۸۔ القرآن ۱۰ : ۱۸
۲۸۹۔ القرآن ۶ : ۱۸
۲۹۰۔ القرآن ۳ : ۱۱۴ [illegible]
۲۹۱۔ القرآن ۲۹ : ۱۷
۲۹۲۔ القرآن ۴۹ : ۱۳
۲۹۳۔ القرآن ۲ : ۲۵۵
۲۹۴۔ القرآن ۱۳ : ۱۱
۲۹۵۔ متی ۶ : ۱۵
۲۹۶۔ القرآن ۳ : ۵۱
۲۹۷۔ القرآن ۵ : ۷۲
۲۹۸۔ القرآن ۵ : ۱۱۷
۲۹۹۔ لوقا ۴ : ۸
۳۰۰۔ مرقس ۱۲ : ۲۸ ۔ ۲۹
۳۰۱۔ القرآن ۴ : ۱۷۱
۳۰۲۔ القرآن ۵ : ۷۳
۳۰۳۔ لوئس معلوف "المنجد" ص ۳۸۴
۳۰۴۔ ایضاً
۳۰۵۔ ابن منظور "لسان العرب" بذیل مادہ
۳۰۶۔ القرآن ۹ : ۱۲۸
۳۰۷۔ القرآن ۱۱ : ۷۷
۳۰۸۔ القرآن ۳ : ۱۴۴
۳۰۹۔ راغب مفردات ص ۱۹۴

۳۱۰۔ حوالہ عبدالرشید نعمانی لغات القرآن مادہ رس ل
۳۱۱۔ القرآن ۱۹ : ۵۴
۳۱۲۔ شاہ عبدالقادر موضح القرآن ص ۲۷۳
۳۱۳۔ بیضادی عبداللہ بن عمر "انور التنزیل واسرار التاویل" ج ۲ ص ۶ زیر تفسیر آیت مریم ۱۹ : ۵۴
۳۱۴۔ ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" ص ۵۸ حوالہ عبدالرشید نعمانی لغات القرآن ج ۳ ص ۲۷
۳۱۵۔ ابن تیمیہ کتاب النبوت حوالہ عبدالرشید نعمانی ص ۷۴
۳۱۶۔ مودودی تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۲
۳۱۷۔ حوالہ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ عبدالحق دہلوی ج ا ص ۱۴۰۔ ۴۷
۳۱۸۔ القرآن ۹۱ : ۷ ۔ ۱۰
۳۱۹۔ مودودی "اسلامی تہذیب" ص ۱۹۰
۳۲۰۔ مودودی دینیات ترجمان القرآن لاہور ۱۹۴۹ء ص ۳۰
۳۲۱۔ القرآن ۲ : ۱۵۱
۳۲۲۔ القرآن ۲ : ۳۸
۳۲۳۔ ابن منظور لسان بذیل مادہ
۳۲۴۔ القرآن ۴ : ۸۵
۳۲۵۔ القرآن ۴ : ۶۴
۳۲۶۔ القرآن ۲۶ : ۱۳۱
۳۲۷۔ القرآن ۴ : ۶۵
۳۲۸۔ القرآن ۴ : ۳۱ ۔ ۳۴
۳۲۹۔ القرآن ۳۳ : ۲۱
۳۳۰۔ القرآن ۸ : ۱
۳۳۱۔ القرآن ۸ : ۱۲
۳۳۲۔ القرآن ۸ : ۲۰
۳۳۳۔ القرآن ۲۸ : ۵۵
۳۳۴۔ القرآن ۲۴ : ۵۲
۳۳۵۔ القرآن ۵۹ : ۷

۳۳۶۔ القرآن ۴۷ : ۳۳

۳۳۷۔ مودودی "دینیات" ص ۳۱ ۔ ۳۲

۳۳۸۔ القرآن ۳۵ : ۲۲

۳۳۹۔ القرآن ۱۳ : ۷

۳۴۰۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۱۲۱

۳۴۱۔ القرآن ۲۵ : ۷

۳۴۲۔ القرآن ۳۶ : ۱۵

۳۴۳۔ القرآن ۲۱ : ۳

۳۴۴۔ القرآن ۲۳ : ۳۳ ۔ ۳۴

۳۴۵۔ محمد قطب فی ظلال القرآن ج ۵ ص ۲۹۶۱

۳۴۶۔ القرآن ۱۷ : ۹۵

۳۴۷۔ القرآن ۲۱ : ۷ ۔ ۸

۳۴۸۔ القرآن ۲۵ : ۲۰

۳۴۹۔ القرآن ۲۳ : ۲۴

۳۵۰۔ القرآن ۲۳ : ۳۳ ۔ ۳۴

۳۵۱۔ القرآن ۵ : ۲۴

۳۵۲۔ القرآن ۱۴ : ۱۰

۳۵۳۔ القرآن ۲۱ : ۳

۳۵۴۔ القرآن ۲۶ : ۱۵۴

۳۵۵۔ القرآن ۱۱ : ۲۷

۳۵۶ القرآن ۶۴ : ۶

۳۵۷۔ القرآن ۱۷ : ۹۳

۳۵۸۔ القرآن ۱۴ : ۱۱ ۔ ۱۲

۳۵۹۔ القرآن ۱۸ : ۱۱۰

۳۶۰۔ القرآن ۴۱ : ۶

۳۶۱۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۱۲۵

۳۶۲۔ القرآن ۱۷ : ۹۰ ۔ ۹۲
۳۶۳۔ القرآن ۶ : ۵۰
۳۶۴۔ القرآن ۱۷ : ۹۳
۳۶۵ القرآن ۴۳ : ۳۱
۳۶۶۔ القرآن ۳۳م : ۳۲
۳۶۷۔ القرآن ۲۱ : ۳
۳۶۸۔ القرآن ۲۱ : ۷
۳۶۹۔ القرآن ۱۲ : ۱۰۹
۳۷۰۔ القرآن ۱۶ : ۴۳
۳۷۱۔ مودودی سیرت سرورعالم ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۸۷۹۱ء ج ا ص ۲۶۷
۳۷۲۔ القرآن ۱۲ : ۲۴
۳۷۳۔ القرآن ۸۰ : ۱
۳۷۴۔ القرآن ۸ : ۶۷
۳۷۵۔ القرآن ۹ : ۴۳
۳۷۶۔ القرآن ۹ : ۸۰
۳۷۷۔ القرآن ۹ : ۸۴
۳۷۸۔ القرآن ۶۶ : ۱
۳۷۹۔ القرآن ۴ : ۱۳۰
۳۸۰۔ القرآن ۱۷ : ۳۷ ۔ ۷۴
۳۸۱۔ القرآن ۲۲ : ۵۲
۳۸۲۔ مودودی "سیرت سرورعالم" ج ا ص ۲۶۱
۳۸۳۔ القرآن ۲۲ : ۷۵
۳۸۴۔ القرآن ۳ : ۳۳
۳۸۵۔ القرآن ۲ : ۱۳۰
۳۸۶۔ القرآن ۷ : ۱۴۴
۳۸۷۔ القرآن ۳۸ : ۴۵ ۔ ۴۶

۳۸۸۔ القرآن ۲۱ : ۷۲ ۔ ۷۳

۳۸۹۔ الانعام ۶ : ۸۵

۳۹۰۔ الانعام ۶ : ۸۶

۳۹۱۔ القرآن ۶ : ۸۷

۳۹۲۔ القرآن ۳۳ : ۳۲

۳۹۳۔ القرآن ۳۳ : ۲۳

۳۹۴۔ القرآن ۲۴ : ۲۶

۳۹۵۔ القرآن ۳۳ : ۲۱

۳۹۶۔ ندوی سیرت النبی ج۴ ۴ ص ۸۵

۳۹۷۔ القرآن ۱۲ : ۱۸

۳۹۸۔ القرآن ۱۲ : ۱۸

۳۹۹۔ القرآن ۱۲ : ۸۷

۴۰۰۔ القرآن ۱۹ : ۱۲ ۔ ۱۳

۴۰۱۔ القرآن ۱۹ : ۳۱ ۔ ۳۲

۴۰۲۔ القرآن ۴۸ : ۴

۴۰۳۔ مودودی "سیرت سرور" عالم ج ا ص ۲۶۵

۴۰۴۔ ندوی سیرت النبی ج۴ ص ۱۵۱ ۔ ۱۵۲

۴۰۵۔ جیسا کہ سورۃ نصر میں حضور ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے (فسبح بحمد ربك واستغفره)

۴۰۶۔ القرآن ۶ : ۱۲۴

۴۰۷۔ القرآن ۶۲ : ۴

۴۰۸۔ القرآن ۱۶ : ۳

۴۰۹۔ القرآن ۴۰ : ۱۵

۴۱۰۔ القرآن ۴۲ : ۵۲

۴۱۱۔ القرآن ۱۷ : ۸۷ ۔ ۸۷

۴۱۲۔ القرآن ۲۱ : ۷۹

۴۱۳۔ القرآن ۱۱ : ۶۳

۴۱۴۔ القرآن ۶۰ : ۸

۴۱۵۔ القرآن ۱۰ : ۱۶

۴۱۶۔ سعید احمد اکبر آبادی "وحی الٰہی" مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۷ء ص۱۲۹

۴۱۷۔ القرآن ۴۳ : ۳۱

۴۱۸۔ القرآن ۴۳ : ۳۲

۴۱۹۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۲۵

۴۲۰۔ القرآن ۳۷ : ۱۰۰ ۔ ۱۰۲

۴۲۱۔ القرآن ۲۰ : ۳۷ ۔ ۳۸

۴۲۲۔ القرآن ۱۹ : ۱۵

۴۲۳۔ القرآن ۲۹ : ۳۱

۴۲۴۔ لوئس معلوف "منجد" ص ۲۳۷

۴۲۵۔ نعمانی محمد عبد الرشید "لغات القرآن" ج ۵ ص ۲۶

۴۲۶۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۸۵

۴۲۷۔ ایضاً ص ۶۷

۴۲۸۔ بیضاوی "انوار التنزیل واسرار التاویل" زیر تفسیر آیت سورۃ بقرۃ آیت ۳

۴۲۹۔ عبد القیوم مقالہ "نبوت" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۲ ص ۱۰۴

۴۳۰۔ القرآن ۱۰ : ۲۰

۴۳۱۔ القرآن ۲۷ : ۶۵

۴۳۲۔ القرآن ۶ : ۵۰

۴۳۳۔ القرآن [illegible] ۷۲ : ۲۶ [illegible]

۴۳۴۔ القرآن ۳ : ۱۷۹

۴۳۵۔ القرآن ۲ : ۲۵۵

۴۳۶۔ القرآن ۳۴ : ۱۴

۴۳۷۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی "تفسیر مظہری" ج ۱۲ ص ۱۳۹

۴۳۸۔ القرآن ۲۶ : ۷۲ القرآن ۳ : ۱۷۹

۴۳۹۔ القرآن ۱۱ : ۴۹

۴۴۰۔ ندوی سیرت النبی ج ۴ ص ۸۵

۴۴۱۔ مودودی "سیرت سرور عالم" ج ا ص ۴۷

۴۴۲۔ ایضاً ص ۴۷۳

۴۴۳۔ راغب "مفردات" ص ۴۸۲

۴۴۴۔ عبداللہ بن عمر تفسیر بیضادی آیت تفسیر سورۃ بقرۃ از قال ربک۔۔۔۔۔

۴۴۵۔ القرآن ۴۳ : ۱۹

۴۴۶۔ القرآن ۲۰ : ۲۴

۴۴۷۔ القرآن ۵ : ۶۸

۴۴۸۔ القرآن ۷ : ۶۸

۴۴۹۔ القرآن ۷ : ۹۳

۴۵۰۔ القرآن ۷ : ۵۱

۴۵۱۔ القرآن ۱۱ : ۲۹

۴۵۲۔ القرآن ۵۸ : ۲۱

۴۵۳۔ القرآن ۴۰ : ۵۱

۴۵۴۔ القرآن ۳۷ : ۱۷

۴۵۵۔ القرآن ۷۴ : ۷ ۔ ۸

۴۵۶۔ القرآن ۳۰ : ۴۷

۴۵۷۔ القرآن ۳ : ۱۳۹

۴۵۸۔ القرآن ۱۰ : ۱۳

۴۵۹۔ القرآن ۳ : ۱۳۷

۴۶۰۔ القرآن ۱۶ : ۴۴

۴۶۱۔ مودودی "سیرت سرور عالم" ج ا ص ۲۹۲

۴۶۲۔ القرآن ۲ : ۱۲۹

۴۶۳۔ القرآن ۲ : ۱۵۱

۴۶۴۔ القرآن ۳ : ۱۶۴

۴۶۵۔ القرآن ۶۲ : ۳

۴۶۶۔ القرآن ۷ : ۱۵۷

۴۶۷۔ القرآن ۵۹ : ۷

۴۶۸۔ مودودی"سنت کی آئینی حیثیت" لاہور ۱۹۸۰ ص۷۹۔۸۰

۴۶۹۔ النساء ۴ : ۱۰

۴۷۰۔ الشوری ۴۲ : ۱۵

۴۷۱۔ النور ۲۴ : ۵۱

۴۷۲۔ النساء ۴ : ۶۱

۴۷۳۔ النساء ۴ : ۸۰

۴۷۴۔ مودودی"سنت کی آئینی حیثیت" ص ۸۰ وبعد

۴۷۵۔ القرآن ۴ : ۶۴

۴۷۶۔ القرآن ۴ : ۸۵

۴۷۷۔ القرآن ۴۸ : ۱۰

۴۷۸۔ القرآن ۴۷ : ۳۳

۴۷۹۔ القرآن ۳۳ : ۳۶

۴۸۰۔ القرآن ۴ : ۹۵

۴۸۱۔ مودودی سنت کی آئینی حیثیت ص ۸۲ ۔ ۸۴

۴۸۲۔ القرآن ۱۳ : ۳۱ ۔ ۳۴

۴۸۳۔ القرآن ۳۳ : ۳۱

۴۸۴۔ Kern

۴۸۵۔ Darmeter

۴۸۶۔ ندوی "خطبات مدارس" ٹریڈ سنز اردو بازار لاہور سن ندارد ص۲۹

۴۸۷۔ بحوالہ ایضاً ص ۳۵

۴۸۸۔ محمد حمید اللہ ڈاکٹر بحوالہ رسالہ افکار معلم چوبرجی لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء

۴۸۹۔ ڈاکٹر اسپر نگر ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد بنگالی ایشائک سوسائٹی کے سیکرٹری رہے۔
انہوں نے واقدی کی مغازی حافظ ابن حجر کی "اصابہ فی احوال الصحابہ" شائع کی۔

انہوں نے اصابہ کے انگریزی مطبوعہ میں درج بالا عبارت تحریر کی ہے۔
بحوالہ سلیمان ندوی سید خطبات مدراس ص ۴۲

۴۹۰۔ ایضاً ص ۴۴
۴۹۱۔ ایضاً ص ۴۴
۴۹۲۔ ایضاً ص ۴۸ ۔ ۵۶
۴۹۳۔ بحوالہ ایضاً ۵۷
۴۹۴۔ ایضاً ص ۵۹ ۔ ۶
۴۹۵۔ ریورنڈ باسورتھ اسمتھ محمد اینڈ محمڈنزم بحوالہ سید سلیمان ندوی خطبات مدارس ص ۶۳
۴۹۶۔ مقالہ زراسٹرج ۲۳ ص ۹۷۶ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۴۶ گیارہواں ایڈیشن جلد ۲۳ ص ۹۷۶
۴۹۷۔ ندوی ایضاً ص ۳۵
۴۹۸۔ ایضاً ص ۳۶
۴۹۹۔ ایضاً ص ۶۵ ۔ ۶۶
۵۰۰۔ ایضاً ص ۶۹
۵۰۱۔ ایضاً ۷۷
۵۰۲۔ مسند ابن حنبل بحوالہ ایضاً ص ۷۸
۵۰۳۔ بحوالہ ایضاً ص ۷۸
۵۰۴۔ بحوالہ ایضاً ص ۷۹
۵۰۵۔ ایضاً ص ۳۸ ۔ ۳۹
۵۰۶۔ ایضاً ص ۸۸ ۔ ۸۹
۵۰۷۔ ایضاً ص ۹۹
۵۰۸۔ متی ۵ : ۳۹ لوقا ۶ : ۲۹
۵۰۹۔ ایضاً ص ۴۰
۵۱۰۔ ایضاً ص ۱۰۵
۵۱۱۔ القرآن ۶۸ : ۴
۵۱۲۔ القرآن ۲۱ : ۲
۵۱۳۔ ایضاً بحوالہ مذکور ص ۱۱۱ مابعد

۵۱۴۔ ایضاً ص ۱۱۵

۵۱۵۔ ایضاً ص ۱۱۴

۵۱۶۔ متی ۲۷ : ۲۶

۵۱۷۔ بحوالہ سلیمان ندوی "خطبات مدرس" ص ۱۲۸

۵۱۸۔ یوحنا ۱۴ : ۲۶

۵۱۹۔ متی ۱۵ : ۲۴

۵۲۰۔ القرآن ۷ : ۱۵۸

۵۲۱۔ القرآن ۲۱ : ۱۰۷

۵۲۲۔ القرآن ۳۴ : ۲۸

۵۲۳۔ القرآن ۶ : ۹۰

۵۲۴۔ القرآن ۲۵ : ۱

۵۲۵۔ القرآن ۶ : ۱۹

۵۲۶۔ القرآن ۵ : ۳

۵۲۷۔ لوقا ۱۸ : ۱۲

۵۲۸۔ مرقس ۲ : ۱۸

۵۲۹۔ یوحنا ۱۷ : ۱ مابعد

۵۳۰۔ القرآن ۳۳ : ۴۰

۵۳۱۔ ابن منظور لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۲۳

۵۳۲۔ ایضاً

۵۳۳۔ راغب "مفردات" ص ۲۸۸

۵۳۴۔ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۴ ص ۱۴۵

۵۳۵۔ ندوی ابوالحسن "منصب نبوت" مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۶ء ص ۲۰۶

۵۳۶۔ امام بخاری "صحیح بخاری" کتاب المناقب باب ذکر عن بنی اسرائیل

۵۳۷۔ بخاری "صحیح بخاری" کتاب المناقب باب خاتم النبین ۱۹۸۵ء

۵۳۸۔ ایضاً

۵۳۹۔ بحوالہ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۴ ص ۱۴۱

۵۴۰۔ ابو عیسی محمد "ترمذی شریف" کتاب الرویاء

۵۴۱۔ ابن ماجہ کتاب الفتن باب الدجال

۵۴۲۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل ج ۵ ص ۴۰۸

۵۴۳۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۳۲۷

۵۴۴۔ ابو عیسی محمد "ترمذی شریف" کتاب المناقب

۵۴۵۔ ابو داؤد سنن ابو داؤد کتاب الفتن

۵۴۶۔ ابن کثیر "البدایہ والنھایہ" ج ۴ ص ۳۱۲

۵۴۷۔ مودودی تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۴۵ ومابعد

۵۴۸۔ ایضاً ص ۱۵۲ ۔ ۱۵۲

۵۴۹۔ دیکھیے القرآن ۶ : ۱۵

القرآن ۲۱ : ۴۱

القرآن ۱۳ : ۳۲

القرآن ۳۸ : ۱۴

القرآن ۳۶ : ۴۰۸

۵۵۰۔ آصف قدوائی ڈاکٹر "مقالات سیرت" مجلس نشریات اسلامی کراچی سن ندارد ص ۲۰

۵۵۱۔ کمال الدین خواجہ آئیڈیل پرافٹ The Ideal Prophet

بحوالہ ایضاً ۲۱

۵۵۲۔ محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۱۸۲ الفیصل ناشران اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء

۵۵۳۔ القرآن ۳ : ۷۹ ۔ ۸۰

۵۵۴۔ اخبار ڈیلی ایکسپریس مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء بحوالہ محمد یوسف قدوائی ڈاکٹر مقالات سیرت ص ۳۲

۵۵۵۔ بحوالہ محمد یوسف قدوائی مقالات سیرت ص ۳۴

۵۵۶۔ ندوی "خطبات مدراس" ص ۱۴۲

۵۵۷۔ القرآن ۹۱ : ۷ ۔ ۱۰

۵۵۸۔ القرآن ۷۶ : ۲ ۔ ۳

۵۵۹۔ القرآن ۸۲ : ۶ ۔ ۸

۵۶۰۔ القرآن ۳۰ : ۳۱

۵۶۱۔ صحیح بخاری تفسیر سورۃ روم آیت ۳۱ ص

۵۶۲۔ القرآن ۵۳ : ۳۸

۵۶۳۔ القرآن ۵۳ : ۳۹

۵۶۴۔ القرآن ۲۰ : ۱۲۲

۵۶۵۔ القرآن ۲ : ۳۰

۵۶۶۔ القرآن ۲ : ۱۶۵

۵۶۷۔ القرآن ۳۳ : ۷۲

۵۶۸۔ القرآن ۴۳ : ۸۶

۵۶۹۔ القرآن ۳۹ : ۴۳

۵۷۰۔ آصف قدوائی مقالات سیرت ص ۳۲

۵۷۱۔ القرآن ۳ : ۱۳۵

۵۷۲۔ آصف قدوائی ایضاً ص ۳۳

۵۷۳۔ القرآن ۵ : ۱۱۸

۵۷۴۔ القرآن ۲ : ۲۵۵

۵۷۵۔ القرآن ۲۱ : ۲۸

۵۷۶۔ طبری جامع البیاں ج۱ ص ۳۶۸

۵۷۷۔ القرآن ۳ : ۵۹ ـ ۱

۵۷۸۔ القرآن ۹ : ۳۰

۵۷۹۔ القرآن ۹ : ۳۰

۵۸۰۔ ندوی "خطبات" ص ۳۱

۵۸۱۔ ایضاً ص ۳۵

۵۸۲۔ ایضاً ص ۴۰

۵۸۳۔ ایضاً ص ۴۱

۵۸۴۔ القرآن ۳۴ : ۲۸

۵۸۵۔ القرآن ۲۱ : ۷۰

۵۸۶۔ القرآن ۷ : ۱۵۸

۵۸۷۔ متی ۱۵ : ۲۴

۵۸۸۔ متی ۱۵ : ۲۵ ۔ ۲۶

۵۸۹۔ متی ۵ : ۱۰

۵۹۰۔ لین مدالقاموس بذیل مادہ

بحوالہ A.S. Triton مقالہ آخرت اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۱۷

۵۹۱۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۹۹۵

۵۹۲۔ ایضاً

۵۹۳۔ القرآن ۶ : ۳۲

۵۹۴۔ القرآن ۹ : ۳۸

۵۹۵۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۵۹۷

۵۹۶۔ القرآن ۲۹ : ۴۲ ۲۸

۵۹۷۔ راغب "مفردت" ا ج ۱ ص ۲۱

۵۹۸۔ راغب مفردات ج ۱ ص ۳۴۸

۵۹۹۔ A.S. tritton مقالہ آخرت اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۴۳

۶۰۰۔ راغب "مفردات" ص ۶۳۷

۶۰۱۔ مودودی "تفہیم القرآن" ج ۱ ص ۵۲

۶۰۲۔ مودودی "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول مبادی" ص ۲۵۲ مابعد

۶۰۳۔ ایضاً ص ۲۶۸

۶۰۴۔ القرآن ۷ : ۱۴۷

۶۰۵۔ القرآن ۶ : ۳۲

۶۰۶۔ القرآن ۱۰ : ۴

۶۰۷۔ القرآن ۶ : ۹۳

۶۰۸۔ القرآن ۲۲ : ۷۴

۶۰۹۔ القرآن ۲ : ۴۱

۶۱۰۔ القرآن ۱۳ : ۵

۶۱۱۔ القرآن ۱۳ : ۶

۶۱۲۔ القرآن ۷۵ : ۳۰ ۔ ۴۰

۶۱۳۔ محمد اقبال تشکیل جدید الہیات اسلامیہ اردو ترجمہ سید نذیر نیازی بزم اقبال کلب روڈ لاہور ص ۱۷۹

۶۱۴۔ القرآن ۶۲ : ۷

۶۱۵۔ القرآن ۴۵ : ۲۱

۶۱۶۔ القرآن ۴۵ : ۲۴

۶۱۷۔ القرآن ۴۵ : ۲۳

۶۱۸۔ اصلاحی صدر الدین اساس دین کی تعمیر اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۸۸

۶۱۹۔ القرآن ۴۴ : ۳۵

۶۲۰۔ القرآن ۴۵ : ۲۴

۶۲۱۔ القرآن ۴۵ : ۲۴

۶۲۲۔ القرآن ۷ : ۱۸ ۔ ۱۸۵

۶۲۳۔ القرآن ۱۶ : ۴۸

۶۲۴۔ القرآن ۲ : ۱۲

۶۲۵۔ القرآن ۳۶ : ۷۸

۶۲۶۔ القرآن ۳۶ : ۷۹

۶۲۷۔ القرآن ۵۰ : ۱۵

۶۲۸۔ الشہرستانی۔ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم "الملل والنحل"
الناشر مکتبۃ الانجلو المصر۔ القاہرہ ۱۳۶۹ھ ص ۲۴۴۔۲۴۵

۶۲۹۔ مودودی "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" ص ۵۵ ومابعد

۶۳۰۔ ابن کثیر تفسیر قدیمی کتب خانہ کراچی سن ندارد ص ۳۱۵

۶۳۱۔ القرآن ۲ : ۲۶۰

۶۳۲۔ ابن منظور لسان العرب ۶ : ۱۴۵

۶۳۳۔ تھانوی بحوالہ مقالہ تناسخ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۶ ص ۶۵۱

۶۳۴۔ بی کارادویکس B. Carra Devaux بحوالہ ایضاً

۶۳۵۔ Vasudeva

۶۳۶۔ Proclus

۶۳۷۔ البیرونی "کتاب فی تحقیق ہند" بحوالہ تاریخ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۶ ص ۶۵۱

۶۳۸۔ الشہرستانی الملل والنحل ص ۵۹

۶۳۹۔ ایضاً ص ۲۴۶

۶۴۰۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ ہندوازم ج ۵ ص ۹۳۵
مزید دیکھئے مودودی اسلامی تہذیب ص ۲۶۱

۶۴۱۔ مودودی اسلامی تہذیب ص ۲۶۱ ۔ ۲۶۲

۶۴۲۔ پروفیسر میکس مولر بحوالہ غلام رسول مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ
علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۹۳

۶۴۳۔ مودودی اسلامی تہذیب ص ۲۶۲ مابعد

۶۴۴۔ القرآن ۹ : ۱۰۱

۶۴۵۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۵۹۹

۶۴۶۔ القرآن ۷ : ۹۴ ۔ ۹۵

۶۴۷۔ القرآن ۴۲ : ۳۰

۶۴۸۔ القرآن ۳۹ : ۵۱

۶۴۹۔ القرآن ۵ : ۲۲

۶۵۰۔ راغب "مفردات" بذیل مادہ

۶۵۱۔ عبدالرشید لغات القرآن بذیل مادہ

۶۵۲۔ القرآن ۲۳ : ۱۰

۶۵۳۔ زمخشری "کشاف" زیر آیت مومنون ۳ : ۱۰۰

۶۵۴۔ مقالہ برزخ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۴ ص ۳۹۳

۶۵۵۔ القرآن ۲۲ : ۷

۶۵۶۔ ندوی سیرت النبی ج ۴ ص ۶۰۱

۶۵۷۔ القرآن ۶ : ۶۰

۶۵۸۔ القرآن ۳۹ : ۴۲

۶۵۹۔ القرآن ۳۶ : ۵۲

۶۶۰۔ القرآن ۶ : ۶۰

۶۶۱۔ القرآن ۲۲ : ۷

۶۶۲۔ جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر

۶۶۳۔ سلیمان "سیرت النبی" ج ۴ ص

۶۶۴۔ امام غزالی بحوالہ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب عالم مثال ص ۲۶

۶۶۵۔ شاہ ولی اللہ ایضاً باب عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف احوال ج ا ص ۶۳

۶۶۶۔ القرآن ۷۵ : ۲۶ ۔ ۳۰

۶۶۷۔ القرآن ۸۹ : ۲۷ ۔ ۳۰

۶۶۸۔ القرآن ۶ : ۹۲ ۔ ۹۳

۶۶۹۔ القرآن ۸ : ۵۰ ۔ ۵۱

۶۷۰۔ القرآن ۵۶ : ۸۳ ۔ ۵۹

۶۷۱۔ القرآن ۴۰ : ۴۵ ۔ ۴۹

۶۷۲۔ القرآن ۴۷ : ۲۷ ۔ ۲۸

۶۷۳۔ القرآن ۳۶ : ۲۶ ۔ ۲۷

۶۷۴۔ القرآن ۳ : ۱۶۹

۶۷۵۔ القرآن ۱۶ : ۳۲

۶۷۶۔ مسلم صحیح بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج م ص ۴۲۶

۶۷۷۔ راغب مفردات بذیل مادہ ص ۸۸۰

۶۷۸۔ القرآن ۷ : ۱۸۷

۶۷۹۔ عبدالرشید لغات القرآن ج ۵ ص ۱۲۲

۶۸۰۔ القرآن ۱۳ : ۳۱

۶۸۱۔ القرآن ۸۸ : ۱

۶۸۲۔ القرآن ۵۴ : ۱

۶۸۳۔ القرآن ۷۵ : ۷ ۔ ۱۱

۳۸۴۔ القرآن ۶ : ۷۳

۶۸۵۔ القرآن ۲۰ : ۱۰۲

۶۸۶۔ القرآن ۷۲ : ۸

۶۸۷۔ القرآن ۲۹ : ۶۸
۶۸۸۔ القرآن ۸۲ : ۱ ۔ ۳
۶۸۹۔ القرآن ۷۳ : ۱۴ ۔ ۱۷
۶۹۰۔ القرآن ۱۰۱ : ۴
۶۹۱۔ القرآن ۱۳ : ۲
۶۹۲۔ القرآن ۷۹ : ۱۳
۶۹۳۔ القرآن ۸۲ : ۴
۶۹۴۔ القرآن ۱۴ : ۴۳
۶۹۵۔ القرآن ۷۸ : ۱۸
۶۹۶۔ القرآن ۵۴ : ۷
۶۹۷۔ القرآن ۱۷ : ۹۷
۶۹۸۔ القرآن ۲۵ : ۳۴
۶۹۹۔ القرآن ۳۹ : ۶
۷۰۰۔ القرآن ۵۶ : ۷
۷۰۱۔ القرآن ۵۵ : ۴۱
۷۰۲۔ القرآن ۳۶ : ۶۵
۷۰۳۔ القرآن ۲۱ : ۴۷
۷۰۴۔ راغب "مفردات" ص ۳۳۵
۷۰۵۔ القرآن ۷ : ۸
۷۰۶۔ القرآن ۱۰۱ : ۶ ۔ ۹
۷۰۷۔ الزلزال ۹۹ : ۷ ۔ ۸
۷۰۸۔ راغب "مفردات" بذیل مادہ ص ۱۹۴
۷۰۹۔ ابن عباس بحوالہ راغب مفردات ص ۱۹۴
۷۱۰۔ دیکھئے المائدۃ ۵ : ۶۵ الانعام ۶ : ۹۹۔۱۴
التوبہ ۹ : ۷۲ الرعد ۱۳ : ۳۵
الکھف ۱۸ : ۳۱ مریم ۱۹ : ۶۲

المومنون ۲۳ : ۱۸ الفرقان ۲۵ :۱۵۔۲۴
العنکبوت ۲۹ : ۵۸ صباء ۳۴ : ۱۶
الفاطر ۳۵ : ۳۳ یٰسین ۳۶ : ۵۵
ص ۳۸ : ۵۰ محمدؐ ۴۷ : ۱۵۔۱۹
الزحرف ۴۳ : ۷۰ ۔ ۷۳
الرحمٰن ۵۵ : ۴۶ ۔ ۷۶
الحدید ۵۷ : ۲۱ الجمعۃ ۶۲ ۔ ۱۲
الحاقۃ ۶۹ : ۲۱ ۔ ۲۴
الدھر ۷۶ : ۱۱ ۔ ۱۳
النباء ۷۸ : ۱۶
الغاشیۃ ۸۸ : ۱۰ ۔ ۱۶

۷۱۱۔ القرآن ۴۳ : ۷۱
۷۱۲۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۴۷۱
۷۱۳۔ القرآن ۲ : ۲۵
۷۱۴۔ صحیح مسلم کتاب الجنۃ ج ۱ ص ۹۰
۷۱۵۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۴۷۶ ۔ ۴۷۳
۷۱۶۔ ادارہ مقالہ جنۃ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ ص ۴۷۶
۷۱۷۔ زمخشری "الکشاف" بحوالہ اردو دائرہ معاف اسلامیہ ج م ص ۴۷۶
۷۱۸۔ الاشعری الابانہ بحوالہ ایضاً
۷۱۹۔ بو علی سینا "نجات" ص ۲۹۸ بحوالہ ایضاً ص ۴۷۷
۷۲۰۔ ابن العربی الفتوحات المکیہ بحوالہ ایضاً ص ۴۷۸
۷۲۱۔ غزالی احیاء علوم کتاب الموت ومابعدہ ۴ : ۳۸۱ ۔ مابعد
۷۲۲۔ بحوالہ ایضاً ص ۴۷۹
۷۲۳۔ محمد عبدہ تفسیر جزعم بحوالہ ایضاً
۷۲۴۔ رشید رضا المنار جنت کی متعلقہ آیات
۷۲۵۔ بحوالہ المرجع السابق

۷۲۶۔ حوالہ ایضاً ص ۲۸۰

۷۲۷۔ راغب مفردات ص ۶۰۱

۷۲۸۔ حوالہ کتاب مذکور

۷۲۹۔ وادی ہنوم دیکھئے عہد عتیق سفر یشوع ۱۵ : ۸

۷۳۰۔ القرآن ۸۷ : ۱۲ القرآن ۱۰۱ : ۱۱

۷۳۱۔ القرآن ۶۷ : ۵

۷۳۲۔ القرآن ۷۰ : ۱۵

۷۳۳۔ القرآن ۷۴ : ۲۶

۷۳۴۔ القرآن ۱۰۱ : ۹

۷۳۵۔ القرآن ۱۰۴ : ۴

۷۳۶۔ مقالہ جہنم اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۵۶

۷۳۷۔ القرآن ۷۰ : ۱۵ ۔ ۱۶

۷۳۸۔ القرآن ۴۷ : ۱۵

۷۳۹۔ القرآن ۱۸ : ۲۹

۷۴۰۔ القرآن ۱۷ : ۹۷

۷۴۱۔ القرآن ۶۷ : ۸۷

۷۴۲۔ القرآن ۲۰ : ۷۴

۷۴۳۔ القرآن ۶۶ : ۶

۷۴۴۔ القرآن ۲۲ : ۱۹ ۔ ۲۱

۷۴۵۔ القرآن ۴۰ : ۷۱

۷۴۶۔ القرآن ۸۸ : ۶

۷۴۷۔ القرآن ۷۳ : ۱۳

۷۴۸ القرآن ۴۴ : ۴۳

۷۴۹۔ کتب سید مشاہد القیامہ اردو ترجمہ محمد نصر اللہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۹۰

۷۵۰۔ القرآن ۳۷ : ۶۳ ۔ ۶۷

۷۵۱۔ القرآن ۶۹ : ۳۶

۷۵۲۔ القرآن ۷۸ : ۲۵

۷۵۳۔ القرآن ۱۰۴ : ۷

۷۵۴۔ القرآن ۱۱ : ۱۰۶

۷۵۵ القرآن ۴ : ۵۶

۷۵۶۔ القرآن ۴ : ۱۱۵

۷۵۷۔ القرآن ۱۴ : ۵۰

۷۵۸۔ القرآن ۲۳ : ۱۰۴

۷۵۸۔ القرآن ۷۷ : ۳۲ ۔ ۳۳

۷۵۹۔ القرآن ۸۸ : ۶۶ ۔ ۷۰

۷۶۰۔ القرآن ۱۵ : ۷ ۔ ۹

۷۶۱۔ القرآن ۵۶ : ۲۲ ۔ ۲۴

۷۶۲۔ اکبر آبادی سعید احمد "کتاب دینیات"۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ انڈیا ۱۹۶۰ھ ص

۷۶۳۔ القرآن ۳۲ : ۱۰

۷۶۴۔ القرآن ۱۷ : ۴۹

۷۶۵۔ القرآن ۵۰ : ۳۰

۷۶۶۔ القرآن ۳۶ : ۷۸

۷۶۷۔ القرآن ۴۵ : ۵۳

۷۶۸۔ القرآن ۷ : ۱۸۵

۷۶۹۔ القرآن ۱۲ : ۱۰۵

۷۷۰۔ القرآن ۱۴ : ۱۰

۷۷۱۔ القرآن ۵۲ : ۳۵ ۔ ۳۶

۷۷۲۔ القرآن ۱۳ : ۲

۷۷۳۔ القرآن ۷۹ : ۲۷

۷۷۴۔ القرآن ۱۷ : ۹۹

۷۷۵۔ القرآن ۴۰ : ۵۷

۷۷۶۔ القرآن ۲۹ : ۲۰

۷۷۷۔ القرآن ۳۶ : ۳۲

۷۷۸۔ القرآن ۳۰ : ۵۰

۷۷۹۔ القرآن ۴۱ : ۳۹

۷۸۰۔ القرآن ۳۵ : ۹

۷۸۱۔ القرآن ۷۶ : ۱

۷۸۲۔ القرآن ۲ : ۲۸

۷۸۳۔ القرآن ۲۲ : ۵

۷۸۴۔ القرآن ۳۶ : ۷۹

۷۸۵۔ القرآن ۱۷ : ۵۰ ۔ ۵۱

۷۸۶۔ القرآن ۲۳ : ۱۲ ۔ ۶۱

۷۸۷۔ القرآن ۷۵ : ۳۷ ۔ ۴۰

۷۸۸۔ القرآن ۲۹ : ۱۹

۷۸۹۔ القرآن ۳۰ : ۲۷

۷۹۰۔ القرآن ۵۰ : ۵

۷۹۱۔ القرآن ۷۵ : ۳ ۔ ۴

۷۹۲۔ القرآن ۵۰ : ۴

۷۹۳۔ القرآن ۳۷ : ۱۴ ۔ ۲۰

۷۹۴۔ القرآن ۲۳ : ۵ ۔ ۱۱

۷۹۵۔ القرآن ۷۵ : ۳۶

۷۹۶۔ القرآن ۴۴ : ۳۸ ۔ ۴۰

۷۹۷۔ القرآن ۳۰ : ۸

۷۹۸۔ القرآن ۶۷ : ۲

۷۹۹۔ القرآن ۴۶ : ۳

۸۰۰۔ القرآن ۱۳ : ۲

۸۰۱۔ القرآن ۸۲ : ۱ ۔ ۴

۸۰۲۔ القرآن ۸۱ : ۱ ۔ ۳

۸۰۳۔ القرآن ۷۷ : ۸ ۔ ۱۰

۸۰۴۔ القرآن ۷۵ : ۷ ۔ ۹

۸۰۵۔ القرآن ۲۹ : ۱۴

۸۰۶۔ القرآن ۱۴ : ۴۸

۸۰۷۔ القرآن ۷۰ : ۸ ۔ ۱۱

۸۰۸۔ القرآن ۲۲ : ۱ ۔ ۲

۸۰۹۔ القرآن ۷۹ : ۶ ۔ ۸

۸۱۰۔ القرآن ۱۰۱ : ۵۱۳

۸۱۱۔ القرآن ۱۴ : ۴۸

۸۱۲۔ مودودی اسلامی تہذیب ص۲۲۹

۸۱۳۔ القرآن ۱۷ : ۳۶

۸۱۴۔ القرآن ۲۱ : ۲۴

۸۱۵۔ القرآن ۷ : ۸ ۔ ۹

۸۱۶۔ القرآن ۹۹ : ۶ ۔ ۸

۸۱۷۔ القرآن ۵۰ : ۲۲

۸۱۸۔ القرآن ۲۹ : ۱۸

۸۱۹۔ القرآن ۳ : ۲۵

۸۲۰۔ القرآن ۱۰ : ۳۰

۸۲۱۔ القرآن ۲ : ۲۸

۸۲۲۔ القرآن ۲ : ۴۸

۸۲۳۔ القرآن ۲۳ : ۱۰۱ ۔ ۱۰۳

۸۲۴۔ القرآن ۲۶ : ۸۸ ۔ ۸۹

۸۲۵۔ القرآن ۶ : ۹۴

۸۲۶۔ القرآن ۶۰ : ۳

۸۲۷۔ القرآن ۸۰ : ۳۴ ۔ ۳۷

۸۲۸۔ القرآن ۴۵ : ۲۱

۸۲۹۔ القرآن ۶ : ۱۳۲

۸۳۰۔ القرآن ۲۶ : ۹۰ ۔ ۹۲

۸۳۱۔ القرآن ۲۳ : ۱۱۵

۸۳۲۔ القرآن ۷۵ : ۳۶

۸۳۳۔ القرآن ۵۰ : ۵ ۔ ۷

۸۳۴۔ القرآن ۳۰ : ۷

۸۳۵۔ القرآن ۱۰ : ۷

۸۳۶۔ القرآن ۷۵ : ۲۰ ۔ ۲۱

۸۳۷۔ القرآن ۸۷ : ۱۶ ۔ ۱۷

۸۳۸۔ القرآن ۷ : ۵۱

۸۳۹۔ القرآن ۲۸ : ۷۹ ۔ ۸۰

۸۴۰۔ القرآن ۲۷ : ۴

۸۴۱۔ القرآن ۲۳ : ۵۵ ۔ ۵۶

۸۴۲۔ القرآن ۱۸ : ۱۰۳ ۔ ۱۰۵

۸۴۳۔ القرآن ۱۶ : ۲۲

۸۴۴۔ القرآن ۲۸ : ۳۹

۸۴۵۔ الاعراف ۷ : ۱۳۶ ۔ ۱۳۷

۸۴۶۔ القرآن ۸۲ : ۱ ۔ ۵

۸۴۷۔ القرآن ۱۰۷ : ۱ ۔ ۷

۸۴۸۔ القرآن ۸۳ : ۱۲

۸۴۹۔ القرآن ۲۹ : ۶۴

۸۵۰۔ القرآن ۴ : ۷۷

۸۵۱۔ القرآن ۹ : ۳۸

۸۵۲۔ القرآن ۸۷ : ۱۶ ۔ ۱۷

۸۵۳۔ القرآن ۱۱ : ۱۱۶

۸۵۴۔ القرآن ۳ : ۱۸۵

۸۵۵۔ القرآن ۵۷ : ۲۰
۸۵۶۔ القرآن ۳۰ : ۷
۸۵۷۔ القرآن ۳۹ : ۱۵
۸۵۸۔ القرآن ۷۹ : ۳۷ ۔ ۴۱
۸۵۹۔ القرآن ۳ : ۱۴ ۔ ۱۵
۸۶۰۔ القرآن ۱۳ : ۱۰ ۔ ۱۱
۸۶۱۔ القرآن ۱۸ : ۴۹
۸۶۲۔ القرآن ۶ : ۱۳۰
۸۶۳۔ القرآن ۲۴ : ۲۴
۸۶۴۔ القرآن ۴۱ : ۲۰ ۔ ۲۲
۸۶۵۔ القرآن ۶ : ۹۲
۸۶۶۔ القرآن ۱۷ : ۱۳ ۔ ۱۴
۸۶۷۔ القرآن ۲۶ : ۸۸
۸۶۸۔ القرآن ۴۰ : ۱۸
۸۶۹۔ القرآن ۶۰ : ۳
۸۷۰۔ القرآن ۲۱ : ۴۷
۸۷۱۔ القرآن ۴۵ : ۲۸
۸۷۲۔ القرآن ۶ : ۱۳۲
۸۷۳۔ مودودی "اسلامی تہذیب" ص ۳۳۱
۸۷۴۔ القرآن ۲ : ۲۲۲
۸۷۵۔ القرآن ۲ : ۱۰۴
۸۷۶۔ القرآن ۲ : ۲۴۹
۸۷۷۔ القرآن ۲ : ۱۵۷
۸۷۸۔ القرآن ۱۲ : ۹۰
۸۷۹۔ القرآن ۲ : ۲۸۲
۸۸۰۔ القرآن ۲ : ۲۴۵

۸۸۱۔ القرآن ۳ : ۱۹۶ ۔ ۱۹۸

۸۸۲۔ القرآن ۲۹ : ۴۵

۸۸۳۔ القرآن ۲ : ۲۸۱

۸۸۴۔ القرآن ۷۶ : ۸ ۔ ۱۰

۸۸۵۔ القرآن ۱۳ : ۲۱

۸۸۶۔ القرآن ۹ : ۳۸

۸۸۷۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۶۹۸

۸۸۸۔ ایضاً ص ۵۹۸

۸۸۹۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹنکا مضمون **صدوقین** بحوالہ سیرت النبی ج ۴ ص ۶۷۵

۸۹۰۔ مرقس ۱۲ : ۲۴

۸۹۱۔ مکاشفہ یوحنا ۱۲ : ۱ ۔ ۵

۸۹۲۔ مرقس ۱۲ : ۲۵

لوقا ۲۰ : ۲۵

۸۹۳۔ متی ۲۶ : ۲۹

۸۹۴۔ مکاشفات یوحنا باب ۲۱، ۲۲

۸۹۵۔ ایضاً ۲۲ : ۵

۸۹۶۔ القرآن ۷۶ : ۱۱ ۔ ۲۲

۸۹۷۔ متی ۲۳ : ۳۳

۸۹۸۔ لوقا ۱۶ : ۲۳

۸۹۹۔ مکاشفات یوحنا ۱۴ : ۱۰

۹۰۰۔ متی ۲۶ : ۱۸

۹۰۱۔ مکاشفات یوحنا ۲۱ : ۲۵

۹۰۲۔ متی ۲۲ : ۲۹

۹۰۳۔ متی ۱۶ : ۲۴ ۔ ۲۵

۹۰۴۔ رومیوں ۴ : ۸

۹۰۵۔ رومیوں ۱۴ : ۱۲

۹۰۶۔ اول پطرس ۴ : ۵

۹۰۷۔ القرآن ۷۴ : ۳۸

۹۰۸۔ القرآن ۵۲ : ۲۱

۹۰۹۔ القرآن ۲ : ۲۸۴

۹۱۰۔ ندوی "سیرت النبی" ج ۴ ص ۴۴۷

۹۱۱۔ القرآن ۴ : ۱۷۱

۹۱۲۔ القرآن ۵ : ۷۲

۹۱۳۔ القرآن ۵ : ۷۳

۹۱۴۔ القرآن ۵ : ۷۷

۹۱۵۔ قطب شہید "فی ظلال القرآن" ج ۲ ص ۸۱۶

۹۱۶۔ متی ۱۶ : ۲۲

۹۱۷۔ لوقا ۲۴ : ۱۹

۹۱۸۔ مرقس ۱۰ : ۲۵

۹۱۹۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مضمون "Jesus Christ" چودھواں ایڈیشن ج ۱۳ ص ۱۶
مزید دیکھیں مولانا ابوالاعلی مودودی تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۹۱ - ۴۹۲ پر اس کا اردو ترجمہ تحریر کیا ہے

۹۲۰۔ لوقا ۱۳ : ۲۳

۹۲۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا حوالہ مذکور

۹۲۲۔ ایضاً

۹۲۳۔ ایضاً

۹۲۴۔ یوسف جلبی "مسیحیت" ص ۴۳

۹۲۵۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مضمون "Christianity" چودھواں ایڈیشن ج ۵ ص ۶۳۳

۹۲۶۔ عبدالرشید ڈاکٹر "ادیان و مذاہب کا تقابلی جائزہ" طاہر سنز کراچی ۱۹۸۸ ص ۳۷۵

۹۲۷۔ یوسف جلبی "مسیحیت" ص ۱۳۱ - ۱۳۲

۹۲۸۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا مضمون چرچ ہسٹری ایڈیشن ۱۹۴۶ ج ۵ ص ۶۷۳۔۶۷۷

۹۲۹۔ الشہرستانی ابوالفتح محمد بن عبدالکریم "الملل والنحل" ص ۲۰۳۔۲۰۴

۹۳۰۔ ایضاً ص ۲۰۵ ۔ ۲۰۶

مزید دیکھیں انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا مضمون Nestorian ج۱۶ ص ۲۴۵۔۲۴۶

۹۳۱۔ ایضاً حوالہ مذکور ص۲۰۶ ۔ ۲۰۸

مزید دیکھیں انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا

مقالہ "Ja Cobites" ج۱۲ ص۸۵۹

۹۳۲۔ القرآن ۵۵ ۔ ۱۷

۹۳۳۔ قطب سید فی "ظلال القرآن" مترجم حامد علی اسرار پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۳ء ج۶ ص ۱۲۷۔۱۲۸

۹۳۴۔ ایضاً ص ۱۳۰

۹۳۵۔ ایضاً

۹۳۶۔ ایضاً

۹۳۷۔ ایضاً ص۱۳۱

۹۳۸۔ حوالہ یوسف جلبی مسیحیت ص۸۲

۹۳۹۔ حوالہ ایضاً

۹۴۰۔ حوالہ ایضاً ص ۸۳

۹۴۱۔ حوالہ ایضاً ص ۸۳ ۔ ۸۴

۹۴۲۔ مرقس ۱۰ : ۱۸

۹۴۳۔ یوحنا ۲۰ : ۱۷

۹۴۴۔ مرقس ۱۵ : ۳۴

۹۴۵۔ مرقس ۹ : ۳۷

۹۴۶۔ یوحنا ۸ : ۳۹ ۔ ۴۰

۹۴۷۔ متی ۱۵ : ۲۴

۹۴۸۔ مرقس ۹ : ۳۷

۹۴۹۔ یوحنا ۱۵ : ۱۵

۹۵۰۔ متی ۱۰ : ۴۰

۹۵۱۔ یوحنا ۱۲ : ۴۹

۹۵۲۔ لوقا ۲۲ : ۴۴

۹۵۳۔ متی ۲۶ : ۳۶

۹۵۴۔ کورنتھیون ۶ : ۱۸

۹۵۵۔ یوحنا ۵ : ۳۰

۹۵۶۔ مرقس ۶ : ۵

۹۵۷۔ لوقا ۲۳ : ۸ ـ ۹

۹۵۸۔ مرقس ۱۳ : ۳۲

۹۵۹۔ متی ۱۶ : ۲۳

۹۶۰۔ ا۔ تیموتھیس ۶ : ۱۶

۹۶۱۔ یوحنا ۱۱ : ۵۳ ـ ۵۴

۹۶۲۔ متی ۱۶ : ۲۳

۹۶۳۔ یوحنا ۷ : ۱۰

۹۶۴۔ متی ۲۰ : ۲۳

۹۶۵۔ متی ۲۶ : ۳۹

۹۶۶۔ زبور ۱۲۱ : ۳ ـ ۴

۹۶۷۔ مرقس ۴ : ۳۰ ـ ۳۸

۹۶۸۔ لوقا ۲ : ۴۰

۹۶۹۔ متی ۱ : ۹

۹۷۰۔ لوقا ۹ : ۵۷

۹۷۱۔ متی ۲۱ : ۳

۹۷۲۔ مرقس ۱۴ : ۳۴

۹۷۳۔ یوحنا ۱۰ : ۳۳ ـ ۳۵

۹۷۴۔ رحمت اللہ کیرانوی، اظہار الحق مترجم اکبر علی "بائبل سے قرآن تک"
مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۰۳ھ ج۲ ص۲۵۱۔۲۵۸

۹۷۵۔ بحوالہ ابراہیم سلیمان "مسیحیت اور سامراج کے خوفناک اسلام دشمن عزائم"

مترجم عثمان غنی الہلال پبلی کیشنز لاہور ص ۴۷ سن ندارد

۹۷۶۔ رحمت اللہ کیرانوی ، اظہار الحق مترجم اکبر علی ج ۲ ص ۲۴۵ ۔ ۲۴۷

۹۷۷۔ القرآن ۳ : ۵۱ ۔ ۵۳

۹۷۸۔ القرآن ۵ : ۵۷ ۔ ۷۶

۹۷۹۔ القرآن ۱۹ : ۳۵ ۔ ۳۶

۹۸۰۔ القرآن ۱۹ : ۸۸ ۔ ۹۴

۹۸۱۔ القرآن ۱۰ : ۳۱ ۔ ۳۳

۹۸۲۔ القرآن ۱۱۲ : ۱۱ ۔ ۴

۹۸۳۔ مودودی تفہیم القرآن ج ۶ ص ۵۲۱

۹۸۴۔ محمد اقبال علامہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" مترجم نذیر نیازی بزم اقبال لاہور
۱۹۵۸ء ص ۹۵

۹۸۵۔ القرآن ۴ : ۱۷۱

۹۸۶۔ القرآن ۱۵۱ : ۱۵۲

۹۸۷۔ القرآن ۳۷ : ۱۵۸

۹۸۸۔ القرآن ۴۳ : ۱۵

۹۸۹۔ القرآن ۲۱ : ۲۲

۹۹۰۔ القرآن ۶ : ۱۰۰ ۔ ۱۰۱

۹۹۱۔ القرآن ۱۰ : ۶۸ ۔ ۶۹

۹۹۲۔ القرآن ۱۱۱

۹۹۳۔ القرآن ۲۳ : ۹۱

۹۹۴۔ القرآن ۵ : ۲۶

۹۹۵۔ القرآن ۳ : ۴۶

۹۹۶۔ القرآن ۶ : ۱۹ ۔ ۳۰

۹۹۷۔ القرآن ۶ : ۱۴

۹۹۸۔ القرآن ۴ : ۱۶۴

۹۹۹۔ القرآن ۶ : ۸۸۷

۱۰۰۰۔ القرآن ۶ : ۶۲ ـ ۶۴

۱۰۰۱۔ القرآن ۲ : ۹۶ ـ ۹۹

۱۰۰۲۔ القرآن ۱۰ : ۳۲ ـ ۳۵

۱۰۰۳۔ القرآن ۱۳ : ۲

۱۰۰۴۔ القرآن ۱۳ : ۳ ـ ۴

۱۰۰۵۔ القرآن ۱۳ : ۲

۱۰۰۶۔ القرآن ۱۵ : ۲۲ ـ ۲۴

۱۰۰۷۔ القرآن ۱۶ : ۴ ـ ۸

۱۰۰۸۔ القرآن ۱۶ : ۱۲ ـ ۲۱

۱۰۰۹۔ القرآن ۱۶ : ۱۵ ـ ۲۰

۱۰۱۰۔ القران ۱۶ : ۵۳ ـ ۵۴

۱۰۱۱۔ القرآن ۲۱ : ۷۲ ـ ۷۳

۱۰۱۲۔ القرآن ۱۷ : ۶۷

۱۰۱۳۔ القرآن ۲۱ : ۲۲

۱۰۱۴۔ القرآن ۲۲ : ۵

۱۰۱۵۔ القرآن ۲۳ : ۹۱

۱۰۱۶۔ القرآن ۲۵ : ۲ ـ ۳

۱۰۱۷۔ القرآن ۲۵ : ۴۵ ـ ۵۰

۱۰۱۸۔ القرآن ۲۰ : ۲۴

۱۰۱۹۔ القران ۳۴ : ۲۳

۱۰۲۰۔ القران ۳۵ : ۱۲ ـ ۱۳

۱۰۲۱۔ القران ۳۵ : ۳۷

۱۰۲۲۔ القران ۳۶ : ۳۷ ـ ۴۰

۱۰۲۳۔ القران ۳۹ : ۶

۱۰۲۴۔ القران ۴۰ : ۶۷ ـ ۶۸

۱۰۲۵۔ القران ۵۶ : ۶۸ ـ ۷۳

۱۰۲۶۔ القران ۵۶ : ۸۳ ۔ ۸۷

۱۰۲۷۔ القران ۸۷ : ۶ ۔ ۱۶

۱۰۲۸۔ القران ۵ : ۱۸

۱۰۲۹۔ القران ۴ : ۱۷۱

۱۰۳۰۔ مودودی تفہیم القرآن ج۱ص ۴۲۸

۱۰۳۱۔ ایضاً

۱۰۳۲۔ القرآن ۴ : ۱۷۱

۱۰۳۳۔ القرآن ۵ : ۱۷

۱۰۳۴۔ القران ۵ : ۷۳

۱۰۳۵۔ القرآن ۴۳ : ۶۰ ۔ ۶۴

۱۰۳۶۔ القرآن ۳ : ۵۰

۱۰۳۷ القرآن ۶ : ۴

۱۰۳۸۔ القرآن ۵ : ۷۳

۱۰۳۹۔ القرآن ۵ : ۷۳

۱۰۴۰۔ القرآن ۵ : ۷۳

۱۰۴۱۔ القرآن ۵ : ۷۴

۱۰۴۲۔ القرآن ۵ : ۷۵

۱۰۴۳۔ قطب سید "فی ظلال القرآن"ج۱ص ۹۴۵

۱۰۴۴ القرآن ۵ : ۷۵

۱۰۴۵۔ القرآن ۵ : ۷۵

۱۰۴۶۔ القرآن ۴ : ۱۷۲ ۔ ۱۷۳

۱۰۴۷۔ القرآن ۵ : ۱۱۶ ۔ ۱۲۰

۱۰۴۸۔ انسائیکلوپیڈیا بری ٹینکا مضمون "Jesus Christ"
چودھواں ایڈیشن ج۱۳ص۱۶ ۱۹۴۶ء

۱۰۴۹۔ لوقا ۱۳ : ۲۳

۱۰۵۰۔ انسائیکلوپیڈیا بری ٹینکا حوالہ مذکور مزید دیکھیں مودودی تفہیم القرآن ج۱ص ۱۹۲

۱۰۵۱۔ ایضاً

۱۰۵۲۔ ایضاً

۱۰۵۳۔ انسائیکلوپیڈیا بری ٹینکا Church Hisotry ۱۹۴۶ء ج۵ ص ۶۷۳ ۔ ۶۷۵

۱۰۵۴۔ القرآن ۴۳ : ۵۷ ۔ ۵۹

۱۰۵۵۔ القرآن ۹ : ۳۱

۱۰۵۶۔ القرآن ۱۹ : ۳۴ ۔ ۳۷

۱۰۵۷۔ القرآن ۱۹ : ۳۰

۱۰۵۸۔ مودودی "نصرانیت" لاہور ۱۹۸۵ء ص۳۳

۱۰۵۹۔ القرآن ۲۱ : ۹۱

۱۰۶۰۔ القرآن ۳۸ : ۷۱ ۔ ۷۲

۱۰۶۱۔ القرآن ۶۶ : ۱۲

۱۰۶۲۔ القرآن ۳ : ۵۹

۱۰۶۳۔ قطب "فی ظلال القرآن" ج۱ص ۳۹۸

۱۰۶۴۔ مودودی "تفہیم القرآن" ج۱ص۲۵۹

۱۰۶۵۔ القرآن ۳ : ۷۹

۱۰۶۶۔ القرآن ۱۱۲ : ۱ ۔ ۴

۱۰۶۷۔ اقبال "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" ص ۹۵

۱۰۶۸۔ لمن تیمیہ تفسیر سورۃ اخلاص اردو مترجم محمد حنیف لاہور ۱۹۷۹ء ص۲۱۔۲۶

۱۰۶۹۔ القرآن ۳۷ : ۴ ۔ ۷۱

۱۰۷۰۔ القرآن ۴ : ۱۷۱

۱۰۷۱۔ القرآن ۲۱ : ۲۶

۱۰۷۲۔ القرآن ۴۳ : ۱۵

۱۰۷۳۔ القرآن ۱۰ : ۶۸

۱۰۷۴۔ القرآن ۱۷ : ۱۱۱

۱۰۷۵۔ القرآن ۲۳ : ۹۱

۱۰۷۶۔ القرآن ۲ : ۱۰۱

۱۰۷۷۔ القرآن ۷۲ : ۲

۱۰۷۸۔ مودودی" تفہیم القرآن" ج۶ص ۵۴۰۔۵۴۱

۱۰۷۹۔ القرآن ۳۶ : ۸۰

۱۰۸۰۔ ابن تمیہ تفسیر سورۃ اخلاص ص ۲۶۔۲۹

مزید دیکھئے مودودی حوالہ مذکور

۱۰۸۱۔ القرآن ۶ : ۱۰۱

۱۰۸۲۔ قطب سید فی ظلال القران ج۶ ص ۴۰۰

۱۰۸۳۔ اصلاحی امین احسن تدبر قرآن لاہور ۱۹۹۴ء ج۹ص ۱۵۱

۱۰۸۴۔ ولی اللہ شاہ "الفوز الکبیر" ص ۳۳۔۳۴

۱۰۸۵۔ R.W.Dales مضمون "Atonement" انسائیکلو پیڈیا بر ی ٹینکا ج ۲ ص ۶۵۱

۱۰۸۶۔ انسائیکلو پیڈیا بر ی ٹینکا مقالہ "Atonement" ۱۹۷۶ء ج ۱ص ۶۸۰

۱۰۸۷۔ آگسٹائن دی "سٹی آف گاڈ" بحوالہ کیرانوی اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک"

ج ۲ص ۴۲۔۴۷

۱۰۸۸۔ پیدائش ۲ : ۱۷

۱۰۸۹۔ ماخوذ آگسٹائن بحوالہ کیرانوی بائبل سے قرآن تک ج ۱ص ۷۱۔۸۱

۱۰۹۰۔ حزقی ایل ۱۸ : ۲۰

۱۰۹۱۔ ایضاً ۱۸ : ۲۱

۱۰۹۲۔ آگسٹائن On the Original sin بحوالہ کیرانوی حوالہ مذکور

۱۰۹۳۔ ایضاً

۱۰۹۴۔ متی ۱ : ۲۱

۱۰۹۵۔ لوقا ۲ : ۱۱

۱۰۹۶۔ لوقا ۲ : ۳۰

۱۰۹۷۔ لوقا ۱۹ : ۱۰

۱۰۹۸۔ متی ۲۰ : ۲۸

۱۰۹۹۔ متی ۲۶ : ۲۸

۱۱۰۰۔ کیرانوی "بائبل سے قرآن" تک ج ۱ص ۱۲۹

۱۱۰۱۔ ایضاً

۱۱۰۲۔ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا مقالہ "کفارہ" ج ۲ ص ۶۵۲

۱۱۰۳۔ کیرانوی "بائبل سے قران تک" ج ۱ ص ۷ ۱۲۔۱۲۱

۱۱۰۴۔ ولیم۔ جے۔ ولف مضمون "Atonement" انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن ج ۱ ص ۱۹۴

۱۱۰۵۔	القرآن	۵	:	۱۴	
۱۱۰۶۔	القرآن	۶	:	۱۴۷ ۲۵	
۱۱۰۷۔	القرآن	۶۰	:	۱	
۱۱۰۸۔	القرآن	۳۱	:	۳۳	
۱۱۰۹۔	القرآن	۱۳	:	۲۵	
۱۱۱۰۔	القرآن	۳۵	:	۳	
۱۱۱۱۔	القرآن	۳۱	:	۴	
۱۱۱۲۔	القرآن	۳۰	:	۵	
۱۱۱۳۔	القرآن	۲۰	:	۱	
۱۱۱۴۔	القرآن	۲۷	:	۷	
۱۱۱۵۔	القرآن	۵۳	:	۳	
۱۱۱۶۔	القرآن	۵	:	۸	
۱۱۱۷۔	القرآن	۲	:	۱۳	
۱۱۱۸۔	القرآن	۲	:	۳۸	
۱۱۱۹۔	القرآن	۷	:	۸	۔ ۹
۱۱۲۰۔	القرآن	۹۹	:	۷	۔ ۸
۱۱۲۱۔	القرآن	۳۲	:	۱۲	
۱۱۲۲۔	القرآن	۲	:	۲۵۴	
۱۱۲۳۔	القرآن	۱۱	:	۱۱۴	
۱۱۲۴۔	القرآن	۴	:	۳۱	
۱۱۲۵۔	القرآن	۵	:	۱۲	
۱۱۲۶۔	القرآن	۴۶	:	۱۶	

۱۱۲۷۔ مودودی "تفہیم القرآن" ج۱ص۶۷

۱۱۲۸۔ راغب اصفہانی مفردات ج۱ص۱۴۸

۱۱۲۹۔ قطب سید "فی ظلال القران"ج۱ص۵۹۷

۱۱۳۰۔ رازی "تفسیر کبیر" قم سن ندارد ج۹ص۳

۱۱۳۱۔ المراغی محمد مصطفیٰ "تفسیر المراغی" آیت زیر تفسیر سورۃ نساء حوالہ
منظور احمد میں تفسیر سورۃ نساء علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۶ء ص۷۸

۱۱۳۲۔ القرآن ۹ : ۱۰۲

۱۱۳۳۔ غزالی احیاء علوم الدین ج۴ص۷۲۔۷۶

۱۱۳۴۔ القرآن ۴ : ۱۷ ۔ ۱۸

۱۱۳۵۔ القرآن ۴۰ : ۸۴

۱۱۳۶۔ القرآن ۶ : ۱۵۹

۱۱۳۷۔ ابن کثیر ابو الفدا "تفسیر" قدیمی کتب خانہ کراچی ج۱ص۴۶۲

۱۱۳۸۔ تھانوی اشرف علی "بیان القران" مکتبہ الحسن قلعہ گوجر سنگھ لاہور ۱۴۰۵ھ ج۱ص۲۷۵

۱۱۳۹۔ رازی تفسیر کبیر ج۶ص۶۰۴

۱۱۴۰۔ اصلاحی امین احسن "تدبر قرآن" فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۳ء ج۲ص۲۶۶

۱۱۴۱۔ القرآن ۶ : ۵۴

۱۱۴۲۔ القرآن ۱۶ : ۱۹

۱۱۴۳۔ القرآن ۹ : ۱۰۲

۱۱۴۴۔ القرآن ۹ : ۱۱۷

۱۱۴۵۔ القرآن ۴ : ۱۵ ۔ ۱۶

۱۱۴۶۔ القرآن ۴ : ۱۴۴ ۔ ۱۴۷

۱۱۴۷۔ القرآن ۵ : ۳۸ ۔ ۳۹

۱۱۴۸۔ القرآن ۳ : ۸۶ ۔ ۸۹

۱۱۴۹۔ القرآن ۲ : ۱۵۹ ۔ ۱۶۰

۱۱۵۰۔ القرآن ۱۲ : ۴ ۔ ۵

۱۱۵۱۔ "آلوسی روح المعانی"ج۱۸ص۸۷

۱۱۵۲۔ مودودی تفہیم القرآن ج۳ص ۳۵۳۔۳۵۴

۱۱۵۳۔ القرآن ۱۱ : ۹

۱۱۵۴۔ القرآن ۹ : ۱۱۸

۱۱۵۵۔ مودودی تفہیم القرآن ج۲ص ۲۴۵۔۲۴۹

۱۱۵۶۔ القرآن ۴۰ : ۲ ۔ ۳

۱۱۵۷۔ القرآن ۴۲ : ۲۵

۱۱۵۸۔ القرآن ۴۹ : ۱۲

۱۱۵۹۔ القرآن ۱۱۰ : ۳

۱۱۶۰۔ القرآن ۲ : ۳۷

۱۱۶۱۔ القرآن ۲ : ۵۴

۱۱۶۲۔ القرآن ۲ : ۱۶۰

۱۱۶۳۔ القرآن ۹ : ۱۰۴

۱۱۶۴۔ القرآن ۷ : ۱۸ ۔ ۲۲

۱۱۶۵۔ القرآن ۷ : ۲۳

۱۱۶۶۔ القرآن ۷۱ : ۲۸

۱۱۶۷۔ القرآن ۳۸ : ۲۴ ۔ ۲۵

۱۱۶۸۔ القرآن ۳۸ : ۳۵

۱۱۶۹۔ القرآن ۴۱ : ۴۱

۱۱۷۰۔ القرآن ۱۱ : ۵۲

۱۱۷۱۔ القرآن ۱۱ : ۶۱

۱۱۷۲۔ القرآن ۱۱ : ۸۹ ۔ ۹۰

۱۱۷۳۔ القرآن ۷۱ : ۵ ۔ ۱۲

۱۱۷۴۔ القرآن ۳ : ۱۵۹

۱۱۷۵۔ القرآن ۴ : ۱۰۵ ۔ ۱۰۶

۱۱۷۶۔ القرآن ۲۴ : ۶۲

۱۱۷۷۔ القرآن ۴۰ : ۵۵

۱۱۷۸۔ القرآن ۴۷ : ۱۹

۱۱۷۹۔ القرآن ۶۰ : ۱۲

۱۱۸۰۔ القرآن ۱۱۰ : ۳

۱۱۸۱۔ مودودی "تفہیم القرآن" ج۱ص۷۶

۱۱۸۲۔ القرآن ۲ : ۵۴

۱۱۸۳۔ القرآن ۴۰ : ۹۷

۱۱۸۴۔ القرآن ۴۲ : ۵

۱۱۸۵۔ القرآن ۱۱ : ۳

۱۱۸۶۔ القرآن ۱۱ : ۵۲

۱۱۸۷۔ القرآن ۸ : ۳۳

۱۱۸۸۔ القرآن ۲۴ : ۳۱

۱۱۸۹۔ القرآن ۲۲ : ۸

۱۱۹۰۔ القرآن ۲ : ۲۲

۱۱۹۱۔ القرآن ۵۰ : ۱۸

۱۱۹۲۔ القرآن ۹ : ۱۱۳

۱۱۹۳۔ القرآن ۹ : ۱۱۳ ۔ ۱۱۴

۱۱۹۴۔ القرآن ۴ : ۱۸

۱۱۹۵۔ القرآن ۳ : ۹۰ ۔ ۹۱

۱۱۹۶۔ القرآن ۶۳ : ۵ ۔ ۶

۱۱۹۷۔ القرآن ۴۸ : ۱۱

۱۱۹۸۔ القرآن ۹ : ۸۰

۱۱۹۹۔ القرآن ۹ : ۷۴

۱۲۰۰۔ القرآن ۴ : ۱۴۶

۱۲۰۱۔ القرآن ۹ : ۱۴۶

۱۲۰۲۔ القرآن ۲ : ۱۹۹

۱۲۰۳۔ القرآن ۱۱ : ۳

۱۲۰۴۔ القرآن ۷۳ : ۴۰

۱۲۰۵۔ القرآن ۱۱ : ۳

۱۲۰۶۔ القرآن ۵ : ۷۳ ۔ ۷۴

۱۲۰۷۔ القرآن ۱۹ : ۶۰ ۔ ۶۳

۱۲۰۸۔ القرآن ۲۵ : ۷۰

۱۲۰۹۔ القرآن ۲۸ : ۶۷

۱۲۱۰۔ القرآن ۱۱ : ۳

۱۲۱۱۔ القرآن ۱۱ : ۵۲

۱۲۱۲۔ القرآن ۱۴ : ۱۱۹

۱۲۱۳۔ ندوی "سیرت النبی"ج ۴ص ۷۱۰

۱۲۱۴۔ القرآن ۷ : ۱۳۰

۱۲۱۵۔ القرآن ۷ : ۹۴

۱۲۱۶۔ القرآن ۷ : ۱۲۸

۱۲۱۷۔ القرآن ۲۳ : ۷۶

۱۲۱۸۔ القرآن ۲ : ۱۵۵ ۔ ۱۵۷

۱۲۱۹۔ القرآن ۳۲ : ۲۱

۱۲۲۰۔ القرآن ۱۴۷

۱۲۲۱۔ القرآن ۶۶ : ۸

۱۲۲۲۔ زمخشری الکشاف ج۶ص۲۶۹۔۵۷۰

۱۲۲۳۔ بحوالہ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ج ۴ص ۳۹۲

۱۲۲۴۔ بحوالہ زمخشری کشاف ج ۴ص ۵۶۹

۱۲۲۵۔ قطب سید "فی ظلال القرآن"ج ۶ص ۳۶۱۸

۱۲۲۶۔ اقبال تشکیل جدید "الھیات اسلامیہ" ص ۸۲

۱۲۲۷۔ ایضاً ص ۸۳

۱۲۲۸۔ القرآن ۹۵ : ۴ ۔ ۶

۱۲۲۹۔ القرآن ۳ : ۱۹۵

۱۲۳۰۔ القرآن ۲۵ : ۱۸
۱۲۳۱۔ القرآن ۳۳ : ۷۰
۱۲۳۲۔ اقبال حوالہ مذکور ص ۱۳۳۔

اناجیل اربعہ کے اہم مضامین کا تحقیقی جائزہ

قرآن حکیم کی روشنی میں

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد ایاز خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

پی ایچ ڈی (برطانیہ) فل برائٹ سکالر (امریکہ)

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

شعبہ علوم اسلامیہ

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اپریل 2000ء

اس مقالے کی منظوری ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے مراسلہ نمبر ACAD/Ph.D-Adv/89-1599 مورخہ 21-08-93 کے تحت دی گئی

باب ششم

تعلیمات مسیح اور قران حکیم

باب ششم

دعا و عبادات

دعا کے معنی:

دعا (جمع ادعیہ) یہ دعا یَدعُوا کا مصدر ہے لغوی معنی پکارنا، بلانا، مانگنا ، سوال کرنا،رغبت کرنا مدد چاہنا، منسوب کرنا، نام رکھنا جیسے دعوت ابنی زیداً میں نے اپنے بڑے لڑکے کا نام زید رکھا (۱) (دُعَاءٌ) لہٗ کسی کے حق میں دعاخیر کرنا علیہ کسی کے حق میں بد دعا کرنا ۔ الیہ کسی چیز کی طرف بلانا (۲)۔ دعا اور ندا ہم معنی ہیں مگر ندا کبھی بغیر نام لئے بھی یا اور ایا کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور دعا میں نام لیا جاتا ہے۔ جیسے یا فلاں اور کبھی دعا کا استعمال ندا کی جگہ اور ندا کا استعمال دعا کی جگہ بھی ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے

کمثل الزی ینعق بما لا یسمع الا دعاءً و ندآءً (۳)

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے

اور دعوتہ کے معنی سوال یا مدد طلب کرنے کی مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں

قالوا ادع لنا ربك (البقرہ ۶۹:۲)

انہوں نے کہا اپنے رب سے پھر درخواست کیجئے (۴)

دعا کے اصطلاحی معنی اللہ تعالیٰ سے مدد اور استغاثہ کے ہیں ۔ اپنے یا کسی کے حق میں (ل) یا کسی کے خلاف (علی) اللہ تعالیٰ سے دعا تین طرح سے کی جاتی ہے (۱) اس کی توحید بیان کرنا اور اس کی حمد و ثنا کرنا، جیسے کہاجائے یا اللہ لا الہ الا انت اور جیسے ربنا لک الحمد اللہ تعالیٰ کی شان کریمی اورعفو کی وجہ سے ایسی چیزیں طلب کرنا جس کی وجہ سے اس کی قربت نصیب ہو جیسے اللھم اغفرلنا دنیا کی بھلائی کے لیے درخواست کرنا جیسے اللھم ارزقنی مالا ولدً (۵)

قرآن حکیم میں لفظ دعا ان جملہ معانی میں (تسمیہ کے سوا) استعمال ہوا ہے۔ بلانا،پکارنا

لا تجعلوا دعا الرسول بینکم کدعاءِ بعضکم بعضاً (۶)

ایمان والو پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

دعا کے معنی منسوب کرنا بھی ہیں جیسے

ادعوھم لا باٰبھم ھو اقسط عنداللہ فان لم تعلموا اباٰئھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم (۷)

تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔

عبادت کرنا جیسے

ان الذین تدعون من دون الله عباد امثالکم فا دعوهم فلیستجیبوالکم (٨)

واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو ان کو پکارو پھر ان کو چاہئیے کہ تمہارا کہنا کر دیں۔

اللہ تعالیٰ سے استمداد و استغاثہ ہے

قالوایموسیٰ ادع لنا ربك بما عهد عندك (٩)

وہ بولے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔

لفظ دعویٰ دعا کے معنی میں آتا ہے۔

و اخر دعوٰهم ان الحمد لله رب اللعالمین (١٠)

اور ان کا آخری قول یہ (ہو گا) کہ خدائے رب العالمین کی حمد اور (اس کا شکر) ہے ۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعوت دی ہے کہ اس سے دعا کیا کریں۔

ادعوا ربکم تضرعاً و خفیه ط انه لا یحب المعتدین (١١) وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جهنّم داخرین (١٢)

واذا سالك عبادی عنی فانی قریب ط اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبولی(١٣)

ایسی بہت سی احادیث ہیں جن میں دعا کرنے کا ذکر ہے اور ان میں دعا کی اہمیت و فضیلت بھی بیان ہوئی ہے امام غزالی نے بھی اپنی کتاب احیاء علوم الدین مین ان احادیث کو جمع کیا ہے (١٤) جیسے ابوہریرہ سے روایت ہے

لیس شیء اکرم علی الله عزوجل من الدعاء

نعمان بن بشیر سے روایت ہے

ان الدعا مغ العباده (۱۵) سلواالله تعالی من فضلهٖ فان الله تعالی یحب ان السال وانتظار الفرجِ (۱۶)

صاحب حصن حصین نے بھی دعا کی فضیلت پر احادیث کا ایک باب تحریر کیا ہے۔ ان میں چند احادیث یہ ہیں۔ دعا کے سوا کوئی چیز قضا (تقدیر) کو رد نہیں کر سکتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز عمر کو نہیں بڑھا سکتی ۔ ایک حدیث ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے تم اللہ سے دعا مانگنے میں عاجز نہ ہو (اور کوتاہی نہ کرو) اس لئے کہ دعا کرتے رہنے کی صورت میں ہرگز کوئی شخص (کسی ناگہانی آفت سے) ہلاک نہ ہو گا ایک اور فرمان نبویؐ ہے جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا سختیوں اور مصیبتوں کے وقت قبول فرمائیں اس کو چاہیئے وہ فراخی اور خوشحالی میں بھی کثرت سے دعا مانگا کرے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو کسی مصیبت میں گرفتار تھی تو آپؐ نے فرمایا کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا نہیں مانگا کرتے تھے (۱۷)

دعا کی اہمیت اور اس کی دینی و دنیوی برکات پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

" مذہب کے عزائم فلسفہ سے بلند تر ہیں۔ مذہب کے لیے یہ ممکن نہیں کہ صرف تصورات پر قناعت کر لے ۔ وہ چاہتا ہے اپنے مقصود و مطلوب کا زیادہ گہرا علم حاصل کرلے۔ اور اس سے قریب تر ہوتا چلا جائے۔ لیکن یہ قرب حاصل ہوگا تو دعا کے ذریعے مگر پھر دعا وہ چیز ہے جس کی انتہا روحانی تجلیات پر ہوتی ہے۔ اور جس سے مختلف طبیعتیں مختلف اثرات قبول کرتی ہیں......... آیئے ادراک اور تعقل ہی کے نقطہ نظر سے ہم دعا کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اس سلسلے میں مشہور امریکی نفسیات دان پروفیسر ولیم جیمز کی ایک عبارت خصوصیت سے توجہ طلب ہے۔ سائنس کچھ بھی کہے مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے دعا یا عبادت کا سلسلہ بھی قائم رہے گا الا یہ کہ ہم انسانوں کی ذہنی ساخت میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا ہو جائے مگر جس کا جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے کوئی امکان نہیں۔ دراصل دعا کی تحریک ہوتی ہے تو اس لیے کہ اعتبارا نفس انسانی کے اگرچہ کئی مراتب ہیں بااین ہمہ اس کی تہوں میں ایک نفس اجتماعی پوشیدہ ہے جسے اپنا سچا ہمدم (رفیق اعلیٰ) کسی مثالی دنیا میں مل سکتا

ہے.......

......لہٰذا کتنے انسان ہیں جو ہمیشہ نہیں تو اکثر اس ہمدم صادق کی تمنا اپنے سینوں میں لئے پھرتے ہیں اور جس کی بدولت ایک حقیر سا انسان بھی جسے بظاہر لوگوں نے دھتکار رکھا ہو محسوس کرتا ہے کہ اس کی ہستی بھی اپنی جگہ پر کچھ ہے یہ اندرونی سہارا نہ ہو تو ان حالتوں میں جب ہمارا نفس اجتماعی ناکام ہو کر ہمارا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، دنیا بہتوں کے لئے جہنم بن جائے۔ میں کہتا ہوں بہتوں کے لیے ، کیونکہ جہاں تک یہ احساس کہ ایک اعلیٰ و ارفع ہستی ہمارے اعمال و افعال کو دیکھ رہی ہے ،بعض لوگوں میں تو بڑا قوی ہو گا۔بعض میں خفیف ، گو بعض طبیعتوں کی ساخت ایسی ہے کہ ان میں یہ احساس بہ نسبت دوسروں کے زیادہ شدت کے ساتھ جاگزیں ہو۔لہٰذا میں سمجھتاہوں جتنایہ احساس کسی دل میں قوی ہوگا اتنا ہی مذہب سے اسے زیادہ گہرا لگاؤ ہوگا لیکن پھر اس کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ تھوڑا ہو یا بہت ہو اسے احساس ان کے اندر موجود ہو گا ۔(۱۸)

لہٰذا دعا خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کی ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے یہ انکشاف و تجسس کا وہ عدیم المثال عمل ہے جس میں طالب حقیقت کے لیے نفی ذات ہی کا لمحہ اثبات ذات کا لمحہ بن جاتا ہے اور جس میں وہ اپنی قدر و قیمت سے آشنا ہو کر بجاطور پر سمجھتا ہے کہ اس کی حیثیت کائنات کی زندگی میں سچ مچ ایک فعال عنصر کی ہے یہی وجہ ہے کہ نفس انسانی کی اس روشنی کے پیش نظر جو دعامیں اختیار کی جاتی ہے۔اسلام نے صلوٰۃ میں نفی و اثبات دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی مگر پھر دیکھتے ہیں کہ دعا یا عبادت کا تعلق دراصل انسان کے باطن اور ضمیر سے ہے اور اس لیے اس کی شکلیں بھی، جیسا کہ تاریخ سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے مختلف ہے''۔ (۱۹)

ایک تنقیدی تجزیے میں دعا کے معانی میں صلوٰۃ ، ذکر، ضرب اور ورد کا ذکر بکثرت آتا ہے دل میں کی جانے والی عبادت کا مفہوم کسی حد تک ذکر اور فکر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ دعا میں ہمیشہ ایک با ضابطہ استدعا کا تصور شامل ہوتا ہے چاہے یہ دعا خیر ہو یا دعائے بد ۔ حالات کے مطابق دعا (خدا سے استطاعت کرنا) کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔ مذید برآں دعا کے لیے الفاظ کے انتخاب میں انسان آزاد ہے لیکن اکثر و

بیشتر وہ دعائیں پڑھی جاتی ہیں جو متون قرآن حکیم و حدیث میں موجود ہیں۔

اسلام نے اپنے بندوں کو ہر وقت احساس خداوندی تازہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ حالت نماز یا صرف مسجد تک خدا سے تعلق رکھو پر بازار یا گھر میں آ کر جو مرضی آئے کرتے پھرو بلکہ پیغمبر خداوندی نے یہ بتایا ہے کہ تمہارے دل میں ہر وقت یہ خیال اور احساس رہے کہ تمہارا صرف اور صرف ایک خدا ہے اور اس سے ہر وقت تمہارا تعلق ہے تم اس سے غافل نہ ہو اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ہر کام اور ہر وقت میں دعا کی تعلیم دی اسی لئے آپؐ سے سوتے ہوئے ،بیٹھتے ہوئے ، گھر سے نکلتے ہوئے، گھر میں داخل ہوتے وقت، غسل خانے میں جاتے وقت باہر آتے وقت سفر کی روانگی اور آمد پر، کھانا کھانے پر اور کھانا کھانے کے بعد سواری پر سوار ہونے پر، شہر میں داخل ہوتے وقت، مسجد میں جاتے ہوئے، سوتے وقت جاگتے وقت بیمار کی عیادت کے وقت، دشمن سے مقابلے کے وقت ، جسمانی طہارت ، وضو، غسل کے وقت دعائیں منقول ہیں (۲۰) علماء کرام نے قرآنی دعاؤں کو ادعیۃ القرآن کے نام سے کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور ماثورہ دعاؤں کو الگ کتب و رسائل میں مثلاً ابن تیمیہ :

جوامع الكلم الطيب فى الادعيه والاذكار، ابن الجزرى لامشقى: الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين پاپ سنكى مصر ١٢٧٧ ھ ملا على انصارى :

الحزب الاعظم والورد الافخم لانشنابه واستناده الى الرسول الاكرم ، چاپ سنكى مكه ١٣٠٧ ھ ابن السنى الدنيورى : عمل اليوم و اللية ،حيدرآباد دكن ١٣٠٥ھ اليسوطى عمل اليوم والليل

اردو میں پیارے رسول کی پیاری دعائیں مکتبہ سلفیہ لاہور، مولانا اشرف علی تھانوی مناجات مقبول۔

ہمارے بزرگوں نے دعا کی کچھ شرائط اور اداب بھی بیان کئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ دعا زیادہ سے زیادہ قبول ہو۔ یہ اس طرح بتائی گئی ہیں اکل حلال ؛ دعا کرتے ہوئے اس کی مقبولیت پر مکمل یقین کرنا دعا کے وقت ذہنی یکسوئی ، دعا گناہ کی نہ ہو، رشتہ داروں کے درمیان دشمنی پیدا کرنا یا مسلمانوں کے مفاد کے خلاف دعا نہ کی جائے۔ (۲۱)

بہترین وقت کا انتخاب جو الباجوری کے نزدیک سجود، اقامت یا دوران اذان کا وقت ہے۔ دعا کی

قبولیت کی شرائط میں سے ہے کہ با وضو ہو کر دو رکعت ادا کرنے کے بعد اعتراف گناہ اور احساس ندامت کے ساتھ دعا کی جائے، قبلہ رخ کرنا، ہاتھ اٹھانا، دعا کے آغاز، وسط اور خاتمے پر خدا کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا آداب دعامیں شامل ہے (۲۲)۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ دعاؤں میں سے زیادہ قریب قبول وہ دعا ہوتی ہے جو ایسی حالت میں پائی جائے جس میں نزول رحمت کا موقع ہوتا ہے۔ یا تو اس کے لئے اس حالت میں نفس انسانی کو کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نمازوں کے بعد دعا کرنایا افطار کے وقت روزہ دار کا دعا کرنا یا اس لئے وہ حالت اللہ تعالیٰ کی بخشش کے طلب نزول کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ عرفہ کے دن دعا مانگنا یا اس لیے کہ وہ حالت نظام عالم میں عنائت الٰہی کی موافقت کا سبب ہوتی ہے۔ جیسا کہ مظلوم کا دعا مانگنا کیونکہ خدا تعالیٰ کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف نہایت توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا مانگنا کہ اس سے توبہ کی موافقت کرنا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہا وہ حالت اس سے راحت دنیا کے انقلاب کا سبب ہوتی ہے پس اس وقت اس کے حق میں رحمت الٰہی دوسری صورت میں ہو کر متوجہ ہوتی ہے۔جیسا کہ بیمار یا مصیبت زدہ کا دعا کرنا یا وہ حالت دعا کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے۔ جیسا کہ غائب کا اپنے بھائی کے لئے دعا کرنا یا والد کا بیٹے کے لیے دعا کرنا یا وہ دعا ایسے وقت میں ہو جس میں روحانیت کا انتشار ہوتا ہے۔ اور رحمت الٰہی کا قرب ہوتا ہے جیسا کہ شب قدر یا وہ ساعت جو جمعہ کے دن ہوتی ہے یا دعا مانگنا ایسی جگہ پر کہ جہاں فرشتے حاضر ہوتے ہیں جیسا کہ مکے کے مقامات یا ان مقامات میں جانے سے نفس کے حضور وخضوع کی حالت پر تنبیہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے نشانات اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے نبی ﷺ کے اس قول کا راز بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ جب تک گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔بشرطیکہ جلدی نہ کرے (۲۳)۔

دعا کو پر اثر بنانے کے لیے کچھ اور شرائط اور آداب بھی ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ الفاظ کی تاثیر بڑھانے کے لیے شرعی طہارت اور ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تضرع و الحاح اکثر و بیشتر مواقع پر دعا کی تلقین کی گئی ہے ان میں وضو اور ہاتھ اٹھانے پر زور دیا جاتا ہے اس کے لیے وہ اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں کہ حضورؐ نے دعا میں ہاتھ اٹھانے سے پہلے وضو کیا (۲۴)۔ دعا سے پہلے کوئی نیک کام

کرنا ، قبلہ رخ ہونا، دوزانو بیٹھنا ، دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ، پورے یقین کے ساتھ دعا مانگنا انتہائی رغبت اور شوق بلکہ دل کی گہرائیوں سے دعا کرنا چاہیئے۔ (۲۵) لیکن انسائی اور احمد بن حنبل صرف صلوٰۃ استقاء میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں ۔

بعض مواقعوں پر جب دعا امت مسلمہ کی ایک عام بھلائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو یہ دعا ایک مذہبی رسم کی صورت اختیا ر کر لیتی ہے ۔ اس کی ایک خاص شکل صلوٰۃ استقاء ہے۔ اس میں دعا سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے اور چادر کو الٹنے کی رسم کی ا دائیگی بھی ضروری ہے ۔ نماز جنازہ بھی ایک مخصوص دعا ہے۔

دعا کی مقبولیت کے کچھ اوقات بھی بتائے گئے ہیں مثلاً شب قدر، عرفہ کا پورا دن، رمضان کا مہینہ ، جمعہ کی رات،جمعہ کا دن، رات کا آخری تہائی حصہ ، سحر کے وقت (۲۷) اسی طرح کچھ حالتیں بھی بیان ہوئی ہیں جن میں دعاقبول ہوتی ہے اذان کے وقت، جہاد کے وقت ، فرض نمازوں کے بعد ،تلاوت قرآن کے بعد ، زمزم کا پانی پینے کی حالت میں۔ مرنے والے کی جاں کنی کے وقت ، مسلمانوں کے (دینی) اجتماعات میں ، ذکر کی مجلسوں میں ، میت کی آنکھیں بند کرنے کے وقت، نماز کی اقامت کے وقت، بارش برسنے کے وقت، کعبہ مکرمہ کو دیکھنے کے وقت (۲۸) کچھ مقامات اور جگہ بھی دعاؤں کی قبولیت کی ہیں تمام مقدس مقامات امام حسن بصریؒ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اس میں مندرجہ ذیل مکہ معظمہ کے مقام بیان کئے طواف، ملتزم، میزاب، بیت اللہ کے اندر، چاہ زمزم کے پاس ،صفا و مردہ، مسعیٰ (صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ) ، مقام ابراھیم، میدان عرفات، مزدلفہ، منیٰ، جمرات (۲۹) امام جزری نے روضہ رسولؐ کو سر فہرست میں شامل کیا ہے۔(۳۰)

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں جلد مقبول ہوتی ہیں۔ مثلاً مجبور اور لاچار مظلوم،باپ کی دعا، امام عادل،ہر نیک آدمی کی دعا، والدین سے حسن سلوک کرنے والی اولاد ، مسافر ، روزہ دار کی دعا روزہ افطار کے وقت عدم موجودگی میں مسلمان بھائی کے لیے دعا۔ دوران حج حاجی کی دعا (۳۱)

فلسفہ یونان کے اکثر مسلم فلاسفر اور متکلمین نے دعا کی مقبولیت کے متعلق اپنی آراء قائم کی ہیں ان کی بھی سنیئے۔

(الف) معتزلہ دعا کی اثرات کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک دعا سے ذات الٰہیہ کی کامل ماورائیت میں فرق آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے لہٰذا اسے اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی طلب نہیں۔ انسانی افعال خود اپنے نتائج کے حامل ہوتے ہیں یوں جب اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اپنے بندوں کو اپنے حضور متدعی ہونے کے لئے ارشاد فرماتا ہے تو دراصل اس کے مقصود ذات باری کی حمد و ثنا ہے اور جب بندوں سے ان کی دعائیں سننے کا وعدہ کرتا ہے تو یہ کسی نیک عمل کا اجر محض ہے جس کی وہ انہیں ضمانت دیتا ہے۔ (۳۲)

(ب) دوسری طرف اشعریہ کا علم کلام، جو مطلق اور آزاد ارادہ الٰہی پر مرتکز ہے دعا کی قدر و قیمت کا قائل ہے ان کے یہاں نماز جنازہ کی حیثیت ایک دعا کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کی جاتی ہے بشرطیکہ یہ اس کی رضا ہو۔ مزید برآں اشاعرہ نے بد دعا کا پہلو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔جو اگر کسی جائز سبب کی بناء پر بددعا مانگی جائے تو ان لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے جن کا برا چاہا جاتا ہے۔ حضرت انسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات دعا بعینہٖ اور فوری طور پر قبول ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات قدرے تاخیر سے جس کا سبب صرف اللہ ہی جانتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم دعا میں جس چیز کے طالب ہوتے ہیں اس کی بجائے اللہ تعالیٰ ہمیں کچھ اور عطا کر دیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے (۳۳)۔

یہ ہے دعا کا اسلامی تصور بہر حال قرآن و سنت سے دعا کی اہمیت و فضیلت ثابت ہے اور انسان فطری طور پر دعا کا محتاج ہے ۔ یہ اس کے دل اور روح کی پکار ہے۔

عبادات

عبادات (عبادہ کی جمع) عبادتیں۔ عبادتوں سے متعلق احکام الٰہی مادہ ع ب د جس کے معنی پوجنے اور عبادات کرنے کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ العبودیة اظہار فرتنی کا نام ہے ۔ مگر العبادة اس سے بھی بلیغ تر ہے کیوں کہ اس کے معنی انتہائی فروتنی کے ہیں اور اس کا استحقاق بھی سوائے اس ذات عالی کے جس کے افضال و انعام بے حد اور نہائت ہیں اور کسی کو نہیں ہے۔ اسی لئے فرمایا

الا تعبدوا الا اياه (٣٤)

کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

اور عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) عبادت بالتسخیر ۔ یہ وہی عبادت جس کو ہم سجود کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔

(۲) عبادت بالاختیار

اس کا تعلق صرف ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے یعنی ذی العقول کے علاوہ دوسری مخلوق اس کے مکلّف نہیں ہے اور آیات کریمہ ہیں۔

اعبدوا ربكم (البقره ٢:١٢)

اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔

واعبدوا الله (النساء ٣٦:٤)

اور خدا ہی کی عبادت کرو وغیرہ آیات میں دیا گیا ہے (٣۵)

قاموس میں عبادت کے معنی اطاعت کے بیان کئے ہیں (٣٦) لیکن ابن لاثیر نے یہ الفاظ عبادت کے بارے میں تحریر کئے ہیں

العبادة فى اللغة الطاعة مع الخضوء (٣٧)

لغت میں عبادت نام ہے اس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو ۔ علامہ ابن الاثیر کی یہ تعریف بہت جامع ہے ۔ راغب اصفہانی اور مجدد الدین فیروزآبادی نے اس کے صرف ایک جز کو بیان کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر عبادت کی شرعی تعریف ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

و فى الشرع عبادة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف (٣٨)

شرع میں عبادت وہ ہے جو انتہائی محبت، فروتنی اور خوف پر مشتمل ہو بعض علماء نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے " عبادت اس فعل کا نام ہے جس کے ذریعہ تعظیم اسی کے لیے فرض کی ادائیگی عمل میں آتی ہے (۳۹)

مخدوم علی مہائمی نے اس کے ایک اور پہلو پر روشنی ڈالی ہے " عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لیے فروتنی کا نام ہے لہٰذا تسخیر کی بناء پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسمی کے لیے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت کی طرف سے خارج ہے۔

تھانوی نے عبادت، عبودیت اور عبودۃ میں فرق بتایا ہے وہ یوں کہ عبادت کے معنی ہیں نہایت تعظیم اور اس ذات کے لیے لازم ہے جس سے انعامات بدرجہ نہایت صادر ہوتے ہیں اور وہ خدا کی ذات ہے۔ عبودیت عبادت کی ظاہری بجا آوری سے زیادہ داخلی شعور و حضور کا نام ہے۔ عبادت کا محل بدن ہے اور عبودیت کا محل روح ہے اور یہ رضا بالحکم کا مقام ہے اور عبودۃ ان دونوں سے بلند تر ہے اور اس کا مقام سّر ہے اور خلفائے راشدین سب کے سب اس مرتبے کے مالک تھے۔ فرق کی ایک اور صورت بھی بتائی گئی ہے۔عبادت یہ ہے کہ عبد وہ کرے جو مولا کی رضا ہو (یہ عوام مومنین کا مقام ہے) اور عبودیت خواص مومنین کا مقام ہے اور وہ یہ ہے کہ جو مولا کرے اور اس پر عبد راضی ہو ۔(۴۰)

دراصل عبادت کے عام معنی پوجا یا پرستش کے ہیں جو کسی کی بھی ہو سکتی ہے مثلاً بتوں کی مگر دراصل اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی حقیقی عبادت ہے قرآن مجید میں عبادت کا تذکرہ کئی مقام پر آیا ہے (۴۱)

سید سلیمان ندوی عبادت کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں عبادت کے معنی عام طور پر چند مخصوص اعمال سمجھے جاتے ہیں جن کو انسان خدا کی عظمت اور کبریائی کی بارگاہ میں بجا لاتا ہے مثلاً نماز، دعا، قربانی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے اس تنگ دائرہ کو بے حد وسیع کر دیا اس تعلیم کی رو سے ہر وہ نیک کام جو خاص خدا کے لئے اور اس کی مخلوقات کے فائدہ کے لئے ہو اور جس کو صرف خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کیا جائے عبادت ہے۔ اسلام میں خدا کے لئے کسی کام کے کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کام خواہ خدا کی بڑائی اور پاکی کے لئے ہو یا کسی انسان یا حیوان کے فائدہ کے لئے ہو لیکن اس کام کرنے سے اس کام کرنے والے کا مقصود نمائش، دکھاوا، حصول شہرت یا دوسروں کو

احسان مند بنانا وغیرہ کوئی دنیاوی اور مادی غرض نہ ہو بلکہ محض خدا کی محبت ، خوشنودی اور رضامندی ہو..... آنخضرت ﷺ ان صحابہ کو جو دن رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے فرمایا کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو کچھ دیر سونے دو تمہاری بیوی کا بھی حق ہے کہ اس کی تسلی کرو اور تمہارے مہمان کا بھی حق ہے کہ اس کی خدمت کے لئے کچھ وقت نکالو ۔ غرض ان حقوق کو بھی ادا کرنا خدا کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے چنانچہ پاک روزی کھانا اس کا ڈھونڈنا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا عبادت سے اسی طرح مشکلات میں صبر و استقلال بھی عبادت ہے۔ کسی شکستہ دل سے اس کی تسکین و تشفی کی بات کرنا اور کسی گناہ گار کو معاف کرنا بھی عبادت ہے۔ (ایک بار حضورؐ نے فرمایا) ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔ تمہارا کسی بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے" غریب اور بیوہ کی مدد بھی عبادت بلکہ بہت ہی عبادتوں سے بڑھ کر ہے۔ باہم لوگوں کے درمیان بغض و عناد کے اسباب دور کرنا اور محبت پھیلانا ایسی عبادت ہے جس کا درجہ نفل روزہ اور صدقہ سے بڑھ کر ہے۔ ثواب کا کام یہ بھی ہے کہ کام کرنے والے کی مدد کرو یا جس سے کوئی کام بن نہ آتا ہو اس کا کام کر دو اور لوگوں کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ (۴۲)

اس لفظ کا مفہوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اس لفظ کو عام طور پر مسلمان بولتے ہیں مگر بہت کم آدمی اس کا صحیح مطلب جانتے ہیں یہ عبادت کا لفظ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بیان فرمایا ہے کہ

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (۴۳)

میں نے جن اور انسان کو اس کے سوا اور کسی غرض سے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے۔ عبد کے معنی بندے اور غلام کے ہیں اس لئے عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ جو شخص کسی کا بندہ ہو اگر وہ اس کی خدمت میں بندہ بن کر رہے اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیئے تو یہ بندگی اور عبادت ہے اس کے برعکس جو شخص کسی کا بندہ ہو اور آقا سے تنخواہ بھی پوری پوری وصول کرتا ہو مگر آقا کے حضور میں بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور سرکشی کہاجاتا ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسے نمک حرامی

کہتے ہیں۔

تین چیزیں ہیں جن سے مل کر عبادت بنتی ہے ایک آقا کی وفاداری دوسرے آقا کی اطاعت اور تیسرے اس کا ادب اور اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

تو اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں اور اس کے خلاف کسی اور کے وفادار نہ ہوں۔ صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کے خلاف کسی اور کا حکم نہ مانیں اور صرف اس کے آگے ادب اور تعظیم سے سر جھکائیں کسی دوسرے کے آگے سر نہ جھکائیں انہی تین چیزوں کو اللہ نے عبادت کے جامع لفظ میں بیان کیا ہے۔ یہی مطلب ان تمام آیتوں کا ہے جن میں اللہ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ اور آپؐ سے پہلے جتنے نبی خدا کی طرف سے آئے ہیں ان سب کی تعلیم کا سارا لب لباب یہی ہے کہ

الاتعبدوا الا ایاہ (٤٤)

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

یعنی صرف ایک بادشاہ ہے جس کا تمہیں وفادار ہونا چاہیئے اور وہ بادشاہ اللہ ہے صرف ایک قانون ہے جس کی تمہیں پیروی کرنی چاہیئے اور وہ قانون اللہ کا قانون ہے اور صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی تمہیں پوجا اور پرستش کرنی چاہیئے اور وہ ہستی اللہ کی ہے (۴۵)

اسلام میں عبادت کا لفظ بہت وسیع ہے یہ مسلمان کی پوری زندگی اور اس کے دائرہ کار پر حاوی ہے یہی موصوف مصنف فرماتے ہیں عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کی پابندی سے آزاد ہو جائیں جو قانون الٰہی کے خلاف ہو ۔ آپ کی ہر جنبش اس حد کے اندر ہو جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی ہے۔ آپ کا ہر فعل اس طریقہ کے مطابق ہو جو خدا نے بتا دیا ہے اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہو گی ایسی زندگی آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی ،کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی ، چلنا پھرنا بھی عبادت ہے اور بات کرنا بھی۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچے کو پیار کرنا بھی عبادت ہے۔ جن کاموں کو آپ بالکل دنیا داری کہتے ہیں وہ سب دینداری اور عبادت ہیں اگر آپ ان کو انجام دینے

میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا لحاظ کریں اور زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کے نزدیک جائز کیا ہے اور ناجائز کیا۔ حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ فرض کیا چیز کی گئی ہے اور منع کس چیز سے کیا گیا ہے۔ کس چیز سے خدا خوش ہوتا ہے اور کس چیز سے ناراض ہوتا ہے مثلاً آپ روزی کمانے کے لئے نکلتے ہیں اس کام میں بہت سے مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں حرام کا مال کافی آسانی کے ساتھ آپ کو مل سکتا ہے۔ اگر آپ نے خدا سے ڈر کر وہ مال نہ لیا اور صرف حلال کی روٹی کما کر لائے تو یہ جتنا وقت آپ نے روٹی کمانے پر صرف کیا یہ سب عبادت تھا اور یہ روٹی گھر لا کر جو آپ نے خود کھائی اور اپنے بیوی بچوں اور خدا کے مقرر کئے ہوئے دوسرے حقداروں کو کھلائی اس سب پر آپ اجر و ثواب کے مستحق ہو گئے آپ نے اگر راستہ چلنے میں کوئی پتھر یا کانٹا ہٹا دیا اس خیال سے کہ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر کسی بیمار کی خدمت کی یا کسی اندھے کو راستہ چلایا یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کی تو یہ بھی عبادت ہے۔آپ نے اگر بات چیت کرنے میں جھوٹ سے، غیبت سے بد گوئی اور دل آزاری سے پرہیز کیا اور خدا سے ڈر کر صرف حق بات کی تو جتنا وقت آپ نے بات چیت میں صرف کیا وہ سب عبادت میں صرف ہوا۔ (۴۶)

یہ ہے اسلام کا تصور عبادت ایک مسلمان کی تمام زندگی عبادت ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے احکامات اور رضامندی کے مطابق گذاری جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہمہ وقت اور دائمی ملازم ہیں۔ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت ہے ہمارا کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا بھی عبادت بن جاتا ہے غرض ہم خدا کی مرضی کے غلام ہیں۔ ایسے ہی شخص کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ اور یہی خدا کا فرمانبردار اور تابعدار ہوتا ہے۔

پھر عبادت کا ایک پہلو اور بھی ہے " دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اور دنیوی زندگی کی ساری ذمہ داریوں کو سنبھال کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکر الٰہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان پر صرف اللہ اللہ جاری ہو بلکہ اصل ذکر الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں ان میں پھنسو اور پھر خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں قانون الٰہی کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کا لالچ اور بڑے بڑے نقصانوں کا خوف لئے ہوئے سامنے آتے ہیں وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو۔ حکومت کی کرسی پر بیٹھو اور وہاں یاد رکھو میں بندوں کا خدا نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں۔ عدالت کے منصب پر متمکن ہو اور وہاں ظلم پر قادر ہونے کے باوجود

خیال رکھو کہ خدا کی طرف سے عدل قائم کرنے پر مامور ہوں اور زمین کے خزانوں پر قابض و متصرف ہو اور پھر یاد رکھو کہ میں ان خزانوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ امین ہوں اور پائی پائی کا حساب مجھے اصلی مالک کو دینا ہے۔ فوجوں کے کمانڈر ہو اور پھر خوف خدا تمہیں طاقت کے نشے میں مدھوش ہونے سے بچاتا رہے۔ سیاست و جہاں بانی کا کٹھن کام ہاتھ میں لے لو ۔ اور پھر سچائی انصاف اور حق پسندی کے مستقل اصولوں پر عمل کرکے دکھاؤ ، تجارت اور مالیات اور صنعت کی باگیں سنبھالواور پھر کامیابی کے ذرائع میں پاک اور ناپاک کا امتیاز کرتے ہوئے چلو۔ ایک ایک قدم پر حرام تمہارے سامنے ہزار خوبصورتیوں کے ساتھ آئے اور پھر تمہاری رفتار میں لغزش نہ آنے پائے ۔ ہر طرف ظلم اور جھوٹ اور دغا اور فریب اور بدکاری کے راستے تمہارے سامنے کھلے ہوئے ہوں اور دنیوی کامیابیاں اور مادی لذتیں ہر راستے کے سر پر جگمگاتے ہوئے تاج پہنے کھڑی نظر آئیں اور پھر خدا کی یاد اور آخرت کی باز پرس کا خوف تمہارے لئے پابند پا بن جائے یہ ہے اصل عبادت۔ اس کا نام ہے یاد خدا اسی کوذکر الٰہی کہتے ہیں اور یہی وہ ذکر ہے جس کی طرف قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا گیا ہے

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وپتغوا من فضل اللہ و ذکرو اللہ کثیراً لعلکم تفلحون (٤٧)

عبادت کا یہ مفہوم بہت ہی جامع ہے (۴۸)

عبادت کا جذبہ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ انسان فطرتاً بہت کمزور ہے۔ زندگی میں بہت سے لمحات ایسے آ جاتے ہیں جہاں انسان بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے۔ اور وہ خالق کائنات کو پکارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ غرض خدائے برتر سے مدد طلب کرنا انسان کی فطری مجبوری ہے۔ عبادت انسان کو زندگی کے نازک لمحات میں بھی مایوس بے آبرو اور بے توازن نہیں ہونے دیتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب عبادت کی ضرورت و اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبادت خدا تعالیٰ کا اس کے بے پناہ انعامات کی وجہ سے بندوں پر حق ہے۔ اور انسان کی اصل فطرت میں باری تعالےٰ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کی خلقت میں یہ ضرورت سمو دی گئی ہے، نیز وجدان صحیح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے (۴۹) پس عبادت انسان کے فطری ذوق کی تسکین کی ضرورت بھی ہے اور اس کی شخصیت کی تکمیل بھی ، کسی برتر ذات سے پکار، مدد ،دعا، التجا، سرگوشی ،

مناجات، سرگوشی انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔ اس کے بغیر قلب کی دنیا سنسان اور ویران رہتی ہے۔ روحانیت کی بلندی اور برتری کے لئے اس کی ضرورت انسان کو محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بغیر انسان خالی خالی سا رہتا ہے۔

ایک مسلمان کی تمام زندگی عبادت ہے۔ اس عبادت کی تیاری کے لئے اسلام نے چار بنیادی عبادات بنائی ہیں۔ ا۔ نماز ۲۔زکوٰۃ ۳۔ روزہ ۴۔ حج یہ چاروں عبادات مسلمان کی تمام زندگی عبادت بنانے کا ذریعہ یا سیڑھی ہیں۔ ان پر پختگی سے عمل کر کے ہم اپنی ساری زندگی عبادت بنا سکتے ہیں یہ ارکان اسلام ہیں ان ارکان اربعہ پر عمل کر کے اسلام کی عمارت بنائی جا سکتی ہے۔ یہ وہ مضبوط ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ پانچ وقتہ نماز مسلمانوں کو سارا دن احساس خداوندگی تازہ رکھتی ہے اور اسے بندگی کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ روزے سال میں مسلسل ایک ماہ اسی بندگی کی تربیت ہے۔ زکوٰۃ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے خدا کی راہ میں ضرورت مند انسانوں کو ان کا حق ادا کرنے کی تیاری ہے۔ اور حج ایسی جامع عبادت ہے جس میں یہ مذکورہ عبادت سمائی ہوئی ہیں۔ اور صبر و استقلال کی ایسی مسلسل مشق ہے جس پر مسلمان ایک دفعہ عمل کر کے ساری عمر ان ارکان اسلام کا پابند ہو جاتا ہے اور پھر اس کی تمام زندگی خدا کے حکم کے مطابق گذرتی ہے۔ ان ارکان اسلام پر عمل کر کے ایک مسلمان اپنی دنیا کی راہ درست کر سکتا ہے۔ اور صحیح راستے پر چل سکتا ہے۔ اگر ان پر عمل کر کے وہ غلط راہ اختیار کرتاہے تو اس نے ان عبادات کی روح کو نہیں پایا ایسا شخص صرف ظاہر پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور عبادت کی روح اور باطن سے وہ خالی ہے۔

اب ذرا دیکھتے ہیں ان میں سے ہر رکن کی کیا اہمیت ہے اور کس طرح یہ انسانی زندگی تعمیر کرتا ہے۔ اور کیونکر مسلمان کو اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرتا ہے۔ جس کا ذکر اوپر کے الفاظوں مین ہوا ہے۔

صلوۃ

صلوۃ کے معنی نماز، دعا، رحمت مادہ ص ل و اور بعض کے نزدیک ص ل ی جمع صلوات لغوی معنی دعا، تسبیح، استغفار، رحمت، ثناء ، ترحم،

امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں

بہت سے اہل لغت کا خیال ہے کہ صلاۃ کے معنی دعا دینے ، برکت مانگنے اور تعظیم کرنے کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے..... صلیت علیہ یعنی مین نے اس کے لیے دعا کی اور بزرگی سے یاد کیا۔ قرآن مجید میں ہے

وصل علیهم ان صلاتك سكن لهم (٥٠)

اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے۔

يصلون على النبى يا ايها لذين امنو صلو عليه (٥١)

وہ رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کے معنی ہیں ان کو نشو و نما دینا ان کو بڑھانا

قرآن مجید میں ہے۔

اولئك عليهم صلوت من ربهم (٥٢)

"یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی رحمت اور مہربانی ہے" اور انسانوں کی طرح فرشتوں کی طرف سے بھی صلوٰۃ کے معنی دعا اور مغفرت کے ہیں۔

ان الله ملیکته يصلون على النبى (٥٣)

"بے شک خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں" اور الصلوٰۃ جو کہ ایک عبادت مخصوصہ کا نام ہے اس کی اصل بھی دعا ہی ہے اور نماز چونکہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے اس اس لئے اسے صلوٰۃ کہا جاتا ہے ،جس طرح کہ کسی شئے کو اس کے بعض اجزا کے نام پر موسوم کر دیتے ہیں اسی طرح یہ عبادت یعنی نماز بھی صلوٰۃ سے موسوم ہوئی کہ دعا پر مشتمل ہے۔ نماز ان عبادات میں سے ہے کہ جس سے کوئی شریعت خالی نہیں رہی گو اس کی صورتیں ہر شریعت کے اعتبار سے یکے بعد دیگرے مختلف رہیں اسی لئے قرآن حکیم میں آیا ہے۔

ان الصلوٰة كانت على المومنين كتبا با موقوتا (٥٤)

بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے (۵۵)

ابن منظور نے لکھا ہے لفظ صلوٰۃ جب اللہ تعالیٰ سے منسوب ہو تو اس کے معنی رحمت ہیں جب مخلوق یعنی ملائکہ اور جن و انس سے منسوب ہو تو اس کے معنی قیام اور رکوع و سجود ہیں اور جب پرندوں

اور کیڑے مکوڑوں سے نسبت ہو تو اس کے معنی تسبیح کے ہوں گے (۵۶)

اصطلاحاً اس مخصوص عبادت کا نام ہے جو ارکان اسلام میں سے ہے۔ اس کو صلوٰۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے اصل معنی تعظیم ہیں اور یہ مخصوص عبادت خدا تعالیٰ کی تعظیم کے لئے فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً سو مرتبہ آیا ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوا جیسے دعا، درود بھیجنا، رحمت، عبادت گاہ وغیرہ (۵۷)

ابن اثیر نے صلوٰۃ کے دو معنی لکھے ہیں اول دعا چونکہ دعا نماز کا ایک جزو ہے اس لئے (بطور مجازالرسل) جزو پر کل کا نام رکھ دیا گیا دوم لغوی معنی تعظیم اور اس مخصوص عبادت کو اس لئے صلوٰۃ کہا گیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہے (۵۸)

واضح رہے کہ نماز معراج میں شب شنبہ رمضان کی سترہویں تاریخ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے فرض ہوئی اور معراج سے پہلے دو نمازیں تھیں ایک تو آفتاب نکلنے سے پہلے اور دوسری اس کے ڈوبنے سے پہلے یہ (۵۹) لیکن رمضان میں معراج کا ہونا ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ معراج رجب میں ہوئی تھی اور یہی مشہور ہے (۶۰)

اہمیت وفضیلت

نماز اسلام کی عبادت کا بنیادی رکن ہے۔ ہوش و حواس کی حالت میں اسے مسلمان کو ہر حالت میں ادا کرنا پڑتا ہے کھڑے ہو کر نہیں تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر اگر ایسا بھی نہیں کر سکتے تو اشاروں سے ادا کرنے کا حکم ہے (۶۱)۔ سفر میں قصر نماز اور حالت جنگ میں صلوٰۃالخوف کا ممکن حد تک پڑھنے کا حکم ہے۔اور اگر کسی سخت مجبوری میں رک کر نہیں پڑھ سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو (۶۲) سخت خوف کی حالت میں اگر کسی سواری پر ہو تو جس طرف موقع ہو اسی رخ پڑھو (۶۳) قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کی تاکید آئی ہے

(۱) اقم الصلوٰۃلذکری (٦٤)

میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

(۲) قل لعبادی الذین امنو یقیموا الصلوٰۃ (٦٥)

میرے ایماندار بندوں سے کہہ دیجیئے کہ وہ نماز قائم کریں۔

واقیموالصلوٰۃ ولا تکونوا امن المشرکین(٦٦)

قرآن مجید میں نماز کو تمکن فی الارض کے ساتھ لازم قرار دیا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموالاالصلوۃواتوالذکوٰۃ(٦٧)

جب ہم انہیں حکومت دیتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا نماز کی پابندی کا حکم دیتے تھے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی غیر آباد زمین مین آباد کرتے ہوئے یہ مقصد بتایا تھا

ربناالیقموا الصلوۃ (٦٨)

اے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم کریں

حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں قرآن فرماتا ہے

و کان یامر اھلہٗ بالصلوۃ (٦٩)

وہ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیتے تھے۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں

یبنی اقم الصلوۃ (٧٠)

اے میرے بیٹے نماز قائم کر

حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا

واقم الصلوۃ لذکری (٧١)

اور میرے یاد کے لئے نماز قائم کر

حضرت زکریا کی نسبت کہا گیا

وھو قائمٌ یصلی فی المحراب (٧٢)

اور وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے

حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں

و او صانی بالصلوۃ (٧٣)

اور خدا نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے

حافظوا علی الصلوت (٧٤)

نمازوں کی نگہداشت کرو

و ھم علی صلوتھم یحافظون (٧٥)

اور وہ اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں

الذین ھم علی صلاتھم دائمون (٧٦)

جو اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں

والذین ھم علی صلواتھم یحافظون (٧٧)

اور (کامیاب ہیں) وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

نماز کی تاکید کا اندازہ اس وعید سے بھی ہوتا ہے جو ترک صلوٰۃ کے بارے میں آئی ہے' قرآن مجید میں آیا ہے اہل دوزخ سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں کیا چیز جھنم میں لائی ہے ان کا جواب ہو گا

لم نک من المصلین (٧٨)

ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔

سورہ مریم میں تمام انبیاء کے صادقین کے ذکر کے بعد فرمایا گیا

فخلف من بعد ھم خلف اضا عوا الصلوۃ واتبعوالشھوت (٧٩)

ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ہو کے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔

ارء یت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلی (٨٠)

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

فویل للمصلین ہ الذین ھم عن صلاتھم ساھون (٨١)

ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں

نماز کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت ہے۔

و اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی (٨٢)

(منافقت کی صفت ہے) جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو ست و کاہل ہو کر اٹھتے ہیں۔

نماز مشکلات کی راہوں اور مصائب کے بادلوں میں انسان کے لیے اطمینان وسکون کا ذریعہ ہے

و استعینوا باالصبر و الصلوۃ (۸۳)

انسان آزمائشوں کے وقت نماز کی برکت سے فطری گھبراہٹ اور مایوسی سے بچ نکلتا ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے

ان الانسان خلق ھلوعاً اذا مسه الشر جزوعا ہ اذا مسهُ الخیر منو عا الا

المصلین ہ الذین ھم علی صلوتھم دائمون (۸٤)

"بے شک انسان بڑا ہی تھڑ جیا پیدا کیا گیا ہے جب اس کو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب اس کو فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے سوائے نمازگزاروں کے جو اپنی نمازوں کا کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے"۔ نماز کی ایک اور برکت کا ذکر اسطرح کیا گیا۔

ان الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر (۸٥)

"بے شک نماز بے حیائی کے کاموں اور برائیوں سے روکتی ہے"۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر کہا گیا ہے

قد افلح من تزکی ہ و ذکر اسم ربه فصلی (۸٦)

"کامیاب ہوا وہ جس نے تزکیہ حاصل کیا اور خدا کا نام لیا اور نماز پڑھی" اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز انسان کی فلاح اور پاکیزگی کے حصول کی تدبیر ہے۔ اس سے زیادہ واضح یہ آیت پاک ہے۔

انما تنذرالذین یخشون ربھم بالغیب واقامو الصلوۃ و من تزکی فانما ینںزکی

لنفسه ط والی الله المصیر (۸۷)

تو ان ہی کو ہشیار رکھ سکتا ہے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو تزکیہ اور دل کی صفائی حاصل کرتا ہے وہ اپنے ہی کے حاصل کرتا ہے اور خدا کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

نماز کے فوائد

نماز کے بہت سے اخلاقی ، تمدنی اور معاشرتی فوائد ہیں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے اخلاق و تمدن و معاشرت کی جتنی اصلاحیں وجود میں آئیں ان کا بڑا حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوا اسی کا اثر ہے کہ اسلام نے ایک ایسی بدوی، وحشی اور غیر متمدن ملک جس کو پہننے ، اوڑھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا چند سال میں ادب و تہذیب کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا اور آج بھی اسلام جب افریقہ کے وحشی سے وحشی ملک میں پہنچ جاتاہے تو وہ کسی بیرونی تعلم کے بغیر صرف مذہب کے اثر سے مہذب و متمدن ہو جاتا ہے۔ متمدن قوموں میں جب وہ پہنچ جاتا ہے تو ان کے تخیل کو بلندتر پاکیزہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے (۸۸)

سید نذیر نیازی اس کی افادیت کے بارے میں لکھتے ہیں " یہ عبادت ہے اس نصب العین کی تڑپ ہے جس سے انسان کی تقدیر اور مستقبل وابستہ ہے لہٰذا "شہوات" یعنی ان مادی اورحیوانی تقاضوں کی ضد جن کی طرف انسان بالطبع مائل رہتا ہے لیکن جنھیں کسی اصول کے ماتحت آ جانا چاہیئے (۸۹) وہ گویا ھوا و ھوس یا دوسرے لفظوں مین اس بے مقصد اور بے اصول زندگی کے خلاف جو محض دنیا طلبی کے لیے بسر کی جاتی ہے ہماری سب سے بڑی سپر ہے جس کے بغیر ہم اپنے نصب العین سے دور ہوتے ہوتے بے راہ روی کا شکار ہو جائیں (۹۰)

فخلف من بعد هم خلف اضاعو الصلوة و اتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيًا (۹۱)
تو ان کے جانشین ہوئے وہ لوگ جنھوں نے صلوٰۃ ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی کی سو دیکھ لیں گے آگے چل کر گمراہی کو۔

نماز کے بے شمار فائدے ہیں اس کے پڑھنے سے ظاہری اور باطنی عبادت و صفائی رہتی ہے انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے۔ نماز اخلاقی تربیت اور تعمیر سیرت کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ دن میں وقفہ وقفہ بعد پانچ مرتبہ خدا سے یاد دہانی کراتی ہے ۔ اسطرح آدمی عملاً خدا کا بندہ بن جاتا ہے پھر نماز خدا کے قانون سے واقفیت اور پہچان کراتی ہے۔ اگر ہمیں قانون الٰہی کا علم نہ ہو تو اس کی پابندی کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ کام نماز انجام دیتی ہے نماز میں جو پڑھا جاتا ہے یہ اسی لیے کہ روزانہ ہم خدا کے احکام اور اس کے قانون سے واقف ہوں اس کی علاوہ نماز سے چستی مستعدی اور وقار جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

نماز باجماعت سے اتحاد، تنظیم، اخوت مساوات باہمی ہمدردی کا درس ملتا ہے اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے محلے کے افراد سے حالات سے باخبر اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس سے اجتاعیت کا درس ملتا ہے۔ اور اخلاق و کردار کی تربیت ہوتی ہے۔ اطاعت امیر ، قیام امارت و امت کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ اصغر علی روحی نے اپنی کتاب مافی الاسلام میں نماز باجماعت کے اکیس فوائد و ثمرات بیان کئے ہیں (۹۲) اور سید سلیمان ندوی نے بھی نماز کے ثمرات بہت سے تحریر کئے ہیں (۹۳)۔

صوم یا صیام

یہ مادہ ص و م سے مصدر ہے (صَامَا یصوم صوماً و صیاماً) اس کے اصل لغوی معنی کسی کام سے رک جانا اور باز رہنا خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے سے (۹۴)۔ لسان العرب میں لغوی معنی یہی بیان کئے گئے ہیں الامساك عن الشیو الترك لهٗ کسی چیز سے رکنا اور اسے چھوڑ دینا (۹۵) اس بناء پر گھوڑا چلنے سے رک جائے یا چارہ نہ کھائے اسے بھی" صائم" کہا جاتا ہے (۹۶) اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کی ایسے شخص کا جو احکام شریعت کا مکلف ہو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزے کی نیت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ارادۃً کھانے پینے نکاح اور ہمہ قسم کی لغویات سے مجتنب رہنا (۹۷)۔

آیت کریمہ ہے

انی نذرت للرحمن صوماً (۹۸)

کہ میں نے خدا کے لیے روزے کی منت مانی ہے۔

اس کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں صوم سے مراد کلام سے رکنے یعنی خاموش رہنا کے ہیں (۹۹)

اسرائیلی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا درست تھا لیکن ہماری شریعت میں یہ حکم منسوخ ہوا اب خاموشی کا روزہ رکھنا درست نہیں (۱۰۰)۔

اہمیت و فرضیت

روزے کی فرضیت کا حکم قرآن حکیم میں اسطرح آتا ہے

یا ایھاالذین امنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم ننتقون ہ ایاما معدودت (۱۰۱)

اے ایمان والو، تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جسطرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ وہ بھی گنتی کے چند روز ہیں۔

احادیث میں روزے کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ اذا دخل شھر رمضان فتحت ابواب الرحمة (۱۰۲)

جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو رحمت (بروایت دیگر جنت) کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

۲۔ من صام رمضان ایماناً و احتسابا غفرلہٗ ما تقدم من ذنبہ (۱۰۳)

جس شخص نے ایمان اور حصول ثواب کے لیے رمضان کے روزے رکھے اس کے گذشتہ گناہ سارے معاف ہو گئے۔

۳۔ کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنہ بعشیر امثالھا الی سبعماتہٗ ضعف، قال الله تعالی الاالصوم فانہ لی وانا اجزی بہٖ (۱۰٤)

انسان کی ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات گنا تک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے روزے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ بندہ روزہ میرے لیے رکھتا ہے اور اس کا اجر میں ہی دوں گا۔

۴۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ (۱۰۵)

۵۔ ان فی الجنة باباً یقال لہٗ الریان، ید خل منہ الصالمون یوم القیامة لا ید خل منہ احد غیر ھم (۱۰٦)

آپؐ نے فرمایا بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہتے ہیں روزہ دار لوگ بہشت میں اس دروازہ سے جائیں گے روزہ داروں کے سوا اور کوئی اس میں نہ جائے گا۔

۵۔ اذا دخل شهر رمضان فتحت ابواب اسماء و غلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين (۱۰۷)

جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور شیطان زنجیروں میں کس دیئے جاتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا " روزے ڈھال ہیں (۱۰۸)

شاہ ولی اللہ اس کی حکمت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔ روزہ شیطان اور نفس کے شر سے بچاتا ہے اور ان کے اثر سے انسان کو دور رکھتا ہے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے اس واسطے روزہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھ کر کامل طور پر اس کو ڈھال بنائے اور اسی طرح آپؐ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ روزہ دار بری بات نہ کہے اور بہمیت کے افعال سے بھی باز رہے اوراسی کی طرف آپ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ روزہ دار شور و شغب نہ کرے اور اقوال کی طرف اس قول میں‌اشارہ کیا ہے کہ نہ کوئی روزہ دار کو گالی دے اور افعال کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ جو کوئی اس سے لڑے نبی ﷺ نے فرمایا بس روزہ دار کو کہنا چاہیئے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض کے نزدیک اس کو زبان سے کہہ دینا کافی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دل میں یہ کہہ دے (۱۰۹)

روزے کی حقیقت بتاتے ہوئے سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں دنیاکے تمام مذاہب میں مادیات کی کثافتوں سے بری اور پاک ہونے کے لئے اکل و شرب سے ایک حد تک امتناع اور پرہیز سب سے پہلی شرط رکھی گئی ہے جس سے اصل مقصود یہ ہے کہ انسان رفتہ رفتہ اپنی ضرورتوں کا دائرہ کم کر دے اور آخر یہ کہ قوت و غذا کی طلب و حرص سے بھی بے نیازی کے لئے متواتر کوشش جاری رکھے کہ انسانوں کے تمام گناہ اور جرائم صرف اسی قوت کے نتائج مابعد ہیں اگر یہ طلب و ضرورت فنا ہو جائے تو ہم کو دفعۃً عالم ناسوت میں عالم ملکوت کی جھلک نظر آنے لگے لیکن جب تک انسان انسان ہے اس کو غذا سے قطعی بے نیازی ہونی ناممکن ہے اسی بناء پرتمام مذاہب نے اس سے اجتناب اور بے نیازی کی ایک مدت محدود کر دی اس مدت کے اند انسانوں کو ایسے تمام انسانی ضروریات سے جن سے استغناء کسی تھوڑے زمانہ تک ممکن ہے ۔ مجتنب ہو کر تھوڑی دیر کے لئے ملاء اعلی کی مقدس مخلوقات میں داخل ہو جانا

چاہئے اور چونکہ ان مخلوقات کا فرض زندگی محض خدائے پاک کی اطاعت و عبادت ہے اس لئے انسان بھی حتی الامکان اتنی دیر تک اپنی زندگی کا یہی فرض قرار دے (۱۱۰)۔

روزے کی اہمیت کے بارے میں سید قطب لکھتے ہیں روزہ ہی سے انسان میں محکم ارادے اور عزم بالجزم کا نشو ونما ہوتا ہے روزہ ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے رب سے اطاعت و انقیاد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے پھر روزہ ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان تمام جسمانی ضرورتوں پر قابو پاتا اور تمام دشواریوں اور زحمتوں کو جو وہ صرف اس لئے اٹھاتا ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو اور خدا کے یہاں جو اجر ہے وہ اسے حاصل ہو برداشت کرنیکی قوت حاصل کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس راہ کی جو گھاٹیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے جس کے اطراف و جوانب میں مرغوبات و لذائذ بکھرے پڑے ہیں اور جس پر چلنے والوں کو بھکانے والی ہزار ہا صدائیں مسلسل اٹھتی رہتی ہیں ۔مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لئے نفوس انسانی کی تیاری کے مقصد کے لئے یہ عناصر لازمی اور ناگزیر ہیں۔ روزے کو وہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جومرور زمانہ سے جسمانی لطائف کے سلسلے میں منکشف ہوئے ہیں (۱۱۱)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی روزے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "نماز روزمرہ کا معمولی نظام تربیت ہے جو روز پانچ وقت تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے آدمی کو اپنے اثر میں لیتا ہے اور تعلیم و تربیت کی ہلکی ہلکی خوراکیں دے کر چھوڑ دیتا ہے اور روزہ سال بھر میں ایک مہینہ کا غیر معمولی تربیت ہے(Special Training Course) جو آدمی کو تقریباً (۷۲۰) گھنٹے تک مسلسل اپنے مضبوط ڈسپلن کے شکنجے میں کسے رکھتا ہے تاکہ روزآنہ کی تربیت میں جو اثرات خفیف تھے وہ شدید ہو جائیں (۱۱۲)۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ روزہ کس طرح اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرتا ہے جس کا ذکر ہم پہلے عبادات میں کر آئے ہیں۔

روزے کے فوائد و مقاصد

روزہ احساس بندگی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان سارا دن بھوک پیاس اور دوسری خواہشات سے پرہیز کرتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ اس کا بندہ ہے یوں وہ اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے۔ روزے کا مقصد احساس بندگی کی یاد دھانی کے ساتھ ساتھ اطاعت خداوندی کی تربیت دینا بھی ہے۔ وہ

عالم الغیب کے حکم کے تحت کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ اور اسی کے حکم کے مطابق وقت پر افطار کرتا ہے اور وہ اپنی دوسری خواہشات کو بھی اسی حاکم اعلی کے مطابق پابند کر لیتا ہے۔ غرض اس طرح وہ ایک ہی مالک کا بندہ بن جاتا ہے۔ اسی کے قانون کا وہ پیروکار ہوتا ہے اور اسی ایک کا اطاعت گزار بن جاتا ہے روزے کا ایک اور اہم مقصد سیرت سازی ہے اور اس سیرت کی بنیاد تقویٰ ہے۔ تقویٰ برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کو اپنانے کا نام ہے ۔ یہ خوف خدا کے اس جذبے کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے دور رکھتا ہے اورصراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ روزہ سارا دن اس کی مسلسل تربیت کرتا ہے۔

روزہ ضبط نفس کی بہترین تربیت کا نام ہے۔ اس تربیت کے لئے انسان کی بھوک جنسی خواہش اور آرام کرنے کی خواہش کو روزہ قابو میں رکھتا ہے۔ تیس دن کی تربیت سے ان تینوں خواہشات کو مسلمان لگام دے لیتا ہے اور ان کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے۔ اس طرح انسان ان کا غلام نہیں بنتا بلکہ ان کو جائز اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ غرض یہ خواہشات بھی انسان خدا کے مطابق کر لیتا ہے۔

روزے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ امیر اور دولت مند غریبوں کی بھوک پیاس اور ضروریات کا احساس رکھیں۔ اس طرح معاشرے میں غریب فاقہ مست بھائیوں کی مدد کا خیال آنے لگتا ہے اس کے علاوہ روزہ ہنگامی حالات کے لئے ایک تیاری کا نام بھی ہے۔ جنگ، قحط سیلاب اور اسی طرح دوسرے مصیبت کے دنوں میں تنگی ترشی کو برداشت کرنے کی یہ ایک لازمی تربیت بھی ہے۔ اس طرح مسلمان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ طبی تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض اوقات بھوکا رہنا صحت کے لئے مفید ہے اور بعض بیماریوں کا یہ مفید علاج بھی ہے۔ اس سے معدے کو آرام ملتا ہے اور جسم سے زہریلے مادے خارج ہوجاتے ہیں۔

عبادت میں یکسوئی کے لیے صوم مفید ہے ۔ بھرا پیٹ انسان کو روحانی یکسوئی سے روکتا ہے ۔ انسان کی دماغی اور روحانی یکسوئی اور صفائی قلب کا فاقہ بہترین علاج ہے۔ بڑے بڑے اکابر اور اہل تصوف کا تجربہ اس حقیقت کا گواہ ہے ۔ غرض روحانی تربیت کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

روزہ مخفی اور خاموش عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے دور ہے ۔ دوسرے عبادات کے مقابلے میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اور روزے کی یہ خصوصیت تمام عبادات کی جڑ اور اخلاق کی بنیاد ہے۔

روزے کے کچھ اجتماعی فوائد بھی ہیں۔ رمضان نیکیوں کا مہینہ ہوتا ہے ۔ بلکہ یوں کہیئے کہ یہ

نیکیوں کا موسم ہوتاہے۔ جس طرح پھل پھول اور غلہ کا موسم ہوتا ہے۔ یہ نباتات اپنے موسم میں خوب پھلتے پھولتے ہیں اس طرح ماہ رمضان میں نیکیاں خوب پھلتی اور پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔ اس موسم میں اسلامی معاشرے کے لوگ ثواب اور نیکی کے کام میں معروف ہو جاتے ہیں اور برائیوں اور خرابیوں سے دور رہتے ہیں۔

اس اجتماعی عبادت کا ایک اثر یہ ہے کہ اس معاشرے کے امیر اپنے غریبوں کی بھوک پیاس میں مدد گار بن جاتے ہیں۔وہ اپنے بے سہارا لوگوں کو ڈھونڈ کر ان کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ اسطرح قوم کے نہ صرف کمزور طبقے تباہ ہونے سے بچ جاتے ہیں بلکہ یہاں حسد و نفرت کے بجائے محبت اور شکر گزاری کے تعلقات استوار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اسلامی معاشرہ طبقاتی کشمکش سے بچ جاتا ہے۔

اجتماعی روزے دار ایک برادری کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں آپس میں جماعتی احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں کا مل کر روزے رکھنا، بھوک پیاس برداشت کرنا۔ خوف خدا سے برائیوں کو چھوڑ دینا۔ اسی کی محبت میں نیک عمل کرنا۔ مل کر غریبوں کی مدد کرنا یہ سب باتیں معاشرے میں مثالی محبت ،اخوت،اجتماعیت جماعتی احساس باہمی ہمدردی و تعاون اور جذبہ رفاقت پیدا کرتے ہیں۔

روزے کی افطار، کفارہ اور فدیے پر ذرا گہری نظر سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرے کے غریب نادار ، بھوکے لوگوں کی معاشی کفالت کا ایک ذریعہ ہیں جو عدل اجتماعی اور فلاح عامہ کے سلسلے میں ضرورت مندوں کی امداد اور تحفظ کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ آج بھی دیکھا جائے تو ماہ رمضان میں افطار کے وقت ہماری مساجد کھانے پینے کی چیزوں سے بھری رہتی ہیں اور غریب آدمی یہاں سے سیر ہو کر نکلتے ہیں۔ اور پھر ویسے بھی ماہ رمضان خاص کر آخری عشرے میں خیرات و صدقات زکوٰۃ اور عید کے دن فطرانے کا زور ہوتا ہے۔ اس سے غریبوں کی کافی مدد ہو جاتی ہے ۔(۱۱۳)

زکوٰۃ

ستھرائی ، پاکیزگی،زکوٰہ، تزکیہ سے اسم ہے۔ منجد میں اس کے معنی چیز کا عمدہ حصہ، صدقہ اور پاکیزگی کے ہیں (۱۱۴) لسان العرب میں ہے لغت میں زکوٰۃ کے اصل معنی طہارت نمو برکت اور صلاح کے ہیں۔ قرآن و حدیث میں یہ لفظ ان سب معنی میں استعمال ہوا ہے ۔(۱۱۵) ڈاکٹر یوسف القرضاوی تحریر کرتے ہیں ۔ زکوٰۃ " زکا" کا مصدر ہے جس کے معنی بڑھنے اور نشوونما پانے کے ہیں اور "زکا فلان"

کے معنی ہیں فلاں شخص صالح بن گیا اس طرح زکوٰۃ کے لفظ میں برکت، نمو، طہارت اور صلاح کے معنی پائے جاتے ہیں۔(۱۱۶) ([illegible])

علامہ زمخشری سورہ مومنوں کی آیت والذین ھم للزکوۃ فاعلون کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

" زکوٰۃ ذات اور معنی دونوں کے درمیان مشترک اسم ہے پس ذات تو نصاب کی وہ مقدار ہے جس کو زکوۃ دہندہ فقیر کو نکال دیتا ہے۔ اور معنی زکوٰۃ دہندہ کا فعل ہے جس کا نام تزکیہ ہے (۱۱۷) اور سورہ کہف کی تفسیر میں زکوٰۃ کے معنی گناہوں سے پاک و صاف ہونے کے بیان کئے ہیں (۱۱۸) اور خلیفہ زمخشری علامہ ناصر بن عبدالسید مسطرزی رقم طراز ہیں "زکوٰۃ کے معنی تزکیہ کے ہیں ارشاد ہے

والذین نھم للزکوۃ فعلون۔

اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں پھر زکوٰۃ مال کی اس مقدار کا نام پڑ گیا جو فقیروں کے لئے نکالی جاتی ہے اور ترکیب (الفاظ) طہارت کو بتلارہی ہے اور بعض کا قول ہے کہ زیادتی اور نمود پر دلالت کرتی ہے اور یہی ظاہر ہے" (۱۱۹)

اور امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں

الزکاۃ مادہ ز ك و

اصل میں زکوٰۃ وہ افزونی ہے جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا امور دنیویہ واخرویہ کے ذریعہ اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ جب کھیتی میں افزونی و برکت حاصل ہو تو کہا جاتا ہے زکا الزرع زکو اور ارشاد الٰہی ہے ایھا ازکی طعاماً (۱۲۰) کس کا کھانا زیادہ صاف ستھرا ہے اس میں ازکی سے ایسا کھانا مراد ہے جو حلال اور خوش انجام ہو اور اسی سے زکوٰۃ کا لفظ مشتق یعنی وہ حصہ جو مال سے حق الٰہی کے طور پر نکال کر فقراء کو دیا جاتا ہے اور اسے زکوٰۃ یا تو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت کی امید ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ اس سے نفس پاکیزہ ہو تا ہے یعنی خیرات و برکات کا ذریعہ اس میں نمو ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے تسمیہ میں ان ہر دو امور کا لحاظ کیا گیا ہو کیونکہ یہ دونوں خوبیاں زکوٰۃ میں موجود ہیں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ساتھ رکھا ہے ارشاد ہے

واقیمو الصلوۃ و اتو الزکوۃ (۱۲۱)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

نفس کی پاکیزگی اور طہارت کی بدولت انسان اس حیثیت میں ہوتا ہے کہ دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اس چیز کی کوشش میں لگ جائے اس میں اس کی پاکیزگی ہے۔ تزکیہ کی نسبت کبھی تو بندہ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے قد افلح من زکھا (۱۲۲) کہ جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ ضرور اپنی مراد کو پہنچا اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے چنانچہ فرمایا

بل اللہ یزکی من یشاء (۱۲۳)

بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے۔

تطہر ھم و تزکیھم بھا (۱۲٤)

کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔

اور یتلو ا علیھم ایا تنا و یزکیھم (۱۲۵)

وہ پیغمبر الٰہی ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں بذریعہ تعلیم (اخلاق رزیلہ) سے پاک کرتا ہے اور کبھی اس کی نسبت عبادت کی ظرف ہوتی ہے کیونکہ عبادت تزکیہ کے حاصل کرنے میں بمنزلہ آلہ کے ہے چنانچہ یحیٰؑ کے متعلق فرمایا۔

و حنا نا من لدنا و زکوۃ (۱۲۶)

اور اپنی جناب سے رحمدلی اور پاکیزگی دی تھی اسطرح امام راغب نے زکوٰۃ کے معنی کی وضاحت کی ہے (۱۲۷) دراصل زکوٰۃ کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ حاجت مندوں اور مسکینوں کے لئے نکالنے کو زکوٰۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ اسطرح آدمی کا مال اور اس مال کے ساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے (۱۲۸) شریعت میں اس سے مراد شرائط مخصوصہ کے ساتھ کسی مستحق آدمی کو اپنے مال کے ایک معین حصہ کا مالک بنا دینا۔ (۱۲۹)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی زکوٰۃ کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں شریعت میں اس کا اطلاق مال کے اس مقررہ حصہ پر ہوتا ہے۔ جسے اللہ نے مستحقین کے لئے فرض کیا ہے نیز اس کا اطلاق اس حصہ کو نکالنے کے فعل پر بھی ہوتا ہے ۔ مال کے اس حصہ کو زکوۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس مال میں سے زکوۃ نکالی جاتی ہے وہ اس کے لئے معنوی طور پر افزائش کا سبب بن جاتی ہے اور اسے آفات سے بچاتی ہے (۱۳۰)

زکوٰۃ کی اہمیت

قرآن حکیم میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز حقوق الہٰی میں سے ہے اور زکوٰۃ حقوق عباد میں ان دونوں فریضوں کا باہم لازم و ملزوم اور مربوط ہونا اس حقیقت کو منکشف کرتا ہے کہ اسلام میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق عباد کا بھی یکساں لحاظ رکھا گیا ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بیس (۲۰) مقامات پر آیا ہے اور متعدد مقامات پر علیحدہ بھی آیا ہے (۱۳۱)۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اس میں اضافہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں الزکوٰۃ کا لفظ تیس (۳۰) مرتبہ آیا ہے۔ ان میں سے ۲۷ مرتبہ زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ ہوا ہے۔ ان تیس مقامات میں سے آٹھ مقامات مکی اور باقی مدنی سورتوں میں ہیں۔ (۱۳۲) زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے اجر عظیم اور اس کے ادا نہ کرنے والوں کے لئے سخت عذاب کی وعید ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے

۱۔ والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ والمومنون باللہ والیوم الاخر ط اولئک سنوتیھم اجراً عظیما (۱۳۳)

اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اللہ پراور قیامت پر ایمان رکھنے والے ہی لوگ ہیں جنھیں ہم اجر عظیم دیں گے۔

۲۔ و رحمتی وسعت کل شیءٍ فساکتبھا للذین یتقون و یوتون الزکوۃ وا لذین ھم بایتنا یومنون (۱۳٤)

میری رحمت ہر چیز کوشامل ہے میں عن قریب اسے ان لوگوں کے لئے مقرر کر دوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۳۔ قد افلح المومنون........والذين هم للزكوة فعلون (۱۳۵)

وہ ایماندار کامیاب ہوئے....... اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

٤۔ وويل للمشركين ہ الذين لا يوتون الزكوة و هم بالاخره هم كفرون (۱۳٦)

اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر رہتے ہیں۔

٥۔ و ا قيموا الصلوة واتوا الزكوةة و اطيعوا الرسول لعلكم ترحمون (۱۳۷)

نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسولؐ کی اطاعت کیا کرو تم پر (کامل) رحم کیا جائے۔

٦۔ الذين يقيمون الصلوة و يوتون الزكوة وهم بالاخرة هم يوقنون اولئك على هدے من ربهم و اولئك هم المفلحون (۱۳۸)

جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے رب کے سیدھے راستہ پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

٧۔ فان تابوا واقامو الصلوة واتوالزكوة فاخوانكم فى الدين (۱۳۹)

سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اورزکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔

٨۔ يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يقيمون الصلوة و يوتون الزكوة و يطيعون الله ورسولهٗ اولئك سيرحمهم الله (۱٤۰)

وہ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ ضرور رحمت کرے گا۔

٩۔ ان تبدوا الصدقت فنعما هى وان تخفوها و توتوها الفقراء فهو خيرلكم ط و يكفر عنكم من سياتكم (۱٤۱)

اگر تم ظاہر کر کے . صدقہ دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو دو تو زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دے گا۔

۱۰۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (۵ : ۵۵)

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمان دار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔

۱۱۔ الذين ان مكناهم فى الارض اقاموالصلوة واتوالزكوة و امروا باالمعروف و نهو عن المنكر (۱٤۲)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں نیک کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

قرآن مجید میں زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

ولا يحسبن الذين يبخلون بما اتهم الله من فضلهٖ هو خيرا لهم ط بل هوشر لهم ط سيطوقون مابخلوا بهٖ يوم القيمه (۱٤۳)

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ بخل ان کے لئے اچھا ہے بخل تو ان کے حق میں برا ہے عن قریب قیامت کے دن ان کا مال ان کے لئے وبال جان بن جائے گا۔

والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم يوم يحمى عليها فى نار جهنم فتكوى بها جبابهم و جنوبهم و ظهورهم ط هذا ما كنزتم لانفسكم فزوقوا ماكنتم تكنزون (۱٤٤)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے نبیؐ آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیجئے جس دن کو سونا چاندی دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے جس کو تم نے جمع کر رکھا تھا سو اب تم اس چیز کا مزا چکھو جو تم جمع کرتے رہے ہو۔

فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی زکوۃ کی اہمیت اور حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے

ہیں۔ واضح ہو کہ زکوٰۃ میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے (۱) تہذیب نفس (۲) مدنی واجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیب نفس سے مراد یہ ہے کہ مال ،بخل ، خود غرضی، جنسی عداوت، جنسی بداخلاقیاں پیدا کرتا ہے۔ اور ان بداخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج انفاق یعنی صرف مال اور سخاوت ہے اس سے بخل کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔خودغرضی مٹ جاتی ہے اور عداوت جنسی کی بجائے جنسی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاق کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کے حسن معاملت کا خوگر بناتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے جو اسی کا نام تہذیب نفس ہے اور زکوٰۃ مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لئے نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط "مالی نظام" موجود نہ ہو تا کہ اس کے ذریعے سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنیٰ اعمال اور رعایا پبلک کے مناسب حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جاسکے نیز فقراء ،مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجت مندوں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل و رسوا ہونے سے محفوظ رہیں اور حکومت ان کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگرذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصول زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو۔ (۱۴۵)

زکوٰۃ کی اہمیت سید سلیمان ندوی ان الفاظون میں بیان کرتے ہیں۔

" حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے تو شریعت محمدی کے شناسائے روز نے ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور بزور ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے پر مجبور کیا کہ اگر ان کی بات تسلیم کر لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سررشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

الغرض زکوٰۃ یا دوسرے الفاظ میں غریبوں کی چارہ گری مسکینوں کی دست گیری، مسافروں کی امداد یتیموں کی خبرگیری، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت نماز کے بعد اسلام کی عبادت کا دوسرا رکن ہے اور اس فریضہ کی یہ سب سے پہلی اہمیت ہے جو مذاہب کی تاریخ میں نظر آتی ہے۔(A-۱۴۵)

دور حاضر میں زکوٰۃ کے تمدنی مصالح پر نہائیت پر مغز اور مفید بحثیں ہوئی ہیں سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اسے اجتماعی سوشل سیکورٹی کا ایک نظام قرار دیا ہے جس کے ذریعے معاشرے کے نادار لوگوں کے لئے کفالت عموی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے، یہ ان کا پروڈیڈنٹ فنڈ ہے۔یہ ان کے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے یہ ان کے معذوروں،اپاہجوں،بیماروں،یتیموں،بیواؤں اور بے روزگاروں کا ذریعہ پروش ہے ۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ مسلم معاشرے میں کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے گا اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمان کو فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادھا اصول یہ ہے کہ آج تم مال دار ہو تو دوسروں کی مدد کرو کل تم نادار ہوگئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں یہ فکر کرنیکی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہوگئے تو کیا بنے گا۔ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہو گا۔ کوئی آفت ناگہانی آپڑی، بیمار ہو گئے،گھر میں آگ لگ گئی ،سیلاب آ گیا،دیوالیہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گی۔ سفر میں پیسہ پاس نہ رہا تو کیوں کر گذر بسر ہو گی ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کوہمیشہ کے لئے بے فکر کر دیتی ہے۔(۱۴۶)

”یہ اسلام کا بہت بڑا رکن ہے اور اس کو رکن اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں میں خدا کی خاطر قربانی اور ایثار کرنے کی صفت پیدا کرتا ہے۔ اور خود غرضی تنگ دلی اور زر پرستی کی بری صفت کو دور کرتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں کوئی مسلمان ننگا ، بھوکا اور ذلیل و خوار نہ ہو جو امیر ہیں وہ غریبوں کو سنبھال لیں اور جو غریب ہیں وہ بھیک مانگتے نہ پھیریں کوئی شخص اپنی دولت کو صرف اپنے عیش و آرام اور اپنی شان و شوکت ہے پر نہ اڑا دے بلکہ یہ بھی یاد رکھے کہ اس میںاس کی قوم کے یتیموں اور بیواؤں اور محتاجوں کا بھی حق ہے۔اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو کام کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں مگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے ان میں ان بچوں کا بھی حق ہے جو قدرت سے جو دماغ اور ذہانت لائے ہیں مگر غریب ہونے کے وجہ سے تعلیم نہیں پا سکتے اس میں ان کا بھی حق ہے جو معذور ہو گئے ہیں لور کوئی کام کرنے کا قابل نہیں رہے جو شخص اس حق کو نہیں مانتا وہ ظالم ہے اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو گا تم اپنے پاس روپے کے کھتے بھرے بیٹھے رہو، کوٹھیوں میں عیش کرو، موٹروں میں چڑھے چڑھے پھرو اور تمہاری قوم سے ہزاروں آدمی روٹیوں کے محتاج

ہوں اور ہزاروں کام کے آدمی بے کار مارے مارے پھریں"۔ (۱۴۷)

پروفیسر خورشید احمد کے بقول یہ معاشی نقطہ نظر سے سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے جس کے ذریعے ملک و ملت کے غریب اور نادار افراد کی امداد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاسکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اس کے لئے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اسے فنا ہو جانا چاہیئے۔ کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اس کو ہے جو مسابقت میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اسلام اس ذہنیت کی نفی کرتا ہے وہ کہتا ہے جو کچھ دولت تم کماتے ہو وہ صرف تمہاری محنتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہیں۔ نیز پورا معاشرہ ہزاروں طریقے پر تمہارا معاون و مددگار ہے اس لئے تمہارے مال میں تمہارے علاوہ دوسروں کا بھی حق ہے۔ اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے سہارا دیں اور آگے بڑھائیں جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے ناداروں کہ سہارا نہ دے اور گرتوں کو تھام نہ لے وہ انسانی معاشرہ کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اسلام نظام زکوٰۃ کے ذریعے معیشت کو صحت مندبنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اس میں امداد باہمی کی روح جاری و ساری کر دیتا ہے۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں امداد باہمی کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس کے ذریعے سے تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی ضمانت دی گئی۔ اسلامی حکومت نے ابتدا سے ہی اس نظام کو عملاً قائم کیا۔ آبادی کی مردم شماری کی ،ناداروں کے رجسٹر بنائے۔ ہر ضرورت مند کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ حال ہو گیا کہ بقول مؤرخ طبری زکوٰۃ دینے والے تو ہر طرف تھے مگر زکوٰۃ لینے والے نہ ملتے تھے "۔(۱۴۸)

زکوٰۃ کے فوائد

زکوٰۃ باہمی اعانت کی عملی تدبیر ہے اور یہ دولت کی بیماریوں کا علاج ہے۔ صاحب دولت سے حرص، لالچ،بخل جیسی بری علتوں کا علاج ہے۔ پھر یہ امیر و غریب کے باہمی کشمش اور نفرت کو ختم کرتی ہے۔ اس طرح یہ خطرناک انقلاب کا راستہ روکتی ہے۔ زکوٰۃ سے دولت گردش میں آتی ہے۔ ایک جگہ یا

جگہ یا چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوجاتی اس کے ذریعے دولت آپ سے آپ سرمایہ کاری کی طرف جاتی ہے کیونکہ اگر کوئی ذخیرہ دولت کرے گا تو وہ چالیس قمری سالوں میں ختم ہو جائے گا۔ اس کی ایک خصوصیت بقول پروفیسر خورشید یہ ہے کہ زکوٰۃ جہاں ایک طرف پیداواری عمل کو تیز تر کرتی ہے وہیں دوسری طرف عوام میں قوت خرید کا اضافہ بھی کرتی ہے اس طرح یہ معیشت میں معاشی توازن قائم کرنے کا ایک خود کار آلہ بن جاتی ہے۔ (۱۴۹) گو زکوٰۃ بظاہر مالی نظام ہے لیکن اس کا تعلق عقیدہ، عبادت، اخلاق و اقدار اور سیاست و جہاد سب سے ہے۔ نیز اس کا گہرا تعلق فرد اور معاشرہ دونوں کے مسائل سے ہے۔ اور پھر زکوٰۃ وہ روحانی قدریں عطا کرتی ہے جو امت کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور جن کے ذریعہ اس کا تشخص قائم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کا وجود روحانی اقدار پر قائم ہے نہ کہ محسوس (مادی) اقدار پر اسلام نے ان روحانی اقدار کو تین باتوں میں بنیادی اہمیت دی ہے پہلی اصولی بات یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کو آزادی کی نعمت حاصل ہو اور یہ فی الرّقاب سے حل ہوتا ہے۔ دوسری اصولی بات یہ ہے کہ افراد کے اندر ایسے جذبات پیدا کئے جائیں کہ وہ اپنا قیمتی مال معاشرہ کے اخلاقی اور مادی فوائد کے لئے خرچ کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور یہ والغارمین (قرض داروں پر) سے واضح ہوتا ہے۔اور تیسری اصولی بات یہ ہے کہ ان عقائد و تعلیمات کا تحفظ کیا جائے جو انسان کے تزکیہ کے لئے نازل کی گئی ہے خاص طور پر تعلق باالله سے متعلق احکام۔ اور یہ ایک زکوٰۃ و فی سبیل الله کے الفاظ میں موجود ہے اور یاد رہے زکوٰۃ اسلام کے نظام تکافل اجتماعی کا ایک جز ہے۔ مغرب اس تکافل کے ایک محدود دائرے سے آشنا ہے اور وہ دائرہ ہے معاشی تکافل کا۔ جبکہ اسلام کا تکافل کا دائرہ نہایت وسیع اور عمیق ہے چنانچہ وہ مادی اور معنوی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ اور علمی ، سیاسی ،دفاعی ،تعزیراتی ،اخلاقی ، اقتصادی،عبادتی ، تمدنی اور معاشی تکافل پر مشتمل ہے لیکن غلطی سے موجودہ دور میں اسے تکافل اجتماعی کا نام دیا گیا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر زکوٰۃ تکافل اجتماعی سے وسیع تر نظام ہے۔اور یہ سوشل سیکورٹی و اجتماعی بیمہ دونوں پر حاوی ہے۔ یہ بغیر قسط کٹوائے حادثات اور مصیبت کے شکار لوگوں کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔(۱۵۰) زکوٰۃ سے گداگری کا انسداد ہوتا ہے۔ ہنگامی حالات کے شکار لوگوں کو سہارا ملتا ہے۔ضرورت مندوں کو خوراک ، سردی گرمی کے کپڑوں کا انتظام ،بے گھروں کی رہائش تاکہ وہ بارش اورسورج اور بے پردگی سے بچ سکیں،زکوٰۃ سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اور تجرد کا مسئلہ بھی اسی

سے حل ہوتا ہے۔(۱۵۶)

زکوٰۃ اسلامی معاشرے کو جرم سے پاک کرتی ہے۔ بعض اوقات غربت بھوک ، افلاس لاقانونیت اور جرائم کا سبب بنتے ہیں۔ چوری،ڈکیتی،جیب تراشی جسے جرائم غربت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ سے غرباء کی ضروریات پوری کر دی جائیں تو اس قسم کے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ انفاق کی تربیت کرواتی ہے۔ اس سے انفاق اور بخشش کی عادت پیدا ہوتی ہے۔یوں انسان معاشرے کے کمزور و ناتواں طبقے کو سہارا دیتا ہے اور اپنی دولت کو ملت کے تعمیری کاموں پر صرف کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس طرح انسان بخل و طمع سے پاک ہوتا ہے اور اس میں سخاوت، احسان ، محبت ، رحمت سے نیک فضائل پیدا ہوتے ہیں۔

اس کا ایک مقصد تزکیہ اور پاکی و صفائی ہے یہ مفہوم خود لفظ زکوٰۃ کے اندر موجود ہے زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکی اور صفائی کے ہیں یعنی گناہ اور دوسری روحانی ، قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف ہونا۔ غزوہ تبوک میں بعض صحابہؓ کی عدم شرکت کی سبب فصل اور باغ کی محبت تھی پھر ان کو ان کی سچائی اور ندامت کی وجہ سے معاف کر دیا گیا تو حضور ﷺ کو حکم ہوتا ہے۔

خذ من اموالهم صدقة تطهر هم و تزكيهم بها (۱۵۷)

ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر ان کو پاک و صاف بنا۔

حج

الحج ، مصدر ہے حَج یا حِج کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا کسی جگہ ارادے سے جانا (۱۵۸)۔

امام راغب لکھتے ہیں اس کے اصل معنی کسی کے زیارت کا قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں (۱۵۹)۔

شریعت کی اصطلاح میں مکہ مکرمہ میں جا کر بیت اللہ،عرفات، مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ کا قصد کرنے اور طواف و دیگر مناسک حج ادا کرنے اور مقررہ آداب و اعمال بجا لانے کا نام حج بیت اللہ ہے۔امام راغب فرماتے ہیں اصطلاح شریعت میں اقامت نسک کے ارادہ سے بیت اللہ کاقصد کرنے کا نام حج ہے (۱۶۰) عبدالرشید نعمانی کہتے ہیں ، اصطلاح شرع میں حج کی نیت سے اول احرام باندھ کر طواف اور وقوف کو اوقات مخصوصہ میں ادا کرنا اس کا نام حج ہے (۱۶۱)۔

اہمیت

قرآن مجید میں حکم الٰہی ہے

وللله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ط و من كفر فان الله غنیٌّ عن العلمين (۱۶۲)۔

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے گھر کا حج کرے اور جس نے کفر کی روش اختیار کی (اسے جان لینا چاہیئے کہ) اللہ سارے اہل جہاں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنا کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ من ملك زاد راحلة تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا (۱۶۳)

جو شخص کھانے پینے اور بیت اللہ تک لے جانے والی سواری کا مالک ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔

۲۔ من اطاق الحج فلعه يحج فسواء عيله مات يهودياً او نصرانياً (۱۶٤)

جو حج کی طاقت رکھے اور حج نہ کرے اس کے لئے برابر ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔

۳۔ قال عمر بن الخطاب رضى الله عنه : لقد هممت ان ابعث رجالاً الى هذا الامصار فينظروا الى كل من كان عنده جده فلم يحج فيضربواعليهم الجزية ماكهم بممين ماهم بمسلمين۔ (۱۶۵)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ مال رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔

حج کی فضیلت اور اہمیت کے بارے میں یہ احادیث بھی قابل غور ہیں۔

ا۔ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ کے درمیان جو گناہ ہوتے ہیں وہ ان کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور حج مقبول کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا (۱۶۶)۔

۲۔ عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندوں کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو جتنا عرفہ کے دن آزاد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ قریب ہوتا ہے اور فرشتوں پر بندوں کا حال دیکھ کر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ کس ارادے سے جمع ہیں (۱۶۷)۔

۳۔ من حج هذا البيت فلم يرفث و لم يفسق رجع كما ولدته امه (۱۶۸)۔

جو شخص اس کے گھر کا حج کرے نہ رفث کرے اور نہ فسق کا مرتکب ہو تو وہ ایسا لوٹ کر جائے گا جیسے اس دن جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

۴۔ حج اور عمرہ کا پے در پے کرنا مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (۱۶۹)

حج میں بہت سی حکمتیں اور فوائد پوشیدہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اس کے اسرار پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حج کا حکم فوائد اور مصالح سے خالی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں

ليشهدوا منافع لهم (الحج ۲۲:۲۸)

(تاکہ اپنے فائدوں کے لئے آموجود ہوں) یہاں رضائے الٰہی اور روحانی ترقی کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور تمدنی فوائد بھی بتائے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس میں تعظیم بیت اللہ ہے کیونکہ وہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا تعالےٰ کی تعظیم ہے اور اس سے اجتماع کا مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر اقوام و ملت میں اجتماع کا ایک دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ سب جمع ہوجاتے ہیں تا کہ ایک دوسرے کی معرفت حاصل کریں اور دین کے احکام سیکھیں اور اس کے شعائر کی تعظیم کریں اور حج مسلمانوں کے اجتماع کا اور ان کی عظمت کے ظاہر ہونے کا اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے کا اور دین کی تعظیم کا دن ہے۔(۱۷۰)

حج جذبہ عشق کی تسکین کا ایک ذریعہ بھی ہے انسان کا اللہ تعالیٰ سے محض قانون وضوابط کا رشتہ ہی نہیں ہے بلکہ اس شفیق ذات سے محبت اور پاکیزہ جذبات کا بھی تعلق ہے اس رشتہ میں ذوق و شوق اور عشق و قربانی اور دل سوزی و بے قراری بھی ہونی چاہیئے۔ اس محبت کے رشتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

والذين امنو ا اشداً حباً لله (البقره ۲: ۱۶۵)

اور ایمان والے اللہ کی محبت میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ تو حج سے اس فطری ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک و مقامات انسان کی اس سچی، حقیقی اور خالص محبت کو پورا کر سکتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

" اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل و اسباب اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہو گا۔ عاشق اور محبّ ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اس کے محبوب کی طرف ہو کعبہ کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے اس لئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہیئے علاوہ اس اجر و ثواب کی طلب و احتیاج کے جس کا وعدہ بھی کیا گیاہے (۱۷۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ بھی اس نکتہ حج کا فلسفہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غائیت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے (۱۷۲)۔

اس ذوق کی تسکین کچھ نماز سے بھی ہو سکتی ہے مگر اس جذبہ کی سیری اور تشنگی کا اصل سامان حج اور صرف حج سے ہو سکتا ہے۔

سید قطب شہید حج کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" حج مسلمانوں کی ایک سالانہ کانفرنس ہے وہ اس مقصد کے لئے اس گھر میں جمع ہوتے ہیں جس سے انہیں دعوت اسلام ملی اسی سے ملت ابراہیمی کی ابتدا ہوئی اور جو اللہ سبحانہٗ کی عبادت کے لئے قائم کیا گیا جو لوگوں کو عقیدے کی بنیاد پر یکجا کرتا ہے اور لوگ دنیا کے کونے کونے سے سمٹ سمٹ کر ہر سال یہاں جمع ہوتے ہیں۔ (۱۷۳)

سید سلیمان ندوی حج کی حکمت و مصلحت ان الفاظوں میں بیان کرتے ہیں۔

" انسانوں کی نفسیات یہ ہے اور روزمرہ کا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی بڑے اور اہم تغیر کے لئے ہمیشہ زندگی کے کسی موڑ اور حد فاصل کی تلاش کرتا ہے۔ جہاں پہنچ کر اس کی گذشتہ اور آئندہ زندگی کے دو ممتاز حصے پیدا ہو جائیں اسی لئے لوگ ایسے تغیر کے لئے جاڑا، گرمی یا برسات کا انتظام کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ شادی کے بعد یا صاحب اولاد ہونے کے بعد یا تعلیم سے

فراغت کے بعد یا کسی نوکری کے بعد یا کسی بڑی کامیابی کے بعد یا کسی خاص مہم اور سفر کے بعد یا کسی سے مرید ہو جانے کے بعد بدل جاتے ہیں یا اپنے کو بدل لینے پر قادر ہو جاتے ہیں۔کیونکہ ان کی زندگی کے یہ اہم واقعات اور سوانح ان کی اگلی اور پچھلی زندگی میں فصل و امتیاز کا خط ڈال دیتے ہیں۔ جہاں سے ادھر یا اُدھر مڑ جانا ممکن ہو جاتا ہے۔ حج درحقیقت اسی طرح انسان کی گذشتہ اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک حد فاصل کا کام دیتا ہے اور اصلاح و تغیر کی جانب اپنی زندگی کو پھیر دینے کا موقع بہم پہنچاتا ہے ۔ یہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی جیسی بھی ہو اس کو ختم کر کے نئی زندگی شروع کرتا ہے ان بابرکت مقاموں پر حاضر اور وہاں کھڑے ہو کر جہاں جلیل القدر انبیائے کرام اور خاصان الٰہی کھڑے ہوئے، خدا کے گھر کے سامنے، قبلہ روبرو جو اس کی نمازوں اور عقیدتوں اور مناجاتوں کی غائبانہ سمت ہے اپنی پچھلی زندگیوں کی کوتاہیوں پر ندامت اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت اور فرمانبرداری کا وعدہ اور اقرار وہ اثر پیدا کرتا ہے کہ شر سے خیر کی طرف، خیر سے اور زیادہ خیر کی طرف زندگی کا رخ بدل جاتا ہے اور زندگی کا گزشتہ باب بند ہو کر اس کا دوسرا باب کھل جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ وہ اس کے بعد اپنے نئے اعمال کے لئے نئے سرے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے سرور کائنات علیہ الصلوۃ نے یہ فرمایا

من حج الله فلم یرفث ولم یفسق رجع لیوم ولدنه امه ۔

(سنن ابی داؤد کے علاوہ بقیہ تمام کتب صحاح ستہ الحج میں یہ حدیث موجود ہے)(۱۷۴)

علامہ اقبال اجتماعی عبادت کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں " اسلام نے عبادت کو اجتماعی شکل دے کر روحانی تجلیات میں بھی جو اجتماعی شان پیداکر دی ہے اس پر ہمیں خاص طور پر توجہ کرنی چاہئیے۔ ذرا خیال تو فرمایئے کہ روزمرہ کی صلوٰۃ باجماعت کے ساتھ ساتھ جب ہر سال مسجد حرام کے اردگرد مکہ معظمہ میں حج کا منظر ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے تو ہم کس خوبی سے سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام نے اقامت الصلوۃ کے ذریعے عالم انسانی کے اتحاد و اجتماع کا حلقہ کس طرح وسیع سے وسیع تر کر دیا ہے۔(۱۷۵)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں حج میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق روایت ہے کہ جب

تک انہوں نے حج نہ کیا تھا انہیں اس معاملہ میں تردد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کونسی عبادت ہے مگر جب انہوں نے حج کر کے ان بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں تو بے تامل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے۔ (۱۷۶)

حج میں عجیب دھن سوار ہوتی ہے ۔ اس سفر میں نہ رات کی نیند کی پروا نہ دن کے آرام کا خیال نہ سردی اور نہ گرمی کا احساس۔ ہر سال لاکھوں افراد اپنا مال سکھ چین آرام و سکون یہاں تک بعض دفعہ تو جان کی قربانی دے کر اس فریضہ کو ادا کئے جا رہے ہیں۔ آخر کوئی تڑپ ،کوئی جذبہ ،کوئی روحانیت اس میں موجود ہے۔ پھر واپسی پر لاکھوں افراد اس زیارت کے تجربات اور مشاہدات اپنے اپنے ملکوں میں آ کر خاص وجد اور روحانی کیفیت سے سرشار ہو کر بیان کرتے ہیں۔ جس سے سننے والے سر دھننے لگتے ہیں اور سنانے والے بیان کرتے کرتے نہیں تھکتے۔ یہ سب کچھ اس عبادت کا ذوق، محبت، جذبہ اور کمال فائدہ تو ہے ہی ورنہ اور یہ کیا ہے؟ لیڈی اے وی لائن رقم طراز ہے

حج کے اثرات اور نتائج میں مبالغے کی گنجائش نہیں۔چاردانگ عالم سے آنے والے لوگوں کے اس زبردست اجتماع میں جو اس مبارک موقع اور مقدس مقام پر (جسے دنیا کے تین زبردست مذاہب یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے جدامجد(حضرت ابراھیم) کی یاد نے مقدس بنا دیا ہے) منعقد ہوتا ہے۔شامل ہونے والوں کا خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی تکبیر و تحمید کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے دل و دماغ پر اسلامی اصول و مقاصد و غایات کا مفہوم پورے طور پر نقش ہو جائے اور اسے اس سب سے زیادہ روح پرور عمل میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہو جو انسان کو شاذونادر ہی نصیب ہوتا ہے۔ موجد اسلام کی یاد ،اس زمین پر چلنا جسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طویل دورِابتلاء اور مصائب کی یاد نے متبرک بنا دیا ہے۔ قربانی، بذل نفس اور ایثار کے ان شاندار برسوں میں دوبارہ زندگی بسر کرنا اور اپنی روح کو اس آسمانی نو سے منور کرنا ہے جس نے تمام کرہ ارض پر اجالا کر دیا تھا (۱۷۷)

فوائد

حج کے بے شمار اخلاقی،معاشرتی ،اقتصادی سیاسی یعنی قومی و ملی فائدے ہیں۔ اس سے اخلاق کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ دراصل حج شروع سے لیکر آخر تک صبر و تحمل کا نام ہے۔ سفر اور اس جامع عبادت میں جگہ جگہ حوصلے ، ہمت صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی بہت سی

خواہشات مثلاً حکومت واقتدار، دولت اور ظاہری شان و شوکت پر قابو پا لیتاہے۔ یوں انسان زندگی میں اخلاقی خوبیوں کا عادی ہو جاتا ہے۔ یہ سفر نیکی اور تقویٰ کی رغبت دلاتا ہے۔ گناہوں سے توبہ کرواتا ہے ۔ لوگوں سے اپنا کہا سنا معاف کرواتا ہے دوسرے کے حقوق یاددلاتا ہے۔اس سفر میں بدکلامی،بیہودگی، بے حیائی بددیانتی ، جھگڑا و فساد سے بچنے کی تربیت ملتی ہے۔ اور پھر انسان کو اسی عبادت کے ذریعے حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے۔ ہر شخص حج میں جائز دولت خرچ کرتا ہے۔ اس طرح حج بہت سی اخلاقی خوبیاں پیدا کرتا ہے۔

حج سے عالم اسلام میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے حج کے چار پانچ مہینوں میں اسلامی ممالک سے حجاج کی روانگی ۔ حرمین شریفین میں اکٹھا ہونا پھر حجاج کی واپسی اور اپنے اپنے مقامات پر حج کی برکات سے لوگوں کو بہرہ ور کرنا۔ یہ سب باتیں تقریباً نصف سال تک عالم اسلام میں حرکت پیدا کر دیتی ہیں اور اس میں ایک نیا جوش اور ولولہ بیدار کرتی ہیں۔ غرض یہ عالم اسلام کی حرکت اور بیداری کا موسم ہے۔

حج مسلمانوں کا با مقصد ایک مرکز پر سالانہ اجتماع ہے۔ اقوام عالم کے تمام مسلمان خلوص ،محبت، صاف دلی ، نیکی ، پاک خیالات قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ہر سال ملتے ہیں یہ دنیا میں امن و امان محبت و دوستی اور برادری کی فضاء قائم کرنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔

حرم پاک ایک ایسا خطہ ہے جو قیامت تک کے لئے امن کا شہر ہے یہاں لڑائی جھگڑا تو کیا جانور کا شکار اس شہر کی گھاس تک کاٹنے کی ممانعت ہے۔ یہاں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے۔ یہ دنیا کا واحد مرکز امن ہے۔ حج سے مساوات کا درس ملتا ہے یہاں امریکہ، افریقہ ، چین ، روس، ہندوستان، افغانستان، ترکی ، مصری، الجزائری، جاوی، بلغاری سب مسلمان برابر ہیں۔ سب مل کر ایک قوم ایک نسل ایک خاندان کے افراد نظر آتے ہیں۔ ایک لباس ایک کلمہ ایک کعبہ ایک تلبیہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی مرکزیت مسلمانوں کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ حج کی سالانہ کانفرنس ہمیں ایک موقع فراہم کرتی ہے کہ ہم اپنے سیاسی ،معاشی ، معاشرتی ، تعلیمی مسائل پر اکٹھے بیٹھ کر غور و فکر کر لیں اور انھیں صحیح سمت پر لگا لیں۔ اس سے مسلمانوں کے درمیان ایک بین الاقوامی تجارت قائم ہو جائے گی۔ مسلمان ممالک کی مصنوعات زراعت، دیگر تجارتی سامان کی نمائش ہو سکتی ہے۔ اور یہ چیزیں متعارف ہو

سکتی ہیں۔ اسی مرکزیت کا یہ بھی ایک فائدہ ہے کہ ہمارے سکالر، دانشور، سائنس دان، دستکار، فنی ماہرین، عالم ، محدث، مفسر، فقیہ، مصنفین اور دوسرے امور کے ماہرین آپس میں تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پھر یہ مرکزیت ایک دوسرے کی زبان سیکھنے کا بھی بہترین موقع ہے اور اس طرح رابطہ کی زبان عربی سے بھی ہم کافی حد تک واقف ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اسرار حج پر خوب بحث کی ہے لکھتے ہیں " یہ بھی تطہیر نفس کا ایک ذریعہ ہے کہ آدمی کسی ایسے مقام کی زیارت کے لئے جائے اور کچھ دنوں کے لئے اس جگہ اقامت پذیر ہو جسے صالحین قابل تعظیم و تکریم سمجھتے ہوں وہاں اکثر قیام رکھتے ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو اعمالِ خیر وہ بجا لاتے ہیں ان کا رنگ اس پر بھی چڑھنے لگتاہے اور ان کے انوار اس پر بھی نور افگن ہوتے ہیں اسے میں نے خود بطور مکاشفہ عیاناً مشاہدہ کیا"۔ (۱۷۸)

پھر لکھتے ہیں " بعض اوقات انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے محبت و والہیت کا بے پناہ جذبہ ابھر تاہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اس کا یہ شوق پورا ہو۔ حج اسی شوق کو پورا کرنے کی بہترین صورت ہے۔ " ہر ایک سلطنت یہ ضروری خیال کرتی ہے کہ سال بھر میں کوئی ایسا موقع مہیا کرے جس تقریب سے وہ اپنے وفادار باشندوں کا جائزہ لے تا کہ سرکش اور باغی افراد مطیع و منقاد جماعت کے افراد سے نمایاں طور پر متمیز ہو سکیں۔ پھر اس قسم کے دربار منعقد کرنے سے مملکت کی شان و شوکت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور وابستگان دامنِ حکومت کا آپس میں تعارف ہوتا ہے۔اسلام کے احکام میں حج کا اجتماع بعینہٖ اسی قسم کی ایک تقریب ہے۔" (۱۷۹)

غرض حج ایک بابرکت اجتماع ہے جس میں بہت سے دینی اور دنیوی فوائد موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے لئے اس میں طرح طرح کے مصالح اور مفادات مضمر ہیں جن کی نوعیت اخلاقی بھی ہے اور روحانی بھی جو دنیا اور آخرت میں اس کی سربلندی اور سرفرازی کا ضامن ہیں۔

حج کی فیوض و برکات اور اسرار و رموز

حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی فیوض و برکات اصل میں وہی بیان کر سکتا ہے جسے یہ سعادت

نصیب ہوئی ہوں۔ اسلامی عبادت کا یہ بہت ہی بابرکت،روحانیت سے مالامال، خدائی رحمتوں اورفیوض سے بھرپور نیز کثیر ذاتی مشاہدات و تجربات کا اجتماع ہے۔حج کی تیاری سے لیکر گھر واپسی تک ایک عجیب سی لو خدا سے لگ جاتی ہے اور اس سارے عرصہ میں ایک وجد کی سی کیفیت انسان پر طاری رہتی ہے۔ دنیاوی الائشیں بھول جاتی ہیں۔ نفسانی خواہشات ختم سی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بندہ اللہ کا بن کر رہ جاتا ہے۔

دوران سفر جب احرام باندھ لیا جاتا ہے تو انسان خدا کے سوا سب کو بھول جاتا ہے۔ منزل مقصود پر پہنچ کر خانہ کعبہ کی طرف دوڑتا ہے۔ اس پر پہلی نظر پڑتی ہے تو انسان کی عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ زندگی کی سب سے پیاری دعا منہ سے نکلتی ہے اور دیوانہ وار اس کی طرف لپکتا ہے۔ پھر اس کا طواف کرنے لگتا ہے۔ طواف کرتے ہوئے ایک خاص سماں طاری ہوتا ہے۔اللہ کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہوتی ہیں۔انسان سوچتا ہے کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس عزت والے گھر کی زیارت نصیب کی، کتنے لوگ ہیں جو اس سعادت سے محروم ہیں۔ دنیا کے ہر خطے کے مسلمان کالے، گورے،عربی عجمی، بوڑھے جوان،مرد و عورت اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ہم پاسباں ہے اس کے یہ پاسباں ہمارا۔

اللہ تعالیٰ کی کئی نشانیاں اس صحن کعبہ میں موجود ہیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر مسرت اور روحانیت حاصل ہوتی ہے۔ خانہ کعبہ کو دیکھ دیکھ آدمی جیتا ہے۔ یہاں زمین سے لے کر آسمان تک اللہ کی رحمتیں برستی ہوئی نظر آتی ہیں۔ خانہ کعبہ کی جاہ وجلال ،رعب و دبدبہ، شان و شوکت تو عیاں ہے ہی لیکن اللہ والے آسمان سے خانہ کعبہ پر نور ربانی کے نزول کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور جب نماز میں امام کعبہ،کعبہ کی فضیلت اس کی تعمیر،اس کی تاریخ، حج کے مناسک، ابراہیم علیہ اسلام کی اس کی اور اس شہر کے لئے برکت کی دعا۔ اس ویرانے مقام کے لئے پھلوں کی کثرت پھر اس مقدس مقام کی حفاظت اور ہاتھیوں والوں کا انجام، جاڑے گرمی میں‌اس شہر سے تجارتی قافلے چلنے والوں کی حفاظت، بھوک خوف سے اس کے شہریوں کو مامون رکھنے والی آیات تلاوت کرتا ہے تو یہ تاریخی واقعات اور امام کا سوز و گداز خلوص و محبت ، حرم پاک میں ایک عجیب س سماں طاری کر دیتا ہے۔ قلب و دماغ کی تمام صلاحیتیں‌ادھر متوجہ ہو جاتی ہیں۔ روح بیدار ہو جاتی ہے۔ انسان کا اندرون جاگ اٹھتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کھوئی ہوئی چیز ہمیں مل گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ ،اللہ کے اس گھر کی فیوض و برکات ذاتی تجربے اور مشاہدہ کی روشنی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں " میں نے خداتعالیٰ کے اس قدیم گھر اور اس عالی منزلت عمارت یعنی خانہ کعبہ کو دیکھا کہ ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کی ہمتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کے ساتھ یہ اس طرح متعلق ہیں جیسے بدن سے روح کا تعلق ہوتا ہے نیز میں نے خانہ کعبہ کو ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کی ہمتوں اور ان کی روحوں سے اس طرح گھرا پایا ہے جسے گلاب کا پھول اندر عرق اور روئی کے اندر ہوا سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اس مقدس گھر کی طرف لوگوں کے دلوں میں جو توجہ اور التفات پایاجاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ہمتوں کا تعلق اس بارگاہ سے ہوتا ہے جو مشتمل ہے ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل پر اور چونکہ خانہ کعبہ میں ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کی ہمتیں اور ان کی ارواح بھری ہوئی ہیں اس لئے لوگوں کے دلوں میں خانہ کعبہ کے لئے محبت جوش مارتی ہیں۔ (۱۸۰)

کعبہ کے ایک کونے میں حجر اسود ہے۔ یہ جنت کا پتھر اپنے اندر ایک عجیب کشش رکھتا ہے۔اس کوچومنے کا جس خوش نصیب کوموقع مل جائے و وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکتا ہے۔اس کا بوسہ روح و جسم کو ایک پاکیزہ روحانی سی تسکین فراہم کرتا ہے۔ اس کو چوم کر ایک ناقابل بیان سی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان بے خود سا ہو جاتا ہے اور خدائی رحمتوں کو اپنے اوپر برستا سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ خانہ کعبہ کے ساتھ مقام ابراہیم ہے ۔ اس دودھ جیسے سفید پتھر پر ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے پاؤں کے نشان ہیں۔ ان کو دیکھ کر دونوں جلیل القدر انبیاء کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ اور خانہ کعبہ کی تعمیر کا نقشہ سامنے آجاتا ہے ۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے ۔اور قرآنی حکم " مقام ابراھیم مصلی" کی پیروی کراتی ہے۔ اسی صحن کعبہ میں آب زمزم کا کنواں ہے۔ جہاں چار ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے صاف و شفاف، صحت بخش میٹھا پانی جاری و ساری ہے۔ اسے پیتے پیتے منہ نہیں بھرتا ، پیٹ نہیں پھولتا ۔ جس مرض کی دوا سمجھ کر پیا جائے یا جسم پر لگایا جائے وہ مرض جاتا رہتا ہے ۔ یہ دوا بھی ہے اور مشروب بھی ہے۔خانہ کعبہ سے کچھ فاصلے پر ساتھ ہی صفا اور مروا شعائر اللہ کی پہاڑیاں ہیں۔ اس کی سعی کرنے والوں پر ایک روحانی سی کیفیت گزر رہی ہوتی ہے ۔ دیوانہ وار دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کے شعار کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں ۔ بی بی ہاجرہ کے اس دوڑ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو انہوں نے اپنے کم سن بچے کے لئے پانی کی تلاش کے لئے کی تھی۔

حج کے مخصوص ایام میں باری تعالیٰ کی فیوض و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ایک فقیرانہ لباس احرام میں تمام حجاج کرام یوم الترویہ کے دن قافلوں کی صورت میں منیٰ میں جا کر خیمہ زن ہو جاتے ہیں اس روز دن اور رات کو اللہ اللہ کرتے ہیں۔ تلبیہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ہر ایک حاجی اپنے اپنے انداز میں ذکر و فکر میں مشغول ہوتا ہے۔ عرفہ کے دن صبح سویرے قافلے عرفات کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ سوار، پیدل لبیك الهم لبیك الخ پکارتے ہوئے منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ آخر میدان عرفات میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ وقوف عرفہ ہی دراصل حج ہے۔ عرفات کے اس قیام میں مسلمانوں کے اجتماع پر خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے۔اس دن شیطان سب دنوں سے زیادہ ناکام اور نامراد ہوتا ہے ۔ اور ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ مسلمان خشوع و خضوع اور رو رو کر خدائی رحمتوں کو طلب کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کو بخشواتے ہیں دین و دنیا کی بھلائیوں کی التجا کرتے ہیں۔ پھر برکات الٰہی نازل ہوتی ہیں۔ روحانیت ان کو گھیر لیتی ہے اور نور خداوندی برسنے لگتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سچ فرمایا سب دعاؤں سے بہتر عرفہ کے دن کی دعا ہے۔ (۱۸۱) ایک اور فرمان نبوی ہے عرفہ سے بڑھ کر کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندوں کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو جتنا عرفہ کے دن آزاد کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے اور فرشتوں پر بندوں کا حال دیکھ کر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ کس ارادے سے جمع ہوئے ہیں (۱۸۲) یہ دن امت مسلمہ کے اجتماع اور شان و شوکت کا اظہار ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے اتحاد کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔یہ سالانہ اجتماع مسلمانوں کو ایک ہونے کا درس بھی دیتا ہے۔

غروب آفتاب کے بعد عرفات میں مزدلفہ کی طرف چلنا ہوتا ہے اور پھر رات کو مزدلفہ میں چھاؤنی ڈالنی ہوتی ہے اس طرح عرفات اور منیٰ کے درمیان اس مقام پر ٹھہرنے سے کچھ آرام مل جاتا ہے۔ دن بھر کی تھکان کے لئے یہ ایک وقفہ ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شہر مشعر حرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ اہل جاہلیت باہم تفاخر اور شوکت دکھانے کے لئے قیام کرتے تھے پس اس کی بجائے کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کی عادت کو دور کرے اور اس جگہ میں توحید کی تعظیم ہو اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک دوسرے حرص یا رشک کرتے ہیں گویا ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر زیادہ بیان کرتے ہیں (۱۸۳)۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اورعشاء کی نماز اکٹھی پڑھتے ہیں اس رات جاگنا اور عبادت میں مشغول رہنا مستحب ہے۔ اس

رات کی بہت فضیلت آئی ہے (۱۸۴)۔ دس ذالحجہ کو فجر کے وقت نماز پڑھ کر منیٰ کو چل دیتے ہیں۔ منیٰ میں پہنچ کر حج کے چند مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔

منی کا یہ تین یا چار دن کا اجتماع اسلام کی شوکت کا مظہر ہے اور اس سے دین اسلام کی اشاعت اور آواز دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ دراصل ایام جاہلیت میں منی میں حج میں دور دور کے لوگ جمع ہوتے تھے اور یہاں عکاز، ذی المجاز اور مجنہ وغیرہ۔ میلوں کی طرح بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ یہ لوگ یہاں تجارت بھی کرتے اور ہر قبیلہ اپنا فخر اور زور ثابت کرتا نیز اپنے بزرگوں ور خاندان کے کارنامے بیان کرتا تھا۔ اسلام نے اس اجتماع کو باقی رکھا اور اسطرح شوق رغبت سے متوجہ کیا لیکن تفاخر اور لباؤاجداد کے کارنامے بیان کرنے سے روک دیا۔اس مقام پر ذکر کی شدت پر زور دیا۔(۱۸۶)

قران حکیم میں اس ایت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فاذا قضیتم مناسکلم فاذکرواﷲ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا۔(۱۸۷)

اس مقام پر قربانی سیدنا ابراھیمؑ کے اس فعل کے ساتھ مشابہت ہے جو آپ نے اللہ کے حکم کی پیروی اور اس کی رحمت کے توجہ کے لئے اپنے پیارے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا یاد دہانی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باپ بیٹے پر فرمائی تھی اسطرح ہمارا یہ خاموش اقرار ہے کہ ہماری جانین بھی خدا کی راہ میں قربانی کے لئے تیار ہیں۔ منی میں رمی جمار بھی حضرت ابراھیمؑ کی سنت ہے شیطان نے آپ ﷺ کو بیٹے کا قربانی سے روکا تھا تو انھوں نے موجودہ ان تینوں مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں۔(۱۸۸)

حج کے یہ پانچ چھ دن سخت محنت اور جدوجہد کے ہوتے ہیں۔ یوں حج ایک بڑی زبردست مشق بن جاتی ہے۔ جس مسلمان کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے وہ اخلاق وکردار کی ایک اعلی تربیت پاتا ہے۔ اس عبادت کے ذریعے تقوی، ذکر، شکر، صبر، تحمل، عفو، خدمت خلق، سخاوت، اخوت، مساوا.ت جیسی اخلاقی خوبیوں سے انسان اراستہ ہوتا ہے اور گناہ فسق،خدا سے بیوفی، بے صبری، جھوٹ،غیبت، حسد، تکبر، کنجوسی جسے رذائل اخلاق سے دور ہو جاتا ہے۔ اسطرح اس کی زندگی مثالی بن جاتی ہے اور پھر امید کی جاتی ہے کہ آئندہ کی باقی زندگی میں وہ اعلی اخلاقی خوبیوں کو اپنائے گا اور برائیوں سے دور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ امین ثم امین

اسلام کے اس تصور عبادات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کا انسان مطلوب تیار کرنا چاہتا ہے۔ جو مسلمان عبادات کے اس نظام پر پورا پورا اور صحیح طور پر عمل کرے تو اس کی باقی تمام زندگی عبادت بن جاتی ہے۔ ان ارکان اسلام کو اپنانے سے مسلمان کا ہر لمحہ ہر گھڑی جو خدا اور رسول کی اطاعت میں بسر ہو وہ عبادت ہی ہے۔ اور مسلمان اسطرح اس قرانی ایت کی سچی تصویربن جاتا۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی ۰ ﷲ رب العلمین۔(۱۸۹)

بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک عالم کے پروردگار اللہ کے لئے ہے۔

تقابلی جائزہ

آیئے اب دعاوعبادت کا انجیل اور قران حکیم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

دعا

انجیل کا تصور دعا مکالہ ھذا کے پچھلے صفحات میں بیان ہوا ہے۔ ان عبارات میں انداز دعا اور اداب دعا پایا جاتا ہے۔ دعا کرتے ہوئے عاجزی وانکساری خدا تعالیٰ سے امید لگاؤ، باپ کے نام کی تقدیس اس کا بادشاہی کا ذکر اپنے گناہ کی بخشش دعا کے ساتھ کام کے لئے محنت جدوجہد دعا کرتے ہوئے غروروتکبر سستی کاہلی ک ممانعت جسے اصولوں کا ذکر ہوا ہے۔

انجیل کے مقابلے میں اسلام کا تصور دعا نہایت ہی واضح مفصل اور جامع ہے۔ قران وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا مقصد ہر وقت اور ہر کام میں خدا کو یاد رکھنا ہے۔ اس لئے اس نے تمام زندگی اس کے سارے لمحات اور تمام پہلوؤں کو گذارتے ہوئے دعا مانگنے کو کہا ہے۔ قدم قدم پر زندگی کے درپیش مسائل اور افعال کے لئے دعائیں بیان ہوئی ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں جہاں دعا کرنے کو نہیں کہا گیا۔ غرض ایک مسلمان کی تمام زندگی دعا ہے۔ اسطرح وہ ہر وقت اور ہر لمحہ احساس خداوندی کو تازہ رکھتا ہے۔ یوں مسلسل اس کا خداتعالیٰ سے رابطہ رہتا ہے۔

عبادت

انجیل اربعہ میں عبادت کی تعلیمات ہے مقالہ ھذا میں بیان ہو چکی ہیں

ہمیں انجیل میں عبادت کی مخصوص شکل نظر نہیں آتی۔ ایف ایس خیراللہ کے بقول اس کے

متعلق معلومات مبہم اور غیر واضح ہیں۔ یہاں تک کہ ہفتہ وار عبادت کا دن اور مسیح کے جی اٹھنے (ایسٹر) کے متعلق بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔(۱۹۰)

گو عبادت کے بارے میں کچھ رہنمائی اور اصول ضرور مل جاتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ

۱۔ عبادت پوشیدہ کی جائے اور ریا کاری سے بچا جائے۔

۲۔ ہیکل کو صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے اور یہاں دنیاوی کام نہیں ہونے چاہئے۔

۳۔ عبادت صرف خالص اللہ کی ہونی چاہئے۔دو مالکوں کی غلامی ہو ہی نہیں سکتی اس لئے صرف اورصرف ایک ہستی کی غلامی ہونی چاہئے۔(۱۹۱)

اس کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات عبادات جامع مفصل اور واضح ہیں۔ عبادت کی مخصوص شکل ارکان کی صورت میں موجود ہےاور پھر اسلام نے ان ارکان کو ہی عبادت نہیں کہا بلکہ ان ارکان پر عمل کر کے اپنی تمام زندگی کو خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق ڈھالنا ہے اسطرح مسلمان کی تمام زندگی اور ہر لمحہ عبادت بن جاتا ہے۔ سید سلیمان ندوی اسلام اور مسیحیت کے نظام عبادات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول ﷺ کے ذریعہ سے انسانوں پر جو حقیقت فرمائی اس کا اصل جوہر یہ نہیں ہے کہ گذشتہ مذاہب کی عبادت کے طریقوں کے بجائے اسلام میں عبادت کے دوسرے طریقے مقرر ہوئے بلکہ یہ ہے کہ انسانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ عبادت کی حقیقت اور غایت کیا ہے۔ ساتھ ہی عبادات کے گذشتہ ناقص طریقوں کی تکمیل بہم بیانات کی تشریح اور مجمل تعلیمات کی تفصیل بیان کی گئی۔ ۱۹۲ عرب میں جو یہود اور عیسائی تھے وہ بھی اس کے متعلق اپنے عمل اور تعلیم سے کوئی واضح حقیقت ان کے سامنے پیش نہ کر سکے تھے اس عہد میں جو عیسائی فرقے عرب میں تھے عقائد میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ حضرت مسیح کی الوہیت کو تسلیم کرتے تھے اور عبادات میں یہ تھا کہ تمام دینا کے عیش وارام اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر کے عرب کے سنسان بیانوں اور پہاڑوں میں انھوں نے اپنی عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنالی تھیں ان میں بیٹھ کر تمام دنیا کی جدوجہد اور سعی وکوشش کے میدانوں سے ہٹ کر مجرد اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔(۱۹۲)

قران حکیم نے یہی بات ان آیات میں فرمائی ہے۔

ورهبانية ن ابتد عوها ما كتبنهاعليهم الا بتغاء رضوان الله فمار عوها حق رعا يتها۔(١٩٣)

اور ایک رہبانیت انھوں نے نئی چیز نکالی جو ہم نے ان پرنہیں لکھی تھی لیکن خدائی خوشنودی حاصل کرنا تو انھوں نے اس رہبانیت کو بھی جیسانباہنا چاہا تھا نہیں نبھایا

قران حکیم یہ بھی کہتا ہے کہ یہ لوگ دین میں افراط وتفریط کے مرتکب ہوئے تھے۔ قران حکیم نے اس کوغلو کا نام دیا اور اس سے روکا ہے۔

لاتغلوا فی دینکم۔(١٩٤)

اپنے دین میں غلونہ کرو۔

ان کا سب سے بڑا غلو یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ جو صرف اللہ کے رسول تھے۔ انھیں اللہ کا بیٹا بنادیا۔ ابن کثیر اس غلو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عیسائی صرف نبوت ورسالت ہی کو خدائی کے مقام پر پہنچا دینے کے مجرم نہیں بلکہ انھوں نے اپنے دیگر بزرگان دین کو بھی تحلیل وتحریم کے اختیارات دے کر شرک وغلو کا ارتکاب کیا۔(١٩٥)

قران حکیم کہتا ہے۔

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابامن دون الله۔(١٩٦)

"خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنالیا"۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تم ایسانہ بڑھانا جسے نصاری نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا جس کو صرف ایک بندہ ہوں۔

پس تم مجھے عبداللہ اور رسول ﷺ کہنا یہ حدیث بخاری مسند وغیرہ میں ہے۔(١٩٧)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا خدا کی لعنت ہو یہود ونصاری پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدں گاہ بنا لیا ہے۔ جار اللہ محمد زمخشری نے نصاری کے غلو کے بارے میں لکھا۔

وغلت النصارى فى رفعة عن مقداره حيث جعلوه الها۔(١٩٨)

نصاری کا غلو یہ تھا کہ انھوں نے انھیں ان کے مقام سے بلند کر کے خدا کے درجے پر فائز کر دیا۔

قران حکیم نے اس غلو سے منع کیا اور انھیں ایک معبود حق کی دعوت دی۔

یاھل الکتب تعالوا الٰی کلمه سواء بینناوبینکم الانعبدالا اللّٰه۔(۱۹۹)

اے کتاب والو آؤ ہم تم اس بات پر متحد ہو جائیں کہ ہم خدائے برحق کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

نماز

موجودہ انجیل میں اسلامی عبادت نماز کی طرح مخصوص شکل تو نہیں ملتی البتہ یہاں دعا کا استعمال ہوا ہے جو عربی لفظ صلوۃ کے ہم معنی ہے۔(۲۰۰)

سیدسلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ انجیل میں دعاونماز کا ذکر متی ۵۹۶،۱،۲۱،۲۶،۳۶ مرقس ۱۴،۳۳ لوقا ۲۲،۴۱ وغیرہ میں ہے طریقہ نماز ۔ ایک انجیل میں ایک ہی موقع کے لئے گھٹنا ٹیکنا(جو گویا ،رکوع ہے)لوقا (۲۲۔۴۱) اور دوسری (متی ۲۶،۳۹) منہ کے بل گرنا یعنی سجدہ کرنا لکھا ہے اور خاموشی بقیہ انجیلوں میں خاموشی ہے۔(۲۰۱)

اسلام کی نمازیں ان ہی قدیم ارکان اور فطری شکل وصورت کے ساتھ فرض ہوئیں جو حضرت ابراھیمؑ کے عہدسے ،ب تک چلی آرہی ہیں۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا اسلام کے مصنفین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں اسلامی نماز اپنی ترکیب میں بہت حد تک یہودیوں اور عیسائیوں کے نماز کے مشابہ ہے۔(۲۰۲)

قران مجید سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ اسلام میں بھی عرب میں بعض یہود وعیسائی نماز پڑھا کرتے تھے۔

من اهل الکتاب امة قائمه یتلون ایت اللّٰه اناء اللیل وهم یسجدون(۲۰۳)

اہل کتاب کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہو کر خدا کی ایتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔

حدیث میں بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے نماز کے تذکرے ہیں مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھو تو تہ باندھ لو یا چادر اوڑھ لو یہودیوں کی طرح(ننگے) نہ پڑھو (۲۰۴) ایک اور حدیث ہے میری امت میں اس وقت تک دین کا کچھ نہ کچھ اثر رہے گا جب تک لوگ یہودیوں کی تقلید میں مغرب کی نمازمیں

ستاروں کے نکلنے کا اورعیسائیوں کی تقلید میں صبح کی نماز میں ستاروں کے ڈوبنے کا انتظار نہ کریں گے (۲۰۵) ان حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے یہودونصاری میں کچھ لوگ ایسے تھے جو نماز ادا کرتے تھے۔

معلوم یہی ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے نماز کا اصل طریقہ ترک کر دیا اور اس کے بجائے اپنا طریق دعااختیار کرلیا پھر انہوں نے خدا کی نماز کے ساتھ انسانوں کی نمازیں بھی شروع کر دیں وہ حضرت عیسیٰ ؑ اور حضرت مریمؑ کے علاوہ سینکڑوں ولیوں اور شہیدوں کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔

نماز یا دعا کے اوقات بھی ہر مذہب نے اپنی اپنی مصلحتوں کے مطابق طے کئے ہیں ہندو طلوع اور غروب آفتاب کے وقت پوجا کرتے ہیں اہل زرتشت صرف طلوع آفتاب کے وقت زمزمہ خواں نظر آتے ہیں رومن کیتھولک صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے پھر شام کو پھر رات کو سوتے وقت دعا مانگتے ہیں۔ یہودیوں میں تین وقت کی نمازیں ہیں۔ دانیال نبی کی کتاب میں ہے۔

جب دانیال کو معلوم ہوا کہ نوشتہ پر دستخط ہو گئے تووہ اپنے گھر آیا اور ایسی کوٹھری کا دروازہ جو بیت المقدس کی طرف تھا کھول کراور دن بھر میں تین مرتبہ گھٹنے ٹیک کر خدا کے حضور میں جس طرح سے پہلے کرتا تھا دعا اور شکر گزاری کرتا رہا وہ تین بار دعا مانگتا ہے۔(۲۰۷) حضرت داؤد کی زبور میں ان تین وقتوں کا ذکر اسطرح ملتا ہے۔

" پر میں خدا کو پکاروں گا تب خدا مجھے بچائے گا شام کو اور صبح کو اور دوپہر کو میں فریاد کروں گا نالہ کروں گا سو وہ میری آواز سن لے گا"۔(۲۰۸)

یہ فجر ظہر اور مغرب کی دعائیں کہی جا سکتی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے دعاؤں کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھایا۔

" پھر اس نے (حضرت عیسیٰؑ) نے اس لئے کہ ان کو ہمیشہ دعا میں لگے رہنا اور سستی نہ کرنا ضرور ہی ایک تمثیل کہی"۔(۲۰۹) حواریوں کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت ان کے ہاں دعا کا تھا پطرس دوپہر کے وقت کوٹھے پر دعا مانگنے گیا۔(۲۱۰)

لیکن ان کے علاوہ بعض اوقات بڑھائے بھی گئے ایک جگہ ہے پس" پطرس اور یوحنا ایک ساتھ دعا کے وقت تیسرے پہرہیکل کو چلے"(۲۱۱)

سید ندوی بتاتے ہیں کہ یونانی میں تیسرے پہر کے بجائے نویں "گھڑی کو" لکھا ہے جس کو ہم عصر کہتے ہیں پھر اسی وقت کی نماز کا ذکر اعمال ۱:۳ میں بھی ہے (۲۱۲)

ایک بار حضرت عیسیٰؑ کے کسی شاگرد نے نماز کی خاص دعا دریافت کی آپ نے بتائی اور فرمایا کہ دعا کا بہترین وقت آدھی رات ہے۔

اور ایسا ہوا کہ وہ ایک جگہ دعا مانگ رہا تھا جب مانگ چکا ایک نے اس کے شاگردوں میں سے اس نے کہا کہ اے خداوند ہم کو دعا مانگنا سکھا جیسا کہ یوحنا نے اپنے شاگردوں کو سکھایا اس نے ان سے کہا جب تم دعا مانگو تو کہو...... اس نے ان سے کہا تم میں سے کون ہے جس کا ایک دوست ہو اور وہ آدھی رات کو اس کے پاس آ کے کہے اے دوست مجھے تین روٹی ادھار دے۔(۲۱۳)

اس تمثیل میں حضرت عیسیٰؑ نے رات کی نماز کی تعلیم دی ہے چونچہ جس شب کو انھیں گرفتار کیا گیا وہ ایک جماعت کے ساتھ اسی نماز تہجد میں مصروف تھے۔(۲۱۴)

صبح کی نماز کا ذکر انجیل میں موجود ہے مرقس کے پہلے باب کی ۳۵ ایت میں ہے اور بڑے تڑکے پو پھٹنے سے پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا مانگی۔

ان تمام حوالوں سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے سید سلمان ندوی تحریر فرماتے ہیں وہ ان اوقات کو جو یہودی اور عیسوی مقدس کتابوں میں مذکور ہیں ہم جمع کر لیں تو وہی اسلامی نماز کے اوقات ہو جائیں گے جن میں سے صبح (فجر) دوپہر (ظہر) اور شام (مغرب) کا ذکر زبور (۵۵، ۱۶، ۱۷)

صبح کا ذکر مرقس۔(۲۱۶) (ا۔۳۵) عصر کا اعمال(۲۱۷) (ا۔۳، ا۔۳، ۳) میں ہے اور عشاء رات کا نماز کا اوقات کا لوقا (۲۱۸) میں ہے۔(۲۱۹)

رومن کیتھولک اور نماز کی شکل

رومن کیتھولک کلیسائی سرکاری و روایتی نماز کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

پادری جب کلیسا میں داخل ہوتا ہے تو حاضرین اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ باپ بیٹے روح القدس کے نام پر میں کلیسا کے مذبح کی طرف نماز پڑھتا ہوں اس موقع پر امام اور مقتدیوں کے درمیان ایک مکالمہ ہوتا ہے جو خدا کی تقدس وثنا سے متعلق ہے۔

پھر امام اپنے گناہوں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں قدرت رکھنے والے اللہ

اور مبارک مریم عذرا اور معزز فرشتہ میکائل اورپتمہ دینے والے یوحنا اور اللہ کے مبارک رسول پطرس پولوس اور تمام مقدس ہستیوں اور تمام عیسائی بزرگوں اور تم سب کو گواہ بنا کر یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اتنے فکری لسانی اور عملی گناہ کئے ہیں جن کا شمار وحساب ناممکن ہے یہ گناہ میں نے کئے ہیں اور تنہا میں ان کا ذمہ دار ہوں لھذا مبارک کنواری مریم مبارک فرشتہ میکائیل اور مبارک پستمہ دینے والے یوحنا اور مبارک رسول پطرس اور پولوس اور تمام بزرگ ومقدس ہستیوں اور آپ سب سے اے بھائیوں اس کا خواستگارہوں آپ اللہ مالک الملک سے میرے لئے دعا کریں۔

پھر جماعت اس کے لئے دعا کرتی ہے اور امام آمین کہتا ہے پھر پوری جماعت اعتراف کی یہی عبادت دہراتی ہے اور دعا کی طالب ہوتی ہے اور جماعت امین کہتی ہے پھر امام اور جماعت کے درمیان دعا ورحمت وبخشش اور سب کے لئے امن اور مغفرت کی طلب سے متعلق ایک مکالمہ ہوتا ہے۔

پھر امام مذبح پرپڑھتا ہے اور لاطینی زبان میں ایک دعا پڑھتا ہے جس میں خدا سے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے اور حضرت مسیح اور ان مقدس ہستیوں کانوسل اختیار کیا جاتا ہے جن کے آثار کلیسا میں موجود ہیں پھر امام کہتا ہے کہ اے اللہ ہم پر رحم فرما اے عیسیٰ مسیح ہم پر رحم فرما یہ الفاظ وہ دو مرتبہ دہراتا ہے واپس آ کر وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا طلبگار ہوتا ہے پھر جماعت واپس آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحم کا التجا کرتی ہے۔

حمدوثنا (Gloria) جو عبادت کے اوقات میں کلیسا میں پڑھے جاتے ہیں حمدوثنا کے الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں اور اس میں باپ اور اکلوتے بیٹے کے الفاظ باربار دہرائے جاتے ہیں اور مسیحؑ اللہ کا میمنہ(بھیڑ) کہاجاتا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بندوں کے گناہ معاف کرتے ہیں اور اللہ کے داہنی طرف بیٹھے ہیں ان سے باربار رحم وعفو طلب کیا جاتا ہے اور اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کے مالک اور ہر چیز پر حاکم ہیں اور ہر چیز سے بالاتر ہیں۔

کتاب مقدس کا ایک اقتباس بھی جس کو پادری منتخب کرتا ہے اس موقع پر پڑھا جاتا ہے اور اس کی تلاوت کے وقت پوری جماعت تعظیماً کھڑی ہو جاتی ہے۔

کیتھولک کلیسا کی ہفتہ وار نماز جو اتوار کو ہوتی ہے اس لحاظ سے عام نمازوں سے مختلف ہے اس میں امام ضرورت وحالات کے مطابق ایک خطبہ بھی پڑھتاہے اور کلمہ ایمان کی تجدید کرتا ہے اس کلمہ میں

حضرت مسیح کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں اسی سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام زمانوں سے ماوراء ہیں، رب الارباب ہیں نور النور ہیں معبود برحق ہیں اور وجود میں بھی اپنے باپ کے شریک ہیں ان ہی سے تمام موجودات وجود میں آئے اور وہ آسمانوں سے ہماری نجات کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے(اس موقع پر حاضریں گھٹنوں کے بل گر جاتے ہیں) اور مریم عذرا اور روح القدس کے واسطہ سے جو انسانی شکل میں ظاہر ہوئے یہ کلمہ حضرت مسیح کی الوہیت کے الفاظ اور صلیب وکفارہ کے عقیدہ اور مقدس عالمی کلیسا کی وحدت کے بارے میں ہوتا ہے اور اس میں کلیسا کو مرکز ہدایت بپتسمہ کا مرکز حشر اور حیات بعدالموت کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔

نماز کے بعد عشاء ربانی کا انتظام ہوتا ہے اس کی اصل یہ ہے کہ عہد قدیم میں کلیسا میں آنے والے اپنے ساتھ روٹی اور انگور کی شراب لاتے تھے اور مذبح پر چڑھ جاتے تھے۔ پادری تھوڑی سی شراب لئے کر روٹی میں ملا دیتا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ روئی اور شراب حضرت مسیح کے گوشت اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جو ان کو کھاتا ہے اس کے اندر حضرت مسیح کا گوشت وخون سرایت کر جاتا ہے۔ عشاء ربانی رات کے اس آخری کھانے کو بھی کہتے ہیں جو حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں تناول فرمایا لیکن شراب اور روٹی کا جگہ ،ب پیسوں نے لئے لی ہے جو آنے والے پادری کو پیش کردیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کلیسا کے امام اور پادری رسم کو جاری رکھتے ہوئے حاضرین میں روٹی ضرور تقسیم کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کا اختتام ایک مختصر دعا پر ہوتا ہے جس پر یہ نماز ختم ہوتی ہے اور جماعت منتشر ہو جاتی ہے۔(۲۲۰)

پروٹسٹنٹ کی نماز

پروٹسٹنٹ گر جاؤ کی نماز بشمول اعتراف گناہ وخطاء،توبہ استغفار، تجدید، ایمان، بنیادی عقائد حمدوثناء اور دعا تلاوت :۔

انجیل میں کیتھولک کے نماز سے ملتی جلتی ہے لیکن اس کا اسلوب اور صحیفے اپنے مخصوص کلیسائی نظام کے ماتحت اور کئی وجوہ سے کیتھولک نماز سے مختلف ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے اس میں لاطینی زبان استعمال نہیں کی جاتی دوسرے یہ کہ اس کی دعاؤں کے سارے صیغے ترانوں اور گانوں کا شکل میں ہیں اور ہر دعا کی اور آہنگ جدا اور مقرر ہے ایک خاص بات یہ

ہے کہ خدا کے ذکر کے وقت خاموشی وسکون کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور حضرت مسیح کی الوہیت کے سلسلہ میں صرف صریح اور کھلی ہوئی عبارتیں حذف کردی گئی ہیں۔ بعض ادعیہ میں سکوت وتدبر بھی ملتا ہے اس اجتماعی روایتی دعا کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

”اے آسمانی باپ تو نے اپنی محبت سے ہم کو پیدا کیا اور اپنی محبت سے باقی رکھا تیری محبت وشفقت ہماری تکمیل کر سکتی ہے۔ ہم پورے عجز کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم پورے دل وجان کے ساتھ تجھ سے محبت نہیں کر سکے اور ایک دوسرے سے بھی محبت نہیں کر سکے جیسا کہ حضرت عیسیٰ مسیح نے ہم سے محبت کی ہماری روحیں ضرور زندہ ہیں لیکن ہماری انانیت اور خود غرضی نے ہم کو تجھ سے دور کردیا ہے اور ہم نے تیری نصرت وتائید سے غفلت برتی ہم سے جو کچھ سرزد ہوا اس کو معاف فرما اور ہمارے موجودہ حال کو درست فرما اور مستقبل میں اپنی روح سے ہماری رہنمائی فرما۔ یہاں تک کہ تیری خلقت کی عظمت ہمارے نفوس میں اور مخلق کے نفوس میں عیسیٰ مسیح کے واسطہ سے جو ہمارے مولا اور ہمارے بادشاہ ہیں اچھی طرح روشن ہو جائے۔

کلیسا کی نماز میں عبادت سے پہلے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں یہ نماز کا اعلان ہوتا ہے انجیل کے ایک اقتباس کی تلاوت کا جاتی ہے اور ایمان کا کلمہ ترانے اور کورس کے انداز میں پڑھا جاتا ہے۔ خاص خاص موقعوں پر عشا ربانی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کلیسا کے پیرو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یادگار بنا کر وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کر رہے ہیں اور اپنی ارواح کو قوت پہنچا رہے ہیں۔(۲۲۱)

روزہ

قران حکیم کی ایت صوم کے لفظ **كما كتب على الذين من قبلكم** اس پر دلالت کرتے ہیں کہ روزہ ہر امت میں فرض رہا ہے۔ انسائکلو پیڈیا بر ٹانیکا کا مضمون نگار فاسٹنگ (Fasting) کے تحت لکھتا ہے۔

روزہ کے اصول اور طریقے تو اب وہوا قومیت وتہذیب اور گردوپیش کے حالات کے اختلاف سے بہت کچھ مختلف ہیں لیکن بمشکل کسی ایسے مذہب کا نام ہم لے سکتے ہیں جس کے مذہبی نظام میں روزہ مطلقا تسلیم نہ کیا گیا ہو۔...... گو روزہ ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے ہر جگہ موجود ہے۔(۲۲۲)

یہودیوں میں بھی روزہ پایا جاتاہے۔ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے

گذارے اور موسیٰ خداوند کے پاس چالیس دن اور چالیس رات رہا نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا۔(۲۲۳)
اس کے علاوہ یہودی صحیفوں میں اور دوسرے روزہ کے احکام کا ذکر موجودہ ہے۔(۲۲۴)

عیسائی مذہب میں بھی روزوں کے احکام ملتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی چالیس دن کا روزہ رکھا۔اور جب چالیس روزہ رکھ چکا آخر کار بھوکا ہوا۔(۲۲۵)

حضرت یحیٰؑ جو عیسیٰؑ کے پیشرو تھے وہ خود بھی روزے رکھتے اور ان کی امت بھی روزہ دار تھی۔(۲۲۶) یہود نے مختلف واقعات کے لئے روزے ایجاد کر لئے تھے اور وہ زیادہ تر غم کے روزے تھے اور اس غم کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ظاہری صورت کو بھی وہ اداس اور غمگین بنا لیتے تھے۔(۲۲۷)

حضرت عیسیٰؑ نے اپنے زمانہ میں غم کے ان مصنوعی روزوں کی ممانعت کر دی۔ شائد اسی قسم کے روزوں کے متعلق یہود کے اعتراض پر جناب مسیح فرماتے ہیں کیا براتی جب تک دولھا ان کے ساتھ ہے روزہ رکھ سکتے ہیں جب دولھا ان کے پاس ہے روزے نہیں رکھ سکتے پر وہ دن آئیں گے جب دولھا ان سے جدا کیا جائیگا تب ان ہی دنوں میں روزے رکھیں گے۔(۲۲۷)

یہاں حضرت عیسیٰؑ نے غم کے روزوں کی ممانعت کی نہ کہ موسوی شریعت کے فرض روزوں کی۔ یہاں آپ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ پیغمبر امت میں موجود ہے تو امت کو غم کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ غم کے روزے رکھنے کی ضرورت ہے یہود کی قاموس اعظم جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔(۲۲۸)

حضرت عیسیٰؑ نے خلوص اور ریا سے پاک روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے فرمایا جب تم روزہ رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ اپنا منہ وہ بگاڑتے ہیں تا کہ لوگ انھیں روزہ دار جانیں۔(۲۲۹)

حضرت عیسیٰؑ ان کے شاگرد سوال کرتے ہیں کہ ہم پلید روحوں کو کس طرح نکال سکتے ہیں تو آپ جواباً فرماتے ہیں یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی اور طرح سے نہیں نکل سکتی۔(۲۳۰)

مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں

مسیحی مصادر میں پولس کے روزوں کا ذکر ملتا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے زمانہ کے وہ

عیسائی جو یہودی النسل تھے کفارہ کا روزہ رکھتے تھے راہب لوقانے اس کا خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے لیکن وہ عیسائی جو دوسرے اصولوں کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اس پر زور نہیں دیتے۔

پولیس کے انتقال کے ڈیڑھ سوسال بعد لوگوں میں روزہ کے قوانین کو ضبط میں لانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ بہت سے راہب اور کلیسا کے ذمہ دار جنسی ترغیبات کے مقابلہ کے لئے بھی روزہ کی تلقین کرتے تھے اس زمانہ میں اس کا بہت خیال رکھا جاتا تھا کہ روزہ کوئی ایسی خارجی چیز بن کر نہ رہ جائے جو روزہ دار پر کوئی اثر نہ ڈال سکے۔" اریس" کا روزہ کے اقسام کے متعلق یہ بیان ہے کہ روزہ ایک دن کا بھی ہوتا ہے اور دودن کا بھی اور مسلسل ۴۰ گھنٹے کا بھی۔ یہ صورت حال مدتوں برقرار رہی دکھوں اور صلیب کے جمعہ کا روزہ ایک عوامی اور مقبول روزہ تھا جو دوسری صدی عیسوی میں بعض ممالک میں رائج تھا اسی طرح جو لوگ بپتسمہ کے خواہش مند ہوتے تھے وہ بھی ایک دن یا دودن کا روزہ رکھتے تھے اور اس میں بپتسمہ کرنے اور کرانے والے دونوں شریک ہوتے تھے۔

عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں روزہ کے طریقہ اور احکام کے معاملہ میں جزی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں(دیکھئے انسائیکلو پیڈیا مذایب وراخلاق) روزہ کی تنظیم اور قانون سازی کا سب سے زیادہ کام دوسری اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیانی وقفہ میں انجام پایا اس وقت کلیسا نے بعض احکام اور ہدایات پر مشتمل ایک بیان شائع کیا چوتھی صدی عیسوی میں روزہ میں تشدد اور سختی کا عنصر بڑھ گیا اس سے توسیع نرمی اور لچک کی خاصیت جاتی رہی ایسٹر(عید فصح) سے قبل دو دن روزے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے ان دنوں کا روزہ نصف شب کو ختم ہوتا تھا۔ بیماروں کو جوان دنوں میں روزہ رکھنے سے معذور تھے۔ سنیچر کو روزہ رکھنے کی اجازت تھی۔ تیسری صدی عیسوی میں روزہ کے دن مقرر کئے گئے روزہ کے اختتام پر بھی بہت اختلاف تھا۔ بعض لوگ مرغ کی مانگ پر افطار کرتے اور بعض لوگ تاریکی اچھی طرح پھیل جانے پر۔

۴۰ دن کے روزہ کا کوئی سراغ چوتھی صدی عیسوی تک ہم کو نہیں ملتا مختلف ممالک کی آب وہوا ماحول اور طرز زندگی بھی روزں پر اثرانداز تھی۔ چنانچہ رومیوں کا روزہ اسکندریہ کے روزہ سے مختلف ہوتا تھا۔ بعض لوگ جانوروں کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے بعض اس کو جائز سمجھتے تھے کچھ لوگ صرف مچھلی اور پرندوں کے گوشت پر اکتفا کرتے تھے بعض لوگ انڈے اور پھلوں سے پرہیز کرتے تھے کچھ

صرف روٹی کھاتے تھے۔ بعض لوگ ان سب کوناجائز سمجھتے تھے بعد میں حضرت مسیح کی زندگی کے اہم واقعات اور مسیحی تاریخ کی روشنی میں مختلف روزے تجویز ہوئے جو مرور زمانہ کے ساتھ اپنی شکل بدلتے رہے اسکے علاوہ ملکوں کے اختلاف کے لحاظ سے روزے بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔

عہداصلاح کے بعد انگلستان کے کلیسانے روزے کے دن مقرر کئے لیکن روزہ کے اداب واحکام اور حدودوقوانین روزہ دار کے ضمیر اور احساس ذمہ داری پر چھوڑ دیئے گئے البتہ ایڈورڈ ششم جیمزاوّل اور الزبتھ کے عہد میں انگلستان کی پارلیمنٹ نے روزہ کے دنوں میں گوشت خوری ممنوع قرار دیدی اور اس کی وجہ بتائی کہ مچھلیوں کے شکار اور بحری تجارت کی ہمت افزائی اور اس سے نفع اندوزی ضروری ہے۔(۲۳۱)

ان تمام حوالوں سے روزوں کے بارے میں قرانی تاریخی صداقت کا پتہ چلتا ہے۔

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔(۲۳۲)

صاحب کشاف اس ایت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ان الصوم عبادۃ قدیمۃ اصلیۃ ما اخلی اللہ امۃ افترصھا علیھم۔(۲۳۳)

روزہ حقیقتا ایک قدیم عبادت اور کوئی امت اس فرض سے خالی نہیں رہی۔

ابن کثیر نے سابقہ امتوں کی روزوں کی تاریخ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت معاذؓ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباسؓ عطاءؒ قتادہ اور ضحاک کافرمان ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور کی امت کے لئے بدل گیا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلی امتوں پر فرض تھے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھاکہ جب وہ عشا کی نماز پڑھ لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔(۲۳۴)

اسلام نے روزے میں اصلاحات بھی کی۔ سابقہ امتوں نے جو روزوں میں بے اعتدلیاں اور غیر ضروری چیزیں شامل کرلی تھیں اسلام نے ان سے روک دیا اور اس بارے میں فطری اصول مقرر کئے۔

ان کا خلاصہ حسب ذیل۔

ا۔ اسلام نے روزوں کے لئے قمری تاریخیں مقرر کیں تاکہ سردی گرمی چھوٹے بڑے دن سب موسم میں ماہ رمضان آتا رہے۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں عموماً حساب کتاب کے لئے شمسی سال ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ اسلام سے پہلے جو الہامی یا غیر الہامی مذاہب تھے ان میں اکثر روزہ صرف پیروؤں کی کسی خاص جماعت پر فرض تھا مثلاً ہندوؤں میں غیر برہمن کے لئے کوئی روزہ ضروری نہیں پارسیوں کے یہاں صرف پیشوا کے لئے روزہ ہے۔ یونانیوں میں صرف عورتوں کے لئے روزہ تھا۔(۲۳۵) لیکن سوال یہ کہ روزہ کوئی اچھی چیز ہے تو تمام لوگوں کے لئے فرض ہونا چاہے۔ اسلام برابری کے اصول پر اس عبادت کو لازم قرار دیا اس سلسلے میں جنس، علم مرد عورت، عالم امی کی تفریق کو ختم کر دیا۔

فمن شهد منكم الشهر فليصمه.(٢٣٦)

اس مہینہ میں جو موجود ہو وہ مہینہ بھر روزہ رکھے۔

۳۔ دوسرے مذاہب میں یہ حکم نظر نہیں آتا کہ مجبوری وغیرہ میں روزہ چھوڑا جاسکتا ہے تورات میں تو صاف لکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو وہ کٹ جائیگا یا قتل ہو جائیگا بلکہ یہ ہے کہ اس پردیسی پر بھی روزہ فرض ہو گا جو گو یہودی نہیں مگر یہودیوں کے پاس آکر رہا ہو۔(۲۳۷) اسلام دین فطرت ہے اس نے مجبور کمزور ناتواں بیمار مسافر حاملہ کے بارے میں الگ الگ احکام دیئے ہیں۔ عارضی معذور، بیمار اور مسافر حاملہ عذر ختم ہونے کے بعد قضا رکھیں گے۔ دائمی معذور روزے کی بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

فمن كان منكم مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين.(٢٣٨)

اگر تم میں کوئی بیمار ہو یا مسافر ہو وہ رمضان کے بعد اور دنوں میں روزہ رکھ لے اور لوگ جو بمشکل روزے رکھ سکتے ہوں ان پر ایک مسکین کا کھانا۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس ایت سے مراد بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے۔ جس میں روزے

کی طاقت نہ ہو ابن کثیر نے ابن عباس کے اس قول کو تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایسے بوڑھے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ہے۔اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انھیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو علماء کا اس بارے میں شدید اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہیں فدیہ دیدیں اور جب خوف دور ہو جائے تو قضا رکھ لیں بعض کہتے ہیں کہ صرف فدیہ کافی ہے قضا نہ کریں بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ دیں نہ قضا کریں۔(۲۳۹)

۴۔ دیگر مذاہب روزے کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار تھے۔ پچھلے صفحات میں حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے روزے کے ذکر آچکا ہے۔ چینیوں کے یہاں ایک ایک روزہ ہفتوں کا ہوتا تھا۔ عرب کے عیسائی راہب کئی کئی روز کا روزہ رکھتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں پورے پورے چوبیس گھنٹے کا روزہ تھا۔(۲۴۱)

اسلام نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا صرف قابل برداشت وقت یعنی صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک ہر قسم کے کھانے پینے اور جنسی خواہشات سے روکنے کا نام ورزہ رکھا۔

۵۔ یہود میں اکثر روزے مصائب کی یاد اور غم کی علامت تھے اس لئے روزہ رکھ کر غم کی شکل بنائے رکھتے تھے اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے اس کے برعکس غمگین رہنے سے منع کیا اور روزے میں زیب وزینت کا حکم دیا۔

پھر جب تم روزے رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں کہ لوگوں کے نزدیک روزہ دار ظاہر ہوں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا بدلہ پاچلے پر جب تو روزں رکھے، اپنے سر پر چکنائی لگا اور منہ دھو تاکہ تو آدمی پر نہیں بلکہ اپنے باپ پر جو پوشیدہ ہے روزہ دار ظاہر ہو اور ترا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے آشکارا تجھے بدلہ دے۔(۲۴۲)

اسلام میں روزے رکھ کر مسواک کرنے منہ دھونے سر میں تیل ڈالنے سرمہ لگانے خوشبو ملنے کی اجازت ہے۔ اسطرح روزہ دار کو پاک صاف رہنے کا حکم دیا ہے اور پریشان حال گھبراہٹ اور گندہ رہنے کی ممانعت کی ہے۔ غرض روزے میں ہنسی خوشی مسرت اور خوشحالی کا اظہار کرنا چاہیے

یہ اللہ کے شکر ادا کرنے کا مہینہ ہے کہ اس ماہ میں قران حکیم جیسی نعمت مسلمانوں کو ملی اور اس ماہ کے اختتام پر خوشی کے طور پر عیدالفطر منائی جاتی ہے۔

زکوۃ

دراصل زکوۃ وخیرات کے احکام توارت اور انجیل دونوں میں موجود ہیں لیکن ان کتب سماوی میں مدت کے تعین میں قطعیت نہ تھی۔ اسلام نے اس سلسلے میں مدت کا تعین کیااور ایک سال کی مدت مقرر کی۔(۲۴۳)

سیدسلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں اسلام سے پہلے زکوۃ کی مدت کی تعین میں بڑی افراط وتفریط تھی۔ تورات میں جو عشریعنی دسواں حصہ مقرر کیا گیا تھا۔(۲۴۴)

اور انجیل میں کسی مدت اور زمانہ کی تعین ہی نہ تھی اس بناء پر زکوۃ کی تنظیم کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز اس کی مدت کا تعین تھا کہ وہ نہ تو اس قدر قریب اور مختصر زمانہ میں واجب الادا ہو کہ انسان باربار کے دینے سے اکتا جائے اور بجائے خوشی اور دلی رغبت کے اس کو ناگوار اور جبر معلوم ہو نہ اس قدر لمبی مدت ہو کہ غریبوں مسکینوں اور قابل امداد لوگوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے طویل انتظار کی سخت تکلیف اٹھائی پڑے اسلام نے اس معاملہ میں دنیا کے دوسرے مالی کاروبار کو دیکھ کر ایک سال کی مدت مقرر کی کیونکہ تمام متمدن دنیا نے خوب سوچ سمجھ کر اپنے کاروبار کے لئے ۱۲ مہینوں کا سال مقرر کیا ہے۔......ہر منظم جماعت ہر حکومت اور ہر قومی نظام نے محصول اور ٹیکس وصول کرنے کی مدت ایک سال مقرر کی ہے شریعت محمدی نے اس بارہ میں اسی طبعی اصول کا اتباع کیا ہے اور ایک سال کی مدت کی آمدنی پر ایک دفعہ اس نے زکوۃ کی رقم عائد کی ہے۔ چنانچہ اس کا کھلا ہوا اشارہ سورہ توبہ میں موجود ہے جن میں زکوۃ کے تمام احکام بیان ہوئے ہیں۔ زکوۃ کے بیان کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے۔ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جس دن اللہ نے آسمانوں کو زمین کو پیدا کیا۔(۲۴۵)

مقدار زکوۃ

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں زکوۃ کی مقدار کادسواں حصہ تھا تو اپنے غلہ سے جو سال بسال تیرے کھیتوں میں پیدا ہو وہ یکی دینا۔(۲۴۶) لیکن زمین کی کئی اقسام ہوتی ہیں اور کسی مقام پر وہ صرف بارش سے سیراب ہوتی اور کہیں نہر کنویں ٹیوب ویل وغیرہ سے اس میں محنت اور رقم وغیرہ

زیادہ خرچ ہوتی ہے اس مسئلے کا حل انجیل نے بھی نہیں بتایا۔ بارش بلا محنت سیراب ہونے والی زمین پر عشر ۱۰/۱ مقرر کیا گیا۔ چاہی یا نہری وغیرہ جس پر محنت اور رقم خرچ ہوتی ہے اس کا بیسواں حصہ مقرر ہوا۔(۲۴۷) نقد سرمایہ جس کی حفاظت ترقی اور نشوونما کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور اس میں ہر وقت چوری نقصان اور لوٹ کا خطرہ ہوتا ہے اس کے لئے زکوۃ کی شرح چالیسواں حصہ مقرر کیا۔(۲۴۸)

شرح زکوۃ کے تعین کے سلسلہ میں شرائع سابقہ میں ایک اور کمی تھی جس کی تکمیل محمد رسول ﷺ کی شریعت نے کی۔ جن دوسری شریعتوں میں قانونی خیرات کا تعین ہے ان میں امیروغریب اور کم اور زیادہ دولت والوں کی تفریق نہیں کی گئی تھی مثلاً اگر دس بیس کی مالیت دس بارہ گائے یا بکریوں پر زکوۃ وصول کی جاتی تو ان پر ظلم تھا۔ تورات میں غلہ اور مویشی پر جو عشر اور نقد پر جو آدھا مثقال مقرر کیا گیاہے اس میں اس کے لحاظ نہیں کیا گیا ہے بلکہ آدھے مثقال کی زکوۃ میں تو یہاں تک کہا گیا ہے۔

" خداوند کے لئے نذر کرتے وقت ادھے مثقال سے امیر زیادہ نہ دے اور غریب کم نہ دے۔(۲۴۹)

لیکن ھادی فطرت محمد ﷺ نے غریبوں ناداروں اور جو سرمایہ نہیں رکھتے ان پر زکوۃ عائد نہیں کی بلکہ ایسے ضرورت مندوں سے زکوۃ لینے کی بجائے دینی چاہیے۔ بیس مثقال یا۵اوقیہ سونے پر ادھا مثقال زکوۃ کا حکم دیا۔ اس سے معاشی ناہمواری ختم ہو گئی اور صاحب استطاعت پر زکوۃ فرض ہوگئی۔

انسائیکلوپیڈیا مذاہب واخلاق

انجیل میں خیرات صدقات کا کیا مقام ہے اس کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کی بنیادی تعلیمات ہدایات اور ذاتی خیال کیا ہیں اور پھر یہ تصور بعد کے کلیسائی عہد میں کہاں تک قائم رہا اور اس پر مسیحی دنیا میں کہاں تک عمل درآمد کیا گیا۔ مذاہب واخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کے مسیحی مقالہ نگار نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پہاڑی کے وعظ میں اور دوسرے موقعوں پر خیرات دہی کے فریضہ کو اتنے ہی عزم وخلوص سے بیان کیا ہے جیسا کہ علمائے یہود کیا کرتے تھے ان کے پیروؤں کے لئے بھی خیرات دینا ضروری ہے لیکن ان کی خیرات خلوص قلب سے محض کار خیر کے ارادہ سے ہونا چاہیے(ہر عیسائی اپنی ذات کو اتنا ہی کامل کرنا چاہتا ہے جتناکہ " ان کا باپ" جو کہ آسمان پر ہے کامل تھا)۔اس کی نیت میں خود نمائی ستائش طلبی باذاتی فروغ کا شائبہ مطلق نہیں ہونا چاہیے۔(۲۵۰)

ایسے ہی اس وعظ میں جو لوقا کی انجیل میں درج ہے۔ خیرات کے احکام زیادہ واضح ہیں۔

"جو کوئی تجھ سے کچھ مانگے اسے دے اور اس سے جو تیرا مال لے کوئی تجھ سے کچھ مانگے اسے دے اور اس لئے جو تیرا مال لئے پھر مت مانگ اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی ان سے ویسا ہی کرو اور اگر تم اپنے پیار کرنے والو سے پیار کرو تو تمھارا کیا احسان ہے کیونکہ گناہ گار بھی اپنے پیار کرنے والوں کو پیار کرتے ہیں اور اگر تم ان کا بھلا کرو جو تمھارا بھلا کریں تو تمھارا کیا احسان ہے کیونکہ گناہ گار بھی ہی یہی کرتے ہیں اور اگر تم ان کو قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید ہے تو تمھارا کیا احسان کیونکہ گناہ گار بھی گناہ گاروں کو قرض دیتے ہیں تاکہ ان سے پوار وصول کریں۔(۲۵۱)

ایک اور خاص بات جس کو ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے آقا(حضرت عیسیٰؑ) امداد باہمی کی بنیاد اس تعلق کو گردانا ہے۔ جو کہ تمام انسان اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے ہیں یہی تعلق ان کا بھائی بھائی بنادیتا ہے اور اس طرح چونکہ سب انسان اصلاً ایک ہی گروہ کے افراد ہیں اس لئے سب کا فرض ہے کہ(ایک ہی اللہ کے بندے کی بنیاد پر) ایک دوسرے کی مدد کریں۔ سینٹ پال نے فرمایا کہ تم آقائے(نامدار)کی طرح ایک دوسرے کے بوجھ اٹھاو اور اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے قانون پر عامل رہو۔(۲۵۲)

لیکن امر بالکل بین ہے کہ جہاں تک فیاضی اور خیرات دہی کا تعلق ان اعلےٰ مقاصد اور علوئے نیت سے ہے وہاں خودنمائی اور فخر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اب ہم یہ دیکھیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم اور ان کی ذاتی مثال نے ان کے سب کے پہلے پیروؤں اور شاگردوں کو کہا تک متاثر کیا اور ہر ایک کو ڈر آیا اور بہت سے کرشمے رسولوں کے یروشلیم میں ظاہر ہوئے اور سب جو ایمان لائے تھے اکھٹے رہتے اور سب چیزوں میں شراکت رکھتے تھے وہ اپنی ملکیت اور اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے اور ایک دل ہو کر ہر روز ہیکل میں جمع ہوا کرتے تھے اور گھر گھر روٹی توڑا کرتے تھے اور خوشی اور دن کی صفائی سے کھانا کھایا کرتے تھے۔(۲۵۳)

اس کی تعلیم سے ظاہر ہوتا کہ یہ ایک ایسا اشتراکی نظام رونما ہوا جو لوگوں نے اپنی مرضی سے قائم کرلیا اور جن میں جماعت کے مال دار افراد نے اپنا کل دیا قریب قریب کل مال اپنے غریب پڑوسیوں کی ضرورت کی فراہمی میں صرف کر دیا۔ ہر ایک نے اپنا کل مال فروخت نہیں کیا جن کے پاس اپنا ضرورت سے زیادہ نہ تھا۔ وہ تو اپنی ہی ضرورتوں کو پورا کرتے رہے لیکن جن کے پاس ضرورت سے زائد

تھا انھوں نے اسکو فروخت کر کے یا اس طرح جماعت کی بہبودی کے لئے صرف کردیا۔(۲۵۴)

اگرچہ ابتدائی دور کی خیرات اس شاندار طور پر اس وقت قائم نہ رہ سکی جبکہ پہلا جوش وخروش ختم ہو گیا تاہم عیسائی گرجوں کی ایک مابہ الامتیاز خصوصیت بنی رہی۔ بلکہ کلیسا کی خصوصیت رہی۔ سینٹ پال نے مقدونیہ کے گرجاؤں کو بڑی احتیاط سے منظم کیا اور خیرات کے چندوں کو جمع کیا گیا اور اس یکجائی فنڈ کو یروشلم کے مذہبی خدام کے پاس پہونچانے کی خدمت خود سینٹ پال نے سنبھالی اگرچہ اس کام میں دوسرے گرجاؤں کے نمائندے بھی شامل رہے۔(۲۔ قرنتیول باب ۹،۸)ہفتہ وار چندہ کا حکم جو کہ انھوں نے اس موقعہ پر نافذ فرمایا تھا غالباً ہفتہ وار چندے کی اس رسم کی بنیاد بن گیا جو کہ مختلف گرجاؤں میں عموماً قائم رہی اور ہمارے زمانہ میں بھی اکثر گرجاؤں میں قائم ہے۔

خیرات دہی اور غریبوں پر رحم کرنے پر دوسرے عیسائی برگزیدہ رہبروں نے سینٹ پال سے کچھ کم زور نہیں دیا ہے۔ سینٹ جیمس نے پر زور الفاظ میں اس ظلم وتعدی کو برا کہا ہے جو کہ زور دار لوگ غریبوں پر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن مذہبی خدمات کے قانون کو انھوں نے اس طرح اجمالی شکل دی ہے۔ اصلی مذہب جس پر خدا اور باپ کی نظر میں کوئی دھبہ نہیں وہ یہ ہے یتیموں اور بیواؤں کے پاس جانا(ہمدردی کرنا) اور ان کے رنج وغم میں شریک ہونا اور اپنی ذات کو (فخر مباہات) سے پاک رکھنا مکتوب بنام یہود کے مصنف نے اپنے مخاطبین کو مکتوب ختم کرتے ہوئے ایک عملی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے۔

نیکی کرنا اور تقسیم(خیرات) کو فراموش نہ کرو کیونکہ انھیں قربانیوں سے خدا بہت خوش ہوتا ہے۔

سینٹ جان نے اس فرض(خیرات دہی) کو انتہائی روشن اور نمایاں طریقہ پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے انسانی خدمت کو جذبہ حب اللہ سے پیدا ہونا ہوا بتلایا ہے وہ فرماتے ہیں۔

”جس کے پاس دنیا بھر کا سامان موجود ہے لیکن وہ اپنے بھائی کی ضرورت مند دیکھے اس کے ساتھ رحم کرنے سے گریز کرتا ہے تو اللہ کی محبت اس میں کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم سب اور ان کے اولین پیروؤں کی تعلیم میں خیرات دہی اور غرباء کی امداد تو عیسائی زندگی کا بنیادی فرض سمجھا گیا ہے اور اس فرض کا فوری تعلق اس رشتہ سے ہے جو کہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے واسطہ سے خدا کے ساتھ رکھتے ہیں اور اس رشتہ کے تسلیم کرنے کا فوری نتیجہ وخیرات اور نیکی ہے“(۲۵۵)

مصارف اور ان کی اصلاحات

حضرت موسیٰؑ کے قانون میں تین قسم کی خیرات یا زکوۃ تھی۔

۱۔ ادھا مثقال سونے چاندی کی یہ رقم حضوری کا خیمہ(یہ سفری یا نقل پذیر مقدس خیمہ تھا جو بنی اسرائیل کے بیابان میں بھٹکنے کے دوران عبادت اور قربانی وغیرہ کے سلسلے میں استعمال ہوتا تھا تاوقتیکہ سلمان بادشاہ نے یروشلم میں ہیکل نہ تعمیر کرلی قاموس الکتاب مضمون خیمہ ۳۸۴) یا پھر بیت المقدس کی تعمیرومرمت اور قربانی کے طلائی ونقرئی ظروف وسامان بنانے میں خرچ کی جاتی تھی۔(۲۵۶)

۲۔ دوسری خیرات یہ تھی کہ کھیت کاٹنے اور پھل توڑتے وقت حکم تھا کہ فصل کو آخری کناروں تک نہ کاٹا جائے اور کچھ خوشوں اور ہٹیوں پر وانے پھل چھوڑ دیا جائے وہ غریبوں مسافروں کا حصہ تھا۔(۲۵۷)

۳۔ سوم یہ تھی کہ ہر تیسرے سال کے بعد پیداوار اور جانوروں کا دسواں حصہ خدا کے نام پر نکالا جائے اس کے مصارف یہ تھے کہ دینے والا مع اہل وعیال کے بیت المقدس میں جاکر جشن منائے اور کھائے اور کھلائے موروثی کاہن(لادی) اور مجاوروں میں تقسیم کیا جائے۔ یہ تمام چیزیں بیت المقدس کے خزانہ میں جمع کر دی جاتیں تھیں ان سے مسافروں یتیموں اور بیواؤں کو بھی کھانے کھلایا جاتا تھا۔(۲۵۸)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیح اپنے پیرودں کے لئے کوئی مستقل اور مفصل قانون اور شریعت موسویہ کے متوازی کوئی شریعت لے کر نہیں آئے ان کا کام چند ترمیمات اور اصلاحات تک محدود تھا جیسا کہ قران حکیم میں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا" اور سب تصدیق کرنے والا ھوں اپنے نے پیشتر آئی ہوئی توریت کی(اور اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کردوں۔ اور میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشانی لیکر آیا ہوں سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"-(۲۵۹)

دراصل حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کا اصل مقصد یہودیوں کے حد سے بڑھی ہوئی ریاکاری اور رسم پرستی کا خاتمہ اور خلوص محبت اور حقیقت کی تلاش تھا اسی لئے زندگی کے دوسرے شعبوں اور ارکان

مذہب کی طرح انھوں نے خیرات وزکوۃ کا کوئی مستقل قانونی ڈھانچہ نہیں دیا۔ جیساکہ تفصیل سے یہودیت اور اسلام میں موجود ہے۔ جناب مسیح نے تورات کے احکامات میں حقیقت روح خلوص محبت پیدا کرنے کی کوشش کی اس لئے عیسائیت میں خیرات وصدقات کوئی مفصل واضح ضابطہ نہیں ہے اوروہاں جو کچھ موجود ہے وہ محض اخلاقی ہدایات اور نصیحتیں ہیں۔

نظام زکوۃ میں اسلام کی اصلاحات

اسلام نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح نظام زکوۃ وصدقات میں بھی انقلابی تبدیلیاں کی ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اسلام نے پیشہ ور مجاور کاہن طبقوں کا خاتمہ کیا۔ اسطرح مفت خود ارام طلب عبادت گاہوں کے خادموں کی ضرورت نہ رہی اسلام دین محنت ہے اس نے رزق حلال محنت اور جائز ذرائع حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور انسان کو اخلاقی بلندی مردانگی عزت نفس اور خود داری کا سبق سکھایا۔

حضور ﷺ نے نبی ہاشم جو خود آپ کا خاندان ہے صدقہ زکوۃ حرام قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت کہ حسنؓ بن علی نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی تو آپﷺ نے فرمایا اس کو تھوکر ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔(۲۶۰)

۲۔ نصاب زکوۃ کی معقول مالیت بیس(۲۰) مشقال پرنصف مشقال مقرر کر دی سابقہ شریعت میں نصاب مشقال جو صرف بیت المقدس کے خرچ کے لئے مخصوص تھا اسطرح تبدیل کر کے مناسب مالیت میں جاری کر دیا۔

۳۔ زکوۃ کی چیز کو مالک کے ذاتی ضرویات اور کھانے میں صرف ہونے کی ممانعت کر دی گئی کہ اگر وہ مالک ہی کے ضروریات میں خرچ ہو تو یہ کیسی قربانی ایثار یا صدقہ۔

۴۔ اس قسم کی مدد کو فقیروں، مسکینوں، مسافروں، مقروضوں اور خدا کی راہ وغیرہ جیسی مدوں کے لئے مخصوص کر دی گئی۔(۲۶۱)

۵۔ سابقہ شریعت میں خیرات کی رقم ضرورت مندوں کے حوالے نہیں کی جاتی تھی اس کا ایک حصہ بیت المقدس میں جمع ہونا اور وہ وہاں زائرین اور حجاج کے مواقع پر کھانے کی شکل میں غرباء

میں تقسیم ہوتا اسلام نے یہ رقم ضرورت مندوں کو حوالے کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی ضروریات پر خرچ کر سکیں آیت مصارف ثمانیہ "للفقراء والمساکین والعاملین علیھا" میں لام اس پر دال ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورت کے لئے پوری آزادی کے ساتھ خرچ کر سکتے ہیں اس لام کی بحث کو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

٦۔ حج ان ہی پرواجب کیا گیا جن کے پاس زاد راہ ہو اس لئے ہر شخص کو خواہ بیت اللہ جانے کی حاجت نہ رہی اور یہ رقم بھی خارج ہو گئی۔

٧۔ عبادت میں سادگی پیدا کر کے ظاہری رسموں اور نمائشوں سے اس کو پاک کر دیا گیا اس کے سونے چاندی کے سامانوں قربانی کے برتنوں اور محرابوں کے طلائی شمعدانوں کی ضرورت ہی نہیں رہی۔(٢٦٢)

زکوۃ اور سابقہ انبیاء

قران حکیم سے معلوم ہوتا ہے نماز کی طرح زکوۃ بھی سابقہ تمام مذاہب کا لازمی جزو رہی ہے۔

حضرت ابراھیمؑ اور ان کے خاندان کے انبیاء کے ذکر کے ساتھ فرمایا۔

وجعلنهم المة یهدون بامرنا واوحینا الیهم فعل الخیرت واقام الصلوة وایتاء الزکوة وکانوالناعبدین۔(٢٦٣)

ہم نے ان کو انسانوں کا پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے ہم نے وحی کے ذریعہ سے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

بنی اسرائیل سے خدا کے عہد میں نماز اور زکوۃ دونوں کا ذکر ہے۔

اقیموا لصلوة واتوالزکوة۔(٢٦٤)

ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار کر لیا تھا کہ نماز قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رکھنا۔

سیدنا اسمعیلؑ کے متعلق ارشاد ہے۔

وکان یامر اهله با الصلوة والزکوة وکان عند ربه مر ضیا۔(٢٦٥)

وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا۔

عذابی اصیب به من اشاء ورحمتی وسعت کل شی فساکتبها للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین هم بایتنا یومنون۔(۲۶۶)

میں اپنے عذاب میں جسے چاہوں گا گھیر لوں گا اگرچہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے مگر اس رحمت کو میں انہی لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو مجھ سے ڈریں گے اور زکوۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیا۔(۲۶۷)

"اور خدا نے مجھے زندگی بھر نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تاکید کی ہے" یہ ہے وہ تقابلی جائزہ جو یہودیت عیسائیت اور اسلام کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اس سے انداز ہو سکتا ہے کہ اسلام نے دیگر مذاہب کے مقابلے کس قدر تفصیل سے اپنا نظام زکوۃ وخیرات دکھایا۔ ہماری احادیث اور فقہ کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں۔

حج

عیسائیوں کے یہاں حج وزیارت کے نظریات کے بارے میں دائرۃ المعارف مذاہب واخلاق کی رائے حسب ذیل ہے۔

" حج ایسے سفر کو کہتے ہیں جو متبرک مقامات کی زیارت کے لئے کیا جائے مثلاً ہمارے آقا(حضرت عیسیٰؑ) کی دنیوی زندگی کے مناظر فلسطین میں یا رہنمایان مذہب کے آستانے روما میں یا خدا رسیدہ درویشوں اور شہداء کے متبرک مقامات(آستانے)۔

عیسائیوں کی نسل اول نے متاخرین کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ (نجات دہندہ) کی زندگی راستوں پر چلنے(ان کی زندگی سے متعلق مقامات کو دیکھنے) کی ضرورت کو زیادہ محسوس نہیں کیا تیسری صدی عیسوی سے یقیناً متبرک کی زیارت ہونے لگی بہت سے عیسائیوں کو اپنے آقائے نامدار(حضرت عیسیٰؑ) کے بیتابانہ ذوق(حق جوئی) اور دفن کئے جانے کے بعد قبر سے نمودار ہونے سے متعلق مقامات سے کہیں زیادہ

دلچسپی رہی ہے حتی کہ ان کی تعلیمات نبوی نے تیسری صدی سے ارض مقدس کے مقابلہ میں روما کی زیارتیں زیادہ بڑھی گئیں اگرچہ ارض مقدس کی زیارت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

بیت المقدس کے بعد روما ہی وہ شہر تھا جہاں زیادہ سے زیادہ زائرین پہونچتے تھے جن اسباب نے پاپائیت کو عروج بخشا انھیں نے روما کو ایک زیارت کا مقام بنادیا۔ بالخصوص پیٹر اور سینٹ پال کی قبروں نے اس کو وہ عظمت بخشی کہ یہ رومن کیتھولک عیسائیوں کا مجمع بن گیا اور وہاں بکثرت جمع ہونے لگے۔(Cat-acost) جو کہ شہداء کی ہڈیوں کے باعث متبرک مقام بن گیا ہے زائرین کی دلچسپی کا ... خصوصی مرکز ہے زائرین نے روما کی زیارت کبھی ترک نہیں کی گرجاؤں اور متبرک یادگاروں کی کثرت نے اس کو متواتر ایک خصوصی توجہ کا مرکز رکھا ہے۔(۲۶۸)

یہ صرف چند زیارت گاہوں اور متبرک مقامات کا ذکر تھا نہ صرف فلسطین بلکہ ان تمام جگہوں پر جہاں یہودی اور عیسائی آباد ہیں ان قبروں آستانوں اور درگاہوں کی اس قدر کثرت ہے کہ آدمی گھبرا جاتا ہے اور اس کی طبیعت اکتانے لگتی ہے۔

مذکورہ دائرۃ المعارف میں حج وزیارت کے مقالہ میں ان تمام درویشوں اور اولیاء کے آستانوں اور قبروں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یورپ وایشیا میں جتنی درگا ہیں ان کی فہرست پیش کر دی اور اس کے ساتھ ان رسوم و عادات اور طور طریقوں کی تفصیل بھی موجود ہے جو ان تیوہاروں اور متبرک مقامات کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے۔ان متبرک اور مقدس مقامات اور آستانوں کو اہل کتاب نے شرک کا مرکز بنا دیا گیا اور یہاں کفروشرک کی وہ تمام بدعات ہونے لگیں جن سے انبیاء منع کرتے چلے آئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی امت کو ان خرافات سے دور رہنے کو کہا اور بڑی سختی سے ان کی مذمت کی۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا خدا کی لعنت ہو یہود ونصاری پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔(۲۶۹)

حضرت جندب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خبردار ہو کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔ خبردار تم قبروں کو سجدہ نہ بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔(۲۷۰)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو زیارت کرنے والی عورتوں پر قبروں کو سجدہ بنا لینے والوں پر اور چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔(۲۷۱)

حضرت عطار بن یسار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کو پوجنے لگیں پھر فرمایا اس قوم پر خدا کا غصہ نازل ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔(۲۷۲)

رسول اللہ ﷺ نے مقابر استانوں اور زیارت گاہوں کے لئے باقاعدہ سفر کرنا اور خاص اسی طرف نیت کے ساتھ متبرک مزارات درگاہوں اور خانقاہوں پر حاضری سے منع کیا۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثه مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصی۔(۲۷۳)

"اہتمام وارادہ کے ساتھ باقاعدہ سفر صرف تین مساجد کے لئے جائز ہے مسجد حرام، مسجد رسول، مسجد اقصی"۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو درگاہوں قبروں اور خانقاہوں کے فتنہ سے بچنے کا حکم دیا جس نے پہلی امتوں کو شرک میں مبتلا کردیا۔ اور آج ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کہیں ہم اس فتنہ میں گھر تو نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عذاب سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے آج حرمین شریفین کی شرک سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ خانہ کعبہ تو اس ظلم وعظیم سے اس لئے مامون ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ابراھیمؑ کی اس کی تعمیر کے وقت اس سے بچنے کو کہا تھا اور ابراھیمؑ اسلام نے اس مرض سے دور رہنے کی دعا کی تھی۔

"اور(وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراھیم کو بیت اللہ کی جگہ بتادی(اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والواور قیام ورکوع سجود کرنے والوں کے لئے اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو لوگ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ بس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں"۔(۲۷۴)

"اور یاد کرو جب ابراھیم نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا میرے پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے"۔(۲۷۵)

روضہ رسول پر شرک نہ ہونے کی وجہ حضور ﷺ کی ان احادیث مبارکہ کی برکات ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔

اخلاقی تعلیمات

اخلاقی تعلیمات

اخلاق خلق کی جمع ہے خلق کا لفظ قوی باطنہ اور عادات و خصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا تعلق بصیرت سے ہے۔(۲۷۶)

ابن منظور لکھتے ہیں الخلق والخلق :

البحیتة وهوا ابن والطبع والسبحیته و حقیقه انه لصورة الانسان الباطنیه وهی نفسه واوصا فها و معاشبها المختصته بمنزله الخلق الصورته ارلظاهرة واوصافها معا سنها (۲۷۷)

خلق اور خلق کا معنی فطرت و طبیعت ہے انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے خلق کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل و صورت کو خلق کہا جائے۔

قرآن حکیم میں ہے :

وانك لعلى خلق عظيم (۲۷۸)

اور آپ کے اخلاق اعلیٰ ہیں۔

امام غزالی نے خلق کی تعریف ان الفاظوں میں کی ہے خلق نفس کی اس ھیت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام اخلاق بلاتکلف صادر ہوں اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ھیت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو خلق بد کہتے ہیں۔(۲۷۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف و حالات کو جدوجہد کر کے اپنی طرف راجع کرے۔(۲۸۰)

ملا جلال الدین دوانی لکھتے ہیں جب افعال کسی فکرو تردد کے بغیر سر زد ہونے لگیں تو اس کیفیت کو خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔(۲۸۱)

اخلاق سے مراد وہ فطری اعمال نہیں ہیں جو غیر ارادی طور پر سرانجام دیتا ہے مثلاً سانس لینا دل کا حرکت کرنا اور پلک جھپکنا وغیرہ کیونکہ اس بارے میں محاسبہ نہیں ہوتا در اصل اخلاق کا موضوع وہ اعمال ہیں جو انسان عمداً اور جان بوجھ کر سر انجام دیتا ہے وہ ان کو نتائج و ثمرات پر غور کرنے کے بعد کرتا ہے یہ اعمال برائی اور بھلائی کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں یہ بتاتے ہیں کہ انسانوں کو آپس میں کس

طرح معاملہ کرنا چاہیے لوگوں کو اپنے اعمال میں کسی مقصد عظیم کو سامنے رکھنا چاہیے اور لوگوں کی صحیح باتوں کی طرف رہنمائی کرے مختصر یہ کہ جو فضائل اور رذائل کی حقیقت کو ظاہر کرے نیز یہ معلوم ہو کہ انسان کس طرح فضائل سے اراستہ اور رذائل سے محفوظ رہ سکتا ہے۔(۲۸۲)

یہاں ایک اور قابل ذکر بات بھی ہے کہ اخلاق عادات کے ظاہری حسن کا نام (ہی) نہیں بلکہ یہ اندرونی پاکیزگی اور باطنی صورت انسانی کے اوصاف و معانی کا نام ہے اس کا معیار وجدان صحیح اور ضمیر ہے غرض کہ ان کی حقیقت داخلی و جدانی اور خارجی ہے اگرچہ ان کا صدور خارجی ہے ان افعال سے دوسرے افراد متاثر ہوتے ہیں او ان سے معاشرتی زندگی میں ایک طرح کا حسن پیدا ہوتا ہے یہ اسلامی تصور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔(۲۸۳)

خلق کے مفہوم میں دین طبیعت او عادات تینوں شامل ہیں۔(۲۸۴)

اسلام میں اخلاق کی اہمیت

اسلام دین اخلاق ہے۔ قرآن حکیم اخلاقی تعلیمات سے پر ہے اس میں تہذیب اور اخلاق کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ افراد اور اقوام کی بہتری کے لئے کس قسم کے اخلاق و اداب ضروری ہیں اس کتاب میں ترقی و تنزلی عروج و زوال کے اسباب بیان کئے گئے ہیں اور اخلاق فاضلہ کے حصول کا طریقہ بھی موجود ہے اس نے وہ تمام ذرائع کھول کر پیش کر دیئے ہیں جن سے افراد اور قوموں کا کردار بنتا ہے اور وہ بام عروج پر پہنچ جاتی ہیں عبدالمنان عمر کے کہنے کے مطابق سارا قرآن مجید اخلاقی تعلیمات سے بھر پور ہے وہ ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے جس کی نظر انسانی ہستی کے پورے نظام پر ہے اور اس کے نفاذ میں اس نے وسیع ہمہ گیر مفصل مکمل اور جامع دفعات کالحاظ رکھا ہے تمام اخلاقی احوال و کیفیات کا اس میں تفصیل و تشریح کے ساتھ احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اور جزئیات تک کا احاطہ کیا گیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے فعل اورترک فعل کے اندورنی اور ذاتی سبیلیں کیا کیا ہیں اور کن باطنی محرکات سے ظاہری افعال کا وقوع ہوتا ہے حال کی تنقید و تشخیص عمل رنگ میں کن اصولوں کے تابع ہے خصلت کے نشو ونما کے طریقے اور عادات کے سلسلے کیا ہیں افعال و جذبات میں کیا نسبت ہے جذبات کو روکنے یا وسعت دینے کے کیا اصول ہیں اور ان کا اعمال پر کیا اثر پڑتا ہے اس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی طاقتوں کو تسلیم کیا۔(۲۸۵)

اسلام میں اخلاق کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ حضور ﷺ کے اقوال سے بھی ہوتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں ایمان کی کاملیت اخلاق سے ہوتی ہے۔

اکمل المومنین ایماناً احسنهم خلقا۔(۲۸۶)

مسلمانوں میں فضیلت اور برتری کا معیار اخلاق ہے۔

خیارکم احسنکم اخلاقاً۔(۲۸۷)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

خدا کا محبوب حسن اخلاق والا شخص ہے

احب عبادالله الی الله حسنهم اخلاقاً۔(۲۸۸)

اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

آنحضرت ﷺ اخلاق کی بہتری کے لئے دعاگو رہتے تھے۔

واهدنی لا حسن الاخلاق لا يهدی لاحسنها الا انت واصرف عنی سيئاتها لا يصرف عنی سيئاتها الا انت۔(۲۸۹)

اور اے میرے خدا تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور ان کو نہیں پھیر سکتا لیکن تو۔

اخلاق حسنہ کبھی کبھی نماز اور روزے کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔

ان الرجل ليدرك بحسن خلقه درجة قائم الليل وصائم النها۔(۲۹۰)

انسان حسن اخلاق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر قیام کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اخلاق کے بارے میں احادیث کو جمع کیا ہے جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے

"خالق الناس بخلق حسن" لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ عادت ڈالو۔

اثقل مايو ضع فی الميزان يوم القيمه تقویٰ الله وحسن الخلق۔

سب سے بھاری چیز جو قیامت کے دن میزان اعمال میں رکھی جائے گی خدا سے ڈرنا اور خوش خلقی ہوگی

"حسن الخلق خلق اللہ الاعظم" خوش خلقی خدائے اعظم کا خلق ہے۔

لن تسعوا الناس باموالکم فسعوھم یبسط الوجه وحسن الخلق۔

تم لوگ اپنے مالوں کی رو سے زیادہ نہ ہوگے پس ان سے کشادہ روئی اور حسن خلق کے باعث زیادہ ہو۔

سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل

بد خلقی عمل کو ایسا بگاڑتی ہے جسے سرکہ شہد کو

حضور ﷺ اکثر یوں دعا مانگا کرتے تھے

الھم حسنت خلقی فحسن خلقی

الٰہی تو نے میری صورت اچھی بنائی میری سیرت بھی اچھی کر۔

ان احبکم الی واقربکم منی مجلس الیوم القیامة باحسن اخلاقاً

قیامت کے روز تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور زیادہ بیٹھنے میں مجھ سے وہ قریب ہونگے جن کے اخلاق اچھے ہونگے۔

ان احسن الخلق لیذھب الخطیئتة کما یذیب الشمس الجلید

حسن خلق گناہ کو ایسا کر دیتا ہے جسے آفتات جمے ہوئے پانی کو

ان العبد لیبلغ من سوء خلقه اسفل ودرك جهنم

بندہ اپنی بد خلقی سے سب سے نیچے کے طبقہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔(291)

تمام مذاہب اخلاق کا درس دیتے ہیں لیکن اس باب میں نبی آخرالزماں ﷺ اپنی بعثت کا مقصد اخلاق کی تکمیل بتایا ہے۔

بعثت لا تمم حسن الاخلاق (۲۹۲)

اس سے بھی زیادہ صاف الفاظوں میں فرمایا

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق۔ (۲۹۳)

میں تو اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

اسلام کے ارکان اخلاق و سیرت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ذرا ارکان اربعہ کے مقاصد پر نظر ڈالیں۔ نماز کا مقصد بے حیائی اور برائی سے بچنا بتایا گیا۔ روزہ تقویٰ کا درس دیتا ہے۔ زکوۃ انسانی ہمدردی محبت و شفقت کا سبق۔ حج تقویٰ صبر و تحمل خواہشات پر کنٹرول کی ایک طویل مشق ہے۔

اخلاق کی اہمیت مولانا محمد منظور نعمانی اس طرح اجاگر کرتے ہیں۔

جس طرح عبادت دین کا اک شعبہ اور اس کا ہم بندوں سے مطالبہ کیا گیا ہے اسی طرح اخلاق کا بھی ایک شعبہ ہے اور دین میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے بلکہ ایک پہلو سے دین کے دوسرے تمام شعبوں کے مقابلے میں اس کو فوقیت اور بالاتری حاصل ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ اخلاق میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کرتا ہے یعنی اخلاق دراصل خدائی صفات ہیں اور ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم بھی اپنی بندگی کی حیثیت کے مطابق وہی صفات اختیار کریں چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ تخلوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ۔ (۲۹۴)

آیئے اب اسلام کی چیدہ چیدہ اخلاقی تعلیمات بھی دیکھ لی جائیں۔

اسلام میں اخلاق دو قسم کے ہیں

(۱) فضائل اخلاق

(۲) رذائل اخلاق

فضائل اخلاق سے مراد اچھی عادات جن کو اپنا کر انسان زیور انسانیت سے اراستہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس رذائل اخلاق یہ وہ میرے افعال یا عادات ہیں جو انسانوں کو زیب نہیں دیتے وہ شرف انسانیت کے لائق نہیں۔

پہلے اخلاقی فضیلتوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

صدق

اخلاقی فضائل میں صدق اوّل درجے کی حیثیت رکھتی ہے سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں اخلاقی خوبیوں کی سر فہرست ہونے کی حیثیت جس فضیلت کو حاصل ہے وہ میرے خیال میں سچائی ہے اس ایک فضیلت کے نیچے منطقی اور نفسیاتی نتیجہ کے طور یہ بہت سی اہم اخلاقی فضیلتیں آجاتی ہیں۔(۲۹۵)

صدق کے معنی عام طور پر سچائی یعنی صرف سچ بولنے کے ہی لئے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں اس میں قول کے ساتھ ساتھ عمل کی ہر طرح کی سچائی بھی شامل ہے سید سلیمان ندوی نے سچائی کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور قرآن و حدیث سے ان کی وضاحت کی ہے۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی۔

امام غزالی اس کی اہمیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں صدق اخلاص کے قریب قریب ہے اس کا بڑا درجہ ہے جو شخص کمال صدق کو پہنچتا ہے اسے صدیق کہتے ہیں۔ (۲۹۷)

صدق صفات ربانی سب سے بڑی صفت ہے۔ خدا سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ قیامت کے وعدہ کے سلسلہ میں اللہ آپ فرماتا ہے۔

ومن ا صدق من اللّٰہ حدیثا۔ (۲۹۸)

اور کون اللہ سے زیادہ سچا۔

اللہ تعالیٰ نے سچوں کا ساتھ دینے کا حکم دیا۔

وکونوا مع الصدقین۔ (۲۹۹)

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

جو مسلمان ایمان کے ساتھ خدا کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں وہ سچے ہیں۔ یہ عمل کی سچائی۔

انما المومنون الذین امنوبا اللّٰہ ورسولہ ثم لم یر تابوا و جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ اولیك ھم الصدقون۔ (۳۰۰)

مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (کسی طرح کا) شک نہیں کیا اللہ کے راستے اپنی جان و مال سے جہاد کیا یہی سچے لوگ ہیں۔

نبوت کے بعد انسانیت کا پہلا درجہ کمال یہی ہے۔ ذیل کی ایت میں نبی کے بعد صدیق کا نام لیا گیا۔

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰیك مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبین والصدقین والشھداء والصلحین وحسن اولٰیك رفیقا۔ (۳۰۱)

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ (جنت میں) ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کئے نبی اور صدیق اور شہید اور (ذوسرے) نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں۔

امانت دیانت

انسانی لین دین میں امانت دیانت خاص اہمیت کا حامل ہے۔ امانت کا مادہ ا م ن ہے

الامن : اصل میں امن کا معنی نفس کے مطمئن ہونا کے ہیں امن امانة اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔ (۳۰۲) ایک منفی اعتبار کرنے کے بھی ہیں۔ (۳۰۳) امانت سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جس کا جس کسی پر جتنا ہو اس کو پوری دیانت سے رتی رتی دے دے اسی کو عربی میں امانت کہتے ہیں۔ (۳۰۴)

اللہ تعالیٰ انسان کو کائنات کی خلافت اور نیابت سپرد کی اس کو امانت کہا۔

انا عرضنا الا مانة علی السموت والارض ر الجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها و حملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً۔ (۳۰۵)

ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شبہ وہ ظالم اور نادر ہے۔

اکثر انبیاء نے اپنی امت کو اپنے بارے میں اس صفت آگاہ کیا۔

انی لکم رسول امین۔ (۳۰۶)

میں تمھارے لئے امانت دار قاصد ہوں

نیک مسلمانوں کی امانت صفت بتائی گئی ہے۔

والذین هم لامنتهم و عهد هم راعون۔ (۳۰۷)

اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عہدہ اور حق کو امانت کہا ہے۔ جو اہل لوگوں کو سپرد کرنی چاہیے۔

ان اللّٰه یا مرکم ان تو دوا الامنت الی اهلها۔ (۳۰۸)

"بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دیا کرو اگر کوئی کسی کے پاس کوئی چیز رکھنے کو دے تو اسے پوری پوری جوں کو توں واپس کرنی چاہیے۔

فلیئود الذی او تمن امانتهٗ لیتق اللّٰه ربه۔ (۳۰۹)

تو جو امین بنایا گیا اس کو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کردے اور چاہیے کہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے۔

امانت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ رقم جائیداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں بلکہ ہر مالی قانونی اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے اگر کسی کی کوئی چیز آپ کے پاس رکھی ہے تو اس کے مانگنے پر یا یوں بھی اس کو جوں کا توں دے دینا امانت ہے اگر کسی کا کوئی حق آپ پر باقی ہے تو اس کو ادا کرنا بھی امانت ہے کسی کا کوئی بھید آپ کو معلوم ہے تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے کسی مجلس میں آپ ہوں اور کچھ باتیں آپ دوسروں کے متعلق وہاں سن لیں تو انکو اسی مجلس تک محدود رکھنا اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ وہنگامہ کا باعث نہ بنانا بھی امانت ہے کسی نے آپ سے اپنے نج کے کام میں مشورہ مانگا تو اس کو سن کر اپنے ہی تک محدود رکھنا اور اس کو اپنے جانتے صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے اگر کوئی کسی کام پر نوکر ہے تو اس کو اس نوکری کی شرائط کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے وہ انجام دے تو یہ بھی امانت ہے اگر کوئی کسی کا آٹھ گھنٹے کا نوکر ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ وقت چرا لیتا ہے یا بے سبب سستی کرتا ہے یا دیر سے آتا اور وقت سے پہلے چلا جاتا ہے تو یہ بھی امانت کے خلاف ہے۔ (۳۱۰)

عدل و انصاف

عدل کے معنی مساوات کسی چیز کو ہم وزن یا برابر حصول میں تقسیم کرنا ہے۔ عدل عدل ہم معنی ہیں لیکن عدل کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

اول عدل ذلك صياماً۔ (۳۱۱)

یا اس کے برابر روزے رکھنا

اور عدل و عدیل کے الفاظ ان چیزو ں کے لئے بولے جاتے ہیں جن کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق ماپ تول یا وزن سے ہوتا ہے۔ غرض عدل کے معنی دو چیزوں کے برابر ہونے کے لئے ہے آیت شریفہ ہے

ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان۔(۳۱۲)

اس میں عدل سے مراد برابر کا بدل دینا ہے۔ نیکی کی جزا نیکی کے موافق اور برائی کی سزا برائی کے مطابق اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ خیر کا بدلہ زیادہ ہو اور شر کا کم۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں کہا گیا ہے۔

”از روئے اشتقاق یہ اصطلاح اسم ذات اور اسم صفت دونوں شکلوں میں استعمال ہوتی ہے لیکن معنوں کے اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں ہم ذات کے طور پر عدل کے معنی انصاف یا داد رسی ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے آتے ہیں اسم صفت کے طور پر لفظ عدل خاص طور ایک فقہی تصور کو ظاہر کرتا ہے جس میں بہت سے پہلوؤں کو سمویا گیا ہے الماوردی کے خیال کیفیت عدل یعنی عدالتہ کو اخلاقی اور دینی کمال کی ایک حالت بتایا گیا۔ ابن رشد کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ انسان کبائر کا مرتکب نہ ہو اور صغار سے بھی اجتناب کرے اس اسم صفت کو اسم ذات کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی نیک اخلاق رکھنے والا شخص لئے جاتے ہیں۔ (۳۱۴)

اور علامہ فیومی مصباح یہ فرماتے ہیں عدل کے معنی ہیں معاملات میں میانہ روی سے کام لینے کے یہ جور کے خلاف ہے۔ عدل فی امرہ عدلاً اور عدل علی القوم عدلا باب ضرب سے مستعمل ہے عدل الشی بالکسر جو جنس میں یا مقدار میں اس شے کی مثل ہو۔ (۳۱۵)

ابن فارس کہتے ہیں عدل وہ ہے جو جنس اور مقدر میں برابر ہو اور عدل بالفتح وہ ہے جو غیر جنس میں اس شی کا قائم مقام ہو چنانچہ اوعدل ذلک صاماً میں عدل سے یہی مراد ہے یہ بھی دراصل مصدر ہے جب ایک چیز کو دوسری چیز کے مثل اور اس کا قائم مقام کردیا جائے تو بولا جاتا ہے۔ عدلت ھذا بھذا (میں نے اس کو برابر کر دیا) اس معنی میں یہ باب ضرب ہی سے آتا ہے۔(۳۱۶) سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں عدل کے وہ معنی بھی ہیں جن میں ہم اس لفظ کی اپنی زبان میں بولتے ہیں یعنی جو بات ہم کہیں جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۳۱۷)

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک عادل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ

حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے اور اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

واللّٰہ یقضی بالحق۔ (۳۱۸)

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

یہ عدل عمل کی طرف اشارہ ہے دوسری ایت ہے

واللّٰہ یقول الحق۔ (۳۱۹)

اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے عدل قولی کو ظاہری کرتا ہے۔ ذیل کی ایت میں ان دونوں باتوں کو جمع کیا گیا۔

و تمت کلمۃ ربك صدقا و عدلاً۔ (۳۲۰)

"اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہو گی"۔ اللہ تعالیٰ کا انصاف تمام کائنات میں موجود ہے۔ وہ اپنی بادشاہت پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے اور یہی بات اس کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔

شھد اللّٰہ انه لااله الا ھوولملئکة و اولوا العلم قائماً بالقسط۔ (۳۲۱)

"خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے وہی خدا انصاف کے ساتھ قائم ہے"۔ معلوم ہوا نظام عدل زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے یہ تمام کارخانہ قدرت عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت جامع ایت میں نیکیوں کا حکم دیا ہے۔ اس میں سرفہرست عدل و انصاف ہے۔

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان۔ (۳۲۲)

اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

پھر اس حکم کو دے کر معاملہ ختم نہیں کر دیا۔ بلکہ زندگی کے اہم شعبوں میں اسے نافذ کرنے کو کہا۔

معاشرتی اور خاندانی زندگی میں اس کی اہمیت پر اس طرح زور دیا۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم۔ (۳۲۳)

پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیویوں سے) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی (بیوی کرنا) یاد جو (لونڈی) تمہارے قبضہ میں ہو۔

حقوق نسواں کے ساتھ بے سہارا والد سے محروم یتیموں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا حکم دیا۔

وان تقوموا للیتمیٰ بالقسط

اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

معاشی زندگی میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت لین دین خرید و فروخت میں پڑتی ہے اسی لئے فرمایا۔

واوفوا الکیل و المیزان بالقسط۔(۳۲۵)

اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا پورا دو۔

عدالتی امور میں اس کی خاص طور پر ضرورت پڑتی ہے۔ عدالت کے مختلف پہلوؤں پر اس کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا کہ تحریر دستاویز کے متعلق فرمایا۔

والیکتب بینکم کاتب بالعدل۔ (۳۲۶)

"اور (تمہارے دستاویز کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے"۔ گواہی یا شہادت انصاف کا خاص خیال رکھو۔

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ۔ (۳۲۷)

اور (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو توگو (فریق مقدمہ اپنا) قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہو انصاف (کا خیال) رکھو۔

عدالتی امور میں انصاف کا جو معیار اسلام نے دیا اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

والایجر منکم شناں قوم علی الاتعدلوا ۔ اعدلوا هوا قرب للتقوی۔ (۳۲۸)

"کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل سے نہ روکے انصاف کرو یہ پرہیز گاری سے قریب تر ہے" ایک اور سخت اور آزمائش کے موقعہ پر انصاف کا حکم دیا۔

یایها الذین امنوا کونوا قوٰمین بالقسط شهداء للّٰه ولوعلی انفسکم اوالوالدین ولاقربین
فلا
ان یکن غنیا اوفقیر فاللّٰه اولی بهما تتبعوا الهوی ان تعدلوا وان تلو او تعرضو فان اللّٰه

كان بما تعملون خبيرا۔ (۳۲۹)

اے لوگوں جو ایمان لائے انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین اور رشتہ دار پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے گھسی پٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

جس معاشرہ میں عدل و انصاف نہ ہوگا وہاں انسان اور حیوان کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے۔ خدا کا عذاب ان ظالم قوموں کو گھیر لیتا۔

وماكنا مهلكی القری الا و اهلها ظالمون۔ (۳۳۰)

ہم بستیوں کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں جب بستی والے ظلم کی راہ چلیں۔

نبی آخری الزماں ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عدل اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔

وامرت لاعدل بينكم۔ (۳۳۱)

"اے نبی کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں"۔ ان تمام ایات سے عدل کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں مثلاً اخلاق، معاشرت، عدالت، سیاست، معیشت پر حاوی ہے۔

صبر

الصبر کے معنی ہیں۔

(۱) کسی کو تنگی حالت میں روک رکھنا چنانچہ صبرت والدابۃ کے معنی ہیں میں نے جانور کو چارہ کھلائے بغیر باندھ رکھا"۔ کسی مصیبت پر نفس کو روک رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے یہ جزع کی ضد ہے۔

(۲) جرات و شجاعت : جنگ میں نفس کو روک رکھنا شجاعت کہلاتا ہے۔ اس کی ضد جبن (بزدلی) ہے۔

(۳) پریشانی کو برداشت کرنا۔ یہی صبر اگر کسی پریشان کن حادثہ کو برداشت کرنے کی صورت میں ہو تو اسے رحب الصدر (کشادہ دلی) کہتے ہیں۔ اس کی ضد ضجر (تنگ دلی) ہے۔

(۴) انتظار کرنا۔ انتظار میں صبر لازم ہے بلکہ یہ صبر ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کی کبھی صبر کا لفظ بول کر انتظار کے معنی مراد لے لیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں

فاصبر لحکم ربك۔ (۳۳۲)

"تم اپنے پرودگار کے حکم کے انتظار پر صبر کئے رہو"۔ یعنی کفار پر خدا کے حکم کا انتظار کیجئے۔ یہ لفظ اور رضا و تسلیم کے معنی میں آتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں جہاں یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر فرماتے ہیں۔ فصبر جمیل اب صبر ہی مناسب ہے۔ (۳۳۳)

صبر کی اہل تصوف نے بھی بہت اعلیٰ اور عمدہ تعریف کی ہیں القشیری نے انہیں اس طرح جمع کیا

(۱) تلخی کو برا منہ بنائے بغیر پی جانا (جنید)۔

(۲) محظورات سے دور رھنا۔ قسمت کے صدمات کو خاموشی سے برداشت کرنا تنگی کے وقت کشائش کا اظہار کرنا (ذوالنون)

(۳) صدموں کی حسن ادب کے ساتھ برداشت کرنا (لئن عطاء)

(۴) مصیبت کو بغیر شکوہ و شکایت کے برداشت کرنا۔ صبار وہ ہے۔ جو اپنے آپ کو مصائب سے دو چار ہونے کا عادی بنائے (ابو عثمان)

(۵) کتاب وسنت کے احکام کی تعمیل میں ثابت قدمی صبر ہے۔ (الخواص)

(۶) صبر یہ ہے کہ بیماری کا خیر مقدم صحت کی طرح کیا جائے اللہ سے استواری اور اس کی طرف سے آئی ہوئی آفات و صدمات کا بشاش چہرے اور پر سکون قلب کے ساتھ استقبال کرنا۔ (عمرو بن عثمان)

(۷) صبر وہ گھوڑا ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ (حضرت علیؓ)

(۸) صبر یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت آسائش اور تکلیف دونوں حالتوں میں فرق نہ کیا جائے اور دونوں حالتوں میں دل مطمئن رہے۔(۳۳۴)

قرآن حکیم اور صبر

قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس اخلاقی وصف کو اپنانے اور اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اس کی اہمیت کے لئے ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے۔

اگر نیکی کے راستے پر چلنے میں دشواری ہو تو اس کا علاج صبر بتایا گیا۔ اس سے یہ راہ آسان ہو جاتی ہے۔

وستعینوا بالصبر والصلوہ۔ (۳۳۵)

صبر اور نماز سے مدد لو

مصائب کا مقابلہ صبر سے کیا جاتا ہے۔

فما و ھنوا لما اصابھم فی سبیل اللّٰہ وما ضعفوا وما استکانوا واللّٰہ یحب الصبرین(۳۳۶)

اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

اللہ کی مدداور نصرت صابرین کے ساتھ ہے

واللّٰہ مع الصابرین۔(۳۳۷)

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وبشر الصبرین۔ (۳۳۸)

آزمائش میں اس کی ضرورت اور بھی زیادہ پڑتی ہے۔ مخالفین کے الزامات جھوٹے نشرو اشاعت بھودہ طرز کلام کا مقابلہ صبر سے ہی ہوتا ہے۔

لتبلون فی اموالکم وانفسنکم ولتسمعن من الذین اوتو الکتب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذیً کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الامور۔ (۳۳۹)

"مسلمانوں تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائش پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے" صبر سے کام کرنے والوں ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر ملے گا۔

ولنجزین الذی صبروا اجرھم باحسن ماکا نوا یعملون۔ (۳٤۰)

اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیں گے۔

واصبر فان اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین۔ (۳٤۱)

اور صبر کرو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

آخرت میں صبر کا اجر اس طرح ملے گا۔

والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب۔ سلم علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار۔ (۳۴۲)

ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہے تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔

مومن خدا کی رضا کے لئے صبر کرتا ہے۔ خدا کی فرمانبرداروں میں بڑے بڑے سے نقصان تکالیف برداشت کرتا ہے۔

و الذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم۔ (۳۴۳)

ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر سے کام لیتے ہیں۔

صبر اللہ تعالی کی بہت بڑی دولت ہے یہ جسے نصیب ہوتی ہے وہ نہ قارون کی دولت پر حسرت بھری نظر ڈالتا ہے نہ فرعون کے اقتدار سے متاثر ہوتا ہے بلکہ متوکل بن کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم یوں توجہ دلاتا ہے۔

ولا یلقھا الا الصبرون۔ (۳۴۴)

یہ دولت صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملتی ہے۔

صبر کی عادت کو اپنانا ایک عام آدمی کا کام نہیں بلکہ یہ ایک بہت اعلیٰ ظرف بلند ہمت اور دل گردے کا مالک سیرت و کردار شخص اس رویہ کو اختیار کرتا ہے۔

ولمن صبر و غفران ذلک لمن عزم الامور۔ (۳۴۵)

"البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے"۔

جو لوگ خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلنے میں ہر طرح کی مصائب و شدائد برداشت کرتے ہیں اور راہ حق پر ڈٹے رہتے ہیں ان کو اللہ تعالی اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

انما یوفی الصبرون اجر ھم بغیر حساب۔

صبر کرنے والے کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

عدم تحمل اور بے جا اشتعال شیطان کی اکساہٹ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

واما ینزغنك من الشیطن نزغ فاستعذباالله۔(۳٤۷)

اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔

دعوت و تبلیغ میں صبر خاص اہمیت کا حامل ہے اسی لئے اللہ تعالی نے تمام انبیاء کو اس کی تعلیم دی حضرت ایوبؑ کا صبر مثالی تھا۔ اللہ تعالی نے انھیں صابر پایا۔(۳۴۸) نبی آخر الزماں کو فرمایا گیا کہ جس طرح تمھارے پیش رو انبیاء اپنی قوم کی بے رخی مخالفت مزاحمت اور طرح طرح کی ایذا رسانیوں کا مقابلہ سالہا سال تک مسلسل صبر اور ان تھک جدو جہد کرتے اسی طرح تم بھی کرو۔

فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل ولا تستعجل۔(۳٤۹)

پس اے نبیؐ صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان (کفار) کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔

ولربك فاصبر۔(۳٥۰)

"اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو"

یہ ہے قرآن حکیم میں صبر کا مقام اور فضیلت معلوم ہوا کہ صبر ایک مضبوط اور مستقل صاحب ہمت لوگ کی مشق ہے۔جو مسلمان کے کردار میں زندگی اور اس کے کٹھن راستوں کا سلیقہ و ادب سے گزرنے کا طریقہ ہے یہ پر ہجوم مشکلات ہیبت طوفان پر خطر راستوں پر سفر کرنے کا انداز سکھاتا ہے اسطرح صبر کی بدولت مسلمان زندگی کے نازک نازک اور سخت سے سخت مراحل کو آسانی سے طے کر لیتا ہے اسی لئے قرآن حکیم نے ستر سے اوپر مقامات پر اس کی تاکید کی ہے۔(۳۵۱)

عفو درگزر

عفو آسان حاجت سے زیادہ معاف کر دینا یہ عفا یعفو کا مصدر ہے اور اسم بھی امام راغب لکھتے ہیں کہ العفو کے معنی کسی چیز کو لینے کا قصد کرنے کے ہیں عفوت عنه کے معنی ہیں میں نے اس سے درگزر کرتے ہوئے اس کا گناہ مٹا دینے کا قصد کیا لہذا یہاں اصل میں اس کا مفعول ترک کر دیا گیا اور عن کا متعلق محذوف ہے" ای قصدت ازالة ذنبه ضنا، فاعنه پس عفو کے معنی گناہ سے درگزر کرنا ہے قرآن حکیم ہیں فمن عفا واصلح"۔(۳۵۲)

" مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کرے" ثمه عفونا عنكم(۳۵۳)

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا۔

فاعف عنهم۔(۳٥٤)

تو ان کی خطاء معاف کردو۔ خذ العفو (۳۵۵) (اے محمدؐ) عفو اختیار کرو۔

غرض العفو ہر اس چیز کو کہا گیا ہے جس کا قصد کرنا اور لینا آسان ہو اور بعض نے اس کے معنی درگزر کیجئے کیے ہیں۔(۳۵٦)

امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں واحدیؒ نے کہا ہے کہ عفو کے اصل معنی لغت میں زیادہ ہونے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خذا العفو۔(۳۵۷) یعنی جو زیادہ ہو وہ لے لو اور دوسری جگہ فرمایا حتی عفو یعنی جو ان کی تعداد تھی اس سے زیادہ ہو گئے اور قفال نے کہا کہ عفو کے معنی ہیں جو سہل ہو اور کفاف سے زائد میسر آئے چنانچہ محاورہ ہے خذیا عفالک یعنی جو میسر آجائے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عفوعن الذنب یعنی گناہ معاف کرنے کے معنی بھی اسی سہولت اور آسانی ہی کی طرف راجع ہیں۔(۳۵۸)

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں اپنے شیخ محمد بن طیب فاسی شارح قاموس سے نقل کرتے ہیں۔ عفو کا بغیر گناہ کے نہ ہونا گو عرف ہیں مشہور ہو گیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عفو بمعنی عدم لزوم (لازم نہ ہونا) بھی ہوتا ہے اور اس کے اصل معنی ترک کے ہیں اور اسی پر اس کے سارے معانی گھومتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر مقام اسی کے مناسب ترجمہ کیا جائے گا کہیں سزا نہ دینے کے معنی ہونگے اور کہیں مثلاً لازم نہ کرنے کئے اس کے بعد سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ صفح کے معنی ہیں سرزنش کو چھوڑ دینے کے اور یہ عفو سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ کبھی انسان سزا تو معاف کر دیتا ہے مگر سرزنش نہیں چھوڑتا اور عفو کے معنی ہیں کسی شے کو حاصل کرنے کا ارادہ کرنا اور یہی اس کے اصل معنی ہیں اور اسی پر اس کے سارے معانی گردش کرتے رہتے ہیں ہیں جیسا کہ راغب وغیرہ کی تحقیق ہے نہ کہ ہمارے شیخ نے بیان کیا ہے کہ اس کے اس معنی ترک کے ہیں۔(۳۵۹)

قرآن حکیم اور عفو

عفو کی بدولت دنیا کا کارخانہ چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کی وجہ سے کائنات اور دنیا آباد ہے۔ اسی کی یہ شان غفاری ہے۔

وھوالذی یقبل التوبة عن عبادہ و یعفوا عن السیات۔(٣٦٠)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے۔

وہ گناہوں کے سب تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے لیکن رحمت کے سبب اثر معاف کرتا ہے۔

،ویوبقھن بما کسوا ویعف عن کثیر۔(٣٦١)

(اگر خدا چاہے تو) گناہ گاروں کو ان کے کرتوت کے سبب تباہ کر دے اور بہتوں کو معاف کرتا دے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ اپنے آپ کو غافر (بخشنے والا) پانچ دفعہ غفار اور اتنی ہی دفعہ عفو (معاف کرنے والا) اور ستر سے زیادہ آیتوں میں غفور کہا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی عفو و درگزر کا سمندر کس زور وشور سے جوش مار رہا ہے۔ خدا نے اپنی ساری صفتوں میں سے اپنی ای صفت کی تجلی کا پر تو اپنے بندوں میں پیدا کرنے کی بے پردہ دعوت دی ہے۔(٣٦٢)

او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفوا قدیر۔(٣٦٣)

"یا کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے"

انسان کو اللہ تعالیٰ اس صفت کو اپنانے پر اسطرح بھی زور دیتا ہے۔

ویعفوا و لیصفحوا الا تحبون ان یغفراللہ لکم و اللہ غفور رحیم۔(٣٦٤)

اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی بھی اس خوبی سے اراستہ ہونے کا حکم دیا۔

واذا ماغضبوا ھم یغفرون۔(٣٦٥)

اور جب انہیں غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔(٣٦٦)

وہ غصے کو پی جانے اور لوگوں کو غلطیوں کی معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو انسان کرنے والے ہوتے ہیں۔

انحضورﷺ میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی

فبما رحمة من الله لنت لهم ولوكنت فظا غليظ القلب لانفضو من حولك فاعف عنهم استغفرلهم۔(٣٦٧)

پس اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کردیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔

فتح مکہ کے موقع پر خون کے بیاسوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا۔

لاتشریب علیکم الیوھم۔(٣٦٨)

جاؤ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں

دعوت و تبلیغ میں اس وصف کی اور زیادہ ضرورت پڑتی ہے مخالفین کے اعتراضات ان کی جاہلیت، مخالفت ناگواریوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی موقع کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

خذا العفو وامر با العرف واعرض عن الجھلین۔ (٣٦٩)

(اے نبیؐ) نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

مخالفین یہ چاہتے ہیں کہ نیک لوگ حق کو چھوڑ کر برے راستے پر لگ جائیں دیندار لوگوں کو ایسے موقع پر بھی غصہ اور اشتعال سے منع کیا گیا۔

و دکثیر من اھل الکتب لو یر دونکم من بعد ایمانکم کفارا حسداً من عند انفسھم من بعد مابتین لھم الحق فاعفوا و صفحوا حتی یانی الله یامرہ۔ (٣٧٠)

(مسلمانوں) اکثر اہل کتاب با وجو دیکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے (پھر بھی) اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر تم کو کافر بنا دیں تو معاف کرو اور درگزر کرو۔ یہاں تک کہ خدا اپنا حکم صادر فرمائے۔

جب انسان کی عزت ابرو یا اس کی بچی پر شہرت پر حملہ کیا جائے تو یہ فطری اشتعال کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کے قریبی عزیز تھے وہ بی بی عائشہؓ کی تہمت میں منافقین کے ساتھ شریک ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کی غربت کے سبب مدد کیا کرتے تھے۔آپ نے اس کی مدد سے ہاتھ روکا تو قرآن حکیم کا ارشاد ہوتا ہے۔(٣٧١)

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یو توا اولی لقربی والمسکین والمھجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یعفرالله لکم والله غفور رحیم۔ (۳۷۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب احسان اور کشائش والے ہیں، قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد۔ خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھائیں بلکہ و چاہیے کہ ان کے قصور بخش دیں اور درگزر کریں (مسلمانو) کیاتم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کردے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اسلام نے عفوو درگزر کی تعلیم میں انسانی فطرت اعتدال اور خود داری کو قائم رکھا ہے۔

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون o وجزوا سیئة سیة مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی الله انه لا یحب الظلمین۔ (۳۷۳)

"اور جو ایسے (عزت مند) ہیں کہ جب ان پر (کسی طرف سے) بے جا زیادتی ہوتی ہے تو وہ (واجبی) بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ہے ویسی ہی برائی اس پر (بھی) جو معاف کردے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بےشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ ہمیں بداعمال کی وجہ سے سزا ملتی ہے اور اکثر گناہ سے تو اللہ تعالیٰ درگزر کرتے رہتے ہیں۔

وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوعن کثیر۔ (۳۷۳)

اے گناہ گاروں جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے لئے ہوئے کاموں سے آتی ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔

قتل کی سزا قتل ہے۔ لیکن اگر مقتولین کے وارث معاف کر دیں تو قاتل کی بھی جان بچ سکتی ہے۔

یایھاالذین امنو کتب علیکم القصاص فی القتل الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلك تحفیف من ربکم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم۔(۳۷٤)

اے ایمان والو تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا جاتا ہے آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں۔ ہاں جس کو معاف کر

دیا جائے کچھ بھی اپنے بھائی کی جانب سے تو مطالبہ کرنا چاہیے اچھے انداز میں یہ ایک رعایت اور رحمت ہے تمہارے پرور دگار کی طرف سے۔

حدود اللہ کے نفاذ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ صرف قتل جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ وراثوں کو معاف کرنے کا حق ہے باقی حدود اللہ کو صحیح طریقے سے نافذ کرنا پڑے گا اس میں رعایت نہیں ہو سکتی مثلاً زنا کے بارے میں ارشاد ہے۔

الزانية والنرانی فاجلدوا كل واحدمنهما مائة جلده ص ولا تاخذ كم بهمارافة فی دين الله ان كنتم تومنوں باالله‌واليوم الاخر وليشهد عذابهما طائفة من المومينن۔ (۳۷۵)

زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود ہے۔

عہد کی پابندی

عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول و قرار کے سمجھتے ہیں لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے وہ اخلاق معاشرت مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً شرعاً قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے اور اس لحاظ سے یہ مختصر سے الفاظ انسان کے بہت سے عقلی شرعی قانونی اخلاقی اور معاشرتی فضائل کا مجموعہ ہے۔(۳۷۶)

عہد کے لغوی معنی ہیں قول عہد قرار پیمان معاہدہ امام راغب فرماتے ہیں۔ العھد کے معنی ہیں کسی چیز کی مسلسل نگہداشت اور خبری گیری کرنا۔ اس بناء پر اس پختہ وعدہ کو بھی عہد کہا جاتا ہے۔ جس کی نگہداشت ضروری ہے۔ اور عہداللہ (خدائی عہد) سے مراد کبھی تو وہ صلاحیت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری عقلوں میں راسخ کر دی ہے اور کبھی اس سے مراد وہ احکام ہوتے ہیں جن کا پیغمبروں نے کتاب و سنت کے ذریعہ حکم دیا ہے اور کبھی اس سے مراد وہ عبادات بھی ہوتی ہیں جن کی بجا آوری شرعاً واجب نہ ہو بلکہ ہم اپنی طرف سے اسے اپنے اوپر لازم کریں جیسے نذر وغیرہ چنانچہ ایت

ومنهم من عاهد الله۔(۳۷۷)

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے خدا سے عہد کیا تھا۔

اوکلما عاھدوا عھدنبذۃ فریق منھم۔ (۳۷۸)

ان لوگوں نے (جب خدا سے عہد) عہد واثق کیا تو ان میں سے ایک فریق سے اس کو پھینک دیا

ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل۔ (۳۷۹)

"حالانکہ پہلے خدا سے اقرار کر چکے تھے"۔ میں یہی معنی مراد ہیں۔(۳۸۰)

عدہ کی پابندی یا کسی سے جو قول و قرار کیا جائے اس کو پورا کرنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ اپنی نسبت فرماتے ہیں۔

ان اللہ لایخلف المیعاد۔(۳۸۱)

اللہ تعالیٰ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے

وعد اللہ ۔ لایخلف اللہ وعدہ۔(۳۸۲)

اللہ کا وعدہ ہوا ہے اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں اس کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف حیثیتوں سے آیا ہے۔ ایک مقام نیکی کے درمیان اسے بھی گنوایا ہے۔

ولموفون بعھدھم اذاعا ھدوا۔(۳۸۳)

اور اپنے قرار کو جب قول دیں پورا کرنے والے۔

قرآن حکیم میں کامل ایمان کا وصف بھی اسے بتایا گیا ہے۔

والذین ھم لامنتھم و عھد ھم راعون۔(۳۸٤)

اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں۔

ایک اور مقام پر جنتی لوگوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔

والذین ،ھم لامنتھم وعھد ھم راعون۔(۳۸۵)

اور وہ جو اپنی امانتوں کا اور عہد کا پاس کرتے ہیں۔

عہد کی پاسداری بہت اہمیت کی حامل ہے قیامت کے دن اس کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا ٥ (۳۸٦)

اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی باز پرس ہوگی۔

اس عہد میں ہر قسم کے وعدے اور معاہدے شامل ہیں اگر اسے وسیع طور لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے معنی اس کے اندر آ جاتے ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

حاصل القول منه ان متتفی هذا الاية ان كل عقدو عهد جرى بين انسانيں فانهما يجب عليهما الوفاء۔(۳۸۷)

اللہ کا نام یا قسم کھا کر جو عہد کیا اس کی پاسداری لازم ہے۔

و، اوفوا بعهد الله اذا عاهد تم ولا تنفضوا الايمان بعد تو كيدها وقد جعلتم الله عليكم كفيلا۔ (۳۸۸)

اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے اقرار کرو تو اس کو پورا کرو اور قسموں کو پکی کر کے توڑا نہ کرو اور اللہ کو تم نے اپنے پر ضامن ٹھہرایا۔

سورہ انعام میں عہد الٰہی کو پورا کرنے کو کیا گیا۔ خدائی حکام پر عمل کرنا ضروری ہیں۔ عہدالست کی رو سے ہم نے اس کا اقرار کیا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ سے جس قسم کا ہم اقرار یا عہد کریں اس کی پاسداری کا خیال رکھنا چاہیے۔ چاہے وہ منت و نذر کی شکل میں ہو و یا خدا کی قسم سے ہم نے تسلیم کیا ہو۔

بعهد اللهاوفوا ذلكم وصكتم به لعلكم تذكرون۔ (۳۸۹)

اور اللہ کا قرار پورا کرو یہ اس نے تم کو نصیحت کر دی ہے تاکہ تم دھیان کرو۔

قرآن مجید میں عہد کے قریبی معنوں میں ایک اور لفظ عقد بھی آیا ہے اس کو پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

یاایهاالذین امنو اوفوا بالعقود۔(۳۹۰)

اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو۔

اس عہد میں بھی خالق و مخلوق کے تمام عہد شامل ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں اور اس میں تمام عقد مثلاً عقد بیع۔ عقد شرکت عقد یمین عقد نذر عقد صلح اور عقد نکاح داخل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس ایت کا اقتضاء یہ ہے کہ دو انسانوں کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پائے جائے اس کے مطابق دونوں

پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔(۳۹۱)

مولانا امین احسن اصلاحی اس ایت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں عقد کا لفظ عہد و میثاق کے الفاظ میں عام ہے اس میں قول و قرار قسم اور کسی معاملے میں گواہی کی ذمہ داری سے لیکر اس عہد و میثاق تک جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے سب آگیا۔ چنانچہ اس سورہ میں میثاق شریعت کی پوری تاریخ بھی اس کے تمام نتائج و عواقب کے ساتھ بیان ہوئی۔ قسم اور شہادت کی ذمہ داریاں بھی واضح کی گئی ہیں(۳۹۲)

سید قطب نے اس ایت کے ضمن میں انسانوں اور خالق کے تمام عہد و پیان تفصیل سے بیان کئے ہیں اللہ سے عقد اللہ پر ایمان اس کی الوہیت کی حقیقت کی معرفت اس کے تقاضے پھر اس کی عبودیت کی تقاضے آجاتے ہیں۔ یہاں حضرت آدمؑ سے عہداطاعت خلافت ارضی کی اطاعت الہی، عہدالست۔ بنی اسرائیل کا عہد، اطاعت محمد یہ کا عہد اطاعت (بیعت عقبہ ثانیہ، میثاق مدینہ، بیعت رضوان) انسانوں کے آپس کے عہد رشتہ داروں خاندان سے عہد دوست دشمن کے عہد وغیرہ سے سب پر خوب روشنی ڈالی ہے۔(۳۹۳)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب الادب میں ایک باب تحریر کیا ہے جس کی ایک سرخی یہ بھی ہے۔

"حسن العهد من الایمان"

الحضورﷺ کی بہت ہی مشہور حدیث ہے

لادین لمن لا عهد له۔(۳۹٤)

جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں

یہ قرآن و سنت میں عہد و پیان کی اہمیت و ضرورت ہے۔

بہادری و شجاعت

اسلام نے بہادری اور شجاعت کو ایک خوبی قرار دیا۔ طاقت یا قوت بذاتہ خود کوئی بری چیز نہیں اس کا موقع پر استعمال اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔ اس وصف کو جائز کاموں، مظلوموں کی مدد، حق کی سربلندی باطل کو مٹانے کے لئے بروئے کار لایا جائے تو یہ لائق تحسین ہے۔ یہ ہی جو ہر مسلمان کوفریضہ

جہاد ادا کرنے پر ابھارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جو سختیوں کو جھیلتے ہیں مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں اور حالت جنگ میں ثابت قدم رہیں۔

والصبرين فى الباساء والضراء حين الباس اولئك الذين صدقوا واوليك هم المتقون۔(۳۹۵)

اور جو سختی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں اور وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی متقی ہیں۔

ایک اور ایت میں مسلمانوں کے میدان جنگ میں بہادری کی تعریف اس طرح کی گئی۔

يايهاالذين امنوا اذا لقيتم الذين كفروا زحفاً فلا تولوا هم الادبار۔(۳۹۶)

اے ایمان والو! جب تم کافرو سے میدان جنگ میں مقابل ہو تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ۔

يايهاالذين امنوا اذا لقسيتم فئة فاثبتوا۔(۳۹۷)

اے ایمان ! جب تم کسی دستہ سے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو۔

قرآن حکیم نے بزدلی کی مذمت کی ہے غزوہ بدر میں کچھ مسلمانوں پر جنگ کا خوف طاری تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ نقشہ کھینچا۔

كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون۔(۳۹۸)

گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

سورہ احزاب میں منافقین کی بزدلی کی مذمت الفاظوں میں کی گئی۔

فاذا جاء الخوف رايتهم ينظرون اليك تدور اعينهم كالذى يغشى عليه من الموت۔(۳۹۹)

جب ڈر کا وقت آئے تو ان کو دیکھے کہ تیری طرف ٹکر ٹکر کر دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں گردش کھاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی آجائے۔

اسلام نے مسلمانوں میں بہادری اور شجاعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے کچھ نظریات یا عقائد کی بنیاد رکھی ہیں۔

(۱) کامیابی کا دارومدار لوگوں کی قلت و کثرت پر منحصر نہیں بلکہ تائید ایزدی اور نصرت خداوندی پر

مبنی ہے۔

(۲) موت کا وقت مقرر ہے۔

(۳) شہادت کی موت بہت بڑا اعزاز ہے۔

تعداد کی قلت و کثرت

تعداد کی کمی بیشی دولت ایمان کے آگے کوئی حیثیت اور مقام نہیں رکھتی ایمان و یقین کی قوت اور فضل خداوندی کامیابی و نصرت کی کنجی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کم من فئة قليلة غلبت فئہ كثيرة باذن الله۔(٤٠٠)

کتنی بار چھوٹا دستہ خدا کے حکم سے بڑی فوج پر غالب آ گیا۔

ولن تغنی عنكم فئتكم شيا و لوكثرت وان الله مع المومنين۔(٤٠١)

اور تم کو تمہارا جتھا جھکا کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ تعداد میں بہت ہو اور اللہ ایمان والو کے ساتھ ہے۔

موت کا وقت مقرر ہے

اسلام کا عقیدہ ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اس لئے جرات کے کام کرنے میں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔

وماكان لنفس ان تموت الاباذن الله كتبامو جلا۔(٤٠٢)

کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔

قل لوكنتم فی بيوتكم لبزالذين كتب عليهم القتل الی مضا جهم۔(٤٠٣)

ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتا ہے۔

يايهاالذين امنوا لاتكونوا كا الذين كفروا و قالوا لاخوا نهم اذا ضربوا فی الارض اوكانوا غزی لو كانوا عندنا ماماتوا و ماقتلوا۔ ليجعل الله ذلك حسرة فی قلوبهم۔ والله يحی ويميت۔(٤٠٤)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر

جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوں کا سبب بنا دیتا ہے ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے۔

این ماتکونوا یدر ککم الموت ولوکنتم فی بروج مشیدہ ○ (٤٠٥)

رہی موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم کسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔

شہادت کا مقام و مرتبہ

اسلام میں شہید کا بہت بلند مقام و مرتبہ ہے وہ خدا کی خوشی، رضا، اجر عظیم اور جنت کا مالک ہوتا ہے اور اس عارضی زندگی کے بدلے اسے حیات لبدی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے گناہوں کے سارے دفتر دل جاتے ہیں۔

ومن یقاتل فی سبیل اللّٰہ فیقتل اویغلب فسوف توتیہ اجرا عظیما۔ (٤٠٦)

جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا وہ غالب ہو تو ہم اس کو ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔

فالذین ھاجروا واخر جوا من دیار ھم واوذوا فی سبیلی و قتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاتھم ولا دخلنھم جنت۔(٤٠٧)

جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتیں ہوں گی۔

والا تقولوا من یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون۔(٤٠٨)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ۔

پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کے اندر خوف خدا پیدا کر کے غیر اللہ کا خوف دلوں سے نکال دیا، اس سے جرات اور بہادری کا جذبہ اجاگر ہوا۔

قرآن میں آتا ہے۔

''اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خوامخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔(۴۰۹)

الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون o الذین امنو وکانوا یتقون۔(٤١٠)

سن لو جو اللہ کے دوست ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقوی کا رویہ اختیار کیا ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔

الذین یبلغون رسلت اللّٰہ ویخشونہ ولا یخشون احدالا اللّٰہ وکفی بااللّٰہ حسیبا۔(٤١١)

جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں او راللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

قال لاتخافا اننی معکما اسمع واری۔(٤١٢)

فرمایا ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

عفت و پاکبازی

عفت و پاکبازی کا تعلق انسان کی عزت و آبرو اور پاکدامنی سے ہے یہ انسان کا وہ زیور ہے جس کی رو سے وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتا ہے اور حفظ فروج (شرم گاہ کی حفاظت) کا مسلسل پاسبان اور نگران ہوتا ہے عوتوں کی عصمت کے لئے قرآن حکیم نے ایک اور محاورہ

حفظت للغیب۔(٤١٣)

پیٹھ پیچھے حفاظت کرنی والیاں بھی استعمال کیا۔ یعنی وہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں اپنی عزت و آبرو کی پوری پوری نگراں ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کی خوبیاں بتاتے ہوئے اس اخلاقی وصف کی یوں توریف کی گئی۔

والذین ھم لفروجھم حفظوں الا علی ازوا جھم اوماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن

ابتغی وراء ذلك فاولیك هم العدون۔(٤١٤)

اور وہ (مسلمان) جو اپنی شرمگاہوں کی پاسبانی کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا اپنے ہاتھ کی مملوکہ (باندیوں) سے تو ان پر کچھ الزام نہیں۔ لیکن جو اس کے علاوہ طلب گار ہوں تو وہی لوگ حد سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

عفت و پاکدامنی خاصہ نبوت ہے نبی اور نبی کا گھرانہ اس عیب سے ہمیشہ پاک رہتا ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ کی والدہ بی بی مریم کی پاکدامنی کی گواہی یوں دی۔

ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا۔(٤١٥)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی شہادت عزیز مصر کی بیوی نے بھی دی۔

ولقد رودته عن نفسه فاسنغصم۔(٤١٦)

اور میں نے اس کو اس سے چاہا تو وہ بچا رہا۔

حضرت یحیٰؑ کے وصف میں فرمایا گیا۔

وسید و حصوراً ونبیا من الصلحین۔(٤١٧)

اور سردار ہوگا اور اپنی قوت شہوانی پر ضبط رکھتا ہوگا اور صالحین میں سے نبی ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام کا گھرانہ عفت و پاکدامنی کا مثالی نمونہ ہوا کرتا ہے۔ پیغمر اسلام محمد ﷺ کے اہل خانہ کی عصمت و پاکبازی کی شہادت اللہ تعالیٰ نے اس طرح دی۔

اولیك مبر ءون ممایقولون لهم مغفرة رزق کریم۔(٤١٨)

ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

اسلانے عفت و عصمت کی حفاظت کا ایسا مضبوط اور شاندار نظام قائم کیا ہے کہ اس میں جہاں جہاں سے بھی رخنہ یا ڈراڑ پڑنے کا اندیشہ پڑنا شروع ہوتا ہے اس نے ابتداء ہی میں وہی بندھ باندھ دیا ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ نگاہوں کو نیچا رکھا جائے۔ عورتیں اپنی خوبصورتی کا اظہار غیروں کے سامنے نہ کریں اور زیوروں کی جھنکار دوسروں کو نہ سنائیں۔ اپنے اوپر چادر لے لیا کریں اپنے گھروں کو لیکر بیٹھا

کریں۔ کوئی بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ کاشانہ نبوت کی خواتین سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت پڑے تو پردوے کی اوٹ سے لو۔ اس میں ہمارے لئے بھی سبق اور نصیحت ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل ایات قابل غور ہیں۔

"اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو اپنے اوپر چادر کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم۔"(۴۱۹)

"نبی کی بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زباں سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ سیدھی بات کرو اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج ودھج نہ دکھاتی پھرو۔(۴۲۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔"(۴۲۱)

"نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔"(۴۲۲)

"اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں او راپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر انہیں رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے انچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ران لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے شوہروں کے بیٹے بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کےبیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں اپنے مملوک وہ زیروست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔"(۴۲۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک

کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔"(۴۲۴)

نکاح بھی عفت و عصمت کی سلامتی کا ذریعہ ہے اس سے ایمان محفوظ رہ سکتا ہے اس سے نگاہ ہوس غلط جگہ پر نہیں پڑتی اور خیالات پاکیزہ رہتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اس طرف خاص توجہ دلائی ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عباد کم وامائکم۔(٤٢٥)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں اور تمہارے لونڈی اور غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کرو۔

اسلام نے قحبہ گری پر پابندی لگا دی۔ عرب میں اسلام سے پہلے عصمت فروشی کا دھندہ عام پایا جاتا تھا۔ بڑے بڑے معزز رئیس اور سردار منافقین عبداللہ بن اُبی جسے نبی ﷺ کی آمد سے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے اس کاروبار میں مصروف تھے۔(۴۲۶) عفت و پاکبازی کے لئے ضروری تھا کہ اس لعنت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

و.لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوة الدنیا۔ ومن یکر ھھن فان اللہ من بعد اکر اھھن غفور رحیم۔(٤٢٧)

اور تمہاری لونڈیاں اگر کسی ایک کی ہو کر رہنا چاہیں تو ان سے دنیا کی زندگی کے عارضی فائدہ کے لئے زبردستی بدکاری نہ کریا کرو اور جو ان کو اس پر مجبور کرے گا تو ان کی بے بسی کے پیچھے اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اسلام معاشرہ بہت ہی پاک صاف فضا کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں اخلاقی گندگی، کی بو نہیں اڑتی اسی لئے یہ حکم اترا۔

والذین یرمون المحضت تم لم یاتوا با اربعة شھداء فاجلدوھم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادہ ابدا وواولیك ھم الفاسقون ٥ الاالذین قابوا من بعد ذلك واصلحواج فان اللہ غفور رحیم۔(٤٢٨)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے

مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں اللہ ضرور (ان کے حق میں) غفور رحیم ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں اس حکم کا منشا یہ ہے کہ معاشرے میں لوگوں کی آشنائیوں اور ناجائز تعلقات کے چرچے قطعی طور پر بند کر دیئے جائیں کیونکہ اس سے بے شمار برائیں پھیلتی ہیں اور ان میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ اس طرح غیر محسوس طریقے پر ایک عام زنا کا ماحول بنتا چلا جاتا ہے ایک شخص مزے لے لے کر کسی کے صحیح یا غلط گندے واقعات دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے دوسرے اس میں نمک مرچ لگا کر اور لوگوں تک انہیں پہنچاتے ہیں اور ساتھ ساتھ کچھ مزید لوگوں کے متعلق بھی اپنی معلومات یا بدگمانیاں بیان کر دیتے ہیں اس طرح نہ صرف یہ کہ شہوانی جذبات کی ایک عام رو چل پڑتی ہے بلکہ برے میلانات رکھنے والے مردوں اور عورتوں کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ومعاشرے میں کہاں کہاں ان کے لئے قسمت ازمائی کے مواقع موجود ہیں۔

شریعت اس چیز کا سدباب پہلے ہی قدم پر کر دینا چاہتی ہے ایک طرف تو وہ حکم دیتی ہے کہ اگر کوئی زنا کرے اور شہادتوں سے اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کو وہ انتہاہی سزا دو جو کسی اور جرم پر نہیں دی جاتی اور دوسری طرف وہ فیصلہ کرتی ہے کے جو شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے وہ یاتو شہادتوں سے اپنا الزام ثابت کرے ورنہ اس پر اسی کوڑے برسادو تاکہ آئندہ کبھی وہ اپنی زبان سے ایسی بات بلا ثبوت نکالنے کی جرات نہ کرتے بالفرض اگر الزام لگانے والے نے کسی کو اپنی آنکھوں سے بھی بدکاری کرتے دیکھ لیا ہو تب بھی خاموش رہنا چاہیے اور دوسروں تک اسے نہ پہنچائے چاہے گندگی جہاں ہے وہیں پڑی رہے اور آگے نہ پھیل سکے البتہ اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو معاشرے میں بےہودہ چرچے کرنے کی بجائے معاملہ حکام کے پاس لے جائے اور عدالت میں ملزم کا جرم ثابت کر کے اسے سزا دلوا دے۔ (۴۱۹)

پاکیزگی اور پاکدامنی اہل ایمان کی شان اور زیور ہے اس کا ذہن پاک صاف خیالات کا مالک ہوتا ہے اور گندے تصورات سوچتا بھی نہیں ہے ان کی فطرت اتنی پاک صاف ہوتی ہے کہ وہ نیک اور پاکدامن عورتوں سے ہی نکاح کرنا پسند کرتے ہیں آوارہ اور بد کردار عورتوں کی طرف ان کا رجحان نہیں ہوتا اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا۔

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے"۔(۴۲۰)

بعض جگہ قرآن حکیم میں عفت و پاکیزگی کے خلاف لفظ فاحشہ استعمال ہوا یہ بہت بڑی برائی کے لئے آیا ہے۔

الا ان یاتین بفاحشة مبینه والتی یا تین الفاحشه من نساء کم (٤٢١)

مگر یہ کہ وہ عورتیں کھلی برائی کریں اور تمہاری عورتوں میں سے جو کھلی برائی کرے۔

عربی میں اس بڑی برائی کا نام زنا ہے قرآن حکیم نے اس ایت میں اس برائی سے روکا گیا ہے۔

ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشه وساء سبیلا۔(٤٢٢)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بیشک یہ بڑی برائی اور برا طریقہ

پھر اللہ تعالی نے اسلامی معاشرہ میں پاکیزہ ماحول پیدا کرنے کے لئے ان لوگوں کے لئے جو اس سوسائٹی کی عزت و حرمت کو خطرہ میں ڈالیں۔مکمل ثبوت فراہم ہونے پر دنیاوی اور قانونی سزا جاری کر دی تاکہ لوگ اس کے خوف سے پاکیزہ اور ستھری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں

الزانیه والزانی فاجلدواا کل واحد منهما مائة جلدة (٤٢٣)

بد کاری کرنے والی عورت اور بد کاری کرنے والے مرد ان میں سے ہرایک کو سو کوڑے لگائیں۔

احادیث میں بھی مسلمان گھرانے کی پاکیزہ تہذیب و تمدن اور عفت و پاکدامنی کا ماحول برپا کرنے کے لئے بہت سے احکام صادر ہوتے ہیں حضور ﷺ نے کسی غیر محرم پر اچانک نظر پڑ جائے تو پہلی نظر تو بغیر ارادہ ہونے کی وجہ سے معاف ہے مگر دوسری بار اس پر نظر ڈالنا جائز نہیں۔ (۴۲۴)

حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماء ایک بار باریک کپڑے پہن کر آئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اسماء جب عورت بالغ ہوجائے تو چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ دیکھنا جائز نہیں (۴۲۵) آپؐ کا حکم ہے کہ مخنث زناں خانوں میں نہ گھومے پھریں۔(۴۲۶) فرمایا کسی کے گھر جاؤ تو اجازت لے پہلے پردہ اٹھا کر اس کے اندر نہ جھانکو کہ اس کے اہل خانہ کی بے پردگی ہو۔(۴۲۷)

یہ بھی ارشاد ہوا کہ گھر کے دروازوں پر پردہ پڑا رہے اگر کسی کے دروازے بند نہ ہوں یا ان پر پردہ نہ ہو اور کوئی اندر گھس گیا تو اس کی ذمہ داری خود گھر والوں پر ہے۔(۴۲۸)

فرمایا کہ کوئی عورت تیز خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے(۴۲۹)

کیونکہ اس خوشبو سے ساتھ گزرنے والوں میں تحریک پیدا ہوئی یہ بھی کیا گیا کہ عورت بیچ راہ سے الگ ہو کر کنارے کنارے چلے (۴۳۰) تاکہ مردوں کی بھیڑ بھاڑ اور دھکوں سے بچے یہ بھی حکم ہوا کہ کوئی مرد کسی غیر عورت کے گھر اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں اکیلا نہ جائے (۴۳۱) اس سے شیطان کو موقع ملتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لیگا جن میں ایک شخص وہ ہوگا جس کو ایک معزز اور حسین عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے یہ کہ کر انکار کر دیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ (۴۳۲)

یہ ہے پاکیزگی اور پاکدامنی اسلامی تصور جب اسلامی معاشرہ اس دولت سے مالا مال ہوتا ہے تو یہ زمین جنت کا نمونہ بن جاتی ہے اور لوگوں کی عزت و عصمت محفوظ ہوجاتی ہے لوگ رات کو آرام کی نیند سوتے ہیں اور دن میں یکسوئی سے اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اسطرح ان کی روزی بڑھتی ہے اور آسمان سے برکتوں کی بارش برسنے لگتی ہے۔

رحم

رحم بھی اسلام کی ایک اہم تعلیم ہے یہ جذبہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اسی کے تحت ایک انسان دوسرے انسان سے ہمدردی مدد تعاون اور بلا اجر نیکی کرتا ہے جب انسان اپنے آپ کو اس رحمت اور نعمت سے محروم کر لیتا ہے تو وہ بے رحم ظالم سنگدل بن جاتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو اپنانے پر بہت زور دیا۔ اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے اللہ کے بعد سب سے معروف مشہور اور اہم و عام نام رحمٰن (بے حد مہربان) اور رحیم (نہایت رحم والا) ہیں مسلمانوں کو ہر اچھا کام کرنے میں رحمان اور رحیم کا نام لینے کا حکم دیا گیا ہے قرآن حکیم کی ہر سورت کا آغاز(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے ہوتا ہے۔ اس تمام کائنات میں خدا کی رحمت جاری و ساری ہے اس کے فرشتے تسبیح کرتے ہوئے ایمان والوں کے دعا کرتے ہیں۔

ربنا وسعت کل شئی رحمة وعلما (٤٣٥)

اے ہمارے پروردگار تو نے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز کو سمالیا ہے مسلمانوں کو اسی دعا کا ورد کرنے کو کہا گیا ہے۔

ربنا امنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیرالرحمین (٤٣٦)

اے ہمارے پروردار ہم ایمان لائے سو ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

واعف عنا واغفرلنا وارحمنا (٤٣٧)

ہم سے درگزر فرما ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اولاد کو والدین کے لئے خدا کی رحمت کی دعا کرکے رہنا چاہیئے

قل رب ارحمهما کما ربیٰنی صغیرا (٤٣٨)

اور یوں دعا کرتے رہنا میرے پرور دگار ان دونوں پر رحمت فرمائے جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں پرورش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولے ہوئی ہیں اور اگر ان میں سے کوئی نادانی سے برائی کر بھی بیٹھے اس کے بعد اسے احساس ہوجائے اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرے تو

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے طفیل اسے بھی معاف کردیتے ہیں۔

واذا جاء ك الزين يوءمنوں بايتنا فقل سلم عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوء ا بجهالة ثمه تاب من بعده واصلح فانه غفور رحيم (٤٣٩)

جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کوئی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔

ایمان اور عمل صالح والے ہی اللہ رحمت کے مستحق ہونگے۔

فاماالزين امنوا وعملوا لصلحت فيد خلهم ربهم فى رحمته۔(٤٤٠)

سوجو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کا رب ان کو انہی رحمت میں داخل کرے گا۔

قرآن حکیم بھی خدا کی رحمت ہے اور جو لوگ اس کو امام اور رہنما مان لیں ان پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی تمام ذہنی نفسیاتی اخلاقی تمدنی بیماریوں کا یہ علاج بھی ہے۔

ونزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمومنين (٤٤١)

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہے۔

نبی آخری الزماں حضرت محمد ﷺ میں یہ وصف درجہ بدرجہ موجود تھا۔

لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ماعنتم حريض عليكم باالمومينين روف رحيم۔(٤٤٢)

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر شان گزرتی ہے تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحم ہے۔

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين (٤٤٣)

اور ہم نے آپکو دنیا جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

امتوں میں حضرت عیسیٰؑ کی امت اور امت محمدیہ میں یہ وصف خاص طور پر موجود تھا۔

وجعلنا فی قلوب الذین اتبعو ہ رافۃ ورحمۃ (٤٤٤)

اورجولوگ ان کے پیرو ہوئے ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔

والذین معہ اشداء علی الکفا رحماء بینھم (٤٤٥)

اور جو لوگ محمد ﷺ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔

یہ اللہ کی رحمت وہ ہے جس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بڑے سے بڑا گناہ گار بھی جب اس سے رجوع کرتا ہے تو اس کی رحمت اور بخشش کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔

قل یعبادی الزین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ(٤٤٦)

آپ کہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

بس رحم اسلام کی بنیادی تعلیم ہے تمام کائنات میں اللہ تعالی کا رحم جاری و ساری ہے وہ خود رحمان و رحیم ہے ان کا آخری رسول رحمۃ للعالمین ہے پھر آخری کتاب قرآن حکیم مومنین کے لئے رحمت ہے اور یاد رہے یہی وہ فطری جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہم مظلوموں کی مدد غریبوں کی اعانت بیماروں کی عیادت کمزوروں کی حمایت کرتے ہیں۔

رذائل

رذائل سے مراد انسان کی وہ بری عادات ہیں جن سے اللہ تعالی نے بچنے کا حکم دیا ہے جنھیں فطرت سلیمہ اور اور اللہ کے نیک بندے ناپسند کرتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں جن کی بدولت انسانی افراد اور جماعتوں کو روحانی اور مادی نقصانات پہنچتے ہیں اور ان کی معاشرت تباہ ہوجاتی ہے بلکہ جب وہ کسی قوم میں عام ہوجاتے ہیں تو پوری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں یعنی اس کی دینی اور دنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدود اور سعادت اور اقبال کا دروازہ اس پر بند ہوجاتا ہے۔

اس قسم کے رذائل کے متعدد اوصافی نام قرآن پاک میں آئے ہیں مثلا اکثر ان کو منکر (نا آشنا) اور فحشاء (بے حیائی) اور کبھی فاحشہ (فحش) سیئہ (برا) سوء (برائی) مکروہ (ناپسندیدہ) عدوان وغیرہ کہا گیا۔

ان ہی لفظوں سے اندازہ ہوگا کہ رذائل سے متصف ہونا کتنا گھنونا اور نفرت کے قابل ہے اور یہ کہ وہ ایسے کام ہیں جو عقل اور شرع دونوں کی نگاہوں میں بد نما ہیں (۴۴۷)

جس طرح فضائل اخلاق کی فہرست ہے اس طرح کچھ اخلاق رذیلہ بھی ہیں ان میں چند پر ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جھوٹ

جھوٹ ایک بہت بڑی برائی ہے بلکہ اور بہت سی برائیوں کی وجہ ہے اس لئے شخص کو اللہ تعالی ہدایت اور اپنے نور سے محروم کر دیتا ہے۔

ان الله لا یهدی من هوا کاذب کفار (٤٤٨)

بے شک اللہ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ہے۔ (اور) حق نہ ماننے والا ہے۔

اللہ کے تمام انبیاء صادق ہوتے ہیں قرآن حکیم میں ان کے اس وصف کو خصوصی طور پر بیان کیا گیا۔

واذ کرفی الکتب ادریس انه کان صدینفا نبیاء ۔(٤٤٩)

اور اس کتاب میں ادریس کا ذکر کر وہ بے شک بڑا سچا نبی تھا۔

واذکر فے الکتب اسمعیل انه کان صادق الوعد (٤٥٠)

اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر ہے بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے دعویٰ نبوت کی صداقت پر ایک نیک دل درباری نے دربار فرعون میں اسطرح تائید کی۔

ان يك كا ذيبا فعليه كاذبهٗ وان يك صادقا يصبكم بعض الذى يعدكم ان الله لا يهدى من هم مسرف كذاب (٤٥١)

اگر یہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو گا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ جو تم کو دیتا ہے بیشک اللہ راہ نہیں دکھاتا جو بے باک جھوٹا ہو۔

قرآن حکیم میں نبوت کی صداقت کی ایک اور دلیل یہ ہے۔

تنزل على كل افاك اثيم يلقون السميح واكثر هم كذبون (٤٥٢)

شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہ گار پر لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔

اسلام میں لعنت کا لفظ بہت سخت اور برا ہے لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دور اور محروم ہونا ہے قرآن پاک میں اس کا مستحق شیطان بتایا گیا ہے پھر یہودیوں کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے لیکن اللہ تعالی جھوٹے پر اتنے ناراض ہوتے ہیں کہ ان پر بھی لعنت فرمائی مباہلہ کے وقت یہ فرمایا کہ دونوں فریق خدا تعالی سے گڑ گڑا کر دعا مانگیں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

ثمه نبهل فنجعل لعنت الله على الكذبين۔ (٤٥٣)

پھر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

لعان کی صورت میں چار دفعہ اپنی سچائی کی قسم کھانے کے بعد پانچوں بار یہ کہنا پڑتا۔

ان لعنت الله عليه ان كان من الكذبين (٤٥٤)

اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

جھوٹ کی ایک قسم علم کو چھپانا بھی ہے۔ ذیل کی آیت اسی قسم کے علم کو پوشیدہ رکھنے پر لعنت کی گئی ہے۔ یہود نے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تورات میں بیان کردہ نشانیوں کا چھپا لیا تھا (۴۵۵) ۔اہل کتاب کتاب الٰہی سے جو ان کے پاس موجود تھی اس بات کا بخوبی علم رکھتے تھے کہ محمد ﷺ کی رسالت برحق ہے اور جن احکام کی وہ تبلیغ کر رہے ہیں وہ صحیح اور برحق ہے مگر وہ ان تعلیمات کو جو اللہ نے ان کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر دی تھیں لوگوں سے چھپاتے تھے (۴۵۶)۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹوں پر لعنت فرمائی

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بنیہٗ للناس فی الکتب اولٰک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللعنون۔ (٤٥٧)

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ علماء یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کی علم کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے لئے ایک محدود طبقے میں مقید کر رکھا تھا اور عامہ خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لئے ہر اس ضلالت اور بدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا اپنے قول عمل سے یا اپنے سکوت سے الٹی سند جواز عطا کرنے لگے اسی سے بچنے کی تاکید مسلمانوں کو کی جا رہی ہے۔ دنیا کی ہدایت کا کام جس امت کے سپرد کیا جائے اس کا فرض یہ ہے کہ اس ہدایت کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے نہ یہ کہ بخیل کی طرح اسے چھپاتے رہے (۴۵۸)۔

منافق بھی جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ اس کی زبان اور دل میں فرق ہوتا ہے۔ کہتا کچھ ہے اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اسی قرآن حکیم فرماتا ہے۔

واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون (٤٥٩)

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

حضور ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۴۶۰)۔

اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والے کے ساتھ اور برائیاں بھی گنوائی ہیں۔

افاکٍ اثیم (٤٦١)

جھوٹ بولنے والا گناہگار ہے۔

کذبٌ کفار (٤٦٢)

جھوٹ بولنے والا (احسان کا حق) نہ ماننے والا

مسرف کذاب (٤٦٣)

بے باک جھوٹا۔

عام جھوٹ تو یہی ہے کہ زبان سے جو کہا جائے وہ دل میں نہ ہو لیکن اس قولی جھوٹ کے علاوہ ایک عملی جھوٹ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کہتا ہے وہ کرتا نہیں۔

بما اخلفو الله ما وعدوهُ و بما کانوا یکذبون (٤٦٤)

اس لئے کہ اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

جھوٹا آدمی قسمیں کھا کھا کر اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مگر یہ جھوٹ اس کو اور برباد کر دیتا ہے۔

و سیحلفون با الله لو ااستطعنا لخر جنا معکم یھلکون انفسھم ط والله یعلم انھم لکذبون (٤٦٥).

اور وہ قسم کھائیں گے کہ ہم کو مقدور ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ لڑائی میں چلتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے اور اللہ کو معلوم ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کا ذکر مشرک کے ساتھ ساتھ ہی کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

فاجتنبوا لرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور (٤٦٦).

بتوں کی گندگی اور جھوٹی بات کے کہنے سے بچتے رہو۔

ہر سنی سنائی بات پر یقین کر کے اسے آگے نہیں پھیلانا چاہئے۔ ایسے شخص کو " جھوٹ کا سننے والا کہا گیا ہے ۔ یہودیوں کی ایک جماعت کے متعلق فرمایا ۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ (٤٦٧)

جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں۔

اللہ کے متعلق جھوٹی بات کہنا اس کا شریک ٹھہرانا اور اس کی اولاد تجویز کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

حالانکہ انبیاء علیھم اسلام حق بات توحید کا سبق دیتے رہے۔ مگر اس کے بعد بھی جو لوگ غلط بات اور جھوٹ پر اڑے رہے ان کا ٹھکانہ جھنم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

فمن اظلم ممن کذب علی الله و کذب بالصدق اذا جاء ہ ط الیس فی جھنم مثوی للکفرین (٤٦٨)۔

پھر اس سے ظالم زیادہ کون جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو ، جب پہنچی اس کے پاس دوزخ میں ٹھکانہ منکروں کا۔

قیامت کے جھوٹے کفار کے چہرے سیاہ ہونگے۔

و یوم القیمة تری الذین کذبوا علی الله وجوههم مسودة (٤٦٩)۔

اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر کہ ان کے چہرے سیاہ ہونگے۔

غرض جھوٹ ایک بہت بری عادت ہے یہ انسان کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ بعض دفعہ غیرارادی طور پر لوگ جھوٹ بولتے ہیں پھر آہستہ آہستہ یہ ان کی عادت بن جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ وہ جھوٹا مشہور ہو جاتا ہے۔ اس کا اعتماد جاتارہتا ہے۔آخروی لحاظ سے بھی یہ بہت گھاٹے کا سودا ہے۔ اسی جھوٹ نے حق کا انکار کر دیا۔ انبیاء کی تکذیب کرائی ۔ قرآنی آیات پر ایمان نہیں لانے دیا۔آخر منکرین اور مکذبیں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبتہ المکذبین (٤٧٠)۔

غیبت

غیبت کی تعریف یہ کی گئی ہے

ان یذکر الانسان غیره بمافیه من عیب من غیر ان احوج الی ذکره (٤٧١)

کسی انسان کی عدم موجوگی میں اس کے عیب کو بیان کرنا جو اس میں موجود تو ہوں مگر اس کا ذکر کرنا اس پر ناگوار گذرے۔

غیبت کی یہ تعریف حدیث رسول ﷺ میں موجود ہے سنن ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہ کی روایت موجود ہے

انهٗ قیل یا رسول الله ما الغیبة قال ذکرک اخاک بما یکره قیل افرایت ان کان فی اخی ما

اقول ؟ قال فان کان فیه ما تقول فقداعتبته وان لم یکن فیه فقدبهته (٤٧٢)۔

رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ غیبت کیا ہے آپؐ نے فرمایا اپنے بھائی کا ذکر کرنا اس طرح سے کہ (اگر وہ ہو) تو اس کو ناگوار ہو کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو تو میں ذکر کروں (تو اس کو غیبت کہیں گے یا نہیں کہیں گے) آپؐ نے فرمایا اگر اس میں وہ عیب ہے جب ہے تو یہ غیبت ہے اور جو اس میں عیب نہ ہو تو تو نے بہتان لگایا۔

غیبت کی تعریف کا پتہ چل جانے کے بعد آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں اس فعل کے متعلق کیا ارشاد ہوا۔

ولا یغتب بعضکم بعضاء ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه واتقوالله ط ان الله تواب رحیم (٤٧٣)

اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

غیبت کی مذمت میں احادیث پر امام غزالیؒ نے ایک باب تحریر کیا۔ ان میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے

لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تغتب بعضکم بعضاً کونوا عبادالله اخواناً (٤٧٤)

آپس میں حسد نہ کرو نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے خطبہ اس زور سے پڑھا کہ گھروں کی عورتوں نے بھی سنا اس میں فرمایا اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے مگر دلوں سے ایمان نہیں لائے مسلمانوں کی غیبت مت کرواور نہ ان کی عزتوں کے درپے ہو جو کوئی اپنے بھائی کی عزت کے درپے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کے درپے ہوتا ہے۔ اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کرتا ہے (۴۷۵)۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات میں آسمان پر گیا تو میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے اس سے نوچ رہے تھے میں

نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت لوٹتے تھے (۴۷۶)۔

ایک اور حدیث ہے کہ ماعز بن مالک کو جب زنا کے جرم میں رجم کی سزا دے دی گئی تو نبی ﷺ نے راہ چلتے ایک صاحب کو اپنے دوسرے ساتھی سے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ اس شخص کو دیکھو اللہ نے اس کا پردہ ڈھانک دیا تھا مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک یہ کتے کی موت نہ مار دیا گیا۔ کچھ دور آگے جا کر راستے میں ایک گدھے کی لاش سڑتی ہوئی نظر آئی۔ حضور ﷺ رک گئے اور ان دونوں اصحاب کو بلا کر فرمایا اتریئے اور اس گدھے کی لاش کو کھایئے ان دونوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اسے کون کھائے گا فرمایا ابھی ابھی آپ لوگ اپنے بھائی کی عزت پر جو حرف زنی کر رہے تھے وہ اس گدھے کی لاش کھانے سے بہت زیادہ بری تھی (۴۷۷)۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری نے غیبت کے نقصانات کے بارے میں بزرگوں کے اقوال جمع کئے ہیں ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ اسلام کی طرف وحی کی کہ جس شخص کی وفات غیبت سے توبہ کرنے کے بعد ہوئی وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور جو غیبت پر اصرار کرتے ہوئے مرا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا (۴۷۸)۔

کہتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس نے ایک منجنیق نصب کر رکھی ہے اور ہر جہت میں اپنی نیکیوں کو اس منجنیق کا نشانہ بنا رہا ہے وہ کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہے کبھی حجازی کی اور کبھی ترکی کی۔ اس طرح وہ اپنی نیکیوں کو تقسیم کر دیتا ہے اور جب اٹھتا ہے تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا (۴۷۹)۔

کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بندے کا اعمال نامہ جب لایا جائے گا اور وہ اس میں کوئی نیکی نہیں دیکھے گا تو کہے گا میری نماز، میرا روزہ، اور عبادت کہاں گئی جواب ملے گا لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے تمہارے اعمال رائیگاں گئے (۴۸۰)۔

کہتے ہیں جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے اس کے نصف گناہ معاف کر دیتا ہے (۴۸۱)۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنے والدین کی کرتا کیونکہ وہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار ہیں (۴۸۲)۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کواس کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور وہ اس میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جا اس نے کبھی نہ کی تھیں تو اسے کہا جائے گا کہ ان غیبتوں کے عوض میں ہیں جو لوگوں نے تیری کیں اور تجھے معلوم بھی نہ تھا (۴۸۳)۔

کسی نے حسن بصریؒ سے کہا کہ فلاں شخص نے تیری غیبت کی ہے تو حسنؒ نے اس کے پاس مٹھائی کی ٹوکری بھجوا دی اور کہلا بھیجا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنی نیکیوں کو ٹوکری مجھے دی ہے اس لئے اس کے بدلے میں یہ بھیج رہا ہوں (۴۸۴)۔

تعریض، تصریح رمز واشارات ،زبان اور آنکھوں کے اشاروں سے بھی کسی کے عیب ظاہر کرنا غیبت ہے۔ قرآن حکیم کی ان آیات میں غیبت کے ایسے ہی طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے۔

همازٍ مشاء بنميم (٤٨٥)

طعنے دیتا ہے چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔

ويل لكل همزة لمزة (٤٨٦)

تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے جو (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ لمز‌ا کے معنی کسی کی غیبت کرنا اس پر عیب چینی کرنا کے ہیں۔

اللمز الاغتباب و تتبع المعاب۔ (٤٨٧)

الھمز کے اصل معنی کسی چیز کو دبا کر نچوڑنے کے ہیں اور اس کے معنی غیبت کرنا بھی آتے ہیں (۴۸۸)۔

ان آیات میں غیبت کے جن مخفی اور دلخراش طریقوں کی مذمت کی گئی ہے ان کی توضیح ترجمہ سے نہیں ہو سکتی۔بلکہ اس کے لئے اہل لغت کی تصریحات پیش نظر رکھنی چاہئیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ همز سامنے اور لمز پیٹھ پیچھے برائی کرنا۔

۲۔ همز خاص طور پر لوگوں کی نسب کی برائی بیان کرنا۔

۳۔ همز ہاتھ کے اشارے سے اور لمز زبان سے غیبت کرنا۔

۴۔ ھمز زبان سے اور لمز آنکھ کے اشارے سے غیبت کرنا۔

۵۔ ھمز برے الفاظ سے ہم نشینوں کی دل آزاری کرنا۔

۶۔ لمز آنکھ ہاتھ پیر اور ابرو کے اشارے سے ہم نشینوں کی برائی بیان کرنا۔

اس کی تشریح سے معلوم ہوا کہ غیبت کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے (۴۸۹)۔

بعض دفعہ دوسرے کی برائی کو بیان کرنے کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے اس میں اپنی انا یا خواہش کو دخل پیش نہیں ہوتا بلکہ بعض ضروری مجبوریوں کے تحت ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک موقع کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے۔

لا یحب الله الجهر باالسوء من القول الا من ظلم (٤٩٠)۔

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے مگر یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

امام غزالیؒ نے اس ضرورت کی چھ صورتیں تحریر کی ہیں۔

۱۔ ظلم کی داد رسی کے لئے غیبت کرنا مثلاً مظلوم حاکم کے پاس اپنے ظلم کی فریاد کر سکتا ہے۔

حدیث شریف ہے لصاحب الحق مقالاً حق والا کچھ کہا ہی کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے کی اصلاح اور برے کو راہ راست پر لانے کے لئے (اسی لئے قرآن حکیم نے کفار اور منافقین کی برائیاں بیان کی ہیں)۔

۳۔ فتویٰ اور مسئلہ طلب کرنے کے لئے جسے حضرت ہندہؓ بن عتبہ نے حضور ﷺ سے اپنے خاوند کی بخیلی کی شکایت کی کہ وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا کہ میرا اور میرے بچوں کا گزارہ ہو سکے تو کیا میں کچھ اس سے چھپاسکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اتنا لے لیا کرو جتنا ضرورت اور مناسب ہو۔

۴۔ اسی طرح فاسق فاجر شریر اور فسادی آدمی کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے کیا تم بدکار آدمی کی خصلت کا بتانے میں برا جانتے ہو؟ تاکہ لوگ اس کی خصلت کے بارے میں جان جائیں اور اس سے محفوظ ہو جائیں۔

۵۔ بعض لوگ ایسے القاب سے مشہور ہو جاتے ہیں جن کا ان میں عیب ہوتا ہے اور پھر وہ ان القاب کا برا بھی نہیں مانتے مثلاً اندھا، لنگڑا، گنجا وغیرہ۔

احادیث کی روایت میں ایسا پایاجاتا ہے مثلاً

روی ابوالزنادعن الدعرج و سلیمان عن الاعمش

۲۔ علانیہ فسق و فجور کرنے والے کی برائیاں کرنا ایسے شخص کی برائی کسی پر مخفی نہ ہو جیسے مخنث یا شراب خور۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فاجر کی کوئی عزت و حرمت نہیں یعنی جو شخص کھلم کھلا بدکاری کرتا ہے اس کو برا کہنے سے ہتک عزت اور غیبت نہیں (۴۹۱)۔

غیبت سے محفوظ رہنے کی تدابیر

قرآن و سنت سے معلوم ہوا کہ غیبت ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہے لیکن ہم ہر روز کسی نہ کسی طرح غیبت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس موذی مرض سے کس طرح بچا جائے۔

اس سے پرہیز کا یہ ایک طریقہ ہے کہ انسان دوسرے کی متعلق بات کرتے ہوئے ذہن میں اس بات کا احساس رکھے کہ اگر میں نے غیبت کی تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا شکار ہونگا۔ اور اس کی مذمت کے بارے میں قرآنی احکام اور احادیث کی وضاحت بھی پیش نظر رہے۔ پھر یہ بھی خیال رکھے کہ اس طرح میری نیکیاں اس کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔

اس سے بچنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے جب کہ غیبت کا خیال آئے تو اپنے عیب اور برائیوں کی فکر کرے اور انہیں دور کرنے میں مشغول ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ یہ شخص اپنی مجبوری اور عادت کی وجہ سے یہ کام کر رہا ہے۔ پھر اپنے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ برائی دور کرے۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ سوچے اگر کوئی شخص میری غیبت کرے تو مجھے کتنا برا محسوس ہو گا اسی طرح اگر میں دوسرے کی غیبت کروں گا تو اسے بھی میری طرح رنج ہو گا۔

اس کا علاج ایک یہ بھی ہے کہ غیبت کرنے والے کو سوچنا چاہئے کہ میں اس کی غیبت کیوں کر رہا ہوں اگر اس پر غصہ نکالنا چاہتا ہے تو اپنی توجہ اس طرف کرے کہ اگر میں کسی پر غصہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر غصہ نکالے گا۔ حدیث میں آتا ہے جس شخص کو غصہ آئے اسے پی جایا کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے سب لوگوں کے سامنے بلا کر ارشاد فرمائیں گے کہ حوروں میں جسے چاہے پسند کر لے (۴۹۲)۔ اور بعض انبیاء علیہم اسلام کے صحیفوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جب

تو غصہ کرے تو مجھے یاد کر لیا کر میں اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد کروں گا یعنی غلطیوں کے سبب تو خراب نہیں ہو گا(۴۹۳)۔

اگر غیبت دوستوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور ان کو خوش کرنے لے لئے تائید کرنے کے لئے کی جارہی ہے تو بہت بڑی خرابی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رہا ہے اور دنیا کی عارضی زندگی میں دوستوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ غرض انسان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہیں لینی چاہئے (۴۹۴)۔

غرض اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور ایمان ہو۔غیبت کے بارے میں قرآنی احکام اور احادیث ہر وقت پیش نظر رہیں۔ اس فعل کا عذاب یاد رہے تو انسان اس موذی مرض سے بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس رذت سے محفوظ رکھے آمین۔

منافقت

النفق کے معنی آرپار ہونے والا کوچہ یا سرنگ جس کے دونوں منہ کھلے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض (٤٩٥)

اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالو۔

اور اسی سے نافقاءُ الیربوع ہے یعنی جنگلی چوہیا اپنے بل کے دہانے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گئی۔ اور اسی سے نفاق ہے جس کے معنی شریعت میں دورخی اختیار کرنے (یعنی شریعت میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا)۔ نفق السراویل پاجامے کا نیفہ (۴۹۶) ابن منظور کہتے ہیں کہ جنگلی چوہا ایسے سوراخ میں داخل ہوا جس کا ایک مدخل ہے اور ایک مخرج ہے۔

نفاق اورمنافقت اصطلاح قرآنی میں اس دو رخی کا نام ہے ۔ بظاہر زبان سے آدمی مومن ہونے کا اقرار کرتا ہے اور دکھاوٹ کی نمازیں بھی پڑھتا ہے۔ لیکن دل میں کافر رہتا ہے اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے ایسے آدمی کو عرف شریعت میں منافق کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر عقیدہ مومنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو دورخی کی یہ بھی ایک شکل ہوتی ہے ایک دروازہ سے آدمی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہوانظر آتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح میں ایسے آدمی کو منافق نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے (۴۹۸)۔

قرآن حکیم میں منافق یا منافقت کی ذہنی اور عملی زندگی کی بہت عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے کہ اس کے دو چہرے ہوتے ہیں۔ وہ نہ ادھر کا ہوتا ہے اور نہ اُدھر کا۔ ایک جماعت کو کہتا ہے کہ میں تمہارے

ساتھ ہوں دوسرے گروہ کو کہتا ہے کہ میں آپ کا آدمی ہوں۔

واذا لقوالذین امنو قالو امنا واذ خلوا الیٰ شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزون (٤٩٩).

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی تو) ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مسلمانوں کو بناتے ہیں۔

مذبذبین بین ذلك لا الی ھولاء ولا الیٰ ھولاء (٥٠٠).

معلق ہورہے ہیں دونوں کے درمیان میں نہ ادھر کے نہ اُدھر۔

قرآن مجید کی مدنی سورتوں میں منافقین کے افعال و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ وہ مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے تیار رہتے تھے اور یہ لوگ دشمنان اسلام کے لئے جاسوسی کرتے تھے (٥٠١)۔ اللہ کی راہ میں مال و جان کی قربانی کا وقت آتا تو بہانے بنا کر کھسک جاتے (٥٠٢)۔ مسلمان مشکل حالات میں ہوتے تو اس کو خوب پھیلاتے تاکہ مسلمانوں میں کمزوری اور بے دلی پیدا ہو چنانچہ جنگ احد کے موقع پر یہی کچھ کیا (٥٠٣)۔ وہ اہل اسلام کی مصیبت کو اپنی مصیبت نہیں سمجھتے بلکہ اس پر مسرت کا اظہار کرتے اور ان کی ناکامی پر خوش ہوتے (٥٠٤)۔ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جو ان کے ہر عمل سے عیاں تھا جسے قرآن مجید نے لفظ مرض سے تعبیر کیا (٥٠٥)۔ یہ لوگ عبادت مثلاً نماز وغیرہ میں بے دلی سے دکھاوے کے لئے شریک ہوتے (٥٠٦)۔ دو چہروں والے تھے ۔مسلمانوں کے سامنے کچھ کفار کے سامنے کچھ۔تذبذب کی زندگی بسر کرے تھے (٥٠٧)۔ بخل ان کا پسندیدہ فعل تھا (٥٠٨)۔ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانا ان کی عادت بن چکا تھا (٥٠٩)۔ جنگ و جہاد میں یا تو شریک نہ ہوتے، موجود ہوتے تو موقعہ ملنے پر بھاگ جاتے اور مسلمانوں کیلئے مشکل حالات پیدا کر دیتے (٥١٠)۔ نذروں اور اپنے وعدوں کا کوئی پاس نہ کرتے بلکہ علانیہ ان کی خلاف ورزی کرتے (٥١١)۔ مختلف شعائر اسلامی کا مذاق اڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا (٥١٢)۔ بظاہر بڑی شان و شوکت کے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں بیکار اور اخلاقی روح سے خالی ہیں (٥١٣)۔ اللہ اور رسول کی دعوت اور بلاوے پر غرور سے سر کو جھٹکتے ہیں اور تکبر کے مارے اپنی جگہ سے

نہیں اٹھتے (۵۱۴)۔

سورہ المنافقون کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے ان نفسیاتی مریضوں کے عمومی رویے کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اوپر کچھ اور اندر سے کچھ ظاہر میں حضور کی رسالت کے بارے میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں مگر دل سے آپؐ کی رسالت کے قائل نہیں ان کے اس رویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ خود تباہ ہوئے ہی تھے اب دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر چلنے سے روکتے اور دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں ان کی اس مذموم روش کی وجہ یہ ہے کہ یہ منافقین ظاہری اقرار ایمان کے بعد دل سے بدستور کفر پر قائم رہے۔ چونکہ انہوں نے یہ رویہ دانستہ اختیار کیا تھا اس لئے ان کی صحیح سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بھی مفقود ہو چکی ہیں (۵۱۵)۔

مذکورہ سورۃ کے آخر میں ایمان لانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان میں کہیں منافقین کی صفات مین سے کوئی صفت پیدا نہ ہوجائے اور منافقت کا ادنی درجہ اللہ سے اخلاص نہ رکھنا اور مال و اولاد میں مشغول ہو کر یاد الٰہی سے غافل ہونا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکنا ہے (۵۱۶)۔

زمانہ رسالت کے منافقین اسلام سے اندرونی بغض وعناد رکھتے تھے اور ان کی دلی ہمدردی کفر کے ساتھ تھی۔ اسلام سے متنفر کرنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان غلط قسم کا پروپیگنڈہ کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان اسلام کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ جاملیں (۵۱۷)۔ منافقین غزوہ احد کے بعد مسلمانوں کے درمیان بددلی پھیلانے لگے وہ کہتے پھرتے کہ اگر ہماری طرح تم بھی میدان جنگ میں نہ جاتے تو تمہارے عزیز و اقارب آج زندہ ہوتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں فرمایا کہ موت کا وقت مقرر ہے اور اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی تو وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل پڑتے (۵۱۸)۔ دراصل ان ہی قسم کے مواقع پر ایمان اور منافقت کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب ایمان چھان پھٹک کر خالص مسلمان بن جاتے ہیں (۵۱۹)۔ اور منافقین اپنی جاہلانہ باتوں کو وجہ سے تاریکی میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قسم کے مخالفانہ رویہ اور نظریات ہ پروپیگنڈے کو جاہلانہ اور لاعلمی کے خیالات کہا ہے (۵۲۰)۔

قرآن حکیم کی ان مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقت ایک ذہنی روگ ہے اس کا اسلامی عقائد پر پختہ یقین نہیں ہوتا وہ گومگو اور پریشان نظریات کا مالک ہوتا ہے۔ اس میں قوت فیصلہ کی

کی ہوتی ہے وہ یہ بھی نہیں سمجھ پاتا کہ کامیاب و کامران کون لوگ ہیں اور میں کن لوگوں کا ساتھ دوں وہ موقع کی تاڑ میں ہوتا ہے اور جس طرف سے بھی ظاہری اور سرسری سی برتری نظر آتی ہے ان کی طرف اپنا وزن ڈال دیتا ہے۔ ان کی خوشامد کرنے لگتا ہے پھر اگر حالات بدل جائیں اور دوسری جماعت کی کامیابی نظر آئے تو ان کی گود میں جا بیٹھتا ہے۔ اس طرح وہ ڈانواں ڈول رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ دراصل اس بیماری کے شکار لوگ عموماً کمزور دل، کم علم اور ضعیف العقیدہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے افراد ہر مقام اور ہر معاشرے میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کی کم ہمتی اور کمزوری کی وجہ سے معاشرہ تنزلی اور بگاڑ کا شکار ہوتا ہے۔ لوگوں کے قدم آگے کے بجائے پیچھے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان کی مذمت کی گئی ہے اور مسلمانوں کو ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ان آستینوں کے سانپوں کو پہچاننے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آئندہ کے لئے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا تھا۔

ولا تصل علی احد منهم مات ابداً ولا تقم علی قبره (۵۲۱)۔

اے نبیؐ ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔

منافقوں کو آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کو جسمانی سزا نہیں دی حالانکہ ان لوگوں نے آپؐ کو اور اسلامی معاشرے کو اندرون خانہ بہت نقصان پہنچایا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کے بارے میں کوئی حکم نازل کیا مگر جب ان کی شرارتیں بہت بڑھ گئیں تو فرمایا۔

یا ایها النبی جاهدالکفار والمنفقین واغلظ علیهم (۵۲۲)۔

(اے نبی) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اس آیت میں کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تو تلوار سے جہاد کیا جائے اور منافقوں کے ساتھ زبان سے کیاجائے یعنی ان سے نرمی ،رفق اور مہربانی کا سلوک نہ روا رکھا جائے (۵۲۳)۔ ان کو اچھی نگاہ سے دیکھا نہ جائے اور معزز مقام نہ دیا جائے روز کی باتوں اور ملکی و ملی سلامتی مشوروں سے دور رکھاجائے۔

رسول اللہ ﷺ کو منافقین کا پتہ بھی تھا اور آپؐ نے کچھ صحابہ جیسے حضرت حزیفہؓ بن یمان کو ان

کے نام بھی بتا دیئے تھے۔ حضرت حذیفہؓ کو اسی لئے "صاحب السر" کہا جاتا ہے(۵۲۴)۔ اور بعض روایات میں متعدد منافقین کا ذکر بھی ہو ہے ۔ طبرانی میں ان کے نام بھی بیان ہوئے ہیں (۵۲۵)۔

رسول اللہ ﷺ نے منافقین کا علم ہونے کے باوجود ان کو اس لئے جسمانی سزا نہ دی کہ لوگ یہ شور نہ مچانے لگیں کہ دیکھو یہ تو اپنے ہی لوگوں کے ساتھ ایسا برا سلوک کرتے ہیں لیکن کوئی شخص اسلامی ریاست میں بغاوت کرے اس کے نظام کو الٹ پلٹ کرے ،فتنہ و فساد برپا کرے تو اس کو سزا دی جاسکتی ہے اور ثبوت ملنے پر اس کو اسلامی ریاست قتل بھی کر سکتی ہے (۵۲۶)۔

احادیث میں بھی منافقوں کی نشانیوں کا ذکر ملتا ہے ۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ منافق کی یہ تین نشانیاں ہیں۔

اذا حدث کذب واذا وعداخلف۔ واذا و تمن خان۔(۵۲۷)

جب یہ بات کہے تو جھوٹ کہے اور جب وعدہ کرے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھیں خیانت کرے ۔

ایک اور روایت ہے آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے اور جن میں ان میں سے ایک پائی جائے اس میں نفاق کی ایک علامت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ جب اسے کسی چیز کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ کہے۔ جب وعدہ کرے تو بے وفائی کرے جب جھگڑا کرے حد سے تجاوز کرے (۵۲۸)۔

صحیح مسلم میں منافق کی علامتیں بیان کرنے کے بعد ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے

وان صام و صلّی وزعم انہٗ مسلم (۵۲۹)

یعنی جس شخص میں یہ عادتیں موجود ہوں وہ پکا منافق ہے اگرچہ روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔

غیظ و غضب

غیظ یا غصہ انسان کی فطرت میں موجود ہے ۔ اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ۔

الغیظ اشد غضب وھوالحرارۃ التی یجدھا الانسان من فوران دم قلبہ (۵۳۰)

الغیظ سخت غصہ ہوتا ہے اور یہ اس حرارت کا نام ہے جو انسان کے دل میں دوران خون کے

تیز ہونے پر پائی جاتی ہے۔اسی کے مترادف ایک اور لفظ الغضب بھی ہے امام راغب نے اس کے معنی یہ تحریر کئے ہیں

الغضب ثوران دم القلب ارادةالانتقام (٥٣١)

انتقام کے لئے دل میں خون کا جوش مارنا غضب ہے۔ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے

اتقوا الغضب فانه جمرة توقد فی قلب ابن آدم ، الم تروا الی انتفاخ او داجه و حمرة عینیه (٥٣٢)

غصہ سے بچو بے شک وہ انسان کے دل میں دہکتے ہوئے انگارے کی طرح ہے تم اس کی رگوں کے پھولنے اور آنکھوں کے سرخ ہو جانے کو نہیں دیکھتے۔

لیکن غضب الٰہی سے مراد انتقام (اور عذاب) ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے

فباء وابغضب علی غضب (٥٣٣)

تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔

وباء وابغضب من الله (٥٣٤)

اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔

غرض غیظ و غضب انسان کی وہ ہیجانی کیفیت ہے جس میں وہ عقل کے بجائے جذبات کا غلام ہو جاتا ہے اور وہ سوچے سمجھے بغیر جذبات احساسات و اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ غصہ کی حقیقت بتاتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں جاننا چاہئے کہ غضب جس کو غصہ کہتے ہیں وہ اس آگ میں ایک شعلہ ہے جس کی صفت یہ آیت ہے

نارالله الموقدة التی تطلع علی الافئدة (٥٣٥)

"اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک پہنچے گی"۔ اور جیسے آگ راکھ میں چھپی رہتی ہے اسی طرح غصہ کی آگ راکھ میں چھپی رہتی ہے اسی طرح غصہ کی آگ دل کی تہوں میں مخفی رہتی ہے اور جس طرح چقماق لگتے ہی آگ ظاہر ہوجاتی ہے اسی طرح یہ آگ بھی کبر کی ادنیٰ چوٹ سے دل میں رہتی ہے، ظاہر ہو جاتی ہے اور ارباب مکاشفہ کو نور یقین سے یہ بات دریافت ہوئی ہے کہ آدمی میں ایک آگ شیطان کی مشابہت کی پائی جاتی ہے پس جو غصہ کی آگ سے جل اٹھتا ہے اور حق سے زائل ہو

جاتا ہے وہ اپنا نسب اور قرابت شیطان کی طرف پکا کرتا ہے۔اس لئے کہ اس نے یہی کہا تھا کہ

خلقتنی من نار و خلقتهٗ من طین (الاعراف ۱۲:۷)

"مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے (آدمؑ) تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ مٹی کی شان یہ ہے کہ ساکن اور وقار سے رہے اور آگ کی شان یہ ہے کہ سلگے اور شعلہ زن ہو کر متحرک و مضطرب ہو۔ پس آدمی میں بھی اگر حرکت و اضطراب وقت غصہ پایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت مٹی سے بنی بلکہ خمیر آگ کا ہے جس سے شیطان بنائے اور غضب کا نتیجہ بغض و حسد ہے۔ ان دونوں سے اکثر لوگ تباہ و برباد ہوئے (۵۳۶)۔

غصہ ایک فطری امر ہے یہ فنا کرنا مقصود نہیں بلکہ اسے قابو میں رکھا جائے اسلام نے اسے ضبط کرنے کا حکم دیا ہے غصہ سے مغلوب نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے زیر کیا جائے۔ قرآن حکیم کہتا ہے۔

والکظمین الغیظ والعافین عن الناس ط واللہ یحب المحسنین (۵۳۷)

"(مسلمان لوگ) غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ سید قطب لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے صرف یہ نہیں کہا کہ اکیلے غصہ کو دبا لیا جائے بلکہ اس سے تو کینہ پیدا ہونے کا ڈر ہے اور دبا ہو غصہ انسان کی اندر کی دنیا کو جھلس دیتاہے اس لئے قرآن کہتا ہے کہ تقویٰ شعار لوگ نہ صرف غصہ کو دباتے ہیں بلکہ جس پر غصہ آتا ہے اسے معاف بھی کر دیتے ہیں اور اس معافی سے تمام غیر پسندیدہ اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور قلب میں نورانیت اور خمیر میں سلامتی و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔خدا ایسے محسنوں کو پسند کرتا ہے (۵۳۸)۔

ایک اور مقام پر کہا گیا

واذا غضبوھم یغفرون (۵۳۹)

اور جب ان پر غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

قرآن حکیم نے غصہ کو قابو میں رکھنے کا یہ طریقہ بتایا۔

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجھلین ہ واما ینرغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ ط انه سمیع علیم (۵۴۰)

معاف کرنے کی عادت ڈال ۔ نیکی کی بات کہہ اور نادانوں سے درگزر کر ۔ اور شیطان کی چھیڑ

تجھ کو ابھار دے تو اللہ کی پناہ پکڑ۔ بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حدیث میں غصہ کے وقت ان کلمات کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے دو صاحبوں میں کچھ باتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک صاحب کو اتنا غصہ آیا کہ چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور رگیں پھول گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا پھر فرمایا مجھے ایسا کلمہ موجود ہے کہ اگر وہ اس کو کہہ لے تو یہ غصہ جاتا رہے اور وہ یہ ہے کہ

اعوذ باالله من الشيطن الرجيم (۵۴۱)۔

اسی سلسلے کی ایک اور آیت ہے

ولا تستوی الحسنه ولا لسيئه ط ادفع باالتی هی احسن فاذا لذی بينك و بينهٗ عداوة كانهٗ ولی حميم ه وما يلقها الا الذين صبروا وما يلقها الا ذو حظ عظيم ه اما ينز غنك من الشيطن نزغ فاستعذ بالله انهٗ هوا لسميع العليم (۵۴۲)

نیکی اور بدی برابر نہیں ۔ برائی کا جواب نیکی سے دے پھر جس کے اور تیرے درمیان دشمنی ہو گی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دوست ،رشتہ والا اور یہ بات ملتی ہے اس کو جو بڑی قسمت والا ہے۔ اور اگر ابھار دے تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ۔تو اللہ کی پناہ پکڑ بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ذیل آیت مین کفار کے غصہ کی مذمت کی گئی ہے اور مسلمانوں کے تحمل سکون و اطمینان کی تعریف ہے۔

اذا جعل الذين كفروا فی قلوبهم الحميه حميته الجاهليه فانزل الله سكينةٗ علی رسولهٖ و علیٰ المومنين (۵۴۳)۔

جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت ٹھا لی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکون نازل فرمایا۔

کفار نے مسلمانوں کو ۶ھ میں عمرے اور بیت اللہ کی زیارت سے حدیبیہ کے موقع پر روک لیا۔ یہی کفار کی جاہلانہ حمیت تھی اس ہٹ دھرمی پر بھی مسلمان مشتعل نہ ہوئے اور بڑے اطمینان اور سکون سے اس معاملہ کو حل کر لیا (۵۴۴)۔

احادیث میں غصہ کو ضبط کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے ، پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے (۵۴۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ ، حضرت عمرؓ، حضرت جاریہ بن قدامہ، حضرت ابو دردا وغیرہ کئی صحابیوں سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کیا کرو اس کو یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو اس نے دوبارہ سہ بارہ عرض کی آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر (۵۴۶)۔ مسند احمد میں ہے کہ ان صاحب کا بیان ہے کہ پھر میں نے دل میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ غصہ حقیقت میں ساری برائیوں کی جڑ ہے (۵۴۷)۔

مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک بار آپؐ نے عصر کی نماز کے بعد صحابہؓ کو کھڑے ہو کر نصیحتیں فرمائیں جن مین ایک یہ تھی فرمایا آدم کے بیٹے کئی طبقوں میں پیدا کئے گئے ہیں ان میں کوئی ایسا ہے جس کو غصہ دیر سے آتاہے اور اتر بھی جلدی جاتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ جس کو غصہ جلدی سے آتا ہے اور جلدی سے دور ہو جاتا ہے۔ تو ان دونوں میں ایک بات کی دوسری بات سے اصلاح ہو جاتی ہے اور کوئی ایسا ہے کہ اس کو غصہ جلدی آتا ہے اور دور بھی بہت دیر سے ہوتا ہے تو ہاں ان میں سب سے اچھا وہ ہے جس کو غصہ دیر سے آئے اور دور جلد ہو جائے اور ان میں سے سب سے برا وہ ہے جس کو غصہ جلد آجاتا ہے اور دور بہت دیرمیں ہوتا ہے ہاں ابن آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس کی آنکھیں لال اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں تو جس کو اپنے غصہ کا احساس ہو اس کو چاہئے کہ وہ زمین سے لگ جائے (۵۴۸)۔

غصہ کو ٹھنڈے کرنے کا ایک اور نسخہ طب نبوی میں اس طرح بتایا گیا ہے ۔ حضور ﷺ نے فرمایا " غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے او آگ کو پانی ٹھنڈا کرتاہے تو جس کو غصہ آئے اس کو چاہئے کہ وضو کر لے (۵۴۹)۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہے تو چاہئے کہ بیٹھ جائے اگر اس سے بھی نہ جائے تو چاہئے کہ لیٹ جائے تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں اس زمین سے پیدا ہوا ہوں اور آخر اسی میں جانا ہے۔ اس عمل سے اپنے نفس کی خاکساری سمجھ میں آجائے گی (۵۵۱)۔

قرآن و حدیث میں غصہ کا علاج بتاتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں آنحضرت ﷺ نے

غصہ کے تین علاج بتائے ہیں ایک روحانی اور دو ظاہری۔ روحانی تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے یعنی یہ کہ چونکہ یہ غصہ شیطان کا کام ہے اس لئے جب غصہ آئے تو فوراً دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ میں شیطان سے بھاگ کر تیری پناہ چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی سنے گا اور شیطان کی اس چھیڑ سے ۔اس کو محفوظ کرلے گا ظاہری طور سے بھی دیکھئے کہ جب کسی مسلمان کو دل سے یقین ہوگا کہ غصہ شیطانی حرکت ہے تو خدا کا نام لینے سے ساتھ وہ اس سے دور ہو جائے گا۔

دو ظاہری علاجوں میں سے ایک تو یہ اہے کہ انسان کھڑا ہو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے ۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ تبدیل ہیئت سے طبیعت مٹ جائے گی اور غصہ کم ہو جائے گا دوسرا علاج یہ ہے کہ وضو کر لے اس سے منشاء یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں گرمی سے خون کادوران بڑھ جاتا ہے۔آنکھیں لال ہو جاتی ہیں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔تو پانی پڑنے سے مزاج میں ٹھنڈک آئے گی اور غصہ کی گرمی دور ہو جائے گی (۵۵۲)۔

غصہ کودور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غصہ کے متعلق قرآن اور احادیث کا ورد کرے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کومارنے کا حکم دیا اورپھر یہ آیت پڑھنے لگے ۔

والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس.......

اسی وقت حکم دیا کہ اسے جانے دو (۵۵۳)۔

دوسرے یہ کہ غصہ کے وقت خدا کے جلال کو بھی پیش نظر رکھے کہ میں اس شخص پر ناراض ہو رہا ہوں۔ کل قیامت میں‌خدا کے غضب سے مجھے کون بچائے گا بعض صحیفوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے آدم زاد جس وقت تو غصہ کرے مجھ کو یاد کر لیا کر جس وقت میں غصہ میں ہوں گا تو تجھے یاد کروں گا اور تباہ کاروں کے ساتھ ہلاک نہ کروں گا (۵۵۴)۔ پھر یہ بھی ہے کہ غصہ کے وقت دوسرے لوگوں کی جیسی بری صورت بنتی ہے وہ بھی پیش نظر رکھے اور سوچنا چاہئیے کہ غصہ ایسی بلا ہے جس پر یہ طاری ہوتا ہے اس کی شکل باؤلے کتے یا درندہ جیسی ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس حلیم، صاحب وقار ، تارک غصہ کی صورت انبیاء اور اولیاء حکماء اور علماء جیسی ہوتی ہے (۵۵۵)۔

غصہ کبر اور تکبر کی وجہ سے بھی آتا ہے۔ متکبر اور مغرور آدمی ذرا سی بات یا معاملے میں جو اس کی عزت اور وقار کے خلاف ہو اس پر بھی غصے ہو جاتا ہے ۔ امام غزالی فرماتے ہیں اس بات کا علاج

فروتنی اور عاجزی ہے۔ آدمی کو سوچنا چاہئے کہ وہ انسان ہے۔ کبریائی تو اللہ کے لئے ہے۔انسان کو تو عاجزی اور انکساری زیب دیتی ہے۔ نیز انسانیت کادارومدار اچھے اخلاق پر مبنی ہے۔نیک اخلاق انسان کو تکبر کی اجازت نہیں دیتے۔ غرض تکبر کا علاج فروتنی ہے (۵۵۶)۔

غصے کو مغلوب کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے نیز خوف خدا اور آخرت کی تیاری کا جذبہ بھی اس مرض سے نجات دلا سکتا ہے۔ حضرت ربیع بن خشیم کو کسی نے گالی دی تو آپ کہنے لگے کہ جنت اور میرے درمیان ایک گھاٹی ہے میں اسے طے کرنے میں مصروف ہوں اگر اس میں کامیاب ہو گیا تو تیری بات کا کوئی ڈر نہیں اگر طے نہ کر سکا تو تمہاری بات میرے متعلق بہت چھوٹی ہے (۵۵۷)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کسی نے برا بھلا کہا آپ فرمانے لگے میرا جو حال تم سے پوشیدہ ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اپنی اصلاح کی فکر میں جناب صدیقؓ پر غصہ ظاہر نہ ہوا (۵۵۸)۔ حضرت مالک بن دینارؒ کو ایک عورت نے ریاکار کہا آپ یہ سن کر فرمانے لگے اے نیک بخت تیرے سوا مجھے کسی نے نہیں پہچانا (۵۵۹)۔

تکبر

امام راغب فرماتے ہیں لفظ اَلتَّکَبُّر کا استعمال دوطرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ فی الحقیقت کسی کے افعال حسنہ زیادہ ہوں اور وہ ان میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو اسی معنی میں اللہ تعالیٰ صفت تکبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

العزیز الجبار المتکبر (٥٦٠)

غالب زبردست بڑائی

دوم یہ کہ کوئی شخص صفات کمال کا دعویٰ کرے لیکن فی الواقع وہ صفات حسنہ سے عاری ہو اس معنی کے لحاظ سے یہ انسان کی صفت بن کر استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا

فبس مثوی للمتکبرین (٥٦١)

متکبروں کا کیا برا ٹھکانہ ہے۔

کذلك یطبع الله علی کل قلب متکبر جبار (القران ٤٠:٣٥)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر سرکش متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تو معنی اول کے لحاظ سے یہ صفات محمودہ میں داخل ہے اور معنی ثانی کے لحاظ سے صفت ذم ہے۔

امام راغب یہ بھی فرماتے ہیں کہ کبھی انسان کے لئے تکبر کرنا مذموم نہیں ہوتا جیسا کہ آیت قرآنی ہیں۔

ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق (٥٦٢)

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر بغیر الحق نہ ہو تو مذموم نہیں (٥٦٣)۔

امام غزالی فرماتے ہیں تکبر کے معنی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر گردانے اور اس سبب سے خوش ہو کر پھولا نہ سمائے جو ہوا اسے پھیلاتی ہے وہی تکبر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

اعوذبك من نفخة الكبر

(اے اللہ میں کبر کی ہوا سے تیری پناہ مانگتا ہوں) آدمی مین جب یہ ہوا بھر جاتی ہے تو دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر تصور کرتا ہے اور انہیں اپنا نوکر سمجھتا ہے (٥٦٤)۔

سید سلیمان ندوی ،فخر و غرور پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں انسان میں جب کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں لیکن جب یہ خیال اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اور لوگوں کو جن میں یہ وصف نہیں پایا جاتا یا کم پایا جاتا ہے اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے تو اس کو کبر اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں (٥٦٥)۔

بڑائی اور برتری کا حق صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے۔ کوئی اور ذات افعال حسنہ میں اس تک نہیں پہنچ سکتی اس لئے کبریائی اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ انسان میں جو کسی حد تک خوبی یا وصف پایا جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتا ہے۔ اور اس کا وہ مقام یا درجہ نہیں ہوتا جو ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور پھر انسان کو اس خوبی کی وجہ سے دوسرے انسان کو حقیر بھی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

قرآن حکیم نے تکبر کی بہت سے مقامات پر مذمت کی ہے۔ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا

فاهبط منها فما يكون لك ان تتكبر فيها فاخرج انك من الصاغرين (٥٦٦)۔

تو اتر یہاں سے تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔ پس باہر نکل تو ذلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے متکبرین کا ٹھکانہ جھنم بتایا ہے۔

الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین (٥٦٧)

کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ؟

ومن یستنکف عن عبادتہٖ و یستکبر فیحشر ھم الیہ جمیعا....... وامالذین استنکفوا واستکبروا فیعذبھم عذاباً الیما (٥٦٨)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے...... اور جن لوگوں نے عار کیا ہو گا اور تکبر کیا ہو گا تو ان کو سخت دردناک سزا دوں گا۔

وقال الذین لا یرجون لقاء نا لولآ انزل علینا الملیئکۃ اور نری ربنا ط لقد استکبروافی انفسھم و عتوعتواً کبیرا (٥٦٩)

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے کا اندیشہ نہیں رکھتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔

فاستکبروا وکانوا وقوماً مجرمین (٥٧٠)

انہوں (قوم فرعون) نے تکبر کیا وہ مجرم قوم تھی

ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم دٰخرین (٥٧١)

جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عن قریب ذلیل ہو کر جھنم میں داخل ہوں گے۔

فاالذین لا یومنون بالاخرۃ قلوبھم منکرۃ وھم مستکبرون (٥٧٢)

تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

انہٗ لا یحب المستکبرین (٥٧٣)

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پیغمبروں کی مخالفت بھی انہی لوگوں نے کی جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے اس طرح عوام اور غریب لوگ ان کو مثالی سمجھ کران کے قدم بقدم چل لئے۔

وبرزو لله جميعا فقال الضعفواللذين استكبروا انا كنا لكم تبعا فهن انتم مغنون عنا من عذاب الله من شي ء ط (٥٧٤)

اور (قیامت کے دن) سب لوگ خدا کے روبرو نکل کھڑے ہوں گے تو (جو لوگ دنیا میں) کمزور تھے (اس وقت) ان لوگوں سے جو بڑی عزت رکھتے تھے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے قدم بقدم چلنے والے تھے تو کیا (آج) تم عذاب خدا میں سے کچھ (تھوڑا سا) ہم پر سے ہٹا سکتے ہو؟

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے مشیروں کے پاس آئے لیکن اسی تکبر اور بالاتری کے نشے میں انہوں نے حق کا انکار کر دیا۔

فاستكبروا وكانوا قوماً علين (٥٧٥)

تو وہ سب شیخی میں آگئے اور وہ سرکش لوگ تھے۔

رسالت کا انکار بھی یہی تکبر تھا اسی وجہ سے وہ کہتے تھے کہ جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہو اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہو وہ قابل اطاعت نہیں۔

فقال الملاء الذين كفروا من قومهٖ مانرئك الا بشر مثلناوما نرئكُ اتبعك الا الذين هم اراذلنا بادی الرى وما نرٰى لكم علينا من فضل بل نظنكم كذبين (٥٧٦)

اس پر ان کی قوم کے سردار (جو ان کو) نہیں مانتے تھے بولے ہماری نظر میں توتم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بس ایک انسان ہوہم جیسے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے،بے سوچ سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے۔ اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جن میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو۔ بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان متکبرین کی بہت ہی مذمت کی ہے۔ ان لوگوں کی یہ ذہنی خرابی تھی کہ دولت ،سیاسی برتری ،قومی لسانی تعصب یا کسی اور وجہ سے اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم نے ان کی برائی بیان کرنے کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں۔عام لفظ تو استکبار اور اس کے مشتقات ہیں بعض مقام پر لفظ عزت بھی استعمال ہوا ہے۔

بل الذین کفروا فی عزة و شقاق (۵۷۷)

لیکن جو لوگ منکر ہیں (ناحق کی) ہیکڑی اور مخالفت میں (پڑے) ہیں۔

بعض جگہ اس سے بھی زیادہ سخت لفظ جبار ان کے لئے آیا ہے۔

کذلك یطبع الله علی کل قلب متکبر جبار (۵۷۸)

اس طرح اللہ تعالٰی ہر مغرور اور جابر (سرکش) کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ۔

مغرور اور گھمنڈ میں مبتلا شخص کے لئے مختال کا لفظ بھی استعمال ہوا۔ یہ لوگ اللہ کی محبت سے محروم ہیں۔

ان الله لا یحب من کان مختالاً فخورا (۵۷۹)

اللہ اس کو پیار نہیں کرتا جو مغرور اور فخار ہو۔

غرور کی صورت کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح بھی ہوا ہے۔ اور اس سے منع کیا گیا۔

انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (۵۸۰)

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔

ولا تصعر خدك للناس ولا تمش فی الارض مرحاء ان الله لا یحب کل مختال فخور (۵۸۱)۔

اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل بے شک اللہ پیار نہیں کرتا جس کو گھمنڈ ہو فخار ہو۔

گناہ گار کی خرابی یہ بتائی گئی

ثانی عطفه (۵۸۲)

اینٹھتا ہوا

غرور کے برعکس تواضع وانکساری کو اللہ تعالٰی نے اپنی خاص عبودیت کی علامت قرار دیا۔

وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض هونا اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلما (۵۸۳)۔

اور رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کرنے لگیں تو ان کو سلام کہیں (اور الگ ہو جائیں)

عام طور پر حسب نسب، مال و دولت، حسن و جمال، طاقت و قوت اور اعوان انصار کی کثرت فخر و غرور کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ اسلام نے صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ تمام چیزیں کبر و غرور کا سبب نہیں۔ حسب و نسب کی برتری کی تردید اس طرح کر دی

یا ایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا (۵۸۴)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

شرافت و عظمت کی بنیاد حسب و نسب نہیں بلکہ سیرت اور کردار ہے۔

ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم (۵۸۵)

اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

مال و دولت کا اپنا ایک مقام ضرور ہے مگر یہ فخر وغرور کا ذریعہ نہیں ۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں (اسلام نے) تمدنی اور اجتماعی ضرورت کے لحاظ سے مال و دولت کی اہمیت کو قائم رکھا اور اسی لحاظ سے اس کی تعبیر قوام اور خیر کے لفظ سے کی۔ مال و دولت کے ضائع کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس کے تحفظ کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے اس کو شہید کا لقب عنایت کیا لیکن اسی کے ساتھ اگر اس کو فخر و غرور کا ذریعہ بنا لیا جائے تو اس کی حقیقت جلوۂ سراب سے زیادہ نہیں (۵۸۶)۔

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو و زینۃ و تفاخرٌ بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد (۵۸۷)۔

(لوگو) خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا اور ظاہری طمطراق اور آپس مین ایک دوسرے پر فخر کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر مال اور اولاد کا خواستگار ہونا (بس یہی کچھ ہے)۔

قوت و طاقت مذہبی سیاسی اور سماجی حالت کو بہتر بنانے کا ایک ذریعہ ہے ۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے یہ ایک قابل ستائش وصف ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لئے اسے انعام بتایا ہے۔

الله الذی خلقکم من ضعفٍ ثم جعل من بعد ضعف قوة (۵۸۸)

اللہ ہی وہ (قادر مطلق ہے) جس نے تم لوگوں کو کمزور حالت سے (جو ماں) کے پیٹ میں ہوتی ہے بنا کھڑا کیا پھر (طفلی کی) کمزوری کے بعد (جوانی کی) توانائی دی۔

اور مسلمانوں کو طاقتور بننے ،نیز سامان جنگ کی قوت سے اراستہ رہنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ طاقت و قوت غرور و تکبر کا ذریعہ نہیں بلکہ اپنی بقا کے لئے ہوتی ہیں۔ اعوان وانصار کی کثرت پر بھی غرور و تکبر نہیں کرناچاہئے ۔ اللہ تعالیٰ کو مال و دولت کے نشے کی طرح یہ غرور بھی پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اشیاء عارضی اور وقتی ہیں ۔ دائمی ذات وہی وحدہٗ لا شریک ہے باقی سب کو فنا ہے۔ سورۃ کہف میں کہا گیا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک شخص تھا جس کو اپنی زمین اور باغات کی مال و دولت پر بہت فخر تھا ۔ اور اس کے ساتھ وہ ایک بڑی جماعت اور جتھے کا مالک تھا ۔ اس عارضی کثرت پر اسے بڑا زعم اور ناز تھا ۔ ایک اللہ کے نیک بندے نے اسے سمجھایا بھی کہ انسان بہت کمزور ہوتا ہے تجھے اس پروردگار سے ڈرنا چاہیئے جس نے تجھے پیدا کیا۔ منی اور نطفے سے تیری ابتدا ہوئی پھر تجھ کو پورا جوان بنا کر کھڑا کر دیا۔ لیکن وہ اپنے غرور و تکبر میں اکڑا رہا آخر اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب الٰہی کے ذریعہ اس کی دولت کو ختم کردیا اور اس کا جتھا بھی کچھ کام نہ آیا۔ اور وہ ہاتھ ملتا رہ گیا (۵۹۰)۔

پس مال و دولت ،طاقت و قوت ، اعوان وانصار ، فخر و غرور کا ذریعہ نہیں گو اپنی بقا حق کی نصرت کے لئے ان کا وجود ضروری ہے۔ اسلام نے ان کی بالکل نفی بھی نہیں کی لیکن ان کے نشے میں دوسروں پر ظلم و ستم کی ممانعت کی گئی اور ان کو فخر و غرور کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔

احادیث میں بھی غرور و تکبر سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ تکبر کی مذمت فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں رائی برابر بھی غرور اور تکبر ہوگا وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا (۵۹۱)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ پچھلے زمانے میں ایک شخص جوڑا پہن کر اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ اور اب وہ قیامت تک اس میں دھنستا چلا جا رہا ہے (۵۹۲)۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص غرور سے اپنا ازار لٹکائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا (۵۹۳)۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث قدسی آنحضرتؐ کی زبان سے بیان ہوئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہمد ہے جو کوئی ان میں مجھ سے نزاع کرے گا اس کو میں

دوزخ میں ڈال دوں گا اور بالکل پروا نہیں کروں گا (۵۹۴)۔

حضورﷺ سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کبر کیا چیز ہے فرمایا اللہ کے حضور گردن نہ جھکانا اور لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھنا (۵۹۵) امام غزالی اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بڑی آڑ ہیں اس سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور آدمی نیک اخلاق سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو اپنی خواجگی و برتری کا خیال غالب ہے وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسرے مسلمانوں کے لئے کبھی پسند نہیں کرے گا اور کسی کے ساتھ عاجزی سے پیش نہیں آسکے گا یہ اہل تقویٰ کی صفت نہیں ایسا شخص کینے اور حسد سے بھی نہیں بچ سکے گا۔غصہ اس پر غالب ہوگا اور زبان کو غیبت سے نہیں بچا سکے گا اس کا دل میل کچیل اور غبار سے آلودہ ہو گا اس لئے کہ جو اس کی تعظیم نہیں کرے گا اس کی طرف سے اپنے دل میں میلا پن کچھ نہ کچھ ضرور لائے گا اور کم سے کم یہ ہے کہ تمام دن خود پرستی اور اپنی شخصیت کو دوبالا کرنے میں مشغول رہ کر وقت ضائع کرے گا فریب و نفاق اور جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور اس طرح لوگوں پر اپنی بالادستی کا سکہ جمانے کی فکر کرے گا (۵۹۶)۔

تکبر کے درجات

تکبر کے درجات یا اقسام بھی ہیں۔ اور وہ یہ تین ہیں تکبر اللہ سے ہوتا ہے یا رسول سے یا بندوں سے۔

پہلا درجہ اللہ سے تکبر کا ہے جیسے نمرود ،فرعون اورابلیس کا تکبر اور ان لوگوں کا تکبر جنہوں نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اللہ کی بندگی سے عار محسوس کی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا لملائکۃ المقربون (۵۹۷)

مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو ۔

تکبر کا دوسرا درجہ رسولوں سے ہے۔ جیسا کہ کفار قریش نے کہا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کا کہنا نہیں مانیں گے۔رسول آسمان سے کوئی فرشتہ آتا ۔اگر انسان بھی ہوتا تو امیر ترین آدمی بنتا نہ کہ یتیم۔

وقالوا لولا نزل هذا القران علی رجل من القریتین عظیم (۵۹۸)۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جنس کے لوگوں سے تکبر کرے اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھے ۔حق بات قبول نہ کرے اور اپنے آپ کو ان سے بہتر خیال کرے ایسا شخص اپنے غرور و تکبر میں حقائق کا انکار کر دیتا ہے۔

واذا قیل لہٗ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم (۵۹۹)

جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اسے اور گناہ پر ابھارتا ہے (۶۰۰)۔

تکبر کے اسباب اور علاج

تکبر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسا شخص اپنی ذات میں دوسروں کے مقابلے میں بڑائی اور خوبی محسوس کرنے لگتا ہے ۔ اور اس کے اسباب امام غزالیؒ مندرجہ ذیل تحریر کرتے ہیں۔

ان میں پہلا سبب علم ہے۔ ایک صاحب علم آدمی اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ ہو کر دوسروں سے بہتر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اپنی عزت و تعظیم چاہنے لگتا ہے۔ اگر لوگ اس کی خدمت مراعات دیکھ بھال تعظیم و عزت نہ کریں تو وہ حیران ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔

افۃ العلم الخیلاء

اپنے آپ کو بڑا جاننا علم کی رفت ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں ایسے عالم کو عالم کہنے سے جاہل کہنا زیادہ بہتر ہے ۔ کیونکہ حقیقت میں عالم تو وہ ہے جو آخرت کی فکر کرے اس کی نجات تلاش کرے۔ اور صراط مستقیم کی باریکیوں کو پہچانے جس نے اس بات کو سمجھ لیا وہ عاجزی اختیار کرے گا اور اپنی عاقبت کی بہتری کیلئے تکبر نہیں کرے گا۔ دوسرا سبب زہد و عبادت میں تکبر ہے۔ ان میں یہ خیال آجاتا ہے کہ ہماری زیارت اور خدمت دوسروں کے لئے باعث برکت ہے اور ممکن ہے کہ ان میں یہ بھی خیال آجاتا ہو دوسرے لوگ گناہگار ہیں ہم تو بخشے ہوئے ہیں۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ جس نے یہ یقین کر لیا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں تو اس نے اپنی عبادت کو غارت کر لیا کیونکہ جہالت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ ایسے شخص کو حضور ﷺ کی یہ حدیث یاد رکھنی چاہئے کہ جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو گا اس پر جنت حرام ہے۔ پس اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اپنے آپ کو تکبر سے بچانے کی ہر وقت فکر ہو۔ اور یہ

بات بھی سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اے بندے اگر تو اپنے آپ کو اپنی نظر میں کچھ نہ سمجھے تو پھر اس کے نزدیک تیری بڑی قدروقیمت ہے اور جو شخص حقائق دین میں یہ بھی نہ سمجھ پائے وہ عالم نہیں جاہل ہے۔

تیسرا سبب حسب نسب کی وجہ سے ہے ۔ ذات کی برتری کا احساس بھی انسان میں تکبر پیدا کرتا ہے۔ ایسے لوگ غصے میں دوسروں سے کہتے ہیں۔ تمہاری کیا حیثیت اور اصل ہے۔ تم میرے مقابلے میں کیا ہو۔ تم اپنی اصلیت پر غور نہیں کرتے۔ اس قسم کا تکبر کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ سب انسان برابر ہیں ۔ اللہ کی مخلوق ہیں۔ ذات برادریوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ پہچان کے لئے ہیں۔ اصل مقام سیرت و کردار کو ہے (۶۰۱)۔

چوتھا سبب حسن و جمال ہے۔ یہ تکبر عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون کے متعلق فرمایا کہ وہ کوتاہ قد ہے۔ تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تم نے غیبت کی ہے اور یہ تم نے اپنے قد پر تکبر کیا ہے۔ اور اگر تم خود ایسی ہوتی تو ایسا نہ کہتی پھر آپ نے اس عورت سے معافی مانگی۔ حسن و جمال وقتی چیز ہے ۔ اور پھر اسے ایک حادثہ یا بیماری ختم کر دیتی ہے۔ چیچک جیسا موذی مرض چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

پانچواں سبب مال و دولت کا نشہ ہے۔ اس پر بھی صاحب دولت فخر کرتا ہے۔ یہ دوسروں کو بھوکا فقیر اور غریب کہتا ہے۔ اور دوسروں سے اس طرح بات کرتا ہے کہ تیرے جیسوں کو تو میں خرید سکتا ہوں۔

یہ فخر بھی بے جا ہے۔ دولت آنی جانی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ اتفاقات امیر کو غریب اور غریب کو امیر بنا دیتے ہیں۔

چھٹا سبب قوت و طاقت ہے۔ اس طرح کمزور لوگوں پر تکبر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ صحت جوانی طاقت سب عارضی چیزیں ہیں۔ اسی طرح شاگرد، مریدین نوکروں کی کثرت باعث فخر ہوتی ہے۔ الغرض آدمی جس چیز کا اپنے حق پر نعمت تصور کرتا ہے۔ اس پر فخر کرنے لگتا ہے۔ چاہے وہ نعمت نہ بھی ہو۔ اسی طرح ایک اور سبب حسد اور عداوت ہے۔ جب کسی سے دشمنی ہو تو اس پر اکڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی ریا بھی تکبر کا سبب بن جاتی ہیں (۶۰۲)۔

غرض انسان کے لئے تکبر کرنا کسی طرح بھی روا نہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متکبر شخص دوسرے انسانوں کو حقیر سمجھ کر ان پر ظلم و ستم کرتا ہے اور پھر گناہ کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور اس برتری کے احساس میں خدا کو بھی بھول جاتا ہے یوں وہ محبت ، مروت ، اخوت،ایثار جیسی بہت سی نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

حسد

حسداً ، حَسَدَ، یَحْسُدُ کا مصدر ہے ۔ امام راغب اس کے معنی لکھتے ہیں

الحسد تمنی زوال نعمةٍ من مستحق لها وربما كان مع ذلك سعی فی ازالنها (٦٠٣)

کسی مستحق نعمت سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنے کا نام حسد ہے۔ بسا اوقات اس میں اس مقصد کے لئے کوشش کرنا بھی شامل ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے

المومن يغبط والمنافق يحسد (٦٠٤)

مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا۔

قرآن حکیم میں ہے۔

حسد من عندانفسهم (٦٠٥)

اپنے دل کی جلن سے۔

ومن شر حاسدٍ اذا حسد (٦٠٦)

اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ حسد کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت ملے اور تجھے بری معلوم ہو اور تو چاہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے۔ احادیث کی رو سے یہ حرام ہے اور اس کے حرام ہونے کہ یہ بھی دلیل ہے کہ اس سے حکم الٰہی کی ناراضی اور خبث باطن کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ جو نعمت ایک انسان کو ملی ہے۔ اس کے چھن جانے کی خواہش زوال باطنی کے سوا کیا ہے لیکن اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت ملے اور دوسرے کے چھن جانیکی خواہش نہ ہو اور اس کی نعمت تمہیں بری بھی نہ لگے تو اسے غبطہ یا منافسہ (رشک) کہتے ہیں نیک اور اللہ کے کاموں میں یہ مستحسن ہے۔ بلکہ واجب ہے

(۶۰۷)۔

سید سلیمان ندوی حسد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص پر اللہ تعالیٰ اپنا کوئی احسان کرے مثلاً اس کو علم و فضل،مال و دولت ،عزت و شہرت یا اور کوئی دینی یا دنیوی نعمت عطا فرمائے تو ان چیزوں کو دیکھ کر اگر کسی دوسرے شخص کے دل میں ان کے حاصل کرنے کو خواہش ہو تو اس کو رشک و منافست کہتے ہیں اور یہ کوئی بداخلاقی نہیں بلکہ دینی امور میں پسندیدہ ہے لیکن اگر وہ ان چیزوں کو دوسرے کے لئے پسند نہ کرے اور اس کی یہ خواہش ہو کہ خدا کی یہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں تو اسی کا نام حسد ہے۔ اور قرآن مجید سے بھی یہی تعریف متبط ہوتی ہے کیوں کہ عہد رسالت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنا خاص احسان یہ کیا تھا کہ ان کو قرآن وایمان کی دولت عطا فرمائی جس کو دیکھ کر مسلمانوں کے حاسد یعنی یہود جلے مرتے تھے (۶۰۸)۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتھم اللہ من فضلہ (۶۰۹)

اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو نعمت عطا فرمائی اس پر حسد کرتے ہیں ۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ایمان کی دولت سے محروم ہو جائیں۔

ود کثیر من اھل الکتب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسد من عند انفسھم (۶۱۰)۔

"(مسلمانو) اکثر اہل کتاب اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کافر بنا دیں"۔حسد کی ایک قسم تو یہ ہے کہ اس میں ایک انسان یہ خواہش کرتا ہے کہ دوسرے کی نعمت چھن جائے۔ چاہے وہ اسے نہ ملے۔ یہ سب سے بدترین قسم ہے۔ منافقین یہی چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی طرح کافر ہو جائیں۔

ودّو لو تکفرون کما کفروا فتکون سواءً (۶۱۱)۔

ان منافقون کی خواہش یہ ہے کہ جس طرح خود کافر ہوگئے اسی طرح تم (سچے مسلمان) بھی کفر کرنے لگو (اور وہ) اور تم (سب) ایک ہی طرح ہو جاؤ۔

دوسری حسد یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص صرف نعمت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اس وقت تک اس کا مالک نہیں ہوتا جب تک دوسرے سے چھن نہ جائے۔ اصل میں اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس سے چھن جائے۔

اس کی مثال یہ ہے

ولا تتمنو ما فضل الله بهٖ بعضکم علی بعض (٦١٢)

اور اللہ نے تم میں سے ایک دوسرے کو برتری دے رکھی ہے اس کی خواہش نہ کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو نعمت کسی کو حاصل ہو بعینہٖ اس کی خواہش کرنا پسندیدہ نہیں ہے اس سے یہ بھی مذموم ہے البتہ اس کے مثل دوسری نعمت کی خواہش کرنا مزموم نہیں اسی لئے فرمایا

واسئلو الله من فضلهٖ (٦١٣)

اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص خود اسی قسم کی نعمت حاصل کرنا چاہے لیکن اس کی یہ خواہش نہ ہو کہ وہ دوسرے سے سلب کر لی جائے۔ یہ بری بات نہیں بلکہ دینی کاموں میں مستحسن ہے ۔ اور شریعت میں اسی کو مسابقت کہتے ہیں (۶۱۴)۔

قرآن حکیم میں مندرجہ بالا آیات کے علاوہ کچھ اور آیات بھی حسد کی مذمت میں مندرجہ ذیل ہیں۔

کفار اور منافقین مسلمانوں سے بغض و عداوت رکھتے تھے ان کی حسد اسطرح ظاہر ہوتی تھی۔

ودّوا ماعنتم قد بدت البغضاء من افواههم و مات تخفی صدورهم اکبر (٦١٥)۔

چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جو ان کے دلوں میں ہے وہ تو (اس سے بھی) بڑھ کر ہے۔

ان تمسسکم حسنه لسوهم وان تصبکم سئية يفرحو ا بها (٦١٦)

(مسلمانو) اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔

بڑے آدمی چھوٹے آدمیوں سے اس بناء پر حسد کرنے لگتے ہیں کہ وہ ان سے آگے نکلنے لگتے ہیں اور وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ غریب آدمی تو ہمارے حلقہ اثر سے باہر جانے لگا ہے۔ اور رب ہمارا مطیع اور فرمانبردار بھی نہیں رہے گا۔ کفار مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے تھے۔

اهولاء من الله علیهم من بیننا (٦١٧)

کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام) کی توفیق دے کر اپنا فضل کیا ہے۔

بعض دفعہ بہت قریبی ساتھی ، بھائی ، عزیز ایک کی کامیابی اور ترقی پر دوسرے سے حسد کرنے لگتے ہیں مثلاً حضرت یوسف علیہ اسلام پر ان کے بھائی حسد کرنے لگے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔

اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا و نحن عصبة (٦١٨)

جب یوسف کے (بے بات) بھائیوں نے (آپس میں) کہا کہ باوجودیکہ ہم (حقیقی) بھائیوں کی بڑی جماعت ہے تاہم یوسف اور اس کا (حقیقی) بھائی ہمارے والد کو ہم اے البتہ بہت زیادہ عزیز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حسد نہ کرنے والوں کی اسطرح تعریف کی ہے۔

ولا یجدون فی صدورھم حاجة مما اوتوا (٦١٩)

اور وہ لوگ جو دوسروں کو ملتا ہے۔ اس کے بارے میں دل میں تنگی نہیں پاتے۔

احادیث میں بھی حسد کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا

ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (٦٢٠)

اور فرمایا

تین چیزیں ایسی ہیں جو ہر کسی میں ہوتی ہیں بدگمانی، حسد اور بری فال۔ آپؐ نے اس کا علاج تجویز فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدگمانی کا جب شکار ہونے لگو تو اس کی تحقیق میں مت پڑو اور اس خیال کو دل سے نکال دو ۔ بدفالی پر اعتماد نہ کرو اور حسد پیدا ہو تو ہاتھ و زبان کو اس پر عمل کرنے سے بچاؤ (۶۲۱)۔

اور فرمایا ،مسلمانو ! تم میں وہ چیز پیدا ہونی شروع ہو گئی ہے جو تم سے پہلے متعدد قوموں کی ہلاکت کا باعث بن چکی ہے وہ چیز حسد اور عداوت ہے (۶۲۲)۔

ابن مسعود نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں ان سے ڈرو اور ان سے بچو ، تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہی نے ابلیس کو اکسایا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کر۔ حرص سے بچو کیونکہ آدم کو حرص ہی نے درخت کا پھل کھانے پر مجبور کیا اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو حسد ہی نے اکسایا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دے (۶۲۳)۔

اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی کو دیکھا جس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ تمہاری عمر کاراز کیا ہے ، جواب دیا میں حسد نہیں کرتا (۶۲۴)۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حاسد سے بڑھ کر کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا کیونکہ حاسد ہمیشہ غم میں رہتا ہے۔ (۶۲۵)

کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ جب تمہارے سامنے آئے تو چاپلوسی کرے اور جب چلا جائے تو غیبت کرے اور جب محسود پر مصیبت نازل ہو تو حاسد خوش ہوتا ہے (۶۲۶)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شر کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت حسد سے بڑھ کر انصاف کرنے والی نہیں اس لئے کہ یہ محسود سے پہلے حاسد کو تباہ کرتی ہے(۶۲۷)۔

کہتے ہیں کہ حاسد جب کسی کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھتا ہے تو پریشان ہوتا ہے اور اس شخص سے کوئی لغزش دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اس لئے حاسد سے بچنا چاہئے اور اپنے امور کو چھپا کر رکھو (۶۲۸)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاسد کو دوست بنانے کے لئے اپنے آپ کو تکلیف نہ دو کیونکہ وہ تمہارا احسان قبول نہ کرے گا (۶۲۹)۔

اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہر قسم کی دشمنی کے مٹ جانے کی امید ہو سکتی ہے مگر اس شخص کی دشمنی نہیں مٹ سکتی جو حسد کی وجہ سے تم سے دشمنی رکھتا ہو (۶۳۰)۔

حسد عام طور پر ہم پیشہ اور ایک جیسا کام کرنے والوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ کہ وہ مجھ سے آگے کیوں نکل رہا ہے۔ ایک تاجر دوسرے تاجر سے حسد کرے گا ۔ ایک تاجر اور ایک عالم میں حسد نہیں ہوگا کیونکہ ان کے کام اور مفادات میں فرق ہے اسی طرح ایک عالم دوسرے عالم پر ایک عابد دوسرے عابد پر حسد اسی وجہ سے کرتا ہے کہ ان سے مشترک بات علم وعبادت ہے۔

اسلام نے انسان کے اس فطری زہر کو جذبہ اخوت کے ذریعہ ختم کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کودرست کرو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اے لوگو جو ایمان لائے ،نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں

ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں ۔آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں،

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ،بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا ۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے (۲۳۱)۔

حضور ﷺ نے بھی حسد سے بچنے کے لئے اخوت کا نسخہ اس طرح بتایا (اے مسلمانو) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حسد ایک بہت ہی بری اخلاقی برائی ہے ۔اس بری خصلت کی وجہ سے ایک انسان مفت کی پریشانی مول لے لیتا ہے۔ اور ہر وقت غم میں شکار ہوتا ہے۔ اس پریشانی میں آدمی کھنچاؤ، سردرد ، شوگر ، بلڈ پریشر کا مریض بن جاتا ہے ۔ کیونکہ یہ بیماریاں غم کا نتیجہ ہی ہوتی ہیں اس طرح ایک شخص اپنے بھائی کو خوشحال دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور جلتا رہتا ہے۔

حاسد دوسری اخلاقی بیماریوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے ۔ وہ اسی جلن کی وجہ سے قطع رحمی اور ترک تعلق کو اپنا لیتا ہے جو شریعت میں ناپسندیدہ فعل ہے۔ وہ قناعت پسند نہیں ہوتا۔ اس کی قوت اور صلاحیت مثبت کاموں کے بجائے منفی کاموں میں صرف ہوتی ہے ۔ پھر حاسد اجتماعی فلاح اور معاشرتی خوشحالی کا دشمن بھی ہوتا ہے وہ معاشرہ کو مفلوک الحال کنگال اور غریب دیکھنا چاہتا ہے ۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں جہاں وہ اپنی آگ اور حسد میں جلتا ہے دوسرے لوگ بھی اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں ۔ یوں معاشرہ حسد بغض ، عداوت اور نفرت کا شکار ہو جاتا ہے۔

تقابلی جائزہ

مسیحیت کی اخلاقی تعلیم کے لئے دیکھئے باب سوئم

یہاں ان کا کچھ تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں تفصیلات اور تشریحات نہیں پائی جاتیں دراصل آپ نے سابقہ انبیاء اور کتب آسمانی کی بھولی ہوئی تعلیمات کو یکجا کیا۔ آپ کی ان تعلیمات کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ تورات موسیٰ ،زبور داؤد ، امثال سلیمان اور دوسرے اسرائیلی صحف کی منتشر اخلاقی تعلیمات کو جمع کردیا۔ مشہور پہاڑی کے خطبہ کو دیکھ کر بھی یہی اندازہ ہوتا ہے ۔ اس میں مندرجہ ذیل اخلاقی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

دل کی غریبی ، حلم ، راست بازی ، رحم ، پاک دلی، صلح ، صبر، عفوودرگزر ، پاکدامنی(۶۳۳)۔ دشمنوں سے پیار (۶۳۴) ربا کی ممانعت (۶۳۵) زنا چوری اور جھوٹی گواہی کی ممانعت، والدین اور پڑوسی کی عزت (۶۳۶)۔

یہ اخلاقی تعلیمات سابقہ کتب آسمانی میں بھی موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے انہیں دوبارہ یادداشت اور تازگی کے اسرائیلیوں کے سامنے پیش کیا۔

اناجیل میں جو چند اخلاقی تعلیمات بیان ہوئی ہیں ان کی تفصیلات اور تشریحات موجود نہیں لیکن قرآن و سنت کی بیان کردہ اخلاقی احکام کے تمام جزئیات اور پہلو کھول کر روشن کر دیئے گئے ہیں ۔ یہ اس لئے کہ یہ تعلیمات اناجیل کی طرح کسی خاص قوم یا زمانہ تک کے لئے محدود نہیں تھیں بلکہ اسلامی تعلیمات عالمگیر ، جامع اور رہتی دنیا کے لئے ہیں یوں تمام انسانی اخلاق کھول کر بیان کئے گئے اسطرح ان پر عمل کرنا بھی آسان ہو گیا۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسیحی اخلاق نے عاجزی ، انکساری تواضع خاکساری فروتنی ،بردباری ، مسکینی ، غریبی ، غمگینی جیسی اقدار کو پروان چڑھایا ۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ مسیحی اخلاق پر یہی اعتراض ہوئے ہیں کہ اس نے صرف کمزوری ، عاجزی خواری اور مسکینی کی تعلیم دی ہے۔ اس سے لوگوں میں عزم بلند ہمتی ، استقلال ، ثبات قدم ، عزت نفس اور خود داری کے جوہر پیدا نہیں ہو سکتے ۔ مگر اسلام نے انسانی اخلاق کا ایسا معتدل نظام دیا ہے جو ہر شخص پر قوم اور زمانہ کے

مناسب اخلاق کے واقف کار جانتے ہیں کہ انسان کے تمام اور فطری ہے۔ قدیم فلسفہ اخلاق کی بنیاد اس کی دو قوتوں پر ہے۔قوت غضب اور قوت شہوت ۔ غضب نام ہے اپنے نفس کے نامناسب امور کے پیش آنے پر ان کی مدافعت کی قوت کا اور شہوت نام ہے نفس کے مناسب امور کے حصول اور طلب کی قوت کا۔ غضب کی قوت کو اگر افراط و تفریط سے پاک ہو ۔اعتدال میں ہو۔ اور عقل کے قابو میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے اور وہ حالات وکیفیات کے لحاظ سے مختلف پیکروں میں جلوا گر ہوتی ہے مثلاً خودداری ،آزادی ، حق گوئی ، بلند ہمتی ، بردباری استقلال ثبات قدم، وقار ، صبر و سکون ، مطالبہ حق جدوجہد ، سعی و محنت جہاد پھر جب بھی قوت اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے تو تہور بن جاتی ہے اور اس سے سلسلہ بہ سلسلہ غرور ، نخوت، خودپرستی ، تکبر دوسروں کی تحقیر ،ظلم ، قتل ، نفس وغیرہ کی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور جب یہ قوت تفریط کی طرف جھکتی ہے تو ذلت پسندی کم حوصلگی بے طاقتی، خوف اور دنائت کے قالب میں ظہور کرتی ہے۔ اسی طرح شہوت کی قوت میں جب کامل اعتدال ہوتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں۔ یہی صفت مختلف سانچوں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے یعنی پاک دامنی ،پرہیز گاری جودوسخا ، شرم و حیا، صبر و شکر قناعت بے طمعی خوش طبعی ترقی کی خواہش نسل و اولاد کی آرزو خانگی مسرت کی مناسب طلب وغیرہ پھر یہ صفت جب افراط و تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے۔ تو اس سے حرص و طمع بے شرمی ، فضول خرچی،بخل، ریا حسد وغیرہ اوصاف ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں (٦٣٧)۔

مسیحیت کے نزدیک کمال اخلاق یہ ہے کہ قوت غضبی اور قوت شہوی کو بالکل فناء کر دیا جائے ۔اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی چپت مارے تو تم اسے دوسرا گال بھی پیش کر دو (٦٣٨) اور نہ یہ کہ دنیا نے روٹھ کر رہبانیت اختیار کر لو بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے ۔ دشمنوں کو معاف کرو ، عفو و درگذر سے کام لو بدلہ لینا ہے تو اسی جیسا لو ،انتقام میں حد سے نہ بڑھ جاؤ ۔

جزاءُ سيئة سيئة مثلها (٦٣٩)

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے

ومن عاقب بمثل ما عوقب به (٦٤٠)

اور بدلہ اتنا ہی جتنی تکلیف پہنچائی گئی تھی ۔

اور خدا کی عنایات ،طیبات اور لذائذ سے فائدہ اٹھاؤ مگر اس میں حد نہ سے نہ بڑھو۔

اسلام نے جہاں رحماء بینھم (آپس میں رحمدل) اور اذلۃ علی المومنین (مومنوں کے فرمانبردار) کی تعلیم دی وہاں اشد اء علی الکفار (کافروں پر بھاری) اور اعزۃ علی الکافرین (کافروں پر گراں) بننے کو بھی کہا۔

مسیحی تعلیم کا ایک سنہری اصول یہ ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔

" تم سن چکے ہو کہ کہا گیا ہے کہ اپنے ہمسائے کو پیار کر اور اپنے دشمن سے کینہ رکھ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو (۶۴۱)۔

بظاہر یہ تعلیم بہت ہی دلکش اور دل پسند ہے لیکن یہ بھی ایک غیر فطری تعلیم ہے۔ دشمن کو معاف کیا جاسکتاہے نیک سلوک بھی کیا جاسکتا ہے۔ دشمن کے لئے دعائے خیر بھی کی جاسکتی ہے مگر دشمن سے پیار اور محبت نہیں ہو سکتا یہ دل کی بات ہے جس پر کسی کو قدرت نہیں یہی وجہ ہے کہ انجیل کے شارحین نے اس حکم کو ناقابل عمل قرار کر دیا (۶۴۲)۔

اسلام نے قابل عمل احکامات سنائے ہیں۔ ہر کوئی ان پر عمل کر سکتا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ انصاف کرو۔ ان کے ساتھ برا سلوک نہ کرو۔ کسی معاملے میں بھی حد سے نہ گزرو ان کا قصور معاف کردو ظالم کے ساتھ بھی انصاف کرو۔

یا ایھاالذین امنوا کونوا قوامین للله شهداء باالقسط ولا یجرمنکم تنان قوم علی الا تعدلوا ط اعدلوا هوا قرب للتقویٰ(٦٤٣)۔

اے ایمان والو خدا کے لئے کھڑے ہو جایا کرو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اور کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل وانصاف کرنے سے باز نہ رکھے۔ انصاف کرو کہ انصاف کرنا پرہیز گاری سے بہت نزدیک ہے اور خدا سے ڈرو۔

ولا تستوی الحسنة ولا لسیة ط ادفع باالتی هی احسن (٦٤٤)

لور بھلائی اور برائی برابر نہیں برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔

کافر اور مشرک اسلام کی نظر میں سب سے بڑے دشمن ہیں لیکن قرآن حکیم ان مخالفین کو بھی معاف اور عفو و درگزر کا حکم دیتا ہے۔

قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام الله لیجزی قوماً بما کانوا یکسبون(٦٤٥)۔

(اے پیغمبر) مسلمانوں سے کہہ دے کہ ان کو جو خدا کے دنوں پر یقین نہیں رکھتے معاف کر دیا کریں تا کہ خدا ایسے لوگوں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔

سید سلیمان ندوی اسلام کے اس پہلو پر کس عمدگی سے روشنی ڈالتے ہیں۔

" اگر (اخلاق کی) عملی مثالیں چاہتے ہو تو وہ ریاکار فریسیوں اور سانپوں اور سانپوں کے بچوں والی مسحت کے واعظ میں نہیں بلکہ اسلام کے اس اولین داعی و واعظ میں ہے کہ جس نے فاتح بن کر ،مفتوح ہوکر نہیں حاکم ہوکر محکوم بن کر نہیں۔ بہ یک دفعہ مکہ کے ہزاروں دشمنوں کومعاف کردیا جن میں سے ہر ایک اس کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا جس نے اس کو معاف کیا ۔ جس نے اس کے قتل یا گرفتار کے لئے اہل مکہ کا اشتہار و انعام سن کر اس کا تعاقب کیا تھا۔ جس نے خیبر میں اپنے زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا تھا جس نے اپنی قرۃالعین کے ایک طرح کے قاتل کو معاف کیا جس نے تنعیم کی وادی میں قریش کے اس گرفتار دستہ کو معاف کی جو اس کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا۔ جس نے نجد کے ایک نخلستان میں جب وہ محو خواب تھا اپنے ایک تیغ بکف حملہ آور کو قابو میں پا کر معاف کیاجس نے ان طائف والوں کے حق میں دعائے خیر کی جنہوں نے اس پر کبھی پتھروں کی وہ بارش کی تھی جس سے اس کے پاؤں خون آلودہ ہوگئے تھے۔ جس نے احد کے میدان میں اپنے چہرہ کے زخمی کرنے والوں کو نیک دعا دی تھی۔ جس نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرنے والوں کو کہا کہ " میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں بلکہ رحمت کے لئے آیا ہوں" صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہا یہ ہے کہ کفار اورمشرکین کے ساتھ معاہدہ کو پورا کرنا تقویٰ کی شان بتائی (٦٤٦)۔پس دشمنوں کو معاف کیا جاسکتا ہے۔ یہی بات انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اسی لئے اسلام نے اس کی تعلیم دی ہے اور دشمنوں سے پیار کرنا انسانوں کے بس میں نہیں یہ مافوق الفطرت چیز ہے۔

فلسفہ اخلاق کا ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اخلاق کا مبداء اور ماخذ کیا ہے؟ اسلام کہتا ہے کہ اخلاق کا مبداء اور مخزن انسان کی اپنی طبیعت اور اس کی فطرت ہے جناب عبدالمنان عمر فرماتے ہیں کہ انسان کی ذات میں اخلاقی قوتوں کا ہجوم اسی وجہ سے ہے کہ وہ خلقی قویٰ کے تابع ہیں اور اس کے فیضان طبیعہ میں اس کی تحریک پائی جاتی ہے۔ یہی صاحب کہتے ہیں کہ اس نکتے کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں

خلق کی تعریف کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا ہے " خلق نفس کی اس ھیئت ناسخہ کانام ہے جس سے تمام اخلاق بلا تکلف صادر ہوں اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تواس کی ھیئت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو خلق بد کہے"۔

اگر اخلاق کا مبداء اور مخزن انسان کے اپنے قویٰ ہیں اور انسان میں بداخلاقی کے مظاہر نظر آتے ہیں تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ بعض جذبات اور قویٰ بذات خود برے ہیں ؟ اسلام نے بتایا ہے کہ انسان کا چشمہ پیدائش گدلا نہیں ، نہ گناہ اور بد خلقی اس کا مایہ خمیر ہے اور اس کی اصل فطرت میں یہ ہدایت اور صحیح الہام ودیعت ہے اور اسے اچھی سے اچھی راستی پر پیدا کیا گیا ہے۔جیسے فرمایا

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (القران ٩٦: ٤)

اسی طرح حدیث میں ہے

مامن مولود الا یولد علی الفطرة فابوٰہ یھودانه او ینصرانه او یمسحانه (بخاری کتاب الجنائز)

انسان کی فطری پیدائش سلامتی پر ہوتی ہے لیکن ماں باپ کی تربیت اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنا دیتی ہے'' گویا انسان اپنی فطرت میں معصوم اور بے داغ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی پیٹھ پر کوئی بوجھ لے کر دنیا میں نہیں آتا نہ اس کی پیدائش دوسری پیدائش کا اور اس کا جنم دوسرے جنم کا نتیجہ ہے۔ اور نہ وہ اپنے پچھلے کرموں کے ہاتھ میں مقید ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کفارہ اور تناسخ جیسے مسائل نہیں ہیں۔ نہ اس میں کسی ابن اللہ کا تصور ہے جو تمام انسانوں کے پیدائشی گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے (٦٤٧)۔

یوں تقابلی مطالعے سے معلوم ہوا کہ اسلام کا نظام اخلاق مفصل مکمل جامع اور وسیع ہمہ گیر ہے ۔ تمام اخلاقی پہلوؤں کو اس میں سمو لیا گیا ہے اور جزئیات تک اس میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ جناب یسوع مسیح نے بہت سے اخلاقی اصول دیئے لیکن انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ کہنے کی ابھی اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن تم میں ان کی برداشت کی طاقت نہیں جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تمہیں سب کچھ بتائے گا (٦٤٨)۔ آخر اسی روح حق کا ظہور قدسی ذات بابرکات نبی اکرم محمد ﷺ کی صورت میں ظہور ہوا اور ایک مکمل اور آخری ضابطہ اخلاق دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

معاشرتی تعلیمات

معاشرتی تعلیمات

معاشرتی (مفاعلۃ) جس کے معنی باہم زندگی گزارنے کے ہیں ایک ساتھ اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے معاشرۃ اور تعاشر (اس سے "عشیرہ" خاندان کے لئے اور "معشر" قبیلہ و گروہ کے لئے) مستعمل ہے (۶۴۹) غالباً ابن خلدون پہلا عالم ہے جس نے معاشرہ کے لئے عمران کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن خلدون نے انسانی سوسائٹی کے لئے الاجتماع الانسانی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

لما کانت حقیقۃ التاریخ انہ خبر من الاجتماع الانسانی الذی ھو عمران العالم (۶۵۰)

تاریخ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انسانی اجتماع کی جو دنیا کی آبادی ہے۔ خبر یا حالات کا نام ہے۔

معاشرہ افراد کی باہمی تعلقات کے تانے بانے کے کو کہتے ہیں۔ معاشرہ انسان مل جل کر بناتے ہیں جو خود بخود وجود میں آتا ہے کیونکہ انسان فطری طور پر معاشرت پسندی اور وہ فطری طور پر گروہی زندگی میں رہتا ہے۔

معاشرے کی مغربی مفکرین اسطرح کرتے ہیں میکائیور (Maciver) کے مطابق معاشرتی ساخت کا وہ نظام جس میں اور جس کی بنیاد پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں معاشرہ کہلاتا ہے۔(۶۵۱) ینگ اور مہک (Young and Mach) کے قول کے مطابق معاشرہ وہ سب سے برا معاشرتی گروہ یا مجموعہ ہے جن میں مشترکہ ثقافتی انداز موجود ہے جس میں مشترکہ ثقافتی انداز موجود ہوں اور جو جملہ بنیادی اداروں کا احاطہ کیے ہوئے ہوں۔(۶۵۲)

گڈنگ (Giddings) کہتا ہے کہ معاشرہ افراد کا ایک گروہ ہے جو مشترک مفاد یا دلچسپی کیلیئے ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہو۔

ان تعریفوں سے معاشرے کے مندرجہ ذیل عناصر اخذ ہوتے ہیں۔

۱ ایک خاص جغرافیائی حدود کا ہونا جس میں افراد رہتے ہیں۔

۲ افراد کا ایک بڑا مجموعہ۔

۳ افراد میں معاشرتی زندگی کا پایا جانا جس میں وہ مل جل کا اپنی ضروریات پوری کرتے ہوں۔

۴ معاشرے کے افراد میں مشترکہ مفاد کے لئے تعاون

اسلامی معاشرہ

اسلام ایک دین کامل اور اجتماعی و انفرادی زندگی کا نہایت جامع اور مکمل دستور ہے اسی لئے اس کا اپنا ایک معاشرتی اور تمدنی نظام ہے۔

اسلامی معاشرے کی حسب ذیل عناصر اور خصوصیات ہیں۔

وحدت نسل انسانی

اسلام کی یہ ایک بنیادی تعلیم ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ اور ایک آدم کی اولاد ہیں یہاں رنگ نسل زبان اور علاقائی تعصب نہیں پایا جاتا بلکہ اس نے مساوات انسانی اور وحدت انسانی کا اعلان کیا۔

یا ایھاالناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔(٦٥٤)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو تم میں سب سے زیادہ باعزت اور فضیلت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوی رکھتا ہے۔

یا یھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا ذوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء۔(٦٥٥)

لوگو اپنے رب سے ڈرو وہ رب جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد دنیا میں پھیلادی۔

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا۔(٦٥٦)

اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں اور وہ باہم جھگڑتے ہیں

وان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا بینھم زبرا کل حزب بما لدیھم فرحون۔(٦٥٧)

یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ڈرو مگر انھوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ہر گروہ اس پر خوش ہے جوان کے پاس ہے۔

ان هذہٖ امتکم امة واحدة وانا ربکم فاعبدون وتقطعوا امر هم بينهم كل الينا
رجعون۔(٦٥٦)

اور یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری بندگی کرو مگر انھوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر دیا سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔

اخوت

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اقوام عالم میں امت مسلمہ ایک برادری کی حیثیت رکھتی ہے دین کے رشتے نے تمام مسلمانوں کو یکجا اور متحد کر دیا ہے۔

انما المومنون اخوة۔(٦٥٩)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں"

" واعتصمو ابحبل الله جميعاً ولا تفرقوا"(٦٦٠)

سب مل کراللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

شرف انسانیت

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کائنات میں وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے یہ تمام جہاں انسان کیلئے بنایا گیا ہے۔ اور اسے ایک بہت بلند مقام عطا کیا گیا ہے وہ نہ تو شودر ہے اور نہ ہی پیدائشی گناہ گار ہے بلکہ قابل احترام اور کائنات کا شاہکار ہے

لقد كرمنا بني آدم حملنهم فى البر والبحر ورزقنا هم من الطيبات وفضلنا هم على كثير ممن خلقنا تفضيلا۔(٦٦١)

ور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی

لقدخلقنا الانسان فى احسن تقويم۔(٦٦٢)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔

واذ قلنا للملائكة اسجدوالادم فسجدوا الا ابليس۔(٦٦٣)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے

واذقال ربک للملائکة انی جاعل فی الا رض خلیفة۔(٦٦٤)

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔

خلق لکم فی الارض جمیعاً۔(٦٦٥)

جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کچھ تمہارے لیے ہیں۔

امر بالمعروف و نھی عن المنکر

اسلامی معاشرے کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے اس میں نیکیاں پروان چڑھی ہیں اور برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے

کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون باالمعروف وتنھون عن المنکر وتو منون باالله۔(٦٦٦)

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون باالمعروف وینھون عن المنکر۔(٦٦٧)

اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

عدل و انصاف

معاشرے کی خوشحالی امن و امان فلاح و بہبود کا انحصار عدل و انصاف پر ہے۔ ظلم معاشرے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اسی لیئے اسلامی معاشرے میں اسی اصول کو اپنانے پر زور دیا گیا۔

ان الله یامر بالعدل والا حسان۔(٦٦٨)

اللہ تعالی عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔(٦٦٩)

اور تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربی۔(٦٧٠)

اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کا پاس کرد خواہ کسی رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ کہنا پڑے۔

ولا یجر منکم شنان قوم علی الاتعدلواعدلوا ھو اقرب للتقوی۔(٦٧١)

اور لوگوں کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

عفت و پاکیزگی

اسلامی معاشرہ عفت و پاکیزگی کے زیور سے اراستہ ہوتا ہے۔ وہ خوف خدا اور آخرت کی باز پرس سے آدمی کے نفس کی اصلاح کرتا ہے یہاں نکاح کی تمام ممکن سہولتیں میسر ہوتی ہیں مردوں اور عورتوں کو بن بیاہے بیٹھے رہنے کو ناپسند کیا گیا پردے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ گھر سے باہر حسن و بناؤ سنگھار کی عام نمائش سے بند کیا گیا اشاعت فحش سے روک دیا گیا ہے قحبہ گری کی قانونی بندش ہے۔ مسلم معاشرہ میں فحش پھلانے والوں کو دنیا اور آخرت درد ناک سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ عورتوں اور مردوں پر بد کاری کے بغیر ثبوت الزام لگانے اور ان کے چرچے کرنے کی لیے اسی کوڑوں جیسی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ غحص بصر کا حکم دے کر نگاہوں پر پہرے بٹھائے گئے ہیں۔ مسلم معاشرے کی پاکدامنی کے لئے یہ تمام داخلی اور خارجی تدابیر اصلاح سورہ نور اور سورہ احزاب میں اختیار کی گئی ہیں پھر بھی اگر کوئی شریر النفس کھلے ہوئے جائز مواقع کو چھوڑ کر ناجائز طریقے سے اپنی خواہش نفس پوری کرنے پر اصرار کرے تو قرآن حکیم نے اس کی سزا سو کوڑے مقرر کی ہے بقول مولانا سید ابو الاعلی مودودی ایک بد کار کو سزا دے کر معاشرے کے ان بہت سے لوگوں کا نفسیاتی اپریشن کر دیا جائے جو اسی طرح کے میلانات رکھتے ہوں یہ سزا محض ایک مجرم کی عقوبت ہی نہیں بلکہ اسی امر کا بالفعل اعلان بھی ہے کہ مسلم معاشرہ بد کاروں کی تفریح گاہ نہیں ہے جس میں زواقین اور زواقات اخلاقی قیود سے آزاد ہو کر مزے لوٹتے پھریں۔(٦٧٢)

ہمدردی و تعاون کا ماحول

اسلامی معاشرے میں خیر خواہی ہمدردی بھائی چارہ پیار و محبت اور خلوص کی فضا ہوتی ہیں ملاقات کی ابتدا سلام سے خیر و خیریت کے احوال سے پھر خلوص کے مشورے دکھ درد میں شرکت بیمار کی تیمار داری آپس میں محبت کیلیئے تحفے تحائف کا تبادلہ مصیبت میں ساتھ دینا جنازہ میں شرکت، دعا اسلامی

معاشرے کی عام فضا ہے یہاں حسد غیبت بغض عداوت نفرت تجسس الزام تراشی کینہ پروری سوء ظن دھوکہ چغل خوری بے حرمتی و بے عزتی کی ممانعت ہے۔ نیکی میں تعاون برائی سے بچنا ان کا شیوہ ہوتا ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔(٦٧٣)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کریں۔

واحسن کما احسن الله ولا تبغ الضناد فی الارض۔(٦٧٦)

لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین میں طالب فساد نہ ہو۔

یا یهاالذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیر منهم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیر منهن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب۔(٦٧٥)

مومنو کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور (اپنے مومن بھائی کو) عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برا نام رکھو

ولا تجسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔(٦٧٦)

"اور ایک دوسرے کے بھید نہ ٹٹولو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے" اسطرح اسلامی معاشرہ مثالی ہوتا اس میں نیکیوں کا ماحول ہوتاہے ہمدردی تعاون بھائی چارہ کی مواساۃ کی فضا عام ہوتی ہے۔

حساس ذمہ داری

مسلمان ذمہ دار ہوتا ہے اسے اپنے قول و فعل کا حساب دینا ہوگا وہ زندگی سوچ سمجھ کر بسر کرتا ہے اور اخروی زندگی کا دارومدار بھی اسی زندگی پر ہوگا وہاں اس سے ہر فعل کی باز پرس ہوگی زندگی اللہ کی امانت ہے یہ ایک مقصد کے لئے دی گئی ہے ہمیں بے کار پیدا نہیں کیا گیا۔

افجستم انما خلقنکم عبثاه وانکم الینا لا ترجعون۔(٦٧٧)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم کو بیکار پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔

رواداری

رواداری اسلامی معاشرے کی ایک اور اہم خصوصیات ہے یہاں ہر ایک کو مذہبی آزادی ہے اور اپنے طریقے سے عبادت کر سکتا ہے اس معاشرے میں جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں ارشاد ربانی ہے۔

لا اکراہ فی الدین (٦٧٩)

دین میں کوئی زبردستی نہیں

افا نت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین(٦٨٠)

کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں۔

لکم دینکم ولی دین(٦٨)

تمہارے لیئے تمہارا دین اور میرے لیئے میرا دین۔

تمام پیغمبر اور ان کی کتابیں برحق ہیں

امن باالله والیوم الاخر واوالملیکة والکتاب ولنبین(٦٨٢)

جو اللہ آخر کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔

سورۃ ال عمران میں ارشاد ہوتا۔

قل امنا با الله وما انزل علینا وما انزل علی ابراہیم و اسمعیل و اسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن له مسلمون۔(٦٨٣)

کہہ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیاگیا ہم ان میں کسی میں فرق نہیں کرے اور ہم اسی کے فرمابردار ہیں۔

امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل امن باالله وملیکته وکتبه ورسوله لا نفرق بین احد من رسله۔ (٦٨٤)

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور

جولوگ اس رسول کو ماننے والے ہیں انھوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسول کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے ہیں۔

دوسرے کے مذہب اور عبادت گاہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے معبود کو برا کہنے سے روک دیا گیا۔

ولا تسبوا الذین ید عون من دون اللہ فیسبو اللہ عدوا بغیر علم (٦٨٥)

اور ان لوگوں کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لهد مت صوامع وبیع وصلوت ومساجد یذکر فها اسم اللہ کثیرا (٦٨٦)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبداور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

اسلام معاشرت کی یہ بنیادیں فراہم کرنے کے بعد اس نے کچھ بنیادی ادارے قائم کئے ہیں جس میں حقوق و فرائض کی پوری تفصیلات موجود ہیں اس سے معاشرے کو استحکام بخشا گیا ہے اور اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنایا گیا ہے۔

خاندان

خاندان ایک بنیادی اور عالمگیر ادارہ ہے انسان پیدا اسی میں ہوتا ہے تربیت اسی مقام پر ہوتی ہے وہ بڑا ہوتا ہے۔ زندگی بسر کرتا ہے اور فوت ہو جاتا ہے۔ یہ سب مراحل خاندان ہیں ہی گزارتے ہیں یہی ادارہ نسل انسانی کو قائم کئے ہوئے ہے اسی لیئے ہر معاشرے میں خاندان پایا جاتا ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاندان کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف کیا ہے بو گارڈس (Bogardus) کے نزدیک یوں ہے یہ ایک موثر گروہ ہے جو عام طور پرایک باپ ایک ماں ایک یا زیادہ بچوں پر ایسا مشتمل ہو(٦٨٨) اگبرن اور نمکوف(Ogburn and Nimkoff) کے نزدیک یہ میاں بیوی کا بچوں یا بچوں کے بغیر ایک ادارہ ہے۔(٦٨٩) پال اور ہنٹ اسے رشتہ کا ایک ایسا گروپ کہتے ہیں جو بچوں کی

پرورش اور دوسری انسانی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے معرض وجود میں آتا ہے۔(۶۸۸) ینگ اور میک (Young & Mach) کہتے ہیں کہ خاندان دو یا زیادہ افراد کا وہ گروہ ہے جو خونی ازدواجی یا تبنی کے رشتہ میں جڑا ہوا ہو اور سب اکٹھے رہتے ہیں۔(۶۹۰)

ان تعریفوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب سے چھوٹا ادارہ ہے جس میں کم از کم دو افراد پائے جاتے ہیں یہ ادارہ شادی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان اپنے معاشرے کے رسم و رواج کے مطابق منعقد ہوتی ہے پروفیسر خورشید احمد فرماتے ہیں خاندان کی بنیاد ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے اور ان ہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے اسلام کے نزدیک مرد اور عورت کی یہ مستقل رفاقت ایک کھلے ہوئے مستحکم معاہدے (نکاح) کے ذریعے سے وجود میں آتی ہے یہ نکاح ایک ایسا باحرمت رشتہ ہے جو دونوں کی مرضی سے اور پورے اعلان کے ساتھ جوڑا جاتا ہے نکاح کے بغیر مرد و زن کا تعلق بد ترین معصیت اور ایک ایسا جرم ہے جس کی سخت ترین سزار مقرر ہے معاہدہ نکاح کے ذریعے سے دونوں (مرد و عورت) اپنے اوپر بھاری ذمہ داریاں عائد کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ان کے پابند ہو جاتے ہیں اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے مرد اس کا نگران اور ناظم اعلی ہوتا ہے اور اس حیثیت سے وہ اپنے اہل و عیال کی دینوی ضرورتوں اور اخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنے والا ہے جس کے لئے وہ جواب دہ ہے اور بیوی اس کے زیر ہدایت گھر کا نظم و نسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ نہ صرف گھر کے اندر نظم و نسق کو نبھانے بلکہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرکے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔(۶۹۱) خاندان انسان کی پہلی درسگاہ ہے ابتدائی تربیت یہی ملتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ جوایک خاندان کا نظام اچھی سنبھال سکتا ہے وہ ایک حکومت کا نظام بھی اچھی طرح چلا سکتا ہے اسی طرح شہریت اور ریاست کا شعور یہیں سے سیکھا جاتاہے۔ ان اداروں کو قائم کرکے اسلام نے حقوق و فرائض کا ایک وسیع اور مکمل نظام پیش کیا ہے اس سے معاشرے کو استحکام ملتا ہے اور امن و سکون کا ماحول میسر آتا ہے اس میں والدین اولاد میاں بیوی رشتہ داروں پڑوسیوں اور عام انسانوں کے حقوق متعین کئے گئے ہیں۔

والدین کے حقوق

اسلام نے والدین کے حقوق پر بہت زور دیاہے حقوق میں اولین مقام ان ہی کا ہے یہ معاشرے کی اصل اور بنیاد ہیں اگر یہ خوش اور خوشحال رہیں تو معاشرہ کا درخت سر سبز اور سدا بہار رہے گا۔
اسلام نے والدین کو بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کے ساتھ ہی والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

اذا اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا الله وبالوالدین احسانا۔(٦٩٢)

"اور جب ہم نے نبی اسرائیل سے اقرارلیا کہ سوائے اللہ کے تم کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا"۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر آتا ہے۔

وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا۔

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے شرک سے بچنے کے بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

وعبدوالله ولا تشرکو ابه شیاء وبالوادین احسانا (٦٩٤)

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

والدین اولاد کی پرورش اور تربیت کے لیئے بہت ہی دکھ درد اٹھاتے ہیں اسی لئے وہ حسن سلوک کا مستحق ہیں اس طرح کی ایک مثال یہ ہے

ووصینا الاانسان بوالدیه احسانا حملنه امه کرها ووضعته کرها وحمله وفصله ثلثون شهرا۔(٦٩٥)

"اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تین مہینے لگ گئے" اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ والدین کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان اشکرلی ولو لدیك۔ (٦٩٦)

"میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا بھی" والدین سے نرمی اور ادب سے گفتگو کرنی چاہیے۔

فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما وقل لهما قولا کریما۔ (۶۹۷)

تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ ان کو ڈانٹ ان دونوں سے ادب سے بات کر۔

واخفض لهما جناح الذل من الرحمه۔(۶۹۸)

ان دونوں کے آگے رحم کے ساتھ عاجزی کے بازو جھکا دو۔

والدین کو شامل دعا رکھنا چاہیے اور ان کی مغفرت کی دعا بھی کرنی چاہیے۔

قل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔(۶۹۹)

اور دعا کیا کرو کہ پرور دگار ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ربنا اغفرلی ولولدی وللمومینین یوم یقوم الحساب۔(۷۰۰)

پرور دگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہوگا۔

حقوق اولاد

اولاد سے محبت ہر انسان کا فطری جذبہ ہے اسلام نے اس بارے میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا نہ تو اولاد کے لئے انسانی اصولوں کو قربان کیا ہے اور نہ ہی انھیں بے سہارا چھوڑنے کا حکم ہے بلکہ ان کی مسلسل تعلیم و تربیت اور نگرانی و حفاظت پر زور دیا ہے۔

یا یهاالزین امنو قوا انفسکم واهلیکم نارا۔(۷۰۱)

"اے لوگو جو ایمان لانے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ" سورہ بقرہ میں بچوں کی جسمانی اور ذہنی تربیت کو حکم دیا گیا۔

جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دوسال دودھ پلائیں اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ نہ ڈالنا چاہیے۔(۷۰۲)

اولاد کے لیئے نیکی بھلائی اصلاح اور خیر کی دعا بھی کرنی چاہیے۔

واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔(۷۰۳)

میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اسلام نے دنیاوی سہارے کے لئے اولاد کو والدین کی جائداد کا وارث بھی بنایا ہے۔

یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الا نشین۔(۷۰٤)

تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ عورتوں کے برابر ہے۔

نسل کی بقا کے لئے اولاد کی حفاظت اور زندگی ضروری ہے۔

اولاد کے لیے نیکی بھلائی اصلاح اور خیر کی دعا بھی کرنی چاہیے۔

واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔(۷۰۳)

میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

نسل کی بقا کیلئے اولاد کی حفاظت اور زندگی ضروری ہے۔

اسی لئے قتل اولاد کی ممانعت کی گئی۔

ولد تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم ایاکم ان قتلھم کان خطا کبیرا۔(۷۰۵)

اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

بیٹی کی پیدائش بھی رحمت ہوتی ہے انسان کو بیٹی سے نفرت نہیں کرنی چاہیے

ویجعلون لله البنت سبحانه ولھم یشتھون واذا بشر احد ھم با لا نشی ظل وجھه مسودا وھو کظیم(۷۰٦)

اور اللہ کیلئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں وہ پاک ہے اور ان کیلئے ہے جو وہ چاہتے ہیں اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے ان کا منہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق:

معاشرتی تعلیمات کی درستی اور بہتری کے لیے میاں بیوی کے حقوق بھی بہت اہمیت کے حامل

ہیں اگر ان دو افراد میں ہم آہنگی اور تعاون کی فضا برقرار رہے تو تمام خاندان خوشحال زندگی بسر کرتا ہے اسی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مولانا ظفیر الدین فرماتے ہیں۔

اس جائز لطف اندوزی کے برقرار رہنے اور رشتہ ازدواج کی استواری کے لیئے اسلام نے کچھ حقوق اور احکام بیان کیے ہیں اور ان کے اوپر عمل پیرا ہونیکی تاکید کی ہے یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں الگ الگ دل و دماغ اور فکر و عمل رکھتے ہیں سب بسا اوقات دونوں کی طرز معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے اس لئے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہو جانا۔ ایک بعید از قیاس بات ہے پھر عورت و مرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات و اخلاق مرکوز رکھے ہیں ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے مرد اور عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کئے ہیں اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض و اختیارات ہیں۔ (۷۰۷)

بیوی کے حقوق

بیوی کے حقوق میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار مرد ہے۔ قرآن مجید میں

لیفق ذو سعة من سعته و من قدر علیه رزقه فلینفق مما اتٰه اللّٰه لا یکلف اللّٰه نفسا الا مااتها(۷۰۸)۔

خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا۔

علی المو سع قدر وعلی المقتر قدره (۷۰۹)

خوشحال آدمی اپنی مقدرت کے مطابق اور غریب اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔

اس طرح رہائش کے متعلق حکم ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من و جد کم (۷۱۰)

ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔

اسلام نے بیوی کا جائیداد میں حصہ مقرر کیا۔

للد جال نصیب مما ترک الولدن والاقربون وللنساء نصیب مما ترت الولدن والا قربون (۷۱۱)

مردو کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔

عورتوں سے نرمی، شفقت، عفو درگزر، تحمل بردباری کا حکم دیا گیا۔ ان کے ساتھ ظلم و تعدی سے روک دیا گیا۔

وعاشرومن بالمعروف فان کرتھموھن فعسیٰ ان تکر ہوا شیا و یجعل اللّٰہ فیہ خیرکثیرا۔ (۷۱۲)

ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔

ولا تمسکوھن ضرار التعتدوا۔(۷۱۳)

محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا یہ زیادتی ہوگی۔

یایھا الذین امنوا ان من ازواجکم و اولاد کم عدوالکم فاحذ روھم وان تعفوا و تصفحوا و تغفروا فان اللّٰہ غفور رحیم۔ (۷۱٤)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو س ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگذر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ جس طرح ناگزیر حالات میں آخری چارہ کار میں مرد کو طلاق کا حق ہے اسی طرح عورت کو بھی علیحدگی کا حق ہے اسلامی اصطلاح میں اسے خلع کہا گیا اس حق علیحدگی کا ذکر قرآن حکیم میں اسطرح آیا۔

فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔ (۷۱۵)

اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی خاص کرے۔ مہر بھی بیوی کا ایک ضروری حق ہے۔

قرآن حکیم میں

واتوالنسآء صد قتھن نحلہ۔(۷۱٦)

اور عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو

فاتوھن اجورھن فریضہ۔ (۷۱۷)

ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو۔ عورت مہر کو معاف بھی کر سکتی ہے۔

فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیا مریا۔ (۷۱۸)

البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

عورت سے چار ماہ سے زیادہ قطع تعلقی کی اجازت نہیں

جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انھوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔(۷۱۹)

خاوند کے حقوق

خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح بیویوں کے حقوق ہیں اسی طرح خاوندوں کے بھی حقوق ہیں۔ ایک دوسرے کے تعاون سے زندگی کی گاڑی چلتی ہے۔

اسے سلسلے میں ایک اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے۔ کہ گھر کی صدارت اور نظامت مرد کے ذمہ ہے۔ مولانا محمد ظفرالدین لکھتے ہیں کہ باہمی زندگی کی صدارت و امارت مرد کے سر ڈالی گئی۔ یعنی زن و شوہر کی اجتمائی زندگی کا امیر اور صدر مرد کی منتخب کیا تاکہ نظام منزلی میں کوئی سخت وقت آئے تو مرد اپنی خداداد قوت و شوکت سے اسے بھی کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری مرد و عورت میں سے کسی اک پر تو ہونی ہی تھی۔ (۷۲۰)

مرد کی صدارت کی اعلان اس طرح ہوا

الرجال قومون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم۔

(۷۲۱)

مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

اسلام نے معاشرت میں انتظامی امور کی سربراہی مرد کے سپرد کی ہے۔

قوام کے معنی کسی ادارہ کے نگران محافظ منتظم اور مدبر کے ہیں۔

"صاروا قواما علیھن نافذ الامر علیھن الرجال متکفلون بامور النساء"۔ (۷۲۳)

قیا مھم علیھن بالتا دیب التدابیر بیر و الحفظ الصیانۃ۔ (۷۲٤)

مولانا مودودی لکھتے ہیں قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضرورت مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ (۷۲۵)

دنیا کے تمام نظاموں اور اداروں کا استحکام اطاعت نظم اور نگرانی میں مضمر ہے گھر بھی ایک چھوٹا سا ادارہ ہوتا ہے اسی لیے بیوی کو اطاعت معروف کا حکم دیا گیا ہے۔

فالصالحت قانتا ت(۷۲٦)

"پس جو صالح عوتیں ہی وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں" نیک بیویوں کی ایک یہ خوبی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

حفظت للغیب بما حفظ اللہ۔(۷۲۷)

"مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں"۔ دراصل اس آیت میں ایک بہت ہی وسیع معنی اور جامع بات کہی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاوند کے عدم موجودگی میں خاوند کے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر حفاظت کرتی ہے اس میں نسب عزت آبرو مال رزق غرض گھر کی تمام چیزیں آجاتی ہیں۔

گھر کا انتظام باہمی رضامندی اور افہام و تفہیم سے چلتا ہے میاں بیوی کو آپس میں ایک دوسرے

کو سمجھنا چاہیے ہٹ دھرمی اور ضد کا مظاہر نہیں کرنا چاہیے ذیل کی میں عورتوں کو مخاطب ہو کر کہا گیا ہے۔

"اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بد سلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی کچھ حقوق کی کمی بیشی پر آپس میں صلح کر لیں صلح بہر حال بہتر ہے نفس تنگ دلی کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں لیکن اگر لوگ احسان سے پیش آؤ۔اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔(۷۲۸) بیوی کو پاک صاف رہنا چاہیے اور ضروری زیب و زینت آرائش و زیبائش اختیار کرے تاکہ خاوند کی اسطرف رغبت ہو عہد نبوی میں بیویاں خاوندوں کو خوش رکھنے کے لیے ایسا کرتی ہیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریمؐ نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا عائشہ یہ کیا ؟ بولیں یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کی عرض سے پہنے گئے ہیں(۷۲۹) حضرت خولہ ہر روز پہن اوڑ کر دلہن بن جاتی تھیں (۷۳۰) ایک دن حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی کو زینت کے لباس سے عاری دیکھا تو انھوں نے دریافت کیا کیا عثمان سفر پر گئے ہوئے ہیں۔(۷۳۱)

رشتہ داروں کے حقوق

معاشرہ کئی عناصر سے ترکیب پاکر تشکیل ہوتا ہے ان میں رشتہ دار بھی ایک اہم جزء ہے اسلام نے ان کے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر بہت زور دیا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ماں باپ اولاد اور زن و شوہر کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا حق ہے عربوں کے محاورہ میں اس کا نام صلہ رحم ہے محمد رسول اللہؐ کی اخلاقی تعلیم میں صلہ رحم اور حقوق قرابت کی اہمیت دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ ہے یہی سبب ہے کہ وحی محمدیؐ میں اس کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے قران پاک میں کم از کم بارہ آیتوں میں اس کی صریح تاکید ہے۔ اور اس کو انسان کا احسان نہیں بلکہ اس کا فرض اور حق بتایا ہے (۷۳۲) قرآن میں آتا ہے۔

وات ذالقربی حقه۔(۷۳۳)

قرابت دار کو اس کا حق ادار کرو۔

واتی المال علی حبه ذوی القربی (۷۳٤)

اور (اصل نیکی یہ ہے کہ جس نے) مال کو اس کی محبت پر رشتہ داروں کو دیا۔

والدین کے بعد رشتہ دار ہماری مالی امداد کے حق دار ہیں۔

قل ما انفقتم من خیر فللوالدین واللہ قربین۔ (۷۳٥)

کہ دیجیئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ اپنے والدین پر رشتے داروں پر۔

اللہ تعالی نے ماں باپ اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا عہد لیا ہے۔

وبالوالدین احسانا وذی القربی (۷۳٦)

"اور نبی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) اور ماں باپ اور رشتہ دار کے ساتھ نیک سلوک کرنا" عدل او احسان کے ساتھ تیرا حق یہی بتایا گیا ہے۔

ان الله یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی (۷۳۷)

بے شک اللہ تعالی عدل اوراحسان اور قرابتدار کو دینے کا حکم کرتا ہے۔

رشتہ دار کی مالی امداد اس کے قصور اور زیادتی پر بھی بند نہیں کرنی چاہیے۔

ولا یاتل اولوالفضل منکم وا لسعة ان یوء توا اولی القربی والمسکین۔(۷۳۸)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ رشتہ داروں اور محتاجوں کو مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھا بیٹھیں۔

توحید ماں باپ سے حسن سلوک کے بعد تیسرا حکم رشتہ داروں سے نیکی ہے۔

واعبدو الله ولاتشرکوا به شیاء وبالوالدین احسانا و بذی القربی (۷۳۹)

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

پیغمبر اسلامؐ اپنی تمام سعی محنت تکلیف اور جدو جہد جو آپؐ نے اشاعت اسلام کے لئے برداشت کی ان کا اجر امت مسلمہ یہ طلب کرتے ہیں کہ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی (۷٤۰)

میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔

قطع رحم یا رشتہ داری کو توڑنے والوں کو قرآن حکیم نے فاسق اور گمراہ کہا ہے۔

وما یضل به الاالفسقین الذین ینقضون عهدالله من بعد میثا قه و یقطعون ما امرالله به ان یوصل (۷٤۱)

او ر ،،،، اس سے گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں۔

رشتہ داری کی پاسداری اور تحفظ کا حکم اس آیت میں بھی ہے۔

واتقو الله الذی تساء لون به ولا رحام (۷٤۲)

" اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کر بگاڑنے سے پرہیز کرو"۔

اللہ تعالی برے لوگوں کی برائی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحمکم اولئك الذین لعنهم الله فاصمهم واعمیٰ ابصار هم (۷٤۳)

اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ وار توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کروگے اور اپنے رحموں کو قطع کرو گے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا۔

ہمسایہ کے حقوق

عربی میں ہمسایہ کو جار کہتے ہیں اس کی جمع جیران ہے ہمسایہ اور پڑوسی وہ دو آدمی ہیں جو ایک دوسرے کے قریب رہتے اور بستے ہیں (۷۴۴) اسلام نے ہمسایہ کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کا اس لئے زور دیا ہے کہ مصیبت میں قریب رہنے کی وجہ سے یہی شخص سب سے پہلے کام آ سکتا ہے اور اگر ان کے آپس میں تعلقات اچھے نہ ہوں تو تکلیف اور دکھ پہنچنے کا اندیشہ بھی ان ہی میں ہر وقت زیادہ ہو گا اسی لئے آپس میں حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے تاکہ یہ پڑوس جھنم کی بجائے دنیا میں جنت کا نمونہ بن جائے۔

قرآن حکیم میں پڑوسی کے حقوق کے متعلق یہ ایت بہت ہی اہمیت کی حاصل ہے۔

والجار ذی القربی و الجار الجنب و الصاحب با الجنب (۷٤٥)

اور (خدا نے) ہمسائے قریب ہمسایہ اجنبی او رپہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے)

مفسرین نے محدث ابونعیم اور محدث بزار کے حوالے سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں ۔

(۱) ایک وہ جن پر تیرے حق ثابت ہیں۔ حق جوار حق قرابت حق اسلام۔

(۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں حق جوار و حق اسلام۔

(۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حق جوار اور وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔

ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی کے معنوں میں اہل تفسیر نے اختلاف کیا ہے ایک کہتا ہے قریب کے معنی رشتہ دار و عزیز اور اجنبی کے معنی غیر اور بیگانہ کے ہیں دوسری رائے۔ کہ نزدیک کے معنی ہم مذہب کے ہیں اور دور سے مطلب دوسرے مذہب والے ہیں جیسے یہودی عیسائی مشرک وغیرہ۔ (۷۴۷)

سید سلمان ندوی اس کی وضاحت فرماتے ہیں حقیقت میں یہ اختلاف ہے معنی ہے تعلیم محمدی ﷺ کا منشا یہ ہے کہ پڑوسیوں اور ہمسائیوں میں ان کو ترجیح دی جائے گی جن کے ساتھ پڑوس اور ہمسائیگی کے علاوہ محبت اور رابطہ کا کوئی دوسرا تعلق بھی موجود ہو وہ خواں قریب اور عزیز دور ہو یا ہم مذہبی کا یا کسی اور قسم کی رفاقت ہو بہرحال حق کے ساتھ دوہرے تعلقات کو اکہرے تعلق پر ترجیح حاصل ہے۔(۷۴۸)

الصاحب باالجنب سے مراد ہم نشیں دوست اور وقتی وعارضی ساتھی ہے۔مثلاً ہم مدرسہ ہم بس ریل جہاز کے ساتھی خرید وفروخت کے وقت ساتھی۔ شریک کاروبار۔ ایک دفتر اور کارخانہ کے ملازم وغیرہ ان سب کو آپس میں حسن سلوک سے رہنا چاہیے۔

ہمسائیگی محدود اور تنگ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ نہایت وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔ انحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد شریف کے دروازہ پر پکار دیا جائے کہ سن لو چالیس (۴۰) گھر ہمسایہ ہیں۔ زہری فرماتے ہیں کہ چالیس ادھر اور چالیس ادھراور چالیس اسطرف اور چالیس دوسری طرف اور پھر چاروں طرف اشارہ کیا۔(۷۴۹)

حق ہمسائیگی کی تفصیل احادیث میں بہت اور خوب بیان ہوتی ہے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو

شخص تیرے ہمسایہ میں رہے اس کی ہمسائیگی اچھی طرح کر کہ اس سے تو مسلمان ہو جائے گا۔(۷۵۰)

ام المومنین کو تعلیم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا

مازال جبریل یو صینی باالجار حتی ظننت انه سیورثه۔(۷۵۱)

"جبریل نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا کہ کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلادیں"۔ اس حدیث میں بتایا جارہاہے کہ پڑوسی رشتہ دار کے قریب ہی ہوتا ہے۔

ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔(۷۵۲)

ایک اورحدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے جو شخص خدا اور روز جزا پر اعتقاد رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔(۷۵۳)

ایک اور حدیث میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے آپس میں جو دو شخص جھگڑا کریں گے۔ وہ دو پڑوسی ہونگے۔(۷۵۵)

ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صرف خود ارام سے رہے اور اس کا پڑوسی تکلیف میں پڑا ہو فرمان نبوی ہے وہ مومن نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔(۷۵۴)

ایک بار حضور ﷺ صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھے تھے تو انھیں موثر اور دل کش انداز میں پڑوسی کے حقوق سمجھائے خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا ۔ ہم نشینوں نے پوچھا یا رسول ﷺ اللہ کون آپ ﷺ نے فرمایا " وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں"۔(۷۵۶)

ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا ایک ہمسایہ ہے کہ جو مجھے ستاتا ہے اور گالی دیتا ہے تنگ کرتا ہے آپ نے فرمایا اس نے تمھارے حق کے بارے میں اللہ تعالی کی نافرمانی کی اور تم اس کے متعلق اللہ تعالی کی اطاعت کرو۔(۷۵۷)

کوئی پڑوسی بہت تنگ کرے تو اپنا سامان گھر سے باہر نکال نے اور دوسرا پڑوسی تلاش کرنے لگو۔ چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے آن کر شکایت کی کہ اے اللہ کے رسول کے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے۔ فرمایا جاؤ صبر کرو پھر دوبار اور تیسری بار شکایت پیش کی گئی فرمایا جا کر تم اپنے گھر کا سامان راستہ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ لوگوں کو جب صورت حال کا پتہ چلا کہ سب نے اس پڑوسی کو سمجھایا۔ یہ دیکھ کر

وہ ایسا شرمندہ ہوا کرو ان کی منت سماجت کر کے گھر واپس لے گیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ تنگ نہیں کرونگا۔(۷۵۸)

امام غزالی فرماتے ہیں ہمسایہ کا حق یہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دی جائے کیونکہ یہ بات اینٹ پتھر وغیرہ میں بھی ہے کہ ان سے ایذا نہیں پہنچتی بلکہ یہ چاہیے کہ اگر ہمسایہ ایذا دے تو برداشت کرے اور صرف برداشت ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نرمی کرے اور حسن سلوک سے پیش آئے۔(۷۵۹)

امام موصوف پڑوسی کے حقوق اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

(۱) ہمسایہ کو پہلے سلام کرے۔

(۲) اس سے طویل گفتگو سے پرہیز کرے۔

(۳) اس کی بیماری پرسی کرے۔

(۴) مصیبت کے وقت اسے تسلی دے۔

(۵) خوشی کے موقعہ مبارک باد دے۔

(۶) اس کی خطاؤں سے درگزر کرے۔

(۷) چھت پر سے اس کے گھر نہ جھانکے۔

(۸) دیوار پر کڑیاں رکھنے اور پرنالہ لگانے سے نہ روکے۔

(۹) اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے۔

(۱۰) جو کچھ چیز وہ اپنے گھر لے جائے اس پر نگاہ نہ رکھے۔

(۱۱) اس کے عیب چھپائے۔

(۱۲) حادثہ میں اس کی مدد کرے۔

(۱۳) جب وہ گھر میں نہ ہو تو اسکے مکان کی نگرانی کرے۔

(۱۴) اس کی برائی نہ سنے

(۱۵) اس کے اہل خانہ سے نگاہ نیچی رکھے۔

(۱۶) اس کے بچوں کے گفتگو میں نرمی برتے۔

(۱۷) دین و دنیا کی جو بات اسے معلوم نہ ہو اسے ٹھیک بتائے۔(۷۶۰)

ان حقوق کے ادا کرنے سے ایک بہترین معاشرہ معرض وجود میں آئے گا اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلانے ہمسایہ کو شفعہ کا حق دیا ہے۔ اگر پڑوسی اپنی جائیداد فروخت کرنا چاہے تو پڑوسی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ انخضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی دیوار میں کوئی ہمسایہ شریک ہو تو اس کو فروخت نہ کرے جب تک کہ ہمسایہ شریک کو پیش نہ کرے۔(۷۶۱)

اس طرح اسلام نے پڑوسی کو قانونی اور آئینی حقوق بھی عطا کئے ہیں۔

مسجد

اسلام کے معاشرہ نظام میں مسجد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسلام تہذیب و تمدن کا مرکز ہے اور اسی مقام سے معاشرتی تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

مسجد مادہ س ج د = سجد سجودا

معنی جھکنا۔ بے وقعت ہونا۔ پیشانی کا زمین پر لگانا، عاجزی و خاکساری پر جھکنا عبادت میں پیشانی اور ناک زمین پر رکھنا۔

اسی مادے سے اسم فاعل ساجد مبالغہ کے لئے سجاد اور مسجدۃ بھی جائے نماز مصلیٰ ہے۔(۷۶۲)

امام راغب اصفہانی کے مطابق "سجد سجودا" کے معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں خدا کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کو سجود کہتے ہیں (المسجد ظرف) کے معنی جائے نماز کے ہیں۔(۷۶۳)

لفظ مسجد (بفتح الجیم و بکسرھا) (جائے سجدۃ، مقام سجدہ) مشق کیا گیا ہے جو اسلامی عبادت گاہ کا نام ہے چونکہ عبادت میں سب سے عظیم الشان رکن سجدہ ہے اس لئے اس کی اہمیت نیز نماز کی غرض و نمایت کو اجاگر کرنے کے ئے شریعت اسلامیہ میں عبادت گاہ کے لئے معبد کے بجائے مسجد (سجدہ گاہ) کا نام اختیار کیا گیا ہر وہ جگہ جہاں عبادت کی جائے مسجد ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان جعلت لی الارض مسجد و طھورا۔(۷۶۴)

دوسرے قول کے مطابق مسجد (جیم کے زبر کے ساتھ) گھروں کے محراب (محررب/بیوت) کو

کہتے ہیں اور بکسر جیم مسجد مقام عبادت کو کہا جاتا ہے التھانوی کے مطابق بفتح جیم پر سجدہ گاہ اور بکسر جیم خاص مکان معین برائے ادائیگی نماز کو کہا جاتا ہے۔ مرد کی پیشانی کو بھی مسجد (بفتح الجیم) کہتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کے ارشاد :

وان المسجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً (٧٦٥)

یعنی اور مساجد (خاص) خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو، میں مساجد کو اعضائے سجدہ یعنی پیشانی ناک دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر بھی محمول کیا گیا ہے۔ اسلام میں اس مخصوص عمارت کو جو صرف عبادت خدا کے لئے تعمیر کی جائے مسجد کہتے ہیں۔(٧٦٦) قرآن مجید میں مسجد کا لفظ عبادت گاہ کے لئے آیا ہے۔

ارشاد الٰہی :

ولولا دفع اللّٰہ الناس لمیعضھم بعبض ا ھدمت صوامع وبیع و صلوات و مسجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیراً (٧٦٧)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

ان المسجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً۔ (٧٦٨)

مسجدیں اللہ کے لئے ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

قرآن حکیم میں مسجد کو لفظ مکی سورتوں میں زیادہ تر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے لئے آیا۔

سبحن الذی اسری بعبدہلیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی۔ (٧٦٨)

پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو المسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گی۔

اس سورۃ میں مسجد کا اطلاق یہودیوں کے معبد کے لئے بھی ہوا ہے۔ مسجد اقصیٰ یہودیوں کا قبلہ تھا۔

سورہ کھف میں اصحاب کھف کے مزار پاس بھی ایک عبادت گاہ کے لئے مسجد کا لفظ آیا ہے۔

"لنتخذن علیھم مسجداً۔ (٧٦٩)

غرض اہل کتاب کی عبادت گاہوں کو مسجد کہا گیا ہے۔

مسجد اسلام کی معاشرت اور تہذیب و تمدن کا مرکز ہے۔ یہ عبادت گاہ بھی ہے اور عدالت بھی یہ مکتب بھی ہے اور اسلامی سیاست کا مرکز بھی اسلامی زندگی کے تمام سرچشمے یہی سے پھوٹتے ہیں۔ مسجد کو اللہ کی عبادت کا مرکز قرار دیتے ہوئے قرآن مجید میں کہا جاتا ہے۔

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لا تلھیھم تجارہ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوہ۔(۷۷۰)

(اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں۔ جنھیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کا یاد کا اللہ نے اذن دیا ہے ان میں ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اقامت نماز ادائے زکوہ سے غافل نہیں کر دیتی۔

مسجد عبادت کا مرکز ہے۔ یہاں پانچ وقت اذان سن کر مسلمان جمع ہوتے ہیں اور جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہاں ہفتہ وار جمعہ اور سالانہ عیدین کے علاوہ ماہ رمضان میں نماز تراویح بھی مسجدوں میں باجماعت ہی ادا کی جاتی ہے۔ انحضرت ﷺ سفر سے واپسی کے بعد فوراً دو رکعت نماز مسجد میں ہی پڑھا کرتے تھے اور اب امت کے نیک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔(۷۷۱)

مساجد عدالت و انصاف کا مرکز بھی تھیں انحضرت ﷺ تمام شرعی مقدمات و معاملات کا فیصلہ مسجد میں ہی فرماتے تھے۔(۷۷۲) لیکن آپ دوسرے مقامات پر بھی فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے۔(۷۷۳) عدالت کے کاموں کے لئے خلیفہ وقت کی مختلف مقامات پر قاضی مدد کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی کئی قاضی معاونت کرتے تھے۔(۷۷۴) ۱۳۲ھ میں قاضی مدینہ مسجد ہی میں عدالت لگایا کرتے تھے۔(۷۷۵) الفسطاط میں ابتدائی زمانہ اسلام یعنی ۲۳ یا ۲۴ھ بھی میں حضرت عمرؓ کے حکم پر عمروؓ بن العاص نے ایک شخص قیس نامی کو قاضی مقرر کیا۔(۷۷۶) قاضی اپنی عدالت کا اجلاس مسجد عمر ہی میں لگایا کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ وہ دوسرے مقامات میں عدالت کیا کرتے تھے۔(۷۷۷) یہ رواج بنوامیہ اور بعد کے دور مملوک مصر میں عدالت کے انعقاد کا مسجد مقام کا ذکر ملتا ہے۔

مسجد دور رسالت دور صحابہؓ اور مسلمانوں کے دور عروج سے لیکر دور زوال تک عدل و انصاف کا مرکز رہی۔

مسجد مسلمانوں کا تعلیمی مرکز بھی رہی ہے۔ اسلام میں تعلیم کی ابتداء قرآن مجید اور ارشادات نبوی سے ہوئی اسی لئے مدتوں تک بنیادی لحاظ سے تعلیم مساجد سے وابستہ رہی۔ ابتدائی تعلیم قرآن مجید کو حفظ کرنے اور اسے سمجھ کر پڑھنے کی منزل سے شروع ہوتی تھی اس کے بعد حدیث کی تعلیم تھی جس کے ذریعے ایک مسلمان اپنی صحیح زندگی کی تکمیل کرتا تھا۔ انحضرت ﷺ سے مسجد کے اندر اور باہر ایمان اور عمل کے متعلق ہی اکثر سوال ہوا کرتے تھے۔(۷۷۹) انحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور آپؐ کے گرد لوگ حلقہ کرلیا کرتے اور آپؐ اپنے سامعین کو تعلیم فرمایا کرتے تھے بعض اوقات سامعین کی آسانی کے لئے آپ احادیث کو تین دفعہ دھراتے کہ وہ انہیں یاد کر سکیں۔(۷۸۰)

آہستہ آہستہ قرآن و حدیث کتاب و حکمت دین کی تفہیم قرات حدیث کے جمع کرنے (روایت) اور اس کی جرح و تعدیل (درایت) مفتوحہ اقوام کے لئے علوم لسانیہ (صرف ونحو) اور منطق و فلسفہ کو بھی فروغ ہوا اور فقہ کے دبستان قائم ہوئے۔ بہر حال جب علم میں وسعت ہوئی تو خالص دینی نصاب تعلیم میں نئے علوم کو بھی شامل کر لیا گیا۔ تاہم اس صورت میں بھی تعلیم کا بڑا مرکز مسجد ہی رہی اگرچہ بعد میں الگ مدرسے اور جامعات بھی وجود میں آئے جیسے بغداد میں۔(۷۸۲)

غرض مساجد ابتدا ہی سے صدیوں تک تعلیمی اداروں کے طور پر استعمال ہوتی رہیں۔ علماء بالعموم ان میں آکر اقامت پذیر ہوا کرتے تھے اور مساجد سے عبادت گاہ ایوان بلدیہ مدرسوں اور بعض اوقات مسافر خانوں کا سا کام لیا جاتا رہا ہے۔ اجتماع عامہ کا مقام بھی مساجد تھیں۔(۷۸۳)

مساجد سیاسی اور عمومی مرکز بھی تھیں۔ دراصل اسلام میں سیاست اور دین یکجا ہیں ان میں دوری یا علیحدگی نہیں۔ حکمران اور مذہبی سربراہ ایک ہی ہوتا ہے۔ مذہب و سیاست مسجد اور حکمران کی رہائش کا مرکز ثقل ایک ہی ہوتا۔ اس تعلق کا اظہار یہ حقیقت کرتی تھی کہ مسجد مسلمانوں کی چھاونی کے وسط میں تعمیر کی جاتی تھی اور حکمران کی فرود گاہ بالکل مسجد سے ملحق تعمیر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ مدینہ میں ہوا۔(۷۸۴)

زمانہ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں مسجد کو سیاسی مرکزیت حاصل رہی تمام

اہم اور ضروری قومی امور اسی مقام پر طے ہوتے تھے۔ باہر سے آنے والے وفود کو مسجد میں ٹھہرایا جاتا حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک قبیلے کی جماعت حاضر ہوتی تو اسے صفہ میں ٹھہرایا گیا۔(۷۸۵) وفد بخران کو مسجد میں ہی جگہ دی گئی۔ مسجد میں قیدیوں کو قید میں رکھا جاتا۔(۷۸۶) حضرت سعد بن معاذ کو مہلک زخم آئے تو ان کے لئے مسجد میں خیمہ نصب کر دیا گیا۔(۷۸۷) باہر سے مال آتا تو اس کو مسجد میں رکھا جاتا اور تقسیم کیا جاتا۔(۷۸۸) مقدمات کا فیصلہ اور ان کا اجرا مسجد سے ہی ہوتا تھا۔ صحیح بخاری کی کتاب الخصومات میں وہ تمام مقدمات مذکور ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی مجلس عدالت مسجد میں ہی لگا کرتی تھی۔

خلیفہ اہل اسلام کا مقررہ امام اور خطیب تھا اس لئے حکومت کے لئے مسجد کی اہمیت منبر میں مرتکز تھی۔ خلیفہ کے انتخاب کی رسوم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ اس منبر پر بیٹھے جو انحضرت ﷺ کی نشست گاہ تھی۔ جب حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بیعت ان لوگوں سے لی گئی جنھوں نے حضرت ﷺ کے جانشین کا انتخاب کیا تھا تو وہ منبر پر تھے۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا اور قوم کی رہنمائی کا منصب اختیار کر لیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی یہی ہوا۔(۷۸۹)

خلیفہ زیادہ تر دارالخلافہ کے منبر پر سے لوگوں کو خطاب کیا کرتا تھا لیکن جب بھی وہ حج کے لئے جاتا وہ مکے اور مدینے کے شہروں پر لوگوں کو حطاب کرتا۔(۷۹۰)

البتہ صوبوں میں والی کا مسجد سے وہی تعلق ہوتا جو خلیفہ کا دارالخلافہ میں والی ''نمازاور جہاد'' کے لئے مقرر ہوتا تھا اور وہی لوگوں میں عدل و انصاف اور صلوٰہ کا نفاذ کرتا تھا۔(۷۹۱)

اسلام کے ابتدائی عہد میں جنگوں کے سلسلے میں بھی عوام اور حکمران مسجد ہی میں جمع ہوتے تھے اور جب والی اپنے خطبے میں جنگ کے متعلق ضروری احکام اور ہدایات صادر کرتا تو تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوتے تھے۔(۷۹۲) مسجد ہی میں جنگ کے سلسلے میں مجلس شوریٰ بھی منعقد ہوتی تھی۔(۷۹۳) جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مال غنیمت بصرے کی مسجد میں بھیج دیا۔

عام طور پر مسجد اور بالخصوص منبر ایک ایسا مقام تھا جہاں سے سرکاری اعلانات و احکام صادر ہوا کرتے تھے اور یہ دستور انحضرت ﷺ کے وقت سے ہی چلا آتا ہے۔(۷۹۴)

غرض نظام مسجد قدرت کا ایک بڑا زبردست عطیہ ہے یہ دن میں پنج وقت پھر جمعہ میں ہفتہ وار۔ عیدین کا سالانہ اور بین الاقوامی سالانہ حج کا اجتماع ہے اس اجتماعی نظام سے بڑھ کر کوئی اور نظام ممکن ہو بھی نہیں سکتا۔ مولانا ظفیر الدین نے کیا خوب فرمایا کہ دنیا کا کوئی پولیٹکل نظام اس قدرتی نظام کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا جو بکھرے ہوئے انسانوں کو بتدریج جمع کر دیتا ہے اور منتشر افراد کی بات بات میں شیرازہ بندی کا کام انجام دیتا رہتا ہے۔ اس نظام میں کاہلی پر ہر دن ضرب کاری لگتی رہتی اور ہر پہلو سے یہ عالمی نظام ایک کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔(۷۹۵)

نظام تعلیم یا مکتب

اسلامی معاشرت کا ایک بہت اہم ادارہ مکتب یا نظام تعلیم بھی ہے۔ یہ معاشرے کی اصلاح اور اسلام کے اعلیٰ اقدار کی حفاظت اور نئی نسلوں کی طرف اپنے رجحانات کو منتقل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

مکتب کی بنیاد اشاعت علم پر ہے۔ اسلام نے علم کی اہمیت و فضیلت پر بہت زور دیا ہے اور مسلمانوں میں تعلیم کا ذوق و شوق پیدا کیا حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علم کی وجہ سے ہوئی۔

وعلم ادم الاسماء کلھا۔(۷۹۶)

اور آدم کو سب کے نام سکھائے

پہلی وحی آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اس میں علم کی عظمت کا ذکر ہے۔

اقرا باسم ربك الذی خلق ٥ خلق لانسان من علق ٥ اقرا و ربك الا كرم ٥ الذی علم بالقلم ٥ علم الانسان مالم یعلم ٥ (۷۹۷)

آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد کتاب و حکمت کی تعلم بتایا گیا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علهم ایته ویزکیهم و یعلمهم الکتب و الحکمة وان کا نوا من قبل لغی ضلل مبین(۷۹۷)

درحقیقت میں اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمرائیوں میں پڑے ہوئے تھے اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

هل يستوى الزين يعلمون والذين لا يعلمون(٧٩٨)

کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں

یر فع الذین ا منو منکم والذ ین او تو ا العلم در جت واللّٰہ بما تعملون خبیر(٧٩٩)

تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

انما یخشی اللّٰہ من عبا دہ العلماد(٨٠٠)

اللہ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں

کتب احادیث میں علم کی فضیلت و عظمت کے بارے میں بہت سی احادیث بیان ہوئی ہیں۔امام بخاری نے الجامع الصحیح میں کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کا باب تحریر کیا ہے۔

مکتب کی تاریخ

پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم سے صحابہ کرامؓ میں سے متعدد اشخاص وحی کی کتابت کے فرائض انجام دیتے رہے جن کی مجموعی تعداد چالیس سے متجاوز ہے وہ ایک دوسرے کی مدد سے آیات قرآنی پڑھنے اور یاد کرنے لگے۔عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد ہجرت سے پہلے انحضرتﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو یثرب بھیجا کہ ایمان لانے والوں کو قرآن مجید کی آیتیں یاد کرائیں اور نماز کے طریقے کی تعلیم دی ہجرت کے بعد خود انحضرت ﷺ اور سر برآوردہ صحابہ کرامؓ قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔غزوہ بدر کے بعض قیدیوں کو مسلمانوں کے دس دس لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے عوض آزاد کیا گیا۔(٨٠١) بعد میں مسجد نبوی کے چبوترے پر تقریبا ستر اصحاب(اصحاب صفہ) جمع ہو گئے جو اپنے اوقات قرآن مجید کے حفظ کرنے دین کی باتیں سیکھتے اور اللہ کی یاد میں صرف کرتے تھے یہ طریقہ صدیوں سے گزرتا ہوا آج تک ہر مسلم ملک میں رائج ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھنا سکھاتے ہیں بعد ازاں ترجمہ قرآن تفسیر حدیث

اور فقہ نیز علوم عربیہ کی تدریس و تعلیم کا انتظام و اہتمام ہوتا ہے ہمارے علماء انہیں دینی مدرس کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔(۸۰۲)

آنحضرت ﷺ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ آپ کی مسجد نبوی عبادت کرنے قرآن مجید پڑھتے اور مسائل سیکھنے کی جگہ تھی پھر آہستہ آہستہ مشہور اور فاضل صحابہ کرامؓ کے مکان بھی مکتب بن گئے پیغمبراسلام ﷺ سے مسجد کے اندر اور باہر مسائل پوچھے جاتے تھے (۸۰۳)

حضور ﷺ حلقے میں بیٹھ کر بھی مسائل کی تعلیم دیتے تھے قرآن مجید کے لئے قبائل میں قراء بھیجے جاتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ خلافت زیادہ تر مرتدین کی شورشوں کے قلع قمع میں گزرا حضرت فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت تمام مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس مقرر کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر رائج کی قرآن مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے ان کے علاوہ ادب اور عربی کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ صحت الفاظ و صحت اعراب کے ساتھ قرآن مجید پڑھ سکیں۔(۸۰۴)

شام کی فتح کے بعد قرآن مجید و شریعت اسلامی کی تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا حضرت عبادہ بن صامت نے معلم قرآن کی حیثیت سے حمص میں قیام فرمایا حضرت معاذ بن جبل نے فلسطین اور حضرت ابو درداؓ نے دمشق میں اقامت اختیار کی انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مکاتب قائم کیے لوگ جوق درجوق علم کی تحصیل کے لئے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے صحابہؓ جہاں بیٹھ کر شمع محفل بن جاتے اور لوگ تحصیل علم کے لئے پروانوں کی طرح ان پر گرتے (۸۰۶)

جلاالدین سیوطی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں دس حضرات مشہور مفسر ہوئے ہیں چاروں خلفاءؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ ابو موسی الاشعری اور عبداللہ زبیر اور سب سے زیادہ روایات حضر علیؓ نے وارد ہوئی ہیں(۸۰۷)

اس عہد میں کتابت و سنت کے علاوہ فقہ کے بھی اشاعت ہوئی مثلاً عبدالرحمٰن بن قاسمؓ شام میں حضرت عبداللہ بن معقلؓ اور حضرت عمرانؓ بن حسن بصرے میں حضرت عبداللہ بن مسعود مدائن میں اور

حضرت حبان بن جبلہ مصر میں فقہ کی تعلیم دیتے تھے اس دور کی تعلیمی خصوصیات حسب ذیل تھیں قرآن مجید حدیث اور فقہ کے سوا کسی دوسرے علم کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی تعلیم کتابی نہ تھی یعنی قرآن مجید کے سوا حدیث اور فقہ بالکل زبانی پڑھائے جاتے تھے تعلیم پر تنخواہ تو درکنار ھدیہ لینے کی بھی ممانعت تھی تحصیل علم کے لئے دینوی فرض کا شامل کرنا جائز نہ تھا تعلیم کے لئے سفر کرنا ضروری تھا ایک ایک حدیث کا سماعت اور تحقیق کے لئے لوگ خراسان سے لے کر دمشق اور حجاز تک کا سفر پا پیادہ کرتے تھے مسجد میں علماء کے معمولی مکانات تعلیم گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔(۸۰۷)

اموی دور حکومت میں ہر جگہ مکاتب قائم ہوگئے حجاج بن یوسف اپنی اوائل زندگی میں طائف میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔(۸۰۸) اسی طرح مشہور شاعر الکمیت بن اسدی بھی کوفے میں معلم صبیان(۸۰۹) تھا ابن خلکان نے ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے عیسیٰ بن معقل کے یہاں پرورش پائی تھی اور جب وہ بڑا ہواتو حصول تعلیم کے لئے ایک مکتب میں جاتا تھا(۸۱۰)

ان مکاتب میں نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی بعض مکاتب میں علم لغت اور نحو کی بھی تدریس شامل تھی اکثر علماء رضا الٰہی کے لئے بغیر معاوضہ کے پڑھایا کرتے تھے لیکن کچھ اجرت بھی لیا کرتے تھے(۸۱۱)

اعلیٰ تعلیم کے لئے بڑی بڑی مساجد علمی مراکز تھے یہ اس دور کی مدارس اور جامعات تھے۔ مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کا حلقہ درس بہت پھیلا ہوا تھا اس میں قرآن مجید حدیث فقہ فرائض اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی مدینہ منورہ میں ربیعۃ اثرای کا حلقہ درس مشہور تھا امام مالک اور امام اوزاعی اسی مدرسے سے فارغ التحصیل تھے حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق کا تھا کوفے میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلی اور اما شعبی کے حلقہ ہائے درس قائم تھے بصرے میں حضرت امام حسن بصری کا حلقہ درس امتیازی حیثیت رکھتا تھا(۸۱۲)

عباسی دور میں تعلیم مساجد مقابر اور علماء کے مکانوں میں جاری و ساری تھی مدینہ طیبہ کے ساتھ ساتھ کوفہ بصرہ اور فسطاط علم کی درس گاہیں تھیں اس زمانہ میں کوفہ کا علمی مرکز امام ابو حنیفہ کی نگرانی میں اور مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک کی سرپرستی میں علمی مرکزیت معروف تھے امام ابو حنیفہ کے حلقہ تعلیم میں ھرات (افغانستان) سے لے کر دمشق اور حمص (شام) تک کے طلبہ شریک ہوتے

تھے امام مالک کے درس کی بادشاہت ایک طرف مدینے سے بخارا اور سمر قند تک تھی تو دوسری طرف تونس قیر وان قرطبہ اور سرقسطہ تک کے طلبہ علم کی پیاس بجھانے مدینے حاضر ہوا کرتے تھے (۸۱۳) وزراء اور خلفاء اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام اپنے مکانات اور محلات میں کرتے تھے اور اس کے لئے سرکردہ علماء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں یہ علماء مودب کہلاتے تھے خلفاء الاحمر۔ المفصل۔ ابو محمد یزیدی الکسائی۔ ثعلب الفراء ابن السکیت اور الزجاج خلفاء اور امراء کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور کثیر تنخواہیں پاتے تھے(۸۱۴) مامون الرشید اور بعد کے خلفاء کے دور میں بغداد تمام دنیا اسلام کا مرکز رہا اس کے علاوہ بہت سے مقامات میں درس و تدریس کی اشاعت ہوتی تھی ابن حوقل نے م ؛ ۳۶۷ ھ نے سجستان میں بہت سی مساجد دیکھی تھیں بعض میں ابتدائی کی تعلیم سے لیکر اعلی تعلیم کا انتظام تھا(۸۱۵) المقدسی نے چوتھی صدی ہجری میں فلسطین شام مصر اور ایران میں ایسی بے شمار مساجد دیکھی تھیں سیراف فیروز آباد اصبہان (اصفہان) نیشا پور ہمذان سمرقند اور بخارا مشہور علمی مراکز تھے جہاں سے بے شمار فقہاء محدثین صوفیا اور ادباء اٹھے(۸۱۶) چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مدرسین کے لئے علیحدہ اور مستقل عمارت بنانے کی ابتداء ہوئی پہلی دنیا اسلام میں مدرسے کے لیے پہلی عمارت نیشا پور میں بنائی گئی یہاں پہلا مدرسہ نیشا پور کے سامانی ناصر الدولہ ابو الحسین (م۳۷۸)ھ نے امام ابو بکر محمد بن حسین بن فورک (م ۴۰۴ھ) کے لئے بنایا تھا (۸۱۷) سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس جاکر تقریبا ۴۱۰ھ میں ایک عالیشان مدرسہ بنوایا اس کے ساتھ کتابخانہ بھی تھا جس میں مختلف کتاب خانوں کی عمدہ کتابوں کی نقلیں کراکر نہایت اہتمام سے جمع کی گئی تھیں۔ مدرسے کی مصارف کے لئے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کیئے گئے تھے سلطان کے بھائی امیر نصر سبکتگین نے اپنی امارت نیشا پور کے زمانے میں بھی ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا(۸۱۸) نظام الملک طوسی نے اپنی وزارت کے بعد نیشا پور میں ایک مدرسہ امام الحرمین (م۴۷۸ھ) کے لیے تعمیر کررہا تھا جو مدرسہ نظامیہ کہلایا تھا۔

سلاجقہ کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے عظیم الشان مدرسہ نظامیہ بغداد میں ۴۵۷ء میں تعمیر کرلیا اور ۴۵۹ھ میں اس کا افتتاح ہوا اس کا فیض صدی تک چلتا رہا شیخ سعدی شیرازی اس کے آخری زمانے کے طالب علم تھے ابو اسحق شیرازی امام غزالی ابو عبداللہ طبری الخطیب التبریزی اور بہاؤالدین شداد وغیرہ ان کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔(۸۱۹)

اندلس میں قرطبہ غرناطہ اشبیلیہ اور سرقسطہ کی جامع مساجد مرکزی درس گاہیں تھیں جامع قرطبہ میں فقہ کے علاوہ فلکیات حساب اور طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جامعہ غرناطہ میں فقہ فلسفہ کیمیا اور طب کی تعلیم کا انتظام تھا۔(۸۲۰)

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں پانچ لکھی پڑھی خواتین یہ تھیں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ ام کلثوم بنت عقبہؓ عائشہؓ بنت سعد کریمہ بنت المقداد اور الشفا بنت عبداللہ العدویہ (۸۲۱)حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپ سے ایک ہزار احادیث مروی ہیں(۸۲۲)

زمانہ خلفاء میں بچیوں کو گھر پر تعلیم دی جاتی خواتین کو علم حدیث کا بھی شوق تھا ابن سعد نے سات سو عورتوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے آنحضرتﷺ سے احادیث روایت کی (۸۲۳) بعد کے زمانہ میں بھی خواتین علم میں مصروف رہیں ابن عساکر نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ان میں خواتین کی بھی کثیر تعداد تھی۔(۸۲۴)

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک جامع ازہر ہی مصر میں علم کا مرکز تھا شیخ مصطفیٰ المراغی کے زمانہ مشیخت میں جامع ازھر کے نصاب تعلیم میں جدید مضامین کا اضافہ کیا گیا اب جامع ازہر ایک یونیورسٹی بن چکی ہے ازھر میں اعلی تعلیم تین کالجوں میں دی جاتی ہے وہ کلیۃ اصول الدین۔ کلیۃ الشریعۃ الاسلامیہ اور کلیۃ اللغۃ العربیہ ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے قانون کی رو سے انگریزی زبان میں جغرافیہ جدید منطق و فلسفہ تاریخ اسلام اور ادب عربی کی تاریخ کی بھی تدریس ہوتی ہے جامعہ ازھر کی شاخیں سکندریہ الیسوع طنطا اور دمیاط میں بھی ہیں جو معاھد الدینہ کہلاتی ہیں اب طلبہ کی تعداد چھبیس ہزار سے اوپر ہے جن میں تین ہزار کے قریب طالبات ہیں(۸۲۵)

حجاز میں مسجد الحرام اور مسجد نبوی اسلامی علوم کا مرکز رہے ہیں مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ مسلمانان پاک و ہند کی یاد گار ہے اسے ایک مخیّر خاتون صولت النساء بنگالی نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے مشورہ سے قائم کیا تھا اس کے علاوہ اعلی تعلیم کے لئے مکے جدے اور ریاض میں یونیورسٹیاں ہیں مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ ۱۹۶۱ء سے قائم ہے۔

تیونس کی جامع زیتونہ ۱۱۴ھ سے قائم ہے یہ گیارہ سو سال سے مسلسل اسلامی علوم کی روشنی پھیلا رہی ہے شمالی اور وسطی افریقہ میں یہ درسگاہ اسلام کی اشاعت کا بڑا ذریعہ ہے اب اس یونیورسٹی میں

جدید مضامین کا اضافہ کیا گیا۔

مراکش میں فاس کی جامع القرویین صدیوں سے اسلامی علوم کی نشرو اشاعت میں مصروف ہے یہ عالم اسلامی دوسری قدیم درسگاہ ہے جس کی تاسیس ۲۸۲ھ میں ہوئی تھی اب بھی اس میں چار ہزار کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں جدید علوم کے نئے مضامین بھی شامل نصاب ہیں۔(۸۲۶)

معاشرتی تعلیمات

تقابلی جائزہ

تقابلی جائزہ

قرآن و سنت کی معاشرتی تعلیمات اناجیل کے مقابلے میں بہت ہی تفصیلی اور واضح ہیں اسلام اپنے معاشرے کا ایک جامع مفصل اور صاف نقشہ پیش کرتا ہے اس کے معاشرے کے خدو خال خصوصیات ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے لیکن مسیحیت کی تعلیمات اس باب میں بہت کم ہیں جن کا ذکر چیدہ چیدہ مقامات پر سرسری طور پر ہوا ہے ان سے مسیحی معاشرہ کا کوئی خاص نقشہ ہمارے سامنے نہیں آتا در اصل موجودہ اناجیل قرآن حکیم کے طرح مکمل ضابطہ حیات نہیں ہیں یہ حضرت مسیح کی حیات وفات معجزات اور بہت کم تعلیمات کا مجموعہ ہیں جبکہ قرآن حکیم اسلامی تہذیب و تمدن معاشرت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تعلیمات کی کتاب ہے۔

ذیل میں قرآن حکیم اور اناجیل کی معاشرتی تعلیمات کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

والدین کی عزت تمام انبیاء کی توحید کی طرح مشترک تعلیم ہے اللہ کے بعد انسانی رشتوں میں سب سے بڑا درجہ اسی کا ہے حضرت عیسیٰؑ نے اس تعلیم پر بہت زور دیا اور نافرمان اولاد کو زندگی کے حق سے محروم کر دیا آپ کا فرمان ہے۔

کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں باپ پر لعنت کرے جان سے مارا جائے پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب تھا سو خدا کی نذر ہوا اور اپنے باپ یا ماں کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں بس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا(۸۲۷)

اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر۔(۸۲۸)

قرآن حکیم کہتا ہے کہ والدین کی عزت بنی اسرائیل میں بھی بلند مقام کی حامل تھی

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل الا تعبدون الا الله وبالوالدین احسانا۔ (۸۲۸)

یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

والدین کی مغفرت اور خاتمہ بالخیر انبیاءؑ کی پسندیدہ دعا تھی۔

حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے تھے۔

ربنا اغفرلی ولوالدی(۸۳۰)

پرور دگار مجھے اور میرے والدین کو بخشش دے

حضرت نوحؑ کی بھی یہی دعا تھی۔

رب اغفرلی ولولدی۔(۸۳۱)

میرے رب مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔

خاندانی تعلقات تمدن زندگی کی بنیاد ہیں انسان کا ابتدائی تعلق اپنے رشتہ داروں سے ہوتا ہے ان کے باہمی تعلق کی وجہ سے اجتماعیت کی تکمیل ہوتی ہے لیکن مسیحیت اس رشتہ کو کاٹتی معلوم ہوتی ہے۔

یہاں اجتماعی تعلق ختم ہوتے نظر آتے ہیں اور ترک دنیا کا سبق زیادہ ملتا ہے۔ اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے ماں اور باپ اور اولاد اور بھوں بلکہ اپنی جان سے بھی نفرت نہ رکھے تو وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔(۸۳۲)

"کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کے نہیں بلکہ تفریق کروانے کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں تین دو کے خلاف اور دو تین کے خلاف باپ سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے ماں بیٹی سے اور بیٹی ساس بہو سے اور بہو ساس سے۔(۸۳۳)

اسلام نے تجرد کے مقابلے میں خاندان زندگی کو زیادہ پسند کیا ہے جبکہ مسیحیت میں تجرد اور عورت سے بے تعلق ہی کمال روحانی کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی جناب مسیح فرماتے ہیں۔

"پس میں بے بیاہوں اور بیواؤں سے یہ کہتا ہوں کہ ان کے لئے اچھا ہے کے جیسا میں ہوں وہ ویسے ہی رہیں لیکن اگر خود ضبطی ان سے نہ ہوسکے تو بیاہ کریں۔ کیونکہ بیاہ کرنا جل جانے سے بہتر ہے۔(۸۳۴)

اسلام نے بن بیاہے رہنے کی ممانعت ہے اس آیت سے شادی کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور اسے خیر و برکت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله والله واسع علیهم۔(۸۳۵)

اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہاری لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔

حضرت مسیحؑ نے بر ... پڑوسی کے خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا کہ آپ کو(۸۳۶)

اسلام نے اس رشتے کو مضبوط کرنے کو کہا اگر ہر کوئی اپنے پڑوسی سے اچھے تعلقات رکھے تو ... پڑوس محبت کا نمونہ بن سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب باالجنب۔(۸۳۷)

اور (اللہ نے) ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ (نیکی کا حکم دیا ہے۔)

مسیحیت میں نکاح ناممکن التفریق ہے اور طلاق ناجائز ہے۔

پس جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے...........جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور وجہ سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے۔(۸۳۸)

اسلام نے طلاق کا حق ناگزیر اور مجبوری کی حالت میں دیا ہے طلاق سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسطرح سمجھایا گیا ہے۔

فان کر ھتموھن فعسی ان تکر ھوا شیاو یجعل الله فیه خیرا کثیرا۔(۸۳۹)

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔

لیکن اگر مرد و عورت کسی صورت میں اکھٹے زندگی گزارنے پر رضا مند ہی نہ ہوں تو علیحدگی کا یہ حق مخصوص حالات کے تحت دیا گیا ہے۔

ازطلاق مرتن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان۔(۸٤۰)

طلاق دو بار ہے پھر یا تو سید ھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کرایا جائے۔

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء۔(۸٤۱)

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین قرو تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین۔(۸٤۲)

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو ں انہیں مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے یہ حق ہے متقی لوگوں پر

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم باالمعروف۔(۸٤۳)

جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جبکہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔

اسلام نے ضرورت کے تحت اس حق کو تسلیم کیا ہے مگر عیسایت نے انسان کے اس حق پر پابندی لگا دی آخر جب مسیحی دنیا مجبور ہوئی خود انہوں نے اپنے مذہب کے اس اصول کو ایک طرف رکھ کر اپنے طور پر طلاق کے حق کو تسلیم کر لیا مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتہ نکاح کے ختم کرنے کی اپیل کی مگر مغربی کلیسا نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کلیسائے روم کی بات مانتے رہے کہ موت کے سوا کسی دوسرے سبب سے اس رشتہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا تقریبا پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیساکے اس قانون کی وجہ سے مشکلات کا سامنا رہا۔ آخر بڑی قانونی جدو جہد کے بعد ۱۹۱۰ء نکاح و طلاق کے مسائل پر ایک شاہی کمیشن(Comission) انگلستان میں بیٹھا اس نے سفارش کی اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں کو مساوی حق دیا جائے ۱۹۳۳ء کے قانون کی رو یہ طے ہو اکہ مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا مرتکب ہو تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔(۸۴۴)

یہ اناجیل کی چیدہ چیدہ معاشرتی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر تقابلی جائزہ تحریر کیا گیا ہے اناجیل اربعہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کے یہ کوئی معاشرت کی تفصیلی کتب نہیں ان میں مسیحؑ کے حالات زندگی کو پیش کئے گئے ہیں۔مگر مسیحیت کی تہذیب و تمدن معاشرت اور خاندانی زندگی پر اور مکمل روشنی نہیں ڈالی گئی لیکن اس کے مقابلے میں اسلام ایک دین کامل اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا مکمل ضابطہ حیات

ہے اس کا اپنا ایک جامع معاشرتی اور تمدنی نظام ہے جس میں صالح زندگی اور مثالی معاشرہ کے اصول بیان کئے گئے ہیں اسلام کا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت ہے اس کے پائیدار اور مستقل اصول و ضوابط ہیں جو عدل و انصاف جسے مضبوط ستونوں پر قائم ہیں اس کے تمام حصے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں یہ نظام معاشرت ایسا جامع و کامل ہے کے اس میں زندگی کی تمام سرگرمیاں اور دائرے احسن طریقے سے پورے ہوتے ہیں۔ یہ نظام دین د دنیا دونوں پر حاوی ہے یہ دنیا اور اخروی حیات دنوں کی بھلائی چاہتا ہے اس میں فرد کی اصلاح کے لئے ایک موثر نظام تربیت اور عبادت رکھا گیا اور اجتماعی اصلاح کے لئے نظام تبلیغ قائم کیا گیا۔ اسی لئے امت مسلمہ کو خیرامت اور امہ وسط کا نام دیا گیا ہے یہ الگ بات ہے کے ہم نے اس فریضہ کو کتنا ادا کیا ہے اور غیر کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ یوں اسلام کی معاشرتی تعلیمات سے اسلامی معاشرہ کو استحکام ملتا ہے اوراس کے ذریعہ یہ دنیا ایک مثالی معاشرہ بن جاتی ہے۔

معاشی تعلیمات

معاشی تعلیمات

علم معاشیات

علم معاشیات کی بنیاد ایک باقاعدہ علم کی حیثیت تقریبا آج سے دو سال پہلے آدم سمتھ (Adam Smith)کی کتاب ”دولت اقوام“(Inquiry into the Nature and causes of the wealth of nations1776) سے پڑی اس کی اسی کتاب کے نام سے علم معاشیات کی تعریف بھی عیاں ہے کہ معاشیات ایک ایسا علم ہے جو اقوام کی دولت کی نوعیت اور اس کے اسباب دریافت کرتا ہے۔(۸۴۵)

” دولت اقوام“ کی اشاعت کے تقریبا ۵۰ سال بعد انگلستان کے ایک ماہر معاشیات الفریڈ مارشل نے علم معاشیات میں بہت سے اضافے کیے اور آدم سمتھ نے اس علم کی جو تعریف کی تھی اس پر کئے گئے اعتراضات کے جواب دیئے۔ مارشل نے معاشیات کی تعریف کے لئے ایک درمیانی راستہ نکالا وہ کہتا ہے۔ ” علم معاشیات میں انسان کی ان سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے۔ اس علم سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور اسے کس طرح استعمال کرتا ہے۔(۸۴۶)

مارشل ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۹۲۱ء میں انتقال کر گیا مارشل کے نظریات کی اہمیت ایک عرصہ تک رہی اور اس کے ہم عصروں میں ماہرین معاشیات پروفیسر پیگو اور کینن نے مارشل کے خیالات کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالی جسے نیو کلاسکی فکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پیگو نے وضاحت کرتے ہوئے کیا۔ ” معاشیات اقتصادی خوشحالی کے مطالعہ کا نام ہے اور اقتصادی خوشحالی وہ حصہ ہوتی ہے جس کی براہ راست یا بالواسطہ زر کی مدد سے پیمائش کی جا سکتی ہے“۔(۸۴۸)

پروفیسر کینن نے وضاحت کرتے ہوئے کہاہے۔ ” معاشیات کا مقصد ان عمومی اسباب کی وضاحت کرنا ہوتا ہے جن پر انسان کی مادی فلاح وبہبود کا انحصار ہوتا ہے“۔(۸۴۹)

پروفیسر لائنل رابنز معاشیات کی نئے سرے سے تعریف کی ” معاشیات ایک ایسا علم ہے جس سے انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جسے وہ خواہشات کے لامحدود ہونے مگر ان کو پورا کرنے کے لئے محدود ذرائع کی موجودگی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے جبکہ یہ ذرائع کثیر الاستعمال ہیں“۔(۸۵۰)

غرض معاشیات حصول دولت اور صرف دولت کا نام ہے اور اس میں اس نظام کار کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس کے تحت ایک معاشرہ اپنے محدود مادی اور انسانی ذرائع کی مدد سے خوش حال زندگی گزارنے اور تسکین حاجات کا بلند سے بلند معیار حاصل کرنے کے لئے ایک اجتماعی کوششیں ایک منصوبے کے تحت عمل میں ہوتا ہے"۔

مسلم مفکرین اور معاشیات کی تعریف

علامہ ابن خلدون نے المعاش کی تعریف کرتے لکھتا ہے۔ " معاش رزق ڈھونڈنے کا اور اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا نام ہے۔(۸۵۱)

الحریری نے المعاش کی تعریف یوں کی ہے۔ " معاش سے مراد یہ ہے کہ انسان تجارت زراعت اور صنعت کے ذریعے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے"۔(۸۵۲)

معاشیات اسلام

آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشیات یا معاشیات اسلام سے ہماری مراد کیا ہے۔ حسن الزماں اسلامی معاشیات کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔" اسلامی معاشیات وہ علم ہے جن میں شریعت کے اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے جو بے انصافی کے ذریعہ کے ذریعہ مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کو تسکین بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس قابل بنائیں کہ وہ ان فرائض کی ادائیگی کریں جو اللہ تعالی اور جماعت نے ان پر عائد کیے ہیں"۔(۸۵۳)

محمد اکرم خاں اسلامی معاشیات کی یوں تعریف کرتے ہیں۔ " معاشیات اسلام کا مقصد انسانی فلاح کا مطالعہ کرنا ہے جو کہ زمینی وسائل کو منظم کرنے حصہ لینے اور باہمی تعاون سے حاصل ہوتی ہے۔"(۸۵۴)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی اسلامی معاشیات سے مراد اسلام کا معاشی نظام لیتے ہیں وہ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسے ہمہ گیر فلسفہ پر قائم ہے جس کا نام اسلام ہے جو عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے اور دنیائے انسانی کی صرف معاشی صلاح وفلاح کا ہی خواہش مند نہیں ہے بلکہ روحانی مذہبی اخلاقی، سیاسی معاشرتی اور معاشی غرض ہر قسم کی دینی ودنیوی فلاح وبہبود

اور رشدوہدایت کا علمبر دار ہے اور اس طرح ایک وسیع اور مکمل نظام کائنات کا مدعی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کا منتہائے مقصد صرف دنیوی ترقی وکمال ہی نہیں ہے بلکہ سعادت ابدی اور رضائے الٰہی اس کی حیات کا کعبہ مقصود ہے اس لیے وہ ہر شعبہ زندگی کے لئے ایک صالح نظام اجتماعی کا طالب ہے اور ان ہی شعبہ ہائے زندگی کا ایک شعبہ صالح نظام معاشی بھی ہے"۔(۸۵۵)

پروفیسر مظفر حسین ملاٹھوی رقم طراز ہیں کہ احکامات الٰہی اور ارشاد نبوی کی رو سے اسلام میں علم المعشیت کی تعریف یہ ہے کہ تمام انفرادی اور اجتماعی طیب طریقہ اکتساب دولت اورطریقہ تقسیم دولت جو حلال اشیاء کے حصول اور اسوہ حسنہ کی ادائیگی کے لئے دین حق کے معینہ دائرہ عمل کے تحت اختیار کئے جائیں وہ اسلامی معیشت ہے"۔(۸۵۶)

مندرجہ بالا تعریفات سے اسلامی معاشیات کے بارے میں یہ نکات اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ علم قران وسنت اور اجتہاد سے اخذ ہوتا ہے۔

۲۔ اسلامی معاشیات میں معاشی سرگرمیوں کا مقصد بے انصافی کا خاتمہ ہے

۳۔ انسان کا مقصد زندگی یہ نہیں کہ وہ ذاتی خواہشات کی تسکین ہی میں مصروف رہے بلکہ اس پر معاشرہ کی طرف سے کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔ جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ فلاح بھی دنیا وآخرت کی کامیابی اسلامی معاشیات کا مقصد ہے۔

۵۔ زمینی وسائل کا صحیح تصرف فلاح کا باعث ہے۔

۶۔ یہ نظام دنیاوی ترقی کے ساتھ سعادت ابدی اور رضائے الٰہی بھی چاہتا ہے۔

۷۔ اسلامی معشیت کا ایک اہم مقصد حصول دولت اور تقسیم دولت کے بارے میں جائز اور حلال طریقے سکھانا ہے۔

صالح معاشی نظام کا ضرورت

اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور اس کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں بلکہ اس کی ہدایت وروشنی اس دنیا کے ساتھ ساتھ آخروی اور دائمی زندگی سے بھی وابستہ ہے۔ اسی لئے اس کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ :: مکمل ضابطہ زندگی ہونے کی وجہ سے ایک محدود اور خاص عنوان کے تحت معاشی نظام علیحدہ پیش کرتا یہ ایک حقیقت ہے اسلام دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح ایک صالح معاشی نظام

کا مالک ہے۔ لیکن یہ معاشی نظام بھی اسلام کے دوسرے نظام ہائے زندگی کی طرح قران حکیم کا ایک حصہ یا جز ہے اور اپنی کوئی انفرادیت یا علیحدہ حیثیت نہیں رکھتا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صالح اقتصادی نظام کی اہمیت وضرورت پر بحث کرتے ہوئے اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ اسلام میں معاشی نظام کا اخلاقی اور مذہبی نظام کے ساتھ کتنا قریبی تعلق ہے وہ لکھتے ہیں۔ جب ایران اور روم کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلادیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں مشغول ہو گئے اور ان میں ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے جو بیجا عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور ساماں عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب وغریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ افرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے اور ایک دوسرے پر فخر مباہات کر سکتے ہیں حتی کہ ان کے افراد اور سرمایہ داروں کے لئے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا ٹپکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو یا ان کے پاس عالی شان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سردوگرم حمام، بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زائد نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں اور حسین وجمیل باندیاں موجود ہو اور صبح وشام رقص وسرود کی محفلیں گرم ہوں اور جام وسبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہواور جن کا ذکر قصہ طولانی کے مترادف ہے غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے معاشی نظام کا اصل الاصول بن گیا تھا اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور اسراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم انشان آفت اور وباء کی طرح سرایت کر گیا تھا اور عوام وخواص سب میں یہی جذبہ فاسد پایا جاتا اور ان کے معاشی نظام کی تباہی کا باعث بن رہاتھا......کاشتکاروں، تاجروں پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کار پردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سے سخت سزائیں دیں اور مجبور کر کے ان کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات وضرورت کے مطابق بھی کچھ

پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم وبداخلاقی کی انتہا ہو گئی تھی۔ اس پریشان حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنی اخروی سعادت وفلاح اور خدا سے رشتہ بندگی جوڑے کے لئے بھی مہلت نہ ملتی تھی اور اس فاسد معاشی نظام کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے۔ وہ اکثر قلم متروک ہو گئیں اور امراء ورؤساء کی مرضیات وخواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ ان کی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی تھی اور ان میں سے اکثر کا گزارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا اور یہ سب اس فاسد معاشی نظام کی بدولت پیش آیا جو عجم و روم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض ناقابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدا تعالی کا غضب بھڑک اٹھا اور اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اس کا قلع قمع ہو جائے اس نے ایک نبی امی کو معبوث کیا اور اپنا پیغمبر بناکر بھیجا وہ دن آیا اور اس نے روم وفارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا اور عجم وروم کے رسم ورواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس وروم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام اور جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجاانہماک کا باعث بنتے ہیں مثلا مردوں کے لئے سونے چاندی کے زیوارت اور حریر ودیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواں مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور تصویروں والے کپڑے مکانوں پر فضول نقش ونگار رفیع انشان محلات وقصور کی تعمیر وغیرہ کے یہی نظام فاسد کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاؤموبد ہیں۔ بہر حال خداتعالی نے اس بستی کو اخلاق کریمانہ نیکی کا معیار اور طاہر وپاک امور کے لیے میزان بنادیا۔(۸۵۷)

اسلامی معاشیات اور غیر اسلامی معاشیات میں فرق

اسلامی معاشیات اور مغربی معاشیات نفس مضمون طریق تجزیہ بنیادی مفروضات اور نتائج کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ان دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسلامی معاشیات کی بنیاد وحی الٰہی رسول ﷺ کی تشریح اور امت مسلمہ کے علماء وماہرین معاشیات کے اجتہاد پر مبنی ہے اور یہ اجتہاد بوقت ضرورت قیاس رائے استحسان مصالح، مرسلہ وغیرہ کی شکل اختیار کر سکتا۔

جبکہ غیر اسلامی معاشیات صرف انسانی سوچ اور تجربات کا نچوڑ یہاں تمام نظریات کو صرف مشاہداتی اور عمل شواہد کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور جو نظریات عقلی اور مشاہداتی طور پر ردنہ کیے جا سکیں ان کو سچا مان لیا جاتا ہے تاکہ ایسے حالات پیدا ہوں کہ کچھ دوسرے شواہد ان کی نفی کر دیں۔ محمد اکرم خاں لکھتے ہیں بظاہر عقلی مشاہداتی معاشیات میں کچھ آسانیاں نظر آتی ہیں مثلاً نئے حالات میں نئے فیصلے کی آسانی لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ تغیر پذیری کے فوری اور فیصلوں کے باعث تنظیم میں پائداری کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی معاشرے کی ترقیاتی زندگی کے لئے ازبس ضروری ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی معاشیات میں اختلاف ونظر کا اتنا ہنگامہ ہے کہ بعض اوقات عقل خود حیران ہو جاتی ہے اسلام میں مطلق قدریں پائداری پیدا کرتی ہیں اور نئے فیصلوں کی بھی گنجائش ہے۔(۸۵۸)

۲۔ اسلامی معاشیات اور مغربی معاشیات میں ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ آخر الزکر مشاہداتی حقائق کے بیان اور ان کی وقتی تعبیر سے غرض رکھتی ہے۔ مگر اس تجزیے کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل یا طریق کار بیان کرنا اس کے دائرے سے باہر ہے لیکن اسلامی معاشیات حقائق کے تجزیے کے علاوہ لوگوں کے لئے مطلوبہ لائحہ عمل بھی بیان کرتی ہے اور ان معنوں میں ایک معیاری علم ہے۔ اسلام اپنی حکمت کی رو سے ایک عملی نظریہ ہے اس میں صرف قیل وقال یا بحث و تمحیص کا کوئی مقصد نہیں بلکہ شریعت میں ایسی بحث و تمحیص سے روکا گیا جس کا مقصد عملی اقدام کے لئے روشنی حاصل کرنا نہ ہو یہ سراسر ایک طریق کار ہے عمل ہدایات پر مبنی دستورالعمل ہے۔ اسلامی معاشیات جو کہ اسلام کی بنیادی حکمت ہی سے ماخوذ ہے کسی ایسی بحث سے سروکار نہیں رکھتی جس کا مقصد صرف تجزیہ وتنقید ہو اور کوئی عملی اقدام اس کی غایت نہ ہو۔(۸۵۹)

۳۔ نفس مضمون کے لحاظ سے بھی مغربی اور اسلامی معاشیات میں نمایاں فرق ہے۔ مغربی معاشیات انسان کے معاشی کردار وافعال اور دنیوی مفاد کو مدنظر رکھ کر مطالعہ کرتی ہے۔ یعنی وہ اس کے دنیوی خوشحالی کو پیش نظر رکھتی ہے اوراس میں اخلاق کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے پھر اخروی زندگی سے یہ

کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ جبکہ اسلامی معاشیات دین و دنیا دونوں کی بھلائی چاہتی ہے۔ اس کے پیش نظر دنیا کی خوشحالی اور آخرت کی بہتری مطلوب ہے۔(۸۶۰)

دراصل اسلامی معاشیات کا مطمع نظر انسان کی فلاح ہے۔ فلاح اسلامی معاشیات کی ایک خاص اصطلاح ہے جو قران مجید سے ماخوذ ہے اس سے مراد دنیوی زندگی میں ایک انسان کی اطمینان بخش معشیت اور آخروی زندگی میں فوز وفلاح اور کامیابی و کامرانی ہے۔(۸۶۱)

۳۔ مغربی معاشی عمل میں لرقابت دشمنی حسد، ......، عداوت، انتقام طبقاتی دشمنی پائی جاتی ہے۔جبکہ اسلامی معاشیات میں تقوی،احسان،عدل، تعاون، اخوت، مساوات، صبر شکر،ایثار، توکل، قناعت جیسی معاشی اقدار موجود ہیں۔ معاشیات کے ان سنہری اصولوں سے یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

۴۔ اسلام میں کسب معاش کے ذرائع اور طریق کار معین کر دیئے گئے ہیں۔ جن سے روگردانی تباہی اور بربادی کو دعوت دینا ہے۔ اس کے برعکس جدید نظام معاشیات میں کسب معاش کے کوئی معینہ اصول نہیں ہیں۔ خاص طور پر حلال وحرام پاک وناپاک طیب وخبیث ذرائع معاش کا اس میں کوئی تصور نہیں۔

۵۔ اسلامی معاشیات کے بنیادی اوراساسی اصولوں میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ مگر ان کی روشنی میں جدید انسانی زندگی کے تقاضوں کے تحت استنباط واستخراج کی گنجائش ضرور موجود ہے۔ لیکن مغربی معاشیات کے اساسی اصولوں کو ماہرین معاشیات نئے نئے انداز میں بدلتے رہتے ہیں۔ اس سے معاشرے میں خلل واقع ہوتا ہے۔

۶۔ مغربی معاشیات کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد محض ظن وتخمین پرہے اور اسی وجہ سے اس میں ایسے تضادات پائے جاتے ہیں۔ جن کے ٹھوس اور محکم نتائج اخذ نہیں ہوتے لیکن اسلامی معاشیات حتمی یقینی اور وحی الٰہی پر مبنی ہے اس کے اصول حتمی اور یقینی ہیں۔

۷۔ مغربی معاشیات ذاتی تسکین تک محدود ہے۔ وہ ہرانسان کو زیادہ سے زیادہ ذاتی تسکین حاصل کرنے کا حق دیتی ہے اور اپنے وسائل کو خرچ کرنے کے لئے ہر قسم کی آزادی دیتی ہے اور وہ یہ نہیں دیکھتی کہ انسان کی اس قسم کی سرگرمیوں سے معاشرہ پر کیا اثرات بڑے گے۔لیکن اسلامی معاشیات معاشرے کی فلاح اور بھلائی مقدم رکھتی ہے۔

۸۔ مغربی معاشیات انسان کو خود تصور کرتی ہے۔ لہذا اسی لئے ہر انسان کو اپنے مفادات کے تحفظ

کے لئے ہر طریقہ اور حربہ استعمال کرنا چاہیئے۔اسلام انسان کو اشرف المخلوقات اور خدا کا نائب کہتا ہے نیز ایمان اور عمل صالح کی بدولت وہ بہترین سیرت وکردار کا مالک ہو جاتا ہے۔ ان ہی نعمتوں کو اپنانے سے اس کے اندر خود غرضی تنگ نظری علم وغضب حسدوبغض جیسے رذائل اخلاق سے بچ جاتا ہے۔

معاشی خوشحالی کا راز

معاشی ترقی اور خوشحالی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف پیداوار بڑھا دی جائے یا صنعتی ترقی کردی جائے بلکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ایک خوشحال اور اعلی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ پروفیسر ڈی۔اے ڈیمنٹ کے قول کے مطابق صنعتی ترقی اسی معاشرے کی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے جس کی زرعی بنیادیں مستحکم ہوں۔ بنیادی اور گھریلو حرفت مضبوط ہو اور جس میں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہو اس کے باوجود ایک خاص مرحلے سے آگے بڑھ کر خوشحال کی رو ماند پڑ جاتی ہے افراد کے فطری تعلقات میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور معیار زندگی بڑھنے کے بجائے گھٹنے لگتا ہے۔(۸۶۲) اور یہ بات ہمیشہ سامنے رکھنی چاہیئے کہ وہ حقیقی معاشی ترقی ایک ایسا ہمہ پہلو انفرادی اور سماجی عمل ہے جس کے تحت افراد کے رویے اور اعتقادات اس طور پر نئے سانچوں میں ڈھالے جاتے ہیں کہ وہ اپنی روزمرہ کی کثیر تعداد سرگرمیوں میں بھی ایک نئی آزادی محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان میں سے کئی سرگرمیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کسی بھی معاشی یا مالی اصطلاح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (۸۶۳) بس ہمارا اصل کام یہ ہے کہ معاشرے میں جوش لگن جذبہ پیدا کیا جائے وہ ایک مشن کے تحت کام کرنے لگیں غرض ہمارا رویہ انقلابی تخلیقی اور حقیقت پسندانہ ہونا چاہیئے یوں ہم کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

پس ہمارا اصل مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ محض صنعتی ترقی پیداوار کا اضافہ یا اس طرح کی کوئی اور چیز کانام ہیں بلکہ ایسی معاشی ترقی حاصل کرنا ہے جو صحیح سمت اور صحیح رخ کی طرف ہو اور تیز رفتار ہو نیز وہ صحیح طریقوں سے حاصل کی جائے اور اس کے نتائج بھی درست نکلیں اور بقول پرفیسر خورشید یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ پورے نظام میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں نہ لائی جائیں سامراجی دور کے فرسودہ معاشرتی اور اخلاقی تصورات کے مقابلے میں صحت مند تصورات ملک کے سامنے نہ رکھے جائیں۔ معاشی پالیسوں کو بنیادی انسانی اقدار کی اساس پر استوار نہ کیا جائے اجر اور مستاجر، محنت اور سرمائے اورزمین دار اور کاشت کار کے درمیان ان اقدار کی روشنی میں ازسر نو تعلقات قائم نہ کیے جائیں۔

جو ہمارے بنیادی نظریہ حیات کا عطیہ ہیں۔..........اس طرح ہمارا اصل معاشی مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری ضروریات کو پورا کر سکے اور جو ہمارے تمدن ہماری اقدرا حیات اور ہمارے نظریہ زندگی کے مطابق ہو ہماری یہ ضرورت اسلامی نظام معشیت ہی پوری کر سکتا ہے۔(۸۶۴)

قران حکیم کی معاشی تعلیمات

قران حکیم نے جو معاشی تعلیمات بیان ہوئی ان کا ذیل میں خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ قران عزیز نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات معاشرتی معاملات، سیاسیات دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ اصول وکلیات کا ہی ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیلات وتشریحات کو ارشاد نبوی اور ان سے مستنبط احکام فقہ کے حوالے کردیا ہے۔(۸۴۱)

قران حکیم اللہ تعالی کی انسانوں کی ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ اس میں ضابطہ زندگی کے اصول مکمل کر دیئے گئے ہیں۔(۸۴۲) اسی لئے یہاں انسان کی زندگی کے معاشی پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ " قران مجید اصولاً تہذیب اخلاق اور ترکیہ نفوس کا مقصد رکھتا ہے اس میں زندگی کے مسائل اسی حوالے سے آئے ہیں اور اسی حوالے سے اعمال اور ان کی جزاوسزا اور عقبی کا موضوع بھی زیر بحث آیا۔ (۸۴۳) بایں ہمہ یہ قطعی ہے کہ معاشیات کی اخلاقی بنیادیں قران مجید میں قائم کی گئی ہیں اور کتاب میں مختلف مقامات پر معاشی زندگی کے کچھ عمل اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مطابق مولانا موددوی فرماتے ہیں انسان کی معاشی زندگی کو انصاف اور راستی پر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے چند اصول اور چند حدود مقرر کردیے ہیں تاکہ دولت کی پیدائش استعمال اور گردش کا سارا نظام انہی خطوط کے اندر چلے جو اس کے لئے کھینچ دیے گئے ہیں۔(۸۴۴) آیئے قران حکیم کے ان معاشی اصولوں اور تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں۔

کائنات کا مالک اللہ

سب سے پہلی بات اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ تمام کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء کا مالک اللہ تعالی ہے۔ وہ تمام وسائل جن پر معیشت کا انحصار ہے سب کا خالق اور پیدا کرنے والا

اللہ تعالی ہے۔ آیات قرانی ہیں۔

للّٰہ مافی السموت ومافی الارض(٨٤٥)

جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے۔

قل لمن الارض ومن فھا ان کنتم تعلمون۔سیقولون للہ(٨٤٦)

کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے فوراً بول اٹھیں گے اللہ کا۔

سورۃ الواقعہ میں ارشاد ہوتا ہے بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں...... بھلا دیکھو کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں۔...... بھلا دیکھو کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔(٨٤٧)

واتوھم من مال اللّٰہ الذی اتکم۔(٨٤٨)

اللہ نے جو مال تم کو دیا ہے اس میں سے ان کو بھی دو۔

وانفقوامما جعلکم متخلفین فیہ۔(٨٤٩)

اور جس(مال) میں اس نے تم کو(اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

و للّٰہ المشرق والمغرب۔(٨٥٠)

مشرق ومغرب سب اللہ کے ہیں۔

قل اللھم ملك الملك۔(٨٥١)

کہواے اللہ (تو) مالک ہے ملک کا۔

وسِع کرسیہ لسّموت والارض۔(٨٥٢)

اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔

الم تران اللّٰہ سخرلکم مافی الارض۔(٨٥٣)

کیا تو دیکھتا نہیں کہ جو کچھ زمین ہیں اللہ تعالی نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے۔

رزق من اللہ

تمام مخلوقات کا روزی رساں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ رب العلمین ہے اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اس کی تمام مخلوقات کی روزی کا ذریعہ بھی اسی ذات اقدس کو ہے۔ قران حکیم کی مندرجہ ذیل آیات میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ومامن دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا۔(٨٥٤)

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے۔

واللّٰہ یرزق من یشاء بغیرحساب۔(٨٥٥)

اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

وممارزقنھم ینفقون۔(٨٥٦)

اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں نے خرچ کرتے ہیں۔

وکاین من دابة لاتحمل رزقھا اللّٰہ یرزقھاوایاکم۔(٨٥٧)

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔

یقولون ویکان اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر۔(٨٥٢)

(قارون پر خدا کا عذاب نازل ہوتا دیکھ کر) وہ کہنے لگے بس جی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہئے) تنگی دینے لگتا ہے۔

واللّٰہ خیرالرزقین۔(٨٥٣)

اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

ومن یرزقکم من اسماء والارض۔(٨٥٤)

اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔

ھل من خالق غیراللّٰہ یرزقکم من اسماء والارض۔(٨٥٥)

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے۔

ان اللّٰہ ھو الرزاق ذوالقوہ المین۔(٨٥٦)

اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔

حق معیشت میں مساوات

اسلام نے معیشت کا حق سب کے لئے برابر اور کھلا رکھا ہے۔ اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں کوئی کسی کو اس حق سے محروم نہیں رکھ سکتااور کسی کو بھی اس حق مساوات میں روڑے اٹکانے کا حق نہیں۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں انسانی معیشت کے بارے میں اولین بنیادی حقیقت جسے قران مجید باربار زور دے کر بیان کرتا ہے۔ یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے اللہ تعالی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اسی نے ان کو اس طرح بنایا اور اسے قوانین فطرت پر قائم کیا ہے کہ وہ انسان کے لئے نافع ہورہے ہیں اور اسی نے انسان کو ان کے انتفاع کا موقع دیا اور ان پر تصرف کا اختیار بخشا۔(۸۵۷)

قران حکیم کی یہ لیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

ھواندی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔(۸۵۸)

وہی ہے جس نے تمھارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے

ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایشن۔(۸۵۹)

ہم نے زمین میں تم کو اقتدار بخشا اور تمھارے لئے اس میں زندگی کے ذرائع فراہم کیے۔

وفی لسّماء رزقکم وماتوعدون۔(۸٦۰)

اور تمھارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔

وجعل فیھارواسی من فوقھا وبرك فھا وقدر فھا اقواتھا فی اربعه ایام سواءً للسائلین۔(۸٦۱)

اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا۔ چار دن میں اور تمام حاجت مندوں کے لئے یکساں ہیں۔

واتکم من کل سالتموہ وان تعدوانعمة اللّٰہ لا تحصوھا۔(۸٦۲)

وہ سب کچھ تمھیں دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے۔

وھوالذی مد الارض وجعل فیھارواسی وانھارا ومن کل الثمرات جعل فھا زوجین اثنین۔(۸٦۳)

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ بنائے دریا جاری کیے اور ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں۔

وجعلنا لکم فیھا معایشن ومن لستم له یرزقین۔ (٨٦٤)

اور ہم نے تمھارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کو تم روزی نہیں دے اس میں معاش کے سامان پیدا کئے۔

لا تقتلو اولادکم من املاق نحن نزرقکم وایا ھم۔(٨٦٥)

اور اخلاس کی ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی۔

واللّٰہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت فھم فیه فبنعمة اللّٰہ یجحدون۔(٨٦٦)

اور اللہ تعالی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جنکو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں حالانکہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر حق دار ہیں۔ پھر کیا یہ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں۔

آیات بالا سب حق معیشت کی مساوات کا صاف اعلان ہے۔ اب اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ حق معیشت میں کوئی شخص محروم نہ رہے اور ہر مرد کو حصول معیشت کا مساوی حق فراہم کرے تاکہ وہ اپنی صلاحتیوں کو بروئے کار لا کر حلال روزی کما سکیں۔ معذور افراد کو اسلامی ریاست روزی مہیا کرے اور اہل ثروت بھی ریاست کے ضرورت مندوں کی کفایت کریں تاکہ اسلامی معاشرے کے افراد اپنی بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ رہیں۔ پھر اگر کوئی عنصر ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ جس سے غریب روٹی کو ترس جائیں اور امیر عیش وعشرت میں مبتلا ہو جائیں تو اسلامی ریاست ان امراء کے مال سے جبرا وصول کر کے غربا کی ضروریات پوری کر سکتی ہے۔ مولانہ حفظ الرحمٰن نے اس فتوی کے جواز میں بہت سی احادیث اور فقہاء کے اقوال کو جمع کیا ہے۔(٨٦٧) ان میں چند حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت وطاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہئے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دیدے اور جس

شخص کے پاس سامان ضرورت سے زائد ہو وہ نادار اور حاجت مند کو دیدے۔ ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتی کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔(۸۶۸)

اسی قسم کی دوسری ایات قرانی اور احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابن حزم ظاہری تحریر فرماتے ہیں۔ اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فے(بیت المال کی آمدنی) سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان ان ارباب دولت کو ان کی کفالت پر مجبور کر سکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم زر کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو۔ پہنے کے لئے گرمی اورسردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش گرمی دھوپ اور سیلاب جسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔(۸۶۹)

درجات معیشت

اسلام نے حق معیشت میں مساوات کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا مطلب معاشی مساوات یا معیشت میں برابری نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا اور معاشی جدوجہد کی آزادی ہے۔ ہر کسی کو معاشی دوڑ دھوپ میں حصہ لینے کا برابر حق ہو۔ اس میں کسی کی اجارہ داری نہ ہو۔ مولانہ مودودی فرماتے ہیں اسلام دولت کی مساوی تقسیم کی بجائے منصفانہ تقسیم چاہتا ہے اس کے پیش نظر ہر گز یہ نہیں کہ تمام انسانوں کے درمیان ذرائع زندگی کو برابر تقسیم کیا جائے قران مجید کو جو شخص بھی پڑھے گا اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی اس کائنات میں کہیں بھی مساوی تقسیم نہیں پائی جاتی مساوی تقسیم ہے غیر فطری چیز کیا تمام انسانوں کو یکساں صحت دی گئی ہے کیا تمام انسانوں کو یکساں ذہانت دی گئی ہے کیا تمام انسان حسن طاقت قابلیت(محنت،حافظہ صلاحتیوں) میں برابر ہیں...... اور جہاں بھی مصنوعی طور پر اس کی کوشش کی جائے گی وہ لازماً ناکام ہو گی اور غلط نتائج بھی پیدا کرے گی۔ اس لئے اسلام یہ نہیں کہتا کہ وسائل اور ثمرات معیشت کی مساوی تقسیم ہونی چاہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ منصفانہ تقسیم ہونی چاہیے۔(۸۷۰)

انسانوں کے پاس دولت کی کمی بیشی ناگزیر ہے۔ کہیں بھی دولت میں نہ کبھی برابر ہوئے ہیں اور نہ

ہونگے ایسا ہونا فطری عمل ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن تحریر کرتے ہیں اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں۔ اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لئے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں کبھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے۔ یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن نہ ایسا کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اسی طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر وافلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔(۸۷۱)

قران عزیز نے اس تفاوت درجات کو اسطرح بیان کیا۔

و ھوالذی جعلکم خلیف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم۔(۸۷۲)

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اورتم میں سے بعض کو بعض کے اوپر درجے دیئے تاکہ جو کچھ بھی تم لوگوں کو اس نے دیا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے۔

انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض وللاخرۃ اکبر درجت واکبر تفصیلا۔(۸۷۳)

دیکھو کس طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت تو درجات کے فرق اور تفصیل میں اور بھی زیادہ ہے۔

واللّٰہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق۔(۸۷٤)

اور اللہ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔(۸۷۵)

اللہ جس کو چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے۔

لہ مقالید السموت والارض یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔(۸۷٦)

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں جن کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔

واللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔(۸۷۷)

اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

والاتتمنوا ما فضل اللّٰہ به بعضکم علی بعض، للرجال نصیب مما اکتسبو ولنساء نصیب مماا کتبسن وسلوااللّٰہ من فضله۔(۸۷۸)

اور تمنا نہ کرو اس فضیلت کو جو اللہ نے تم میں سے کسی پر عطا کی ہو مردوں کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے اور عورتوں کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے۔البتہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

حکمتیں

درجات معیشت کی حکمت یہ ہے اس سے دنیا کا کارخانہ نہ چل رہا ہے۔ یوں ایک فرد درسرے کا مدومعاون ہے۔ ہر انسان دوسرے کا کام کر رہا ہے۔ مل کر زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔ اسطرح اجتماعی اور معاشرتی زندگی رواں دواں ہے۔ ارشاد باری ہے۔

نحن قسمنا بینهم معیشتهم فی الحیوة الدنیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجت لیتخذ بعضهم بعضاً سخریا۔(۸۷۹)

ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دینا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے ایک تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔

۲۔ دوسری حکمت ازمائش ہے۔ اسطرح اللہ تعالی دکیھ رہے ہیں کہ دولت کا صحیح استعال ہو رہا ہے یا نہیں۔ صاحب ثروت حق داروں کے حق ادا کررہے ہیں یا نہیں۔

ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم۔(۸۸۰)

اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشاہے اس میں تمھاری آزمائش کرے۔

زمانہ انقلاب کا نام ہے۔ امیر غریب اور غریب امیر بن سکتا ہے۔ ایسے ایسے انقلاب آجاتے ہیں کہ بادشاہ فقیر بن جاتے ہیں۔دولت مند نان جویں کے لئے ترس جاتے ہیں۔ اس لئے خدا سے ڈرنا چاہیے اور دولت کے نشہ میں غریبوں کے حق کو نہیں بھولنا چاہیے۔

وتلك الایام ندوالها بین الناس۔(۸۸۱)

اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

قران حکیم کہتا ہے کہ عزت وشان رزق کی فروانی نہیں بلکہ تقوئ اور پرہیزگاری ہے۔ اصل کامیابی وکامرانی آخروی ہے۔ فرمایا

ارضیتم با لحیوۃالدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃالدنیافی الاخرۃ الا قلیل۔(۸۸۲)

کیا تم آخرت(کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو دنیا کا زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابلے بہت کم ہیں۔

معاشی جدوجہد اور حصول معیشت کے لئے ترغیبات

اسلام نے کسب معیشت اور رزق کی تلاش اس کے لئے جدوجہد پر بہت زور دیا ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ یہ پوری زمین بلکہ تمام کائنات انسان کا میدان عمل ہے۔ اس میں جمود اور ٹھہراؤ مردہ پن ہے۔ اللہ تعالٰی کی یہ بہت وسیع کائنات ہے اس میں کام محنت سعی اور تلاش کرنے والے کو بہت کچھ ملتا ہے۔ انسان کے اس عمل کو بقول پروفیسر خورشید معاشیات کی اصطلاح میں پیداوار کو بڑھانے کی پالیسی کہہ سکتے ہیں۔ سرمایہ درانہ معیشت میں اصل اہمیت نفع کی تکثیر کو حاصل ہوتی ہے جب کہ اسلامی معاشیات میں کل پیداوار کی تکثیر اور خدا کے بندوں کے لئے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔(۸۸۳)

ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فھا معایش۔(۸۸٤)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمھارے لئے سامان معاش پیدا کیے۔

الم تروا ان اللہ سخرلکم ما فی السموت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنہ۔(۸۸۵)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسے تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے۔

اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کردی ہیں۔

فاذا قضیت الصلوت فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔(۸۸٦)

پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالٰی کے فضل(رزق) کو تلاش کرو۔

ان الذین تعبدون من دون اللّٰہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللّٰہ الرزق۔(۸۸۷)
جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو وہ تمھاری روزی کے مالک نہیں سو تو تلاش کرو اللہ کے پاس سے روزی۔

واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ۔(۸۸۸)
اور کتنے اور لوگ ہیں جو پھرتے ہیں ملک میں اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرتے ہیں۔

ولاتنس نصیبك من الدنیا۔(۸۸۹)
اور دنیا نے اپنا حصہ لینا نہ بھولو۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل احادیث قابل ذکر ہیں

قال رسول ﷺ طلب کسب الحلال فریضته بعد الفریضة۔(۸۹۰)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد(سب سے بڑا) فرض ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا اصلیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم۔(۸۹۱)
رسول ﷺ نے فرمایا جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند کا نام نہ لو

قال رسول ﷺ الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم فی طلب المعیسة۔(۸۹۲)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض گناہوں میں سے ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلب معیشت کی فکر اور جدوجہد میں کاوش ہی سے ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق کو تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما تم کو (دعا کے ساتھ) اس کے لئے جدوجہد بھی کرنی چاہے کیوں کہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں۔(۸۹۳)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے" رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود نہیں"۔(۸۹۴)

" عورت کو گھر میں خالی بیٹھے رہنے کی جگہ چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا مشغلہ ہے"۔(۸۹۵)

رسول اللہ ﷺ نے صاحب حیثیت کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں تاکہ فراخی حاصل ہو۔(۸۹۶)

کچھ اور احادیث ملاحظہ ہوں۔

اس سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے جو آدمی اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے حضرت داودؑ اپنے ہاتھوں سے اپنی روزی کماتے تھے۔(۸۹۷)

" خدا نے جتنے انبیاء بھیجے ہیں ان سب نے بکریاں چرائی ہیں۔(۸۹۸)

ایک صحابیؓ نے آپ سے پوچھا کہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اپنی محنت کی کمائی۔(۸۹۹)

ان آیات واحادیث میں معاشی جدوجہد اور محنت کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان ہی کی روشنی میں پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو طاقت دینے والی پالیسی اسلام کے معاشی نظام کا ایک ضروری اور اہم حصہ بن جاتی ہے۔

حلال وحرام کی تمیز

اسلام نے انسان کو معاشی دوڑ دھوپ میں بھرپور انداز میں حصہ لینے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ پیداوار میں اضافہ اور معیشت میں فروغ ہر لیکن اس کے ساتھ رزق حلال کی پابندی عائد کردی ہے۔ ہاتھ کی کمائی دماغی کوشش تجارت صنعت وحرفت کھیتی باڑی ملازمت سب سے میں حلال روزی کا حکم ہے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروکار کو دولت کمانے کا عام لائسنس نہیں دیا بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز اور ناجائز کا امتیاز قائم کرتا ہے یہ امتیاز اس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر ہو اور ہروہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان منصفانہ طور پر ہو۔(۹۰۰)

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں۔

یایھا الناس کلو امما فی الارض حلاًطیبا.(۹۰۱)

اے لوگوں جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان سب میں حلال اور پاک چیزیں کھایا کرو۔

یایھا الذین امنوا لا تاکلو اموا لکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔(۹۰۲)

اے لوگوں جو ایمان لائے آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو پھر اس کے تجارت ہو آپس کی رضامندی سے۔

یحل لھم الطیبت ویحرم علھیم الخبث۔(۹۰۳)

وہ(رسول) پاک چیزیں ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کردی۔

فکلوامما رزقکم اللہ حلالا طیبا۔(۹۰٤)

پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال اور طیب کھاؤ۔

اس واضح اور اصول حکم کے ساتھ ساتھ قران مجید نے اکتساب مال کی مندجہ ذیل صورتوں کو حرام قرار دیا۔

رشوت اور غضب۔(۹۰۵) خیانت خواہ افراد کے مال میں پر یا پبلک کے مال میں۔(۹۰۶) چوری (۹۰۷) مال یتیم میں بے جا تصرف۔(۹۰۸) ناپ تول میں کمی۔(۹۰۹) نفرتیں پھیلانے والے ذرائع کا کاروبار۔(۹۱۰) قحبہ گری اور زنا کی امدنی۔(۹۱۱) شراب،جوا،بت گری فال گیری۔(۹۱۲) سود خوری۔(۹۱۳)

اسلام نے انسان کو حصول رزق اور اس کے ذرائع میں لامحدود اختیار نہیں دیا اور اس کے تصرف پر بھی پابندیاں اور حدود ہیں۔ وہ عرب کی ایک قدیم قوم مدین کی اس بات پر مذمت کرتا ہے کہ وہ ایسا حق مانگتے تھے۔

قالور یشعیب اصلوتك تامرك ان نترك ما یعبد اباونا او ان نفعل فی اموالنا ما نشوا۔(۹۱٤)

"انھوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باب دادا پوجتے تھے یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کرسکیں"۔

اسلام کی اس منفرد اور امتیازی تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے۔ پروفیسر خورشید لکھتے ہیں یہ ایک ایسا

اصول ہے جس سے آج کے دوڑ کی معاشیات بالکل ناآشنا ہے چوں کہ اسلام کا اصل مقصد صرف وسائل معاش کی فراوانی نہیں بلکہ ان کا منصفانہ اور مصلحانہ استعمال ہے۔ اس لئے اس نے معاشی جدوجہد کو حلال وحرام کا پابند کیا۔ خالص معاشی نقطہ نظر سے یہ وہ چیز ہے جو معاشیات کو محض افادی سطح سے بلند کر کے اصلاحی اور فلاحی سطح پر لے آتی ہے اور اس طرح ایک کی معاشی جدوجہد دوسرے کے لئے معاشی تکلیف یا معاشرہ کے لئے ظلم کا ذریعہ نہیں بن پاتی۔ اسلام نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے اگران کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو یا تو فرد کی معاشرے کی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو مجروح کرتی ہیں اور یا انسانوں کے درمیان حقیقی معاشی تعاون مساوات آزادی جدوجہد عدل وانصاف اور قسط وتوازن کا قیام مشکل کر دیتی ہیں۔ خالص معاشی اصطلاح میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت میں صرف کی تکثیر (Maximisation of Consumption) کی جگہ اس کی انسب سطح کا حصول (Optimisation) پیش نظر رکھتا ہے اور ایک حقیقی فلاحی معیشت ظہور میں آتی ہے۔(۹۱۵)

حرمت سود

اسلام نے سود کو حرام قرار دیا۔ یہ معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ازروئے انصاف اس کا کوئی جواز نہیں پھر اس کا بوجھ بلا ضرورت صارفین کو برداشت کرنا پڑتا ہے نیز اس سے معاشرے میں گردش دولت کے بجائے ارتکاز دولت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو غیر منصفانہ تقسیم دولت کا سبب بنتی ہے یہ سود ہے جس کی وجہ سے غریب افراد اور پس ماندہ وترقی پذیر ممالک امیروں اور ترقی یافتہ ممالک کے غلام بن جاتے ہیں۔ اس سے معاشی توازن بگڑ جاتا ہے۔ آج پاکستان کا حشر بین الاقوامی سود کے قرضوں نے جو کر رکھا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ سود کی واپسی پر خرچ ہوتا ہے۔ اس سے ہماری معاشی ترقی متاثر ہو رہی ہے۔ قران حکیم نے سود کی بہت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

الذین یاکلون الربوالا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبط الشیطن۔(۹۱۶)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ(روز قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے سوا اس کے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔

واحل اللہ ابیع وحرم الربوا۔(۹۱۷)

اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

ومن عاد فاولیٓك اصحب النارج هم فيها خلدون۔(۹۱۸)

اب جو اس حرکت کا عادہ کرے وہ دوزخی ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

یمحق اللّٰہ الربوا۔(۹۱۹)

اللہ سود کو مٹاتا ہے۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسوله۔(۹۲۰)

اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود نہ چھوڑا) تو خبردار ہو جاؤ اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ۔

یاهاالذین امنو لا تاکلوا الربوا اضعافاً مضعفه واتقوا اللّٰہ لعلکم نفلحون۔(۹۲۱)

اے ایمان والو سود کے کئی کئی حصے بڑھا چڑھا کرنہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔(۹۲۲)

"اگر تم توبہ کر لو تو تمھیں اپنی اصل رقم واپس لینے کا حق ہے نہ تم کسی کا حق مارو نہ تمھارا مارا جائے۔" قران حکیم میں سود کی حرمت مطلق اور کسی شرط یا مقصد کے ساتھ مقید نہیں اور نہ کسی خاص شرح کو حلال یا حرام قرار دیا۔ صرف اصل زر واپس لینے کا حق دیا گیا۔ زائد کی قطعی ممانعت ہے۔ حضور ﷺ نے اس کا یہی مطلب لیا آخری حج کے موقعہ پر اپنے چچا کے سود کو باطل قرار دیا۔(۹۲۳)نیز اس پر چودہ سوسال سے تمام فقہاد کا اجماع رہا اب اگر کوئی مغرب سے مرعوب اور احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے تو الگ بات ہے۔

تجارتی ضابطہ

اسلام نے تجارت کے مقدس اور پاکیزہ پیشہ کے لئے کچھ اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں تاکہ تاجر اس کی پابندی کریں۔ اسلام نے تجارت کی ترغیب دی ہے اور اس کے فضائل وبرکات پر اسطرح توجہ دلائی۔

فاذا قضیت الصلوة فانتشروافی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ۔(۹۲٤)

"جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل(تجارت ورزق) کو تلاش اور حاصل کرو۔" مفکرین نے اس ایت کا شان نزول ترغیب تجارت ہی تحریر کیا ہے۔

دوران حج بھی تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

لیس علیکم جناح ان تبتغو افضلا من ربکم۔(۹۲۵)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم(دوران سفر حج) اپنے پروردگار کا فضل بذریعہ تجارت تلاش کرو۔

اسلام میں عبادت اور تجارت ساتھ ساتھ چلتے ہیں اسطرح دین ودنیا کو یکجا کیا ہے۔

رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله۔(۹۲۶)

"(اللہ کریم کے) بندے تو ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور لین دین(کی مشغولیات) اللہ کریم کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے"۔ نبی کریم نے تجارت کی ترغیب میں فرمایا۔

التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء۔(۹۲۷)

سچے اور امانت دار تاجر کا شمار نبیوںؑ صدیقوں کے ساتھ ہو گا۔

اسلام کے اصول تجارت مندرجہ ذیل ہیں۔

باہمی رضامندی

تجارت میں فریقین کی باہمی رضامندی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ قران حکیم نے تجارت اس اصول کو خاص طور پر پیش نظر رکھا تھا کیونکہ لین دین اور مبادلہ کا معاملہ کی تمام معاشی سرگرمیوں کی پہلی اینٹ یہی ہے۔ اس لئے فرمایا۔

یایها الذین امنو لاتا کلوا اموالکم بینکم باالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم(۹۲۸)۔

اے ایمان والو آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھایا کروہاں مگر تجارت کے ذریعہ باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو(تو اور بات ہے معاملہ میں جانبین سے حقیقی رضا کا وجود ضروری ہے۔ اضطراری رضا معتبر نہیں یعنی یہ نہیں کہ کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر رضا مند کر لیا جائے۔ اسی لئے تو سود کو حرام کیا گیا ہے۔ غرض اہل معاملہ مجبور ہو کر بیع پر لمادہ نہ ہو۔

پروفیسر خورشید لکھتے ہیں۔

تجارت باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے۔ دونوں فریق اپنی آزاد مرضی سے کسی جبر یا زبردستی کے بغیر اپنے معاملات کو طے کریں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تجارت کا بنیاد تعاون باہمی پر ہے اور

صفحہ ۹۱۳ تا ۹۱۹ دیکھو

اس لئے کہ زکوۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل پردیسی اور مسکین کے حقوق کی نگاہ داشت کر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے تاکہ میں اس کو دستور زندگی بنالوں تب آپ نے یہ ایت پڑھ کر سنادی۔

فاٰت ذی القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔(۹۵۹)

"پس ادا کرو قرابت والوں کو ان کا حق اور مساکین اور مسافر کا اور ناحق پر ہرگز خرچ نہ کرو"

سائل نے یہ سن کر عرض کیا بس یہ میرے لئے کافی ہے۔

اکتناز کی ممانعت

اسلام نے دولت کو جمع کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اکتناز کا مادہ کنز ہے کنز(مصدر) تہ بر تہ مال جمع کر کے رکھ چھوڑنا۔(۹۶۱)

امام ارغب لکھتے ہیں الکنز کے معنی دولت جمع کر کے اسے محفوظ رکھ دینے کے ہیں یہ اصل میں کنزت التمر فی الوعاء سے مشق ہے جس کے معنی کھجور کو بار دان میں بھر کر محفوظ کرلینے ہیں۔ اور کھجور اندوختہ کرنے کے موسم کو" زمن الکناز" کہا جاتا ہے اور ناقۃ کناز کے معنی گوشت سے گھتی ہوئی اونٹنی کے ہیں۔(۹۶۲)

عبدالماجد دریا بادی فرماتے ہیں کنز کے لغوی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زمین میں دفن کر دیا گیا ہو۔ مولانا موصوف اس تعریف کی تائید میں لسان العرب کے یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں۔

الکنز اسم المال اذا حرز فی دعاء ولما یحزر فیه وقیل الکنز المال المدفون۔

پھر مذید بتاتے ہیں یکنزون۔یدخرون کے مترادف ہے لکین حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوۃ ادا نہ کی جائے۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ ابن عمر صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں۔ چاہے زمین کے سات پردں میں گڑا ہوا ہو جس کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔

ما ادی زکاته فلیس بکنز۔(۹۶۳)

جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز نہیں۔

"کل ماادیت زکاته وان کان تحت سبع ارضیں فلیس بکنز وکل مالا تودی زکاته فهو کنز وان کان ظاهر اعلی وجه الدرض"(٩٦٤)

اذ اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزا وان کان مکنوزا وهو حکم شرعی تجوزفیه عن الدصل۔(٩٦٥)

هو فی الشرع مالم یود زکاته۔(٩٦٦)

روی عن عمرو ابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدی قالوا لم یوء د زکاته فهو کنز۔(٩٦٧)

قران مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اس مفہوم پر بجز۔ ایک صحابی ابوذرؓ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ اکابر تابعین اور جمہور امت کا اتفاق ہے۔(٩٦٨)

مولانا مودودی کی اس بارے میں رائے یہ ہے جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جائے کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور تقسیم دولت میں توازن بر قرار نہیں رہتا۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا نہ صرف خود بد ترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدید جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا نتیجہ آخر کار خود اس کے اپنے لئے بھی برا ہے اس لئے قران مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے وہ کہتا ہے۔

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتهم الله من فضله هو خیرا لهم بل هو شرلهم۔(٩٦٩)

جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فعل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں یہ فعل ان کے لئے اچھا ہے بلکہ درحقیقت یہ ان کے لئے برا ہے۔

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفعو لها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم۔(٩٧٠)

اور جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دے دو۔

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے۔ بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت

پیدا کرنے میں لگانا ہی دراصل سرمایہ داری کی جڑ ہے۔ مگر اسلام سرے سے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی اپنی ضرورت سے زائد دولت کو جمع کر کے رکھے۔(۹۷۱)

مولانا ابوالکلام آزاد دولت کے احتکار اور اکتناز کے بارے میں لکھتے ہیں قران وسنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی عمل زندگی کے مطالعے کے بعد مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشے میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار و اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ احتکار یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقے میں محصور ہو جانا۔ اکتناز یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام بن جائے گا جن میں نہ تو کروڑپتی ہوں گے نہ محتاج ومفلس طبقہ۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا لیکن جو فرد جتنازیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہوگا اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت کے خوشحالی ہوتی جائے گی۔ اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں صرف زکوۃ کا معاملہ ہی احکام قرانی کے مطابق درست کر لیں تو یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات ومصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرانی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل کر بھی رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کررہے ہیں۔(۹۷۲)

زرپرستی اور حرص مال کی مذمت

قران حکیم کی یہ بھی تعلیم ہے کہ زر پرستی اور دھن دولت کا حرص ولالچ تباہی کی نشانی ہے۔

الهكم التكاثر ہ حتی زرتم المقابر ہ كلا سوف تعلمون۔(۹۷۳)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو یہ ہرگز تمھارے لئے نافع نہیں ہے جلد ہی تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

ویل لکل همزة لمزة ن الذی جمع مالا وعدده يحسب ان ماله اخلده كلالينبذن فی الحطمة۔(۹۷۴)

بڑی خرابی ہے کہ اس شخص کے لئے جو عیب چین اور بدگو ہے جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ پھینکا جائے گا توڑ ڈالنے والی آگ میں

وکم اھلکنامن قربة بطرت معیشتھاح فتلك مسکنھم لم تسکن من بعد ھم الاقلیلا وکنا نحن الوار ثین۔(۹۷۵)

کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔جو اپنی معیشت پر اترائیں اب دیکھ لو ان کے گھروں کو۔ کم ہی کوئی ان کے بعد ان گھروں میں بسا ہے اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔

وما ارسلنا فی قریة من تذیر الا قال متر فوھا انا بما ارلستم به کفرون‌ہ وتالوا نحن اکثر اموالا واولاڈ ما نحن بمعذ بین۔(۹۷۶)

ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا اس کے دولت مند لوگوں نے اس سے کہا کہ جو پیغام رسالت تم لئے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں اور انھوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں۔اور ہم ہرگز عذاب پانے والے نہیں ہیں۔

تقسیم دولت اور اسلام

تقسیم دولت کے سلسلے میں اسلامی معیشت میں بہت زور دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ اسلامی معیشت کی کامیابی کا تمام انحصار تقسیم دولت پر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے تقسیم دولت کے اصول مقرر کر دیئے ہیں اور ان قوانین کو وضع کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا۔

کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔(۹۷۷)

ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے امراء کے درمیان ہی گردش کرتی رہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ۔

اقسموا المال بین الفرائض علی کتاب اللہ۔(۹۷۸)

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جس کا حق مقرر کیا گیا ہے۔

اسلام میں تقسیم دولت کے نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مظفر حسین ملاٹھوی لکھتے ہیں دولت کا مفہوم اسلام میں موجودہ معاشیات سے مختلف نہیں ہے لیکن حق ملکیت کا تصور اسلام نے یہ قائم

کیا ہے کہ دنیا کی تمام دولت کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ نجی ملکیت کا تصور محض ضامن یا امین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی معیشت میں جس شخص کے پاس جو دولت ہے وہ اس کا امین تصور کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے اس نظریہ کے تحت دولت رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے کچھ پابندیاں عائد کی ہیں یعنیہ کہ دولت رکھنے والے شخص کو اس دولت پر اختیار کل حاصل نہیں ہے۔ اس کے استعمال کے لئے اللہ نے اصول متعین کر دیئے ہیں اور اس میں دوسرے لوگوں کے حقوق متعین کر دئے گئے ہیں لھذا انفرادی دولت پر یا اجتماعی دولت اس کی تقسیم احکام الٰہی کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ اسلام نے ایک طرف تو تقسیم دولت کے لئے خالصتاً مابعد الطعباتی اصول مرتب کئے ہیں اور دوسری طرف دنیاوی اعتبار سے قوانین بنائے۔ خلیفہ وقت زکوۃ اور صدقات کی صورت میں امرا سے دولت جمع کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا ذمہ دور ٹھہرایا گیا۔

جس طرح جدید معیشت میں دولت کی تقسیم کے نظریات ملتے ہیں اسی طرح اسلامی معیشت میں بھی تقسیم دولت کے نظریات پائے جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جدید معیشت میں تمام عاملین پیدائش کا معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے اور اسلامی معیشت میں عاملین پیدائش کے معاوضہ کے تعین کے لئے جائز اور مناسب معاوضہ ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی معیشت میں سود کی حیثیت میں سرمایہ کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اسلام نے تین عاملین پیدائش مقرر کیے ہیں جبکہ جدید معیشت میں چار بتائے جاتے ہیں مثلاً سرمایہ، زمین، محنت اور منتظم مگر اسلامی معیشت میں صرف سرمایہ، زمین اور محنت کو عاملین پیدائش تصور کیا گیا ہے۔ لھذا دولت کی تقسیم ان ہی تین عوامل کے درمیان کی جاتی ہے اگر چوتھا عامل جو دراصل عامل نہیں ہے مفلس اور نادار کو تصور کر لیا جائے تو نامناسب نہیں ہو گا اس لئے دولت میں اس کا حصہ بھی قطعی ہے اور اہل ثروت حضرات صدقات کی صورت میں یہ حصہ معاشرے کے ایسے لوگوں کو دینے کے لئے پابند ہیں جو غریب اور مسکین میں شمار کئے جاتے ہیں ہر چند کہ خیرات اور صدقات رضا کارانہ فعل ہیں تاہم ایک مسلمان احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے خیرات اور صدقات نکالنے کا پابند ہیں عاملین پیدائش کا جو حصہ دولت میں سے ملتا ہے وہ تو واضح ہی ہے۔ اسلامی معیشت میں سرمایہ کا معاوضہ منافع رکھا گیا ہے۔ زمین کا معاوضہ لگان ہے اور محنت کا معاوضہ اجرت ہے منافع کا دارومدار کاروبار کی نوعیت پر ہے لھذا اسے پہلے سے طے کرنا غلط ہے اسطرح

زمین کی پیداوار کا انحصار موسم پر ہے۔ تاہم اسکا معاوضہ پیداوار کے حصہ کے طور پر لیا جاتا ہے اور یہ پہلے سے طے کیا جاسکتا ہے۔ اجرت کا تعین مزدور کی محنت اور کام کی نوعیت کے ساتھ مزدور کی ضروریات زندگی کے پیش نظر لیا جاتا ہے۔ہر چند کے قطعی نظریات دولت کی تقسیم کے لئے نہیں ملتے ہیں لیکن اسلامی معیشت کو احکام الٰہی کے تابع اسطرح رکھا جاتا ہے کہ ارتکاز دولت احتکار واکتناز کا سد باب ہوتا رہتا ہے اوردولت ہمیشہ گردش میں رہتی ہے جس سے سارا معاشی نظام معتدل رہتا ہے اور روپیہ ترقی رہتا ہے۔(۹۷۹)

اسلام نے تقسیم دولت کے مندرجہ ذیل اصول مقرر کئے ہیں۔

(ا) زکوۃ

دولت کے جمع اور ذخیرہ اکتناز واحتکار سے روکنے کے لئے نیز تقسیم دولت اور گردش دولت کے لئے سب سے اہم قانون زکوۃ کا ہے۔

انحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس میں زکوۃ کا یہی فلسفہ بتایا کہ زکوۃ دولت کے بہاؤ کا رخ امراء سے موڑ کر غرباء کی طرف کرتی ہے۔

ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم تو خذمن اغنیاھم وتردعلی فقراء لھم۔(۹۸۰)

اللہ تعالٰی نے ان پر مال کا صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور انہی کے غریبوں میں بانٹ دیا جائے گا۔

زکوۃ کا ادائیگی سے مال پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ نقصان اور آفات سے محفوظ رہتا ہے اور یہ تزکیہ نفس کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی لئے ھادی فطرت نبی اکرم ﷺ کواللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھر ھم وتز لیھم بھا۔(۹۸۱)

ان کے مالوں میں سے زکوۃ لے لو کہ اس سے تم ان کو(ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔

اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کے لئے ہلاکت اور بربادی کا سامان تیار کر رکھا ہے جو شرک کرتے ہیں اور زکوۃ ادا نہیں کرتے۔

وویل للمشرکین الذین لا یوتون الزکوۃ۔(۹۸۲)

اور بربادی ہے ان مشرکین کے لئے جو زکوۃ نہیں دیتے۔

زکوۃ اسلام کا بنیادی فریضہ ہے۔ یہ اسلام کی پہچان ہے اس کا منکر اسلام کا منکر ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کی رکنیت کی اہم شرط ہے۔ مشرکین کے بارے میں ارشاد ربانی۔

فان تابوا واقاموالصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم۔(۹۸۳)

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو چھوڑ دو۔

فان تابوا واتاموالصلوۃ واتواالزکوۃ فاخوانکم فی الدین۔(۹۸۴)

پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکوۃ کے بارے میں کبار اصحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ فان الزکوۃ حق المال۔(۹۸۵)

خدا میں ضرور ان سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کررہے ہیں کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے۔

زکوۃ اجتماعی خود کفالت کی بہترین سکیم ہے اسلام نے نظام زکوۃ کے ذریعہ معاشرہ کے غرباومساکین اور ضرورت مندوں کو معاشی تحفظ فراہم کیا ہے۔ اس میں پورے اسلامی معاشرے کی فلاح وبہبود موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

زکوۃ کی دوسری مصلحت معاشرہ کے حق میں ہے اور وہ یہ کہ معاشرہ میں لا محالہ ہر قسم کے لوگ ناتوان اور حاجت مند ہوتے ہیں اوریہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر فقراء اور اہل حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ لوگ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں اور نیز شہر کے انتظام کے لئے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے جس کے اندر محافظین اور مدبرین اور حکام کی معاش کا دارمدار ہو۔(۹۸۶)

سید اسعد گیلانی لکھتے ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے غرباء، مساکین اور محرومین کی کفالت کے بارے میں ایک اجتماعی اسکیم تیار کی اور اسے ایک عبادت بنا کر نافذ کیا۔ دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے

عشر وزکوۃ کو ایک رکن دین مانا اسے ادا کرنا ہر صاحب نصاب فرد معاشرہ پر لازم کیا۔(۹۸۷)

زکوۃ اسلامی معاشرے سے غربت کا خاتمہ کرتی ہے۔ یہ معاشرے کے کمزوروں، ناداروں، ناتوانوں،اپاہجوں، یتیموں، بیواؤں اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو سہارا اور آگے بڑھانے کا طریقہ ہے یہ جہالت، غربت، بیماری اور جرائم کے خاتمہ کے لئے مسلمانوں کا بجٹ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

اگر مسلمان آج کچھ نہ کریں صرف زکوۃ کا معاملہ ہی احکام قرانی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعوی کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات ومصائب کا حل خود بخود نکل آئے گا۔(۹۸۸)

زکوۃ سے دولت کی عادلانہ تقسیم ہوتی ہے۔ فی زمانہ یہ بہت بڑا مسلہ ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے معاشرہ امیر اور غریب کے دو طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس طبقاتی تقسیم سے معاشرے میں بغض ،عداوت، نفرت ،دشمنی ،حسد جیسے رذائل اخلاق نے جنم لیا ہے اور یہ دنیا جہنم بن گئی ہے۔ لیکن اسلام کا نظام زکوۃ ان برائیوں کا خاتمہ کرتا ہے۔ امیروں کی دولت ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسطرح دولت کا ارتکاز ایک طبقے میں نہیں ہوتا۔ اسلامی معاشرے میں زکوۃ کی بدولت بھائی چارے کاماحول پیدا ہوتا ہے۔ اسی اخوت کے جذبے کے تحت صاحب ثروت ضرورت مندوں کو خوشی خوشی امداد کرتے ہیں۔یوں اسلامی معاشرے امیر غریب کی طبقاتی کش مکش سے دور رہتا ہے۔

جدید معاشیات کا ایک اہم مسئلہ دولت کی ذخیرہ اندوزی کو روکنا اور سرمایہ کاری کرنا ہے۔ معاشی پس ماندگی کی ایک بڑی وجہ سرمایہ کاری کی کمی اور دولت کی غلط تقسیم ہے۔ پروفیسر خورشید کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا ایک معاشی وظیفہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے دولت آپ سے آپ سرمایہ کاری کی طرف منتقل ہوتی ہے اس لیے اگر اسے ذخیرہ کیا جائے تو ۴۰ سال میں وہ آپ سے آپ ختم ہو جائے گی اس لیے اس کا فطری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دولت کو روک رکھنے کے بجائے کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور اس سے معاشی ترقی رونما ہوتی ہے

عشر

عشر عربی میں پہلی دہائی یعنی دس کے لیے اسم عدد ہے۔

لسان العرب میں عَشَرالقوم یا عَشّرالقوم کے معنی اخذ عُشر اموالھد (ان کے مال کا دسواں حصہ وصول کیا) بتائے گئے ہیں اور عشر المال یا عشّر المال کا مفہوم بھی یہی ہے۔ عشر وصول کرنے والے کوعاشر یا عشّار کہا جاتا ہے۔

شریعت کے نظام میں زکٰوۃ میں عشر کی اصطلاح زکٰوۃ کی اس نوع کے لئے رکھی گئی ہے جو زمین (کھیتوں، باغات اور بعض معادن) کی پیداوار سے ادا کی جاتی ہے جس کی شرح کل پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ (نصف عشر) مقرر ہے۔

عشر کے لئے فرضیت زکٰوۃ کے عمومی دلائل کے علاوہ خصوصی دلائل میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں۔

۱۔ واتوا حقهٗ یوم حصادہٖ (۹۹۱)

کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو

قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں آیت بالا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اورسعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے اقوال تحریر کئے ہیں جن میں آیت کے الفاظ حقہ' کا مفہوم عشر اور نصف عشر سمجھا گیا ہے۔ (۹۹۲)

فرضیت عشر کے لئے سورۃ بقرہ کی یہ آیت بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

یا ایھاالزین امنو انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (۹۹۳)

اے ایمان والو اپنی نیک کمائی سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا خرچ کرو

حدیث میں عشر کے دلائل یہ ہیں۔

فمما سقت السماء والعیون او کان عشرّیا العشر وما سقی بالنصنح نصف العشر (۹۹٤)

جس زمیں کو چشمے یا بارش کا پانی سیراب کرے یا وہ زمین خودبخود سیراب ہو اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے کنویں (وغیرہ) سے پانی دیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں بیان کردہ فرق کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زمین کی آبپاشی میں خارجی محنت و اجرت کو دخل نہیں ہے، تو اس پیداوار پر اجتماعی

ٹیکس زیادہ ہونا چاہیئے اور اگر زمین کی آب پاشی میں سخت محنت کرنی پڑے جیسے کنویں، نہر، ٹیوب ویل تو ان صورتوں میں اجتماعی ٹیکس نصف ہوگا اور دسویں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ (۹۹۵)

(ب) قانون وراثت

اسلام کے قانون وراثت سے بھی دولت کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہے اور بڑی بڑی جاگیریں اور زمینداریاں ختم ہوجاتی ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ تحریر کرتے ہیں کہ اپنی ضرورت پر خرچ کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جو دولت کسی ایک جگہ سمٹ کر رہ گئی ہو اس کو پھیلانے کے لیے پھر ایک تدبیر اسلام نے اختیار کی ہے وہ اس کا قانون وراثت ہے اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو شخص مال چھوڑ کر مر جائے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نزدیک و دور کے تمام رشتہ داروں میں درجہ بدرجہ پھیلا دیا جائے اور اگر کسی کا کوئی وارث بھی نہ ہو یا نہ ملے تو بجائے اس کے اسے متبنیٰ بنانے کا حق دیا جائے اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دینا چاہیئے تاکہ اس سے پوری قوم فائدہ اٹھائے۔ تقسیم وراثت کا یہ قانون جیسا اسلام میں پایا جاتا ہے کسی اور معاشی نظام میں نہیں پایا جاتا۔ دوسرے معاشی نظاموں کا میلان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے سمیٹ کر جمع کی ہے وہ اس کے بعد ایک یا چند اشخاص کے پاس سمٹی رہے (۲)۔ مگر اسلام دولت کے سمٹنے کو پسند نہیں کرتا وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تاکہ دولت کی گردش میں آسانی ہو۔ (۹۹۶)

سید قطب اسلام کے نظام وراثت کے فطری عادلانہ باہمی کفالت اور خاص طور پر دولت کی منصفانہ تقسیم کے پہلو کو واضح کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ نظام تقسیم دولت کا ضامن ہے اور ہر نسل اور گروہ میں جمع ہونے والی دولت کو منتشر کرتا اور اسے از سر نو تقسیم کردیتا ہے وہ اس بات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ جائے جیسا کہ وراثت کے ان نظاموں میں ہوتا ہے جہاں بڑے لڑکے کو وارث بنایا جاتا ہے۔ یا اسے مختصر حلقوں میں جمع کر کے رکھ دیتے ہیں ۔ اسلام کا میراث کا نظام اس پہلو سے جماعت کی معاشی تنظیم کی از سر نو تجدید اور اسے اعتدال کی طرف لانے کا موثر طریقہ ہے اس کے بغیر کہ اس میں حکومت خود براہ راست شریک ہو ۔جسے انسان فطری طور پر اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اس میں حرص و بخل کا مادہ ہے لیکن اسلام کے نظام وراثت میں دولت کی مسلسل تقسیم اس طرح مکمل ہوتی رہتی ہے کہ انسانی طبیعت اس پر راضی ہو جاتی ہے

کیونکہ وہ انسان کی فطرت اور اس کے حرص و عقل کے جزبات کو مد نظر رکھتے ہوئے عملی جامہ پہنتی ہے اور یہی اصل بنیادی فرق انسان کے لئے اللہ کی قانون سازی اور انسان کی قانون سازی میں ہے۔ (۹۹۷)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں

اسلام نے جب اس سسٹم کا اعلان کیا تو سرمایہ درانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اس کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر اسٹیٹ یا تعلقہ میں تقسیمِ وراثت کا یہ نظام جاری کر دیا جائے تو اس سے دولت و ثروت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائیدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی۔ اس وقت اگر ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کا تو منشاء ہی یہ ہے کہ سرمایہ داری کا یہ نظام اس صورت میں باقی نہ رہے اور دولت تقسیم ہونے کی بجائے ''کنز'' بن کر مخصوص طبقہ میں محدود نہ ہو جائے تو دنیا کے لیے عجیب حیرت زدہ، مضحکہ خیز معاملہ بن جاتا اور اس کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن زمانہ آیا کہ تقسیم دولت کے اس قانون کو رحمت سمجھا جانے لگا اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت دینے کی سعی شروع کر دی اور اب عقل و نقل دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دولت تقسیم کے لیے ہے جمع کے لیے نہیں۔ بہرحال اسلام نے اس سلسلے میں تمام اقوام سے الگ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کیا اور قانون وراثت کے ذریعہ تقسیم دولت کی راہ کھول دی۔

اسلامی قانون وراثت میں تقسیم دولت کا جو طریقہ ہے وہ ایسا معتدل اور مدبرانہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا رواج عام ہو جائے تو نہ اس سے سرمایہ دارانہ دولت کے پیدا ہونے کا امکان باقی رہتا ہے جس سے بڑی بڑی زمینداریاں بنتی ہیں اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و مستی کو فروغ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے دولت کے ساماں ہر وقت گردش میں رہتے اور ایک ہاتھ سے نکل دوسرے کے ہاتھ میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم و بیش ہر فرد کو فائدہ بخشتے رہتے ہیں۔ (۹۹۸)

یہ اسلام کا قانون وراثت ہے جس کی برکت بڑی بڑی جاگیریں اور زمینداریاں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں کیونکہ جائیداد تمام وارثوں میں بلا تخصیص تقسیم ہو جاتی ہے اس قانون پر اگر صحیح طریقے سے عمل کیا تو حکومت کو اصلاحات اراضی کے لئے قانون نہیں بنانا پڑتے۔ بڑی بڑی جائیدادیں خود بخود چھوٹے یونٹوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اسلام کے اس قانون کی بدولت بیکار زمین اور جائیداد آباد ہو جاتی ہے۔ ہر مالک

اپنے چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں خوب محنت کرتا ہے اس طرح ملکی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اس قانون نے عورتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔ اسلام کے اس قانون کی بدولت عورتوں کو جائیداد میں حصہ ملنے لگا۔ تقسیم وراثت میں اس(بنیادی یونٹ) بیٹی کو قرار دیا۔

للذکر مثل حظ الانثیین (۹۹۹)

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

(ج) انفاق

اَلِانفَاقُ کے معنی مال وغیرہ خرچ کرنے کے ہیں اور یہ کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب نیز مال اور غیر مال یعنی علم وغیرہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے (۱۰۰۰)۔ جیسے فرمایا انفقوا فی سبیل الله (۱۰۰۱) اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرو۔ دراصل انفاق کے لغوی معنی خرچ کرنے کے ہیں لیکن قرآن و سنت میں اس سے اصطلاحی مراد ہے اپنی جان اپنے اہل و عیال عزیز واقارب معاشرے کے مستحق لوگوں اور اجتماعی مفاد کے کاموں پر حلال مال میں سے رضا کارانہ طور پر اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔(۱۰۰۲)

انفاق اسلام کی ایک اہم معاشی قدر ہے اسلام مال کے جمع کرنے کی بجائے اسے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس خرچ کرنے میں بھی فی سبیل اللہ کی قید لگا دی گئی ہے یہ خرچ عیاشی کے لیے نہیں اپنا معیار زندگی بلند سے بلند تر کرنے کے لئے نہیں۔ امت مسلمہ اور جماعت کی بھلائی اور بہتری کے لئے خرچ کرنے کے لئے ہے۔ اسی کا نام سبیل اللہ ہے۔

و یَسلونك ما ذا ینفقون قل العفوا (۱۰۰۳)

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہو کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔

یایھاالذین امنوا انفقو مما رزقنکم (۱۰۰٤)

اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو

و فی اموالھم حق للسائل والمحروم (۱۰۰۵)

اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔

دنیا دار اور سرمایہ دار لوگ کہتے ہیں کہ خرچ کرنے سے غریب ہو جاتے ہیں مگر اسلام کا فلسفہ

ہے کہ خرچ کرنے سے دولت بڑھتی ہے اور برکت ہوتی ہے۔

الشیطن یعدکم الفقر و یامرکم باالفحشاء و الله یعدکم مغفرة منه و فضلاء (١٠٠٦)

"شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور (بخل جیسی) شرمناک بات کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔"

دنیا پرست اور سرمایہ دار طبقہ کا خیال ہے جو کچھ خرچ ہو گیا وہ ضائع ہو گیا لیکن اسلام کا تصور ہے کہ خرچ کرنے سے بہتر واپس ہو کر ملتا ہے۔

و ما تنفقوا من خیر یوف الیکم و انتم لا تظلمون (١٠٠٧)

اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

و ا نفقوا مما رزقنهم سراًو علانیه یرجون تجارة لن تبوره لیوفیهم اجورهم و یزیدهم من فضله (١٠٠٨)۔

"اور جن لوگوں نے ہمارے بخشے ہوئے رزق میں کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں گھاٹا ہرگز نہیں ۔ اللہ ان کے بدلے ان کو پورے پورے اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ ہی عنایت کرے گا۔"

سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ ہے کہ دولت کو جمع کرنے اور سود پر دینے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اسلام کے نزدیک سود سے دولت گھٹتی اور کم ہوتی ہے اور دولت کو نیک بھلائی اور لوگوں کے لئے خرچ کرنے سے اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

یمحق الله ا لر بو ا و یربی ا لصدقت

اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔

وما ا تیتم من رباً ا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عندالله وما اتیتم من زکوٰة تریدون وجه الله فاولیك هم المضعفون۔

اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا برھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کے لئے زکوٰۃ میں دیتے ہو۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مندرجہ بالا آیات پر معاشی لحاظ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" یہ

ایک نیا نظریہ ہے جو سر مایہ داری کے نظریہ کی بالکل ضد ہے۔ خرچ کرنے سے دولت کا بڑھنا اور خرچ کیے ہوئے مال کا ضائع نہ ہونا بلکہ اس کا پورا پورا بدل کچھ زائد فائدے کے ساتھ واپس آنا۔ سود سے دولت میں اضافہ ہونے کے بجائے الٹا گھاٹا آنا زکوۃ و صدقات سے دولت میں کمی واقع ہونے کی بجائے اضافہ ہونا یہ ایسے نظریات ہیں جو بظاہر عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید ان سب باتوں کا تعلق محض ثواب آخرت سے بھی ہے اور اسلام کی نگاہ میں اصلی اہمیت اسی کی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دنیا میں بھی معاشی حیثیت سے یہ نظریات ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔ دولت کو جمع کرنے اور اس کو سود پر چلانے کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جائے ۔ جمہور کی قوت خرید روز بروز گھٹتی چلی جائے ۔ صنعت اور تجارت اور زراعت میں کساد بازاری رونما ہو ۔ قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچے اور آخر کار خودسرمایہ دار افراد کے لئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ خلاف اس کے خرچ کرنے اور زکوۃ صدقات دینے کا مآل یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے ہر ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو صنعتیں پرورش پائیں کھیتیاں سر سبز ہوں تجارت کو خوب فروغ ہو اور چاہے کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی نہ ہو مگر سب خوشحال و فارغ البال ہوں۔ اس مآل اندیشانہ معاشی نظریہ کی صداقت اگر دیکھنی ہو تو سرمایہ داری نظام کے تحت دنیا کے موجودہ معاشی حالات کو دیکھیۓ کہ جہاں سود ہی کی وجہ سے تقسیم ثروت کا توازن بگڑ گیا ہے اور صنعت و تجارت کی کساد بازاری نے عوام کی معاشی زندگی کو تباہی کے سرے پر پہنچا دیا ہے اس کے مقابلے میں ابتدائے عہد اسلامی کی حالت کو دیکھیۓ کہ جب اس معاشی نظریہ کو پوری شان کے ساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر عوام کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل ہے سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو خود صاحب نصاب نہ ہو ۔ ان دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو جائے کہ اللہ کس طرح سود کا مٹھ مارتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے پھر اسلام جو ذہنیت پیدا کرتا ہے وہ بھی سرمایہ دارانہ ذہنیت سے بالکل مختلف ہے۔ سرمایہ دار کے ذہین میں کسی طرح یہ تصور سا ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص اپنا روپیہ دوسرے کو سود کے بغیر کیسے دے سکتا ہے وہ قرض پر نہ صرف سود لیتا ہے بلکہ اپنے راس المال اور سود کی بازیافت کے لئے قرضدار کے

کپڑے اور گھر کے برتن تک قرق کرا لیتا ہے مگر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حاجت مند کو صرف قرض ہی نہ دو بلکہ اگر وہ تنگ دست ہو تو اس پر تقاضے پر سختی بھی نہ کرو حتیٰ کہ اگراس میں دینے کی استطاعت نہ ہو تو معاف کر دو

و ان کان دو عسرة فنظرة الی مسیرة وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (۱۰۱۱)

اگر قرضدار تنگ دست ہو تو اس کی حالت درست ہونے تک اسے مہلت دے دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اس کا فائدہ تم سمجھ سکتے ہو اگر کچھ علم رکھتے ہو۔

سرمایہ داری میں امداد باہمی کے معنی یہ ہیں کہ آپ انجمن امداد باہمی کو پہلے روپیہ دے کر اس کے رکن بنیے پھر اگر کوئی ضرورت آپ کو پیش آے گی تو انجمن آپ کو عام بازاری شرح سود سے کچھ کم پر قرض دے دیگی اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں ہے تو امداد باہمی سے آپ کچھ بھی امداد حاصل نہیں کر سکتے بر عکس اس کے اسلام کے ذہن میں امدا د باہمی کا تصور یہ ہے کہ جو لوگ ذی استطاعت ہوں وہ ضرورت کے وقت اپنے کم استطاعت بھائیوں کو نہ صرف قرض دیں بلکہ قرض ادا کرنے میں بھی حسبۃ للہ ان کی مدد کریں۔ چنانچہ زکوۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف والغارمین بھی ہے یعنی قرضداروں کے قرض کو ادا کرنا سرمایہ دار اگر نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے تو محض نمائش کے لئے ۔ کیونکہ اس کم نظر کے نزدیک اس خرچ کا کم سے کم یہ معاوضہ تو اس کو حاصل ہونا ہی چاہیے کہ اس کا نام ہو جائے اس کو مقبولیت عام حاصل ہو ، اس کی دھاک اور ساکھ بیٹھ جائے مگر اسلام کہتاہے کہ خرچ کرنے میں نمائش ہرگز نہ ہونی چاہیے ۔ خفیہ یا اعلانیہ جو کچھ بھی خرچ کرو اس میں یہ مقصد پیش نظر ہی نہ رکھو کہ فوراً اس کا بدل تم کو کسی نہ کسی شکل میں مل جائے بلکہ مآل کا ر پر نگاہ رکھو پھر اس دنیا سے آخرت تک جتنی دور تمہاری نظر جائے گی تم کو یہ خرچ پھلتا پھولتا اور منافع پر منافع پیدا کرتا ہی دکھائی دے گا جو شخص اپنے مال کو نمائش کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اس نے اس مٹی پر بیج بو یا مگر پانی کا ایک ریلہ آیا اور مٹی کو بہا لے گیا اور جو شخص اپنی نیت کو درست رکھ کر اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتا ہے اس مثال ایسی ہے جیسے اس نے ایک عمدہ زمین میں باغ لگایا اگر بارش ہوگئی تو دوگنا پھل لایا اور اگر بارش نہ ہوئی تو محض ہلکی سی پھوار اس کے لئے کافی ہے (۱۰۱۲)

ان تبدوا الصدقات فنعما هی وان تخفو ھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم (۱۰۱۳)

اگر صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر دو اور غریب لوگوں تک پہنچاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے ۔

اللہ کی راہ میں اچھا مال خرچ کرنا چاہئے اور لینے والے پر احسان نہیں لگانا چاہئے بلکہ یہ کام نیکی کر اور دریا میں ڈال کے مصداق ہو۔

انفقوا من طیبات ماکسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض و لا تیمموا الخبیث منه تنفقون (۱۰۱٤)

تم نے جو کچھ کمایاہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے عمدہ اموال کو راہ خدا میں صرف کرو نہ یہ کہ بد تر مال چھانٹ کر اس میں دینے لگو۔

لاتبطلوا صدقنکم با المن والاذی (۱۰۱۵)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو ۔

و یطعمون الطعام علی حبہٖ مسکینا و یتیما و اسیراً ۔ انما نطعمکم لوجه الله لا نریدمنلکم جزاءً ولا شکورا (۱۰۱٦)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے لئے تم کو کھلاتے ہیں ہم تم سے کسی جزا اور شکریہ کے خواہش مند نہیں ہیں ۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اخلاقی لحاظ سے ہی نہیں معاشی نقطہ نظر سے بھی ان دونوں نظریوں

(اسلام اور سرمایہ داری)

میں کس میں کتنا نقصان اور ان دونوں نظاموں میں سے کون سا زیادہ پختہ ، بہتر اور نتائج کے لحاظ سے دور رس ہے۔

قرآن حکیم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو نہ صرف بنیادی نیکی کہتا ہے بلکہ یہ بات بھی سمجھتا ہے کہ ایسا نہ کرنا معاشرہ کی مجموعی ہلاکت کا باعث بھی ہے۔

و انفقو فی سبیل الله و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة و احسنوا ان الله یحب المحسنین (۱۰۱۷)

خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(د) صدقات واجبہ

دوسرے اور کئی صدقات اور خیرات کی مد یں ہیں جو مسلمان مختلف موقعوں پر خرچ کرتے ہیں جیسے فطرانہ ، صدقہ ، جہاد، رفاہ عام یہ بھی تقسیم دولت کا ایک ذریعہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ بری موت سے بچاتا ہے (۱۰۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (جہنم کی) آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ (ایسا ممکن) ہو (۱۰۱۹)

حدیث میں آتا ہے صدقہ فطر عید الفطر کی نماز میں جانے سے پہلے ایک صاع کھانا (گندم) یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع خشک انگور ہے۔ (۱۰۲۰)

(ط) حق سوی الزکوٰۃ

زکوٰۃ ، انفاق اور صدقات واجبہ کے علاوہ مال میں اور بھی حق ہیں ابن حزم نے لکھا ہے اگر کفالت عام کے لیے زکوٰۃ اور فئے کی آمدنی کافی نہ ہو تو مالدار افراد پر مزید محاصل عائد کیے جائیں گے (۱۰۲۱)

ابن حزم نے یہ لکھا ہے " جب زکوٰۃ اجتماعی ضرورتوں کو پورا نہ کر سکے اور بیت المال بھی اس کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو پھر نظام اسلامی کی رو سے ہر شہر کے باشندوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کے حاجت مندوں کی غذائی اور حفاظتی اور ضرورتوں کو پورا کریں ۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیو ہاروی زکوٰۃ کے علاوہ انفاق کی دوسری ذمہ داریوں کے متعلق بتاتے ہیں۔

" اس مقام کے مباحث میں بعض علماء کو غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ مسلمان دولت مند طبقہ پر زکوٰۃ یا صدقہ الفطر کے علاوہ انفاق کا کوئی شرعی مطالبہ عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جس نے بھی ایسا کہا ہے قلت تدبیر کی بنا پر کہا ہے حضرت عبداللہ بن عمر کی تصریح ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض حقوق مالی "غنی" کے ذمہ واجب ہیں فرماتے ہیں۔

فی مالك حق سوی الزکوٰۃ (۱۰۲۲)

تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق عائد ہیں۔

اور شعبی مجاہد طاؤس اور ان کے علاوہ تمام علماء یہ فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق واجب ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ ہم کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانتے کہ جو اس بارے میں خلاف رائے رکھتا ہو (یعنی اس پر صحابہ، تابعین یعنی سلف خلف سب کا اجماع ہے) (۱۰۲۳)۔ قرطبی لکھتے ہیں علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکوٰۃ ادا کر چکنے کے بعد کوئی ضرورت آن پڑے تو اس کے لیے مزید مال صرف کرنا واجب ہے (۱۰۲۴) اور امام غزالی کی بھی یہی رائے ہے (۱۰۲۵)۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

" اور نیز شہر کا انتظام اس چیز پر موقوف ہے کہ مال کی ایک خاص مقدار جمع رہے جن سے ان لوگوں کی کفالت کی جائے جو شہر کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں اور اس کی تدبیر اور سیاست میں رہتے ہیں چونکہ یہ لوگ شہر کے رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہو کر اپنے اکتسابِ معاش سے باز رہتے ہیں اس لے انکی پرورش بھی شہر کے ذمہ ہونی چاہیئے اور مشترکہ اخراجات کے بعض تو بسہولت کفیل نہیں ہو سکتے یا بعض ان کو برداشت ہی نہیں کر سکتے اس واسطے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے (۱۰۲۶)۔

اسلامی حکومت میں زکوٰۃ سے کام نہ چلے تو دوسرے ٹیکس عائد کئے جا سکتے ہیں ویسے ضرورت کے تحت نئے ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مال تجارت پر ٹیکس لینا شروع کیا اس کا نام عشور رکھا گیا (۱۰۲۷)۔ سمندر پار کر کے ایک حربی قوم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو لکھا کہ ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لیے آنے دیجیے۔ آپ ہم سے عشر وصول کر لیا کیجیے عمرؓ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو ان حضرات نے اس کی حق میں مشورہ دیا چنانچہ یہ پہلی حربی قوم تھی جس سے عشر وصول کیا گیا (۱۰۲۸)۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں حضرت عمرؓ نبطیوں سے زیتون کے تیل اور گیہوں پر تو نصف عشر (۱/۲۰) لیا کرتے تھے تاکہ مدینہ میں یہ سامان زیادہ مقدار میں پہنچے اور دوسرے دانوں اور دالوں پر دسواں حصہ لیتے تھے (۱۰۲۹)۔ شعبی کہتے ہیں سب سے پہلے اسلام میں جس نے عشر رائج کیا وہ حضرت عمرؓ ہیں (۱۰۳۰)۔

مالک بن انس کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب زھری سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں

سے عشر کیوں وصول کیا تھا تو انہوں نے کہا ان سے جاہلیت میں یہ لیا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے اسلام میں بھی بحال رکھا (۱۰۳۱)۔ ابو عبداللہ لکھتے ہیں جب ذمی عشور وصول کرنے والے کے پاس اپنا مال (تجارت) لے کر گزرتے تو سفیان کہا کرتے تھے کہ عاشر (محصل) اس مال سے اس وقت تک کچھ نہیں لے گا تا آنکہ اس کی قیمت سو درھم نہ ہو جائے سو درھم ہونے پر وہ اس پر نصف عشر (۱/۲۰) وصول کرے گا (۱۰۳۲) لیکن سفیان کے علاوہ دیگر اہل عراق کا کہنا ہے کہ محصل اس وقت تک اس کے مال پر کوئی عشور وصول نہ کرے گا جب تک کہ اس کی قیمت دوسو درھم نہ ہو جائے (۱۰۳۳) ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر وہ (تاجر ذمی) کہے کہ میں مقروض ہوں یا یہ کہے کہ یہ مال میرا نہیں ہے اور اس پر قسم بھی کھا لے تو اس کی بات سچ مانی جائے گی اور اس سے اس مال پر کچھ عشور نہ لیا جائے گا (۱۰۳۴) ایک ہی مال پر ایک دفعہ سے زیادہ عشور نہیں لیا جائے گا خواہ وہ اسے لے کر کئی بار آتا اور جاتا رہے (۱۰۳۵)۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک محصل کو لکھا اس گزرنے والے سے تم ایک بار صدقہ لے چکے ہو اس سے آئیندہ سال کی اسی تاریخ تک دوبارہ وصول نہ کرو الا یہ کہ وہ مزید مال لے کر آئے (۱۰۳۶)۔

زیاد بن حدیر کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے مجھے عشر کی وصولی پر مامور فرمایا تو مجھے حکم دیا تھا کہ میں اھل حرب تاجروں سے عشر (۱/۱۰) وصول کروں اور ذمی تاجروں سے عشر کا نصف (۱/۲۰) اور مسلمان تاجروں سے عشر کا چوتھائی (۱۰۳۷) زیاد بن حدیر یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ذمی تاجروں سے اس رقم کا دگنا وصول کرتا ہوں (۱۰۳۸)۔

العفو

جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد فالتو دولت کو اللہ کی راہ میں اور انسانوں کی بہتری کے لئے خرچ کر دینے کا حکم ہے۔

و یسئلونك ما ذا ینفعون ہ قل العفو (۱۰۳۹)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔

صدقات واجبہ کے لیے تو ایک ایسا مشینی نظام کام کرتا ہے کہ جس میں فرد کو سوائے جذبہ اتباع

صفحہ ۹۲۰ > پلیے

تجارت کی وہ تمام شکلیں جن میں دوسرے فریق کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ خاص شرائط یا معاملات اس پر تھوپ دیے جاتے ہیں۔ وہ ناجائز ہیں اس سے یہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ ایسی اشتہار بازی یا نفسیاتی حربوں کا ایسا استعمال جو عقل وفکر کو معطل کردے اور ایک شخص اپنی مرضی کے خلاف محض نفسیاتی شعبدہ بازی کی وجہ سے کسی چیز کی خرید پر مجبور ہو جائے اسلام کے مطابق نہیں۔ اسی طرح آزاد منڈی کو کمزور یا مفلوج کرنے والی وہ تمام قوتیں بھی اسلامی معیشت میں کوئی راہ نہیں پاتیں جن کی وجہ سے جدید دنیا کا منڈی کا نظام درھم برھم ہے اور شدید قسم کی دقتوں اور خامیوں سب مبتلا ہو گیا۔(۹۲۹)

(ا) دیانت

تجارت کا ایک اہم اصول دیانت ہے۔ کاروبار میں کسی قسم کا دھوکہ، خیانت، بددیانتی نہ ہو۔ اگر مال میں کوئی خرابی یا عیب ہو تو وہ بھی سامنے رکھ دینا چاہیے۔ حضورؐ نے فرمایا جس کسی نے ایسے عیب کے ساتھ کوئی شے فروخت کی جس عیب پر اس(خریدار کو) آگاہ نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ اللہ کریم کے غصہ میں رہے گا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔(۹۳۰)

ایک بار نبی ﷺ نے بازار میں مخاطب ہو کر کہا اے تجار کے گروہ، انھوں نے اپنی گردنیں اٹھالیں جواب دیا اور سراپا گوش بن سننے لگے۔ آپ نے فرمایا تجار قیامت کے دن فاجر بن کر اٹھیں گے سوائے اس تاجر کے جس نے اللہ کریم کا خوف کیا بھلائی کی اور سچ بولا۔(۹۳۱)

ایک اور فرمان نبوی ہے۔

نهى رسول الله ﷺ عن النجش.(۹۳۲)

رسول ﷺ نے معاملہ تجارت میں کھوٹے(بدمعاملگی) سے منع فرمادیا۔ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا۔

من غش فليس منا.(۹۳۳)

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں حضرت عمرؓ نے ایک گوالے کا دودھ ملا پانی زمین پر بہا دیا۔(۹۳۴)

جائز اور مباح کی تجارت

تجارت جائز اور مباح چیزوں کی ہونی چاہیے۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہے جیسے

صفحہ 892 ۔ 893 درج ہے۔

شراب، بت، اصنام، خنزیر وغیرہ جو اپنی ذات میں نجس ہوں ان کی خریدوفروخت منع ہے۔

حرمت علیکم المیتہ والدم ولحم الخنزیر۔(۹۳۵)

اے مسلمانوں تم پر مردار خون ار خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام کر دیا ہے۔(۹۳۶)

جوا یا سٹہ بازی کی ممانعت

اسلام نے کاروبار اور تجارت میں جوا سٹہ بازی کی ممانعت کی ہے زمانہ جاہلیت میں تجارتی جوا کی چند شکلیں بیع ملامسۃ، بیع منابذہ، بیع مصارہ(کنکری پھینک کر بیع کرنا) موجود تھیں۔

۱۔ جنھیں اسلام نے عادلانہ تجارت کے لئے حرام کردیا۔

۲۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

"عن بیع الحصاۃ وبیع العزر"

رسول نے دھوکے کے معاملہ کو بھی حرام قرار دیا اور کنکری پھینک کر کسی شے کی خریداری کرنے کو بھی۔

نھی رسول اللہ ﷺ عن الملاسۃ ولمزانبۃ۔

ہند گا نٹھوں کا معاملہ یا کسی شے کو صرف چھو دینے یا کسی شے کو صرف بائع یا مشتری پر ڈال دے بیع وشرا کو نبی ﷺ نے منع فرمایا"۔(۹۳۵ الف)

آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ تجارتی جوا کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔اسلام نے اس کو حرام قرار دیا۔

انما الخمر والمیسر والا نصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ۔(۹۳۶)

بے شک شراب جوا ہت پانسے یہ سب نجس ہیں اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو

غرض اسلام نے تجارت کی وہ تمام شکلیں ختم کر دیں جس میں کسی دوسرے سے ناجائز نفع اٹھایا جا رہاہوں یا جس میں بغیر محنت کے دوسرے کا مال ہاتھ آتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

اسلام نے غلہ اور دوسری اشیاء کا احتکار (ذخیرہ اندوزی) اس نیت سے منع کیا ہے کہ جب ان کی قیمت چڑھ جائیں گے تو فروخت کیا جائے۔ اس سے طلب اور رسد کا توازن بگڑ جاتا ہے ایسا شخص گناہ گار اور ملعون ہے۔ ارشاد نبوی ہیں۔

من احتکر فھو خاطی۔(۹۳۷)

احتکار کرنے والا گناہ گار ہے۔

الجالب مرزوق ولمحتکر ملعون۔(۹۳۸)

سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ انداز لعنتی ہے۔

من احتکر طعاما اربعین بوماً فقد بری اللہ منہ۔(۹۳۹)

جس نے اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی چالیس روز تک کیے رکھی اللہ کریم اس کی ذمہ داری سے بری ہوں گے۔

من احتکر علی المسلیمن طعامھم ضربع اللہ با الجزام والا فلاس۔(۹٤۰)

جس نے مسلمانوں کے خلاف اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کی اسے اللہ کریم کوڑھ اور مفلسی میں مبتلا کر دیں گے۔

ناپ تول میں کمی کی حرمت

ناپ تول میں کمی سے معاشی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اسلام کے قانوں تجارت میں یہ بہت بڑا جرم ہے ایسے شخص کو دنیا اور آخرت میں بڑی خرابی اور رسوائی کی وعید سنائی گئی۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستو فون واذا کالوھم اووّزنوھم یخسرون۔(۹٤۱)

خرابی ہے گھٹا کر دینے والوں کے لئے۔ وہ لوگ کر جب دوسروں سے مال لیں تو پورا پورا لیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

علامہ طبری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں جس وقت رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ماپنے میں بڑے خراب تھے وہ لوگ ناپ میں پاسنگ

مارتے تھے۔(۹۴۲)

یہاں یہ ذکر کرنا باعث دلچسپی ہو گا کہ اہل مکہ تول کر اور اہل مدینہ ناپ کر فروخت کرتے تھے۔(۹۴۳)

زمخشری نے اس ضمن میں ایک شخص ابوجہینہ کا ذکر کیا ہے جو ناپ تول میں کمی کی وجہ سے سارے مدینہ منورہ میں مشہور تھا جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ شخص اپنے پاس دو پیمانے رکھتا تھا ایک اپنے خریدنے کے لئے دوسرا فروخت کرنے کے لئے استعمال میں لایا کرتا۔ (۹۴۳)

قوم شعیب اس بیماری اور لعنت میں مبتلا تھی اللہ تعالیٰ نے نبی کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بھی بتایا۔

" اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انھوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تمھارے رب کی طرف سے واضح نشانی آچکی ہے۔ ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی (خرید کردہ) اشیاء کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔

قسم کھا کر مال فروخت کرنے کی ممانعت

اسلام کے قانون تجارت میں مال کو فروخت کرنے اور زیادہ منافع حاصل کرنے کے لئے قسمیں کھانے سے منع فرمایا۔ مخبر صادق نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

الحلف منفقة لسلعة ممحقه للبركية.(٩٤٤)

قسم کھانا سودا کی جلد بکری کا موجب بنتا ہے۔ مگر تجارتی برکت کو ختم کر دیتا ہے۔

اياكم وكثرةالحلف فى البيع فانه ينفق ثم يمحق.(٩٤٥)

خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے گو وہ سودا کے نکاس اور رواج کا ذریعہ بنتی ہیں مگر برکت کو مٹا دیتی۔

اخلاق اور تاجر

تاجر کو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا چاہیے۔ خاص طور پر سچائی امانت دیانت معاملات کی صفائی، خوش اخلاقی، اعتدال، مستقل مزاجی، قناعت پسند اور عفودرگزر، ایفائے عہد جیسی خوبیوں سے متصف

ہو۔ اگر معاملہ کرنے میں کبھی بحث ہونے لگے تو نرم گفتگو اور عزت نفس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے ہی تاجر کے لئے دعا کی۔

رحم اللّٰه رجلا سمعا اذر باع واذا اشتری ورذا اقتضی۔(٩٤٦)

اللہ کریم کی رحمت ہو اس شخص (تاجر) پر ہو جب کبھی بیچے، خریدے اور قرض لینے کا مطالبہ کرے تو نرم گوئی اور درگذر کا معاملہ کرے۔

ایک بار نبی ﷺ نے فرمایا۔

کان تاجر یداین الناس فاذا رای معسرا قال لفتیانه تجاوزوا عنه لعل اللّٰه ان ینجاوزعنا فتجاوز اللّٰه عنه۔(٩٤٧)

ایک تاجر لوگوں سے ادھار کا معاملہ کرتا تھا جب وہ (مقروض کو) تنگ دست دیکھتا تو اپنے کارندوں کو کہتا اس سے درگذر کرو شاید اللہ کریم ہم سے بھی درگذر کرے اللہ کریم نے اس سے درگذر فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے انحضرت ﷺ سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کیا کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے میں اپنا وعدہ بھول گیا تیسرے دن جب مجھے یاد آیا تو میں اس مقام پر پہنچا دیکھا کہ انحضرت ﷺ اسی مقام پر کھڑے ہیں لیکن آپ مجھ سے بالکل ناراض نہ ہوئے صرف اسقدر فرمایا کہ مجھے تم نے زحمت دی میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔(۹۴۸)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ تاجر اخلاق حسنہ کا نمونہ ہو اور ایسا شخص اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔

اسراف کی ممانعت

اسلام نے دولت کے بے جا استعمال اور اس کے ضیاع سے منع کیا ہے تاکہ وہ تعمیری اور پیداواری کاموں میں لگائی جا سکے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں قران مجید اس بات کی سخت مذمت کرتا ہے کہ انسان جائز طریقوں سے حاصل شدہ دولت کو ناجائز کاموں میں اڑائے یا اپنے ہی عیش اور لطف ولذت پر اسے صرف کرتا چلا جائے اور اپنا میعار زندگی زیادہ سے زیادہ بلند کرنے کے سوا اپنی دولت کا کوئی اور

مصرف اس کی نگاہ میں نہ ہو۔(۹۴۹)

ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین۔(۹۵۰)

خرچ میں حد سے نہ گزرو، اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن وکان الشیطن لربه کفورا۔(۹۵۱)

فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وکلو واشربوا ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین۔(۹۵۲)

کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ گزرو اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

انسان کو خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اپنی ذات اور بال بچوں کے خرچ پر کنجوسی نہیں کرنی چاہیے اور پھر یہ اکیلا حق بھی نہیں ہے کہ سب کچھ انھیں پر لٹا دے اور کوئی دوسرا حق نہ پہچانے۔

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔(۹۵۳)

اور اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھ(کچھ خرچ نہ کرے) اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلك قواما۔(۹۵۴)

(اور اللہ کے نیک بندے وہ ہیں) جو خرچ میں نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

وابتغ فیما اتك اللہ الدار الاخرة ولا تنس نصیبك من الدنیا واحسن کما احسن الله الیك ولا تبغ الفساد فی الارض۔(۹۵۵)

جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعہ سے آخرت کے گھر کی بہتری کے لئے کوشش کرو اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر اور(خلق خدا کے ساتھ) احسان کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور(اپنی دولت کے ذریعہ سے) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش نہ کر۔

مندرجہ بالا آیات میں دو لفظ اسراف اور تبذیر قابل غور ہیں علامہ ماوردی ان کا باہمی فرق اسطرح بیان

کرتے ہیں۔

کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنے اسراف ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف وخرچ میں حد سے تجاوز کا نام تبذیر ہے۔(۹۵۶)

علامہ شبیر عثمانی تبذیر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق (عائدشدہ) اور ارتکاب حرام کا سبب ہے۔(۹۵۷)

صاحب روح المعانی ایت کلوامن طیبات مارزقناکم ولا تطغوافیه سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سرکشی نہ کرو یعنی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی اور حقوق کے تلف کا ذریعہ نہ بناؤ۔(۹۵۸)

حافظ عمادالدین بن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب انفاق(خرچ کرنے) کا حکم دیا۔تو اسراف سے منع فرمایا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری ایت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا ہے ارشاد ہے اور ایمان والے وہ لوگ ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں۔(الفرقان ۲۵:۲۷) پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہمسر بتایا اور اسی قسم کی اور بھی ایات ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں حق کے خلاف ہر قسم کے صرف وخرچ کا نام تبذیر ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے حق کی خاطر سب کچھ خرچ کر ڈالا تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا ساماں بھی ناحق صرف کردیا تو یہ تبذیر ہے اور قتادہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کی اور امام احمد بروایت ہاشم حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مال دار ہوں اور میرے اہل واعیال بھی ہیں اور مہمان بھی خاصے آتے رہتے ہیں تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور اس معاملے میں کیا کروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مال سے زکوۃ نکال اگر وہ زکوۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے

وتعاون کے کسی ارادی اور اثباتی ایثار کا موقع نہیں ملتا۔ یہ نظام آہستہ آہستہ ایک معمول عام کی شکل اختیار کر سکتا ہے جس کے تحت بہت سے افراد بڑے جامد جذبات کے ساتھ چل سکتے ہیں مگر استحبابی انفاق ایک خاص طرز فکر، ایک خاص درجے کی حب خدا کے رازق اور خاص قسم کے اثباتی داعیہ ایثار کا متقاضی ہے ایسے رضا کارانہ حسن عمل کے بغیر وہ احسان کیش اور خدمت پسند انسان تعمیر نہیں ہو سکتا جسے اسلام تعمیر کرنا چاہتا ہے اور جس پر وہ دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ شعبہ معیشت کی حسن کارکردگی کا انحصار کرتا ہے پس ایک وسیع دائرہ استحباب تمام عبادت اور نیکیوں کے لیے شریعت نے معین کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اصول شریعت کی روشنی میں سوائے کسی غیر معمولی صورت کے ہم تمام استحبابی اخلاقی یا رضاکارانہ اعمال مطلوب کو قانون جبریت کے دائرے میں نہیں لا سکتے۔ دوسری الجھن اسلام کا سرسری مطالعہ رکھنے والے نو خیز اہل تحریر و تقریر نے لفظ ''العفو'' کے مفہوم کے تعین اور اس کے بارے میں اپنی طرف سے ایک ناقابل عمل حکم بنا کر پیدا کر دی۔ ''العفو'' سے مراد ہر پس انداز شدہ رقم یا فوری اور روزمرہ استعمال میں آنے والے املاک سے زائد تمام املاک نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد ایسی بچتیں اور ایسے اموال زائد از استعمال ہیں جو حاجت سے زیادہ یا فاضل شمار ہو سکیں اور جن کا انفاق آدمی کے لیے سہل ہو مثلاً بچتیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں کہ آدمی کسی بچے کی تعلیم کسی بچی کی شادی یا تعمیر مکان کے لیے آہستہ آہستہ اندوختہ بنا رہا ہو یا ایک محنت کش آزادانہ کاروبار کے لیے پونجی جمع کر رہا ہو۔ روزمرہ استعمال سے زائد ایسے املاک اور سامان بھی کسی شخص کے پاس ہو سکتے ہیں جو مہمان داری کے لیے ہوں اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی رفاہی ادارے کے قیام، کسی مسجد کی تعمیر کسی وقف کے اجراء یا سفر حج یا سامان جہاد یا کسی اور کار خیر کے لیے کوئی جمع کر رہا ہو۔ العفو کی تعریف میں درحقیقت وہ اموال داخل ہیں جو اوپر کی بیان کردہ صورتوں سے بھی زائد ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص غیر معمولی جذبہ ایثار سے کام لیکر اپنی ضرورتوں کے لیے پس انداز کردہ اموال کو بھی دوسروں کی خدمت میں صرف کر دے (۱۰۴۰)۔

علامہ ابن کثیر العفو کی تفسیر اس طرح تحریر کی ہے '' حضرت معاذؓ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضورؐ ہمارے غلام بھی ہیں کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں اس پر یہ آیت قل العفو نازل ہوئی یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ ابن عمر، مجاہد، عطاء،

عکرمہ ، سعید بن جبیر وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ جو اپنے بال بچوں کے خرچ سے زائد ہو۔ حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں دیتے رہا کرو اور ربیع کہتے ہیں کہ افضل اور بہتر مال خدا کی راہ میں دو مگر حضرت فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لیے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ کہا میرے پاس ایک اور ہے فرمایااپنی بیوی پر خرچ کرو کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضرورت پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے فرمایا اب تم خود جائزہ لے لو کہ کہاں صرف کیا جائے۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر پھر بھی بچے تو اور دوسرے حاجت مندوں پر ۔ اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ اے ابن آدم جو تیرے پاس ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لیے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لیے برا ہے ۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں ۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہی قول درست ہے (۱۰۴۱)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے العفو کی تشریح ان الفاظوں میں بیان کی ہے۔

" اور اس آسانی کا معیار یہ قول مفسر تھانوی کا ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اٹھانا پڑے۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ ہے جو اپنے اوپر بار نہ ہو ، آسان ہو ۔

العفو نقیفل الجهد و هوان ینفق مالا یبلغ انفاقه منه الجهد (کشاف)

اے مالا یجهد (روح) اے انفقو اما فضل عن قدر الحاجة (مدارك) (١٠٤٢)

العفو کے ایک معنی خرچ میں آسانی اور سہولت کے بھی کئے ہیں (۱۰۴۳)

امام راغب اس لفظ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں " عفو سے ہر وہ چیز ہے جو ضروریات سے

زائد ہو اور اس کے خرچ سے تکلیف نہ ہو۔ العفو ہر اس چیز کو کہا گیا ہے جس کا قصد کرنا اور لینا آسان ہو نیز اعطیٰ عفواً کے معنی ہیں اس نے بے مانگے دے دیا۔ یہاں عفواً مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے اور حال واقع ہوا ہے یعنی بخشش کرتے وقت اس کی حالت یہ تھی کہ گویا خود لے رہا ہے اور اس میں اس عمدہ معنی کی طرف اشارہ ہے (۱۰۴۴)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں۔

عَفوَ آسان حاجت سے زیادہ معاف کر دینا (۱۰۴۵) امام عزیزی رقم طراز ہیں عفو کے معنی ہیں بقدرطاقت جو بن آئے محاورہ ہے خذ ما عفائك یعنی جو تمہیں بآسانی بغیر مشقت ملے وہ لے لو (۱۰۴۶)۔

امام فخرالدین رازی تحریر فرماتے ہیں کہ واحدیؒ نے کہا ہے کہ عفو کے اصل معنی لغت میں زیادہ ہونے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خذا لعفو (۱۰۴۷) یعنی جو زیادہ ہو وہ لے لو اور قفال نے کہا ہے کہ عفو کے معنی ہیں جو سہل ہو اور کفاف سے زائد میسر آئے چنانچہ محاورہ خذ ما عفائك یعنی جو میسر آ جائے اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ

عفو عن الذنب

یعنی گناہ معاف کرنے کے معنی بھی اسی سہولت اور آسانی ہی کی طرف راجع ہیں۔ (۱۰۴۸)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد ایسا مال ہے جو آسانی سے دیا جا سکے اور جس کے دینے سے طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ نہ پڑے ۔ (۱۰۴۹)

مفتی احمد یار اس لفظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں عفو کے معنی ہیں آسان و نرم۔ یہ جہد کے مقابل ہے اس لیے نرم زمین کو عفو کہتے ہیں (۱۰۵۰)۔

غرض اکثر علماء نے عفو کے معنی آسان و نرم کئے ہیں یعنی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ جائے اور خرچ ایسا ہو کہ آدمی اس کے کرنے سے کنگال نہ ہو جائے اور اس میں بخل سے بھی کام نہیں لینا چاہیئے کہ دولت خرچ کرنے کا نام ہی نہ لے اور اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے یہی مفہوم ہے قرآن حکیم کی اس آیت کا

والذین اذا الفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا وکان بین ذالك قواماً (۱۰۵۱)

"اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

پس ہم قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے الفاظوں پر اس مضمون کو بند کرتے ہیں " میں کہتا ہوں کہ اموال اور اشخاص کے مختلف ہونے کے باعث حکم بھی مختلف ہو جاتا ہے پس جو شخص ایسا ہو کہ اپنا سارا مال خیرات کر دینے کے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا پھرے اور فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنا سارا مال خیرات کر دے اور جو شخص صبر کر سکے اور لوگوں کے حقوق بھی اس کے ذمے نہ ہوں تو اس کے حق میں راہ خدا میں خرچ کرنا ہی افضل ہے اور جس نے زاہد بن کر رہنا اور آنحضرتؐ کی طرح زندگی گزارنا اپنے اوپر لازم سمجھ لیا ہو جیسے صحابہ میں اہل صفہ اور صوفیاء میں اہل خانقاہ تھے تو اس کو حاجت سے زیادہ چیز اپنے لئے رکھنا مکروہ ہے (۱۰۵۲)۔

قرض حسن

قرض کے معنی کترنا ، کاٹنا، قطع کرنا وہ چیز جو کسی کو (اس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے) دی جائے اور اس کا بدلہ اور واپسی لازم ہو (۱۰۵۳)۔

امام راغب لکھتے ہیں۔

قرض اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کو اس شرط پر دیا جائے کہ وہ واپس مل جائے گا۔ (۱۰۵۴)

قرض حسن وہ قرض ہے جو خالص لوجہ اللہ دیا جائے نہ اس کی واپسی کی خواہش ہو نہ بدلے کا لالچ نہ شکوے کی طمع نہ دینے کے بعد احسان رکھا جائے (۱۰۵۵) ۔

قرآن حکیم میں ہے

من ذالّذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضٰعفہٗ لہٗ اضعافاً کثیرۃ (۱۰۵۶)

تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گناہ بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔

مولانا ابوالاعلی مودودی اس آیت کے ضمن میں قرض حسن کی تعریف کرتے ہوئے بتاتے ہیں قرض حسن کا لفظی ترجمہ اچھا قرض ہے اور اس سے مراد ایسا قرض ہے جو خالص نیکی کے جذبے سے بے غرضانہ کسی کو دیا جائے اس طرح جو مال راہ خدا میں خرچ کیا جائے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ میں نہ صرف اصل ادا کروں گا بلکہ اس سے کئی گناہ زیادہ دوں گا

البتہ شرط یہ ہے کہ وہ ہو قرض حسن یعنی اپنی کسی نفسانی غرض کے لیے نہ دی جائے بلکہ محض اللہ کی خاطر ان کاموں میں صرف کیا جائے جن کو وہ پسند کرتا ہے۔ (۱۰۵۷)

غرض قرض حسن وہ قرض ہے جو صاحب حیثیت ایک ضرورت مند کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کی خاطر اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بغیر کسی مطلب کے لیے دیتا ہے۔

اس قرض کی اہمیت کے بارے میں محمد اکرم خان کے الفاظ ہیں۔

" قرض حسنہ اسلامی شریعت کا ایک ایسا ادارہ ہے جس کی حضورﷺ نے اپنی امت کو ترغیب دی ۔ یہ شریعت کے معاشرتی تحفظ کے منصوبے کا ایک اہم ستون ہے۔ ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہمسائیوں ، قرابت داروں اور حاجت مندوں کی ضروریات کے لیے قرض حسنہ دے اور اس سے ہرگز گریز نہ کرے کیونکہ جب خود اسے ایسی ہی ضرورت لاحق ہو گی تو دوسرے بھی اس کی اس طرح مدد کریں گے اعزہ واقارب اور پڑوس کے لوگوں کی طرف سے قرض حسنہ کا بندوبست نہ ہونے کی صورت میں حاجت مندوں کے لیے قرض حسنہ کا انتظام کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ (۱۰۵۸)

اسلامی معاشرہ مثالی ہوتا ہے وہاں اخوت اور بھائی چارے کا ماحول ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ مصیبت میں کام آتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مصیبت میں سہارا بنتے ہیں۔ مالی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ حضورﷺ کا فرمان ہے کہ ایک تاجر تھا جو لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا پس جب وہ دیکھتا تھا کہ کوئی تنگ دست ہے تو اپنے نوکروں کو کہتا اس سے درگزر کرو شائد کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کرے (پس جب وہ فوت ہوا تو اللہ نے اس سے درگزر کیا۔ (۱۰۵۹)

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی سختیوں سے نجات دے گا (۱۰۶۰)

حضرت ابو الیسر سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے اللہ اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا (۱۰۶۱)۔

یہ اسلام کے وہ سنہری اصول ہیں جن سے دولت خود بخود منصفانہ تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرے میں دولت گردش میں رہتی ہے۔ اور کبھی یہ چند ہاتھوں میں جمع ہو کر معاشی

سماجی اور اخلاقی مسائل پیدا نہیں کرتی۔

(۷) وصیت

وصیت بھی اسلامی معیشت کا ایک اہم حصہ ہے ۔ اسلامی شریعت میں کسی شے کو یا اس کے منافع کو بہ طریق حسن سلوک یہ کہہ دینا یا لکھ دینا کہ میری موت کے بعد فلاں کے لیے ہے وصیت کہلاتا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ واقعہ پیش آنے سے قبل کسی کو ناصحانہ انداز میں ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے (۱۰۶۲)۔ قرآن حکیم میں وراثت کے ساتھ کہا گیا ہے۔

من بعد وصیة یوصی بھا او دین (۱۰۶۳)

وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے بعد۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً ن الوصیة للوالدین والاقربین

باالمعروف ج حقا علی المتقین (۱۰٦٤)

تم پر لکھ دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ ئے اور وہ کافی مال چھوڑ دیا ہے تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے جائز طریقہ پر وصیت کر دے یہ حق پرہیز گاروں پر۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ ابن عباس ، حسن ،مسروق ، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا مذہب یہی ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں اور سعید بن جبیر ، ربیع بن انس قتادہ اور مقاتل بن حیان کی بھی یہی رائے ہے۔

حدیث میں آتا ہے لا وصیت لوارث (۱۰۶۵)

وارث کے لیے وصیت درست نہیں ۔

نیز شریعت نے صرف تہائی ترکہ وصیت کرنے کی اجازت دی ہے۔

اوص بالثلث والثلث کثیر (۱۰۶۶)

وصیت کے قانون کی تشریح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے حق وصیت پر تین حدود عائد کیے ہیں ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ اپنے ایک تہائی مال کی حد تک وصیت کے اختیارات استعمال کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ جن لوگوں کو از روئے قانون وراثت کا حصہ پہنچتا ہو ان کے لیے کوئی وصیت دوسرے

وارثوں کی رضامندی کے بغیر نہیں کی جا سکتی ۔ تیسرے یہ کہ کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنے یا اس کے حصہ میں کمی کرنے کی وصیت نہیں کی جا سکتی (۱۰۶۷)۔

عاریت

اسلام کے معاشی نظام میں اخلاقی لحاظ سے ایک اہم تعلیم عاریت بھی ہے۔کسی شخص کو اپنی چیز کا منافع کے بغیر دوسرے کو مالک بنا دینا عاریت کہلاتا ہے۔ دراصل ہر چیز ہر شخص کے پاس نہیں ہوتی اور انسان کسی نہ کسی وقت دوسرے کی چیز کا محتاج ہو ہی جاتا ہے۔اس لئے ضرورت مند کی حاجت روائی اور نادار کی امداد ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں اس بات کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ضرورت مند کو ایسے موقع پر برتنے کے لیے عام چیزیں نہ دے۔

و یمتعون الماعون (۱۰۶۸)

اور ان کے لیے ہلاکت ہے جو برتنے کی چیز کو عاریت پر نہ دیں۔

دراصل ماعون سے مراد یہ وہ چھوٹی موٹی چیز ہے جن میں لوگوں کے لیے کوئی منفعت یا فائدہ نہ ہو۔

کل مافیه منفعة فهوالماعون ۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ماعون کا اطلاق ان تمام چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہوتا ہے جو عادتاً ہمسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں ۔ ان کا مانگنا کوئی ذلت کی بات نہیں ہوتا کیونکہ غریب یا امیر سب ہی کو کسی نہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے البتہ ایسی چیزوں کو دینے سے بخل برتنا اخلاقاً ایک ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے۔ عموماً ایسی چیزیں بجائے خود باقی رہتی ہیں اور ہمسایہ ان سے کام لے کرانہیں جوں کاتوں واپس دے دیتا ہے۔ اسی ماعون کی یہ تعریف میں یہ بھی آتا ہے کہ کسی کے ہاں مہمان آجائیں اور وہ ہمسائے سے چار پائی یا بستر مانگ لے یا کوئی اپنے ہمسائے کے تنور پر اپنی روٹی پکا لینے کی اجازت مانگے یا کوئی کچھ دنوں کے لیے باہر جا رہا ہو اور حفاظت کے لیے اپنا کوئی قیمتی سامان دوسرے کے ہاں رکھوانا چاہے پس آیت کا مقصود یہ بتانا ہے کہ آخرت کا انکار اتنا تنگدل بنا دیتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کوئی معمولی ایثار کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ (۱۰۶۹)

مفتوحہ اموال اور غنیمت

مسلمانوں کی مخالفین اسلام سے جنگیں بھی ہوتی ہیں اس طرح مال غنیمت ملتا ہے اور اسی جنگ کے خاتمہ پر اراضی اور اموال بھی ہاتھ آتا ہے۔ اسلام نے ایسے مال کو ہتھیانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کی منصفانہ تقسیم کے اموال مقرر کئے ہیں۔

واعلمو انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہٗ و للرسول ولذی القربی والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل(۱۰۷۰)

جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔

اللہ اور اس کے رسول سے مراد ان اجتماعی اغراض کا حصہ ہے جس کی نگرانی حکم باری تعالیٰ کے مطابق حکومت اسلامی کو دی گئی ہے۔ پیغمبراسلام ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ زکوٰۃ میں سے انہیں حصہ نہیں ملتا اس کے بعد خمس میں تین طبقے خاص طور پر مستحق بتائے گئے ہیں۔ یہ مال یتیم بچوں کی پرورش کے لیے ہے۔ دوسرے مساکین، اس میں غریب بیوہ عورتیں اپاہج معذور بیمار نادار او ر بے روزگار آ جاتے ہیں۔ تیسرے مسافر، اسلام کی تعلیم میں مسافر اور مہمان نوازی کی خدمت خاص طور پر شامل ہے بقول مولانا مودودیؒ " اسلام نے زکوٰۃ، صدقات اور غنائم جنگ میں مسافروں کا حق رکھا ہے یہ وہ چیز ہے جن سے اسلامی ممالک میں تجارت سیاحت تعلیم مطالعہ اور مشاہدہ اثار و احوال کے لیے لوگوں کی نقل و حرکت میں بڑی آسانیاں پیدا کردیں (۱۰۷۱)۔

حدیث نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ رکاز میں خمس ہے۔

و فی الرکاز الخمس (۱۰۷۲)

اور رکاز میں خمس ہے۔

اہل عرب کے یہاں لغوی معنی کے اعتبار سے رکاز کا اطلاق دفینہ پر ہوتا ہے لیکن امام ابو یوسف نے ایک روایت میں نبی اکرمؐ سے رکاز کی تفسیر یہ بیان کی

فقیل لہٗ ما الرکاز یا رسول اللہ؟

فقال الذهب والفضة الذی خلقه الله فی الارض یوم خلقت (۱۰۷۳)

نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ رکاز کیا ہے آپ ؐ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت کر دیا ہے (کانیں)

فئے کا لفظ ان تمام اموال پر حاوی ہو گا جو ذمیوں سے صلح کے معاہدہ کے تحت وصول ہوتا ہے اس میں ذمیوں سے فی کس وصول ہونے والا وہ جزیہ بھی ہے جس کی عوض ان کی جانوں کو اماں اور ان کے اموال کو حرمت دی جاتی ہے۔ نیز اس فئے میں وہ خراج بھی شامل ہے جو ایسے بزور جنگ مفتوحہ علاقوں سے وصول ہوتا ہے جن پر امام ذمیوں کو اس شرط پر بحال رکھتا ہے کہ وہ معاہدے کے تحت زمین کی معین مقدار پر مقررہ رقم یا جنس ادا کرتے رہیں گے (۱۰۷۴) جنگ کے نتیجہ میں جو مال اور اراضی ہاتھ آئیں وہ حکومت یا سرکاری بیت المال کا حصہ ہونگی۔ ارشاد ربانی ہے" جو کچھ مال و جائداد اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں کے باشندوں سے فئے میں دلوایا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتمی اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ یہ مال صرف تمہارے دولتمندوں ہی کے درمیان چکر نہ لگاتا رہے............ اور اس میں ان نادار مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھر بار اور جائیدادوں سے بے دخل کر کے نکال دیئے گئے ہیں .... اور ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں ایمان لے آئے علے........ اوران آئندہ نسلوں کا بھی حصہ ہے جو بعد میں آنے والی ہیں (۱۰۷۵)۔

اس آیت میں صاف طور پر فئے کے مصارف بیان کر دیئے گئے ہیں اور فئے و دیگر مال کی تقسیم کا مقصد بھی بتا دیا ہے کہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان ہی چکر نہ لگاتی رہے۔ یہ پر حکمت فقرہ اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

انفرادی ملکیت

اس تمام کائنات اور زمین و آسمان ان کے سارے وسائل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے انسان اس دنیا میں اس مالک کائنات کا نائب ہے اور اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس میں جائز تصرف کرے۔ پروفیسر خورشید کے الفاظ میں اسلام تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو اس عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت انفرادی ملکیت و تصرف کا حق دیتا ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی

ہے ۔ اور اچھے اخلاق پروان چڑھا سکتے ہیں لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے۔ یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے دراصل اسلام ملکیت کے اس محدود حق کو ایک امانت کی شکل دیتا ہے اور اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے محدود کرتا ہے (۱۰۷۶)

قرآن حکیم اور حق ملکیت

قرآن حکیم میں بہت سی آیات ہیں جن سے افراد کی ملکیت اور اس میں تصرف کا حق ثابت ہوتا ہے جیسے گھر ، کپڑے، ترکہ مال تجارت ،برتن راحت و آسائش اور زیب و زینت کی چیزیں زر نقدی باغ وغیرہ

یاایھاالذین امنو لا تدخلوا بیوتا عنر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا (۱۰۷۷)

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔

وان تبتم فلکم ر عروس اموالکم (۱۰۷۸)

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں۔

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون و للنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه و او کثر نصیبا مفروضا (۱۰۷۹)

مردوں کے لیے حصہ ہے اس ترکے میں سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور اسی طرح عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے اس ترکے میں سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور حصہ مقرر ہے۔

للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم (۱۰۸۰)

اور ان نادار مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور دوسرے مال و املاک سے بے دخل کر کے نکال دیئے گئے ہیں۔

و اورثكم ارضهم و دیارهم و اموالهم وارضالهم تطوها (۱۰۸۱)

اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ

تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔

کشتی اور خزانہ کی ملکیت کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آیا ۔ اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا اور اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں اس دیوار کے نیچے ان لڑکوں کے لیے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت کی بناء پر کیا گیا ہے (۱۰۸۲)

و اضرب لهم مثلا رجلين جعلنا لا حد هما جنتين من اعناب حففنهما بنخل و جعلنا بينهما زرعا (۱۰۸۳)

ان کے لیے ایک مثال پیش کرو دو شخص تھے ان سب میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کے باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی ۔

واتوهم من مال الله الزی اتكم (۱۰۸۴)

اور ان کو اللہ کے مال میں سے کچھ دو جو اللہ نے تمہیں دیا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں زکوٰۃ ، انفاق ، تجارت ۔ بیع ۔ لین دین، سواری اور بار برداری کے جانور سمندر میں چلنے والے جہاز وغیرہ کے معاملات حق ملکیت پر دلالت کرتے ہیں۔اسی طرح قرآن و حدیث میں ظلم و غضب کے ذریعے دوسرے کے مال پر قبضہ کے خلاف جو سخت وعیدیں پہلے بیان ہوئی ہیں یہ سب احکامات انفرادی ملکیت کا تحفظ ہی کے لیے نازل کیے گئے ہیں۔

(ب) ملکیت زمین

قرآن حکیم میں زمین کے شخصی ملکیت کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

كلو من ثمره ٖ اذا اثمر واتو حقهٗ يوم حصاده (۱۰۸۵)

اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

يا ايهاالذين امنو انفقوا من طيبت ما كسبتم و مما اخرجنا لكم من الارض

اے ایمان لانے والو خرچ کرو اپنی پاک کمائیوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں آیات عشر کی ادائیگی کے متعلق ہیں۔ اور عشر اس وقت دیا جاتا ہے جب کوئی زمین کا مالک ہو نیز باغ اور زمین کی ملکیت کا ذکر باالترتیب الکھف : ۳۲ اور الاحزاب :۲۸ کی آیات میں سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

ملکیت زمین کے بارے میں بہت سی احادیث کتب و احادیث میں موجود ہیں ان احادیث کا ذکر مختلف عنوانات کے تحت امام یوسف نے کتاب الخراج اور ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں کیا ہے ۔ اسی موضوع پر معلوماتی کتاب مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی مسئلہ ملکیت زمین بھی ہے ۔ پھر احادیث میں زمین کے وقف بیع و شرائط کا ذکر بھی ہے۔ مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے ضمن میں احادیث موجود ہیں ان سب دلائل سے زمین کی شخصی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس سلسلے میں کتب فقہ میں مندرجہ ذیل عنوانات بھی قابل غور ہیں

۱۔ قانون زکوٰۃ ۲۔ قانون عشر ۳۔ قانون نفقات ۴۔ قانون صدقات

۵۔ قانون وصیت ۶۔ قانون وراثت ۷۔ قانون غنائم ۸۔ قانون کفارات ونذر

۹۔ قانون غنائم ۱۰۔ قانون کفالت ۱۱۔ قانون مشارکت ۱۲۔ قانون ماعون

۱۳۔ قانون وقف ۱۴۔ قانون اجرت ۱۵۔ قانون عفو وغیرہ۔

تحدید ملکیت

اسلام انفرادی ملکیت کا حامی ہے لیکن اگر کسی وقت معاشرے میں معاشی تفاوت اس قدر پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی کثیر تعداد ضروری وسائل زندگی سے محروم ہو جائے اور ایک قلیل تعداد عیاشی کرنے لگے تو اسلامی ریاست وقتی طور تحدید ملکیت کا قانون نافذ کر کے لوگوں کو اس امر سے روک سکتی ہے کہ وہ ذاتی ملکیت نہ بنائیں مثلاً مفاد عامہ کے لئے بڑی بڑی جاگیرداری اور زمینداری کو ختم کر کے یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص مقررہ حد سے زیادہ قطعہ زمین اپنے پاس نہ رکھے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں اس کی نظیر آبپاشی کے متعلق اس فیصلے میں موجود ہے جس میں حضورؐ نے اوپر کے کھیت والے کو اپنی ضرورت پوری کر لینے کے بعد باقی پانی کو نیچے والے کے لئے چھوڑ دینے کا حکم صادر کیا

(۱۰۸۷)۔

احتکار کی پابندی میں یہی فلسفہ ہے کہ لوگ غلہ روک کرلوگوں کی زندگی دوبھر نہ کر دیں۔ اس کے ساتھ حضورؐ کا فرمان ہے لا ضرر فی الاسلام (۱۰۸۸) عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا مضرت رسانی جائز نہیں نہ ابتداً نہ وجوباً (۱۰۸۹) قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے غلہ کی ایک مقدار متعین کر دی کہ اس سے زائد کوئی خرید نہیں سکتا (۱۰۹۰) ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب نے فرمایا جو امور میں پہلے کر چکا اگر مجھے انہیں آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملے تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقراء کے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں (۱۰۹۱)۔

زراعت

زراعی ترقی کسی ملک کی اقتصادی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اسلامی دنیا کے ممالک صحراؤں اور پہاڑوں میں تیل کی دریافت سے پہلے زرعی تھے ۔ آج دنیا میں اکثر اسلامی ریاستیں زرعی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے زرعی پیداوار کو انسانیت پر اپنا ایک عظیم احسان گنوایا ہے اور اس کی اہمیت کی طرف اس طرح توجہ دلائی ہے

افرءیتم ما تحرثون ہ ءانتم تزرعونہٗ ام نحن الزرعون ہ لو نشاء لجعلنہ حطاماً فظلتم تفکھون ہ انا لمغرمون ہ بل نحن محرومون (۱۰۹۲)

اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہیں تو اس (فصل) کو چوراچورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ ہم محروم رہ گئے۔

و تری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت و ربت و انبتت من کل زوج بھیج (۱۰۹۳)

اور تو زمین میں دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر ہم اس پرپانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صباً ہ ثم شققنا الارض شقا ہ فا نبتنا فیھا حبًا

ہ و عنبا و قضبا ہ و زیتونا و نخلا ہ و حدائق غلبا ہ فاکھة و ابا ہ متاعالکم ولانعامکم (۱۰۹۴)

بس انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی طرف ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تم اور تمہارے مویشیوں کے لئے فائدہ۔

زراعت کی اہمیت نبی اکرم ﷺ اپنے ارشاد گرامی میں اس طرح فرمایا

اطلبو الرزق فی جنایا الارض (۱۰۹۵)

صرزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کر

امام سرخسیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں

بعنی عمل الزراعة (۱۰۹۶)

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے زراعت مراد ہے۔

ایک اور فرمان نبی ﷺ ہے

مامن مسلم یغرس غرساً او یزرع زرعاً فیاکل منه طیر، او انسان او بھیمة الاکان له به صدقة (۱۰۹۷)

جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

شیخ بدر الدین عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں

اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ درخت لگانے والے اور کھیتی کرنے والے کو اس عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ اس نے اس ثواب کا ارادہ نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر اس نے درخت بویا اور فروخت کر دیا اور کاشت کی اور اس کو فروخت کر دیا اور تب بھی یہ اس کے حق میں صدقہ ہو جائے گااس لیے کہ اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث ہوا۔ (۱۰۹۸)

امام سرخسیؒ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ خود نبی اکرم ﷺ نے مقام جرف میں زراعت کی۔

و اذ ذرع رسول اللہ ﷺ بالجرف (۱۰۹۹)

ہند و پاک کے معروف عالم شاہ ولی اللہ معاشی لحاظ سے زراعت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں " پس اگر باشندگان ملک کی اکثریت صنعت و حرفت اورشہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہو جائے گی (۱۱۰۰)

اب رہا اس بارے میں مزارعت کا سوال ؟ تو احادیث میں مزارعت کے متعلق جواز اور عدم جواز دونوں کا ذکر ہے۔ یہ سب احادیث الفاظ معانی کے لحاظ سے برابر شہرت کا درجہ رکھتی ہیں لیکن زمانہ نبوت سے زمانہ خلافت راشدہ تک زمین کا نقد لگان یا بٹائی پر دینا معمول رہا ہے۔ جمہور علماء بھی اسے جائز سمجھتے ہیں گو امام ابو حنیفہؒ اس کے مخالف ہیں ہدایہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی اور چوتھائی پیداوار پر مزارعت باطل ہے (۱۱۰۲) امام ابو یوسف اس کے جواز کے قائل ہیں اور اسے مضاربت کی مثل کہتے ہیں (۱۱۰۳) شاہ ولی اللہ بھی فرماتے ہیں (صحابہ کے بعد) اکابر تابعین مزارعت کا معاملہ کرتے تھے مزارعت کے جواز کی دلیل اہل خیبر سے معاملہ کی حدیث ہے اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں جس میں نہروں کے کناروں کی پیداوار یا کسی معین قطعہ کی پیداوار طے کر لی جائے جیسا کہ حضرت رافع نے فرمایا یا تنزیہ و ارشاد پر جیسا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے باہمی جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اسی مصلحت کی بناء پر اس سے روک دیا گیا جیسا کہ حضرت زید نے بیان فرمایا واللہ اعلم (۱۱۰۴)

امانت دیانت

معاشیات میں امانت و دیانت بھی ایک اہم قدر ہے۔ یہ عام معاملات اور خاص کر تجارتی لین دین میں ایک مقام رکھتی ہے۔ اسلامی شریعت میں اس پر بہت زور دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ان اللہ یامرکم ان تو دو الامنت الی اھلھا (۱۱۰۵)

اللہ حکم دیتا ہے کہ جس شے کے تم امین بنائے گئے ہو اس کے مالک کو امانت واپس کرو

ان اللہ لایحب الخائنین (۱۱۰۶)

اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

غرض قرآن حکیم میں کئی مقامات پر امانت کی صفت کو اچھی نگاہ سے دیکھا گیا ہے (۱۱۰۷)

کہیں اس کا تذکرہ مقدس الہی کی صفات میں بیان ہوا ہے (۱۱۰۸) اور کہیں لین دین اور ناپ تول میں پیمانے پورے استعمال کرنے کی تاکید ہے (۱۱۰۹) قوم شعیب کی دنیاوی معاملات ہی تجارتی بد دیانتی عذاب کا باعث بنی ۔اس امانت دیانت کی اہمیت کا اندازہ حضرت شعیب کی اس تقریر سے بھی ہوتا ہے۔

" اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادران قوم ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال تمہارے اوپر کوئی نگراں کار نہیں ہوں۔

انہوں نے جواب دیا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے ؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور درست آدمی رہ گیا ہے ۔

شعیب نے کہا بھائیو تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھے اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمھارا شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں انکا خود ارتکاب کروں میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک بھی میرا بس چلے اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں اور اے برادران قوم میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ آخر کار تم پر بھی وہی عذاب آکر رہے جو نوح ؑ یا ھود ؑ یا صالح ؑ کی قوم پر آیا تھا اور لوطؑ کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا اے شعیب تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم

دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے تیرا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو ۔

شعیب نے کہا ، بھائیو کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (برادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا ؟ جان رکھو جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے اے میری قوم کے لوگو تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا ۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے ۔ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمھارے ساتھ چشم براہ ہوں ۔

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی دونوں کو بچالیا اورجن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے ۔ (۱۱۱۰)

حضرت شعیبؑ کے مذکورہ خطبے میں تمام زور شرک سے بچنے اور معاشی خرابی سے دور رہنے پر دیا جا رہا ہے ۔ اس نبیؑ نے امانت دیانت پر قائم رہنے اور حلال و طیب روزی کمانے کی ترغیب دی ۔ حضرت شعیبؑ ایک شرک دوسرے تجارتی معاملات میں بد دیانتی ۔ انہی دونوں چیزوں کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ سرداران قوم شعیب نے ان کی بات کا جو جواب دیا اس پر سے سرسری طور پر نہ گزر جایئے۔ یہ ٹھہر کر بہت سوچنے کا مقام ہے۔ مدین کے سردار اور لیڈر دراصل یہ کہہ رہے تھے۔ اور اسی بات کا قوم کو بھی یقین دلا رہے تھے کہ شعیب بھی ایمان داری اور راست بازی کی دعوت دے رہا ہے اور اخلاق و دیانت کے جن مستقل اصولوں کی پابندی کرانا چاہتا ہے اگر ان کو مان لیا جائے تو ہم تباہ ہو جائیں اور کھرے کھرے سودے کرنے لگیں اور ہم جو دنیا کی دو سب سے بڑی تجارتی شاہ راہوں کے چوراہے پر لیتے ہیں اور مصر و عراق کی عظیم الشان متمدن سلطنتوں کی سرحد پر آباد ہیں اگر ہم قافلوں کو چھیڑنا بند کر دیں اور بے ضرر اور پر امن لوگ ہی بن کر رہ جائیں تو جو معاشی اور سیاسی فوائد ہمیں اپنی موجودہ جغرافی پوزیشن سے حاصل ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور آس پاس کی قوموں پر جو ہماری دھونس قائم ہے وہ باقی نہ رہے گی یہ بات صرف قوم شعیب کے سرداروں تک ہی محدود نہیں ہے ۔ ہر زمانے میں بگڑے ہوئے لوگوں نے حق اور راستی و دیانت کی روش میں ایسے ہی

خطرات محسوس کیے ہیں ۔ ہر دور کے مفسدین کا یہی خیال رہا ہے کہ تجارت اور سیاست اور دوسرے دینی معاملات جھوٹ اور بے ایمانی اور بد اخلاقی کے بغیر نہیں چل سکتے ۔ ہر جگہ دعوت حق کے مقابلہ میں جو زبردست عذرات پیش کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی رہا ہے کہ اگر دنیا کی چلتی ہوئی راہوں سے ہٹ کر اس دعوت کی پیروی کی جائے گی تو قوم تباہ ہو جائے گی (۱۱۱۱)

احادیث میں بھی تجارت اور لین دین کے معاملات میں امانت و دیانت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور خیانت سے روکا گیا ہے چاہے وہ ایک دھاگے کے برابر ہو (۱۱۱۲)۔ صادق و امین تاجر کی بہت تعریف کی گئی ہے حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر کوئی تم سے خیانت کرے تو تم اس سے خیانت نہ کرو (۱۱۱۳)۔ پھر خائن اور بد دیانت کے لیے وعید بھی سنائی گئی ہے کہ جو شخص کسی کو دھوکہ دے وہ امت مسلمہ کا فرد نہیں سمجھا جائے گا (۱۱۱۴)۔

امانت کا معاشی فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی فاضل رقم دوسرے امین وصادق شخص کے پاس رکھ دیتا ہے اور اسے اجازت دے دے کہ ضرورت کے وقت رقم کو استعمال میں لا سکتا ہے۔ پھر مجھے بوقت طلب واپس کر دے تو اس طرح ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے اور اس کی فاضل رقم محفوظ رہتی ہے۔ گویا یہ موجودہ بینک کی سی شکل ہے ۔ مگر بینک میں سود ملتا ہے اور دولت سرمایہ دار کے پاس اکتناز کی شکل اختیار کر لیتی ہے مگر اسلام کے معاشی نظام میں امانت کے مفید پہلو کو باقی رکھا گیا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی مضرت کو فناء کرنے کے لیے اس کے ربوی شعبہ کو حرام قرار دیا گیا ہے(۱۱۱۵)۔

چنانچہ ایک حدیث میں امانت کے افادی پہلو کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے الامانة غنى امانت ایک قسم کی مالی رفاہیت ہے ۔ اور مشہور محدث ابن اثیر نے اس جملہ کی یہ تشریح فرمائی ہے " حدیث کے جملہ کی مراد یہ ہے کہ امانت امین کی رفاہیت کا باعث بنتی ہے اس لیے کہ جب اس کی امانت داری کی شہرت ہو گی تو لوگ کثرت سے اپنے فاضل مال کو اس کی امانت میں رکھنے کا اقدام کریں گے اور اس طرح یہ معاملات اس کی رفاہیت کا باعث ہونگے(۱۱۱۶)

عدل

عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے زیر بحث مضمون میں اس سے مراد لوگوں کے باہمی تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا ہے جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے اور جائز حق کو شریعت نے ہر معاملے میں صریح قانون یا قانونی نظائر کی شکل میں مدوّن کر دیا ہے اسلام میں معاشی عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پھل ملے۔ معاشرے کے کمزور طبقات و افراد کے حقوق کی پاسبانی کی جائے اور طاقت ور افراد و طبقات کو اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ان کے حقوق تلف کریں۔

آسمانی شریعتوں کا مقصد لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو زمین میں عدل قائم کرنے کے لیے بھیجا۔

جیسا ارشاد ربانی ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا با البینت و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس باالقسط ج
وانزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس ولیعلم الله من ینصره و رسلهٗ با الغیب ط
ان الله قوی عزیز (۱۱۱۵)

" ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے۔"

قرآن مجید میں عدل کے معاملے میں دشمنوں سے سلوک (۱۱۱۶) اور خود اپنے نفس کو اس کے تابع رکھنے کا حکم ہے۔(۱۱۱۷) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت کی ہے

وامرتُ لا عدل بینکم (۱۱۱۸)

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔

احادیث میں عادل حکمرانوں کو بہت بلند مرتبے کی خوش خبری سنائی گئی ہے (۱۱۱۹) عدل کے

بارے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ " تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹ دیتا (۱۱۲۰)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں معاشی عدل پر اس طرح زور دیا۔

تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلواؤں اگر خدا چاہے اور تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں اگر خدا چاہے (۱۱۲۱)۔

حضرت عمرؓ جن لوگوں کو عامل بنا کر کہیں بھیجتے تھے ان کو خطاب کر کے فرماتے " میں تم لوگوں کو امت محمد ﷺ پر اس لیے عامل مقرر نہیں کر رہا ہوں کہ تم ان کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جاؤ بلکہ میں اس لیے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو (۱۱۲۲)۔

معاشی عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بیت المال کو خدا اور مخلوق کی امانت سمجھا جائے۔ حکمران ذاتی اغراض کے لیے اس کا پیسہ حرام تصور کریں۔ اسلامی خلیفہ سرکاری خزانے کو امانت سمجھ کر ایک ایک پیسہ دیکھ بھال کر خرچ کرتا ہے وہ بیت المال کا امین ہوتا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے اپنی مجلس میں کہا کہ خدا کی قسم میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ اگر میں بادشاہ ہو گیا ہوں تو یہ بڑی سخت بات ہے اس پر ایک صاحب نے کہا اے امیر المومنین ان دونوں میں بڑا فرق ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا انہوں نے کہا خلیفہ کچھ نہیں لیتا مگر حق کے مطابق اور کچھ خرچ نہیں کرتا مگر حق کے مطابق آپ خدا کے فضل سے ایسے ہی ہیں رہا بادشاہ تو وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے ایک سے بے جا وصول کرتا ہے اور دوسرے کو بے جا عطا کر دیتا ہے (۱۱۲۳)۔

حضرت ابوبکرؓ کی تنخواہ چار ہزار سالانہ درہم مقرر کی گئی مگر جب آپؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی میرے ترکے میں سے آٹھ ہزار درہم میری تنخواہ کے بیت المال کو واپس

کر دیے جائیں یہ مال جب حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا خدا ابو بکرؓ پر رحمت فرمائے اپنے بعد آنے والوں کو انہوں نے مشکل میں ڈال دیا (۱۱۲۴)۔

حضرت علیؓ نے اپنی تنخواہ کا معیار وہی رکھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی تنخواہوں کا تھا ۔ آدھی آدھی پنڈلیوں تک اونچا تہمد پہنے رہتے اور اکثر وہ بھی پیوند لگا ہوا ہوتا (۱۱۲۵)۔ ایک مرتبہ ایک صاحب جاڑے کے موسم میں آپ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ایک بوسیدہ چادر پہنے بیٹھے ہیں اور سردی سے کانپ رہے ہیں (۱۱۲۶)۔

اب رہا جدید دور کے چند آزاد خیال لوگوں کا فلسفہ عدل اجتماعی کہ کچھ لوگ ریاست پر ناجائز قبضہ کر کے اپنا فلسفہ عدل گھڑ لیں اور روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگائیں پھر عملی طور پر شائد یہ کر بھی نہ سکیں تو اسلام اس نعروں کے عوض ملک کو جیل بنانے کا حکم نہیں دیتا اور نہ ہی اس کی اجازت ہے کہ کوئی آمر مطلق بن کر قانون سازی کرے یا کوئی فلسفہ گھڑے اور اسلامی ریاست میں خدا کے سوا کسی کو قانون سازی کی اجازت نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے سر جھکائیں ۔ انسان انسان کے لیے اپنی مرضی سے کوئی قانون نہیں بنا سکتا اسلامی ریاست میں شریعت الٰہیہ برتر قانون ہے۔

معاشی عدل

اسلام نے معاشی عدل کو قائم کرنے پر بہت زور دیا ہے غربت فقر و فاقہ ایمان کے لیے خطرہ اور روزی و رزق کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے۔ اسلام میں معاشی عدل سے مراد " صرف و پیدائش اور تقسیم و تبادلہ دولت کے دائرے میں توازن و تناسب کا پایا جانا ہے۔ تاکہ معاشی سرگرمیاں صحت مند خطوط پر رواں دواں رہیں اور افراد معاشرہ اپنی معاشی احتیاجات کی تسکین کا سامان باوقار طریقے سے حاصل کر سکیں (۱۱۲۷)۔

صرف دولت میں کفایت شعاری اور اقتصاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اصراف و تبذیر سے روک دیا گیا ہے بخل کی مذمت کی گئی ذاتی ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پیدائش دولت کے سلسلے میں رزق حلال کے حصول پر زور دیا گیا ہے۔تمام حرام ذرائع سود، منشیات ،جواء ، رشوت ، چوری ، احتکار، اکتناز ، قحبہ گری اور فحش ذرائع سے روزی کمانا حرام کہا گیا ہے

اس کے ساتھ محنت کی ترغیب دی گئی ہے گداگری اور بیکاری سے منع کیا گیا ہے نیز جبر و اکراہ اور غلامی و بیگاری کے ذریعہ سے بھی دولت حاصل کرنا درست نہیں۔

تقسیم دولت کے باب میں عدل کا قیام معاشی لحاظ سے بہت اہم ہے ۔ اس لیے عاملین پیدائش کو ان کی خدمات کا منصفانہ معاوضہ دینے پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر مزدوری کے حقوق کا خاص خیال رکھا گیا۔ ارتکاز دولت کو بری نگاہ سے دیکھا گیا ۔ نفلی صدقات کے علاوہ زکوٰۃ کا قانونی نظام قائم کیا گیا۔ دولت کی گردش کے لیے وراثت ، زکوٰۃ ، انفاق ، العفو پر زور دیا گیا ہے جائز اور مثبت معاشی جدوجہد سے معاشی تفاوت کم کیا گیا ہے ۔

تبادلہ دولت کے لیے بھی اسلام نے عدل کا اصول قائم کیا ہے۔ لین دین، تجارت و بیع میں باہمی رضامندی ضروری قرار دی گئی ۔ ظلم و جبر پر مبنی کاروبار کی تمام شکلیں ختم کر دی گئیں۔ اسی لیے سود اور قمار بازی اور ان سے ملتے جلتے افعال معیشت کی ممانعت کی گئی۔ جھوٹ و دھوکہ ، ملاوٹ ، غلط پروپیگنڈہ ، قسمیں کھانے سے کاروبار کرنا منع کر دیا گیا۔

یہ ہے معاشیات کی زبان میں اسلام کے معاشی عدل کا خاکہ ۔ غرض اسلام جس عادلانہ معیشت کو پیش کرتا ہے اس کا ایک دائرہ تو وہ ہے جس میں افراد اپنی اخلاقی تربیت اور حسن سلوک کے ذریعے معاشی فرق کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں دوسری طرف حکومت اس ظلم و استحصال کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مثلاً لوگوں کو کسب معاش کی جدو جہد پر لگانا ، معاشی جدوجہد کے مواقع مہیا کرنا ، کام کرنے والوں کے لئے مناسب معاوضے کا انتظام ، صرف جائز حق ملکیت کا تحفظ ، تبادلہ اشیاء و خدمات کے لیے حقیقی رضامندی کو لازمی قرار دینا انفاق کا فروغ، اسراف و تبذیر کی ممانعت معیشت میں سادگی بے جا اختیارات کا خاتمہ ، محتاج و مساکین کی معاشی کفالت، نظام زکوٰۃ، قانون وراثت ، وصیت پر عمل وغیرہ۔

اسلام کا معاشی نظام جس کا خاکہ ہم نے اوپر کی عبارت میں کھینچا ہے رب العالمین کی آخری کتاب قرآن حکیم کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے وہ علیم ذات انسانوں کے تمام مسائل و وسائل سے واقف ہے اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کو رزق بھی مہیا کرتا ہے ۔ اس کے احکام پر جس معاشرے میں عمل ہوتا ہے تو وہاں خدا کی برکتوں اور رحمتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ وہاں زمین اپنے خزانے

اگل دیتی ہے۔ اور آسمان سے رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے اس طرح افلاس اور غربت ختم ہو جاتی ہے وہاں مالی امداد کرنے والے ضرورت مندوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور لینے والے نہیں ملتے ۔

تقابلی جائزہ

قرآن حکیم اور اناجیل اربعہ پر نظر ڈالی جائے تو ان کے معاشی اصولوں میں یہ ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ اناجیل میں یہ تعلیمات سرسری طور پر بیان ہوئی ہیں جب کہ قرآن حکیم میں انسان کے اس پہلو کو خاص طور پر مد نظر رکھ کر ضروری رہنمائی کی گئی ہے جن کی تفصیلات ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ۔ قرآن میں تجارت ، لین دین ، حلال و حرام ، معاشی جدوجہد ، محنت ، سماجی فلاح ، دولت کی تقسیم ، اسراف کی ممانعت غرض انفرادی اور اجتماعی معیشت کے ضروری اصول بیان کر دیئے گئے ہیں ۔ لیکن معیشت کی اس قدر یہ تفصیلات ہمیں اناجیل میں نہیں ملتیں وہاں سرسری طور پر چند تعلیمات کا ذکر ہے۔ یہ محنت، خیرات، کنز کی ممانعت، خدا کی رزاقیت، قیصر اور خدا کے حصہ ادا کرنے کا حکم ۔ دولت مندی کی حوصلہ شکنی ہیکل میں تجارت کی ممانعت وغیرہ جیسی عام معاشی تعلیمات ہیں ۔ ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر کوئی معاشی نظام سامنے نہیں آتا۔ یہ روزمرہ زندگی کی عام سی تعلیمات ہیں ان کے مقابلے میں قرآن حکیم کی معاشی تعلیمات جامع اور وسیع تر ہیں۔ ان سے ہمیں معاشی زندگی کے بارے میں بہت حد تک رہنمائی ہوتی ہے ۔ اور ایک الگ مزاج کا معاشی نظام سامنے ابھر کر آیا ۔ جس کا تعلق نہ سرمایہ داری سے ہے اور نہ اشتراکیت سے۔ اور اس موضوع پر بہت سا ادب، سعودی عرب، پاکستان، مڈل ایسٹ اور عالم اسلام سے شائع ہو چکا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کا بھی اپنا ایک الگ تشخص ہے۔ جس کا تعلق لادینی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت سے نہیں ہے۔

اناجیل کے بغور مطالعہ سے ایک اور اہم معاشی تعلیم جس کا بار بار ذکر ہے وہ رہبانیت ہے۔ اس میں دولت مندوں کو خدا کی بادشاہت میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ جبکہ اسلام کی تعلیمات میں کسب معیشت کے لیے ترغیبات اور معاشی جدوجہد میں بھر پور حصہ لینے کا ذکر ملتا ہے۔ اس عنوان کا ذکراسلام کے معاشی نظام میں تفصیل سے صفحات بالا میں کیا جا چکا ہے۔ آیئے اب ذرا رہبانیت کے بارے میں معیشت کی تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں۔

حضرت یسوع مسیحؑ فرماتے ہیں تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے اس لیے میں

تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کا فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے ؟ اور نہ ہی اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے ؟۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ۔ آسمان کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے نہ کاٹتے نہ کھیتوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کی پرورش کرتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے ہو (۱۱۲۸)۔ اور اس نے ان سے کہا کہ خبردار اپنے آپ کو ہر طرح کے لالچ سے بچائے رکھو کیونکہ کسی کی زندگی اس کے مال کی کثرت پر موقوف نہیں .... ایسا ہی وہ شخص ہے جو اپنے خزانے جمع کرتا ہے اور خدا کے نزدیک دولت مند نہیں (۱۱۲۹)۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی باد شاہت میں داخل ہو (۱۱۳۰)۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اناجیل میں دولت مندی ،سرمایہ داری کی مذمت پائی جاتی ہے ۔ لیکن دنیا کی زندگی کا ایک اہم جزو معاشی جدو جہد اس میں ناپید ہے بقول مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی" عہد نامہ جدید کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت سرمایہ داری کو ناپسند کرتی ہے لیکن اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے اس میں ترغیب وتلقین کے علاوہ کوئی قانونی عملی حیثیت مذکور نہیں کہ جس کو سامنے رکھ کر اقتصادی عادلانہ نظام مرتب کیا جا سکے اور ایک دیندار کو صحیح دنیا دار بنا کر جماعتی زندگی کا مفید جزو بنایا جا سکے بلکہ اس کے برعکس اس سے صرف "رہبانیت "اور دنیا کشی کی تعلیم نکلتی ہے اور بس۔ اورایک دیندار اور خدا رسیدہ انسان کو بہترین دنیا دار بنانے اور جماعتی زندگی میں کسی بہتر مالی نظام قائم کرانے کی اس میں مطلق کوئی گنجائش نظر نہیں آتی (۱۱۳۱)۔

اسلام کا معاشی نظام بھی اسلام کے اپنے معاشرتی ، سیاسی اخلاقی نظاموں کی طرح مربوط اور منظم شکل میں ہے ۔ اسلام کے معیشت کے ارکان کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے ۔اور پھر ہر رکن کی تفصیلات کا آپس میں گہرا تعلق ہے مثلاً اس کے نظام صدقات کو دیکھا جائے اس میں زکوٰۃ،عشر، انفاق، العفو وغیرہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں ۔ اور یہ الگ الگ بھی ایک منظم شکل میں ہیں ۔ زکوٰۃ اس کی سرکاری طور پر تحصیل، اس کے مصارف ،اس کا نصاب اور شرح ان تمام کی تفصیلات موجود ہیں مگراس طرح کا قانونی اور مربوط نظام ہمیں اناجیل میں نظر نہیں آتا ۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی نے درست فرمایا ہے "چونکہ حضرت مسیحؑ اپنے پیروؤں کے لئے کوئی مستقل اور مفصل قانون اور شریعت موسویہ کے متوازی کوئی شریعت لے کر نہیں آئے ۔ ان کا کام چند ترمیمات اور اصلاحات تک محدود تھا اور ان کی اصل تبلیغ و دعوت یہودیوں کی حد سے بڑھی ہوئی ظاہر داری اور رسم پرستی کے مقابلہ میں عبودیت و اخلاص کی سچی روح محبت الٰہی اور انسان دوستی کا زندہ جذبہ اور ظواہر و اشکال میں حقیقت کا جلوہ پیدا کرنا تھا اس لئے دوسرے ارکان مذہب اور زندگی کے شعبوں کی طرح خیرات و صدقات کے لئے بھی انھوں نے کوئی مستقل قانون و نظام پیش نہیں کیا جو یہودی شریعت اور تورات کے احکام کے بالمقابل مستقل ضوابط اور قانون پر مشتمل ہو ۔ انہوں نے اسی سابقہ نظام میں صرف حقیقت و روح خلوص و صداقت محبت الٰہی و اخوت انسان احساس زندہ کرنے کی کوشش کی ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں عیسائیت کے مذہبی لٹریچر اور کلیسا کی راہنمائی اور ہدایات میں خیرات و صدقات کا کوئی مفصل اور واضح ضابطہ اور کوئی منضبط اور مرتب قانون نہیں ملتا جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی حیثیت محض اخلاقی ہدایات اور پندونصائح کی ہے(۱۱۳۲)۔

سیاسی تعلیمات

سیاسی تعلیمات (قران حکیم کی روشنی میں)

اناجیل اربعہ کی سیاسی تعلیمات کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔

یہاں ہم قران حکیم کی سیاسی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

ا۔ تصورِ کائنات

قران حکیم کا سیاسی نظریہ دراصل اس کے بنیادی وسیاسی تصورِ کائنات پر مبنی ہے۔ اسلام کے فلسفہ کائنات کو اچھی طرح سمجھ لیا جاے ۔ تو اسلام کا فلسفہ سیاسیات بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں درجِ ذیل نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) اللہ تعالی اس کائنات اس میں موجود انسان اور تمام اشیاء کا خالق و مالک ہے۔

وهوالذی خلق السموات ولارضِ باالحق (۱۱۳۳)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا۔

هوالذی خلق لکم مافی اللارضِ جمیعا (۱۱۳٤)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں۔

هل من خالقِ غیر الله یرزقکم من السماد والارضِ (۱۱۳٥)

کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے۔ جو تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہو۔

قل الله خالق کل شئی وهوالواحدالقهار (۱۱۳٦)

کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اور وہی یکتا ہے۔ سب کو مغلوب کرکے رکھنے والا ۔

یاایهاالناس اتقوربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء (۱۱۳۷)

لوگو ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا وجود میں لایا اور ان دونوں سے اس نے بکثرت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔

قران حکیم میں ایک اور مقام پر کہا گیا۔

کیا تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ٹپکاتے ہو اس سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا اس کے خالق ہم

ہیں ؟۔۔۔۔۔تم نے غور کیا یہ کھیتی جو تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں۔ ۔۔۔۔۔تم نے غور کیا۔ یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے بادل سے تم برساتے ہو یا اس کے برسانے والے ہم ہیں۔ تم نے غور کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کے درخت تم نے پیدا کیے ہیں یا ان کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ (۱۱۳۸)

(ب) اللہ تعالیٰ اپنی اس کائنات اور مخلوقات کا مدبر منتظم فرمانروا اور مالک بھی ہے۔

له مافی السموٰتِ والارض وما بینهما وما تحت الثریٰ(۱۱۳۹)

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور جو کچھ زمین کی تہ میں ہے۔

یدبر الدمرمن السماء الی الارض(۱۱٤۰)

آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے۔

والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الاله الخلق والامرتبارت الله رب العالمین(۱۱٤۱)

سورج اور چاند اور تاروں کو اس نے پیدا کیا سب اس کے حکم کے مسخر ہیں۔ خبردار رہو اسی کی خلق ہے۔ اور اسی کی حکمرانی ہے۔ بڑا بابرکت ہے۔ اللہ ساری کائنات کا مالک و پروردگار ہے۔

(ج) اس کائنات میں اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

ان الحکم الا الله(۱۱٤۲)

فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں۔ سوائے اللہ کے۔

ولم یکن له شریك فی الملك(۱۱٤۳)

اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

الم تعلم ان الله له ملك اسموات والارض(۱۱٤٤)

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے۔

له الحمد فی الاولیٰ والا خره وله الحکم والیه ترجعون(۱۱٤۵)

دنیا اور آخرت میں ساری تعریف اسی کے لیے ہے اور حکم کا اختیار اسی کو ہے۔ اور اسی کی طرف

تم پلٹائے جانے والے ہو۔

مالهم من دونه من ولي ولايشرك في حكمه احدا(١١٤٦)

بندوں کے لیے اس کے سوا کوئی ولی وسرپرست نہیں۔ اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

يقولون هل النامن الامر من شي قل ان الامر كلهٗ لله (١١٤٧)

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے، کہو اختیار سارا کا سارا اللہ ہی کا ہے۔

له ملك السموات والدرض والى الله ترجع الامور(١١٤٨)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور سارے حق معاملات اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔

للّٰه الامر من قبل ومن بعد(١١٤٩)

اللہ ہی کے ہاتھ اختیار ہے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی

(د) حاکمیت کی تمام صفات اور اختیار ات اسی ایک ذات میں موجود ہیں۔

الملك القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار المتكبر(١١٥٠)

بادشاہ عیب ونقص سے پاک غلطی سے مبرا امن دینے والا نگہبان غالب بزور حکم نافذ کرنے والا۔ کبرائی کا مالک۔

عالم الغيب والشهعادة الكبير المتعال (١١٥١)

پوشیدہ اور ظاہر سب چیزوں کا جاننے والا بزرگ اور بالاتر رہنے والا۔

وهوالقاهر فوق عباده وهوالحيكم الخبير(١١٥٢)

وہی اپنے بندوں پر غلبہ رکھنے والا ہے۔ اور وہی دانا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

تبارك الذى بيده الملك وهو على كل شى قدير(١١٥٣)

بڑا بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بيده ملكوت كل شيءٍ واليه ترجعون(١١٥٤)

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

وله اسلم من فی السموات والدرض طوعاً وکرھا(١١٥٥)

آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے چاروناچار اسی کے تابع فرمان ہیں۔

ان العزة للله جمیعا وھوا لسمیع العلیم(١١٥٦)

طاقت بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قل فمن یملك لکم من الله شیئا ان اردبکم ضراً اردابکم نفعا(١١٥٧)

کہو اگر اللہ تمھیں۔ نقصان پہنچانا چاہے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے؟ یا اگر وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو (کون اسے روک سکتاہے)۔

ابصر به واسمع ما لھم من دونه من ولی ولا یشرك فی حکمه احدا (١١٥٨)

کمال درجہ کا دیکھنے اور سننے والا اس کے سوا کوئی بندوں کا ولی وسرپرست نہیں۔ اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

انه ھو یبدی ویعید وھوالغفور الودود ذوالعرش المجید فعال لمایرید(١١٥٩)

وہی ابتدا کرتاہے۔ اور وہی اعادہ کرتاہے۔ اور وہی بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ تخت سلطنت کا مالک اور بزرگ جو کچھ چاہے کرگزرنے والا ہے۔

ان الله یحکم مایرید(١١٦٠)

بے شک اللہ جو کچھ چاہتا ہے۔فیصلہ کرتا ہے۔

والله یحکم لا معقب لحکمہٖ (١١٦١)

اللہ فیصلہ کرتا ہے۔ اور کوئی اس کے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے والا نہیں۔

لا مبدل لکلماته(١١٦٢)

اس کے فرامین کو بدلنے والا کوئی نہیں

الیس الله باحکم الحاکمین(١١٦٣)

کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔

ان الارض لله یورثھا من یشاء من عباده (١١٦٤)

در حقیقت زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ اس کا وارث بناتا ہے۔

(۲) حاکمیت اعلیٰ

کائنات کے اس تصور کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ جب تمام کائنات سب چاروناچار میری فرمانروائی چل رہی ہے تو حضرت انسان کا بھی میں ہی برتر اور اعلی حکمران ہوں۔ اور انسانی معاملات میں حمیت کا حق بھی اسی کو ہے۔ اس بارے میں قران حکیم نے مختلف پہلوؤں پر اسطرح روشنی ڈالی ہے۔

(ا) کائنات کا رب انسان کا رب ہے۔ اوراس بات کو تسلیم کرلینا چاہیے۔

ان ربکم الله الذی خلق اسموات والدرض(۱۱۶۵)

درحقیقت تمھارا رب اللہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین.........قل اغیرالله ابغی ربا وهو رب کل شيٍ(۱۱۶۶)

اے نبی کہو میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العامین کے لیے ہے....... کہو کیا اللہ کے سوا میں کوئی اور رب تلاش کروں ۔ حالانکہ ہر چیز کا رب تو وہی ہے۔

قل اعوذ برب الناس ملك الناس اله الناس(۱۱۶۷)

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب اور انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی"۔

سورہ یونس میں فرمایا گیا۔

کہو کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتاہے۔ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون بے جان میں سے جان دار اور جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ اور کون دنیا کا انتظام چلاتا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی تمھارا حقیقی رب ہے آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔ تم کدھر پھرے جارہے ہو۔(۱۱۶۸)

(ب) حکم اور فیصلے کا حق صرف اللہ کو ہے۔

وما اختلفتم فیه من شی ءٍ محکمهٗ الی الله (۱۱۶۹)

تمھارے درمیان جو اختلاف بھی ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔

ان الحکم الا للہ (۱۱۷۰)

حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔

یقولون ھل لنا من الامر من شیءٍ قل ان الامر کلہ للہ (۱۱۷۱)

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے بھی کچھ اختیار ہے۔ کہو اختیار سارا کا سارا اللہ ہی کا ہے۔

الا لہ الخلق والامر (۱۱۷۲)

خبردار اسی کی خلق اور اسی کا امر ہے۔

(ج) یہ کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لیے ہے کہ وہی کائنات کا بادشاہ ہے۔

والسارق والسارقۃ فا قطعوا اید یھما ..... الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض (۱۱۷۳)

چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔۔۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔

(د) اللہ کا حکم یوں برحق اور فائق تر ہے کہ وہ حقیقت کا علم رکھتا ہے۔ وہ ہی ہماری درست رہنمائی کر سکتا ہے۔

عسی ان تکرھوا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شئیا وھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (۱۱۷٤)

ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو وہ تمہارے لیے بری ہو اللہ سب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح (۱۱۷٥)

اللہ ہی جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون۔

وللہ یعلم وانتم لاتعلیمون (۱۱۷٦)

اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

یو صیکم اللہ فی او لادکم...اباو کم وانباء کم لاتدرون الیھم اقرب لکم نفعا فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیماً حکیماً (۱۱۷۷)

اللہ تمھاری اولاد کے معاملہ میں تم کو ہدایت دیتاہے۔۔۔۔۔۔ تمہارے ماں باپ اور تمھاری اولاد

میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ اس کو تم نہیں جانتے وراثت کا حصہ اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۳) اللہ کی قانونی حاکمیت

اسی لئے قران حکیم کہتا ہے۔ اور اطاعت اللہ کے قانون کی ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ اپنی خواہشات یا دوسروں کی پیروی قطعاً ممنوع ہے۔

ولقد بعثنا فی کل امة رسولاً ان عبدوا الله وا جتنبواالطاغوت(۱۱۷۸)

ہم نے ہرامت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو ۔

وما امروا الالیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفا (۱۱۷۹)

ان کو کوئی حکم اس کے سوا نہیں دیا گیا کہ یکسو ہو کر اللہ کی بندگی کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوں۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونهِ اولیا (۱۱۸۰)

پیروی کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ تمھارے رب کی طرف سے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سر پرستوں کی پیروی نہ کرو۔

ولئن اتبعت اهوا ء هم بعد ماجاء ت من العلم مالك من الله من ولی ولا واق(۱۱۸۱)

اور اگر تو نے اس علم کے بعد جو تیرے پاس آچکا ہے۔ ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں نہ تیرا کوئی حامی ہوگا نہ بچانے والا

..........تلك حدودُ اللهِ فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون(۱۱۸۲)

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کریں۔ ظالم ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم ا لکافرون (۱۱۸۳)

اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہی کافرین ہیں۔

ومن لم بحکم بما انزل الله فاوللك هم ا لظا لمون(۱۱۸٤)

اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔وہی ظالم ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الفاسقون(۱۱۸۵)

اور جواللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

(۴) بالاتر قانون

اللہ کا حکم سب سے بالاتر اور برتر قانون ہے۔ اس حکم کے ہوتے ہوئے کسی اور کا قانون نہیں چلے گا۔

وما کان لمومن ولامومنة اذا قضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبینا (۱۱۸۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں۔ کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں۔ تو اپنے اس معاملے میں ان کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

انما کان قول المومنین اذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون(۱۱۸۷)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۵) شوریٰ

مسلمانوں کے کام مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ اور ریاست کا پورا کام اس کی تاسیس وتشکیل سے لے کر رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب اور تشریعی وانتظامی معاملات تک اہل ایمان کے باہمی مشورہ سے چلنا چاہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے ۔

وامرهم شوریٰ بینهم (۱۱۸۸)

اور مسلمانوں کا کام آپس کے مشورہ سے چلتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے۔

وشاورهم فی الامر(۱۱۸۹)

" اور (حکومت کے) معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرو۔" قران حکیم ان دونوں مواقع پر شوریٰ کا ذکراور ان کے امور کے متعلق کیا ہے جو قران کے قانونِ اساسی میں طے شدہ نہیں ہیں اور جو دین کے ماتحت دنیا کے کارخانے کو چلاتے ہیں۔ شوریٰ کی یہی وہ قانونی حیثیت ہے۔ جس کا اظہار چھٹی صدی ہجری کے مستند عالم قانون امام ابن عطیہ نے ان الفاظ میں کیا۔

ان الشوریٰ هي من قواعدا لشريعت وعزائم الاحكام (۱۱۹۰)

شوری شریعت کے قوانین میں سے ایک اساسی اور حکومت کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس سلسلہ میں وہ رائے ظاہر کی ہے۔ جو آج کل کے ترقی یافتہ پارلیمنٹری نظام کے لیے بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی اراء و خیالات پیش کردیتاہے۔ ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں۔ اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے۔ (1191)

یہ وہ بیان ہے جس کی بنیاد پر شوریٰ کی معنویت پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ کہ پارلیمنٹ کا وجود کوئی ایسی منفرد حقیقت نہیں جس کو آج سے پہلے اسلامی عہد میں نہیں سمجھا گیا ہو۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کہتے ہیں کہ یہ حکم نہایت ہی وسیع الفاظ میں ہے۔ اور اس میں شوریٰ کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام ساری دنیا کے لیے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اگر شوریٰ کا کوئی خاص طریقہ مقرر کردیا جاتا تو وہ عالمگیر اور ابدی نہ ہو سکتا۔ شوریٰ براہ راست تمام لوگوں سے ہو یا لوگوں کے نمائندوں سے ؟ نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں یا خواص کے ووٹوں سے، انتخاب مملکت گیر ہو یا صرف صدر مقام میں؟ انتخاب الیکشن کی صورت میں ہو یا ایسے لوگ لیے جائیں جن کی نمائندہ حیثیت معلوم و معروف ہو ؟ مجلس شوریٰ ایک ایوانی ہو یا دو ایوانی ؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا ایک جواب ہر سوسائٹی اور ہر تمدن کے لئے یکساں موزوں نہیں ہو سکتا ان کے جواب کی مختلف صورتیں مختلف حالات کے لیے ہو سکتی ہیں۔ اور حالات کی تبدیلی سے نئی نئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے شریعت نے ان امور کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔

خلافت

مادہ خ ل ف معنی جانشینی نیابت خاص معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت امام راغب کے نزدیک یہ نیابت کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ موت کے سبب سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور عجز و معذوری کے سبب بھی محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے بھی ہو سکتی ہے۔(۱۱۹۳)

قران مجید میں اس مادے سے بہت سے الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً خَلف۔خُلفا۔ خَلیفہ۔ خُلَفاء۔ خلائف اِستخلاف ۔خلفۃ وغیرہ۔

لفظ خلافت قران مجید میں نہیں آیا لیکن خلیفہ اور خلائف وغیرہ میں یہ مفہوم آگیا۔ خلیفہ کے لغوی معنی ہیں پیچھے آنے والا یا نائب قران مجید میں مذکورہ مفہوم کے ضمن میں ایک نیا مفہوم خلافت بمعنی نیابت الہٰی نکلا ہے۔ اور استخلاف کے معنی ہیں حکومت بطور نیابت الہٰی جس کے ساتھ تمکن فی لارض کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استخلاف (نیابت الہیہ) صرف روحانی نہیں بلکہ اس میں تمکن (عملی قبضہ واقتدار) برائے انسانی بھی شامل ہے۔(۱۱۹۴)

ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن نے خلافت کے مفہوم کو اور واضح کیا ہے۔ خلافت کے لغوی معنی جانشینی اور اس کا اصطلاحی مفہوم آنحضرتؐ کے جانشین کی حیثیت سے مطلق دینی اور دنیاوی امور میں فرمانروائی کا حق تھا۔ خلیفہ کی شخصیت شرعی نقطہ نظر سے دینی اور دنیاوی معاملات میں فرمانروائی کی حامل تھی۔ یہ فرمانروائی شریعت کے دستور اور قوانین کی پابندی تھی۔ خلافت کا حقیقی مقصد ناموس اسلام کا تحفظ اور شرعی زاویہ نگاہ سے حکومت کے نظم و نسق کی تنظیم اور اس کا قیام تھا۔(۱۱۹۵)

اسلامی معاشرہ یا ہیئت اجتماعی میں خلیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین خیال کیا جاتا تھا۔ اور اسے مطلق سیاسی ومذہبی اختیارات حاصل تھے۔ خلیفہ کا فرض تھا کہ وہ اسلامی قوانین کا تحفظ اور ان کا نفاذ کرے عام فلاح و بہبود کی ذمہ داریاں اٹھانا بھی اسکا فرض منصبی تھا۔ وہ مسلمانوں کا مذہبی اور سیاسی مرکز تھا۔ اس لحاظ سے اس کی حیثیت پاپائے روم سے مختلف تھی۔ سر تامس ارنلڈ نے قرون وسطی میں مشرق کے خلافت کے نظام حکومت اور مغرب کے کلیسائی نظام حکومت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

یہ دونوں نظام مذہبی اثر اور قوت کی بنیاد پر قائم تھے۔ اسلام اور عیسائیت دونوں عالمگیر مذہب تھے

اور اپنا اپنا دائراہ عمل وسیع کرنے کی فکر میں ہمیشہ رہتے تھے ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ مقدس رومی سلطنت پچھلی بت پرست سلطنت ہی کی بگڑی ہوئی شکل تھی اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ شہنشاہ شارلی مان (۷۶۸ء۔۸۱۴ء) کے القاب بت پرستانہ عقائد کے آئینہ دار تھے۔ دوسرے یورپ میں دو فرمانروا تھے ایک سیاسی جسے شہنشاہ کہتے تھے۔دوسرا مذہبی یا روحانی جسے پاپائے خطاب کیا جاتا تھالیکن خلافت کی بنیاد کسی پچھلے سیاسی نظام پر قائم نہیں تھی بلکہ وہ ایک جدید نظام تھا جس کی تعمیر اور تکوین زمانہ کے احتیاجات اور اس سیاسی ماحول کی بنیاد پر ہوئی تھی جو ظہور اسلام کے بعد عربوں کے بلاد فارس اور مشرقی سلطنت روما کے ایک بڑے حصہ پر تسلط قائم کر لینے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ خلیفہ کے سیاسی فرماں روا ہونے کا مفہوم یہ تھا کہ وہ مذہبی حیثیت سے اس کی حکومت کا حقیقی مقصد صرف دین کا تحفظ تھا۔ حامی دین کی حیثیت سے وہ جنگ کرتا تھا۔ مذہب کو صدمہ پہنچانے والے افراد کو سزائیں دیتا تھا۔ نماز میں امامت اور جمعہ میں خطبہ دینا بھی اس کا ایک مذہبی منصبی فرض تھا۔ لیکن پاپا صرف ایک راہب اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ جو صرف گناہ گاروں کے قصور معاف کرسکتا اور مذہبی معاملات میں اسے آخری فیصلہ کرنے کا حق حاصل تھا۔(۱۱۹۶)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اس لفظ کے مفہوم کو اسطرح بیان کرتے ہیں۔ خلافت کا جو تصور قران میں دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں حاصل ہیں۔ خدا کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہو ئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے اس لئے انسان خود مختار مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔

اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت (کمیونٹی) اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے۔ جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ۔ سورہ نور کی ایت ۵۵ کے الفاظ یستخلفنھم فی الارض اس معاملہ میں صریح ہیں۔ اس فقرے کی رو سے اہل ایمان کی جماعت کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مومنین کے اختیار ات خلافت سلب کر کے انھیں اپنے اندر مرکوز کرلینے کا حق نہیں۔ نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعوی کرسکتا ہے۔ ایسی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور

مذہبی پیشواؤں کی حکومتوں سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر موڑتی ہے۔ لیکن اس میں اور مغربی تصور کی جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکیت کے اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں خود عوام خدا کی حاکیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضاورغبت قانون خداوندی کے حدود میں کرلیتے ہیں۔(۱۱۹۷)

قران حکیم نے انسان کے اس مقام خلافت کو اسطرح پیش کیا ہے۔

واذ قال ربك للملئكة انى جاعل فى الارض خليفة (۱۱۹۸)

اور یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ولقد مكنكم فى الارض وجعلنا لكم فيها معايش (۱۱۹۹)

(اے انسانوں) ہم نے تمھیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمھارے لیے اس میں سامان زینت فراہم کیے۔

الم تران الله سخر لكم مافى الارض (۱۲۰۰)

کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے تمھارے لیے وہ سب کچھ مسخر کردیا جو زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کو مختلف زمانے میں خلیفہ بنایا۔

وذكروا اذ جعلكم خلفاء من بعد قوم نوح (۱۲۰۱)

(اے قوم عاد) یاد کرو جبکہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔

وازكروا اذ جعلم خلفاء من بعد عاد(۱۲۰۲)

(اور اے قوم ثمود) یاد کرو جبکہ اس نے تمھیں عاد کے بعد خلیفہ بنایا۔

عسى ربكم ان يهلك عدوكم ويستخلفكم فى الارض فينظر كيف تعملون (۱۲۰۳)

(اےبنی اسرائیل) قریب ہے وہ وقت کہ تمھارا رب تمھارے دشمن (فرعون) کو ہلاک کرے اور زمین میں تم کو خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ثم جعلنكم خلئف فى الارض لنظر كيف تعملون (۱۲۰۴)

پھر ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔

لیکن یہ خلافت صحیح اور جائز صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ یہ مالک حقیقی کے حکم کے

تابع ہو اور اس سے روگردانی کر کے جو خود مختارانہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کے بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔

هوالذی جعلکم خلئف فی الارض فمن کفر فعلیه کفره ولا یزید الکفرین کفر هم عند ربهم الا مقتا ولا یزید الکافرین کفر هم الا خسارا (۱۲۰۵)

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا پھر جو کفر کرے تو اس کا کفر اسی پر وبال ہے۔اور کافروں کے حق میں ان کفر ان کے رب کے ہاں کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا مگر اس کے غضب میں اور کافروں کے لیے ان کا کفر کوئی چیز نہیں بڑھاتا مگر خسارہ۔

الم ترکیف فعل ربك بعاد....وثمود الذین جابو الصخر بالواد وفرعون ذی الاوتاد الذین طغوا فی البلاد (۱۲۰۶)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے کیا کیا عاد کے ساتھ۔۔۔۔۔اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں پتھر تراشے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنہوں نے ملک میں سرکشی کی۔

اذ هب الی فرعون انه طغیٰ.....فقال ان ربکم الاعلیٰ (۱۲۰۷)

(اے موسیٰ) جا فرعون کے پاس کے وہ سرکش ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔فرعون نے لوگوں سے کہا کہ تمھارا رب برتر میں ہوں۔

وعدالله الذین امنومنکم وعملوالصلحت لسیتخلفنّهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم......بعبدو ننی لایشرکون بی شیاً (۱۲۰۸)

تم میں جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ وہ میری بندگی کریں۔ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔

اولی الامر کی صفات

اسلامی ریاست کے چلانے والے اہل کار یا اولی الامر میں یہ صفات ہونی چاہیں۔

(الف) وہ ان اصولوں اور قواعد پر ایمان و یقین رکھتے ہو جن کے مطابق اسلامی ریاست کا نظام چلانے کے لئے ذمہ داری ان کے سپرد کی جارہی ہے۔

یاایھاالذین امنوا اطیعوالله واطیعوالرسول واولی لامرمنکم (۱۲۰۹)

اے لوگو جو ایمان لائے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔

یاایھاالذین امنو لا تتخذوا بطانة من دونکم (۱۲۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے سوا دوسروں کو شریک راز نہ بنالو۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھانہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنھوں نے جہاد کیا اور اللہ اور رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی کو اپنے معاملات میں دخیل نہیں بنایا۔" (۱۲۱۱)

(ب) وہ ایمان دار، دیانت دار، خدا ترس، اور نیک ہوں۔ ظالم، فاسق، فاجر، خدا سے غافل، حد سے گزر جانے والے نہ ہوں۔

ولا تطیعوا امر المسرفین الذین لیفسدون فی الارض ولا یصلحون (۱۲۱۲)

اور اطاعت نہ کرو ان حد سے گزر جانے والوں کی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

ان اکرمکم عند الله اتقاکم (۱۲۱۳)

تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

" اور کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح کردیں۔ جو زمین میں فساد کرتے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح کردیں"؟ (۱۲۱۴)

" اور یاد کرو جب ابراھیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور اس نے وہ پوری کردیں تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والاہوں۔ ابراھیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"(۱۲۱۵)

(ج) صاحب علم، معاملہ فہم، حکومت چلانے کی ذہنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہوں۔

ولاتولواکسفھاء اموالکم التی جعل الله لکم قیاما (۱۲۱۶)

"اپنے اموال جنھیں اللہ نے تمھارے لیے ذریعہ قیام بنایا ہے۔ نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔"

"(بنی اسرائیل نے کہا) اس کو (طالوت کو) ہم پر حکومت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس کی بہ نسبت بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں اور اسے مال میں سے کوئی کشادگی نہیں دی گئی ہے۔ نبی نے کہا اللہ نے اسے تمہارے مقابلہ میں برگزیدہ کیاہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی دی ہے۔ فرمایا

بسطت فی العلم والجسم (۱۲۱۷)

اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے۔

وشددنا ملکہ واتینه الحکمت وفصل الخطاب(۱۲۱۸)

اور داؤد کی بادشاہی کو ہم نے مضبوط کیا اور اسے حکمت دی اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی۔

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (۱۲۱۹)

یوسف نے کہاکہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردے میں حفاظت کرنے والا باخبر ہوں۔

"اور اگر یہ لوگ (افواہیں اڑانے کی بجائے) اس خبر کو رسول تک اور ان لوگوں تک پہنچاتے جو ان سے اولی الامر ہیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتی جو ان کے درمیان بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔"(۱۲۲۰)

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (۱۲۲۱)

کہو کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔

(د) اہل اور امانت دار ہوں۔

ان اللہ یامرکم ان تودوالامانتِ الی اھلھا (۱۲۲۲)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔

(ط) عدل وانصاف کے علمبردار ہوں۔

ولا یجر منکم شنان قوم علی الاتعدلوا (۱۲۲۳)

اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمھیں اس بات پر ابھار دے کہ راہ انصاف سے ہٹ جاؤ۔

(ع) سربراہ مملکت مرد ہو۔

الرجال قوامون علی النساء (۱۲۲٤)

مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

لن یفلح قومٌ ولو امرھم امرات (۱۲۲۵)

وہ قوم ہر گز فلاح نہ پائے گی جس نے اپنی نظام کار عورت کے سپرد کی۔

اسلام نے ریاست کا انتظام براہ راست عورت کے نہیں مرد کے سپرد کیا ہے۔ عورت فطری طور پر مرد سے زیادہ جذباتی، زود حس، شدید متاثر واقع ہوئی ہے اور یہ عادات ادارہ ریاست کو نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔ آج امریکہ عورتوں کے حقوق کے بہت دعویدار بنا ہوا ہے لیکن اس کی تاریخ میں کوئی سربراہ مملکت عورت نہیں گزری۔ فلسفہ سیاست کا مشہور عالم بلنچلی (BLUNTCHLI) عورتوں کی سیاست اور ریاست میں دخیل کے نقصانات اسطرح گنواتا ہے۔

" جن عورتوں نے سیاست میں شہرت پائی ہے انہوں نے عموماً ریاست کو اور اپنے دوستوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کی ہوشیاری اور ذکاوت نے ایک سازش کی شکل اختیار کر لی ہے اور جب ایک مرتبہ سیاسی نفرت، انتقام اور طمع کے جذبات عورت کے سینہ میں بھڑک اٹھے ہیں تو وہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے ہیں۔ یہ بات صرف بادشاہوں کے آشناؤں کی حد تک صحیح نہیں ہے بلکہ بہت سی بیویوں اور ماؤں کے متعلق بھی صحیح ہے جو تاریخ میں مشہور ہوئی ہیں۔ روم کی تاریخ ، انقلاب فرانس کی سرگذشت اور شاہان فرانس کے درباروں کے حالات سب سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ (۱۲۲۶)

ریاست کا مقصد

اسلام اسلامی ریاست کا مقصد وجود بھی بتاتاہے۔ قران مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان مقاصد پر اسطرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

لقدارسلنارسولنا وانزلنا معهم بالبینت و الکتاب والمیزان لیقوم الناس باالقسط (۱۲۲۷)

ہم نے اپنے رسول روشن دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا باالمعروف ونھو عن المنکر (۱۲۲۸)

(یہ مسلمان جن کو جنگ کی اجازت دی جارہی ہے) وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

اور حدیث میں ہے۔

ان اللہ لیزع باالسلطان مالا یزع باالقران (۱۲۲۹)

اللہ حکومت کے ذریعہ سے ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن کا سدباب قران کے ذریعہ سے نہیں کرتا یعنی جو برائیاں قران کی نصیحت سے دور نہ ہوں ان کو مٹانے اور دبانے کے لئے حکومت کی طاقت درکار ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں "کافر حکومتوں کی طرح اس کا کام صرف یہی نہیں ہے۔ کہ ملک کے اندرونی امن اور خارجی سرحدوں کی حفاظت کرے اور ملک کی مادی خوشحالی کے لیے ساعی ہو بلکہ ایک اسلامی حکومت ہونے کی حیثیت سے اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرے اور ان بھلائیوں کو فروغ دے جنہیں خدا اور رسول بھلائی قرار دیتے ہیں۔ اور ان برائیوں کو روکے جسے خدا اور رسول برائی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی حکومت اسلامی حکومت کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی جو اس بات سے بے پروا ہو کہ نماز قائم ہو رہی ہے یا نہیں زکوٰۃ دی جارہی ہے یا نہیں بھلائیاں پھیل رہی ہیں یا مٹ رہی ہیں۔ اسلامی حکومت کا نام ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا جس کے حدود میں زنا اور شراب اور قماربازی اور فحش لٹریچر اور فحش تماشوں اور فحش گانوں اور مخلوط تعلیم طریق، جاہلیت اور اختلاط مرد و زن کا تمام رواج ہو اور ان صریح منکرات پر کوئی قدغن نہ ہو پس ایک اسلامی دستور میں لازماً ریاست کو ان فرائض کا پابند ہونا چاہئے جنہیں قران اس کے بنیادی فرائض میں شمار کرتا ہے۔(۱۲۳۰)

اقتدار کی حرص و طلب کی ممانعت:

اسلام نے حکومت کے ذمہ دارانہ مناصب اور خاص طور پر غیر موزوں افراد کی ان عہدوں کی طلب وغرض سے روک دیا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

"وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ اپنی بڑائی کے طالب ہوتے ہیں اور نہ

فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔" (۱۲۳۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا واللہ لا نولی علی عملنا ھذا احداً سالہ او حرص علیہ (۱۲۳۲)

خدا ہم اپنی اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو۔

ان اخولکم عندنا من طلبہ (۱۲۳۳)

تم سب سے بڑھ کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے۔

ان لا نستعمل علی عملنامن ارادہٗ (۱۲۳٤)

ہم اپنی حکومت میں کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بناتے جو اس کی خواہش کرے۔

عبد الرحمان بن سمرہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ امارت کی درخواست نہ کرو کیونکہ اگر وہ تمھیں مانگنے پر دی گئی تو خدا کی طرف سے تم کو اسی کے حوالہ کردیا جائے گا اور اگر وہ تمھیں بے مانگے ملی تو خدا کی طرف سے تم کو اس کا حق ادا کرنے میں مدد دی جائے گی۔(۱۲۳۵)

عدل

عدل کے معنی عوض بدلہ معاوضہ انصاف برابر مثل اور علامہ فیومی مصباح فرماتے ہیں عدل کے معنی ہیں معاملات میں میانہ روی سے کام لینے کے یہ جور کے خلاف ہے۔(۱۲۳۲)

ابن فارس کہتے ہیں عدل وہ ہے کہ جو جنس اور مقدار میں برابر ہو اور عدل بالفتح وہ ہے جو غیر جنس میں اس شے کا قائم مقام ہو۔(۱۲۳۷)

امام راغب اصفہانی رقم طراز ہیں العدالۃ والمعادلۃ کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا اور عَدلٗ عِدلٗ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔ عَدل" کے معنی دو چیزوں کا برابر ہونا کے ہیں۔ العدل" دو قسم پر ہے۔اول عدل مطلق جو عقلاً مستحسن ہوتا ہے۔ یہ نہ تو کسی زمانہ میں منسوخ رہا ہے اور نہ ہی کسی اعتبار سے تعدی کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے مثلاً کسی کے احسان کے بدلہ میں اس پر احسان کرنا جو تمہیں تکلیف نہ دے اسے ایذا رسانی سے باز رہنا وغیرہ ۔ دوم عدل شرعی ہے جسے شریعت نے عدل کہا

ہے اور یہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے قصاص ،جنایات کی دیت اور مال مرتد کی اصل وغیرہ چنانچہ ایت فمن اعتدی علیکم....(۱۲۳۸)میں اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے وہی تم اس پر کرو۔

و جزاء سیئة سیته مثلها (۱۲۳۹)

اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ۔

ان الله یا مر بالعدل ولاحسان(۱۲٤۰)

اس ایت میں عدل کے یہی معنی مراد ہیں کیونکہ کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینے کا نام عدل ہے۔ یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہے اور برائی کا بدلہ برائی ہے۔ اور نیکی کے مقابلہ میں زیادہ نیکی اور شر کے مقابلہ میں مسامحت سے کام لینے کا نام احسان ہے۔(۱۲۴۱)

مولانا مودودیؒ عدل کی تعریف اسطرح کرتے ہیں عدل کا تصور دو مستقل حقیقتو ں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتاہے۔ -----

-----دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے اور یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیاجائے۔ اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی وتمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔(۱۲۴۲)

مشہور صوفی شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا عدل ہے اور کسی چیز کو اس کے ٹھیک مقام پر نہ رکھنے کا نام ظلم ہے ۔ (۱۲۴۳)

قرآن حکیم میں عدل کے بارے درج ذیل احکامات صادر ہوئے ہیں۔

و امرت لا عدل بینکم (۱۲٤٤)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں ۔

لا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا (۱۲٤٥)

لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو۔

ان الله یامر باالعدل والاحسان (۱۲٤٦)

بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا باالعدل (۱۲۴۷)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

یا ایھا الذین امنو کونوا قوامین باالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالولدین والاقربین(۱۲۴۸)

اے لوگو جو ایمان لائے انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو خواہ تمہاری گواہی خود تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین یا قریبی رشتہ دار کے خلاف پڑے۔

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (۱۲۴۹)

اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک (بیوی) کافی ہے۔

فلاح عامہ

اسلام انسانیت کی فلاح،کامیابی،کامرانی بھلائی اور بہبود کا ضامن ہے ہر روز عالم اسلام اور دنیا عالم میں مساجد سے پانچ بار یہ آواز بلند ہوتی ہے

حی علی الفلاح، حی علی الفلاح

فلاح عامہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

و فی اموالھم حق للسائل والمحروم (۱۲۵۰)

ان کے مالوں میں حق تھا مدد مانگنے والے کے لئے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کے لئے۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا و صل علیھم (۱۲۵۱)

ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو (بری صفات سے) پاک کرو اور ان کو (اچھی صفات میں) بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (۱۲۵۲)

ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش کرتا رہے۔

یسئلونك ما ذا ینفقون قل العفو (۱۲۵۳)

وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو اپنی ضرورت سے زائد ہو۔

ان اللہ قد فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیاء هم فترد علی فقراء هم (١٢٠٤)

اللہ نے مسلمانوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے حاجت مندوں پر لوٹا دیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں احادیث ملاحظہ ہوں

السلطان و لی من لا ولی لہٗ (١٢٠٥)

حکومت اس کی سر پرست ہے جس کا کوئی سر پرست نہ ہو۔

من ترک کلا فالینا (١٢٠٦)

جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے۔

انا وارث من لاوارث لہٗ اعقل عنه وارثہٗ (١٢٠٧)

جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا میں وارث ہوں۔اس کی طرف سے دیت ادا کروں گااور اسکی میراث لوں گا۔

ایک خلیفہ راشدؓ نے کہا۔

خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی (۱۲۵۸)

حضرت علیؓ نے اس فلسفہ کو یوں ادا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غرباء کے لئے کافی ہو سکے اس کے باوجود اگر وہ بھوکے ننگے اور تنگدست ہوں تو یہ صرف دولتمندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ان افراد سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا (۱۲۵۹)۔

حکمران اور اطاعت

قرآن و سنت مسلمانوں کے رہبر و رہنما ہیں اور اولی الامر اور اصول اطاعت کے سلسلے میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔

یا ایهاالذین امنو اطیعو ا الله وا اطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتهم فی شیءٍ

فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون با الله والیوم الاخر، ذلك خیر و احسن تاویلا (۱۲٦۰)

اے لوگو جو ایمان لائے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر کسی معاملے میں تمہارے درمیان نزع ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ،یہ بہتر ہے اور بلحاظ انجام بھی اچھا ہے۔

اس بات کی مزید تشریح ان آیات اور احادیث میں کی گئی ہے۔

ما کان لمومن ولا مومنه اذا قضیٰ الله و رسولهٗ امراً ان یکون لهم الخیره من امرهم ومن بعض الله ورسولهٗ فقد ضل ضلالاً مبینا (۱۲٦۱)۔

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لئے خود اپنے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اسے کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

و من لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الکافرون...... فاولئیك هم الظالمون..... فاولیئك هم الفاسقون (۱۲٦۲)۔

اور جو فیصلہ نہ کریں اس قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے وہی کافر ہیں..... وہی ظالم ہیں...... وہی فاسق ہیں۔

السمع والطاعة علی المرء المسلم فی ما احب وکره مالهم یومر بمعصیة فا دا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (۱۲٦۳)

ایک مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ برضا و رغبت کرے یا بکراہت۔ تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے پھر جب اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔

ان امر علیکم عبد مجدع یقودکم بکتاب الله فاسمعوا واطیعوا (۱۲٦٤)

اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کو سنو اور اطاعت کرو۔

لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی لمعروف (١٢٦٥)

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت تو صرف معروف میں ہے۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (١٢٦٦)

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ۔

ان آیات و احادیث کی روح بتاتے ہوئے مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ

”کتاب و سنت کے یہ تمام محکمات اس باب میں ناطق ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں مجلس قانون ساز کوئی ایسا قانون بنانے کا حق نہیں رکھتی جو اللہ او رسول کے احکام کے خلاف ہو او اگر وہ ایسا کوئی قانون بنا دے تو وہ رد کر دیئے جانے کے لائق ہے نہ کہ نافذ ہونے کے لائق۔ اسی طرح یہ آیات اور احادیث اس باب میں بھی ناطق ہیں کہ ایک اسلامی ریاست کی عدالتوں میں اللہ اور رسول کا قانون لازماً نافذ ہونا چاہئے اور جو بات کتاب و سنت کی دلیل سے حق ثابت کر دی جائے اسے کوئی جج اس بناء پر رد نہیں کر سکتا کہ لیجسلیچر کا بنایا ہوا قانون اس کے خلاف ہے۔ تصادم کی صورت میں اللہ اور رسول کا قانون نہیں بلکہ لیجسلیچر کا قانون حدودِ دستور سے خارج قرار پانا چاہئے۔ اسی طرح یہ آیات اور احادیث اس باب میں بھی ناطق ہیں کہ اسلامی ریاست کی انتظامیہ کو ایسا کوئی حکم دینے یا ضابطہ بنانے کا حق نہیں ہے جس سے خدا اور رسول کی معصیت لازم آتی ہو اگر وہ ایسا حکم دے اور لوگ اس کی اطاعت نہ کریں تو وہ مجرم نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس خود حکومت زیادتی کی مرتکب ہوگی......

ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس آیت (النساء : ٥٦) کی رو سے مسلمان اپنے اولی الامر سے نزاع کا حق رکھتے ہیں اور نزع کی صورت میں فیصلہ جس چیز پر چھوڑ دیا جائے وہ اللہ کی کتاب اور اکے کے رسول کی سنت ہو گی یہ آخری سند جس کے حق میں بھی فیصلہ دے اسے ماننا پڑے گا۔ خواہ فیصلہ اولی الامر کے حق میں ہو یا رعایا کے حق میں۔ اب یہ بات ظاہر بات ہے کہ اس حکم کا تقاضا پورا کرنے کے لئے کوئی ادارہ ایسا ہوناچاہئیے جس کے پاس نزاع لے جائی جائے اور جس کا کام یہ ہو کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مطابق اس نزاع کا فیصلہ کرے۔ یہ ادارہ خواہ کوئی مجلس علماء ہو یا سپریم کورٹ یا کوئی اور اس کے تعین کی کسی خاص شکل پر شریعت نے ہمیں مجبور نہیں کر دیا ہے۔ مگر بہر حال ایسا کوئی ادارہ مملکت میں ہونا چاہئیے کہ انتظامیہ اور مقننہ اور عدلیہ کے احکام اور فیصلوں کے خلاف اس کے پاس مرافعہ کیا جا سکے

اور اس کا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیئے کہ کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق وہ حق اور باطل کا فیصلہ کرے (۱۲۶۷)۔

بنیادی حقوق

آج دنیا میں انسان کے بنیادی حقوق کا بہت شور ہے۔ آئین میں ان کا ذکر موجود ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام نے یہ حقوق کس قدر عطاء کئے ہیں۔

حق زندگی

انسان کو اللہ تعالٰی نے سب س بڑی نعمت زندگی عطاء کی ہے۔ اسے کوئی شخص ناحق نہیں چھین سکتا۔ حرمت جان کی اہمیت قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

من قتل نفساً بغیر نفس او فسادفی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ط و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (۱۲۶۸)

جس نے کسی انسان کو بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ رکھا تواس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

تحفظ ناموس خواتین

عورت بہت ہی قابل احترام ہے۔ اسلام میں بدکاری حرام ہے۔ خواہ وہ کسی عورت سے کی جائے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اسلام نے مرد و عورت کے حقوق بتائے ہیں۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف و للرجال علیھن درجۃ (۱۲۶۹)

اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر اور مردوں کو ان پر ایک منزلت حاصل ہے۔

وللرجال نصیب مما اکتسبو و للنساء نصیب مما التسبن (۱۲۷۰)

جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ اور جو عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔

معاشی تحفظ

ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ بھوکے کو روٹی ملے۔ پہننے کو کپڑا اور بیمار کا علاج ہو۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور وہ سب کا روزی رساں ہے۔

وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها (١٢٧١)

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

و فی اموالهم حق للسائل والمحروم (١٢٧٢)

اور ان کے مال میں مانگنے والے اور محروم کا حق ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبهٖ مسکیناً و یتیما و اسیرا (١٢٧٣)

اور اللہ کی محبت میں مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حق مساوات

بحثیت انسان تمام انسان برابر ہیں کیونکہ سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔

یا ایها الناس انا خلقنا کم من ذکرٍ وانثی و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم (١٢٧٤)۔

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

سیاسی حق

معاشرے کے تمام افراد حکومت میں حصہ دار ہیں۔ تمام افراد کے مشورے سے حکومت ہونی چاہئے۔ قرآن حکیم میں ہے

لیستخلفنهم فی الارض۔

(اللہ تعالیٰ ان کو یعنی اہل ایمان کو زمین سے خلافت دے گا) یہاں جمع کا لفظ آیا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم بعض افراد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو خلافت دیں گے۔ حکومت ایک فرد کی یا ایک خاندان کی یا ایک طبقے کی نہیں بلکہ پوری ملت کی ہوگی اور تمام افراد کے مشورے سے وجود میں آئے گی ۔ قرآن حکیم

کا ارشاد ہے

امرھم شوریٰ بینھم (۱۲۷۵)

یعنی حکومت آپس کے مشورے سے چلے گی۔

حق آزادی

کسی انسان کی آزادی عدل کے بغیر سلب نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں فرمایا۔

لا یوسر رجل فی الااسلام الا بحق (۱۲۷۶)

اسلام میں سوائے حق کے نہیں پکڑا جائے گا۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں اس کی رو سے عدل کا وہ تصور قائم ہوتا ہے جسے موجودہ اصطلاح میں باضابطہ عدالتی کاروائی کہتے ہیں یعنی کسی کی آزادی سلب کرنے کے لئے اس پر متعین الزام لگانا کھلی عدالت میں اس پر مقدمہ چلانا اور اسے دفاع کا پورا پورا موقع دینا اس کے بغیر کسی کاروائی پر عدل کا اطلاق نہیں ہو سکتا یہ بالکل معمولی عقل کا تقاضا ہے کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک شخص کو پکڑا جائے اور اسے صفائی کا موقع دیئے بغیر بند کر دیا جائے اسلامی حکومت اور عدلیہ کے لئے انصاف کے تقاضے پورے کرنا قرآن نے واجب ٹھہرایا ہے (۱۲۷۷)۔

تحفظ ملکیت

ایک بنیادی حق یہ ہے کہ قرآن واضح طور پر انفرادی ملکیت کا تصور دیتا ہے۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (۱۲۷۸)۔

تم باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔

اسلامی ریاست میں ہر فرد اپنی ذاتی جائیداد اور ملکیت رکھنے کا حق رکھتا ہے اس کی جائز ذرائع سے پیدا کردہ کمائی اور جائیداد کو بلاوجہ ضبط نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام نے ان کو انفرادی ملکیت کا حق دیا ہے۔

عزت کا تحفظ

عزت و آبرو کا تحفظ بھی انسان کا بنیادی حق ہے۔ قرآن حکیم مین ارشاد ہوتا ہے

لا یسخر قوم من قوم (۱۲۷۹)۔

تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے۔

ولا تنابزوا باالالقاب (۱۲۸۰)۔

اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔

ولا یغتب بعضکم بعضا (۱۲۸۱)۔

اور تم ایک دوسرے کی برائی پیٹھ پیچھے بیان نہ کرو۔

اسلامی ریاست میں ہر شہری کا بنیادی حق حاصل ہے کہ کوئی اس کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالے اور ہاتھ یا زبان سے اور پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔

نجی زندگی کا تحفظ

اسلام انسان کو ایک اور حق پرائیویسی یعنی نجی زندگی کو محفوظ رکھنے کا حق بھی عطاء کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔

لا تد خلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستانسوا (۱۲۸۲)

اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ ان سے اجازت نہ لے لو

لا تجسسوا (۱۲۸۳)

تجسس نہ کرو۔

بس ایک شخص کو یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گھر میں دوسرے کو شوروشغب سے تاک جھانک سے اور دوسرے کی مداخلت سے محفوظ و مامون رکھے۔

ظلم کے خلاف احتجاج کا حق

اسلام کے مطابق ہر شخص ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے

لا یحب اللہ الجہر باالسوءِ من القول الا من ظلم (۱۲۸٤)

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بد گوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔ یعنی مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف آواز اٹھائے۔

مذہبی آزادی

اسلامی ریاست میں شہریوں کو مذہبی آزادی بھی حاصل ہے۔ غیر مسلم اپنے مذہب کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا

لا اکراہ فی الدین (۱۲۸۵)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں

لست علیهم بمصیطر۔ (۱۲۸۶)

تم ان پر داروغہ مقرر نہیں ہو۔

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (۱۲۸۷)

کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔

مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق

اسلام نے ایک مذہب والوں کو دوسرے مذہب کی توہین،دریدہ دہنی اور کیچڑ اچھالنے کی ممانعت بھی کی ہے۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله (۱۲۸۸)

ان کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے ماسوا معبود بنا کر پکارتے ہیں۔

گو اختلاف رائے،مدلل اور مہذب گفتگو تو آزادی اظہار میں شمار ہوتا ہے مگر دلآزاری کے لئے بدگوئی کرنا روا نہیں۔

آزادی اجتماع

اسلامی ریاست میں افراد کو باہم جمع ہونے یا جلسہ کرنے کی اجازت ہے سورۃ ال عمران میں فرمایا گیاہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر

اور تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائیں معروف کا حکم دیں۔ اور منکر سے روکیں۔ ایسے اجتماعات میں حکومت کے غلط اور شرعی افعال پر تنقید کی جاسکتی ہے۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں یہ بات معیار مطلوب سے کتنی بھی فروتر ہو گروہوں اور پارٹیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے کلام میں بھی فقہ و قانون میں بھی اور سیاسی نظریات میں بھی اختلاف اراء ہو اور اس کے ساتھ مختلف گروہ وجود میں آئے ۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی دستور اور منشور حقوق کے لحاظ سے کیا مختلف اختلافی آرا رکھنے والوں کے لئے آزادی اجتماع کا حق ہے؟ یہ سوال سب سے پہلے علیؓ کے سامنے خوارج کے ظہور پر پیش آیا۔ اور آنجنابؓ نے ان کے لئے آزادی اجتماع کے حق کو تسلیم کر لیا انہوں نے خارجیوں سے فرمایا جب تک تم تلوار اٹھا کر زبردستی اپنا نظریہ دوسرں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کرو گے تمہیں پوری آزادی حاصل رہے گی ۔ (۱۲۹۰)

آزادی اظہار

اسلام ہر مسلمان پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ عاید کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ برائی کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے۔ اور نیکی کے معاملہ میں تبلیغ و تقریر کر سکتا ہے۔ اسلام میں ہر شخص کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ اعلیٰ سطح پر یہ حق شوریٰ کی صورت میں حاصل ہے۔ دینی اور علمی سطح پر ہر عالم شخص تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے ۔ معاشرے کی بھلائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کو یہ حاصل رہے۔ قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کی تباہی کے اسباب بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ

کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ (۱۲۹۱)

" وہ برائیوں سے ایک دوسرے کو باز نہ رکھتے تھے "۔ یعنی اگر کوئی قوم برائی کے خلاف آواز بلند نہ کرے تو یہ مرض اس میں سرطان کی طرح پھیل جاتا ہے اور آخر اس کو موت آجاتی ہے۔

انجینا الذین ینھوں عن اسوء واخذ نا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانو ر یفسقوں (۱۲۹۲)۔

ہم نے عذاب سے بچا لیا ان لوگوں کو جو برائی سے روکتے تھے اور پکڑ لیا ظالموں کو عذاب سخت میں اس فسق کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔

قانون کی حکمرانی

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ قانون اور تحقیق کے بغیر اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی

جائے۔ قرآن حکیم کا حکم ہے۔

ان جاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالہ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین (۱۲۹۳)۔

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بے جانے بوجھے نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔

قرآن حکیم میں یہ بھی ہدایت ہے

اجتنبوا کثیراً من نظن ان بعض الظن اثمٌ (۱۲۹۴)

بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بنیادی حقوق انسانوں کو دیئے ہیں اور ان کا ذکر سند کے طور پر اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے محفوظ کرا دیا۔

خارجی سیاست کے اصول

اسلامی ریاست کی خارجی پالیسی کے قرآنی اہم اصول حسب ذیل ہیں۔

(الف) معاہدات کا احترام

بین الاقوامی اور بین الملکی عہد و پیمان کا احترام کیا جائے۔ اگر ختم کرنا ضروری ہوں تو ایک دوسرے کو پہلے بتا دیا جائے۔

و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا (۱۲۹۵)

عہد وفا کرو یقیناً عہد کے متعلق باز پرس ہو گی۔

فمما استقاموالکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین (۱۲۹۶)

جب تک دوسرے فریق کے لوگ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو یقیناً اللہ پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے۔

الذین عاھد تم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھد ھم الی مدتھم (۱۲۹۷)

مشرکین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ وفا کرنے

میں کوئی کمی نہ کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے عہد کو معاہدے کی مدت تک پورا کرو۔

وان استنصروکم فی الذین فعلیکم النصرالاعلی قومٍ بینکم وبینهم میثاقٌ (۱۲۹۸)۔

اور اگر دشمن کے علاقے میں رہنے والے مسلمان تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تمہارا فرض ہے مگر یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں دی جاسکتی جس سے تمہارا معاہدہ ہو

واما تخافن من قومٍ خیانته فانبذ الیهم علی سواءٍ ۔ان الله لا یحب الخائینین ۔(۱۲۹۹)

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت (بدعہدی) کا اندیشہ ہو جائے تو ان کی طرف پھینک دو (ان کا عہد) برابری ملحوظ رکھ کر۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

اوفواابعهدالله اذاعاهدکم ولاتنقضوا الایمان بعد توکیدها (۱۳۰۰)

اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم معاہدہ کرو اور قسمیں پختہ کر لینے کے بعد ان کو نہ توڑو۔

(ب) معاملات میں دیانتداری اور راست بازی

ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً بینکم (۱۳۰۱)

اور اپنی قسموں کی اپنے درمیان مکر و فریب کا ذریعہ نہ بنا لو۔

(ج) بین الاقوامی عدل

ولا یجرمنکم شان قومٍ علی الا تعدلوا اعدلوا هواقرب ملتقویٰ (۱۳۰۲)

اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہی خداترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔

(د) جنگ میں غیر جانبدارانہ ممالک کی حدود کا احترام

فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حیث وجدتموهم...... الاالذین یصلون الی قومٍ بینکم و بینهم میثاق (۱۳۰۳)۔

اور اگر وہ (یعنی دشمنوں سے ملے ہوئے منافق مسلمان) نہ مانیں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں پاؤ....... سوائے ان لوگوں کے جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔

(ر) صلح پسندی

اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو تمہیں بھی ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها (١٣٠٤)

اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔

(ز) فساد فی الارض اورزمین میں اپنی لڑائی قائم کرنے کی کوششوں سے اجتناب

تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الارض ولا فساداً والعاقبه للمتقين (١٣٠٥)۔

وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کریں گے جو زمین میں اپنی برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ نیک انجام پرہیز گار لوگوں کے لیے ہے۔

(س) غیر معاندانہ طاقتوں سے دوستانہ برتاؤ

لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم و تقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين (١٣٠٦)۔

اللہ تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے ان کے ساتھ تم نیک سلوک اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(ش) نیک معاملہ کرنے والوں سے نیک برتاؤ

هل جزاء الاحسان الا الاحسان (١٣٠٠٧)

کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے۔

(ص) زیادتی کرنے والوں کے ساتھ اتنی ہی زیادتی جتنی انہوں نے کی ہو:

فمن اعتدیٰ عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدیٰ عليكم واتقو الله واعلمو ان الله مع المتقين (١٣٠٨)۔

پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر بس اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے اور اللہ

سے ڈرو اور جان رکھو بے شک اللہ پرہیز گار لوگوں کے ساتھ ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہٖ و لئن صبرتم لھو خیر للصابرین (۱۳۰۹)۔

اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا تمہیں ستایا گیا ہو اور اگر صبر کرو تو وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔

و جزاءُ سیئۃٌ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللہ انہٗ لا یحب الظالمین (۱۳۱۰)

اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے جتنی کی گئی ہو پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

دستور کے بنیادی اصول

اس ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہے وہ یہ ہیں۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعواللہ واطیعوالرسول و اولی الامرمنکم ج فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہٗ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون بااللہ والیوم الاخر ذالک خیرواحسن تاویلاً (۱۳۱۱)۔

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پرایمان رکھتے ہو یہی ایک اچھا طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے۔

۱۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کا ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔

۲۔ اولی الامر کی اطاعت کا اللہ اور رسول کی تعلیمات کا تحت ہونا۔

۳۔ اولیٰ اہل ایمان سے ہوں۔

۴۔ یہ کہ لوگوں کوحکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔

۵۔ یہ کہ نزاع کی صورت مین آخری سند خدا اور رسول کا قانون ہے۔

۶۔ یہ کہ خلافت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیئے جو اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر اس بالاتر

قانون کے مطابق جملہ تنزاعات کا فیصلہ دے سکے۔

(ب) انتظامیہ کے اختیارات لازماً حدود اللہ سے محدود اور خدا اور رسول کے قانون سے محصور ہوں گے۔ جس سے تجاوز کر کے وہ نہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے نہ کوئی ایسا حکم دے سکتی ہے جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو کیونکہ اس آئینی دائرے سے باہر جا کر اسے اطاعت کے مطالبہ کا حق ہی نہیں پہنچتا۔

علاوہ بریں یہ انتظامیہ لازماً شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آئی۔ اسے شوریٰ یعنی مشاورت دونوں کے متعلق قرآن قطعی صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

(ج) مقننہ لازماً ایک شوریٰ ہیت کی ہونی چاہیئے لیکن اس کے اختیارات قانون سازی بہرحال ان حدود سے محدود ہوں گے جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیئے ہیں۔ یہ مقننہ ان کی تعبیر و تشریح کر سکتی ہے۔ مگر ان میں رد وبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز سے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے ہیں۔ ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصول عامہ کے مطابق مقننہ ہر ضرورت کے لئے قانون سازی کر سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان کو اہل ایمان کے صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

(د) عدلیہ ہر طرح کی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہونی چاہیئے تاکہ وہ عوام اور حکام سب کے مقابلہ میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ اسے لازماً حدود کا پابند رہنا ہو گا۔ اور اس کا فرض ہو گا کہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک حق او انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔

جیسا کہ قرآن حکیم کا حکم ہے۔

ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ (۱۳۱۲)

اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ خدا کے راستے سے تجھے بھٹکا لے جائے۔ (۱۳۱۳)

اسلامی ریاست کی خصوصیات

قرآن حکیم کی وہ آیات جو اس باب میں بیان ہو چکی ہیں ان سے اسلامی ریاست کا جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) وہ ایک آزاد قوم کی طرف سے یہ شعوری عہد اس ریاست کو وجود میں لاتا ہے کہ وہ پوری خودمختاری کی مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے خود رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کر دے گی اور اس کے ماتحت حاکمیت کی بجائے خلافت کی حیثیت سے قبول کر کے ان ہدایات و احکام کے مطابق کام کرے گی جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے عطا کئے ہیں۔

(۲) وہ حاکمیت کو خدا کے لیے خالص کرنے کی حد تک تھیا کریسی کے بنیادی نظریہ سے متفق ہے۔مگر اس نظریے پر عملدرآمد کرنے میں اس کا راستہ تھیاکریسی سے الگ ہو جاتا ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت کو حامل ٹھہرانے اور حل و عقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کر دینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو (جنھوں نے رب العلمین کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے) خدا کی خلافت حامل قرار دیتی ہے۔ اور حل و عقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر ان کے حوالے کرتی ہے (۱۳۱۴)۔

(۳) وہ جمہوریت کے اس اصول ڈیموکریسی سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہیئے لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون اس کے اصول حیات اس کی داخلی و خارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع سب ان کی خواہشات کے تابع ہوں اور جدھر جدھر وہ مائل ہوں یہ ساری چیزیں بھی اسی طرف مڑ جائیں بلکہ اس میں خدا اور رسول کی بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام و ہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو۔ الا یہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرہ ایمان سے نکل جائے (۱۳۱۵)۔

(۴) یہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہوتی ہے ۔ اس کے پیش نظر ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی علم بردار اس کی تابع اور اس کو قائم کرنے والی ہے۔ اس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ

کی ذات ہے ۔ اور اسی کے قانون کو نافذ کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کا مقصد دین کو قائم کرنا خدا کی کتاب کے مطابق انصاف کرنا نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ غرض یہ ایک نظریاتی اور مقصدی ریاست ہے اور اس کی اصل ذمہ داری اس اصول کی سر بلندی ہے جسے قائم کرنے کے لئے یہ وجود میں لائی جاتی ہے۔ مولانا مودودی کے الفاظ میں وہ ایک نظریاتی ریاست ہے جس کو چلانا فطرۃً انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس کے بنیادی نظریے اور اصول کو تسلیم کرتے ہیں لیکن تسلیم نہ کرنے والے جتنے لوگ بھی اس کے حدود میں تابع قانون ہو کر رہنا قبول کر لیں انھیں وہ تمام مدنی حقوق اُسی طرح دیتی ہے جس طرح تسلیم کرنے والوں کو دیتی ہے "۔

(۵) " وہ ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ نسل زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے سب نسل انسانی کے جو افراد بھی چاہیں ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس نظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔دنیا میں جہاں بھی ان اصولوں پر کوئی حکومت قائم ہو گی وہ لازماً اسلامی حکومت ہی ہو گی خواہ وہ افریقہ میں ہو یا امریکہ میں، یورپ میں ہو یا ایشیا میں اور اس کے چلانے والے خواہ گورے ہوں یا کالے یا زرد۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لئے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی کسی قوم پرستانہ کشمکش کی بجائے ان کی درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہو گا۔ اور کسی وقت بھی و متفق ہو کر اپنا ایک عالمگیر وفاق قائم کر سکیں گی۔"

(۶) " یہ ریاست پرہیز گاری، خوف خدا اور اخلاقی برتری کے اصولوں کو اپنائے گی۔ ذاتی اور سیاسی مفاد کو ایک طرف رکھ دے گی اس کے کارندے اور اہل کار دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار کے حامل ہوں گے۔ اس حکومت کے اندرونی شعبے نہایت ہی امانت و دیانت اور عدل و انصاف کے ساتھ کام کریں گے اور اس کی بیرونی و خارجی سیاست سچائی ، وعدہ وعید کی پابند،امن پسند اور بین الاقوامی عدل و انصاف کی علم بردار ہو گی۔"

(۷) " یہ ایک فلاح اور عوام کی خادم ریاست ہے۔ یہ صحیح اور اصل مساوات قائم کرے گی اور اپنی تمام رعایا مسلم و غیر مسلم سب کو بنیادی ضرورت کی فراہمی کی ضامن ہو گی۔ اسلامی ریاست سے غربت و

افلاس ، فقر و فاقہ ، ظلم و زیادتی کا خاتمہ اس کا مقصد ہوگا۔"

(۸) " یہ ایک متوازن ریاست ہے ۔اس میں مختار کل بن کر لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈالا جاتا اور نہ عوام مادر پدر آزاد اور اجتماعی مفاد کے دشمن ہوتے ہیں۔ مولانا مودودی کے الفاظ میں " اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لئے نشوونما کے پورے مواقع فراہم کئے گئے ہیں اوراقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کردیا گیا ہے۔ مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے اور اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے ۔ بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے اور اس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے "(۱۳۱۶)۔

(۹) اسی سلسلے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اسلام دین و سیاست میں تفریق نہیں کرتا۔ ان دونوں میں بہت قریبی تعلق ہے۔ اگر اسلام کو ریاست سے نکال دیا جائے تو یہ ظلم اور بے انصافی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہ چنگیزی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اسی لئے بھیجے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کریں اور اس میں ریاست کی اصلاح بھی شامل تھی۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ ، حضرت موسیٰؑ ،حضرت داؤدؑ ،حضرت سلیمانؑ اور حضور اکرم ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست قائم بھی کی اور اسے عمدہ طریقے سے چلایا بھی نبی آخری الزماں ﷺ کی ایک قرآنی دعا یہ زبان پر جاری رہتی تھی۔

و قل رب اد خلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق وجعل لی من لدنك سلطاناً نصیراً (۱۳۱۷)۔

اور دعا کرو اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو داخل کر سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار تو میرا مددگار بنا دے۔

یہ ایت ہجرت نبوی سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی اس تاریخی پس منظر سے اس کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے اور اس سے ریاست کے ادارہ کی اہمیت بالکل روشن ہو جاتی ہے۔ اس آیت کا مفہوم مولانا مودودی صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ

یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں،فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانون عدل کو جاری کر سکوں یہی تفسیر ہے اس ایک آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور اسی کی تائید یہ حدیث کرتی ہے

ان الله لیزع با السلطان مالا یزع با القران بعنی

"اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا"۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لئے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے حکومت کا طالب ہو رہا خدا کے دین کے لئے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی کا عین تقاضا ہے (۱۳۱۸)۔

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے

الاسلام و السلطان اخوان تؤامان لا یصلح واحد منهما الا ابصاحب، فالاسلام اس والسلطان حارس وما لاس لهٗ لیهدم ومالا حارس لهٗ صائع (۱۳۱۹)۔

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے۔ اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

اسلامی فکر کے تمام مکاتیب خیال اس فریضہ کو لازم اور فرض قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر ملکی دفاع و قیام امن ، نظام ملت ، نفاذ شریعت ممکن ہی نہیں۔ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

اتفق جمیع اهل السنة و جمیع المرجیئة و جمیع الشیعة و جمیع الخوارج علی وجوب الامامة وان الامامة واجب علیها الانقیاد لا مام عادل یقیم احکام الله ویسوسهم باحکام

الشريعة التی انی بها رسول الله صلی الله علیه وسلم (۱۳۲۰)۔

کل اہل سنت، مرجئہ، شیعہ اور خوارج سب کا اتفاق ہے کہ نصب امام واجب ہے اور یہ کہ امت پر ایسے امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرے اور ان احکام کے مطابق ان کا سیاسی نظام قائم کرے جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں۔

اور شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں

"مسلمانوں پر جامع شرائط خلیفہ کا مقرر کرنا واجب بالکفایہ ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے"۔ (۱۳۲۱)

غرض یہ ایک مسئلہ ہے جس پر پوری امت کا اجماع ہے تمام فرقے اس پر متفق ہیں اختلاف اگر ہے تو تقرر و انتخاب کی تفاصیل و جزئیات میں یا اس کے طریق و شرائط میں ہے لیکن نصب امامت کے وجوب میں سب متفق و متحد ہیں۔

یہ اسلام کے سیاسی نظام کا خاکہ ہے۔مندرجہ بالا تمام آیات واحادیث اور مباحث سے اسلام کا سیاسی نظام اجاگر ہوتا ہے۔ اور ان سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا اپنا ایک الگ مزاج اور طریق ہے۔ ان کے نفاذ سے اللہ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور زمین جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

تقابلی مطالعہ

اسلام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ اقتدار اعلیٰ صرف اسی کا حصہ ہے انسان کی حیثیت حاکم اعلیٰ کے خلیفہ اور نمائندہ کی ہے اور سیاسی نظام کو اسی حاکم اعلیٰ کے قانون کے تابع ہونا چاہیے۔ خلیفہ کا کام حاکم اعلیٰ کے قانون اسی کے اصل منشاء کے مطابق نافذ کرنا ہے اور نظام سیاسی بھی اسی کی ہدایات کے مطابق چلنا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی۔

مصدقالما بین یدی من التورئة ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم و جئتکم بایة من ربکم فاتقوالله ، واطیعون ۔ ان الله ربی و ربکم فاعبدوہ ط هذا صراط مستقیم

اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو توراۃ میں اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی تعلیم کے بنیادی نکات یہی تین تھے۔

ایک یہ کہ اقتدار اعلیٰ جس کے مقابلہ میں بندگی کا رویہ اختیار کیاجاتا ہے اور جس کی اطاعت پر اخلاق و تمدن کا پورا نظام قائم ہوتاہے اور آخرت اللہ کے لیے مختص تسلیم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اہل مقتدر اعلیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے وال قانون و ضابطہ صرف اللہ کا ہو اور دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کر دیئے جائیں۔

پس درحقیقت حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ اور دوسرے انبیاء علیہم اسلام کے مشن میں یک سر مو فرق نہیں ہے۔جن لوگوں نے مختلف پیغمبروں کے مختلف مشن قرار دیئے ہیں اور ان کے درمیان مقصد نوعیت کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔انہوں نے سخت غلطی کی ہے مالک الملک کی طرف سے اس کی رعیت کی طرف سے جو شخص بھی مامور ہو کر آئے ان کے آنے کامقصد اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہی نہیں کہ وہ رعایا کو نافرمانی اور خودمختاری سے روکے اور شرک سے (یعنی اس بات سے

کہ وہ اقتدارِاعلیٰ میں کسی حیثیت سے دوسروں کو مالک الملک کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور اپنی وفاداریوں اور عبادت گزاریوں کو ان میں منقسم کریں) منع کرے اور اصل مالک کی خالص بندگی و اطاعت اور پرستاری ، وفاداری کی طرف دعوت دے۔ (۱۳۲۲)

آج اناجیل میں اس دعوت کواس وضاحت سے پیش نہیں کیا گیا جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ مگر پھر بھی منتشر طور پر یہ ارشادات اناجیل میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے اقتدار اعلیٰ اور قانون ساز اللہ کا ہونا ثابت ہے مثلاً یہ بات کہ مسیح صرف اللہ کی بندگی کے قائل تھے ان کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (۱۳۲۳)

اور صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے قائل تھے بلکہ ان کی ساری کوششوں کا مقصود یہ تھا کہ زمین پر خدا کے امر شرعی کی اسی طرح اطاعت ہو جس طرح آسمان پر اس کے امر تکوینی کی اطاعت ہو رہی ہے۔

"تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"۔ (۱۳۲۴)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ اسلام اپنے آپکو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کے حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور یہ بات کہ مسیح علیہ اسلام انسانی ساخت کے قوانین کے بجائے خدا کی قانون کی اطاعت کرانا چاہتے تھے۔ متی اور مرقس کی اس روایت سے صاف طور پر مترشح ہوتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اعتراض کیا آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا تم ریاکاروں کی حالت وہی ہے جس پر یسعیا نبی کی زبان سے یہ طعنہ دیا گیا ہے کہ " یہ امت زبان سے تو میری تعظیم کرتی ہے مگر ان کے دل مجھ سے دور ہیں کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ تم لوگ خدا کے حکم تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو خدا نے تورات میں حکیم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آسکتی تھیں انہیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ پھر ماں یا باپ کی کوئی خدمت نہ

کرے۔(۱۳۲۵)

تقابلی جائزہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے موجودہ اناجیل زیادہ تر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی سوانحیات اور ان کے معجزات کا بیان ہیں اس میں اخلاقی تعلیمات بھی موجود ہیں۔ لیکن حکومت و سیاست کے اصول تفصیل سے نہیں ملتے۔ یہ کسی کسی مقام پر بڑے گہرے مطالعہ سے تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ یہ شاید زمانہ کے ہاتھوں مٹ گئے یا تحریف کا شکار ہو گئے۔

قرآن و انجیل کے تقابلی مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اناجیل کی سیاسی تعلیمات مبہم ،غیر واضح ، اجمالی اور ناکافی ہیں جبکہ قرآن حکیم اس بارے میں صاف واضح ،مفصل اور کافی و شافی رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب حکومت و سیاست میں بنیادی اصول فراہم کرتی ہے جو ہماری سیاسی زندگی بہت ہی مد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اکمل دین کہا ہے۔

حوالہ جات

باب ششم

(۱) دیکھئے المفردات۔ لسان العرب بذیل مادہ

(۲) لوئس معلوف المسجد بذیل مادہ ص ۳۲۵

(۳) القرآن ۲ : ۱۷۱

(۴) دیکھئے مفردات لسان العرب بذیل مادہ

(۵) لسان العرب بذیل مادہ

(۶) القرآن ۲۴ : ۶۳

(۷) القرآن ۳۳ : ۵

(۸) القرآن ۷ : ۱۹۴

(۹) القرآن ۷ : ۱۳۴

(۱۰) القرآن ۱۰ : ۱۰

(۱۱) القرآن ۷ : ۵۵

(۱۲) القرآن ۴۰ : ۶۰

(۱۳) القرآن ۲ : ۱۸۶

(۱۴) غزالی، احیاء علوم الدین ،اردو ترجمہ مذاق العارفین مترجم محمد احسن نانوتوی۔مکتبہ رحمانیہ
لاہور ۳ ج ا ص ۵۰۱

(۱۵) جامع ترمذی
ابواب الدعا ، بحوالہ کتاب مذکورہ ا : ۳۷۴

(۱۶) ابو داؤد
کتاب الصلوٰۃ ، باب الدعا بحوالہ کتاب مذکورہ ا : ۳۷۴

(۱۷) محمد بن محمد بن محمد ابن جزری شافعی
حصن حصین، اردو ترجمہ مولانا محمد ادریس، تاج کمپنی تمہید لاہور ۱۹۹۰ ص ۱۷۔۱۸

(۱۸) ولیم جیمز بحوالہ خطبات اقبال ، اردو ترجمہ نذیر نیازی سید
جدید السیات اسلامیہ تیسرا خطبہ ص ۱۳۴ ،

بزم اقبال ، کلب روڈ لاہور ۱۹۵۸ ص ۱۳۴

اختباریت (Empiricism) کا دارومدار سرتاسر حواس پر ہے وہ اس دائرے سے باہر ہر علم کا انکاری ہے۔ ولیم جیمز فلسفہ عملیت کا بانی ہے لہٰذا اس کے نزدیک حق کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں ۔ اس کی اختباریت پسندی کا تقاضہ ہے وہ کسی ایسی حقیقت کو تسلیم نہ کرے جو حواس کی گرفت میں نہیں آتی ۔ مگر پھر وہ ایک ماہر نفسیات بھی ہے اور دیکھتا ہے کہ دعا ایک طبعی جذبہ ہے اور فطرت انسانی میں اس طرح مرکوز کہ جب تک اس میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہ ہو جائے (جو ناممکن ہے) یہ جذبہ برابر اپنا کام کرتا رہے گا پھر دعا کا سلسلہ اس نے جذبہ رفاقت اور جذبہ رفاقت کا مذہب سے ملا دیا۔ یہ اس کے اپنے خیالات ہیں۔ اقبال کا بہر حال یہ کہنا ہے کہ باوجود اپنی عملیت اور اختباریت پسندی کے جب ولیم جیمز بطور ایک امر واقعی دعا سے انکار نہیں کر سکتا تو ہمیں چاہئے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔

تصریحات، تیسرا خطبہ ص ۱۳۵

(۱۹) ایضاً، تیسرا خطبہ ص ۱۳۹

(۲۰) ولی اللہ شاہ " حجتہ اللہ البالغہ، مصر ۱۹۴۰ ج ۲ باب اذکار ص ۱۲۴ ومابعد

(۲۱) الباجوری حاشیہ .... علی جوھرۃ

التوحید ص ۹۰ تا ۹۱ قاعدہ ۱۹۳۴

بحوالہ ادارہ مقالہ " دعا" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۹ ص ۳۴۰

(۲۲) الباجوری حاشیہ .... علی جوھرۃ

التوحید ص ۹۰ تا ۹۱ قاعدہ ۱۹۳۴

ادارہ مقالہ و دعا اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۹ ص ۳۴۰

(۲۳) شاہ ولی اللہ" حجتہ اللہ البالغہ ، اردو ترجمہ عبدالحق ج ۲ ص ۱۱۹

(۲۴) بخاری ، الجامع الصحیح لاہور ۱۹۸۵ء ج ۲ ص ۵۵

(۲۵) ابن الجرزی دمشقی حصن حصین ص ۲۹

(۲۶) بحوالہ اردو دائرہ مصارف اسلامیہ ج ۶ ص ۳۴۰

(۲۷) ابن الجزری "حصن حصین" ص ۳۳

(۲۸) ابن الجزری "حصن حصین" ص ۳۵ وبعد

(۲۹) ابن الجزری "حصن حصین" ص ۳۸

(۳۰) ابن الجزری "حصن حصین" ص ۳۸

(۳۱) ابن الجزری "حصن حصین" ص ۴۰

(۳۲) بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۹ ص ۳۴۲

(۳۳) بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۹ ص ۳۴۲

(۳۴) القرآن ۱۷: ۴۴

(۳۵) راغب "مفردات" مادہ ع ب د ص ۲۶۴

سجود کی بحث میں امام موصوف نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے " وہ خاموش دلالت جو کائنات کی مخلوق ہونے پر ناطق ہے اور صاف بتلاتی ہے کہ یہ سب کچھ اسی حکیم اور فاعل کا پیداہ کردہ ہے۔ اس لحاظ سے عبادت تسخیری کے معنی ہوں گے زبان حال کی وہ خاموش دلالت جو اس بات کو بتلاتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے خالق مولیٰ کا غلام اور اس کی مشیت کا مسخر ہے۔

راغب مفردات مادہ س ج د

(۳۶) قاموس بذیل مادہ بحوالہ عبدالرشید نعمانی، لغات القران والاشاعت کراچی ۱۹۹۶ء، ج ۴ ص ۲۱۶

(۳۷) ابن الاثیر " نہایہ" بحوالہ لغات القران والاشاعت کراچی ۱۹۹۶ء، ج ۴ ص ۲۱۶

(۳۸) ابن الاثیر " نہایہ" بحوالہ لغات القران والاشاعت کراچی ۱۹۹۶ء، ج ۴ ص ۲۱۶

(۳۹) خازن علاؤالدین علی بن محمد " تفسر لباب التاویل" معروف بہ خازن مصر ۱۳۳۱ھ ج ۱ ص ۱۹

(۴۰) تھانوی محمد بن اعلی ،"کشاف، اصطلاحات" الفنون، سہیل اکیڈی لاہور" عبادت" ۱۹۹۳ء

(۴۱) القرآن ۱۰ : ۲۹

القرآن ۱۸ : ۱۱۰

القرآن ۱۹ : ۴۵ ، القرآن ۴۶ : ۶

(۴۲) سلیمان ندوی سیرت النبی ج ۵ ص ۵۱ وبعد

(۴۳) القرآن ۵۱ : ۵۶

(۴۴) القرآن ۱۲ : ۴۰

(۴۵) مودودی خطبات ص ۱۳۱ و بعد

(۴۶) مودودی خطبات ص ۱۴۰

(۴۷) القرآن ۶۲ : ۱۰

(۴۸) مودودی ، اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر

مکتبہ اسلامی پٹھان کوٹ، انڈیا، باب سوم ص ۱۰

(۴۹) شاہ ولی اللہ ، حجتہ اللہ البالغہ اردوترجمہ

حقانی عبدالحق محمد ج ۱ ص ۱۱۷

(۵۰) القرآن ۹ : ۱۰۳

(۵۱) القرآن ۵۶ : ۳۳

(۵۲) القرآن ۲ : ۱۵۷

(۵۳) القرآن ۳۳ : ۵۶

(۵۴) القرآن ۴ : ۱۰۳

(۵۵) دیکھئے راغب "مفردات" بذیل مادہ

(۵۶) ابن منظور، "لسان العرب" بذیل مادہ

(۵۷) ادارہ مضمون صلوۃ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۱۸

(۵۸) ابن الاثیر بحوالہ ایضاً

(۵۹) الدرا المختار کتاب الصلوۃ بحوالہ عبدالرشید، لغات القرآن بذیل مادہ

(۶۰) الدرا لمختار کتاب الصلوۃ حوالہ عبدالرشید، لغات القران بذیل مادہ

(۶۱) المرغینانی ، ابوالحسن علی بن ابی بکر

"ھدایہ" باب صلوہ المریض، مکتبہ امدادیہ ملتان سن ندارد

(۶۲) ابو داؤد ، سنن داؤد ، باب صلوۃالطالب

(۶۳) بخاری امام ، "الجامع الصحیح "تفسیر ایت سورہ بقرہ ۲۳۹

(۶۴) القران ۲۴ :۴۱

(۶۵) القران ۱۴ : ۳۱

(۶۶) القران ۳۰ : ۳۱

(۶۷) القران ۳۲ : ۴۱

(۶۸) القران ۱۴ : ۳۷

(۶۹) القران ۱۹ : ۵۵

(۷۰) القران ۳۱ : ۱۷

(۷۱) القران ۲۰ : ۱۴

(۷۲) القران ۳ : ۳۹

(۷۳) القران ۱۹ : ۳۱

(۷۴) القران ۲ : ۲۳۸

(۷۵) القران ۶ : ۹۲

(۷۶) القران ۷۰ : ۲۳

(۷۷) القران ۲۳ : ۹

(۷۸) القران ۷۴ : ۴۳

(۷۹) القران ۱۹ : ۵۹

(۸۰) القران ۹۶ : ۹۔۱۰

(۸۱) القران ۱۰۷ : ۴۔۵

(۸۲) القران ۴ : ۱۴۲

(۸۳) القران ۲ : ۴۵

(۸۴) القران ۷۰ : ۱۹۔۲۳

(۸۵) القران ۲۹ : ۴۵

(۸۶) القران ۸۷ : ۱۴۔۱۵

(۸۷) القران ۳۵ : ۱۸

(۸۸) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۱۶۰

(۸۹) القران ۳ : ۱۴

(۹۰) نذیر نیازی سید ،مقالہ'' ارکان اسلام''
اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۳۹۹

(۹۱) القران ۱۹ : ۵۹

(۹۲) بحوالہ اردہ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۱۸۳

(۹۳) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۱۶۰ بعد

(۹۴) راغب مفردات ص ۴۰۱ بذیل مادہ

(۹۵) ابن منظور،'' لسان العرب'' بذیل مادہ

(۹۶) راغب مفردات ص ۴۰۱

(۹۷) راغب مفردات ص ۴۰۱

(۹۸) القران ۱۹ : ۲۶

(۹۹) راغب مفردات ص ۴۰۲

(۱۰۰) عبدالرشید'' لغات القران'' ج ۴ ص ۴۹ بذیل مادہ

(۱۰۱) البقرہ ۲ : ۱۸۳۔۱۸۴

(۱۰۲) ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب ''مشکوۃ المصابیح'' ح کتاب الصوم کراچی ۱۹۸۲ء

(۱۰۳) ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب ''مشکوۃ المصابیح'' ح کتاب الصوم کراچی ۱۹۸۲ء

(۱۰۴) ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب "مشکوۃ المصابیح" کتاب الصوم کراچی ۱۹۸۲ء

(۱۰۵) بخاری ، "صحیح بخاری" کتاب الصوم فصل سوم : ۱۱۸

(۱۰۶) بخاری، باب الریان للصائمین : ۱۲۰

(۱۰۷) بخاری، باب الریان للصائمین : ۱۲۳

(۱۰۸) صحیح مسلم ، کتاب الصیام باب فضل الصیام

(۱۰۹) شاہ ولی اللہ ، حجتہ اللہ البالغہ مترجم عبدالحق ج ۲ ص ۷۹

(۱۱۰) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۲۶۵

(۱۱۱) قطب سید فی ظلال القران ج ۱ ص ۱۶۱

(۱۱۲) مودودی، "اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" ص ۴۵

(۱۱۳) ماخوذ مودودی،" اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" ص ۴۶ و بعد

(۱۱۴) المسجد ص ۷۴۳ بذیل مادہ

(۱۱۵) لسان لعرب بذیل مادہ

(۱۱۶) قرضاوی یوسف،" فقہ الزکوۃ" اردو ترجمہ ساجدالرحمٰن، البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۳ء
ص ۵۳

(۱۱۷) زمخشری کشاف ج ۲ ص ۶۲

(۱۱۸) زمخشری کشاف ج ۱ ص ۴۷۹

(۱۱۹) مطرزی ناصر بن عبدالسید "المغرب فی ترتیب المعرب" بحوالہ عبدالرشید ،لغات القران
ج ۲ ص ۱۳۶ بذیل مادہ

(۱۲۰) القران ۱۸ : ۱۹

(۱۲۱) القران ۲ : ۴۳

(۱۲۲) القران ۹۱ : ۹

(۱۲۳) القران ۴ : ۴۹

(۱۲۴) القران ۹ : ۱۰۲

(۱۲۵) القران ۲ : ۱۳

(۱۲۶) القران ۱۹ : ۱۳

(۱۲۷) راغب ''مفردات'' ص ۴۳۵ بذیل مادہ ز ک و

(۱۲۸) مودودی خطبات، اسلامی پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۰۱

(۱۲۹) الجزیری عبدالرحمٰن ،'' الفقہ علی المذاہب الاربع''ہ، باب الزکوٰۃ ، اردو ترجمہ منظور احسن محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء ج ۱ ص ۹۵۸

(۱۳۰) القرضاوی یوسف ،'' فقہ الزکوٰۃ'' ص ۵۳ ج ۱ مترجم ساجد الرحمٰن البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۳ء ص ۵۳ ج ۱

(۱۳۱) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۱۸۹

(۱۳۲) القرضاوی حوالہ مذکور ص ۱۱

(۱۳۳) القران ۴ : ۱۴۵

(۱۳۴) القران ۷ : ۱۵۴

(۱۳۵) القران ۲۳ : ۴۷۱

(۱۳۶) القران ۴۱ : ۴۷۶

(۱۳۷) القران ۲۴ : ۵۶

(۱۳۸) القران ۳۱ : ۴-۵

(۱۳۹) القران ۹ : ۱۱

(۱۴۰) القران ۹ : ۷۱

(۱۴۱) القران ۲ : ۲۷۱

(۱۴۲) القران ۲۲ : ۴۱

(۱۴۳) القران ۳ : ۱۸۰

(۱۴۴) القران ۹ : ۳۴-۳۵

(۱۴۵) ولی اللہ شاہ ، حجتہ اللہ البالغہ اردو ترجمہ عبدالحق ج ۲ ص ۵۹

(A_۱۴۵) ندوی ، سیرت النبی ص ۱۹۱

(۱۴۶) مودودی ، "معاشیات اسلام" اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۲

(۱۴۷) مودودی، دینیات ص ۸۷

(۱۴۸) بحوالہ خورشید احمد پروفیسر ، اسلامی نظریہ حیات، کراچی یونیورسٹی ۱۹۹۲ء ص ۳۲۷

(۱۴۹) بحوالہ خورشید احمد پروفیسر ، اسلامی نظریہ حیات، کراچی یونیورسٹی ۱۹۹۲ء ص ۳۲۸

(۱۵۰) یوسف القرضادی ڈاکٹر، فقہ الزکوٰۃ ص ۵۱۰

(۱۵۶) ابن حزم محمد علی بن احمد الظاہری،"المحلی" مصر ۱۳۵۲ء ج ۶ ص ۱۵۶

(۱۵۷) القران ۹ : ۱۰۳

(۱۵۸) ابن منظور،"لسان العرب" بذیل مادہ ح ج ج

(۱۵۹) راغب مفردات بزیل مادہ

(۱۶۰) راغب مفردات بزیل مادہ

(۱۶۱) عبدالرشید لغات القران ج ۲ ص ۲۷۲

(۱۶۲) ال عمران ۳ : ۹۷

(۱۶۳) مشکوۃ المصابیح کتاب المناسک فصل دوم

(۱۶۴) بحوالہ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۶

(۱۶۵) بحوالہ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۸۶

(۱۶۶) امام مسلم، "صحیح مسلم"، کتاب الحج باب فضل الحج والعمرۃ

(۱۶۷) امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج باب فضل الحج والعمرۃ

(۱۶۸) مشکوۃ المصابیح،کتاب المناسک فصل اول

(۱۶۹) مشکوۃ المصابیح،کتاب المناسک فصل اول

(۱۷۰) ولی اللہ شاہ ، حجتہ البالغہ ج ۲ ص ۸۶

(۱۷۱) امام غزالی احیاء العلوم مترجم محمد احسن باب حج ص ۳۷۷

(۱۷۲) ولی اللہ شاہ ، حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹

(۱۷۳) محمد قطب سید، "فی ظلال القران" ج ا ص ۴۳۱

(۱۷۴) سلیمان ندوی سید، سیرت النبی ج ۵ ص ۳۶۳

(۱۷۵) محمد اقبال، خطبات، تیسرا خطبہ اردو ترجمہ نذیر نیازی ص ۱۳۹

(۱۷۶) بحوالہ مودودی، خطبات ص ۲۸۲

(۱۷۷) Lady Evelyne "Pligrimage to Macca," بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامی مقالہ حج ج ۷ ص ۹۲۲

(۱۷۸) ولی اللہ شاہ، "حجتہ اللہ البالغہ"، اردو ترجمہ عبدالحق ج ۲ ص ۱۱۲

(۱۷۹) ولی اللہ شاہ، حجتہ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ عبدالحق ج ۲ ص ۱۱۲

(۱۸۰) ولی اللہ شاہ، "فیوض الحرمین"، اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی اردو بازار لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۰۵

(۱۸۱) بحوالہ ولی اللہ شاہ ، حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۳

(۱۸۲) امام مسلم، "صحیح مسلم"، کتاب الحج باب فصل یوم عرفہ

(۱۸۳) ولی اللہ شاہ، "حجتہ اللہ البالغہ" ج ۲ ص ۹۴

(۱۸۴) محمد شفیع مفتی ، احکام حج ، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۸ء ص ۷۰

(۱۸۵) محمد شفیع مفتی ، احکام حج ، دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۸ء ص ۷۰

(۱۸۶) ولی اللہ شاہ، "حجتہ اللہ البالغہ" ج ۲ ص ۹۳

(۱۸۷) القران ۲ :۲۰.

(۱۸۸) ولی اللہ شاہ، حوالہ مذکور

(۱۸۹) القران ۶ : ۱۶۲

(۱۹۰) خیر اللہ ایف ایس "قاموس" مقالہ عبادت ص ۶۲۴

(۱۹۱) متی ۶ : ۲۴

(۱۹۲) سلیمان ندوی سید، سیرت النبی ج ۵ ص ۲۲

(۱۹۳) [illegible]۵ : ۲۷

(۱۹۴) القرآن ۵ : ۷۷

(۱۹۵) ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۵۸۹

(۱۹۶) القرآن ۹ : ۳۱

(۱۹۷) زمخشری ، الکشاف ج ۲ ص ۱۹۴

(۱۹۸) مشکوۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ فصل اوّل

(۱۹۹) القرآن ۳ : ۶۴

(۲۰۰) متی ۱۷ : ۲۰

(۲۰۱) سلیمان ندوی، "سیرت النبی" ج ۵ ص ۸۷

(۲۰۲) ادارہ مقالہ صلوٰۃ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۱۸۴

(۲۰۳) القرآن ۳ : ۱۱۳

(۲۰۴) کنزالعمال ج ۴ ص ۲۷ بحوالہ سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۶۲

(۲۰۵) کنزالعمال ج ۴ ص ۲۷ بحوالہ سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۶۲

(۲۰۶) مضمون Worship انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا ج ۲۳ ص ۷۹۴، ۱۹۴۶ء

(۲۰۷) دانیال ۶ : ۱۰۔۱۲

(۲۰۸) زبور ۵۵ : ۱۶۔۱۷

(۲۰۹) لوقا ۱۸ : ۱

(۲۱۰) اعمال پطرس ۱۰ : ۹

(۲۱۱) اعمال ۳ : ۱

(۲۱۲) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۱۰۶

(۲۱۳) لوقا ۱۱ : ۱۔۵

(۲۱۴) لوقا ۲۲ : ۳۹

(۲۱۵) زبور ۵۰ : ۱۶۔۱۷

(۲۱۶) مرقس ۱ : ۳۵

(۲۱۷) اعمال ۳ : ۱، ۱۰ : ۳، ۳۰

(۲۱۸) لوقا ۱۱ : ۲۳، ۳۹

(۲۱۹) سلیمان ندوی ، سیرت النبی ج ۵ ص ۱۱۷

(۲۲۰) و ٹیکن کمیٹی کا تازہ و آخری بلیٹن "The sacrific of the Mass" سینٹ پال پبلی کیشنز سیریز بحوالہ ابوالحسن ارکان اربعہ ص ۹۴۔۱۰۱

(۲۲۱) "The Book of Common Prayer"

By The Church of Pakistan ص ۹۶۳ بحوالہ ایضاً ص ۱۰۴۔۱۰۶

(۲۲۲) O.H. مضمون فاسٹنگ انسائیکلو پیڈیا بری ٹانیکا ج ۹ ص ۱۰۸

(۲۲۳) خروج ۳۴ : ۲۸

(۲۲۴) اوّل سموئیل ۷ : ۶

یرمیاہ ۳۶ : ۶

(۲۲۵) متی ۴ : ۲

(۲۲۶) مرقس ۳ : ۱۸

(۲۲۷) قضاہ ۲۰ : ۲۶ سموئیل اوّل ۷ : ۶

لوقا ۶ : ۱۶، لوقا ۲ : ۱۸

مرقس ۲ : ۱۹۔۲۰

(۲۲۸) جیوش انسائیکلوپیڈیا ج ۵ ص ۳۴۷

بحوالہ تفسیر ماجدی (اردو) ج ۱ ص ۶۸

(۲۲۹) متی ۶ : ۱۶

(۲۳۰) متی ۱۷ : ۲۰

(۲۳۱) انسائیکلو پیڈیا ولیجس اینڈ ایتھکس مقالہ فاسٹنگ بحوالہ ابوالحسن ندوی ارکان اربعہ ص ۲۵۴۔۲۵۶

(۲۳۲) القرآن ۲ : ۱۸۳

(۲۳۳) زمخشری کشاف ج ۱ ص ۲۲۵

(۲۳۴) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۳

(۲۳۵) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۲۸۱

(۲۳۶) القرآن ۲ : ۱۸۵

(۲۳۷) ۲۔اخبار (تواریخ) ۲۰ : ۳

(۲۳۸) القرآن ۲ : ۱۸۴

(۲۳۹) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۶

(۲۴۰) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۲۸۳

(۲۴۱) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۲۸۳

(۲۴۲) متی ۶ : ۱۶۔۱۷

(۲۴۳) ادارہ مضمون زکوٰۃ ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ ص ۴۶۵

(۲۴۴) استثنا ۱۴ : ۲۲

(۲۴۵) القرآن ۹ : ۳۶

(۲۴۶) انثنا ۱۴ : ۲۴

(۲۴۷) ابویوسف امام، کتاب الخراج ، المطبۃ السّلفیہ مصر ص ۶۹
بحوالہ سیوہاروی اسلام کا اقتصادی نظام ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۱۷

(۲۴۸) ابن القیم، امام ابن القیم الجوزیہ، ”زادالمعاد“ مصر ۱۳۶۶
بحوالہ سیرت النبی ج ۵ ص ۲۰۴

(۲۴۹) خروج ۳ : ۱۵

(۲۵۰) متی ۸ : ۱۔۴

(۲۵۱) لوقا ۶ : ۳۰۔۳۴

(۲۵۲) غلاطیول کے نام ۶ : ۲

(۲۵۳) اعمال ۲ : ۴۳۔۴۶

(۲۵۴) اعمال ۴ : ۳۴-۳۵

(۲۵۵) انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس بحوالہ ابوالحسن ندوی ارکان اربعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۵ء ص ۱۹۶ مابعدہ

(۲۵۶) خروج ۳۰ : ۱۳

(۲۵۷) احبار ۱۹ : ۱۰

(۲۵۸) استثنا ۱۴ : ۲۶ : ۲۹

(۲۵۹) القرآن ۳ : ۵۰

(۲۶۰) متفق علیہ بحوالہ ابوالحسن ندوی ارکان اربعہ ص ۲۰۰

(۲۶۱) القرآن ۹ : ۶۰

(۲۶۲) ماخوذ ابوالحسن ندوی ارکان اربعہ ص ۲۰۴ ومابعد

(۲۶۳) القرآن ۲۱ : ۷۳

(۲۶۴) القرآن ۲ : ۴۳

(۲۶۵) القرآن ۱۹ : ۵۵

(۲۶۶) القرآن ۷ : ۱۵۶

(۲۶۷) القرآن ۱۹ : ۳۱

(۲۶۸) بحوالہ ارکان اربعہ ص ۳۶۶

(۲۶۹) متفق علیہ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ فصل اوّل

(۲۷۰) متفق علیہ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ فصل اوّل

(۲۷۱) مشکوٰۃ حوالہ مذکور فصل دوم

(۲۷۲) مشکوٰۃ حوالہ مذکور فصل دوم

(۲۷۳) صحیح بخاری کتاب التہجد باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ المدینہ

(۲۷۴) القرآن ۲۲ : ۲۶-۲۹

(۲۷۵) القرآن ۱۴ : ۳۵-۳۶

(۲۷۶) راغب مفردات ص ۳۱۸

(۲۷۷) ابن منظور، لسان لعرب بزیل مادہ

(۲۷۸) القرآن ۶۸ : ۴

(۲۷۹) غزالی احیاء العلوم ج سوم اردو ترجمہ محمد احسن صدیقی ص ۷۰

(۲۸۰) ولی اللہ شاہ، "حجتہ اللہ البالغہ" اردو ترجمہ ص ۸۸

(۲۸۱) جلال الدین، اخلاق جلالی لکھنو ۳۵ لکھنو ۱۹۸۴ء

(۲۸۲) سیوہاروی حفظ الرحمٰن " اخلاق اور فلسفہ اخلاق" ، خالد مقبول پبلشرز لاہور ۱۹۷۶ء ص ۴ و بعد

(۲۸۳) ادارہ مقالہ "اسلام"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۶۷۵

(۲۸۴) ابن منظور، لسان العرب بزیل مادہ

(۲۸۵) عبدالمنان عمر، مقالہ" اخلاق" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۱۸۸

(۲۸۶) سنن ابو داؤد باب فی حسن الخلق بحوالہ سلیمان ندوی سیرت النبی ج ۶ ص ۲۹

(۲۸۷) صحیح بخاری کتاب سرداب

(۲۸۸) طبرانی بحوالہ سابق

(۲۸۹) صحیح مسلم، باب الدعاء فی الصلوٰۃ

(۲۹۰) ابوداؤد، سنن ابوداؤد بحوالہ سابق

(۲۹۱) غزالی، احیاء العلوم اردو ترجمہ محمد احسن صدیقی ج ۳ ص ۶۱-۶۲

(۲۹۲) لک امام ، الموطا بحوالہ سابق ص ۱۳

(۲۹۳) مسند احمد بحوالہ سابق

(۲۹۴) منظور محمد نعمانی ، دین و شریعت، مکتبہ الفرقاں لکھنو ۱۹۴۶ء ص ۱۵۳

(۲۹۵) سلیمان ندوی سید، سیرت النبی ج ۶ ص ۳۵

(۲۹۶) سلیمان ندوی سید، سیرت النبی ج ۶ ص ۳۵

(۲۹۷) غزالی ابو حامد، "کیمیائے سعادت" کراچی ۱۹۷۲ء ص ۳۰۷

(۲۹۸) القران ۴ : ۸۷

(۲۹۹) القران ۹ : ۱۱۹

(۳۰۰) القران ۴۹ : ۱۵

(۳۰۱) القران ۴ : ۶۹

(۳۰۲) راغب مفردات ص ۴۹

(۳۰۳) عبدالرشید ، "لغات القران" ج ا ص ۲۵۳

(۳۰۴) سلیمان ندوی ، سیرت النبی ج ۶ ص ۴۱۱

(۳۰۵) القران ۳۳ : ۷۲

(۳۰۶) القران ۲۶ : ۱۷۸

(۳۰۷) القران ۲۳ : ۸

(۳۰۸) القران ۴ : ۵۸

(۳۰۹) القران ۲ : ۲۸۳

(۳۱۰) سلیمان ندوی ، حوالہ سابق ص ۴۱۴

(۳۱۱) لمائدہ ۵ : ۹۵

(۳۱۲) النحل ۱۶ : ۸

(۳۱۳) مفردات ص ۶۷۵ بزیل مادہ

(۳۱۴) E. TYAN مقالہ عدل اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۳ ص ۴۰

(۳۱۵) علامہ ضیومی مصباح، بحوالہ لغات القران ج ۴ ص ۲۵۳

(۳۱۶) ابن فارس بحوالہ لغات القران ج ۴ ص ۲۵۳

(۳۱۷) سلیمان ندوی سید، سیرت النبی ج ۶ ص ۴۳۵

(۳۱۸) القران ۴۰ : ۲۰

(۳۱۹) القران ۳۳ : ۴

(۳۲۰) القران ۶ : ۱۱۵

(۳۲۱)   القران ۲ : ۱۸

(۳۲۲)   القران ۱۶ :۹۰

(۳۲۳)   القران ۴ : ۳۰

(۳۲۴)   القران ۴ : ۱۲۷

(۳۲۵)   القران ۶ : ۱۵۲

(۳۲۶)   القران ۲ : ۲۸۳

(۳۲۷)   القران ۶ : ۱۵۳

(۳۲۸)   القران ۵ : ۸

(۳۲۹)   القران ۴ : ۱۳۵

(۳۳۰)   القران ۴۸ : ۵۹

(۳۳۱)   القران ۴۲ : ۱۵

(۳۳۲)   القران ۶۸ : ۴۸

(۳۳۳)   یوسف ۱۲ : ۱۸

(۳۳۴)   قیشری عبدالکریم ابوالقاسم "رسالہ قیشریہ" اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ۱۹۹۷ء ص ۳۷۷

(۳۳۵)   القران ۲ : ۴۵

(۳۳۶)   القران ۳ : ۱۴۶

(۳۳۷)   القران ۲ : ۲۴۹

(۳۳۸)   القران ۲ : ۱۵۶

(۳۳۹)   القران ۳ : ۱۸۶

(۳۴۰)   القران ۱۶ : ۹۶

(۳۴۱)   القران ۱۱ : ۱۱۵

(۳۴۲)   القران ۱۳ : ۲۳۔۲۴

(۳۴۳) القران ۱۳ : ۲۲

(۳۴۴) القران ۲۸ : ۸۰

(۳۴۵) القران ۴۲ : ۴۳

(۳۴۶) القران ۳۹ : ۱۰

(۳۴۷) القران ۴۱ : ۳۶

(۳۴۸) القران ۳۸ : ۴۴

(۳۴۹) القران ۴۶ : ۳۵

(۳۵۰) القران ۴۷ : ۷

(۳۵۱) غزالی ، احیاء العلوم اردو ترجمہ ص ۷۰

(۳۵۲) القران ۴۲ : ۴۰

(۳۵۳) القران ۲ : ۵۲

(۳۵۴) القران ۵ : ۱۳

(۳۵۵) القران ۷ : ۱۹۹

(۳۵۶) مفردات مادہ ع ف د ص ۷۰۹

(۳۵۷) القران ۷ : ۱۹۹

(۳۵۸) رازی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۳

(۳۵۹) زبیدی مرتضٰی سید تاج العروس من جواھر القاموس بزیل مادہ منشورات دار مکتبہ الحیات بیروت

(۳۶۰) القران ۴۲ : ۲۵

(۳۶۱) القران ۴۲ : ۳۴

(۳۶۲) سلیمان ندوی سید، "سیرت النبی" ج ۶ ص ۴۷۱

(۳۶۳) القران ۴ : ۱۴۹

(۳۶۴) القران ۲۴ : ۲۲

(۳۶۵) القران ۴۲ : ۳۷

(۳۶۶) القران ۳ : ۱۳۴

(۳۶۷) القران ۳ : ۱۵۹

(۳۶۸) القران ۱۲ : ۹۲

(۳۶۹) القران ۷ : ۱۹۹

(۳۷۰) القران ۲ : ۱۰۹

(۳۷۱) آلوسی شہاب الدین محمد" روح المعانی"، مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۱۰ ص ۱۳۲

(۳۷۲) القران ۲۴ : ۲۲

(۳۷۲) القران ۴۲ : ۳۹۔۴۰

(۳۷۳) لقران ۴۲ : ۳۰

(۳۷۴) القران ۲ : ۱۷۸

(۳۷۵) القران ۲۴ : ۲

(۳۷۶) سلیمان ندوی سید، "سیرت النبی" ج ۶ ص ۴۴۹

(۳۷۷) القران 9 : ۷۵

(۳۷۸ القران ۲ : ۱۰

(۳۷۹) القران ۳۳ : ۱۵

(۳۸۱) مفردات ۳۳ : ۱۵

(۳۸۱) القران ۱۳ : ۳۳

(۳۸۲) القران ۳۰ : ۲

(۳۸۳) القران ۲ : ۱۷۷

(۳۸۴) القران ۲۳ : ۸

(۳۸۵) القران ۷۰ : ۳

(۳۸۶) القران ۱۷ : ۳۴

(۳۸۷) رازی تفسیر کبیر ج ۲۰۔۱۹ ص ۲۰۵

(۳۸۸) القران ۱۶ : ۹۱

(۳۸۹) القران ۶ : ۱۵۳

(۳۹۰) القران ۵ : ۱

(۳۹۱) رازی تفسیر کبیر ج ۲۰۔۱۹ ص ۲۰۵

(۳۹۲) اصلاحی امین احسن "تدبر قرآن"، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۳ء ج ۲ ص ۴۵۳

(۳۹۳) قطب سید، "فی ظلال القران" ج ۲ ص ۸۳۵ وبعد

(۳۹۴) احمد، طبرانی بحوالہ سیرت النبی ج ۴ ص ۴۵۶

(۳۹۵) القران ۲ : ۱۷۷

(۳۹۶) القران ۸ : ۱۵

(۳۹۷) القران ۸ : ۴۵

(۳۹۸) القران ۸ : ۶

(۳۹۹) القران ۳۳ : ۱۹

(۴۰۰) القران ۲ : ۲۴۹

(۴۰۱) القران ۸ : ۱۹

(۴۰۲) القران ۳ : ۱۴۵

(۴۰۳) القران ۳ : ۱۵۴

(۴۰۴) القران ۳ : ۱۵۶

(۴۰۵) القران ۴ : ۷۸

(۴۰۶) القران ۴ : ۷۴

(۴۰۷) القران ۳ : ۱۹۵

(۴۰۸) القران ۲ : ۱۵۴

(۴۰۹) القران ۳ : ۱۷۳۔۱۷۵

(۴۱۰) القران ۱۰ : ۶۲_۶۳

(۴۱۱) القران ۳۳ : ۳۹

(۴۱۲) القران ۲۰ : ۴۶

(۴۱۳) القران ۴ : ۳۴

(۴۱۴) القران ۲۳ : ۵_۷

(۴۱۵) القران ۶۶ : ۱۲

(۴۱۶) القران ۱۲ : ۳۲

(۴۱۷) القران ۲ : ۳۹

(۴۱۸) القران ۲۴ : ۲۶

(۴۱۹) القران ۳۳ : ۵۹

(۴۲۰) القران ۳۳ : ۲۳_۳۳

(۴۲۱) القران ۳ : ۵۹

(۴۲۲) القران ۱۷ : ۳۲

(۴۲۳) القران ۲۴ : ۳۱

(۴۲۴) القران ۲۴ : ۲۷

(۴۲۵) القران ۲۴ : ۳۲

(۴۲۶) آلوسی "روح المعانی" ج ۱۰ ص ۱۵۸

(۴۲۷) القران ۲۴ : ۳۳

(۴۲۸) القران ۲۴ : ۴_۵

(۴۲۹) مودودی "تفہیم القران" ج ۳ ص ۳۴۷

(۴۲۰) القران ۲۴ : ۲۶

(۴۲۱) القران ۴ : ۱۹

(۴۲۲) القران ۱۷ : ۳۲

(۴۲۳) القران ۲۴ : ۲

(۴۲۴) جامع ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی نظرة الفجارة

(۴۲۵) سنن ابی داؤد کتاب للباس باب فیما یبدی المراة زینتها

(۴۲۶) سنن ابی داؤد "کتاب الآداب" باب فی الحکم فی المخنثین

(۴۲۷) جامع ترمذی "کتاب الاستیذان"

باب الاستیذان قبالۃ البیت

(۴۲۸) جامع ترمذی "کتاب الاستیذان"

باب الاستیذان قبالۃ البیۃ

(۴۲۹) سنن ابی داؤد "کتاب الرجل باب المراة تطیب للخروج

(۴۳۰) سنن ابی داؤد کتاب الاستیذان ، باب فی مشی النساء فی الطریق

(۴۳۱) صحیح مسلم ، کتاب السلام باب تحریم الخلوۃ بالا جنبیۃ والدخول علیھا

(۴۳۲) صحیح بخاری، "کتاب الحدود" باب فضل من ترک الفواحش

(۴۳۳) ابن حجر عسقلانی ، "فتح الباری" المطلۃ الجز مصر ص ۱۱۸ بحوالہ لغات القران

ج ۳ ص ۶۲

(۴۳۴) بحوالہ لغات القران ج ۳ ص ۶۶

(۴۳۵) القران ۴۰ : ۷

(۴۳۶) القران ۲۳ : ۱۰۹

(۴۳۷) القران ۲ : ۲۸۶

(۴۳۸) القران ۱۷ : ۲۴

(۴۳۹) القران ۶ : ۵۴

(۴۴۰) القران ۴۵ : ۳۰

(۴۴۱) القران ۱۷ : ۸۲

(۴۴۲) القران ۹ : ۱۲۸

(۴۴۳) القران ۲۱ : ۱۰۷

(۴۴۴) القران ۵۷ : ۲۷

(۴۴۵) القران ۴۸ : ۴۹

(۴۴۶) القران ۳۹ : ۵۳

(۴۴۷) ندوی سلیمان سید ، "سیرت النبی" ج ۶ ص ۵۶۴

(۴۴۸) القران ۳۹ : ۳

(۴۴۹) القران ۱۹ : ۵۶

(۴۵۰) القران ۱۹ : ۵۴

(۴۵۱) القران ۴۰ : ۲۸

(۴۵۲) القران ۲۶ : ۲۲۲

(۴۵۳) القران ۳ : ۶۱

(۴۵۴) القران ۲۴ : ۷

(۴۵۵) زمخشری الکشاف ج ۱ ص ۲۰۹

(۴۵۶) قطب محمد سید " فی ظلال القران ج ۱ ص ۱۴۴

(۴۵۷) القران ۲ : ۱۵۹

(۴۵۸) مودودی تفہیم القران ج ۱ ص ۱۲۸

(۴۵۹) القران ۶۳ : ۱

(۴۶۰) صحیح بخاری، کتاب الاداب باب کونوا مع الصادقین وما ینھی عن الکذب

(۴۶۱) القران ۲۶ : ۲۲۴

(۴۶۲) القران ۳۹ : ۳

(۴۶۳) القران ۲۰ : ۴۰

(۴۶۴) القران ۹ : ۷۷

(۴۶۵) القران ۹ : ۴۲

(۴۶۶) القران ۲۲ : ۳۰

(۴۶۷) القران ۵ : ۴۲

(۴۶۸) القران ۳۹ : ۳۲

(۴۶۹) القران ۳۹ : ۴۰

(۴۷۰) القران ۶ : ۱۱

(۴۷۱) راغب مفردات ص ۳۶۷

(۴۷۲) ابو داؤد سلیمان بن اشعث " سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ

(۴۷۳) القران ۴۹ : ۱۲

(۴۷۴) بخاری بحوالہ غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۴۶

(۴۷۵) سنن ابو داؤد حوالہ مذکور

(۴۷۶) سنن ابو داؤد حوالہ مذکور

(۴۷۷) بحوالہ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۶۴

(۴۷۸) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۳۹

(۴۷۹) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۰) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۱) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۲) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۳) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۴) قیشری، رسالہ قیشریہ ، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ۱۹۶۵ء ص ۳۴۰

(۴۸۵) القران ۶۸ : ۱

(۴۸۶) القران ۱۰۴ : ۱

(۴۸۷) مفردات ص ۴۵۴

(۴۸۸) مفردات ص ۴۴۶

(۴۸۹) ندوی سلیمان سید، سیرت النبی ج ۲ ص ۶۲۳

(۴۹۰) القرآن ۴ : ۱۴۲

(۴۹۱) غزالی احیاء العلوم [illegible] باب آفت غیبت ص ۱۷۷

(۴۹۲) غزالی احیاء العلوم باب آفت غیبت ص ۱۷۲

(۴۹۳) غزالی احیاء العلوم آفت غیبت ص ۱۷۲

(۴۹۴) غزالی احیاء العلوم آفت غیبت ص ۱۷۲

(۴۹۵) القرآن ۶ : ۳۵

(۴۹۶) راغب مفردات بذیل مادہ ص ۵۰۲

(۴۹۷) ابن منظور لسان العرب بذیل مادہ نفق

(۴۹۸) نسفی شرح عقائدہ بحوالہ محمد عبدالرشید لغات القرآن ج ۵ ص ۴۵۲

(۴۹۹) القرآن ۲ : ۱۴

(۵۰۰) القرآن ۴ : ۱۴۲

(۵۰۱) القرآن ۶ : ۴۷

(۵۰۲) القرآن ۹ : ۴۹

(۵۰۳) القرآن ۹ : ۴۸

(۵۰۴) القرآن ۹ : ۴۹

(۵۰۵) القرآن ۲ : ۱۰

(۵۰۶) القرآن ۴ : ۱۴۳

(۵۰۷) القرآن ۴ : ۱۴۲

(۵۰۸) القرآن ۹ : ۵۴

(۵۰۹) القرآن ۹ : ۵۶

(۵۱۰) القرآن ۹ : ۵۷

(۵۱۱) القرآن ۹ : ۷۵۔۷۶

(۵۱۲) القران ۹ : ۶۰

(۵۱۳) القران ۶۳ : ۴

(۵۱۴) القران ۶۳ : ۵

(۵۱۵) مودودی ، تفہیم القران ۵ : ۵۱۸

(۵۱۶) القران ۶۳ : ۹۔۱۰

(۵۱۷) القران ۳ : ۱۴۹

(۵۱۸) القران ۳ : ۱۵۴

(۵۱۹) القران ۳ : ۱۴۱

(۵۲۰) القران ۳ : ۱۵۴

(۵۲۱) القران ۹ : ۸۴

(۵۲۲) القران ۹ : ۷۳

(۵۲۳) تفسیر ابن کثیر ۲ : ۳۷۸

(۵۲۴) تفسیر ابن کثیر ۲ : ۳۷۳

(۵۲۵) بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۲ : ۳۸۱

(۵۲۶) المائدہ ۵ : ۲۳

(۵۲۷) الجامع الصحیح کتاب الایمان باب علامہ المنافق

(۵۲۸) الجامع الصحیح کتاب الایمان باب علامہ المنافق

(۵۲۹) مسلم الجامع الصحیح کتاب الایمان باب خصال المنافق

(۵۳۰) راغب مفردات ص ۳۶۸

(۵۳۱) راغب مفردات ص ۳۶۱

(۵۳۲) جامع ترمذی باب الترھیب حق الغضب

(۵۳۳) القران ۲ : ۹۰

(۵۳۴) القران ۲ : ۶۱

(۵۳۵) القرآن ۱۰۴ : ۲

(۵۳۶) غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۹۳

(۵۳۷) القرآن ۳ : ۱۳۴

فی ظلال القرآن

(۵۳۸) قطب محمد سید ج ۱ ص ۴۶۹

(۵۳۹) القرآن ۴۲ : ۳۷

(۵۴۰) القرآن ۷ : ۱۹۹۔۲۰۰

(۵۴۱) الجامع الصحیح باب الحذر من الغضب

(۵۴۲) القرآن ۴۱ : ۳۴۔۳۶

(۵۴۳) القرآن ۴۸ : ۲۹

(۵۴۴) تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۹۴

(۵۴۵) الجامع الصحیح کتاب الاداب ، باب الحذر من الغضب

(۵۴۶) الجامع الصحیح کتاب الاداب ، باب الحذر من الغضب

(۵۴۷) مسند احمد بحوالہ سیرت النبی ج ۴ ص ۴۸۸

(۵۴۸) جامع ترمذی ، باب الترھیب من الغضب

(۵۴۹) سنن ابی داؤد ،کتاب الادارب باب مایقال عندالغضب

(۵۵۰) سنن ابی داؤد ،کتاب الادارب باب مایقال عندالغضب

(۵۵۱) غزالی ، احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۰۶

(۵۵۲) ندوی سلیمان سید ، سیرت النبی ج ۶ ص ۲۹۰

(۵۵۳) غزالی ، احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۰۴

(۵۵۴) غزالی ، احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۰۴

(۵۵۵) غزالی ، احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۰۴

(۵۵۶) غزالی ، ”کیمیائے سعادت“ مترجم سعیدالرحمٰن علوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۰ء
ص ۴۷۷

(۵۵۷) غزالی ، "کیمیائے سعادت" ص ۴۷۶

(۵۵۸) غزالی ، ص ۴۷۶

(۵۵۹) غزالی ، کیمیائے سعادت ص ۴۷۶

(۵۶۰) القران ۵۶ : ۲۴

(۵۶۱) القران ۴۰ : ۷۹

(۵۶۲) القران ۷ : ۱۴۶

(۵۶۳) راغب مفردات ص ۴۲۲

(۵۶۴) غزالی کیمیائے سعادت ص ۵۶۸

(۵۶۵) ندوی سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۶ ص ۷۰

(۵۶۶) القران ۷ : ۱۳

(۵۶۷) القران ۳۹ : ۶۰

(۵۶۸) القران ۴ : ۱۷۲۔۱۷۳

(۵۶۹) القران ۲۵ : ۲۱

(۵۷۰) القران ۷ : ۱۳۳

(۵۷۱) القران ۴۰ : ۶۰

(۵۷۲) القران ۱۶ : ۲۴

(۵۷۳) القران ۱۶ : ۱۳

(۵۷۴) القران ۱۴ : ۲۱

(۵۷۵) القران ۲۳ :۴۶

(۵۷۶) القران ۱۱ : ۲۷

(۵۷۷) القران ۳۸ : ۲

(۵۷۸) القران ۴۰ : ۳۵

(۵۷۹) القران ۴ : ۳۶

(۵۸۰) القران ۱۷ : ۳۷

(۵۸۱) القران ۳۱ : ۱۸

(۵۸۲) القران ۲۲ : ۹

(۵۸۳) القران ۲۵ : ۶۳

(۵۸۴) القران ۴۹ : ۱۳

(۵۸۵) القران ۴۹ : ۱۳

(۵۸۶) ندوی سلیمان، سیرت النبی ج ۴ ص ۷۰۷

(۵۸۷) القران ۵۷ : ۲۱

(۵۸۸) القران ۳۰ : ۵۴

(۵۸۹) القران ۸ : ۶۰

(۵۹۰) القران ۱۸ : ۳۲۔۴۴

(۵۹۱) سنن ابی داؤد، کتاب للباس باب ماجاء فی الکبر

(۵۹۲) صحیح مسلم، کتاب للباس باب جوازاتخاد والانما ط

(۵۹۳) صحیح مسلم، کتاب للباس باب جوازاتخاد والانما ط

(۵۹۴) طبرانی بحوالہ غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۱۷

(۵۹۵) بحوالہ کیمیائے سعادت ص ۵۶۸

(۵۹۶) بحوالہ کیمیائے سعادت ص ۵۶۸

(۵۹۷) القران ۴ : ۱۷۲

(۵۹۸) القران ۳ ۴ : ۳۱

(۵۹۹) القران ۲ : ۲۰۶

(۶۰۰) تلخیص کیمیائے سعادت ص ۵۶۹۔۵۷۰

(۶۰۱) القران ۴۹ : ۱۳

(۶۰۲) تلخیص کیمیائے سعادت ۵۷۱۔۵۷۷

(۶۰۳) راغب مفردات ، بذیل مادہ ص ۱۱۸

(۶۰۴) بحوالہ راغب مفردات ، بذیل مادہ ص ۱۱۸

(۶۰۵) القرآن ۲ : ۱۰۹

(۶۰۶) القرآن ۱۱۳ : ۵

(۶۰۷) غزالی ، کیمیائے سعادت ص ۴۸۶

(۶۰۸) ندوی سلیمان،ج ۶ ص ۲۷ے

(۶۰۹) القرآن ۴ : ۵۱

(۶۱۰) القرآن ۲ : ۱۰۹

(۶۱۱) القرآن ۴ : ۸۹

(۶۱۲) القرآن ۴ : ۳۲

(۶۱۳) القرآن ۴ : ۳۲

(۶۱۴) ندوی سلیمان سید، سیرت النبی ج ۶ ص ۲۹ے

(۶۱۵) القرآن ۳ : ۱۱۸

(۶۱۶) القرآن ۳ : ۱۲۰

(۶۱۷) القرآن ۶ : ۵۲

(۶۱۸) القرآن ۱۲ : ۸

(۶۱۹) القرآن ۵۹ : ۹

(۶۲۰) سنن ابی داؤد کتاب الاداب باب فی الحسد

(۶۲۱) بحوالہ کیمیائے سعادت ص ۴۸۳

(۶۲۲) بحوالہ کیمیائے سعادت ص ۴۸۳

(۶۲۳) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۴) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۵) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۶) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۷) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۸) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۲۹) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۳۰) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۳۱) ابوالقاسم قیشری " رسالہ قیشریہ ص ۳۳۶

(۶۳۲) صحیح بخاری ، کتاب الاداب

کتاب ما ینھی عن الحساسد و التدابر

(۶۳۳) متی ۵ : ۳۔۱۲

(۶۳۴) متی ۵ : ۴۴

(۶۳۵) متی ۵ : ۴۴

(۶۳۶) متی ۱۹ : ۱۶۔۲۳

(۶۳۷) ندوی سلیمان سید، سیرت النبی ج ۴ ص ۱۴۳

(۶۳۸) لوقا ۶ : ۲۹

(۶۳۹) القران ۴۲ : ۴۰

(۶۴۰) القران ۲۲ : ۶۰

(۶۴۱) متی ۵ : ۴۳۔۴۴

(۶۴۲) اسکاٹ شارح متی بحوالہ ندوی سلیمان سید ج ۶ ص ۱۵

(۶۴۳) القران ۵ : ۸

(۶۴۴) القران ۴۱ : ۳۴

(۶۴۵) القران ۴۵ : ۱۴

(۶۴۶) ندوی سلیمان سید ، سیرت النبی ج ۶ ص ۱۵۴۔۱۵۶

(۶۴۷) المنان عمر عبد "مقالہ اخلاق" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۱۸۸۔۱۸۹

(۶۷۰) القرآن ۴ : ۱۵۳

(۶۷۱) القرآن ۵ : ۸

(۶۷۲) مودودی تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۲۵

(۶۷۳) القرآن ۵ : ۲

(۶۷۴) القرآن ۲۸ : ۷۷

(۶۷۵) القرآن ۴۹ : ۱۱

(۶۷۶) القرآن ۴۹ : ۱۲

(۶۷۷) القرآن ۲۳ : ۱۱۵

(۶۷۸) القرآن ۷۵ : ۳۶

(۶۷۹) القرآن ۲ : ۲۵۶

(۶۸۰) القرآن ۱۰ : ۹۹

(۶۸۱) القرآن ۱۰۹ : ۶

(۶۸۲) القرآن ۲ : ۱۷۷

(۶۸۳) القرآن ۳ : ۸۴

(۶۸۴) القرآن ۲ : ۲۸۵

(۶۸۵) القرآن ۶ : ۱۰۸

(۶۸۶) القرآن ۲۲ : ۴۰

(۶۸۷) بوگارڈس بحوالہ تگہ عبدالحمید عمرانیات ص ۱۶۵

(۶۸۸) Paul B.Horton & chester.L.Hunt " Sociology"

Mc graw. Hill Kogahush London 1976 ص ۱۹۱

(۶۸۹) " Sociology ogburn and Nim Koff

Mifflin Company Cambridge Press USA 1958 ص ۵۷۸

(۶۹۰) ینگ اور میک بحوالہ تگہ ، عمرانیات ص ۱۶۵

(۶۹۱) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۱۶

(۶۹۲) القرآن ۲ : ۸۳

(۶۹۳) القرآن ۱۷ : ۲۳

(۶۹۴) القرآن ۴ : ۳۶

(۶۹۵) القرآن ۴۶ : ۱۵

(۶۹۶) القرآن ۳۱ : ۱۴

(۶۹۷) القرآن ۱۷ : ۲۳

(۶۹۸) القرآن ۱۷ : ۲۴

(۶۹۹) القرآن ۱۷ : ۲۴

(۷۰۰) القرآن ۴۱ : ۴۱

(۷۰۱) القرآن ۶۶ : ۶

(۷۰۲) القرآن ۲ : ۲۳۳

(۷۰۳) القرآن ۴۶ : ۱۵

(۷۰۴) القرآن ۴ : ۱۱۔۱۲

(۷۰۵) القرآن ۱۷ : ۳۱

(۷۰۶) القرآن ۱۶ : ۵۷۔۵۸

(۷۰۷) ظفیر الدین محمد "اسلام کا نظام عفت و عصمت"، مکتبہ نذیر ۶ اچھرہ لاہور ص ۲۱۲

(۷۰۸) القرآن ۶۵ : ۷

(۷۰۹) القرآن ۲ : ۲۳۶

(۷۱۰) القرآن ۶۵ : ۶

(۷۱۱) القرآن ۴ : ۷

(۷۱۲) القرآن ۴ : ۱۹

(۷۱۳) القرآن ۲ : ۲۳۱

(۲۱۴) القران ۶۴ : ۱۴

(۲۱۵) القران ۲ : ۲۲۹

(۲۱۶) القران ۴ : ۴

(۲۱۷) القران ۴ : ۲۴

(۲۱۸) القران ۴ : ۴

(۲۱۹) القران ۲ : ۲۲۶

(۲۲۰) ظفیر الدین محمد، "اسلام کا نظام عفت و عصمت" ص ۲۴۵

(۲۲۱) القران ۴ : ۳۴

(۲۲۲) بن جریر تفسیر طبری ج ۴ ص ۵۸

(۲۲۳) لسان بذیل مادہ

(۲۲۴) جصاص ،" احکام القران" ج ۱ ص ۱۹۰

(۲۲۵) مودودی تفہیم القران ج ۱ ص ۲۴۹

(۲۲۶) القران ۴ : ۳۴

(۲۲۷) القران ۴ : ۳۴

(۲۲۸) القران ۴ : ۱۲۸

(۲۲۹) اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ بحوالہ ظفیر الدین ص ۲۶۰

(۲۳۰) اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ بحوالہ ظفیر الدین ص ۲۶۰

(۲۳۱) اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ بحوالہ ظفیر الدین ص ۲۶۰

(۲۳۲) ندوی سلیمان سید، سیرت النبی ج ۶ ص ۲۶۶

(۲۳۳) القران ۱۷ : ۲۶

(۲۳۴) القران ۲ : ۱۷۷

(۲۳۵) القران ۲ : ۲۱۵

(۲۳۶) القران ۲ : ۸۳

(۷۳۷) القران ۱۶ : ۹۰

(۷۳۸) القران ۲۴ : ۲۲

(۷۳۹) القران ۴ : ۳۶

(۷۴۰) القران ۴۲ : ۲۳

(۷۴۱) القران ۲ : ۲۷

(۷۴۲) القران ۴ : ۱

(۷۴۳) القران ۴۷ : ۲۲۔۲۳

(۷۴۴) سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۶ ص ۲۷۳

(۷۴۵) القران ۴ : ۳۶

(۷۴۶) بحوالہ غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۶

(۷۴۷) ابن جریر تفسیر طبری ایت مذکور

(۷۴۸) سلیمان ندوی حوالہ مذکور ص ۲۷۵

(۷۴۹) ابو داؤد بحوالہ احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۰۶ دونوں ضعیف ہیں

(۷۵۰) حوالہ احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۰۶

(۷۵۱) صحیح بخاری کتاب الاداب ، باب لوصاۃ بالجار

(۷۵۲) صحیح بخاری کتاب الاداب ، باب لوصاۃ بالجار

(۷۵۳) صحیح بخاری کتاب الاداب ، باب لوصاۃ بالجار

(۷۵۴) مشکوۃ المصابیح، و صحیح بخاری،باب لا یشبع دون جارہ

(۷۵۵) احمد و طبرانی برروایت عقبہ بن عامر بسند ضعیف بحوالہ احیاء العلوم ص ۳۰۶

(۷۵۶) صحیح بخاری، کتاب الادب باب اثم من لا یا من جارہٗ بو الفہٗ

(۷۵۷) احمد و حاکم برروایت ابی ہریرہ بحوالہ احیاء العلوم ص ۳۰۶

(۷۵۸) ابو داؤد کتاب لاذب باب فی حق الجوار

(۷۵۹) احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۶

(۷۶۰) احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۶

(۷۶۱) احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۶

(۷۶۲) لسان العرب بزیل سادہ

(۷۶۳) مفردات ص ۲۲۳

(۷۶۴) صحیح بخاری ، کتاب تیمم ج ۲۰ ص ۵۸۹

(۷۶۵) القران ۷۲ : ۱۸

(۷۶۶) لسان العرب بزیل مادہ

(۷۶۷) القران ۲۲ : ۴۰

(۷۶۸) القران ۷۲ : ۱۸

القران ۱۷ : ۱

(۷۶۹) القران ۱۸ : ۲۱

(۷۷۰) القران ۲۴ : ۳۶۔۳۷

(۷۷۱) صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ، باب لصلوٰۃ اذا قدم من سفر

(۷۷۲) صحیح بخاری ، باب خصومات

(۷۷۳) کتاب مذکور ، بمواضع کثیرۃ

(۷۷۴) طبری ابو جعفر محمد بن جریر تاریخ الامم والملوک

موسیہ الاعلمی ، للمطبوعات بیروت کے سن ندارد ج ۳ ص ۳۱۱

(۷۷۵) طبری ابو جعفر محمد بن جریر تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۳۱۱

(۷۷۶) الکندی ولاۃ ص ۴۰۰ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ مسجد ج ۲ ص ۶۶۵

(۷۷۷) الکندی ولاۃ ص ۴۰۰ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ مسجد ج ۲ ص ۶۶۵

(۷۷۸) بحوالہ الکندی ولاۃ ص ۴۰۰ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ مسجد ج ۲ ص ۶۶۵

(۷۷۹) صحیح بخاری، باب العلم

(۷۸۰) صحیح بخاری، باب العلم

(۷۸۱) طبری تاریخ ۳ : ۱۱۸

(۷۸۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۶۶۸

(۷۸۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۶۶۸

(۷۸۴) طبری، تاریخ ۳ : ۲۳

(۷۸۵) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ

(۷۸۶) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ

(۷۸۷) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الخیمہ فی المسجد

(۷۸۸) صحیح بخاری، حوالہ مذکور

(۷۸۹) طبری، تاریخ ۳ : ۳۳۸

(۷۹۰) طبری، تاریخ ۲ : ۱۲۳۴

(۷۹۱) طبری، تاریخ ۳ : ۸۶۰

(۷۹۲) طبری، تاریخ ۳ : ۲۸۴

(۷۹۳) طبری، تاریخ ۳ : ۲۸۴

(۷۹۴) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ ، باب ۷۰، ۷۱

(۷۹۵) ظفیر الدین ،"اسلام کا نظام مساجد" ص ۳۲

(۷۹۶) القران ۲ : ۳۱

القران ۹۶ : ۱۔۵

(۷۹۷) القران ۳ : ۱۶۴

(۷۹۸) القران ۳۹ : ۹

(۷۹۹) القران ۵۸ : ۱۱

(۸۰۰) القران ۳۵ : ۲۸

(۸۰۱) مسند احمد بن حنبل ۱ : ۲۴۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۱

(۸۰۲) معصومی صغیر حسن محمد مقالہ مدارس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۵۵

(۸۰۳) صحیح بخاری، کتاب العلم ، باب ۲۳۶

(۸۰۴) کنزالعمال ا : ۲۱۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۱

(۸۰۵) کنزالعمال ا : ۲۱۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۴

(۸۰۶) سیوطی الاتقان ، مترجم محمد حلیم ، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۴ء ج ۲ ص ۴۵۶

(۸۰۷) مقالہ مدارس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۰۸) المبرد الکامل، ۲ : ۴۰ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۰۹) الاغانی ۱۵ : ۱۰۹ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۰) ابن خلکان و فیات ا : ۲۹۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۱) ابن قتیبہ ، کتاب المعارف ص ۱۸۵ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۲) امین احمد مصری ، فجی الاسلام ۲ : ۵۰۔۵۱ قاھرہ ۱۹۳۵

(۸۱۳) ندوی سلیمان سید "مسلمانوں کی آئندہ تعلیم" در معارف ج ۴۲، ۸ ۱۹۳۸ء اعظم گڑھ

(۸۱۴) امین احمد مصری فجی الاسلام ۲ : ۵۴

(۸۱۵) المسالک والممالک ص ۳۱۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۶) المسالک والممالک ص ۳۱۷ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۷) السبکی طبقات الشافعیہ ۳ : ۵۲ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۲

(۸۱۸) سلیمان ندوی سید، خیام ص ۷۳ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۶۵

(۸۱۹) شبلی احمد " تاریخ التربیہ " الاسلام قاھرہ ۱۹۶۰ء ص ۲۰۹

(۸۲۰) "History of the Arabs" P.K.Hitti. Mac Millan & Co Ltd, London 1956 P 563

(۸۲۱) البلاذری، احمد بن اسماعیل ، فتوح البلدان قاھرہ ۱۹۴۶ء ص ۱۲۵

(۸۲۲) النودی تہذیب الاسماء ص ۸۴۸ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۷۰

(۸۲۳) ابن سعد طبقات بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۷۰

(۸۲۴) احمد شبلی تاریخ التربیۃ الاسلام ص ۲۷۹

(۸۲۵) نذیر حسن مقالہ مدارس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۷۷

(۸۲۶) نذیر حسن مقالہ مدارس اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ ص ۱۷۷

(۸۲۷) متی ۱۵ : ۴ مزید دیکھئے متی ۱۹ : ۱۹
مرقس ۷ : ۱۰ اور مرقس ۱۰ : ۱۹

(۸۲۸) متی ۱۹ : ۱۹

(۸۲۹) القران ۲ : ۸۳

(۸۳۰) القران ۱۴ : ۴۰

(۸۳۱) القران ۱۷ : ۲۸

(۸۳۲) لوقا ۱۴ : ۲۶

(۸۳۳) لوقا ۱۲ : ۵۱_۵۲

(۸۳۴) ا۔ انجیل قرنتیوں ۷ : ۸

(۸۳۵) القران ۲۴ : ۳۲

(۸۳۶) مرقس ۱۲ : ۳۱

(۸۳۷) القران ۴ : ۳۶

(۸۳۸) متی ۹ : ۷_۹

(۸۳۹) القران ۴ : ۱۹

(۸۴۰) القران ۲ : ۲۲۹

(۸۴۱) القران ۲ : ۲۲۸

(۸۴۲) القران ۲ : ۲۴۱

(۸۴۳) القران ۲ : ۲۳۴

(۸۴۴) ظفیر الدین محمد، اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۸۰

(۸۴۵) آدم سمتھ،" دولت اقوام" بحوالہ مظفر حسین ، "معاشیاتِ اسلام"

غفنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱۶

(۸۴۷) الفریڈ مارشل بحوالہ مظفر حسین ، اسلام غفنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱۶

(۸۴۸) پیگو بحوالہ مظفر حسین ، معاشیات کی تعریف ، غفنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱۷

(۸۴۹) کینز، بحوالہ مظفر حسین ،معاشیاتِ اسلام ، غفنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱۷

(۸۵۰) رابنز، بحوالہ مظفر حسین ،معاشیاتِ اسلام ، غفنفر اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء ص ۱۸

(۸۵۱) ابن خلدون مقدمہ مترجم سعد خاں یوسفی نور محمد ، کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴۱۱

(۸۵۲) الحریری بحوالہ چیمہ منور حسین، اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، اسلامک اکیڈمی گکھڑ ۱۹۹۴ء ص ۱۱

(۸۵۳) حسن الزماں بحوالہ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، اسلامک اکیڈمی گکھڑ ۱۹۹۴ء ص ۲۲

(۸۵۴) محمد اکرم خاں بحوالہ اسلام اور جدید اقتصادی نظریات، اسلامک اکیڈمی گکھڑ ۱۹۹۴ء ص ۲۲

(۸۵۵) سیوہاروی حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۴

(۸۵۶) مظفر حسین، معاشیات اسلام ص ۵۰

(۸۵۷) ولی اللہ شاہ، حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۷۶

(۸۵۸) محمد اکرم مقالہ علم معاشیات اردو دائرہ معارف اسلام ج ۱۴/۱ ص ۳۸۹

(۸۵۹) محمد اکرم مقالہ علم معاشیات اردو دائرہ معارف اسلام ج ۱۴/۱ ص ۳۸۹

(۸۶۰) القرآن ۲ : ۲۰۱

(۸۶۱) محمد اکرم خاں The Economic of Falah بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلام ج ۱۴/۱ ص ۳۹

(۸۶۲) Prof. V.A. Demant " Religion and the Decline of Capitalism" P-147 نیو یارک ۱۹۵۲ بحوالہ خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۴۷

(۸۶۳) S.H.Frankel. The Economic Impact on under devolped

Countries ص ۸۷ آکسفورڈ پریس ۱۹۵۳ بحوالہ خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۴۷

(۸۴۰) خورشید احمد ، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۴۱

(۸۴۱) سیوہاروی ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۰

(۸۴۲) القران ۵ : ۳

(۸۴۳) مودودی ، "تفہیم القران" ج ا ص ۱۹

(۸۴۴) مودودی، "معاشیات اسلام" ص ۲۱

(۸۴۵) القران ۲ : ۲۸۴

(۸۴۶) القران ۲۳ : ۸۴۔۸۵

(۸۴۷) القران ۵۶ : ۶۳۔۷۲

(۸۴۸) القران ۲۴ : ۳۳

(۸۴۹) القران ۱۱ : ۶

(۸۵۰) القران ۲ : ۱۱۵

(۸۵۱) القران ۳ : ۲۹

(۸۵۲) القران ۲ : ۲۵۵

(۸۵۳) القران ۲۲ : ۶۵

(۸۵۴) القران ۱۱ : ۶

(۸۵۵) القران ۲۴ : ۳۸

(۸۵۶) القران ۲ : ۳

(۸۵۱) القران ۲۹ : ۶۰

(۸۵۲) القران ۲۸ : ۸۲

(۸۵۳) القران ۶۲ : ۱۱

(۸۵۴) القران ۲۷ : ۶۴

(۸۵۵) القرآن ۳۵ : ۳

(۸۵۶) القرآن ۵۲ : ۵۸

(۸۵۷) مودودی "معاشیات اسلام" ص ۶۹

(۸۵۸) القرآن ۲ : ۲۹

(۸۵۹) القرآن ۷ : ۱۰

(۸۶۰) القرآن ۵۱ : ۲۲

(۸۶۱) القرآن ۴۱ : ۱۰

(۸۶۲) القرآن ۱۴ : ۳۴

(۸۶۳) القرآن ۱۳ : ۳

(۸۶۴) القرآن ۱۵ : ۲۰

(۸۶۵) القرآن ۶ : ۱۵۱

(۸۶۶) القرآن ۱۶ : ۷۱

(۸۶۷) سیوہاروی ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۲-۴۶

(۸۶۸) بحوالہ سیوہاروی ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۲-۴۶

(۸۶۹) ابن حزم ظاہری "محلی" ج ۶ ص ۱۵۶ بحوالہ سیوہاروی ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۲-۴۶

(۸۷۰) مودودی "معاشیات اسلام" ص ۱۴۹

(۸۷۱) سیوہاروی ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۱

(۸۷۲) القرآن ۶ : ۱۶۵

(۸۷۳) القرآن ۱۷ : ۲۱

(۸۷۴) القرآن ۱۶ : ۷

(۸۷۵) القرآن ۱۳ : ۳۶

(۸۷۶) القرآن ۴۲ : ۱۲

(۸۷۷) القران ۲۴ : ۳۸

(۸۷۸) القران ۴ : ۳۲

(۸۷۹) القران ۴۳ : ۳۲

(۸۸۰) القران ۶ : ۱۶۵

(۸۸۱) القران ۳ : ۱۴۰

(۸۸۲) القران ۹ : ۳۸

(۸۸۳) خورشید احمد پروفیسر ، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۵

(۸۸۴) القران ۷ : ۱۰

(۸۸۵) القران ۳۱ : ۲۰

(۸۸۶) القران ۶۲ : ۱۰

(۸۸۷) القران ۲۹ : ۱۷

(۸۸۸) القران ۷۳ : ۲۰

(۸۸۹) القران ۲۸ : ۷۷

(۸۹۰) کنزالعمال ج ۲ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۶۲

(۸۹۱) کنزالعمال ج ۲ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۶۲

(۸۹۲) طبرانی ۲ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۶۲

(۸۹۳) اساس تہذیب، بحوالہ پروفیسر خورشید ،اسلامی نظریہ حیات ص ۴۰۱

(۸۹۴) کنوز الحقائق بحوالہ پروفیسر خورشید ،اسلامی نظریہ حیات ص ۴۰۱

(۸۹۵) کنوز الحقائق بحوالہ پروفیسر خورشید ،اسلامی نظریہ حیات ص ۴۰۱

(۸۹۶) ابن ماجہ بحوالہ پروفیسر خورشید ،اسلامی نظریہ حیات ص ۴۰۱

(۸۹۷) مشکوٰۃ باب الاجارہ

(۸۹۸) مشکوٰۃ باب الاجارہ

(۸۹۹) مشکوٰۃ باب الاجارہ

(۹۰۰) مودودی معاشیات اسلام ص ۱۲۳

(۹۰۱) القران ۲ : ۱٦۸

(۹۰۲) القران ۲ : ۲۱

(۹۰۳) القران ٦ : ۱۵۷

(۹۰۴) القران ۵ : ۸۸

(۹۰۵) القران ۲ : ۱۸۸

(۹۰٦) القران ۲ : ۲۸۲ اور القران ۳ : ۱٦۱

(۹۰۷) القران ۵ : ۳۸

(۹۰۸) القران ۴ : ۱۰

(۹۰۹) القران ۸۳ : ۳

(۹۱۰) القران ۲۴ : ۱٦

(۹۱۱) القران ۲۴ : ۱٦

(۹۱۲) القران ۵ : ۹۰

(۹۱۳) القران ۲ : ۲۷۵

(۹۱۴) القران ۱۱ : ۸۷

(۹۱۵) خورشید احمد پروفیسر "اسلامی نظریہ حیات" ص ۴۵۷

(۹۱٦) القران ۲ : ۲۷۵

(۹۱۷) القران ۲ : ۲۷۵

(۹۱۸) القران ۲ : ۲۷۵

(۹۱۹) القران ۲ : ۲۷٦

(۹۲۰) القران ۲ : ۲۷۹

(۹۲۱) القران ۳ : ۱۳۰

(۹۲۲) القران ۲ : ۲۷۹

(۹۲۳) سنن ابو داؤد کتاب البیوع

(۹۲۴) القران ۴۹ : ۹

(۹۲۵) القران ۲ : ۱۹۸

(۹۲۶) القران ۲۴ : ۳۷

(۹۲۷) جامع ترمذی ، ابواب البیوع

(۹۲۸) القران ۴ : ۲۹

(۹۲۹) خورشید احمد پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۵۸

(۹۳۰) سنن ابن ماجہ کتاب البیوع

(۹۳۱) مشکوۃ المصابیح باب المساھلہ فی المعاملہ

(۹۳۲) مشکوۃ المصابیح باب المنہی عنھا من البیوع

(۹۳۳) مشکوۃ المصابیح باب المنہی عنھا من البیوع

(۹۳۴) نیل الاوطار الدوطار ج ۲ ص ۱۸۸ مصر ۱۳۶۸

(۹۳۵) القران ۲ : ۱۷۲

(۹۳۵ الف) بحوالہ حفظ الرحمٰن ، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۴۹

نیل الاوطار ج ۵

(۹۳۶) القران ۵ : ۹۰

(۹۳۷) مشکوۃ المصابیح باب الاحتکار

(۹۳۸) مشکوۃ المصابیح باب الاحتکار

(۹۳۹) مشکوۃ المصابیح باب الاحتکار

(۹۴۰) مشکوۃ المصابیح باب الاحتکار

(۹۴۱) القران ۸۳ : ۱۔۳

(۹۴۲) تفسیر طبری زیر تفسیر ۸۳ : ۱۔۲

(۹۴۳) زمخشری کشاف تفسیر ایت ۸۳ : ۱۔۲

(۹۴۴) متفق علیہ بحوالہ غفاری اسلام کا قانون تجارت ص ۷۸

(۹۴۵) صحیح مسلم بحوالہ غفاری اسلام کا قانون تجارت ص ۷۸

(۹۴۶) صحیح بخاری باب السماحۃ فی البیع والشراء

(۹۴۷) مشکوۃ المصابیح باب الافلاس والانظار

(۹۴۸) سنن ابی داؤد کتاب الادب فی الوعد

(۹۴۹) مودودی، ”معاشیات اسلام“ ص ۹۱

(۹۵۰) القران ۶ : ۱۴۱

(۹۵۱) القران ۱۷ : ۲۶۔۲۷

(۹۵۲) القران ۷ : ۳۱

(۹۵۳) القران ۱۷ : ۲۹

(۹۵۴) القران ۲۵ : ۶۷

(۹۵۵) القران ۲۸ : ۷۷

(۹۵۶) آلوسی ، روح لمعانی ج ۱۵ ص ۵۹

(۹۵۷) شبیر احمد عثمانی تفسیر ص ۳۷۷، شاہ فہد پریس مدینہ ۱۹۹۵ء

(۹۵۸) آلوسی ، روح لمعانی ج ۱۶ ص ۲۱۶

(۹۵۹) القران ۷۱ : ۲۶

(۹۶۰) تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۶۲

(۹۶۱) نعمانی ”لغات القران“ ج ۵ ص ۱۷۲

(۹۶۲) راغب ”مفردات“ ص ۹۳۷

(۹۶۳) صحیح بخاری کتاب الزکوۃ

(۹۶۴) فتح الباری کتاب الزکوۃ

(۹۶۵) لسان بذیل مادہ

(۹۶۶) جصاص ، ابوبکر احمد بن علی الرازی حنفی، احکام القران سہیل اکیڈمی لاہور

ج ۳ ص ۱۰۶

(۹۶۷) جصاص ، ابوبکر احمد بن علی الرازی حنفی، احکام القران سہیل اکیڈمی لاہور ج ۳ ص ۱۰۶

(۹۶۸) جصاص ، ابوبکر احمد بن علی الرازی حنفی، احکام القران سہیل اکیڈمی لاہور ج ۳ ص ۱۰۷

(۹۶۹) القران ۳ : ۱۸۰

(۹۷۰) القران ۹ : ۳۴

(۹۷۱) مودودی ،" اسلام اور جدید معاشی نظریات" ص ۹۷

(۹۷۲) آزاد ابوالکلام ترجمان القران ،مشتاق پبلشرز کشمیری بازار لاہور ج ۲ ص ۱۳۱

(۹۷۳) القران ۱۰۲ : ۱۔۳

(۹۷۴) القران ۱۰۴ : ۱۔۴

(۹۷۵) القران ۲۸ : ۵۸

(۹۷۶) القران ۳۴ : ۳۴۔۳۵

(۹۷۷) القران ۵۹ : ۶

(۹۷۸) سنن ابوداؤد ، کتاب الفرائض

(۹۷۹) مظفر حسین ، معاشیات اسلام ص ۱۲۵

(۹۸۰) صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ ،باب وجوب الزکوۃ

(۹۸۱) القران ۹ : ۱۰۳

(۹۸۲) القران ۴۱ : ۶

(۹۸۳) القران ۹ : ۵

(۹۸۴) القران ۹ : ۱۱

(۹۸۵) صحیح بخاری ، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ

(۹۸۶) ولی اللہ شاہ، حجتہ اللہ البالغہ ص ۳۵۹

(۹۸۷) گیلانی اسعد سید، "اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ"، مکتبہ تعمیران انسانیت لاہور ص ۶۹

(۹۸۸) آزاد ابوالکلام ، ترجمان القران ص ۱۳۱

(۹۸۹) خورشید احمد ،اسلامی نظریہ حیات ص ۲۲۸

(۹۹۰) ابن منظور لسان العرب بزیل مادہ

کوکب عبدالنبی قاضی"مقالہ عشر" اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۳ ص ۳۴۷

(۹۹۱) القران ۶ : ۱۴۱

(۹۹۲) یوسف احمد ، کتاب الخروج ص ۳۲ قاھرہ ۱۳۰۶ء

(۹۹۳) القران ۲ : ۲۶۷

(۹۹۴) صحیح بخاری ، کتاب الزکوٰۃ باب العشر فیما یسقی من ماء اسماء والماء الجاری

(۹۹۵) سیوہاروی "اسلام کا اقتصادی نظام" ص ۱۱۸

(۹۹۶) مودودی ، "اسلام اور جدید معاشی نظریات" ص ۱۱۲

(۹۹۷) قطب سید ، "فی ظلال القران" ج ۱ ص ۵۹۱

(۹۹۸) سیوہاروی ، "اسلام کا اقتصادی نظام" ص ۳۱۲۔۳۱۴

(۹۹۹) القران ۴ : ۱۱

(۱۰۰۰) راغب مفردات ص ۱۰۷۳

(۱۰۰۱) القران ۲ : ۱۹۴

(۱۰۰۲) اکرم محمد خان ، مقالہ علم معاشیات، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۱ ص ۴۰۶

(۱۰۰۳) القران ۲ : ۲۱۹

(۱۰۰۴) القران ۲ : ۲۵۴

(۱۰۰۵) القران ۵۱ : ۱۹

(۱۰۰۶) القران ۲ : ۲۶۸

(۱۰۰۷) القران ۲ : ۲۷۲

(۱۰۰۸) القران ۳۵ : ۲۹۔۳۱

(۱۰۰۹) القران ۲ : ۲۷۶

(۱۰۱۰) القران ۳۰ : ۳۹

(۱۰۱۱) القران ۱۲ : ۲۸۰

(۱۰۱۲) مودودی، "اسلام اور جدید معاشی نظریات" ص ۱۰۳۔۱۰۶

(۱۰۱۳) القران ۲ : ۲۷۱

(۱۰۱۴) القران ۲ : ۲۶۷

(۱۰۱۵) القران ۲ : ۲۶۴

(۱۰۱۶) القران ۷۶ : ۸۔۹

(۱۰۱۷) القران ۲ : ۲۹۵

(۱۰۱۸) بحوالہ ابو عبیدالقاسم بن سلام "کتاب الاموال" اردو ترجمہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۹۵ء ص ۵۱۹

(۱۰۱۹) بحوالہ ابو عبیدالقاسم بن سلام "کتاب الاموال" ص ۵۱۹

(۱۰۲۰) مشکوۃ ، کتاب الزکوٰۃ ، باب صدقۃالفکر

(۱۰۲۱) ابن حزم ابو محمد علی بن احمد الظاھروی ، المحلی ج ۴ ص ۱۵۶ کتاب الزکوۃ مصر ۱۳۰۲ء

(۱۰۲۲) ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ۲۷

(۱۰۲۳) ابن حزم محلی ج ۲ کتاب الزکوۃ

(۱۰۲۴) القرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد " الجامع الاحکام القران" انتشارات ایران ۱۶۶۸ ج ۲ ص ۲۴۳

(۱۰۲۵) غزالی، احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۵

(۱۰۲۶) ولی اللہ شاہ، "حجتہ اللہ البالغہ" ، من ابواب الزکوٰۃ

(۱۰۲۷) القاسم ابو عبید ، کتاب الاموال ،ص ۷۸۶

(۱۰۲۸) ابو یوسف ، "کتاب الخراج" ص ۴۰۶

(۱۰۲۹) بحوالہ القاسم ، کتاب الاموال ص ۷۸۶

(۱۰۳۰) بحوالہ القاسم ، کتاب الاموال ص ۷۸۶ : ۱۶۶۶

(۱۰۳۱) بحوالہ القاسم ، کتاب الاموال ص ۷۸۶ : ۱۶۷۸

(۱۰۳۲) القاسم کتاب الاموال ص ۷۸۴

(۱۰۳۳) القاسم کتاب الاموال ص ۷۸۴

(۱۰۳۴) القاسم کتاب الاموال ص ۷۸۴

(۱۰۳۵) القاسم کتاب الاموال ص ۷۸۴

(۱۰۳۶) ابو یوسف "کتاب الخراج" ص ۷۰۴

(۱۰۳۷) ابو عبید ، کتاب الاموال ص ۷۸۵ : ۱۶۵۶

(۱۰۳۸) ابو عبید ، کتاب الاموال ص ۱۶۵۷

(۱۰۳۹) القرآن ۲ : ۲۱۹

(۱۰۴۰) اقتصادی کمیٹی ، اسلامی حکمت ص ۸۷-۸۸

(۱۰۴۱) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۶

(۱۰۴۲) تفسیر ماجدی (اردو) ج ۱ ص ۸۸

(۱۰۴۳) زمخشری الکشاف ج ۱ ص ۲۶۲

(۱۰۴۴) راغب مفردات ص ۷۰۹

(۱۰۴۵) نعمانی لغات القران ج ۴ ص ۳۳۰

(۱۰۴۶) امام عزیزی نزہتہ القلوب بحوالہ ایضاً

(۱۰۴۷) القرآن ۷ : ۱۹۹

(۱۰۴۸) رازی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۳

(۱۰۴۹) ابوعبداللہ القرطبی ، الجامع الاحکام القران ج ۱ ص ۱۹۱

(۱۰۵۰) مفتی احمد یار خان ، تفسیر نعیمی لاہور ۱۶۹۰ء ج ۲ ص ۳۸۹

(۱۰۵۱) القرآن ۲۵ : ۶

(۱۰۵۲) پانی پتی ثناء اللہ قاضی، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۴۵۲

(۱۰۵۳) تاج بحوالہ لغات القران ج ۵ ص ۹۳

(۱۰۵۴) راغب مفردات ص ۸۴۴

(۱۰۵۵) لغات القران ج ۵ ص ۹۳

(۱۰۵۶) القران ۲ : ۲۴۵

(۱۰۵۷) مودودی تفہیم القران ج ا ص ۱۸۵

(۱۰۵۸) محمد اکرم خان مقالہ علم معاشیات اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۱ ص ۴۴۳

(۱۰۵۹) صحیح بخاری کتاب البیوع باب من انظر معسراء

(۱۰۶۰) مشکوۃ کتاب البیوع ج ۲ ص ۲۸

(۱۰۶۱) مشکوۃ کتاب البیوع ج ۲ ص ۲۸

(۱۰۶۲) راغب مفردات بزیل مادہ و ص ی

(۱۰۶۳) القران ۴ : ۱۰

(۱۰۶۴) القران ۲ : ۱۸۰

(۱۰۶۵) ترمذی بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۱۱

(۱۰۶۶) تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۱۱

(۱۰۶۷) نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۱۔۳۵ بحوالہ مودودی معاشیات اسلام ص ۱۱۱

(۱۰۶۸) القران ۱۰۷ : ۷

(۱۰۶۹) مودودی ،"تفہیم القران" ج ۶ ص ۴۸۶

(۱۰۷۰) القران ۸ : ۴۱

(۱۰۷۱) بحوالہ مودودی اسلام اور جدید معاشی نظریات ص ۱۱۷

(۱۰۷۲) صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ ، باب فی الرکاز

(۱۰۷۳) ابو یوسف ، کتاب الخراج ص ۲۴

(۱۰۷۴) ابو عبید ، کتاب الاموال ص ۲۶

(۱۰۷۵) القران ۵۹ : ۱۰

(۱۰۷۶) خورشید احمد ، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۶۲

(۱۰۷۷) القران ۲۴ : ۲۷

(۱۰۷۸) القران ۲ : ۲۷۹

(۱۰۷۹) القران ۴ : ۷

(۱۰۸۰) القران ۵۹ : ۸

(۱۰۸۱) القران ۳۳ : ۲۸

(۱۰۸۲) القران ۱۸ : ۷۹۔۸۴

(۱۰۸۳) القران ۱۸ : ۳۲

(۱۰۸۴) القران ۲۴ : ۳۳

(۱۰۸۵) القران ۶ : ۱۴۱

(۱۰۸۶) القران ۲ : ۲۶۷

(۱۰۸۷) صحیح بخاری، کتاب الشرب باب ۲ ،
ولشہادت باب ۲۲

(۱۰۸۸) القرشی یحیی بن آدم ،کتاب الخراج ،حوالہ اقتصادی کمیٹی " موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت ۱۷۶

(۱۰۸۹) سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام

(۱۰۹۰) سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام حوالہ مذکور

(۱۰۹۱) طبری ج ۴ ص ۱۷۹ اردو ترجمہ حیدر علی ، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ حوالہ سنن ابن

(۱۰۹۲) القران ۵۶ : ۶۳۔۶۷

(۱۰۹۳) القران ۲۲ : ۵

(۱۰۹۴) القران ۸۰ : ۲۴۔۳۲

(۱۰۹۵) مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۴ بحوالہ سیوہاردی اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۶۵

(۱۰۹۶) مبسوط بحوالہ سیوہاردی اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۶۵

(۱۰۹۷) صحیح بخاری، کتاب الزراعۃ

(۱۰۹۸) بدرالدین عینی، شرح بخاری ج ۵ ص ۱۱۷ بحوالہ سیوہاردی اسلام کا اقتصادی نظام
ص ۱۶۵

(۱۰۹۹) سرخسی مبسوط کتاب المزارعۃ

(۱۱۰۰) ولی اللہ شاہ، حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۹

(۱۱۰۱) الجزائری عبدالرحمٰن ،کتاب الفقہ اردو ترجمہ منظور احسن عباسی ج ۲۶۰
علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب ۱۹۸۳ء ج ۳ ص ۳۶۰

(۱۱۰۲) ہدایہ اردو ترجمہ غازی احمد ، مکتبہ العلمیہ لاہور ۱۹۸۰ ص ۲۴۹

(۱۱۰۳) ابو یوسف کتاب الخراج ص ۳۱۱

(۱۱۰۴) ولی اللہ شاہ ، بحوالہ ماہنامہ بینات کراچی شمارہ صفر ۱۳۹۰ھ ص ۳۲

(۱۱۰۵) القران ۴ : ۵۸

(۱۱۰۶) القران ۸ : ۹۸

(۱۱۰۷) القران ۲ : ۲۸۳ ، مزید دیکھئے ۲۳ : ۸

(۱۱۰۸) القران ۳۶ : ۱۹۳

(۱۱۰۹) القران ۸۳ : ۱۔۳

(۱۱۱۰) القران ۱۱ : ۸۴۔۹۳

(۱۱۱۱) مودودی "تفہیم القران" ج ۲ ص ۵۵۔۵۶

(۱۱۱۲) صحیح مسلم کتاب الایمان مزید دیکھئے ترمذی کتاب البیوع باب ۴

(۱۱۱۳) مسند احمد ۳ : ۴۱۴ بحوالہ اردو ، دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۱ ص ۴۰۹

(۱۱۱۴) صحیح مسلم کتاب الایمان

(۱۱۱۵) سیوہاردی حفظ الرحمٰن " اسلام کا اقتصادی نظام" ص ۳۲۹

(۱۱۱۶) ابن اثیر ، نہایہ ج ۱ باب لامانت ص ۳۲۹

(۱۱۱۵) القران ۵۷ : ۲۵

(۱۱۱٦) القرآن ۵ : ۲۔۸

(۱۱۱۷) القرآن ۵ : ۸

(۱۱۱۸) القرآن ۴۲ : ۱۵

(۱۱۱۹) صحیح مسلم باب الامارۃ

(۱۱۲۰) صحیح بخاری کتاب الحدود

(۱۱۲۱) الطبری تاریخ ج ۲ ص ۴۵۰

(۱۱۲۲) الطبری تاریخ ج ۳ ص ۳۷۳

(۱۱۲۳) ابن سعد طبقات ج ۳ ص ۳۰٦

(۱۱۲۴) کنزالعمال ج ۵ ص ۲۲۸۰ بحوالہ مودودی خلافت و ملوکیت ص ۸۸

(۱۱۲۵) ابن سعد طبقات ج ۳ ص ۲۸

(۱۱۲٦) ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳

(۱۱۲۷) عبدالحمید ڈار، اسلامی معاشیات علمی کتاب خانہ لاہور ۱۹۹۵ء ص ۲۷

(۱۱۲۸) متی ٦ : ۲۴۔۲٦

(۱۱۲۹) لوقا ۱۲ : ۱۵۔۲۱

(۱۱۳۰) متی ۱۹ : ۲۳۔۲۴

(۱۱۳۱) سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۳۲

(۱۱۳۲) ندوی ابوالحسن علی سید " ارکان اربعہ" ص ۱۹۱

(۱۱۳۳) القرآن ٦ : ۷۳

(۱۱۳۴) القرآن ۲ : ۲۹

(۱۱۳۵) القرآن ۳۵ : ۳

(۱۱۳٦) القرآن ۱۳ : ۱٦

(۱۱۳۷) القرآن ۴ : ۱

(۱۱۳۸) القرآن ۵٦ : ۵۸۔۷۲

(۱۱۳۹) القرآن ۲۰ : ۸

(۱۱۴۰) القرآن ۳۲ : ۵

(۱۱۴۱) القرآن ۷ : ۵۴

(۱۱۴۲) القرآن ۶ : ۵۷

(۱۱۴۳) القرآن ۲۵ : ۲

(۱۱۴۴) القرآن ۲ : ۱۰۷

(۱۱۴۵) القرآن ۲۸ : ۷۰

(۱۱۴۶) القرآن ۱۸ : ۲۶

(۱۱۴۷) القرآن ۳ : ۱۵۴

(۱۱۴۸) القرآن ۵۷ : ۵

(۱۱۴۹) القرآن ۳۰ : ۴

(۱۱۵۰) القرآن ۵۹ : ۲۳

(۱۱۵۱) القرآن ۱۳ : ۹

(۱۱۵۲) القرآن ۶ : ۱۸

(۱۱۵۳) القرآن ۶۷ : ۱

(۱۱۵۴) القرآن ۳۶ : ۸۳

(۱۱۵۵) القرآن ۳ : ۸۳

(۱۱۵۶) القرآن ۱۰ : ۶۵

(۱۱۵۷) القرآن ۴۸ : ۱۱

(۱۱۵۸) القرآن ۱۸ : ۲۶

(۱۱۵۹) القرآن ۸۵ : ۱۳_۱۶

(۱۱۶۰) القرآن ۵ : ۱

(۱۱۶۱) القرآن ۱۳ : ۴۱

(۱۱۶۲) القران ۱۸ : ۲۷

(۱۱۶۳) القران ۹۵ : ۸

(۱۱۶۴) القران ۷ : ۱۲۸

(۱۱۶۵) القران ۷ : ۵۴

(۱۱۶۶) القران ۶ : ۱۶۴

(۱۱۶۷) القران ۱۱۴ : ۱۔۳

(۱۱۶۸) القران ۱۰ : ۳۱۔۳۲

(۱۱۶۹) القران ۴۲ : ۱۰

(۱۱۷۰) القران ۱۲ : ۴۰

(۱۱۷۱) القران ۳ : ۱۵۴

(۱۱۷۲) القران ۷ : ۵۴

(۱۱۷۳) القران ۵ : ۳۸۔۴۰

(۱۱۷۴) القران ۲ : ۲۱۶

(۱۱۷۵) القران ۲ : ۲۲

(۱۱۷۶) القران ۲ : ۲۳۲

(۱۱۷۷) القران ۴ : ۱۱

(۱۱۷۸) القران ۱۶ : ۳۶

(۱۱۷۹) القران ۹۸ : ۵

(۱۱۸۰) القران ۷ : ۳

(۱۱۸۱) القران ۱۳ : ۳۷

(۱۱۸۲) القران ۲ : ۲۲۹

(۱۱۸۳) القران ۵ : ۴۴

(۱۱۸۴) القران ۵ : ۴۵

(۱۱۸۵) القران ۵ : ۴۷

(۱۱۸۶) القران ۳۳ : ۳۶

(۱۱۸۷) القران ۲۴ : ۵۱

(۱۱۸۸) القران ۴۲ : ۳۸

(۱۱۸۹) القران ۳ : ۱۵۹

(۱۱۹۰) ابن عطیہ بحوالہ حامد الانصاری ”اسلام کا نظام حکومت“ مکتبہ الحسن لاہور ص ۳۰۲

(۱۱۹۱) ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری، ۳ : ۱۵۹

(۱۱۹۲) مودودی ”اسلامی ریاست“ اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۵ ص ۳۷۳

(۱۱۹۳) راغب مفردات ص ۱۵۶

(۱۱۹۴) اظہر ظہور احمد مقالہ خلافت اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۸ ص ۹۸۸

(۱۱۹۵) حسن ابراہیم حسن ڈاکٹر، النظم الاسلامیہ مترجم اردو علیم اللہ دارلاشاعت کراچی ص ۲۰

(۱۱۹۶) ارنلڈ ٹامس The Caliphate بحوالہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ص ۲۱

(۱۱۹۷) مودودی خلافت و ملوکیت، ص ۳۳۔۳۴

(۱۱۹۸) القران ۲ : ۳۱

(۱۱۹۹) القران ۷ : ۱۰

(۱۲۰۰) القران ۲۴ : ۶۵

(۱۲۰۱) القران ۷ : ۶۹

(۱۲۰۲) القران ۷ : ۷۴

(۱۲۰۳) القران ۷ : ۱۲۹

(۱۲۰۴) القران ۷ : ۱۲۹

(۱۲۰۵) القران ۳۵ : ۳۹

(۱۲۰۶) القران ۸۹ : ۶۔۷

(۱۲۰۷) القران ۹۷ : ۱۷۔۲۴

(۱۲۰۸) القران ۱۸ : ۵۵

(۱۲۰۹) القران ۴ : ۵۹

(۱۲۱۰) القران ۳ : ۱۱۸

(۱۲۱۱) القران ۹ : ۱۶

(۱۲۱۲) القران ۲۶ : ۱۵۱۔۱۵۲

(۱۲۱۳) القران ۴۹ : ۱۳

(۱۲۱۴) القران ۳۸ : ۲۸

(۱۲۱۵) القران ۲ : ۱۲۴

(۱۲۱۶) القران ۴ : ۵

(۱۲۱۷) القران ۲ : ۲۴۷

(۱۲۱۸) القران ۳۸ : ۲۰

(۱۲۱۹) القران ۱۲ : ۵۵

(۱۲۲۰) القران ۴ : ۸۳

(۱۲۲۱) القران ۳۹ : ۹

(۱۲۲۲) القران ۴۴ : ۵۸

(۱۲۲۳) القران ۵۰ : ۸

(۱۲۲۴) القران ۴ : ۳۴

(۱۲۲۵) صحیح بخاری کتاب النبی الی کسریٰ

(۱۲۲۶) بلنچلی دی "تھیوری آف دی "ص ۱۹۳ بحوالہ اصلاحی امین احسن اسلامی ریاست فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۷۸

(۱۲۲۷) القران ۵۷ : ۲۵

(۱۲۲۸) القران ۲۲ : ۴۱

(۱۲۲۹) تفسیر ابن کثیر بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۳۳۴

(۱۲۳۰) مودودی ، اسلامی ریاست ص ۳۸۰

(۱۲۳۱) القران ۲۸ : ۸۳

(۱۲۳۲) صحیح بخاری، کتاب الاحکام باب ۷

(۱۲۳۳) سنن ابو داؤد کتاب الامارة باب ۲

(۱۲۳۴) کنزالعمال ج ۶ ص ۲۰۶ بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۴۱۱

(۱۲۳۵) بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۴۱۱

(۱۲۳۶) بحوالہ عبدالرشید لغات القران ج ۴ ص ۲۵۳

(۱۲۳۷) بحوالہ عبدالرشید لغات القران ج ۴ ص ۲۵۳

(۱۲۳۸) القران ۲ : ۱۹۴

(۱۲۳۹) القران ۴۲ : ۴۰

(۱۲۴۰) القران ۱۶ : ۹۰

(۱۲۴۱) راغب مفردات ص ۳۲۵

(۱۲۴۲) مودودی اسلامی ریاست ص ۶۴۳

(۱۲۴۳) علی ہجویری شیخ، کشف المحجوب، تلخیص اردو محمد طفیل ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ص ۳۶۹

(۱۲۴۴) القران ۴۲ : ۱۵

(۱۲۴۵) القران ۵ : ۸

(۱۲۴۶) القران ۱۶ : ۹۰

(۱۲۴۷) القران ۴ : ۵۸

(۱۲۴۸) القران ۴ : ۱۳۵

(۱۲۴۹) القران ۴ : ۳

(۱۲۵۰) القران ۵۱ : ۱۹

(۱۲۵۱) القران ۹ : ۱۰۳

(۱۲۵۲) القران ۵۹ : ۷۰

(۱۲۵۳) القران ۲ : ۲۱۹

(۱۲۵۴) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ

(۱۲۵۵) جامع ترمذی، باب کتاب النکاح

(۱۲۵۶) صحیح بخاری، کتاب النفقات

(۱۲۵۷) سنن ابو داؤد کتاب الفرائض

(۱۲۵۸) بحوالہ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۶۳

(۱۲۵۹) بحوالہ خورشید احمد پرویز، اسلامی نظریہ حیات ص ۴۶۳

(۱۲۶۰) القران ۴ : ۵۹

(۱۲۶۱) القران ۳۳ : ۳۶

(۱۲۶۲) القران ۵ : ۴۴، ۴۵، ۴۷

(۱۲۶۳) صحیح بخاری ، باب الاحکام

(۱۲۶۴) صحیح مسلم، باب الامارۃ

مزید دیکھئے جامع ترمذی باب الجہاد

(۱۲۶۵) صحیح باب الاحکام

(۱۲۶۶) مسند احمد بن حنبل باب ۵ : ۶۶

(۱۲۶۷) مودودی ، اسلامی ریاست ص ۳۸۵۔۳۸۶

(۱۲۶۸) القران ۵ : ۳۳

(۱۲۶۹) القران ۲ : ۲۲۸

(۱۲۷۰) القران ۴ : ۳۲

(۱۲۷۱) القران ۱۱ : ۶

(۱۲۷۲) القران ۵۱ : ۱۹

(۱۲۷۳) القران ۷٦ : ۸

(۱۲۷۴) القران ۴۹ : ۱۳

(۱۲۷۵) القران ۴۲ : ۳۸

(۱۲۷٦) مالک بن انس الموطا ، کتاب العتق

(۱۲۷۷) مودودی، اسلامی ریاست ص ۵٦۳

(۱۲۷۸) القران ۲ : ۱۸۸

(۱۲۷۹) القران ۴۹ : ۱۱

(۱۲۸۰) القران ۴۹ : ۱۱

(۱۲۸۱) القران ۴۹ : ۱۳

(۱۲۸۲) القران ۲۴ : ۲۷

(۱۲۸۳) القران ۴۹ : ۱۲

(۱۲۸۴) القران ۴ : ۱۴۸

(۱۲۸۵) القران ۲ : ۲۵٦

(۱۲۸٦) القران ۸۸ : ۲۴

(۱۲۸۷) القران ۱۰ : ۹۹

(۱۲۸۸) القران ٦ : ۱۰۸

(۱۲۸۹) القران ۳ : ۱۰۴

(۱۲۹۰) مودودی، اسلامی ریاست ص ۵٦۹

(۱۲۹۱) القران ۵ : ۷۹

(۱۲۹۲) القران ۷ : ۱٦۵

(۱۲۹۳) القران ۴۹ : ٦

(۱۲۹۴) القران ۴۹ : ۱۲

(۱۲۹۵) القران ۱۷ : ۳۴

(۱۲۹۶)	القران ۷ : ۹

(۱۲۹۷)	القران ۹ : ۴

(۱۲۹۸)	القران ۸ : ۴۲

(۱۲۹۹)	القران ۸ : ۵۸

(۱۳۰۰)	القران ۱۶ : ۹۱

(۱۳۰۱)	القران ۱۶ : ۹۴

(۱۳۰۲)	القران ۵ : ۸

(۱۳۰۳)	القران ۴ : ۹۰

(۱۳۰۴)	القران ۸ : ۶۱

(۱۳۰۵)	القران ۲۸ : ۸۳

(۱۳۰۶)	القران ۶۰ : ۸

(۱۳۰۷)	القران ۵۵ : ۶۰

(۱۳۰۸)	القران ۲ : ۱۹۴

(۱۳۰۹)	القران ۱۶ : ۱۲۶

(۱۳۱۰)	القران ۴۲ : ۴۰

(۱۳۱۱)	القران ۴ : ۵۹

(۱۳۱۲)	القران ۵ : ۴۸

(۱۳۱۳)	القران ۳۸ : ۲۶

(۱۳۱۴)	مودودی ، خلافت و ملوکیت ص ۵۵

(۱۳۱۵)	مودودی ، خلافت و ملوکیت ص ۵۶

(۱۳۱۶)	مودودی ، خلافت و ملوکیت ص ۵۷

(۱۳۱۷)	القران ۱۷ : ۸۰

(۱۳۱۸)	مودودی، ”تفہیم القران“ ج ۲ ص ۲۳۸

(۱۳۱۹) کنزالعمال بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۲۰

(۱۳۲۰) ابن حزم ، الفصل بین الملل والنحل بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۲۰

(۱۳۲۱) ولی اللہ شاہ، ازالۃ الخفا
مقصد اول فصل اول بحوالہ مودودی اسلامی ریاست ص ۲۰

(۱۳۲۲) مودودی، اسلامی ریاست ص ۱۷۲

(۱۳۲۳) متی ۴ : ۱۰

(۱۳۲۴) متی ۶ : ۱۰

(۱۳۲۵) متی ۱۵ : ۳،۹ مزید دیکھئے مرقس ۷ : ۵-۱۴

باب ہفتم

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث

عیسائیت اور اسلام دونوں اہم اور الہامی مذاہب ہیں دونوں کے انبیاء تاریخ مذہب میں امتیازی مقام رکھتے ہیں ۔حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے اور حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کے آخری رسول ہیں ۔آج بھی یہ دونوں الہامی مذاہب دنیا میں ایک منفرد درجہ رکھتے ہیں اور اس وقت دنیا کے یہی دو بڑے مذاہب ہیں ۔اسی لئے ان مذاہب کے مبلغین بعض دفعہ یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ مشترک تعلیمات پر دونوں کا اتفاق ہونا چاہیے توحید رسالت آخرت اور نوع انسانی کی خدمت ان مذاہب کی بنیادی تعلیمات ہیں ۔ان ہی باتوں کی ترویج واشاعت دونوں کے پیش نظر رہنی چاہیے۔ان پر اتفاق کر کے اپنے سفر کا آغاز کرنا چاہیے ۔اس کی ضرورت اب بھی محسوس کی جارہی ہے۔رومن کیتھولک چرچ بشپ آف شکاگو فرانکس کارڈ منیل جارج نے ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا "دیگر مذاہب کو نظر انداز کئے بغیر اسلام اور مسیحیت میں خصوصی مکالمہ ضروری ہے انھوں نے کہا کہ نئی صدی کی تشکیل میں اسلام اور مسیحیت دونوں توقعات سے بڑھ کر کردار ادا کریں گے۔انھوں نے مزید کہا کہ نوع انسانی کے بارۓ میں اسلام کے تصورات کے باعث یہ دین اہم ہے اور اسی لئے یہ ہر جگہ فروغ پا رہا ہے۔"(۱)

اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے احکام انبیاء کرام کے ذریعے بھیجے اس سلسلے کی پہلی کڑی حضرت آدمؑ تھے اور آخر میں انسانوں کا یہ ضابطہ حیات حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوگیا۔یہ دین خدا کا آخری مکمل اور تمام بنی نوع انسان کے پیغام ہے یہ ایسی جامع اور مکمل تعلیمات ہیں کہ اس کے بعد کسی اور ضابطہ حیات کی ضرورت نہیں ۔اس کے اصول ہمیشہ کے لئے ہر قوم اور ہر زمانے کے لئے کافی ہیں۔

اس دین کا آخری ضابطہ حیات قرآن حکیم جوں کا توں اصلی حالت میں محفوظ ہے۔اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔اس پر سب کا اتفاق ہے۔قرآن حکیم احادیث اور تاریخ اس پر گواہ ہیں ۔اس کی حفاظت کا ذمہ خود مالک کائنات نے لیا ہے۔

انا نحن نزالنا الذکر و انا له لحفظون(۲)

رہا یہ ذکر تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم اس کے خود نگہبان ہیں۔

ان علینا جمعه و قرانه(۳)

اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ تعالی کے ان فرامین کے مطابق یہ کام احسن طریقے سے مکمل ہوا۔صدیاں گزر چکی ہیں اور قیامت تک قران حکیم محفوظ رہے گا۔ یہ جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح آج موجود ہے ہر زمانے میں اور آج تک اس کے کرڑوں نسخے موجود رہے ہیں کسی میں ایک الفاظ کا اختلاف نہیں۔

اس کے مقابلے میں ذرا انجیل پر نظر ڈالیے کہا جاتا ہے کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی مگر موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے مگر اس ترجمہ کی اسناد ان کے پاس موجود نہیں۔ یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔علامہ رحمت اللہ کیرانوی فرماتے ہیں کہ میزان الحق کا مصنف بھی باوجود اپنے پورے زور بیان کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ غالب یہی ہے کہ متی نے اسے یونانی میں لکھا تھا مگر بغیر دلیل اس کا ظن قبول نہیں کیا جا سکتا اس لئے یہ ترجمہ واجب تسلیم نہیں ہے۔(۴)

جیروم نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل مرقس کے آخری باب میں شک کرتے تھے اور بعض متقدمین اسی انجیل کے پہلے دو بابوں میں شک کرتے تھے۔(۵)

اسی طرح پوری طرح سند ہے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے وہ اسی کی تصنیف ہے۔محقق برطشیند رکھتا ہے کہ یہ ساری انجیل اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔(٦)

غرض اناجیل کی حفاظت کا یہ حال ہے۔نہ یہ اصل زبان میں ملتی ہے اور نہ ہی اس کے راوی اور نقل وتواتر کی کوئی صورت موجود ہے۔اصل متن کا وجود نہیں یہ اناجیل حضرت عیسیٰ نے نہیں لکھیں بلکہ انھوں نے ان کو دیکھا تک نہیں۔ان کے لکھنے والوں کی تفصیلات صحیح طور پر معلوم نہیں وہ غیر معروف اور مجہول ہیں۔ جب اصل متن موجود نہ ہو تو تراجم پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور مترجم کے بارے میں حقائق نہیں ملتے۔

تدوین وحفاظت کے بعد ان دونوں کتب کے مضامین دیکھتے ہیں۔

اناجیل اورقران حکیم کے تقابلی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اہم مضامین حیات مسیح کے اہم پہلو اور تعلیمات ہیں۔حیات مسیح کے اہم پہلو ولادت ،حالات زندگی معجزات ،حیات رفع مسیح (مصلوبیت) نمایاں ہیں ۔تعلیمات میں عقائد (توحید رسالت ۔ آخرت ۔تثلیث ۔ابنیت ۔کفارہ) عبادات اور زندگی کے مختلف شعبے مثلاً اخلاقی ،معاشی ،معاشرتی اور سیاسی قابل ذکر ہیں ۔ان کو ذیل میں کچھ تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

قران حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ ولادت کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ "ایک دن ان کی والدہ بی بی مریم اپنے عبادت خانہ کے گوشہ تنہائی میں تھی اور پردہ ڈال کر چپ بیٹھی تھی کہ حضرت جبرائیلؑ ان کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوئے وہ گھبرا کر کہنے لگی کہ اگر تو کوئی نیک آدمی ہے تو میں تجھ سے خدا رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اس نے کہا تو گھبرا نہیں ۔میں تیرے رب کا فرشتہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں ۔مریم نے کہا کہ میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو انسان نے آج تک چھوا نہیں اور نہ ہی میں کوئی خراب عورت ہوں فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا ۔تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور یہ کام ہو کر رہے گا"(۷)

"اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال پیش کرتا ہے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ۔پھر ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے کے لئے نشانی بنا دیا"(۸)

"وہ (جب) مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا وہ اس کو لیے ہوئے ایک دور مقام پر چلی گئی پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا ۔وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا ۔فرشتے نے پائیتی سے اس کو پکار کر کہا غم نہ کر تیرے رب نے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے ۔اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا ۔تیرے اُوپر تر و تازہ کھجور ٹپک پڑیں گی تُو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر ۔۔۔۔۔۔پھر وہ اس بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی لوگ کہنے لگے یہ تو تُو نے بڑا پاپ کر ڈالا ۔اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ ایک برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں کوئی بدکار عورت تھی ۔مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا لوگوں نے کہا ہم اس سے کیا بات کریں یہ گہوارہ میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے ۔بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنا کر بھیجا اور بابرکت کیا ۔"(۹)

"اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا"(۱۰)

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کو معجزانہ قرار دیا ہے۔انہیں ابن مریم کہا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ نے گہوارے میں اپنی نبوت کی تصدیق کی۔

مسیحی نقطہ نظر ولادت مسیح کے بارے میں کچھ اس طرح بیان ہوا ہے کہ متی اور لوقا کی دونوں اناجیل اس بات پر متفق ہیں کہ یسوع مسیح انسانی باپ کے بغیر پیدا ہوئے بلکہ روح پاک کی معرفت ان کی ولادت ہوئی۔

"یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکھٹے ہونے سے قبل وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی"(۱۱)

"یہ سب کچھ ہوا تا کہ جو خداوند نے ہی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا کہ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور اس سے بیٹا ہوگا"(۱۲)

"اور فرشتے نے اس سے کہا اے مریم نہ ڈر کیونکہ تو نے خدا کے نزدیک فضل پایا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہوگئی اور تیرے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھے گی۔۔۔۔۔۔تب مریم نے فرشتے سے کہا یہ کس طرح ہوگا۔ جب کہ میں مرد سے ناواقف ہوں اور فرشتے نے جواب میں اس سے کہا روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور حق تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"(۱۳)

قران حکیم اور اناجیل میں یہی کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے عام انسانی طریقہ سے ہٹ کر ہوئی۔ اناجیل میں بھی کنواری مریم اور روح القدس کے ذریعہ حاملہ ہونے کا ذکر ہے۔گو موجودہ اناجیل میں مریم کے خاوند کا نام یوسف موجود ہے لیکن قران حکیم اس کی تائید نہیں کرتا بلکہ ان کو ابن مریم کہا اناجیل میں یوسف نامی شخص کا ذکر تحریف کی ایک شکل ہے۔

اناجیل اربعہ میں یسوع کے کثیر تعداد میں معجزات بیان ہوئے ہیں۔اس مقالے کے باب چہارم میں ان معجزات کا تفصیلی ذکر ہے۔

ان میں سے بعض معجزات مثلاً پرندوں کو پھونک مار کر اڑا دینا اناجیل میں مذکور نہیں۔ان معجزات کے بارے میں قرآن حکیم نے خاص طور پر یہ کہا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ کا کوئی ذاتی اختیار نہیں تھا بلکہ یہ حکم خداوندی کے تحت ان سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔

حیات وفات رفع (مصلوبیت) مسیح اناجیل وقران حکیم کا ایک اور اہم مسئلہ ہے۔اس بارے میں اناجیل کا خلاصہ

یہ ہے کے یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے یسوع کو اپنے انجام کا اندازہ ہو گیا اسی لئے آپؑ نے شاگردوں سے کہا کہ میرے پکڑنے اور سولی کا انتظام ہوا چاہتا ہے۔(۱۴)

اور ایک شاگرد یہودہ اسخر یوطی تیس دینار کے عوض آپؑ کو پکڑوانے کے لیے تیار ہو گیا(۱۵) آخرکار یہودہ اسخر یوطی کاہنوں اور سرداروں کی جماعت لیے ہوئے تلواروں اور لاٹھیوں وغیرہ سے مسلح ظاہر ہوا اور یسوع کو گرفتار کر لیا گیا۔ شاگردوں نے کچھ مزاحمت بھی کرنی چاہی۔مگر حضرت مسیح کے منع کرنے پر اور یہ کہنے پر کہ جو نوشتے ہیں ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔تمام شاگرد آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے(۱۶)

یسوع کو پکڑ کر صدر کاہن کے پاس پیش کیا گیا۔ پھر کاہن اعظم نے قسم دے کر پوچھا کہ تو خدا کا بیٹا مسیح ہے اس پر آپ نے کہا تو نے خود ہی کہہ دیا ہے۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم (مسیح) کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھو گے اس پر کاہن اعظم نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔اب ہمیں گواہوں کی کیا ضرورت ہے ۔لوگوں سے مشورہ پر آپ کے قتل کا فتوی صادر کر دیا۔(۱۷)

"یہودی رومی حکومت کے ماتحت تھے اس لئے خود کسی کو قتل کی سزا نہیں دے سکتے تھے۔اس لیے مقدمہ رومی گورنر پیلاطس کے سامنے پیش کیا گیا۔ رومی حاکم یسوع کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر یہودیوں نے حالات خراب کر دیئے یہ دیکھ کر اس نے پانی سے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس خون سے بری الزمہ ہوا اور مصلوب کرنے کے لیے حوالے کر دیا۔ یہودیوں کا جلوس یسوع کی بے عزتی کرتا ہوا انھیں جائے مصلوب پر لے گیا اور آپ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ یسوع نے بھاری آواز سے چلا کر جان دے دی۔ یسوع دوبارہ زندہ ہوئے اپنے شاگردوں سے ملے اس کے بعد وہ جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا کے داہنی جانب جا کر بیٹھ گیا(۱۸)

قران حکیم نے حضرت عیسیٰؑ کے حیات ورفع کے مسئلے کو ایک خاص انداز میں بیان کیا اس غیر معمولی واقعہ پر قرانی تعلیمات کا خلاصہ اس طرح ہے۔

سورۃ ال عمران میں آتا ہے۔

اذ قال الله یعسیٰی انی متوفیك و ر افعك الی و مطهرك من الذین كفروا(۱۹)

جب اس کہا کہ اے عیسیٰ اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور جنھوں نے تیرا انکار کیا ان سے (یعنی ان کی معیت سے اور ان کے گندے ماحول سے ان کے ساتھ رہنے سے تجھے پاک کردوں گا۔

قتادہ کے نزدیک یہ دراصل انی رافعك الی متوفیك یعنی اس وقت تو میں تمھیں اپنے پاس اٹھالوں گا اور پھر تمھیں اپنی عمر دنیا میں بسر کرنے کے بعد وفات دونگا (۲۰)

ابن جبریر کہتے ہیں یہاں پہلے لفظ کے معنی بعد میں اور دوسرے کے معنی پہلے کرنے چاہیے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے (۲۱) اس قول کی تائید اس حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے۔

ان عیسی لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة (۲۲)

حضرت عیسیٰ نے ابھی وفات نہیں پائی وہ قیامت سے پہلے نازل ہونگے۔

توفی کا مادہ وفی ہے اس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی لکھی ہوئی عمر پوری کر لیتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی روح پوری وصول کی جاتی ہے اس لئے مجازی اور کنایہ کے طور پر یہ لفظ موت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۱) نیند (۲) موت (۳) جسم و روح سمیت اٹھالیا جانا۔ یہاں یہ لفظ اسی تیسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۲۳) قران حکیم میں آتا ہے۔

وما قتلوه وماصلبوه ولکن شبه لهم وان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه ۔مالهم به من علم الا اتباع الظن وماقتلوه یقیناه بل رفعه الله الیه وکان الله عزیز حکیما (۲٤)

ترجمہ: "نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا۔ بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کے بارے اختلاف کیا ہے۔ وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی ہے انھوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔"

تعلیمات

انبیاء کی کتب اصلاحی تعلیمات کا مجموعہ ہوتی ہے اللہ تعالی اپنے احکامات انسانوں تک ان ہی کے ذریعے بھیجتا ہے۔ان میں عقائد بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔اناجیل اور قرآن حکیم کے مشترک عقائد توحید رسالت اور آخرت ہیں لیکن اناجیل میں یہ مبہم دھندلے سے نظر آتے ہیں لیکن قران حکیم نے انہیں نہایت ہی واضح روشن اور تفصیل سے پیش کیا ہے۔ان سے انسانی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور آخروی نجات کے لیے یہ ضروری ہے۔اس لئے ان پر بہت زور دیا گیا ہے۔

عقیدہ، تثلیث، ابنیت اور کفارہ موجودہ مسیحیت کے اہم ستون ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ لفظ تثلیث نہ تو اناجیل اربعہ میں آیا ہے اور نہ ہی صاف طور پر اس عقیدہ کا ذکر ہے۔یہ تصور آہستہ آہستہ مسیحیت میں داخل ہوا اور تیسری چوتھی صدی کی کونسلوں نے اس عقیدہ کو یہ شکل دی جو آج پائی جاتی ہے۔ابن کا لفظ گو اناجیل میں موجود ہے۔عہد نامہ قدیم میں بھی یہ لفظ خدا کے برگزیدہ منتخب محبوب اور نیک لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔غرض بائبل میں اس کا ذکر تمثیلی اور اشاراتی زبان میں ہوا ہے۔اناجیل میں بھی اس سے مراد خدا کا محبوب اور پیارا نبی مراد تھا لیکن مسیحیوں نے اس کو اصل بیٹا مان لیا۔اسی طرح عقیدہ کفارہ بھی موجودہ مسیحیت کا ایک منفرد نظریہ ہے۔اس عقیدہ کو نہ عقل تسلیم کرتی نہ ہی دینی ادب میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔کونسی عقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ غلطی باپ کرے اور سزا بیٹے کو ملے۔اس نظریے سے انسان کا اخلاق اور کردار ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

قران حکیم نے ان تینوں نظریات پر زور تردید کی ہے تثلیث سے باز رہنے کا حکم دیا اور خالص توحید کا حکم دیا اور کہا کہ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ہر کوئی اپنے اعمال کا ذمے دار ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اناجیل اربعہ اور قران حکیم کا ایک اور علمی پہلو تعلیمات ہے۔ان میں نمایاں عبادت، اخلاقی تعلیمات، معاشرتی تعلیمات، معاشی تعلیمات اور سیاسی تعلیمات ہیں۔

اسلام میں عبادت کی مخصوص شکل ارکان کی صورت میں موجود ہے۔اور پھر اسلام نے ان ارکان کو ہی عبادت نہیں کہا بلکہ ان ارکان پر عمل کر کے اپنی تمام زندگی خدا اور رسول کے احکامات کے مطابق ڈھالنا ہے اسطرح مسلمان کی تمام زندگی اور

ہرلمحہ عبادت بن جاتا ہے۔تقابلی مطالعے سے دیکھا جائے تو اناجیل اربعہ میں عبادت کی کوئی واضح اور مخصوص شکل نظر نہیں آتی۔ بقول مسیحی عالم ایف ایس خیر اللہ اس کے متعلق معلومات مبہم اور غیر واضح ہیں۔ یہاں تک کہ ہفتہ وارانہ عبادت کا دن اور مسیح کے جی اٹھنے ایسٹر کے کے متعلق بھی کچھ پتہ نہیں چلتا (۲۵) اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں مسیحیت کے یہاں عبادت کی کوئی صاف اور واضح شکل نہیں تھی جیسا کہ صلوۃ صوم، زکوۃ اور حج کا واضح نظام اسلام میں ابتدا سے موجود ہے۔

پھر کردار سازی کے لئے اسلام نے ایک اخلاقی نظام بھی دیا ہے۔قران حکیم اخلاقی تعلیمات سے پُر ہے۔اس میں انسانی تہذیب اور اخلاق کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ افراد اور اقوام کی بہتری کے لئے کسی قسم کے اخلاق و اداب ضروری ہیں غرض قران حکیم اخلاقی تعلیمات کا ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے۔

اناجیل میں بھی کچھ اخلاقی تعلیمات بیان ہوئی ہیں لیکن وہ اس قدر مفصل جامع اور ہمہ گیر نہیں ہیں جیسے کہ قران حکیم نے بیان کی ہیں اور پھر وہ تفصیلات اور تشریحات سے بھی خالی ہیں۔لیکن قران وسنت نے اخلاقی احکام کے تمام جزئیات اور پہلو بیان کیے ہیں یہ اس لئے کہ یہ تعلیمات اناجیل کی طرح کسی کا خاص قوم یا زمانہ تک کے لیے محدود نہیں تھیں بلکہ اسلامی تعلیمات عالمگیر جامع اور رہتی دنیا کے لیے ہیں۔ یہاں تمام انسانی اخلاق کھول کر بیان ہوئے ہیں اس طرح ان پر عمل کرنا بھی ممکن ہوگیا۔

اسلام ایک دین کامل اور اجتماعی و انفرادی زندگی کا نہایت جامع اور مکمل دستور ہے اس کے اس اپنا ایک معاشرتی اور تمدنی نظام ہے۔ اسلامی معاشرہ وحدت نسل انسانی، شرف انسانیت، اخوت، عدل و انصاف امر بالمعروف و نہی عن المنکر، عفت و پاکیزگی، ہمدردی و ایثار اور جوابدہی کے اصولوں پر قائم ہے۔خاندان، مسجد، مکتب، ریاست اس کے قابل ذکر ادارے ہیں۔

اناجیل کی معاشرتی تعلیمات قران حکیم کی طرح کوئی واضح اور تفصیلی معاشرے کا نقشہ پیش نہیں کرتی۔اسلام اپنے معاشرے کا ایک مکمل نقشہ پیش کرتا ہے۔دراصل موجودہ اناجیل قران حکیم کی طرح مکمل ضابطہ حیات نہیں ہیں۔جبکہ قران حکیم اسلامی تہذیب و تمدن معاشرت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تعلیمات کی کتاب ہے۔

اسلام نے زندگی گزارنے کیلئے معیشت کے اصول بھی دیئے ہیں۔معیشت کے ان اصولوں کو اسلام کا معاشی نظام کہا جاتا ہے۔دین و دنیا کی کامیابی کے ساتھ (فلاح) اسلامی معیشت کا ایک اہم مقصد حصول دولت اور تقسیم دولت کے

بارے میں جائز اور حلال طریقے سکھانا ہے۔اسلامی معیشت کے یہ اصول قابل ذکر ہیں ۔کائنات کی جملہ اشیاء کا مالک اللہ تعالی ۔رزق من اللہ۔حق معیشت میں مساوات،معاشی جدو جہد حلال وحرام کی تمیز،حرمت سود،محنت تجارتی ضابطہ(دیانت باہمی رضامندی ،ذخیرہ اندوزی اور جوا کی مخالفت اور صحیح ماپ تول وغیرہ)تقسم دولت کے اصول(زکوۃ،وصیت،انفاق،عفو،خمس وغیرہ)انفرادی ملکیت ،تحدید ملکیت،قرض حسنہ،سماجی فلاح،معاشی عدل۔اسلام نے معاشی اصول بیان کر کے مزید تفصیلات زمانہ اور حالات کے مطابق لوگوں کی فلاح و بہبود پر چھوڑ دی ہیں۔قران وسنت کی روح کوملحوظ رکھتے رفاہ عامہ کے لئے معاشی نظام مرتب کیا جاسکتا ہے اس سلسلے میں وحی الہی ،رسول اکرم ﷺ کی تشریع،امت مسلمہ کے علما و ماہرین معاشیات کا اجتہاد اور یہ اجتہا د بوقت ضرورت قیاس،استحسان،مصالح مرسلہ وغیرہ کی شکل اختیار کرسکتا ہے۔

اناجیل میں معیشت کے کوئی مستقل اصول نہیں ملتے۔یہاں تو خیرات وصدقات کا کوئی مفصل اور واضح ضابطہ اور کوئی منضبط اور مرتب قانون بھی نہیں ملتا۔جو کچھ بھی ملتا ہے اس کی حیثیت محض اخلاقی ہدایات اور پند ونصائح کی سی ہے جبکہ اسلام کے نظام صدقات کوئی دیکھا جائے تو اس میں زکوۃ،عشر،انفاق،العفو وغیرہ جیسی تفصیلات ہیں اور یہ بھی الگ الگ منظم شکل میں موجود ہیں۔

زکوۃ اس کی سرکاری تحصیل مصارف،نصاب،شرح تمام کی تفصیلات موجود ہیں۔مگر اس طرح کا قانونی اور مربوط نظام ہمیں اناجیل میں نظر نہیں آتا۔

اللہ تعالی کی زمین میں اللہ تعالی ہی کا قانون نافذ ہونا چاہیے۔اللہ کے پیغمبروں نے ریاست وحکومت کی اصلاح بھی کی۔ قران حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ حضرت یوسفؑ حضرت سلیمانؑ اور حضور اکرم ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست قائم کی اور اسے عمدگی سے چلایا۔قران حکیم میں قابل ذکر سیاسی اصول یہ ہیں ۔ حاکمیت الہیہ ،شوری خلافت ، فلاحی ریاست ۔عدل و انصاف،نیکی کی ترویج، برائی کا خاتمہ،بنیادی حقوق کی ضمانت،قانون کی حکمرانی، بین الاقوامی معاہدات کا احترام وغیرہ۔

اناجیل میں اس طرح ریاست کی پالیسی کے اصول نہیں ملتے۔

غرض قران حکیم مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس میں مختلف شعبہ جائے زندگی کے متعلق رہنمائی اور بنیادی اصول موجود ہیں۔اس کی مثال اناجیل میں موجود نہیں۔لیکن مقام افسوس ہے کہ ہم مسلمان مفصل اور مکمل ضابطہ حیات قران حکیم رکھنے کے باوجود اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وہ جذبہ اور لگن اور محنت نہیں کرتے جو موجودہ مسیحی مشنری اپنی محرف اور مبہم اناجیل کی ترویج واشاعت کے لیے کرتے ہیں۔دعا ہے اللہ تعالی ہمیں دین اسلام کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

(۲۰) بحوالہ ابن کثیر تفسیر ج ۱ ص ۳۶۶

(۲۱) طبری ابن جریر جامع البیان ج ۳ ص ۲۹۱

(۲۲) بحوالہ طبری جامع البیان ج ۳ ص ۲۸۹

(۲۳) ابن تیمیہ الجواب الصحیح ج ۲ ص ۲۸۳

(۲۴) القرآن ۴: ۱۵۷۔۔۔۱۵۸

(۲۵) خیر اللہ ایف ایس قاموس الکتاب مقالہ عبادت ص ۶۲۴

المصادر والمراجع

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
القرآن الحکیم	اردو ترجمہ	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی	لاہور	۱۹۹۵ء
کلام مقدس	(رومن کیتھولک)	سوسائٹی آف سینٹ پال روما	لاہور	۱۹۵۸ء
کتاب مقدس	(پروٹسٹنٹ)	بائبل سوسائٹی	لاہور	۱۹۹۳ء
آزاد	مولانا ابو الکلام آزاد	ترجمان القرآن	لاہور	۱۹۸۶ء
آزاد	مولانا ابو الکلام آزاد	اسلام کے سیاسی نظریات	لاہور	۱۹۴۵ء
آسی	ضیائی آسی	برناباس کی انجیل	لاہور	۱۹۸۸ء
آصف	ڈاکٹر آصف قدوائی	مقالات سیرت	کراچی	سن ندارد
آلوسی بغدادی	علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی	روح المعانی	ملتان	سن ندارد
آمدی	سیف الدین الآمدی	الاحکام فی اصول الاحکام	مصر	۱۲۴۸ھ
الاعظمی	امجد علی الاعظمی	بہار شریعت	لاہور	۱۳۶۸ھ
ابن تیمیہ	تقی الدین احمد ابن تیمیہ	الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح	جدہ	۱۹۹۳ء
ایضاً	ایضاً	تفسیر سورۃ اخلاص	لاہور	۱۹۷۲ء
ابن اثیر	ابو السعادات ابن اثیر	الکامل	قاہرہ	۱۳۸۰ھ
ابن اثیر	ابو السعادات ابن اثیر	النھایہ فی غریب الحدیث	مصر	۱۹۵۱ء
ابن جریر	امام جعفر ابن جریر الطبری	جامع البیان عن تاویل ای القرآن	بیروت	۱۹۸۶ء
ابن جریر	امام جعفر ابن جریر الطبری	تاریخ طبری المعروف بتاریخ الامم والملوک	بیروت	۱۹۸۵ء
ابن حزم	ابو محمد علی بن احمد الظاھری	المحلی	مصر	۱۳۵۲ھ
ابن حزم	ابو محمد علی بن احمد الظاھری	کتاب الملل فی الاھوا والنحل	مصر	۱۹۷۴ء
ابن حزم	ابو محمد علی بن احمد الظاھری	الاحکام لاصول الاحکام	مصر	۱۹۶۷ء
ابن خلدون	ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد	مقدمہ کتاب العبر	مصر	۱۹۶۰ء
ابن رشد	قاضی ابو الولید محمد بن احمد	بدایۃ المجتہد	لاہور	۱۹۶۷ء
ابن سعد	امام محمد بن سعد	طبقات ابن سعد	مصر	۱۹۴۹ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ابن العربی	ابو بکر محمد بن العربی	الاحکام القران	مصر	۱۹۴۵ء
ابن قتیبہ	ابن قتیبہ	الامامہ والسیاسیۃ	قاھرہ	۱۹۴۵ء
ابن القیم	امام ابن القیم الجوزیہ	زاد المعاد	مصر	۱۳۶۶ھ
ایضاً	ایضاً	اعلام الموقعین عن رب العالمین	مصر	۱۳۲ھ
ایضاً	ایضاً	اھل الذمہ	دمشق	۱۹۶۱ء
ابن کثیر	ابو الفداء اسماعیل بن کثیر	تفسیر القران العظیم	کراچی	۱۹۴۸ء
ایضاً	ایضاً	البدایہ والنھایہ	لاہور	۱۹۸۱ء
ابن منظور	ابو الفضل محمد بن مکرم	لسان العرب	بیروت	۱۹۸۸ء
ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ	السنن ابن ماجہ	مصر	۱۹۷۵ء
ابن ھمام	علامہ کمال الدین محمد بن ھمام	فتح القدیر	کراچی	۱۹۶۷ء
ابن ھشام	ابو محمد عبد المالک بن ھشام	السیرة النبویہ	مصر	۱۹۳۶ء
ابو الحیان	محمد بن یوسف الاندلسی	البحر المحیط	بشاور	۱۴۰۷ھ
ابو جعفر النحاس	ابو جعفر النحاس ا	الناسخ والمنسوخ	قاھرہ	۱۳۲۲ھ
ابو داؤد	ابو داؤد سلمان بن اشعث	السنن ابو داؤد	مصر	۱۹۵۲ء
ابو زھرہ	ابو زھرہ مصری	اسلامی مذاہب اردو ترجمہ غلام احمد حریری	فیصل آباد	۱۹۹۵ء
ابو عبید	القاسم بن سلام ابو عبید اردو ترجمہ عبد الرحمٰن سوتی	کتاب الاموال	اسلام آباد	۱۹۹۵ء
ابو الفراج	علی بن حسین الاصفہانی	کتاب الاغانی	لاہور	۱۴۰۷ھ
ابو الفراج	عبد الرحمٰن ابو الفراج	اخلاق نبی ﷺ	بیروت	۱۹۶۷ء
ابو یعلی	ابو یعلی الحنبلی	الاحکام السلطانیہ	مصر	۱۹۳۸ء
ابو یوسف	امام ابو یوسف	کتاب الخراج	مصر	۱۳۵۲ھ
البخاری	الامام محمد بن اسماعیل البخاری	الجامع الصحیح	لاہور	۱۹۸۵ء
البلاذری	احمد بن اسماعیل البلاذری	فتوح البلدان	مصر	۱۹۴۶ء
احمد محمود شیخ	احمد محمود شیخ	مسئلہ زمین اور اسلام	لاہور	۱۹۹۵ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ابراھیم پاشا	الشیخ احمد ابراھیم پاشا	مراعاۃ الحرمین	مصر	۱۹۷۳ء
ابراھیم پاشا	الشیخ احمد ابراھیم الشریف	تاریخ مکہ ومدینہ	مصر	۱۹۸۰ء
احسان الحق	راناڈاکٹر احسان الحق	یہودیت ومسیحیت	لاہور	۱۹۸۰ء
احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	المسند	بیروت	۱۹۷۶ء
الدویھی	البطر یریٹ اسطفان	تاریخ الازمنہ	بیروت	۱۹۵۷ء
ادارہ تحقیقات اسلامی	ادارہ تحقیقات اسلامی	قصاص ودیت	اسلام آباد	۱۹۹۶ء
الذبیدی	محمد مرتضیٰ الذبیدی	تاج العروس من جواھر القاموس	بیروت	۱۹۸۵ء
الزمخشری	جاراللہ محمد بن عمر الزمخشری	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	بیروت	سن ندارد
اردو دائرہ معارف اسلامیہ			دانش گاہ پنجاب لاہور	۱۹۷۵ء
اسمعیل شہید	اسمعیل شہید	تقویۃ الایمان	کراچی	۱۹۹۲ء
الاشعری	ابوالحسن الاشعری	مقالات اسلامین	مصر	۱۹۴۶ء
ایضاً	ایضاً	کتاب الابانۃ	مصر	۱۹۵۵ء
المبرد ابی العباس	المبرد ابی العباس	الکامل فی لغۃ الادب	مصر	۱۹۳۳ء
اصلاحی	مولانا امین احسن اصلاحی	تدبر قرآن	لاہور	۱۹۸۶ء
ایضاً	ایضاً	حقیقت شرک وتوحید	لاہور	۱۹۹۶ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی ریاست	لاہور	۱۹۷۰ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام	لاہور	۱۹۹۶ء
ایضاً	ایضاً	فلسفے کے بنیادی مسائل	لاہور	۱۹۸۳ء
ایضاً	ایضاً	مقالات اصلاحی	لاہور	۱۹۸۸ء
اصلاحی	مولانا امین احسن اصلاحی	اسلامی قانون کی تدوین	لاہور	۱۹۸۸ء
اصلاحی	صدر الدین اصلاحی	اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ	لاہور	۱۹۷۰ء
ایضاً	ایضاً	اسلام ایک نظر میں	لاہور	۱۹۸۰ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ایضاً	ایضاً	اساس دین کی تعمیل	لاہور	۱۹۹۵ء
افتخار احمد	افتخار احمد	اخوان المسلمون	فیصل آباد	۱۹۹۱ء
افغانی	شمس الحق افغانی	علوم القرآن	لاہور	۱۹۷۵ء
اقبال	ڈاکٹر محمد اقبال اردو مترجم نذیر نیازی	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	لاہور	۱۹۵۸ء
اقبال	اقبال احمد	اخلاق حسنی	لاہور	۱۹۵۱ء
اقبال	محمد اقبال قریشی	مسائل زکواۃ	لاہور	۱۹۸۶ء
اقتصادی کمیٹی	اقتصادی کمیٹی	موجودا قتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت	لاہور	۱۹۶۹ء
اکبر آبادی	سعید احمد اکبر آبادی	وحی الٰہی	لاہور	۱۹۵۵ء
امام الدین	جے ایس امام الدین	ہماری کتب مقدسہ	لاہور	۱۹۷۸ء
احمد امین	ڈاکٹر احمد امین مصری	فجر الاسلام	قاھرہ	۱۹۳۵ء
ایضاً	ایضاً	ضحیٰ الاسلام	قاھرہ	۱۹۳۸ء
ایضاً	ایضاً	ظہر الاسلام	قاھرہ	۱۹۴۸ء
احمد امین	ڈاکٹر احمد امین مصری	زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث	قاھرہ	۱۹۵۵ء
انور اقبال	ڈاکٹر انور اقبال قریشی	اسلام اور سود	دکن	۱۹۴۰ء
ایک شاگرد	ایک شاگرد اردو مترجم وکلف سنگھ	سیرت المسیح	لاہور	۱۵۸۹ء
بدر عالم	سید بدر عالم	نزول عیسیٰ	رحیم یار خان	۱۹۷۷ء
برکت اللہ	برکت اللہ پادری	صحت کتب مقدسہ	لاہور	۱۹۸۴ء
برق	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	دو قرآن	لاہور	۱۹۸۷ء
بشیر	محمود اختر	مطالعہ بائبل و قرآن	اسلام آباد	۱۹۸۷ء
بغوی	حسین بن مسعود بغوی	مصابیح السنہ	مصر	۱۹۷۱ء
بغدادی	عبد القادر بغدادی	الفرق بین الفرق	مصر	۱۹۷۰ء
بلگرامی	سید علی بلگرامی	تمدن عرب	لاہور	۱۹۸۷ء
بلگرامی	سیدہ فاطمہ الزھراہ بلگرامی	تعارف القرآن	ملتان	۱۹۹۵ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
بوئر	ٹی جے بوئر اردو مترجم عابد حسین	تاریخ فلسفہ اسلام	کراچی	۱۹۸۷ء
بیضادی	قاضی ابو سعید عبداللہ	انوار التنزیل	مصر	۱۹۷۱ء
پیٹرے	پیٹرے اردو مترجم وکلف سنگھ	تثلیث فی التوحید	گوجرانوالہ	۱۹۹۲ء
تحسین	ڈاکٹر تحسین فراقی	عبدلماجد دریا آبادی کے احوال و آثار	لاہور	۱۹۹۳ء
ترمذی	ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی	الجامع الترمذی	مصر	۱۳۴۱ھ
ایضاً	ایضاً	شمائل ترمذی	کراچی	۱۹۹۵ء
تھانوی	قاضی محمد بن علی	کشاف اصطلاحات الفنون	لاہور	۱۹۹۳ء
تھانوی	اشرف علی تھانوی	بیان القران	لاہور	۱۴۰۵ھ
تقی امینی	تقی امینی	اجتہاد	لاہور	۱۹۸۱ء
تقی عثمانی	محمد تقی عثمانی	عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر	کراچی	۱۴۰۳ھ
ایضاً	ایضاً	علوم القران	کراچی	۱۴۰۶ھ
تگہ	عبدالحمید تگہ	جدید عمرانیات	لاہور	۱۹۰۷ء
توتل یسوعی	توتل یسوعی	معجم اعلام الشرق والغرب	بیروت	۱۹۵۱ء
ثناءاللہ	قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی	التفسیر المظهری	کوئٹہ	۱۹۵۶ء
جرجی زیدان	جرجی زیدان	تاریخ التمدن اسلامی	قاہرہ	۱۹۶۷ء
جرجانی	عبدالقادر الجرجانی	دلائل اعجاز	قاھرہ	۱۳۶۷ھ
جزری	محمد بن محمد ابن جزری شافعی	حصن حصین	لاہور	۱۹۸۵ء
جزری	علامہ محمد بن اثیر الجزری	اسد الغابہ	تہران	۱۹۷۵ء
جزیری	علامہ عبدالرحمٰن الجزیری	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	بیروت	۱۹۷۶ء
جصاص	ابی احمد بن علی رازی	احکام القران	لاہور	۱۹۸۳ء
جلال الدین	جلال الدین	اخلاق جلالی	لکھنو	۱۹۸۴ء
جمعہ	محمد لطفی جمعہ	تاریخ فلاسفۃ الاسلام	کراچی	۱۹۶۴ء
جمال الدین	ابو الفرج عبدالرحمٰن جمال الدین	عمر بن الخطاب	قاہرہ	۱۳۴۲ھ
ایضاً	ایضاً	سیرت عمر بن عبدالعزیز	قاہرہ	۱۳۸۵ھ

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
جیلانی	ڈاکٹر و حکیم غلام جیلانی	مخزن الحکمت والجراحۃ	دھلی	۱۹۴۸ء
حاجی خلیفہ	مصطفیٰ ابن عبداللہ حاجی خلیفہ	کشف الظنون	مصر	۱۹۴۲ء
حامد	حامد الانصاری	اسلام کا نظام حکومت	لاہور	سن ندارد
حامد علی	مولانا حامد علی	توحید وشرک	لاہور	۱۹۹۷ء
حریری	غلام احمد حریری	تاریخ تفسیر و مفسرین	فیصل آباد	۱۹۸۴ء
الحلی	جعفر بن حسن الحلی	شرائع الاسلام	مصر	۱۳۵۲ھ
حسن ابراہیم	ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اردو مترجم علیم اللہ	النظم الاسلامیہ کراچی		سن ندارد
ایضاً	ایضاً	تاریخ الاسلام	بیروت	۱۹۶۴ء
حقانی	ابو محمد عبدالحق حقانی	فتح المنان	دہلی	۱۳۵۷ھ
ایضاً	ایضاً	عقائد الاسلام	دیوبند	۱۹۹۲ء
حمید اللہ	ڈاکٹر حمید اللہ	حضورؐ کی سیاسی زندگی	لاہور	۱۹۸۵ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی ریاست	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	سیاسی وثیقہ جات مترجم اردو ابو یحی	لاھور	۱۹۶۰ء
حمیدی	علامہ الحمیدی الازری	المسند	مصر	۱۹۷۰ء
ہجویری	شیخ علی ہجویری	کشف المحجوب	لاہور	۱۹۹۴ء
خازن	علاؤالدین علی بن محمد خازن	تفسیر لباب التاویل	مصر	۱۳۳۱ھ
خالد علوی	ڈاکٹر خالد علوی	پیغمبرانہ منہاج دعوت	لاہور	۱۹۹۹ء
ایضاً	ایضاً	اسلام کا معاشرتی نظام	لاہور	۱۹۹۱ء
ایضاً	ایضاً	حفاظت حدیث	لاہور	۱۹۸۶ء
خیر اللہ	ڈاکٹر فرینک صفی اللہ خیر اللہ	قاموس الکتاب	لاہور	۱۹۹۴ء
خضری	شیخ محمد بک خضری اردو مترجم تقی عثمانی	تاریخ فقہ اسلامی	کراچی	سن ندارد
خلیفہ	عبدالحکیم خلیفہ			

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
	اردو مترجم قطب الدین	اسلام کا نظریہ حیات	لاہور	۱۹۵۷ء
خلیل حامدی	خلیل حامدی	عالم اسلام کے مسائل اور ان کا حل	لاہور	۱۹۸۲ء
خورشید احمد	پروفیسر خورشید احمد	اسلامی نظریہ حیات	کراچی	۱۹۹۰ء
ایضاً	ایضاً	پاکستان میں نفاذ اسلام	اسلام آباد	۱۹۹۴ء
دار قطنی	ابو الحسن الدار قطنی	کتاب داسنن	مصر	۱۹۷۸ء
دارمی	عبداللہ التمیمی الدارمی	المسند	مصر	۱۳۷۲ھ
دریا آبادی	مولانا عبدالماجد دریا آبادی	تفسیر القرآن (اردو)	لاہور	۱۹۶۰ء
ایضاً	ایضاً	تفسیر القران (انگریزی)	کراچی	۱۹۶۷ء
دلبر حسن	دلبر حسن	اسلام اور مذاہب عالم	کراچی	سن ندارد
دہلوی	عبدالحق محدث دہلوی	اشعۃ اللمعات	ملتان	۱۹۶۷ء
ایضاً	ایضاً	ماثبت بالسنۃ فی ایام السنہ	کراچی	۱۹۷۷ء
ایضاً	ایضاً	جذب القلوب	دہلی	۱۹۵۸ء
ذہبی	شمس الدین ابو عبداللہ	تذکرۃ الحفاظ	دکن	۱۳۳۲ھ
راغب	ابی القاسم الحسن بن محمد اصفہانی	المفردات فی غریب القران	کراچی	۱۹۹۴ء
راغب	راغب الطباع	تاریخ افکار وعلوم اسلامی	لاہور	۱۹۸۴ء
	اردو مترجم افتخار احمد			
رحمان علی	رحمان علی	علمائے ہند	لکھنو	۱۹۱۱ء
رزاقی	شاہد حسین رزاقی	سید جمال الدین افغانی	لاہور	۱۹۸۶ھ
روحی	اصغر علی روحی	مافی الاسلام	لاہور	۱۳۵۰ھ
رشید احمد	رشید احمد	تاریخ مذاہب	کوئٹہ	سن ندارد
ایضاً	ایضاً	مسلمانوں کے سیاسی افکار	لاہور	۱۹۸۷ء
رشید رضا	محمد رشید رضا	الوحی المحمدی	قاھرہ	۱۳۷۶ھ
رفیع الدین	ڈاکٹر رفیع الدین	قرآن وعلم جدید	لاہور	۱۹۷۹ء
رئیس احمد	رئیس احمد جعفری	اسلام اور رواداری	لاہور	۱۹۵۵ء
رازی	الامام فخر الدین محمد الرازی	مفاتیح الغیب	قم	سن ندارد

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
زبید احمد	زبید احمد	عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ	لاہور	۱۹۸۷ء
زرقانی	قسطلانی زرقانی	المواھب للدونیہ	بیروت	۱۹۹۰ء
زرقانی	محمد عبدالعظیم زرقانی	مناھل العرفان فی علوم القران	قاھرہ	۱۳۰۳ھ
زرقانی	عبدالباقی الزرقانی	شرح موطاامام مالک	مصر	۱۹۴۶ء
زرقلی	خیر الدین الزرقلی	(قاموس)الاعلام	مصر	۱۹۴۰ء
زرکشی	بدرالدین محمد عبداللہ زرکشی	البرھان فی علوم القرآن	قاھرہ	۱۹۵۷ھ
زنجانی	ابو عبداللہ محمد الزنجانی	تاریخ القرآن	قاہرہ	۱۹۷۸ء
زیات	احمد بن حسن زیات اردو مترجم عبدالرحمٰن طاھر سورتی	تاریخ ادب عربی	لاہور	۱۹۶۱ء
زین العابدین	علامہ زین العابدین بن ابراھیم	البحرالرائق شرح کنز الدقائق	کراچی	۱۹۷۸ء
سارٹن	جارج سارٹن اردو مترجمہ نذیر نیازی	انٹروڈکشن ٹو دا ہسٹری آف سائنس	لاہور	۱۹۵۵ء
سالک	عبدالمجید سالک	مسلم ثقافت ہندوستان میں	لاہور	۱۹۸۲ء
سباعی	مصطفیٰ السباعی	اشتراکیت الاسلام	دمشق	۱۹۵۹ء
ایضاً	ایضاً	قانون الاموال	دمشق	۱۹۶۷ء
سرخسی	محمد بن حسن السرخسی	المبسوط شرح الکافی	استنبول	۱۳۴۶ھ
سرسید	سرسید احمد خان	الخطبات الاحمدیہ فی العرب وسیرت المحمدیہؐ	غازی پور	۱۸۶۳ھ
ایضاً	ایضاً	تبیین الکلام	لاہور	سن ندارد
سرکیس	یوسف الایان سرکیس	معجم المطبوعات العربیہ	مصر	۱۹۴۸ء
سعید	احمد سعید خان	الرق فی الاسلام	اعظم گڑھ	۱۹۴۱ء
سعید	حبیب سعید	الادیان الکبری	مصر	۱۹۵۸ء
سلیمان	محمد سلیمان سلمان منصور پوری	رحمۃ للعالمین	لاہور	۱۹۷۵ء
ایضاً	ایضاً	تائید الاسلام	لاہور	سن ندارد

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
سلامت علی	سلامت علی خان	اسلامی قانون فوجداری	ملتان	۱۹۷۱ء
السمھودی	نوالدین السمھودی	وفاالوفا	مصر	۱۹۶۲ء
سندیلوی	اسحٰق سندیلوی	اسلام کا سیاسی نظام	اعظم گڑھ	۱۹۴۳ء
السھیلی	امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن السھیلی	روض الانف	ملتان	۱۹۴۴ء
سیوطی	جلال الدین سیوطی والمحلی	تفسیر الجلالین	مصر	۱۳۵۲ء
سیوطی	جلال الدین سیوطی	الاتقان فی علوم القرآن	لاہور	۱۹۹۳ء
ایضاً	ایضاً	الجامع الصغیر	مصر	۱۹۵۲ء
ایضاً	ایضاً	تاریخ الخلفاء	کراچی	۱۹۹۴ء
ایضاً	ایضاً	لباب النقول فی اسباب النزول	ملتان	۱۹۸۷ء
سیوہاروی	حفظ الرحمٰن	قصص القرآن	لاہور	سن ندارد
ایضاً	ایضاً	اسلام کا اقتصادی نظام	لاہور	۱۹۷۵ء
الشاکر	احمد محمد الشاکر	الشرع واللغۃ	قاہرہ	۱۹۶۴ء
الشاطبی	ابو اسحٰق ابراھیم الشاطبی	الاعتصام	مصر	۱۳۵۷ھ
ایضاً	ایضاً	الموافقات فی اصول الشریعۃ	مصر	۱۹۶۲ء
الشافعی	محمد بن ادریس الشافعی	کتاب الام	بولاق	۱۳۴۵ھ
شبلی	علامہ شبلی نعمانی وندوی	سیرت النبی ﷺ	کراچی	۱۳۵۷ھ
شبلی	علامہ شبلی نعمانی	الفاروق	لاہور	۱۹۷۵ء
ایضاً	ایضاً	الغزالی	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	المامون	لاہور	۱۹۶۳ء
الشعبادی	محمد ثابت الفندی الشعبادی	المعارف الاسلامیہ	مصر	۱۹۵۷ء
الشوکانی	امام احمد بن علی الشوکانی	الدرر اسھیہ	دہلی	۱۹۴۲ء
شبیر حسن	شبیر حسن	معجزات خیر الانام	دہلی	۱۹۷۱ء
صارم	عبدالصمد صارم	تاریخ تفسیر	لاہور	۱۹۶۳ء
ایضاً	ایضاً	تاریخ الحدیث	لاہور	۱۹۶۳ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
صبحی صالح	ڈاکٹر صبحی صالح	مباحث فی علوم القرآن	بیروت	۱۹۶۹ء
ایضاً	ایضاً اردو ترجمہ غلام احمد حریری	علوم الحدیث	فیصل آباد	۱۹۷۸ء
صبحی	صبحی محمصانی اردو مترجم عنایت اللہ	فلسفہ شریعت اسلام	لاہور	۱۹۹۰ء
صدیقی	حمید زماں صدیقی	اسلام کا نظریہ سیاست	لاہور	۱۹۶۰ء
صدیقی	عبدالحمید صدیقی	اسلام اور تھیا کریسی	کراچی	۱۹۶۴ء
صدیقی	محمد مظہر الدین صدیقی	اسلام اور مذاہب عالم	لاہور	۱۹۹۴ء
صدیقی	نعیم صدیقی	محسن انسانیت	لاہور	۱۹۹۴ء
ایضاً	محمد مظہر الدین صدیقی	ہمہ زندگی اسلامی نقطہ نظر سے	لاہور	۱۹۹۵ء
ایضاً	ایضاً	اسلام کا نظریہ اخلاق	لاہور	۱۹۵۰ء
طالب حسین	طالب حسین	مسلمانوں کا نظام شوریٰ	راولپنڈی	۱۹۸۷ء
الطبرانی	ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	المعجم الصغیر	بیروت	۱۹۸۷ء
الطبرسی	ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی	مجموع البیان فی تفسیر القرآن	بیروت	۱۹۸۸ء
الطحاوی	ابو جعفر محمد الطحاوی	کتاب الجامع الکبیر	مصر	۱۳۳۲ھ
الطحاوی	احمد الطحاوی الحنفی	مراقی الفلاح شرح نور ایضاح	مصر	۱۹۴۱ء
الطحاوی	احمد الطحاوی الشافعی	مشکل الآثار	مصر	۱۹۶۷ء
الطرابلسی	نعمت اللہ نوفل	اصول العقائد والادیان	مصر	۱۹۴۳ء
طفیل	محمد طفیل	نقوش کے رسول نمبر	لاہور	۱۹۸۴ء
الطوسی	ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	تہذیب الاخلاق	مصر	۱۳۵۱ھ
طہ حسین طہ	حسین	فلسفۃ ابن خلدون الاجتماعیۃ	قاہرہ	۱۹۵۳ء
طیب	محمد قاری طیب	سائنس اور اسلام	لاہور	۱۹۸۴ء
ظہوری	عبدالواہاب ظہوری	اسلام کا نظام حیات	لاہور	۱۹۷۹ء
عامر	ڈاکٹر عبدالعزیز عامر	اسلام میں جرم و سزا	لاہور	۱۹۸۳ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
عالمگیر	اورنگ زیب عالمگیر	فتوی عالمگیری	لاہور	۱۹۹۴ء
عبدالقادر	شاہ عبدالقادر	موضح القرآن	لاہور	۱۹۶۱ء
عبدالحمید	عبدالحمید	اسلامی معاشیات	لاہور	۱۹۹۵ء
عبدالوحید	عبدالوحید خان	عیسائیت	لاہور	۱۹۸۷ء
عبدالرشید	عبدالرشید نعمانی	لغات القرآن	کراچی	۱۹۹۴ء
عبدالرشید	ڈاکٹر عبدالرشید	ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ	کراچی	۱۹۹۲ء
عبدالرحیم	سر عبدالرحیم اردو مترجم مسعود علی	اصول فقہ	لاہور	۱۹۸۸ء
عبدالرحمان	مولانا عبدالرحمان	سیرت انبیاء کرام	لاہور	۱۹۹۰ء
عبدالرزاق	عبدالرزاق علی	الاسلام واصول الحکم	قاہرہ	۱۹۴۵ء
عزیز احمد	عزیز احمد	اللہ کی عظمت	حیدر آباد (سندھ)	سن ندارد
عبداللہ	عبداللہ بن مسعود	شرح وقایہ	ملتان	۱۹۵۷ء
عثمانی	شبیر احمد عثمانی	تفسیر عثمانی	سعودیہ عرب	۱۹۹۳ء
عثمانی	شبیر احمد عثمانی	فضل الباری شرح بخاری	کراچی	۱۹۷۳ء
عطش درانی	عطش درانی	اسلامی تہذیب و ثقافت	لاہور	۱۹۸۸ء
عبدالعزیز	عبدالعزیز دہلوی	فتاوی عزیزی	دہلی	۱۹۹۱ء
عبدالسلام	عبدالسلام	تعلیمات اسلام	دہلی	۱۹۶۱ء
عبداللطیف	عبداللطیف	اسلام میں معاشرت کا تصور	دکن	۱۹۵۶ء
عبدالوہاب	عبدالوہاب	اسلام کا نظام حیات	لاہور	۱۹۵۶ء
عبدہ	محمد عبدہ	اسلام و نصرانیت	قاہرہ	۱۹۹۵ء
علی	عبدلرزاق علی	الاسلام واصول الحکم	قاہرہ	۱۹۳۵ء
علی	المتقی علی شیخ	کنز العمال	دکن	۱۹۵۵ء
عسقلانی	حافظ ابن حجر عسقلانی	تہذیب التھذیب	دکن	۱۳۲۰ھ
ایضاً	ایضاً	الاصابہ	بیردت	۱۳۹۸ھ
ایضاً	ایضاً	فتح الباری شرح صحیح بخاری	قاہرہ	۱۹۴۹ء
عقاد	عباس عقاد	حقائق الاسلام وباطیل	قاہرہ	۱۹۶۱ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
عمادی	ابراہیم عمادی	مسلمان سائنسدان	لاہور	۱۹۹۲ء
عمادالحسن	عمادالحسن	دنیا کے بڑے مذاہب	لاہور	۱۹۹۰ء
عمری	جلال الدین عمری	معروف و منکر	لاہور	۱۹۷۰ء
عیاض	قاضی عیاض بن موسی	شفا	ملتان	۱۹۵۶ء
عینی	بدرالدین عینی	عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری	قاہرہ	۱۹۵۱ء
غرابی	علی مصطفیٰ الغرابی	تاریخ الفرق الاسلامیہ	قاہرہ	۱۹۴۸ء
الغزالی	ابوحامد محمد بن احمد الغزالی	احیاء علوم الدین	مصر	۱۹۴۲ء
ایضاً	ایضاً	کیمیائے سعادت	کراچی	۱۹۷۲ء
ایضاً	ایضاً	المنقذ من الضلال	دمشق	۱۳۶۲ھ
ایضاً	ایضاً	تہافۃ الفلاسفہ	لاہور	۱۹۶۷ء
ایضاً	ایضاً اردو مترجم عبدالصمد صارم	خلق مسلم	لاہور	۱۹۶۴ء
غفاری	نوراحمد غفاری	اسلام کا قانون تجارت	لاہور	۱۹۹۲ء
غلام حسین	غلام حسین	رسالہ منہاج اسلامی معیشت نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۹۲ء
فاسی	امام تقی الدین محمد بن احمد فاسی	شفاء الغرام	بیروت	۱۹۷۸ء
فراہی	حمیدالدین فراہی	مجموعہ تفاسیر فراہی	لاہور	۱۹۷۳ء
فلیک	فادر جے فلیک	پر جلال خیمہ	لاہور	۱۹۷۸ء
الفواد	محمد الفواد عبدالباقی	المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم	لاہور	۱۹۹۲ء
ایضاً	ایضاً	المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث	لیدن	۱۹۵۵ء
فواد	فواد شباط	الحقوق الدولیہ اسلامیہ	دمشق	۱۹۵۹ء
فیروزآبادی	مجدالدین محمد یعقوب فیروزآبادی	القاموس المحیط	بیروت	۱۹۲۱ء
قاری (ملا)	نورالدین علی القاری المعروف ملا علی قاری	شرح الفقہ اکبر	قاہرہ	۱۳۴۷ھ
ایضاً	ایضاً	مرقاۃ المفاتیح	مصر	۱۳۴۹ھ
قاضی	محمود اوزجندی قاضی	فتاوی خانیہ	مصر	۱۹۶۲ء
قاضی	قاضی محمد عبدالغفار	آثار جمال الدین افغانی	لاہور	۱۹۸۹ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
قادری	پروفیسر عبدالغنی قادری	اسلام کامعاشرتی نظام	لاہور	۱۹۸۱ء
قاسم	سید قاسم محمود	اسلامی انسائیکلو پیڈیا	کراچی	۱۹۷۵ء
قدوائی	ڈاکٹر سالم قدوائی	ہندوستانی مفسرین اور ان کی تفسیریں	لاہور	۱۹۹۳ء
قدوائی	ڈاکٹر آصف قدوائی	مقالات سیرت	کراچی	سن ندراو
قدسی	عبیداللہ قدسی	آزادی کی تحریکیں	لاہور	۱۹۸۸ء
قرضاوی	ڈاکٹر یوسف القرضاوی	الحلال والحرام فی الاسلام	دمشق	۱۹۶۱ء
ایضاً	ایضاً اردو مترجم ساجد الرحمان	فقہ الذکواۃ	لاہور	۱۹۸۲ء
قرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی	الجامع الاحکام	قم	۱۹۸۰ء
قشیری	عبدالکریم ابو القاسم القشیری اردو مترجم پیر محمد حسن	رسالہ قشیریہ	اسلام آباد	۱۹۹۷ء
قطب	سید قطب	فی ظلال القرآن	جدہ	۱۹۶۸ء
ایضاً	ایضاً اردو مترجم محمد نصر اللہ	مشاھد القیامۃ فی القرآن	لاہور	۱۹۷۱ء
قطب	سید قطب اردو مترجم خلیل حامدی	جادہ منزل	لاہور	۱۹۸۳ء
ایضاً	ایضاً	التصویر المعنی فی القرآن	فیصل آباد	۱۹۸۰ء
قطب	قطب سید قطب اردو مترجم نجات اللہ صدیقی	العدالت الجتماعیۃ فی الاسلام	لاہور	۱۹۶۷ء
کلپیر	رابرٹ ایچ کلپیر اردو مترجم وکلف سنگھ	تفسیر الکفارہ	لاہور	۱۹۸۷ء
کروی	علامہ محمد طاہر الکروی	تاریخ القدیم مکہ	مکہ معظمہ	۱۳۸۵ھ
کاشمیری	انور شاہ کاشمیری	فیض الباری	لاہور	۱۹۵۵ء
کاندھلوی	محمد ادریس کاندھلوی	حجت وحدیث	لاہور	۱۹۶۰ء
کاندھلوی	محمد ادریس کاندھلوی	حیات عیسیٰؑ	لاہور	۱۹۷۵ء
کیرانوی	رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن الہندی کیرانوی	اظہار الحق	بیروت	سن ندارد

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ایضاً	ایضاً اردو مترجم مولانا اکبر علی	اظہار الحق (بائبل سے قرآن تک)	کراچی	۱۴۰۳ھ
کیرانوی	کیرانوی	اعجاز عیسوی	لاہور	۱۹۸۶ء
گیلانی	مناظر احسن گیلانی	اسلام اور نظام جاگیرداری	لاہور	۱۹۷۸ء
گیلانی	اسد گیلانی سید	اسلام کا نظام عشر وزکواۃ	لاہور	۱۹۹۷۴ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی معاشیات	لاہور	۱۹۸۸ء
لوئیس	برک ہاف لوئیس	مسیحی علم الٰہی کی تعلیم	لاہور	۱۹۹۱ء
معلوف	لوئیس معلوف	المنجد	بیروت	۱۹۵۱ء
لکھنوی	فتح محمد لکھنوی	خلاصۃ التفاسیر	کلکتہ	۱۳۴۷ھ
لین پول	ایڈورڈ لین پول	مد القاموس	لندن	۱۹۴۵ء
مالک	امام مالک بن انس	الموطا	کراچی	۱۹۸۰ء
ماوردی	ابو الحسن علی بن محمد الماوردی	الاحکام السلطانیہ	مصر	۱۹۵۰ء
متولی	یوسف جلبی متولی اردو مترجم شمس تبریز	مسیحیت	لاہور	۱۹۸۶ء
متین	محمد متین ہاشمی	رسالہ منہاج شریعت نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۹۱ء
ایضاً	ایضاً	رسالہ منہاج اجتہاد نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۹۳ء
متین	محمد متین ہاشمی	رسالہ منہاج عشر نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۸۳ء
محمد اسحٰق	ڈاکٹر محمد اسحٰق اردو مترجم شاہد حسین	علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ	لاہور	۱۹۷۶ء
محمد اکرام	شیخ محمد اکرام	آب کوثر	لاہور	۱۹۸۱ء
ایضاً	ایضاً	رود کوثر	لاہور	۱۹۹۰ء
ایضاً	ایضاً	موج کوثر	لاہور	۱۹۹۱ء
محمد تقی	محمد تقی امینی	اسلام کا زرعی نظام	دہلی	۱۹۵۴ء
محمد سلیم	سید محمد سلیم	مسلمان اور مغربی تعلیم	لاہور	۱۹۸۵ء
ایضاً	ایضاً	تاریخ نظریہ پاکستان	لاہور	۱۹۸۳ء
محمد ضیاء الدین	محمد ضیاء الدین	الخراج	قاہرہ	۱۹۵۵ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
محمد طیب	محمد طیب	تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام	دیوبند	۱۳۵۶ھ
محمد بن عبدالوہاب	محمد بن عبدالوہاب	کتاب التوحید	لاہور	سن ندارد
محمد قاسم	محمد قاسم	صداقت اسلام	لاہور	۱۹۵۶ء
مراغی	محمد مصطفیٰ مراغی	تفسیر المراغی	مصر	۱۳۷۰ھ
مرغینانی	برھان الدین علی المرغینانی	کتاب الھدایہ	کراچی	۱۹۷۶ء
مسلم	الامام مسلم بن حجاج القشیری	الجامع الصحیح	مصر	۱۹۸۱ء
مفتی	احمد یار خان مفتی	تفسیر نعیمی	لاہور	۱۹۸۴ء
مفتی	محمد شفیع مفتی	معارف القرآن	کراچی	۱۹۷۳ء
ایضاً	ایضاً	احکام حج	کراچی	۱۹۸۸ء
مفتی	محمد شفیع مفتی	ختم نبوت	کراچی	۱۹۵۵ء
ایضاً	ایضاً	پراویڈنٹ فنڈ پر زکواۃ اور سود کا مسئلہ	کراچی	۱۹۸۰ء
مقدسی	شمس الدین ابن قدامہ المقدسی	الشرح الکبیر	مصر	۱۹۵۲ء
مکی	الشیخ حسن بن عبداللہ مکی	تاریخ الکعبۃ	مکہ معظمہ	۱۳۸۷ھ
ملیح آبادی	سید امیر علی ملیح آبادی	مواہب الرحمٰن	لاہور	۱۹۷۷ء
ملاٹھوی	مظفر حسین ملاٹھوی	معاشیات اسلام	کراچی	۱۹۸۸ء
منظور الحق	چوہدری منظور الحق	اسلام کے سیاسی تصورات	دکن	۱۹۴۵ء
منور	منور صادق	آئینہ مسیحیت	لاہور	۱۹۸۱ء
منور	منور جہاں	قدیم اسلامی مدارس	لاہور	۱۹۸۵ء
منور	منور حسین	اسلام اور جدید اقتصادی نظریات	گکھڑ	۱۹۹۵ء
موصلی	عبدالرحمٰن موصلی	المختار	مصر	۱۹۶۲ء
مودودی	سید ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن	لاہور	۱۹۸۶ء
ایضاً	ایضاً	خلافت و ملوکیت	لاہور	۱۹۷۷ء
ایضاً	ایضاً	اسلام اور جدید نظریات	لاہور	۱۹۷۵ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ایضاً	ایضاً	حقوق الزوجین	لاہور	۱۹۹۲ء
ایضاً	ایضاً	الجہاد فی الاسلام	لاہور	۱۹۷۹ء
مودودی	سید ابو الاعلی مودودی	رسائل ومسائل	لاہور	۱۹۷۹ء
ایضاً	ایضاً	یہودیت	لاہور	۱۹۷۵ء
ایضاً	ایضاً	نصرانیت	لاہور	۱۹۷۵ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی ریاست	لاہور	۱۹۶۹ء
ایضاً	ایضاً	معاشیات اسلام	لاہور	۱۹۹۳ء
ایضاً	ایضاً	خطبات	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	دینیات	لاہور	۱۹۸۸ء
ایضاً	ایضاً	تنقیحات	لاہور	۱۹۷۹ء
ایضاً	ایضاً	اسلامی عبادات پر ایک نظر	لاہور	۱۹۹۳ء
ایضاً	ایضاً	سیرت سرور عالم ﷺ	لاہور	۱۹۷۸ء
ایضاً	ایضاً	اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	لاہور	۱۹۹۴ء
میور	ولیم میور	تاریخ کلیسا	کلکتہ	۱۹۴۸ء
ناز	ڈاکٹر ایم ایس ناز	شاہ ولی اللہ اور علم حدیث	لاہور	۱۹۹۲ء
ناصر	نصیر احمد ناصر	فلسفہ رسالتؐ	لاہور	۱۹۸۱ء
نافع	محمد نافع	رحماء بینھم	لاہور	۱۹۸۳ء
نجات اللہ	ڈاکٹر نجات اللہ	غیر سودی بینکاری	لاہور	۱۹۶۰ء
ایضاً	ایضاً	اسلام کا نظریہ ملکیت	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	مضاربت کے شرعی اصول	لاہور	۱۹۷۸ء
ندوی	ریاست علی ندوی	اسلامی نظام تعلیم	اعظم گڑھ	۱۹۶۴ء
ندوی	ابو الحسن ندوی	ارکان اربعہ	کراچی	۱۹۷۳ء
ایضاً	ایضاً	تاریخ دعوت وعزیمت	کراچی	۱۹۹۷ء
ایضاً	ایضاً	منصب نبوت	کراچی	۱۹۷۱ء
ندوی	سید سلیمان ندوی وشبلی	سیرت النبی ﷺ	کراچی	سن ندارد

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف وتالیف	مقام طباعت	سن طباعت
ندوی	سید سلیمان ندوی	ارض القران	اعظم گڑھ	۱۹۷۴ء
ایضاً	ایضاً	خطبات مدراس	لاہور	۱۹۸۴ء
ندوی	عبدالحلیم ندوی	عربی ادب کی تاریخ	لاہور	۱۹۴۸ء
ندوی	عبدالسلام ندوی	حکمائے اسلام	اعظم گڑھ	۱۹۵۲ء
ندوی	محمد حنیف ندوی	عقلیات ابن تیمیہ	لاہور	۱۹۵۹ء
ایضاً	ایضاً	افکار ابن خلدون	لاہور	۱۹۶۵ء
ایضاً	ایضاً	مطالعہ قرآن	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	افکار غزالی	لاہور	۱۹۵۵ء
ندوی	مسعو عالم ندوی	محمد بن عبدالوہاب	لاہور	۱۹۷۵ء
نسائی	احمد بن شعیب النسائی	السنن	مصر	۱۹۷۵ء
نسفی	عبداللہ بن احمد محمود نسفی	تفسیر المدارک	لاہور	۱۹۹۷ء
نسفی	ایضاً	کنزالد قائق	کراچی	۱۹۷۲ء
نعمانی	منظور احمد نعمانی	دین وشریعت	لکھنو	۱۹۹۱ء
نواب علی	نواب علی	تاریخ صحف سماوی	کراچی	سن ندارد
وارثی	عنایت اللہ وارثی	اسلامی تقریبات	لاہور	۱۹۹۰ء
وراق	محمد بن ابی یعقوب	وراق کتاب الفہرست للندیم	کراچی	۱۹۹۵ء
وکلف	وکلف سنگھ	صداقت بائبل	لاہور	۱۹۹۱ء
ولی اللہ	شاہ ولی اللہ	حجۃ اللہ البالغہ	مصر	۱۹۴۰ء
ایضاً	ایضاً	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	کراچی	۱۳۸۳ھ
ایضاً	ایضاً	انفاس العارفین	لاہور	۱۹۸۰ء
ایضاً	ایضاً	فیوض الحرمین	لاہور	۱۹۹۶ء
ولی الدین	ولی الدین محمد بن عبداللہ	مشکوۃ المصابیح	کراچی	۱۹۹۳ء
یحی	یحی بن آدم	کتاب الخراج	قاہرہ	۱۳۴۷ھ
یاسین	محمد یاسین	عہد نبوی کا تعلیمی نظام	آزاد کشمیر	۱۹۶۸ء
یعقوبی	احمد بن یعقوب یعقوبی	کتاب البلدان	لیدن	۱۹۶۲ء

المعروف	مولف/مصنف	تصنیف و تالیف	مقام طباعت	سن طباعت
یوسف	ڈاکٹر یوسف الدین احمد یوسف	اسلام کے معاشرتی نظریہ	دکن	۱۹۵۱ء
یوسف	محمد یوسف گورایہ	نظام زکواۃ اور جدید معاشی مسائل	اسلام آباد	۱۹۸۵ء
یوسف	ڈاکٹر سید محمد یوسف	اسلام میں خلیفہ کا انتخاب	لاہور	۱۹۷۶ئد

اخبار ور سائل

رزنامہ جنگ لاہور 29 جون 1994ء رسالہ معلم جوبر جی لاہور اکتوبر 1992ء

BIBLIOGRAPHY

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
A.Rahim	Abdul Rahim	Mohammadan - Jurisprudence	LHR.	1965
Arnold	Arnold	Islamic Faith	London	1964
Bailie	Bailie	Digest of Mohammadan Law	London	1927
Bible Society	Pakistan Bible Society	The Holy Bible (Raj)	London	1982
Bewer	J.A. Bewer	The Literature of the old Testament	N.Y	1953
Bewer	J.A Bewer	The Old Testament London in the light of modern research	London	1908
Bohl	Bohl	The Fullness of	London	1939
Bridge	H. Bridge	Book of Knowledge	London	1961
Bright	John Bright	A History of Israel	Washington	1977
Brook over	Wilburl	Sociology	London	1973
Baron	Solo wittmayer	Modern nationalism and releigion.	New York	1947
Bureau	Paul Bureau	Towards Moral Bank Rupty	London	1952
Castro	D. Castro	Geography of Hunger	do	1952
Clement	Clement Dellah P	The History of Israel	Wash	1955
Douglass	H.P. Peal	"The Prolestent Church as a social institution	New York	1938
Frankel	Frankel S.H	The Economic impact on underdeveloped countries	London	1953
Fayyaz Mahmood Sayyid		A short History of Islam oxford university	Karachi	1961

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Gibben	Gibben	Early Day of Christianity	London	1970
Glocer	D.N.Glocek	The other side of the Jorden	Oxford	1961
Historia	Historia	History of the World London	London	1956
Hitti	Philips Hitti	Jewish Foundation of Islam	do	1955
//	//	History of Arabs do	do	1955
Hofmann 1991	Gerhard Hofmann	Monthly Treastie "SCALA"	do	
		Leviticus		
Hosmer	James Hosmer	The Jews Ancient Mediaveal and modern	do	1990
Hort	F.J.A. Hort	New Testament in Original Greek	do	1981
Hoson	Hoson Well	A short Introduction to pentateauch	do	1981
Hankin	Frank H	An introduction to the study of society	New York	1929
Hurgronje	Hurgronje	Mohammadanism	London	1963
Hamidullah	Muhammad Hamid Ullah	The Muslim conduct of State	LHR	1993
Huze	T.P. Huze	Notes on Mohammadanism	do	1954
Issac	Issac Taylor	History of the Transmission of Ancient Books	Lane Polle	1979
Jacollid	Louis Jacollid	The Bible in India	Ella -	1976
Jonation	Jonation A. Gold Stain	Maccabees A new Translation with	USA	1976
		Introduction Commentry	New York	1958

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Joseph	Joseph	Judaism as Creed and life	London	1975
Kilne	Berg Otto	Race differences	New York	1939
Kegel	Kegel	Away from inellhausen	do	1939
Kenyon	Kenyon Tudkhalish	The Bible & Archaeology	do	1976
Kraeling	Enmil G. Kraeling	The Old Testament Since the reformation	do	1955
Lanepoole	Lanepoole	Selections from the Quran	do	1958
Laski	H.K. Laski	A Grammar of Politics	London	1990
Loisy	Alfred Loisy	The Origins of New, Testament	London	1957
Maurice	Bucille Maurice	The Bible the Quran science	Karachi	1953
Macfeddim	macefeddim	Manhood & Marriage	London	1955
Magan	Katie Magan	Outline of Jewish History.	do	1924
Mankey	G.T. Mankey	The New Bible Hand book	do	1961
Marten	Marten Noth	The History of Israel	U.S.A.	1955
Maunder	E.W. Maunder	Astronomy of Bible		
Million	Million	History of Christianity	London	1967
Moulton	Dr. Moulton	The Apocryph	do	1953
Muir	William Muir	Life of Muhammad	do	1956
Nilson	Thomis Nilson	Preface to the old Testament	do	1968
Nisemann	P.J. Nisemann	New Discoveries in Babylonis	do	1955

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Noss	J.B. Noss	Man's Religions	do	1957
Orr	Orr	The Problem of old testament	do	1942
Ob Brun	Ogburn and nimkof	Sociology	USA	1958
Osterley	Osterley	Introduction to the Books of old Testament	London	1967
Osterley	Osterley	Sacrificies in Anicient Israel	do	1956
//	//	Introduction of the Books of old testament	do	1967
Paul B	Horton and Chester	Sociology	do	1936
Park	Robert and Ernest	Introduction to the Science of Sociology	New York	1928
Plamer	Besant & Plamer	History of Jeroselem	do	1974
Paul	J.J. Paul	Studies in Muhammadnism	London	1954
Phythian	Adams Phythian	Call of Israel	London	1942
Radin	Paul Radin	Primitive Religion	New York	1993
Roaland	Roaland D. Vaux	Ancient Israel	N.Y.	1967
Roaley	J. Rouley Scott	A History of Prostitute	London	1952
Robertson	Robertson	Temple and Jorah	do	1946
Robinson	H.W. Robinson	Recard and Revelation	Oxford	1954
Robinson	H. W. Robinson	Bible in its Ancient English Version	London	1957
Robinson	T.H. Robinson	A short History of Religion	London	1933
Rooby	H.H. Rooby	Old testament and modern study	London	1962
Rooby	H.H. Rooby	The Growth of the old Testament	London	1962
Roth	Cacil Roth	Short History of the Jewish People	do	1936

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Schultz	Schultaz	Old Testament Theology Ideas	London	1961
Snath	Snath	Distincitive ideas of the old Testament	do	1972
Travelgen	Travelgen G.M.	The History of England	London	1932
Wallance	Edwins Wallance	The Holy Jerusalum Josephus	do	1967
Whiston	J. Whiston	Complete Works of	do	1961
Walls	Grammar Walls	Our social Heritage	do	1921
Yinger	J. Milton Yinger	Religion Society & Individual	N.Y	1965
Wilson	R. Dick Wilson	A Scientific Investing ation of old testament	do	1962
Barcaly	D. J. Bercaly	City of great kings	do	1962
Poland	T. By H. Poland	Talmud	N.Y.	1965
Theophanes	Theophanes	Palestine Under the Moslems	London	1890
COMMENTARIES				
Daryabadi	M. Abdul Majid D.	Translation Comme Ntary of Holy Quran	Karachi	1991
Davidson	Davidson	The New Bible commentary	London	1974
Dummelow	Dummelow	The one volume Bible Commentary	do	1972
Guthrie	Grand Guthrie	The new Bible commentary	do	1970
Janson	Janson Brown	Commentary on the Whole Bible	London	1961

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Lahori	Muhammad Ali Lahori	Translation & comm Entary of the Holly Quran	Lahore	1962
May	James L. May	Harber's Bible Comm.	N.Y.	1988
Methew	Methew Poole	A commentary on the Holy Bible	London	1979
Preiffer	Preiffer Harison	The Wrcliffle Bible Commentary	do	1962
CONCORDANCES				
James	James Strongs	The New Strongs Exhaustive Concordance of the Bible	U.S.A.	1958
Wigram	Wigram, Grand, Rapids	The English man's Heberew Chaldee concordance	London	1980
Allonc	Allonc	Myros the erdmans bible	N.Y	1975
		Dictionary		
Bryant	Alton Brayant	The New Compact	N.Y.	1965
Butterick	Butterick	The Interpretor's Dictionary of Bible	do	1967
Douglas	J.D. Douglas	The Interpretor's the new Bible dictionary	do	1962
Douglas	J.D Douglas	The New International Dictionary of The Church	do	1974
Fausset	Fausset,	Grand Rapids Bible Encyclopaedia and dictionary	do	1949
Grand	Grand Rapids	Gesenius Hebrew Chaldee Lexicon To the old testament	do	1949

Nick Name	Author's Full Name	The Name of Book	Place of Pub.	Year
Hastinggs	Hastings, Edingberg	Dictionary of the	do	1909
do	do	Bible (one Volume)	do	1904
		Dictionary of The Bible (5-Volumes)		
Jacobus	Jacobos et at	A new standard Bible Dictionary	N.Y.	1936
Lanepoole	Lane Poole	English Lexicon	London	1942
Mays	L. Mays	James Harper's bible dictionary	N.Y	1988
Mc Kenzie	Mc Kenzie, J.L	Dictionary of the Bible	London	1972
Oxford English dictionary			London	1961
Smith	Smith and Chethan	Dictionary of Christian Antiquities	do	1968
Stephen	Stephen Neill	The Concise Dict Onary of the Bible (Two volumes)	do	1966
Tenny	M.C. Tenny, Grand Gesnd Radis	The Zondervan Pictorial Dictionary	do	1963
Wynne	Pallen & Wynnes	New Catholic Dictionary	N.Y.	1972
Wagnalls	Funk and Wagnalls	New Standard Dictionary of English	do	1967
//	//	A new Standard bible Dictionary	N.York	1971
Williams	Williams and Norgate	Arabic English Lexicon's	London	1982

ENCYCLOPAEDIAS

An Encyclopedia of World History,	New York,	1976
Bible Encyclopedia and Dictionary	London,	1970
Chamber Encyclopedia 4th edition	London	1954
Comptons Pictured Encyclopedia	London	1965
Collior's Encyclopedia 12th edition	New York,	1979
Encyclopedia of Americana, 11th edition	do	1960
Encyclopaedia of Britanica 13th and 15th edition	London	1946 & 1986
Encyclopedia of Religion and ethics 15th	London	1960
Encyclopedia of religion and Religions	New York	1986
Every Man's Encyclopedia	London	1980
Funk Wagnall New Encyclopedia	New York	1972
Hasting Encyclopedia of Religion Ethics	London	1942
International Standard Bible Encyclopedia	London	1958
International Encyclopedia of social sciences		
Jewish Encyclopedia (Funks Wagnall)	New York	1925
M. Dannall's concise Encyclopedia	New York	1960
Merit student Encyclopedia	//	1986
New Catholic Encyclopedia 5th edition	Washington	1967
Shorter Encyclopedia of Islam	Leiden,	1986
The Lion Encyclopedia of Bible	London	1978
The world family Encyclopedia	New York	1956
Urdu Encyclopedia (Daira Tul marrie)	Lahore	1978
Vallentinie's one volume Jewish encyclopedia	London	1972
Great Soviet Encyclopedia thid edi	London	1978
Teacher Encyclopedia	London	1912

اَغلاط نامہ

لفظ	درستی	صفحہ	سطر
جنبی	جنسی	۲۴	۱۲
میاں	یہاں	۵۴	۳
میرے	ہمارے	۵۵	۱۷
شامل تھا	شامل نہ تھا	۶۲	۱۳
صفت	صنعت	۷۰	۹
حوت	موت	۸۹	۲۱
لفظ	درستی	صفحہ	سطر
ڈھانپ ہے	ڈھانپ لیا	۹۱	۹
شرک	شرق	۱۰۴	آخری
لوتا	لوقا	۱۱۲	۳
توارۃ	تورات	۱۱۴	۱۷
سے	لئے	۱۱۸	۱۳
کہ	کی	۱۳۱	۲۰
فع	رفع	۱۵۴	۱
چوری	حواری	۱۷۱	۱۹
BEALTY	BEATTY	۱۹۳	۱۰
اور۔ق	اوراق	۱۹۳	۱۱
مصنوعی	خصوصی	۱۹۶	۱۶

لفظ	درستی	صفحہ	سطر
باریمیں	بارے میں	۱۹۸	۹
صوبوں	صدیوں	۲۱۵	۹
قائم	کام	۲۱۸	۱۸
زبانی	زبان	۲۲۰	۱۹
ازلی	ازل	۳۱۸	۲
کاشت	کاست	۳۲۲	۷
دکھک	دکھ	۳۲۳	۲۰
متوافقہ	متفقہ	۳۳۱	۱۹
عقیدہے	عقیدے	۳۳۵	۲
لفظ	درستی	صفحہ	سطر
سکھا	سکھائے	۳۹۱	۱۷
کیونکہ	کیونکر	۳۹۴	۱۲
تہمت	تہمت	۵۷۹	۱۰
فائصض	فائز	۶۱۱	۲۳